الملل و النحل

جلد دوم

سلسلۂ مطبوعات دار الطبع جامعہ عثمانیہ

نشان ۳۵۳

الملل والنحل

جلد دوم النحل

(مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۴۷ھ)

ابو محمد علی بن احمد بن حزم الاندلسی

مترجمہ

مولانا عبد اللہ عمادی صاحب
(سابق رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ)

سنہ ۱۳۶۴ھ سنہ ۱۳۵۴ف سنہ ۱۹۴۵ء

مطبوعہ
دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن

فہرست مضامین

ملل ونحل مجلد دوم

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی افتراقات

جب ہم نے اللہ کی مدد سے ملل و ادیان میں کلام کو مکمل کر دیا تو اب ہمیں چاہئے کہ اہل اسلام کے مذاہب اور ان کے افتراق کو شروع کریں اور ان میں سے جس نے اپنے مذہب میں غلطی کی ہے اُسے بیان کریں اور ان تمام مذاہب میں سے مذہب حق کے واضح کرنے پر ضروری براہین لائیں۔ جیسا کہ ہم نے ملل میں کیا ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین کثیرا۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

پانچ فرقے

ملت اسلام کے ماننے والوں کے پانچ فرقے ہیں۔ اہل سنت[1] و معتزلہ[2] و مرجیہ[3] و شیعہ[4] و خوارج[5]۔ ان میں سے ہر فرقے کے بہت سے فرقے ہو گئے۔

اہل سنت کا اکثر افتراق فتوے میں ہے (عقائد میں نہیں) اعتقادات میں بہت ہی قلیل اختلاف ہے انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس پر تنبیہ کریں گے۔

جو فرقہ حق کے قریب ہے

بقیہ فرقے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ ان میں وہ بھی ہیں جو اہل سنت سے بہت دور کا اختلاف رکھتے ہیں۔ اور وہ بھی ہیں

جو قریب کا اختلاف رکھتے ہیں۔

ان میں اہل سنت سے قریب تر فرقۂ مرجیہ ہے جو اس امر میں ابو حنیفہ فقیہ کے مذہب پر گیا ہے کہ ایمان زبان ودل دونوں سے تصدیق کرتا ہے اور اعمال محض شرائع وفرائض ایمان ہیں۔

جو حق سے دور جا پڑے

ان میں اہل سنت سے بعید تر جہم بن صفوان کے ساتھی اور اشعری اور محمد بن کرام السجستانی ہیں۔
جہم واشعری کہتے ہیں کہ ایمان صرف قلب کا معاملہ ہے۔ اگرچہ وہ زبان سے کفر وتثلیث کو ظاہر کرے اور دار الاسلام میں بغیر تقیے کے صلیب پرستی کرے۔

محمد بن کرام کا قول ہے کہ ایمان زبان سے کہنا ہے اگرچہ دل میں کفر کا اعتقاد رکھے۔

معتزلہ کے فرقوں میں اہل سنت سے قریب تر حسین بن محمد النجار وبشر بن غیاث المریسی کے ساتھی ہیں۔ ان کے بعد ضرار بن عمرو کے ساتھی ان میں بعید تر ابو الہذیل کے ساتھی ہیں۔

شیعۂ قریب

مذاہب شیعہ میں اہل سنت سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو اپنے کو فقیہ حسین بن صالح بن حی الہمزانی کے اصحاب کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ امامت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہے۔ حالانکہ حسن بن صالح رحمہ اللہ سے جو ثابت ہے وہ ہمارا ہی قول ہے کہ امامت تمام قریش میں ہے۔ حسن بن صالح تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے تھے۔ سوائے اس کے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کو سب پر فضیلت دیتے تھے۔

شیعۂ بعید

ان میں بعید تر (اہل سنت سے) فرقۂ امامیہ ہے۔

خارجی قریب

خوارج کے فرقوں میں اہل سنت سے قریب تر فرقہ عبد اللہ بن یزید الاباضی الفزاری الکوفی کے اصحاب ہیں۔

خارجی بعید

ان میں بعید تر ازارقہ ہیں۔

جو مسلمان نہیں	اصحابِ احمد بن حابط، و احمد بن مالوس، و فضل الحرانی، اور غالی روافض و منصوفین، و بطیحیہ یعنی اصحاب ابی اسماعیل البطیحی اور اجماع سے علیحدہ ہو جانے والے عجاردہ، وغیرہم۔

تو یہ اہل اسلام میں سے نہیں ہیں، بلکہ باجماع امت یہ سب کفار ہیں۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

قدر مشترک

مخصوصات جن پر ہر فرقے نے اعتماد کیا ہے

مرجیہ کا تو جس پر اُن کا اعتماد ہے جس سے وہ تمسک کرتے ہیں وہ ایمان و کفر میں کلام ہے کہ یہ دونوں کیا ہیں اور ان دونوں کا نامزد کرنا ہے (کہ کیا کفر ہے کیا ایمان ہے) اور وعید میں۔ اس کے سوا امور میں غیر مرجیہ کی طرح اُن میں بھی باہم اختلاف ہے۔

معتزلہ کے یہاں جس پر ان کا اعتماد ہے اور جس سے یہ تمسک کرتے ہیں وہ کلام ہے توحید اور صفات باری تعالیٰ میں۔ بعض معتزلہ تقدیر میں کلام کا اضافہ کرتے ہیں۔ اور کلام فسق و ایمان و وعید کے نامزد کرنے میں ہے۔ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں کلام میں جہم بن صفوان و مقاتل بن سلیمان اور اشعریہ اور مرجیہ اور ہشام بن الحکم اور شیطان الطاق جس کا نام محمد بن جعفر الکوفی تھا اور داؤد الجواری بھی

صفات باری تعالیٰ کے کلام میں معتزلہ کے شریک ہیں۔ یہ سب کے سب شیعہ ہیں۔ بجز اس کے کہ ہم نے معتزلہ کو اس اصل میں مخصوص کر دیا ہے اس لئے کہ جس نے اس اصل میں کلام کیا ہے وہ قول اہل سنت یا قول معتزلہ سے خارج ہے سوائے ان مذکورۂ بالا مرجیہ و شیعہ کے کیونکہ یہی لوگ تنہا اُن امور کے قائل ہیں جو قول اہل سنت و معتزلہ سے خارج ہیں۔

شیعہ کا معتمد علیہ ان کا کلام امامت کے بارے میں اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک دوسرے کو فضیلت دینے میں ہے۔ بقیہ امور میں ان میں بھی اسی طرح اختلاف ہے جس طرح اوروں میں۔

خوارج کے مذہب کا معتمد علیہ کلام ایمان و کفر میں ہے کہ یہ کیا ہیں اور ان دونوں کے نامزد کرتے ہیں اور وعدہ و امامت میں ہے۔ بقیہ امور میں ان میں باہم اسی طرح اختلاف ہے جس طرح اوروں میں ہے۔

ہم نے ان گروہوں کو ان معانی میں محض اس لئے مخصوص کیا کہ

جو "مرجی" نہیں	جو یہ کہے کہ اعمال جسد (بدن) ایمان ہیں۔ کیونکہ ایمان طاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے گھٹتا ہے۔ اور مومن کوئی بھی گناہ کا کام کرے گا تو اُس کو کافر کہا جائیگا اور زبان و دل سے ایمان لانے والا ہمیشہ دوزخ میں رہے گا تو وہ مُرجی نہیں ہے
جو "مرجی" ہے	جو شخص ان کے اُن اقوال کی موافقت کرے جو یہاں بیان کئے گئے اور ان کے علاوہ جن میں مسلمانوں نے ان سے اختلاف کیا ہے اُن میں ان سے اختلاف کرے تو وہ مُرجی ہے
جو معتزلی نہیں	جو خلق قرآن۔ رویت باری اور مسئلۂ تقدیر میں اور اس میں کہ کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے نہ کافر بلکہ فاسق ہے معتزلہ کی مخالفت کرے تو وہ اُن میں سے نہیں ہے۔
جو معتزلی ہے	جو امور مذکورہ میں ان کی موافقت کرے وہ انھیں میں سے ہے۔

اگرچہ وہ ان مذکورہ بالا امور کے علاوہ امور میں اُن سے اختلاف کرے جن میں مسلمان اُن سے اختلاف کرتے ہیں۔

۹۰

جو شیعی ہے

جو اس میں شیعہ کی موافقت کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل اور سب سے زیادہ مستحق امامت و خلافت اور علیؓ کے بعد ان کی اولاد، تو وہ شیعی ہی ہے اگرچہ وہ اور مسائل میں جن میں مسلمان ان سے اختلاف کرتے ہیں اِن سے اختلاف کرے۔

جو شیعی نہیں

جو مذکورہ بالا عقائد میں ان کی مخالفت کرے تو وہ شیعی نہیں ہے

جو خارجی ہیں اور جو نہیں ہیں

جو انکارِ تحکیم اور تکفیر مرتکبین کبائر میں اور ظالم بادشاہوں کے خلاف جنگ کرنے کے جواز میں اور اس میں کہ مرتکبین کبائر دوزخ میں ہمیشہ رکھے جائیں گے اور امامت غیر قریش میں بھی جائز ہے، خوارج کی موافقت کرے تو وہ خارجی ہے۔ اگرچہ وہ دوسرے مسائل میں جن میں مسلمانوں نے ان سے اختلاف کیا ہے یہ بھی اُن سے اختلاف کرے۔ اگر مذکورہ بالا عقائد میں ان کی مخالفت کرے تو وہ خارجی نہیں۔

جو حق پر ہیں

اہل سنت جن کو ہم بیان کریں گے وہی اہل حق ہیں اور ان کے علاوہ جتنے ہیں سب اہل بدعت ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور وہ بہترین تابعین رحمۃ اللہ علیہم ہیں جو ان حضرات کے راستے پر چلے ہیں۔ پھر اصحاب حدیث اور ان کے متبعین فقہاء ہیں جو گروہ درگروہ ہمارے زمانے تک پہنچے ہیں اور مشرق و مغرب کے وہ عوام ہیں جنھوں نے ان حضرات کی اقتدا و پیروی کی ہے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

جو مسلمان کہلاتے ہیں

اسلام کے تمام فرقوں نے اپنے کو اسلام کے نام سے نامزد کیا ہے باوجودیکہ وہ سب مسلمان نہیں ہیں۔

مثلاً خوارج کے چند گروہ جو حد سے بڑھ گئے ہیں اور وہ اس کے قائل ہیں کہ نماز صرف ایک رکعت صبح اور ایک رکعت شام کو ہے۔ دوسروں نے پوتیوں نواسیوں اور بھتیجے اور بھانجے کی بیٹیوں سے نکاح کو حلال سمجھا ہے۔ اور کہا ہے کہ سورۂ یوسف قرآن کا جزو نہیں ہے۔ انھیں میں سے اوروں نے کہا ہے کہ زانی اور چور کو حد لگائی جائے گی۔ پھر انھیں کفر سے توبہ کرائی جائے گی۔ پھر اگر توبہ کرلیں تو خیر ورنہ انھیں قتل کر دیا جائے گا۔

چند گروہ جو معتزلہ میں سے تھے انھوں نے غلو کیا اور تناسخ ارواح کے قائل ہو گئے۔ انھیں میں سے دوسروں نے کہا ہے کہ سور کی چربی اور بھیجا حلال ہے۔

چند گروہ مرجیہ کے ہیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ ابلیس نے کبھی اللہ سے مہلت کی دعا نہیں مانگی۔ اور نہ اس کا اقرار کیا کہ اُسے اللہ نے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔

دوسرے مرجیہ اس کے قائل ہیں کہ نبوت اعمالِ صالحہ سے حاصل کیجا سکتی ہے۔

دوسرے لوگ جو اہل سنت میں سے تھے انھوں نے بھی غلو کیا اور کہا کہ صالحین میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو انبیاء و ملائکہ علیہم السلام سے افضل ہوتے ہیں جس نے اللہ کی اتنی معرفت حاصل کرلی جتنا معرفت کا حق ہے تو اُس سے اعمال و شرائع ساقط ہو جاتے ہیں۔

ان میں بعض لوگ اپنی مخلوق کے اجسام میں باری تعالیٰ کے حلول کے قائل ہیں جیسے حسین منصور حلاج وغیرہ۔

غُلاۃ شیعہ چند گروہ شیعہ میں سے تھے پھر انھوں نے غلو کیا۔ ان میں سے بعض علی بن ابی طالب علیہ السلام کی اور ان کے بعد کے ائمہ کی الوہیت کے قائل ہو گئے۔

بعض وہ بھی ہیں جو علی کی نبوت اور تناسخ ارواح کے بھی قائل ہیں۔ مثلاً سید الحمیری شاعر وغیرہ۔

ایک گروہ ابو الخطاب محمد بن ابی زینب مولائے بنی اسد کی الوہیت کا قائل ہے۔

ایک گروہ مغیرہ بن ابی سعید مولائے بنی بجلہ اور ابی منصور العجلی اور بزیع الحائک اور بیان بن سمعان التیمی وغیرہم کی نبوت کا قائل ہے۔

ایک گروہ علیؓ کے دنیا میں واپس آنے کا قائل ہے۔ انھیں نے ظاہر قرآن کے ماننے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ظاہر قرآن کے لئے تاویلات ہیں۔

تاویلات غلاۃ

تاویلات یہ بیان کی ہیں کہ "السماء" سے مراد محمدؐ اور "الارض" سے مراد ان کے اصحاب ہیں۔

"ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ (اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم گائے ذبح کرو) کہتے ہیں کہ بقر (گائے) سے مراد فلاں ہے یعنی ام المومنین رضی اللہ عنہا۔

کہا ہے کہ "العدل والاحسان" سے مراد علیؓ ہیں۔ اور "الجبت والطاغوت" (یعنی بت و گمراہی میں ڈالنے والا) سے مراد فلاں فلاں ہیں یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

کہتے ہیں کہ نماز سے مراد امام کو پکارنا ہے اور زکوۃ وہ ہے جو امام کو دیا جائے۔ حج امام کے پاس جانا ہے۔

انھیں غلاۃ میں خناقین و رضاخین ہیں۔ ان میں سے ہر ایک فرقے کا کسی دلیل سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ ان کے قبضے میں سوائے مجرد دعوئ الہام کے اور کھلم کھلا جھوٹ کے کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ یہ کسی مناظرے کی طرف التفات کرتے ہیں۔ ان کے رد کے لئے ان سے یہ کہنا کافی ہے کہ تم میں اور اس میں کیا فرق ہے جو تمھارے قول کے باطل ہونے کے الہام کا دعویٰ کرے۔ اس سے بچنے کی انھیں

کوئی صورت نہیں ۔ اسلام کے تمام فرقے ان لوگوں سے بیزار ہیں اوران کی تکفیر کرتے ہیں اوراس پر متفق ہیں کہ یہ لوگ مخالف اسلام ہیں ۔ ونعوذ باللہ من الخذلان ۔

ایرانی اثر

ان گروہوں کے مذہب اسلام سے خارج ہونے کی زیادہ تر بنیاد یہ ہوئی کہ اہل فارس وسعت سلطنت اور تمام اقوام پر بالادست ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو بہت ہی بزرگ و برتر سمجھتے تھے ۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو احرار وابناء بتاتے تھے اور بقیہ لوگوں کو اپنا غلام سمجھتے تھے ۔ جب وہ عرب کے ہاتھوں اپنی سلطنت کے زوال کے امتحان میں ڈالے گئے ۔ حالانکہ اہل فارس کے نزدیک عرب ایک حقیر ترین قوم تھی ۔ تو انھیں اس امر نے غصے میں ڈالا اوران کے نزدیک دوچند مصیبت ہوگئی ۔ (یعنی زوال سلطنت اور حقیر قوم کی غلامی) انھوں نے بصورت جنگ مختلف اوقات میں اسلام کو فریب دینا چاہا ۔ مگران تمام صورتوں میں اللہ سبحانہ حق کو غالب کرتا رہا ۔

ایرانی سازشگر

ان لوگوں کے رہنماؤں اور مدبروں میں سے سنتقادہ ۔ استاسیس ۔ مقنع ۔ اور بابک وغیرہم تھے ۔ کہا گیا ہے کہ ان لوگوں نے اور عمار نے جس کا لقب خداش تھا اور ابو سلم السراج نے اس کا ارادہ کیا ۔ مگر مناسب سمجھا کہ اسلام کو کسی حیلے سے فریب دینا زیادہ بااثر ہوگا ۔ ان میں سے ایک جماعت نے اسلام ظاہر کیا اور محبت اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار اور علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کی مذمت سے اہل تشیع کو پھسلا کے انکے مختلف راہوں پر لے گئے ۔ یہاں تک کہ انھیں اسلام ہی سے نکالدیا ۔ ان کی ایک جماعت کو انھوں نے اس عقیدے میں داخل کردیا کہ وہ ایک ایسے شخص کے منتظر ہیں جس کو ان کے یہاں مہدی کہا جاتا ہے ۔ حقیقی دین اسی کے پاس ہے ان کفار سے دین کا اخذ کرنا جائز نہیں جبکہ انھوں نے

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفر کی طرف منسوب کر دیا۔
ایک قوم اُن لوگوں کی نبوت کی قائل ہو گئی جن کی نبوت کا ان لوگوں نے دعویٰ کیا تھا۔
ایک قوم اہل فارس کے ساتھ اس مسلک پر چلی جو ہم نے بیان کیا کہ اللہ کے حلول کا قائل ہونا اور شرائع کا ساقط ہو جانا تھا۔
دوسروں نے کھیل کیا۔ اُن پر شبانہ روز میں پچاس نمازیں واجب کر دیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ نہیں بلکہ اس طرح واجب ہیں کہ سترہ وقت کی نمازیں ہیں اور ہر وقت میں پندرہ رکعتیں ہیں۔ اور یہ قول عبداللہ ابن عمرو بن الحرث الکندی کا اس کے ذلیل خارجی بنتے سے پہلے کا ہے۔
عبداللہ بن سبا یہودی الحمیری بھی اسی مسلک پر چلا کیونکہ (خدا اس پر لعنت کرے) اُس نے اہل اسلام کو دھوکا دینے کے لئے اسلام ظاہر کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لوگوں کے حملہ کرنے کا بانی یہی تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے ایسے چند گروہوں کو جنھوں نے الوہیت علی کا اعلان کیا تھا جلا دیا۔ اور انھیں اصول ملعونہ سے اسماعیلیہ و قرامطہ پیدا ہو گئے۔ یہ دونوں گروہ بالکل علانیہ ترک اسلام ظاہر کرتے ہیں اور خالص مجوسیت کے قائل ہیں۔
پھر مزدک (مَزْدَک) موبذ کا مذہب ہے جو نوشیرواں بن قباد (قُبَاد) شاہ فارس کے عہد میں تھا۔ یہ عورتوں سے اور مال سے لوگوں کی مدد کرنے کے وجوب کا قائل تھا۔

اسلام کے خلاف سازش

جب لوگ ان دو شعبوں تک پہنچ گئے تو انھیں جس طرح چاہا اسلام سے ان لوگوں نے خارج کر لیا۔ کیونکہ صرف یہی ان لوگوں کی غرض تھی۔ بس اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔ اے اللہ کے بندو اپنے دلوں میں خدا سے ڈرو۔ تمھیں اہل کفر و الحاد سے اور اپنے کلام پر بغیر ملمع کرنے والے سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ جس کے پاس کوئی برہان نہیں مگر فریب و ملمع کاری

اور وعظ ہے جو تمہارے رب کی کتاب کے جس کو تمہارے پاس لائے ہیں اور تمہارے نبی کے کلام کے خلاف ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ لہذا ان دونوں (یعنی کلام الٰہی و کلام نبی) کے سوا میں کوئی خیر نہیں۔

تمہیں جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا دین ظاہر ہے جس میں کوئی باطن نہیں ہے۔ علانیہ ہے جس کے نیچے کوئی خفیہ راز نہیں۔ سب کا سب برہان ہے جس میں کسی قسم کی کمی درگذر اور چشم پوشی نہیں ہے۔ جو بغیر برہان کے پیروی کرنے کو بلائے اُسے متہم سمجھو۔ جو دین کے لئے راز یا باطن کا دعویٰ کرے تو یہ بھی محض دعوے اور جہل و حماقت کی باتیں ہیں۔

تمہیں جاننا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شریعت کا ایک کلمہ یا اس سے کم کو بھی نہیں چھپایا۔ نہ کبھی ایسا کیا کہ آپ نے کسی امر شریعت کی اطلاع دینے میں اپنے خاص لوگوں کو مثلاً زوجہ یا دختر یا چچا یا چچازاد بھائی یا اور کسی ساتھی یا دوست کو مخصوص کیا ہو کہ سرخ یا سیاہ یا بکری کے چرواہوں تک سے چھپایا ہو۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سر (راز) یا رمز یا باطن تھا۔ بجز اُس کے جس کی آپ تمام لوگوں کو دعوت دیتے تھے۔ اگر آپ لوگوں سے کچھ بھی چھپاتے تو ہرگز آپ وہ تبلیغ نہ کر سکتے جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔ جو اس کا قائل ہے وہ کافر ہے۔ لہذا تم لوگ ہر ایسے قول سے بچو جس کی راہ کھلی ہوئی نہیں ہے۔ نہ اُس کی دلیل واضح ہے۔ اور نہ اُس راہ سے کجی کرو جس پر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم گذر گئے۔

۹۲

رد بدعات کی مستقل کتاب

ہم نے ان تمام فرقوں کی برائی اپنی ایک پاکیزہ کتاب میں واضح کی ہے جس کا نام "النصائح المنجیہ من الفضائح المخزیہ والقبائح المرویۃ" ہے جس میں اہل بدعت کے چار فرقوں "معتزلہ۔ مرجیہ۔ خوارج اور شیعہ" کے اقوال ہیں ہم نے اپنی اسی کتاب کے آخر میں

مذاہب پر کلام کے سلسلے میں اس کا اضافہ کر دیا ہے۔ پوری پوری خیر یہی ہے کہ تم اُسی کے پابند رہو جس پر تمہارے پروردگار نے قرآن میں نہایت واضح زبان عربی میں تصریح فرمائی ہے جس میں کوئی شے (از قبیل ہدایت) نہیں چھوڑی۔ ہدایت کی ہر شے کا واضح بیان ہے۔ اس کے پابند رہو جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً و مُسنداً بذریعۂ روایت ثقات آئمۂ حدیث رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ بس یہی دو راستے ہیں جو تمہیں تمہارے پروردگار کی رضا تک پہنچائیں گے۔

مسائل مختلف فیہا ہم انشاء اللہ تعالیٰ اُن مضامین کی ابتدا کرتے ہیں جن میں مسلمانوں میں اختلاف ہوا ہے اور وہ ہر فرقے کے معتمد علیہ ہیں وہ توحید۔ قدر یعنی تقدیر۔ ایمان۔ وعید۔ امامت اور مفاضلت (یعنی صحابہ میں باہمی فضیلت) ہیں پھر وہ اشیاء بیان کریں گے جن کو متکلمین لطائف کہتے ہیں۔ اور وہ تمام دلائل بیان کریں گے جن سے یہ لوگ احتجاج کرتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ بدیہی دلائل کے ذریعے سے ہم وجہ حق کو واضح کریں گے جیسا کہ ہم نے گذشتہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد و تائید سے کیا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ان میں سب سے پہلے توحید ہے۔

توحید و نفی تشبیہ

ایک گروہ کا مذہب یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے۔ اس میں اُن کی دلیل یہ ہے کہ عقل میں وہی قائم ہو سکتا ہے جو جسم ہو یا عرض (صفت) ہو۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کا عرض (دوسرے کی صفت) ہونا

باطل ہو گیا تو ثابت ہو گیا کہ وہ جسم ہے۔ کہتے ہیں کہ فعل بغیر جسم کے ثابت و موجود نہیں ہو سکتا۔ باری تعالیٰ فاعل ہے لہذا واجب ہو گیا کہ وہ جسم ہے۔ اس میں انھوں نے اُن آیات قرآن سے بھی احتجاج کیا ہے جن میں۔ ید۔ بیدین۔ ایدی اور آنکھ اور چہرہ اور پہلو کا ذکر ہے۔ اور اس آیت سے بھی "وجاء ربك" (اور آپ کا رب آئے گا) اور "یاتیہم اللہ فی ظلل من الغمام والملائکۃ" (جب ان کے پاس ابر کے سائے میں اللہ اور ملائکہ آئیں گے)۔ اُس کی تجلی سے اور احادیث جبل سے جن میں قدم اور داہنے ہاتھ اور پاؤں اور اُنگلیوں کا اور اترنے کا ذکر ہے احتجاج کیا ہے۔

ایسی نصوص کے لئے ایسی وجوہ ظاہرہ و واضحہ ہیں جو ان کے گمان و تاویل کے خلاف ثابت کرتی ہیں۔ یہ دونوں (یعنی معقول و منقول) استدلال فاسد ہیں۔

یہ کہنا کہ عقل میں وہی قائم ہو سکتا ہے جو جسم ہو یا عرض ہو۔ تو یہ تقسیم ناقص ہے۔

موجودات کی حقیقت

درست یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ پایا جاتا ہے وہ جسم ہے یا عرض ہے۔ یہ دونوں اپنی طبیعت کے اعتبار سے بالبداہت اپنے محدِث و موجد کے وجود کو چاہتے ہیں۔ لہذا معلوم ہو گیا کہ اگر ان دونوں کا مُحدِث بھی جسم یا عرض ہو گا تو لامحالہ وہ بھی کسی فاعل کو چاہے گا جس نے اُسے بنایا ہو۔ یہ بدیہی طور پر لازم و واجب ہو گیا کہ جسم و عرض کا فاعل و مُحدِث جسم و عرض نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ برہان ہے جس کی طرف ہر ذی حس عقل کی بداہت سے مجبور رہوتا ہے۔

نفی تجسّم باری

اگر باری تعالیٰ (جو ان کے الحاد سے بالاتر ہے) جسم ہوتا تو وہ لامحالہ اس کو بھی چاہتا کہ اُس کے لئے زمان و مکان ہو۔ یہ دونوں چیزیں اُس کے مغائر ہوں۔ یہ توحید کا

ابطال ہے اور اُس کے ساتھ ایسی دو چیزوں کی شرکت کا واجب کرنا ہے جو اُس کے سوا ہیں۔ اور اُس کے ساتھ ایسی اشیاء کا لازم کرنا ہے جو غیر مخلوق ہوں۔ حالانکہ یہ کفر ہے۔ ہم پہلے اس کو فاسد کر چکے ہیں۔ کوئی جسم بغیر اس کے عقل میں نہیں آتا کہ وہ مرکب ہو اور طویل و عریض و عمیق ہو۔ حالانکہ ان کے ماہرین اس کے قائل نہیں ہیں۔ اگر وہ اس کے قائل ہوں تو انہیں لازم آئے گا کہ اس کا کوئی ترکیب دینے والا جامع موجد اور فاعل بھی ہو۔ اگر وہ اس سے انکار کریں تو انہیں لازم آئے گا کہ عالم میں کسی مرکب کے لئے بھی کوئی ترکیب دینے والا اور جامع نہ مانیں۔ اس لئے مرکب جس کیفیت میں بھی پایا جائے گا وہ ترکیب دینے والے کے وجود کو ضرور چاہے گا۔ ۹۳

اگر وہ کہیں کہ وہ جسم غیر مرکب ہے۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ البتہ یہ وہ بات ہے کہ واقعی عقل میں نہیں آسکتی اور نہ ذہن میں اس کی کوئی شکل آسکتی ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہمارے اس قول میں کوئی فرق نہیں کہ شئے کہیں یا جسم کہیں۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ اُس لغت کے مطابق یہ دعویٰ جھوٹا ہے جس میں وہ بات چیت کرتے ہیں۔ نیز یہ باطل بھی ہے۔ اس لئے کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر شئے اور جسم ایک ہی معنیٰ میں ہو تو لامحالہ عرض بھی جسم ہو گا۔ اس لئے کہ وہ بھی شئے ہے۔ اور یہ باطل ہے اور مسلم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ان اقوال میں کوئی فرق نہیں۔ شئے۔ موجود۔ حق۔ حقیقت اور ثبت۔ یہ تمام کلمات اسماء مترادفہ ہیں ایک ہی معنیٰ میں ہیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور ان میں سے کوئی اسم اس سے زائد کسی صفت کا متقاضی نہیں کہ اس لفظ کا مسمّیٰ حق ہے۔ اور نہ اس سے زیادہ۔ لیکن لفظ جسم سے تو لغت میں اُس شئے کو تعبیر کیا جاتا ہے جو طویل عریض عمیق اور قابل تقسیم ہو اور چھ جہات میں سے کوئی جہت رکھتا ہو۔ وہ چھ جہات یہ ہیں۔ اوپر۔ نیچے۔ پیچھے۔ آگے۔ داہنے۔ بائیں

کبھی کبھی ان میں سے ایک جہت نہیں پائی جاتی اور وہ فوق (اوپر) ہے۔
جس لغت کے یہ اسماء ہیں اسی لغت میں ان اسماء کا یہی حکم ہے۔ جو شخص یہ چاہے کہ
ان میں سے کسی ایسی شے پر واقع کرے جس کے لئے یہ اسم لغت میں
وضع نہیں کیا گیا ہے تو یہ مجنوں و بیحیا ہے۔ اور اس شخص کے مثل ہے
جو یہ چاہے کہ حق کا نام باطل رکھدے اور باطل کا نام حق رکھدے اور
یہ چاہے کہ سونے کا نام لکڑی رکھدے۔ یہ انتہائی جہل وحماقت
ہے۔ سوائے اس کے کہ ایک اسم کے اپنے معنے موضوع
سے دوسرے معنی کی طرف منتقل ہونے کی کوئی نص آئی ہو تو اس وقت
ترک کر دیا جائے گا۔ ورنہ نہیں۔ ہر مناظر کو جو حقائق کو پہچاننا چاہے گا
یا ان کی تعریف کا ارادہ کرے گا اسے لازم ہوگا کہ وہ پہلے ان معانی
کی تحقیق کرے جن پر وہ اسم واقع ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ ان معانی
کا حال بیان کرے یا ان کے متعلق واجب کی خبر دے۔ اشیاء کا مخلوط کرنا اور ان کا
ان کے لغوی موضوع سے بدلنا تو یہ جاہل بیحیا سوفسطائیہ کا فعل ہے
جو اپنے آپ کو اور اپنی عقول کو خسارے میں ڈالنے والے ہیں۔

اگر یہ لوگ ہم سے یہ کہیں کہ تم کہتے ہو کہ اللہ عزوجل حی ہے نہ
احیاء کی طرح۔ علیم ہے نہ علماء کی طرح۔ قادر ہے نہ قادرین کی طرح۔
اور شے ہے نہ اشیاء کی طرح۔ تو تم یہ کہنے سے کیوں رو کتے ہو کہ وہ جسم ہے نہ اجسام کی طرح
ان سے کہا جائے گا کہ (باللہ تعالیٰ التوفیق) اگر اس کے اس نام سے نص وارد
نہ ہوئی ہوتی کہ وہ حی ہے۔ قدیر ہے اور علیم ہے۔ تو ہم ان میں سے اس کا کوئی بھی نام
نہ رکھتے۔ لیکن نص پر ٹھیرنا فرض ہے۔ اس کے جسم کے نام پر کوئی نص نہیں آئی اور نہ اس کے جسم کے
نام پر کوئی برہان قائم ہے بلکہ برہان اس کا یہ نام رکھنے سے مانع ہے۔ اگر ہمارے پاس اس کے
جسم کے نام کے متعلق کوئی نص آئی ہوتی تو ہم پر اس کا قائل ہونا بھی واجب ہوتا
اور اس وقت ہم کہتے کہ وہ جسم ہے نہ اجسام کی طرح۔ جیسا کہ ہم نے
حی و قدیر و علیم میں کہا اور کوئی فرق نہ ہوتا۔ لیکن لفظ شے کے متعلق
نص آئی ہے اور برہان نے بھی اسے ثابت کر دیا ہے جیسا کہ ہم اسے

انشاء اللہ تعالیٰ بعد کو بیان کریں گے۔
ان میں سے ایک گروہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نور ہے اور اس آیت سے استدلال کیا ہے "اللہ نور السموات والارض" (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے)

نور دو وجہ میں سے ایک سے خالی نہیں۔ وہ یا تو جسم ہو گا یا عرض ہو گا۔ اور جو بھی ہو تو اس پر برہان قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ عرض لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اللہ نور السموات والارض" تو اس کے معنی یہی ہیں کہ اللہ نے نفوس کو منور کر کے اس نور الہٰی تک پہنچا دیا جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ برہان یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اس جملے میں زمین کو بھی داخل کیا ہے جس میں اُس نے خبر دی ہے کہ وہ اُس کا نور ہے۔ اگر یہ امر ہوتا کہ وہ وہی روشن کرنے والا مشہور نور ہے تو قطعاً رات یا دن میں ایک ساعت کے لئے بھی روشنی گل نہ ہوتی۔ مگر جب ہم نے امر اس کے خلاف دیکھا تو معلوم ہوا کہ معاملہ ان کے گمان کے خلاف ہے۔
اُس شخص کا قول باطل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس سے موصوف کرتا ہے کہ وہ جسم ہے۔ اور اُس کا قول بھی باطل ہے جو اُسے حرکت سے موصوف کرتا ہے (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے) بیشک ضرورت اسے واجب کرتی ہے کہ ہر متحرک صاحب حرکت ہوگا اور حرکت اُس کے لئے ہو گی جو حرکت کی وجہ سے متحرک ہو گا۔ یہ امور اضافی میں سے ہے صورت اس میں ہو گی جو صاحب صورت بنایا گیا ہے اس لئے وہ صورت والا ہے۔ یہ بھی باب اضافت میں سے ہے۔ اگر ہر صورت بنانے والا صاحب صورت ہو اور ہر حرکت دینے والا صاحب حرکت ہو تو بیشک ایسے افعال کا ہونا لازم آئے گا جن کی ابتداء نہ ہو۔ اس کو ہم اپنی کتاب کے گذشتہ اوراق میں باطل کر چکے ہیں (اللہ کی مدد اور اُس کی تائید سے) لہذا ایسے محرک کا وجود لازم آیا جو خود متحرک نہ ہو اور ایسے مصور کا وجود لازم آیا جو خود متصور (صاحب صورت) نہ ہو اور یہ بدیہی و ضروری ہے۔ وہ باری تعالیٰ ہے جو تمام متحرکات کا

محرک اور تمام صورت والوں کا مصور ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔
ہر جسم صاحب صورت ہے اور ہر متحرک (صاحب حرکت) وہ صاحب عرض ہے جس میں وہ عرض (صفت) سمائی ہوئی ہے اور جس کو وہ اُٹھائے ہوئے ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ متحرک۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حرکت وسکون مدت ہیں۔ اور مدت زمانہ ہے۔ ہم اپنی کتاب کے گذشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں کہ زمانہ بھی حادث ہے اور حرکت بھی حادث ہے اور سکون بھی۔ باری تعالیٰ کو حدوث لاحق نہیں۔ کیونکہ اگر اُسے حدوث لاحق ہوگا تو پھر اُسے مُحدِثِ بھی لاحق ہوگا۔ لہذا باری تعالیٰ نہ متحرک ہے نہ ساکن اجسام میں جسم صرف آثار کو پیدا کرے گا۔ اور اجسام عالم کا بنانے والا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بے انتہا برتر ہے۔

اگر وہ کہیں کہ تم لوگ بھی تو اُس کا نام فاعل رکھتے ہو اور اپنے آپ کو بھی فاعل بتاتے ہو۔ اور یہی تشبیہ ہے۔

ہم اُن سے کہیں گے (وباللہ تعالیٰ التوفیق)۔ یہ تشبیہ کو واجب نہیں کرتا۔ اس لئے کہ تشبیہ تو محض اُن معانی سے ہوتی ہے جو دونوں مشتبہین میں موجود ہوں نہ کہ ناموں سے۔ یہ نام رکھنا محض عبارت میں اشتراک ہے۔ اس لئے کہ فاعل وہ ہے جو متحرک باختیار ہو یا باضطرار۔ یا عارف ہو یا شاک (یعنی غیر عارف شک کرنے والا اور نہ جاننے والا ہو) یا مرید (یعنی قصد وارادہ کرنے والا۔ جو اپنے ارادے سے کوئی کام کرے) یا وہ (متحرک) اسی طرح باختیار تھا۔ یا بہ ضمیر یا بہ اضطرار تھا ہم میں سے ہر فاعل متحرک و صاحبِ ضمیر ہے۔ متحرک صاحبِ حرکت ہے جس کا متحرک ہونا اور اعراض ضمائر انفعالات ہیں جو متحرک ہے وہ منفعل ہے۔ ہر منفعل (یعنی فعل کا اثر قبول کرنے والا) ضرور کسی فاعل کی وجہ سے ہے۔ لیکن باری تعالیٰ فاعل باختیار و باختراع ہے۔ نہ کہ فاعل بحرکت وضمیر

یہ اختلاف ہوا نہ کہ اشتباہ۔ وباللہ تعالی التوفیق۔
اسی طرح عرض جسم نہیں ہے۔ اور جسم عرض نہیں ہے۔ باری تعالی نہ جسم ہے نہ عرض۔ یہ دونوں حکم بھی ہرگز اشتباہ کا موجب نہیں۔ بلکہ یہ تو عین اختلاف ہے۔ اشتباہ تو محض یہ ہوتا ہے کہ ایسے معنی دونوں مشتبہین میں ہوں جن کی وجہ سے وہ مشتَبہ ہوئے ہوں۔ جو ہم نے بیان کیا اگر وہ موجب اشتباہ ہو گا تو واجب ہو گا کہ وہ جسمیت میں جسم کے مشابہ ہو اس لئے کہ وہ عرض نہیں۔ وہ عرض کے عرضیت میں مشابہ ہو اس لئے کہ وہ جسم نہیں۔ تو یہ ہو گا کہ جسم جسم نہ ہو عرض عرض نہ ہو۔ اور یہ محال ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ نفی اشتباہ سے ہرگز اشتباہ لازم نہیں آتا۔ وباللہ تعالی التوفیق

جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالی جسم ہے نہ اجسام کی طرح۔ تو وہ تشبیہ دینے والا نہیں ہے بلکہ اس نے اللہ تعالی کے ناموں میں الحاد کیا اس لئے کہ اس نے اللہ تعالی کا وہ نام رکھا جو نام خود اس نے اپنا نہیں رکھا۔ جو یہ کہے کہ اللہ تعالی مثل اجسام کے ہے تو وہ اللہ کے ناموں میں ملحد ہونے کے ساتھ ہی تشبیہ دینے والا بھی ہے۔ ۵

لفظ صفات کا اطلاق بھی اللہ تعالی کے لئے محال و ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالی نے اپنے نازل کئے ہوئے کلام میں ہرگز لفظ صفات یا لفظ صفت کی تصریح نہیں فرمائی۔ اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی روایت محفوظ ہے کہ اللہ تعالی صفت ہے یا صفات ہے۔ نہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے منقول ہے نہ تابعین کے برگزیدہ لوگوں سے نہ تبع تابعین کے برگزیدہ لوگوں سے۔ جو لفظ اس طرح ہو۔ تو کسی کو اس کا کہنا جائز نہیں ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ اجماع نے اس لفظ کے ترک پر یقین کر لیا ہے تو ہم سچ کہیں گے۔ لہذا کسی کو لفظ صفات کا کہنا اور اس کا اعتقاد رکھنا جائز نہیں۔ بلکہ یہ ناپسندیدہ بدعت ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے "ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم واٰباؤکم

ما انزل اللہ بھا من سلطان ۔ ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس ولقد جاءھم من ربھم الھدیٰ" (یہ محض وہ نام ہیں جو ان لوگوں نے اور ان کے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کے متعلق کوئی سند نہیں نازل کی ۔ یہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اُس کی جو ان کا جی چاہتا ہے ۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے ہدایت آچکی ہے)۔

لفظ صفات کے موجد معتزلہ وہشام اور اس کے ہم مذاق رؤسائے روافض ہیں ۔ متکلمین کی ایک جماعت نے انھیں کا مسلک اختیار کر لیا جو سلف صالح کے مسلک کے خلاف ہے ۔ یہ لوگ نہ قابل نمونہ ہیں نہ لائق پیروی "وحسبنا اللہ ونعم الوکیل" (اور ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے) "ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ" (اور جو اللہ کی حدود سے بڑھا اُس نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا) ۔ اکثر اس لفظ کا متاخرین آئمہ فقہاء نے اطلاق کیا ہے ۔ جنھوں نے اس میں تحقیقی نظر نہیں ڈالی ۔ یہ فاضل کی کمزوری اور عالم کی لغزش ہے ۔ دین میں حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تصریحاً آیا ہو ۔ یا اس پر تمام امت کا اجماع ثابت ہو ۔ جو اس کے علاوہ ہے وہ گمراہی ہے ۔ اور ہر نئی بات بدعت ہے ۔

اگر یہ لوگ اس حدیث سے اعتراض کریں جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے اُس شخص کے بارے میں مروی ہے کہ ہر رکعت میں ایک اور سورۃ کے ساتھ "قل ھو اللہ احد" پڑھا کرتا تھا ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اُس سے اس کو دریافت کیا جائے تو اُس نے کہا کہ یہ رحمٰن کی صفت ہے لہذا میں اُس سے محبت کرتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرتا ہے۔

اللہ کی توفیق سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہ لفظ ہے جس میں سعید بن ابی ہلال راوی تنہا ہے اور وہ قوی نہیں ہے ۔ اس کے بھولنے کو یحییٰ (ابن معین) واحمد بن حنبل نے بیان کیا ہے ۔

ہمارے مقابلین کو اپنے اصول کے مطابق اس سے استدلال کرنیکی گنجائش بھی نہیں۔ اس لئے کہ یہ خبر واحد ہے۔ جو ان کے یہاں موجب علم ویقین نہیں۔ اگر یہ ثابت بھی ہو تو بھی ہمارے قول کے مخالف نہیں۔ اس لئے کہ ہم نے تو محض اُس شخص کے قول کا انکار کیا ہے جو کہتا ہے کہ اسمائے الٰہی اُس کی صفات ذات سے مشتق ہیں۔ اسی لئے اُس نے علم وقدرت وکلام وقوت پر یہ اطلاق کیا کہ یہ صفات ہیں۔ اور اُس پر انکار کیا جس نے ارادہ۔ سمع۔ بصر وحیات کا اطلاق کیا اور کہا کہ یہ صفات ہیں تو اس پر تو ہم نے بیحد انکار کیا۔

حدیث مذکور یا اور کسی میں اس قسم کی قطعاً کوئی چیز نہیں ہے۔ اس میں محض یہ ہے کہ خاص "قل ھو اللہ احد" صفت رحمٰن ہے۔ ہم بھی اس کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ تو ان کے قول کے خلاف ہے اور ان پر حجت ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ بقیہ قرآن اور کلام و علم وغیرہ کو مستثنیٰ کر کے صرف قل ھو اللہ احدؐ ہی کو اس کے ساتھ مخصوص نہیں کرتے۔ حالانکہ اس روایت میں۔ اُس شخص کے صرف "قل ھو اللہ احد" کہنے کی تصریح ہے۔ اور "قل ھو اللہ احدؐ اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر ہے جو سچی اور واقعی خبر ہے۔ ہم بھی اس میں یہی کہتے ہیں کہ یہ صفت رحمٰن ہے۔ اس معنی میں کہ یہ اس کے متعلق ایک سچی خبر ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ روایت اُن پر ہماری حجت ہے۔

یہ نہایت تعجب خیز باطل ہے کہ اس روایت سے ایسی چیز میں احتجاج کرے جس میں کا کچھ بھی اس روایت میں نہ ہو اور جو احتجاج کرے وہ خود اس کی مخالفت کرے اور اُس حکم کی نافرمانی کرے جس کے بارے میں یہ روایت وارد ہوئی۔ یعنی "قل ھو اللہ احدؐ کی ہر رکعت میں ایک دوسری سورۃ کے ساتھ قراءت کا مستحسن ہونا۔ لہٰذا ان رسوا کن باتوں پر اہل عقول کو تعجب کرنا چاہئے۔ ۹۶

وہ صفت جس کا یہ لوگ اطلاق کرتے ہیں وہ لغت میں اُس عرض کو

کہتے ہیں جو کسی جوہر کے اندر واقع ہو۔ نہ اس کے سوا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے "سبحان ربك رب العزة عما یصفون" (آپ کا رب جو رب عزت ہے جو صفت یہ لوگ بیان کرتے ہیں اُس سے پاک ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے تمام صفات کا انکار فرمایا ہے لہذا اُس کی ملمع کاری باطل ہوگئی جو حدیث مذکور سے فریب دینا چاہتا تھا۔ کہ اس کے ذریعے سے لفظ صفات کے اطلاق کو جو حلال نہیں ہے حلال بنا لے۔ کیونکہ لفظ صفات کے اطلاق کے بارے میں نہ تو کوئی نص آئی ہے اور نہ اجماع ہے اور نہ سلف سے کوئی روایت۔ تعجب تو یہ ہے کہ یہ لفظ صفات ہی پر اقتصار کرتے ہیں اور یہ کہنے سے باز رہتے ہیں کہ یہ نعوت سمات (علامات) ہیں حالانکہ ان الفاظ میں کوئی فرق نہیں، نہ لغت میں، نہ معنی میں، نہ نص میں، نہ اجماع میں۔

مکان و استواء
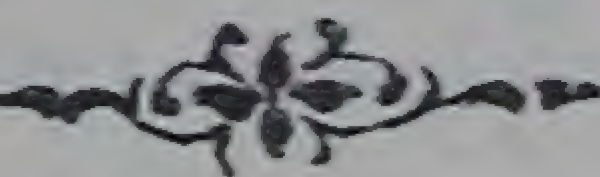
معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر مکان میں ہے۔ انہوں نے ان آیات سے استدلال کیا ہے "مایکون من نجوی ثلثة الاهو رابعهم" (تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی نہیں جس میں وہ (اللہ) اُن کا چوتھا نہ ہوتا ہو)۔ "ونحن اقرب الیه من حبل الورید" (اور ہم انسان کے اُس کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں) "ونحن اقرب الیه منکم ولکن لاتبصرون" (اور ہم تم سے زیادہ اُس کے قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے)۔

کلام الٰہی کو اُس وقت تک اُس کے ظاہر پر محمول کرنا واجب ہے

جب تک اُسے اُس کے ظاہر پر محمول کرنے سے کوئی دوسری نص یا اجماع یا ضرورت حس مانع نہو۔

ہمیں معلوم ہے کہ جو شے کسی مکان میں ہو گی تو وہ اُس کی مشغول کرنے والی اور اُس کی بھرنے والی اور مکان کی شکل میں یا تو وہ خود متشکل ہونے والی یا مکان خود اُس کی شکل میں متشکل ہونے والا ہو گا۔ دونوں امور میں سے ایک سے خالی نہ ہو گا۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ جو چیز کسی مکان میں ہو گی وہ بھی مکان کے متناہی ہونے سے متناہی ہو گی۔ وہ چھ یا پانچ جہات والی ہو گی جو (جہات) اُس (چیز) کے مکان میں متناہی ہوں گی۔ یہ تمام صفات جسم کے ہیں۔

جب یہ صحیح ہے تو ہمیں معلوم ہوا کہ کلام الٰہی کی تینوں آیات میں صرف اس کی تدبیر و احاطہ مراد ہے نہ کچھ اور اس لئے کہ اس کے سوا تمام امور کا منتفی ہونا ضروری و بدیہی ہے۔

نیز اُن کا ہر مکان میں کہنا ہی غلط ہے۔ اس لئے کہ بموجب اس قول کے یہ لازم آئے گا کہ وہ تمام مکانات کو بھر دے۔ اور تمام مکانات میں جو بھی ہو وہ اللہ ہو۔ (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے)۔ یہ محال ہے۔

اگر وہ کہیں کہ وہ مکان میں اس کے خلاف ہے جس طرح متمکن ہمیں ہوتا ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ نہ یہ عقل میں آتا ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل قائم ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ کسی اسم کا اُس کے موضوع لغوی کے خلاف پر اطلاق کرنا جائز نہیں سوائے اس کے کہ اُس کے متعلق کوئی نص آئی ہو تو اُسے مانا جائے گا اور اُس وقت ہم یہ جان لیں گے کہ وہ دوسرے معنی کی طرف نقل کر لیا گیا ہے۔ ورنہ نہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے نہ تاویل کے ساتھ جائز ہے نہ بغیر تاویل۔ اس لئے کہ یہ حکم و اثبات ہے اس کا کہ اللہ تعالیٰ مکانات میں ہے۔

یہ کہنا جائز ہے کہ "ان اللّٰہ معنا فی کل مکان" (یعنی اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہمارے ساتھ ہے) کیونکہ اس وقت ہمارا "فی مکان"

کہنا اُس ضمیر کا صلہ ہوگا جو نون۔ الف" (نا) "معنا" میں ہیں۔ (یعنی ہم جس مکان میں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یعنی ہمارا مدبر ہے اور اپنے علم سے ہمارا احاطہ کئے ہوئے ہے) نہ کہ اُس کا صلہ جو اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر ہے۔ یہی معنی اس آیت کے بھی ہیں "ھو معھم اینما کانوا۔ وھو معکم اینما کنتم" کے (یعنی اللہ اُن کے ساتھ ہے وہ جہاں بھی ہوں۔ اور اللہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو)۔

لامکان

ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے مکان میں ہے جو مکان کے سوا ہے اور ان کے اس قول کو ہمارا ابھی کا مذکورہ بالا بیان فاسد کرتا ہے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔

ان لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ "الرحمن علی العرش استوی" (اللہ عرش پر موجود ہے)۔

عرش پر استواء

اس آیت میں مسلمانوں نے چار تاویلات کی ہیں۔ ایک تو فرقۂ مجسمہ کا قول ہے اللہ تعالیٰ کی قوت سے اس کا فساد واضح ہو چکا ہے۔

دوسرے وہ ہے جو معتزلہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی "استولیٰ" ہیں۔ یعنی عرش پر اللہ کا قبضہ وغلبہ ہے۔ انہوں نے استشہاد میں یہ شعر پڑھا ہے ع قد استوی بشر علی العراق" (بشر عراق پر غالب آگیا) یہ فاسد ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو بقیہ مخلوقات کے مقابلے میں استیلاء وغلبے و قبضے کا عرش ہی زیادہ مستحق نہ ہوتا اور ہمیں یہ کہنا بھی جائز ہوتا کہ الرحمن علی الارض استوی" (رحمن کا زمین پر قبضہ وغلبہ ہے)۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی غالب ومتسلط ہے اور اپنی تمام مخلوق پر بھی۔ حالانکہ اس کو کوئی بھی نہیں کہتا۔ لہٰذا یہ قول محض دعویٰ بلا دلیل اور ساقط ہے۔

ابن کلاب کے بعض شاگردوں نے کہا ہے کہ استواء صفت ذات ہے۔ اس کے معنی کجی کی نفی کے ہیں۔

یہ قول بچند وجوہ نہایت ہی فاسد ہے۔
اول اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام مستوی نہیں بتایا۔ کسی کو جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وہ نام رکھے جو اس نے خود اپنا نام نہ رکھا ہو۔ اس لئے کہ جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے ناموں میں اللہ کی حدود سے الحاد کرے گا یعنی حق سے ہٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام رکھنے میں حدود مقرر کر دی ہیں اور فرمایا ہے۔ "ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ" (جو اللہ کی حدود سے بڑھے گا وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرے گا)۔
دوم یہ کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی یوں دعا نکرے کہ "یا مستوی ارحمنی" (اے مستوی مجھ پر رحم کر) اور نہ اپنے بیٹے کا نام عبدالمستوی رکھے۔
سوم یہ کہ ایسا نہیں ہے کہ جس چیز کی نفی اللہ عزوجل سے کی جائے اس کی ضد کو اس پر واجب و ثابت کرنا واجب ہو۔ اس لئے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے سکون کی نفی کرتے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ اللہ کو متحرک کہا جائے۔
ہم اس سے حرکت کی نفی کرتے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ اسے ساکن کہا جائے۔
ہم اس سے جسم کی نفی کرتے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ اسے عرض کہیں۔
ہم اس سے عرض کی نفی کرتے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ اسے جسم کہیں۔
ہم اس سے نوم (سونے) کی نفی کرتے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ اسے جاگتا ہوا اور بیدار کہا جائے۔ نہ یہ کہ (منحنی) ٹیڑھے ہونے کی نفی کیساتھ اسے (مستقیم) سیدھا کہا جائے۔ اسی طرح ہر وہ صفت جس کے متعلق نص نہ آئی ہو۔ اسی طرح استواء، واعوجاج (سیدھا ہونا ٹیڑھا ہونا) دونوں اس سے منفی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے برتر ہے۔ اس لئے کہ یہ تمام صفات اجسام کی صفات اور اعراض میں سے ہیں۔ اور اللہ اعراض سے بری و برتر ہے۔
چہارم یہ کہ جو شخص اس قول فاسد کا قائل ہوگا اسے لازم آئے گا کہ وہ عرش کو بھی ازلی کہے۔ (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے

استواء کو عرش کے متعلق کیا ہے۔ اگر استواء ازلی ہے تو عرش بھی ازلی ہوگا۔ اور یہ کفر ہے۔

پنجم یہ کہ اگر یہاں پر استواء کے معنی نفی اعوجاج (نفی کجی) کے ہوں تو اس کو عرش کی جانب مضاف کرنے کے کوئی معنی نہ ہوں گے۔ اور ایک ایسا کلام فاسد ہو جائے گا جس کی کوئی وجہ نہ ہوگی۔

اگر یہ کہیں کہ تم بھی تو اُسے سمیع و بصیر کہتے ہو اور ایسا ہی وہ ازلی ہے تو اس بناء پر تمہیں بھی یہ لازم آئے گا کہ مسموعات (آوازیں) اور مبصرات (رنگ اور الوان وغیرہ) بھی ازلی ہوں۔

ہم اللہ تعالیٰ کی تائید سے اُنھیں یہ جواب دیں گے کہ یہ ہمیں لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ ہم اس کے سوا اُس کا کوئی نام نہیں رکھتے جو خود اُس نے اپنا نام رکھا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو سمیع و بصیر کہا ہے تو ہم بھی اُسے کہتے ہیں کہ وہ ازلی ہے اور وہ سمیع و بصیر بالذات ہے جیسا کہ وہ خود ہے۔ ہم نہیں کہتے کہ وہ نہیں سنتا اور نہیں دیکھتا۔ جس کے متعلق نص آگئی ہے اُس پر ہم ذرا بھی اضافہ نہیں کرتے۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مسموعات کا سمیع اور مبصرات کا بصیر ہے (مسموعات وہ چیزیں جو سننے سے محسوس ہوں اور مبصرات وہ چیزیں جو دیکھنے سے محسوس ہوں) وہ دکھائی دینے والی اشیاء کو دیکھتا ہے اور سنائی دینے والی اشیاء کو سنتا ہے۔ یعنی یہ ہیں کہ وہ ان تمام چیزوں کا عالم ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے " انني معكما اسمع واری" (اے موسیٰ و ہارون بیشک میں تمھارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں) یہ سب علم کے معنی میں ہے جو معلوماتِ ازلی کے وجود کو نہیں چاہتا۔ لیکن جو کچھ ہوگا وہ اُس کی حقیقت کے مطابق جانتا ہے کہ ہوگا اور وہ جیسا ہوگا ویسا ہی اُسے جانتا ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہے وہ اُسے ایسا ہی جانتا ہے جیسا وہ ہو چکا ہے۔

ہم اسے حس و مشاہدے میں پاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم اپنے

آپس میں جانتے ہیں کہ زید مر جائے گا حالانکہ ابھی وہ مرا نہیں ہوتا۔ استواء میں ان لوگوں کا قول اس طرح نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ عرش کے ساتھ مرتبط اور متعلق ہے۔

۹۸ اگر وہ کہیں کہ سمیع و بصیر کے معنی اب وہ ہوں گے جو علیم کے معنی ہیں۔ لہذا یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ مسموعات کو دیکھتا ہے اور مرئیات کو سنتا ہے۔

بتوفیق الہیٰ ہم کہیں گے کہ نہ اس سے کوئی روکتا ہے اور نہ ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ یہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا ہے کہ "اسمع واری" (میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں) یہ خود اس کا اطلاق ہر شے پر اُس کے عموم کے ساتھ ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

قول چہارم معنی استواء میں یہ ہے کہ "علی العرش استوی" کے معنی یہ ہیں کہ اُس نے عرش میں اپنا فعل کیا۔ عرش وہ ہے جس پر اُس کی مخلوق کی انتہا ہوتی ہے۔ عرش کے بعد کوئی چیز نہیں ہے۔ اُس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد واضح کرتا ہے کہ آپ نے جنتوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ سے فردوس اعلیٰ مانگو کیونکہ وہ وسط جنت اور اعلیٰ جنت ہے۔ اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ عرش کے اُس طرف کوئی مخلوق نہیں ہے۔ اور وہ جرم مخلوقات کی وہ حد و انتہا ہے جس کے پیچھے نہ خلاء ہے نہ ملاء۔ جو شخص عالم کی نہایت و حد یعنی مساحت و پیمائش اور زمان و مکان کا منکر ہے وہ دہریے کے قول کے ساتھ ہے اور اسلام سے جدا ہو گیا ہے۔

استواء لغت میں انتہا پر واقع ہوتا ہے۔ کلام الہیٰ ہے "فلما بلغ اشدہ واستوی آتیناہ حکما وعلما" ای فلما انتھی الی القوۃ والخبر۔ (پھر جب وہ سن تمیز کو اور انتہا کو پہنچ گیا تو ہم نے اُسے حکومت و علم عطا کیا) اور فرماتا ہے۔ ثم استوی الی السماء وھی دخان" (پھر جب وہ آسمان تک پہنچا جو دھوئیں کی حالت میں تھا) یعنی اس کا فعل و خلق زمین کے اس حالت پر ترتیب دینے کے بعد کہ وہ جس

حالت پر ہے اُس کا فعل وخلق آسمان تک پہنچ گیا۔ وباللہ التوفیق۔
یہی قول چہارم حق ہے اور اسی پر برہان کے ثابت ہونے اور اس کے ماسوا کے باطل ہونے کی وجہ سے ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔
لیکن مکان کے بارے میں قول ثالث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قطعاً نہ مکان میں ہے نہ زمان میں۔ یہ قول جمہور اہل سنت کا ہے اور اسی کے ہم بھی قائل ہیں یہی وہ قول ہے کہ اس کے سوا کوئی اور صورت جائز نہیں اس وجہ سے کہ اس کے ماسوا باطل ہے۔ کلام الٰہی ہے کہ "الا انہ بکل شئ محیط" (خبردار۔ وہ ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے)۔ لہذا یہ آیت بدیہی طور پر اس کو واجب کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان میں نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ مکان میں ہوتا تو لامحالہ مکان اُسے کسی ایک جہت یا چند جہات سے محیط ہوتا۔ ور یہ آیت مذکورہ کی نص کی وجہ سے باری تعالیٰ سے منتفی ہے۔ بلاشک مکان بھی ایک شے ہے۔ لہذا یہ ناممکن ہے کہ ایک شے مکان کے اندر بھی ہو اور اپنے مکان کی محیط بھی ہو۔ یہ عقلاً محال ہے اور اس کا ناممکن ہونا بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔
نیز مکان میں وہی ہو گا جو جسم ہو یا ایسا عرض کہ جسم کے اندر ہو۔ یہ وہ امر ہے جس کے سوا ناممکن ہے۔ نہ اس کے علاوہ قطعاً کوئی اور صورت عقل یا وہم میں آسکتی ہے۔ جب اللہ عزوجل کے جسم یا عرض ہونے کی نفی ہو چکی تو اُس کے کسی مکان میں ہونے کی بھی قطعاً نفی ہو گئی۔ اور اللہ ہمارا مددگار ہے۔
اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیہ (اور آپ کے رب کا عرش اُس روز آٹھ فرشتے اٹھائیں گے)۔ تو اُس کا قول حق ہے ہم اس پر یقیناً ایمان لاتے ہیں۔ اس قول میں اللہ ہی اپنی مراد کو زیادہ جانتا ہے۔ شاید اللہ عزوجل نے سات آسمانوں اور کرسی کو مراد لیا ہو۔ یہ آٹھ اجرام ہوئے۔ جو اُس روز بھی اور آج بھی ہمارے اور عرش کے درمیان ہیں یا شاید وہ آٹھ فرشتے ہوں۔ واللہ اعلم۔ ہم وہی کہتے ہیں جو

ہمارے پروردگار نے کہا۔ اور پورا یقین کرتے ہیں کہ وہ حق ہے۔ اپنے ظاہر پر ہے۔ اور وہی اس کے معنی و مراد کو زیادہ جانتا ہے۔ لیکن خرافات تو ہم اس قسم کی چیزوں میں نہیں پڑتے۔ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت ثابت نہیں۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ غیوب ہیں۔ ان کی مراد پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ ہم اس کے قائل ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ سب حق ہے۔ اُس میں سے کوئی شئے عقل کے منافی نہیں۔ بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے پہلے بھی ہمارے نزدیک حد امکان میں تھا جب اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دیدی تو وہ واجب و حق و یقین ہو گیا۔

ارشاد ہے "الذین یحملون العرش ومن حولہ" (وہ جو عرش کو اُٹھاتے ہیں اور اُس کے گرد ہیں)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ عرش کے لئے اٹھانے والے ہیں اور وہ ملائکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے فرمانبردار ہیں جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ "احمل ھذا الامر" (میں اس کام کو اُٹھاؤں گا) یعنی "اقوم بہ واتولاہ" (میں اس کو قائم کروں گا اُس اور اس کا انتظام کروں گا) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انھم یفعلون ما یؤمرون" (ملائکہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے)۔ وہ حکم سے اترتے ہیں۔ لیکن سب کا حامل (اُٹھانے والا) اور سب کا روکنے والا تو وہ اللہ ہی ہے۔ وہ فرماتا ہے۔ "ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما احد من بعدہ" (بیشک اللہ آسمانوں کو اور زمین کو ہٹنے سے روکتا ہے اور اگر وہ ہٹیں تو خدا کے سوا کوئی اُن کا روکنے والا نہیں۔

علم الٰہی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انزلہ بعلمہ" (اس نے اس کو اپنے

علم سے نازل کیا)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اُسے علم ہے ۔ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔

جمہور معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ عزوجل کے لئے علم کا اطلاق مجازی ہے حقیقی نہیں ہے۔ اس کے معنی محض یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جاہل نہیں ہے۔ بقیہ لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے علم ہے۔ حقیقی طور پر نہ کہ مجازی طور پر۔ ان لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔

جہم بن صفوان وہشام بن الحکم ومحمد بن عبد اللہ بن سبرہ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اللہ تعالیٰ کے مغایر ہے۔ اور وہ حادث و مخلوق ہے۔ یہ ہم نے اُن سے سنا جو ان میں سے ہمارے ساتھ مجلس میں شریک ہوئے اور ہم نے اس پر ان لوگوں سے مناظرہ کیا۔

اہل سنت کے چند گروہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر مخلوق ہے۔ ازلی ہے۔ نہ وہ خود اللہ ہے اور نہ وہ غیر اللہ ہے۔

اشعری نے اپنے ایک قول میں کہا ہے کہ نہ یہ کہا جائے گا کہ وہ اللہ ہے اور نہ یہ کہا جائے گا کہ وہ غیر اللہ ہے۔ اور اپنے ایک دوسرے قول میں کہا ہے۔ جس میں باقلانی اور ان کے اکثر اصحاب نے ان کی موافقت کی ہے کہ اللہ کا علم غیر اللہ اور اللہ کے خلاف ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ غیر مخلوق ازلی ہے۔

ابوالہذیل العلاف اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے اور وہی اللہ ہے۔

اہل سنت کے چند گروہوں نے کہا ہے کہ وہ غیر مخلوق ہے اور وہ غیر اللہ نہیں ہے۔ مگر ہم نہیں کہتے کہ وہی اللہ ہے۔

ہشام بن عمر القوطی جو مشائخ معتزلہ میں سے ہیں وہ اس قول کا اطلاق نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کے ہونے سے پہلے ان کا عالم تھا اس لئے کہ قبل ہونے کے وہ نہیں جانتا کہ کیا ہوگا۔ بلکہ وہ کہتے تھے کہ

وہ اس امر کا عالم ہے کہ اشیاء ہوں گی جب ہوں گی۔

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علم کا انکار کیا ہے اُن لوگوں نے کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے علم ہوگا تو اس سے خالی نہیں کہ وہ یا تو غیر اللہ ہوگا یا وہی اللہ ہوگا۔ اگر وہ غیر اللہ ہوگا تو اس سے خالی نہیں کہ وہ مخلوق ہوگا یا ازلی ہوگا۔ اس میں سے جو بھی ہو وہ فاسد ہے۔ اگر وہی اللہ ہے تو اللہ علم ہوا۔ اور یہ بھی فاسد ہے۔

ان لوگوں کا صرف یہ کہنا کہ اللہ کے لئے علم نہیں۔ یہ قرآن کے مخالف ہے۔ جو چیز قرآن کے خلاف ہو وہ باطل ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تصریح کر دی ہو اُس کا انکار کسی کے لئے جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کر دی ہے کہ اُس کے لئے علم ہے۔ جو اس کا انکار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے۔ ان لوگوں کے وہ تمام اعتراضات جو ہم نے بیان کئے تو یہ سب کے سب فاسد ہیں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ جہمیہ و اشعریہ کے اقوال کے فساد کے ساتھ ان کا فساد بھی واضح کریں گے اس لئے کہ یہ اعتراضات بھی انہیں دونوں گروہوں کے اعتراضات ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جہم بن صفوان نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہوگا تو اس سے خالی نہ ہوگا کہ یا تو وہی اللہ ہو یا وہ غیر اللہ ہو۔ اگر اللہ کا علم غیر اللہ ہے تو وہ ازلی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے اور اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی ازلیت کا ثابت کرنا ہے۔ اور یہ کفر ہے۔ اگر وہی اللہ ہے تو اللہ علم ہوا اور یہ الحاد (یعنی اللہ کے ناموں میں راہ حق سے ہٹنا) ہے۔

جہم نے کہا ہے کہ ہم اُس شخص سے دریافت کریں گے جو اللہ کے علم کے غیر اللہ ہونے سے انکار کرتا ہے کہ ہمیں بتاؤ کہ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ ہے، پھر ہم کہتے ہیں کہ وہ علیم ہے، تو آیا تم ہمارے علیم کہنے سے کوئی ایسی زائد چیز سمجھے جو اُس کے علاوہ ہو جو تم ہمارے اللہ کہنے سے

سمجھے تھے یا نہیں سمجھے۔ اگر تم کہو گے کہ نہیں سمجھے تو تم نے ایک محال بات کہی۔ اور اگر ہاں کہو گے تو تم نے ایک دوسرے معنی ثابت کر دیئے جو غیر اللہ ہیں اور وہ اس کا علم ہے۔ اسی طرح انھوں نے قدیر و قوی اور بقیہ الفاظ میں جن کے صفات ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہا ہے۔

یہ بھی کہا ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ عالم بنفسہ ہے (یعنی اپنی ذات کا جاننے والا) یہ نہیں کہتے کہ قادر علیٰ نفسہ (اپنی ذات پر قدرت رکھنے والا) ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اُس کا علم اُس کی قدرت کے مغایر ہے۔ جب وہ قدرت کے مغایر ہے تو یہ دونوں (یعنی علم و قدرت) غیر اللہ ہوئے۔ وہ شخص اللہ تعالیٰ کو قادر جانتا ہے جو اُسے عالم نہیں جانتا اور وہ شخص اُسے عالم جانتا ہے جو اُسے قادر نہیں جانتا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ دونوں معانی متغایرہ ہیں۔

اُن لوگوں نے بھی انھیں تمام دلائل سے احتجاج کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے اور اس کے باوجود وہ غیر اللہ ہے اور اُس کی قدرت کے بھی مغایر ہے۔ قرآن کی چند آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً "ولنبلونکم حتی نعلم المجاھدین منکم والصابرین" (اور ہم ضرور تمھیں آزمائیں گے کہ تم میں سے مجاہدین اور بہادروں کو معلوم کریں)۔

جو حدوثِ علم کا قائل ہے تو یہ نہایت ہی نازیبا قول ہے۔ اس لئے کہ اُس نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شے کو نہیں جانتا تھا تاوقتیکہ اس نے اپنے لئے علم کو پیدا نہ کیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اب اشیاء کو جانتا ہے تو اُس سے یقیناً اُن اشیاء کا جہل منتفی ہو گیا۔ اگر زمانے بھر میں سے ایک دن بھی ایسا ہو کہ وہ ایک شے بھی جو ہو گی نہ جانتا ہو تو اُس شے میں اُس کا جہل ثابت ہو گیا۔ یہ نہایت بدیہی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے جہل کا ثابت کرنا کفر ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نقص سے موصوف کرنا ہے۔ اور اُس کا موصوف کرنا اُس کے

حدوث کا مقتضی ہے۔ اور یہ اُن دلائل سے باطل ہے جو ہم نے صفات حدوث کے اللہ تعالیٰ سے منتفی ہونے کے متعلق پہلے بیان کئے ہیں۔
یہ اُس باب سے نہیں ہے جس میں اُس سے ضدین کی نفی کی گئی ہو جن سے ہم نے اُس سے حرکت و سکون کی نفی کی ہے۔ اس لئے کہ اُس چیز میں تمام ضدین سے نفی پائی جاتی ہے جس میں ضدین میں کی نہ ایک ضد ہو نہ دونوں ہوں۔ لیکن جب موصوف کے لئے صفات کی کوئی نوع بھی ثابت ہو جائے اور اس نوع کے بعض کی اس سے نفی کی جائے تو پھر ضروری ہے کہ یہاں اُس کی ضد کو ثابت کیا جائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ پتھر سے علم و جہل دونوں منتفی ہیں۔ لیکن جب انسان کے لئے کسی شئے کا علم ثابت ہے اور اُس سے دوسری شئے کا علم منتفی ہے تو بدیہی طور پر اُس کے لئے اُس چیز سے جہل لازم آئے گا جس کو وہ نہیں جانتا۔ اسی طرح ہر شئے میں ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب ان لوگوں کے استدلال کے فاسد کرنے میں غور کرنا چاہئے۔
یہ کہنا کہ اگر اللہ کا علم ازلی ہے اور وہ غیر اللہ ہے تو یہ شرک ہوگا یہ قول صحیح ہے اور کوئی اعتراض نہیں وارد ہوتا۔ لیکن اُن کا یہ کہنا کہ اگر وہی اللہ ہے تو اللہ علم ہوا۔ یہ لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ اس کے بعد بیان کریں گے۔
اجمال یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا وہی نام لیتے ہیں جو خود اُس نے اپنی ذات کا نام رکھا ہے اُس نے اپنا نام نہ علم رکھا نہ قدرت رکھا۔ لہٰذا کسی کو بھی جائز نہیں کہ وہ اس کا یہ نام رکھے!
یہ کہنا کہ آیا کسی کے اللہ کہنے سے وہی ذات سمجھی جاتی ہے جو اُس کے عالم کہنے سے یا اُس کے عالم کہنے سے کوئی دوسرے معنی سمجھے جاتے ہیں جو اُس کے اللہ کہنے سے سمجھے جاتے ہیں اس کے خلاف ہیں۔
اللہ کی مدد سے ہمارا جواب یہ ہے کہ جس وقت ہم قدیر یا علیم

کہتے ہیں اور اُس سے ہم اللہ تعالیٰ کو مراد لیتے ہیں تو اس سے بھی وہی سمجھتے ہیں جو ہم اللہ کہنے سے سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ سب اسماء، علَم ہیں جو ہرگز کسی صفت سے مشتق نہیں۔ لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے کا علیم ہے اور اُسے غیب کا علم ہے تو ان سب سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے لئے معلومات ہیں اور اُس پر کوئی شئے پوشیدہ نہیں۔ یہ اس سے قطعاً نہیں سمجھا جاتا کہ اُس کے لئے علم ہے جو اُس کے مغایر ہے۔ اسی طرح ہم "یقدر" (قدرت رکھتا ہے) میں اور دوسرے تمام افعال میں کہتے ہیں۔

یہ کہنا کہ "ہم یہ تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نفس کا عالم ہے مگر یہ نہیں کہتے کہ اپنے نفس پر قادر ہے"۔ جس نے یہ کہا جھوٹ کہا اور تہمت لگائی۔ بلکہ یہ سب مساوی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اوپر قادر ہے جس طرح وہ اپنی ذات کا عالم ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہ پورا سوال ہی ساقط ہو گیا۔

ہم نے اس کے بعد اس سوال کی تفصیل پر کلام کیا ہے۔ ان لوگوں کو بدیہی طور پر یہ لازم آتا ہے کہ جب یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نفس پر غیر قادر ہے تو وہ اپنے نفس سے عاجز ہے۔ اس لفظ کا اطلاق صریح کفر ہے۔

یہ کہنا کہ کبھی ایک شخص اللہ تعالیٰ کو قادر جانتا ہے جو اُسے عالم نہیں جانتا۔ اور کبھی ایک شخص اُسے عالم جانتا ہے جو اُسے قادر نہیں جانتا۔ اس میں کوئی حجت و دلیل نہیں۔ اس لئے کہ اُس شخص کا جہل جو حق کو نہ جانے حق پر حجت نہیں۔ حالانکہ ہم ایسے لوگ بھی پاتے ہیں جو اللہ عزوجل کو جانتے ہیں اور اُس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ جسم ہے۔ خیالات و گمان حق کے باطل کرنے میں یا باطل کے ثابت کرنے میں حجت نہیں۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم حق ہے۔ اُس کی قدرت حق ہے۔ اُس کی قوت حق ہے۔ ان میں سے

کوئی شئے نہ غیر اللہ ہے۔ نہ علم قدرت کے مغایر ہے اور نہ قدرت علم کے مغایر۔ کیونکہ اس کے خلاف نہ کوئی دلیل معقول ہے نہ منقول۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جہم بن صفوان سمرقندی کی کنیت ابو محرز تھی۔ یہ قبیلۂ اَزْد کے بنی راسب کا آزاد کردہ غلام تھا۔ حارث بن شریح التمیمی کا اُس کے زمانۂ قیام خراسان میں کاتب تھا۔ اُسی زمانے میں مسلم بن احوز التمیمی جہم پر قابو پا گیا اور اس نے اُس کی گردن مار دی۔

اُن تمام آیات کے معنی جو قرآن میں آئی ہیں جن کو ان لوگوں نے بیان کیا ہے وہی ہیں جو ہم انشاء اللہ تعالیٰ اللہ کی قوت سے بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جب اللہ عزوجل نے ہمیں خبر دی کہ اہل دوزخ کو لوردوا لعادوا لمانہوا عنہ (اگر دوبارہ دنیا میں واپس کر دیا جائے تو یہ پھر وہی کریں گے جس سے انھیں منع کیا گیا ہے)۔ اُس نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ اُس نے اہل جنت و دوزخ کے کہنے سے پہلے ہی ہمیں خبر دی ہے کہ وہ کیا کہیں گے۔ وہ اخبار صادقہ جو قرآن میں ہیں اُن امور کے متعلق ہیں جو ابتک نہیں ہوئے۔ ہم نے ان سے یہ جان لیا کہ بدیہی طور پر اللہ تعالیٰ کا ان تمام اشیاء کا علم ان اشیاء کے وجود کے پہلے سے ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ کے کلام میں نہ تناقض ہے نہ اختلاف۔ اس لئے اس کلام کی مراد کہ "حتیٰ نعلم المجاھدین منکم" (تاکہ ہم تمھارے مجاہدین کو جان لیں) اس قسم کے تمام مضامین کی مراد جو قرآن میں ہیں یہ ہے کہ یہ محض اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ اس میں کسی تاویل کے تکلف کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ اُسی طور پر ہے جس طرح ہمارے یہاں قاعدہ ہے۔ جیسے یہ آیت ہے۔ "فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر اویخشی" (یعنی اے موسیٰ و ہارون تم دونوں فرعون سے نرم گفتگو کرنا۔ شاید وہ نصیحت قبول کرے یا خدا سے ڈرے) یہ سب محض مخاطب کے ادراک (اور ہمارے محاورے) کے مطابق ہے۔

معنی یہ ہیں کہ ہم مجاہد ہونے کی حالت میں تمہارے مجاہد کو جانیں اور یہ جان لیں کہ کون تم میں سے بہادر بنتا ہے۔ یہ اُسی وقت ہو گا جس وقت وہ جہاد میں مشغول ہوں اور جس وقت وہ بہادری دکھائیں قبل اس کے کہ وہ جہاد کریں تو اُس کا علم اُن کے متعلق اُس حالت میں ہے کہ وہ نہ مجاہد ہیں نہ بہادری دکھا رہے ہیں۔ اُسے یہ علم ہے کہ وہ جہاد کریں گے اور بہادری دکھائیں گے۔ جب اُنھوں نے جہاد کیا تو اُس وقت اُس نے اُنھیں بحالتِ مجاہدین جانا۔ ان سب میں زمانہ محض معلوم کے لئے ہے مگر اُس کا علم غیر زمانی ہے۔ اس جگہ علم نہیں بدلا۔ صرف معلوم بدلا۔ علم تو ان تمام امور کے متعلق ازلی و غیر متبدل ہے۔

۱۰۲

اگر وہ کہیں کہ اللہ نے زید کو مردہ کب جانا؟ اگر تم یہ کہو کہ وہ ہمیشہ سے اُسے مردہ جانتا تھا تو لازم آئے گا کہ زید ہمیشہ سے مردہ ہو۔ یہ محال ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ اُس نے اُسے مردہ نہیں جانا تا وقتیکہ وہ مر نہ گیا۔ تو یہ ہمارا قول ہے نہ کہ تمہارا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہم اس میں سے کچھ نہیں کہتے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے یہ جانتا تھا کہ وہ زید کو بھیجے گا اور وہ اتنا زندہ رہے گا اور فلاں وقت مر جائے گا۔ ان سب امور کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم ایک ہی ہے جس میں تبدل و تغیر نہیں۔ نہ اس میں معلوم کے احوال کے تبدل سے کچھ بڑھا۔ نہ اُن احوال کے معدوم ہونے سے اُس کے علم سے کچھ گھٹا۔ نہ اُس کے پیدا ہونے سے کوئی ایسا علم پیدا ہوا جو نہ تھا۔ صرف معلومات میں تغیر ہوا۔ نہ علم میں نہ علیم میں اور نہ قدرت میں نہ قدیر میں۔

ان دونوں قولوں میں کہ "اللہ نے کب زید کو مردہ جانا" اور "میں نے کب زید کو مردہ جانا" فرق ہے اور بیّن فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ میرا یہ علم کہ "زید مر گیا" یہ ایک عرض ہے جو زید کی موت کے حدوث سے میرے نفس میں حادث ہوا۔ یہ میرے اس علم کے کہ "زید زندہ ہے"

اور "وہ مرجائے گا" مغایر ہے۔ اس لئے کہ میرا یہ علم کہ زید مرجائے گا
محض اس امر کا علم ہے کہ ایک ایسا حال پیدا ہو گا جو ایک روز زید کی موت کا
مقتضی ہو گا جس روز وجود موت کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ میرا یہ علم کہ
"زید مردہ ہے" وجود موت کا علم ہے جو علم اول سے مغایر ہے۔
دونوں علم عرض ہیں اور نفس کے اندر پیدا ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا علم ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ کے سوا کوئی چیز نہیں
ہے۔ اگر اللہ کا علم حادث ہوتا تو یقیناً یہ لازم آتا کہ وہ بھی بقیہ حادث اشیا
کی طرح ہو۔ ہم عقل سے بالبداہت جانتے ہیں کہ علم ایک کیفیت عرض
ہے۔ اور عرض جسم ہی میں قائم ہوتا ہے۔ یہ محال ہے کہ علم غیر عالم میں
محمول ہو (یعنی جو عالم ہو گا اُس کا علم اُسی میں ہو گا دوسرے میں نہ ہو گا) اس
قول سے تجسیم کا (خدا کے جسم کا) قائل ہونا پڑے گا۔ یہ قول اُن دلائل و براہین
سے باطل ہو چکا ہے۔ جو ہم پہلے ہی ہر جسم و عرض کے حدوث کے ضروری
ہونے پر بیان کر چکے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ علم عرض ہے جو معلوم کے اندر حادث ہے
اور معلوم ہی کے ساتھ قائم ہے۔ نہ باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے نہ اپنی
ذات کے ساتھ۔

ہم بتوفیق الٰہی اس سے کہیں گے کہ ہمیں نص قرآن سے یہ معلوم ہے
کہ اس کے پاس قیامت کا علم ہے اور اُس چیز کا بھی علم ہے جو کبھی نہ ہو گی
کہ وہ اگر ہوتی تو کیونکہ ہوتی۔ وہ فرماتا ہے "ولو ردوا لعادوا لما نهوا
عنه" (اور اہل دوزخ اگر واپس کر دیئے جائیں تو یہ پھر وہی کریں گے جس سے
اُنھیں منع کیا گیا ہے)۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا نوح علیہ السلام سے فرمانا
انه لن يؤمن من قومك الا من قد آمن" (ہرگز تمھاری قوم میں سے
کوئی ایمان نہ لائے گا سوائے اُن کے جو ایمان لا چکے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ
نے یہ خبر دیدی کہ "انهم مغرقون" (یہ لوگ غرق کر دیئے جائیں گے)
اگر اللہ تعالیٰ کا علم عرض اور معلوم میں قائم ہوتا۔ اور معلوم وہی ہے

قیامت ہے جو ابتک موجود نہیں۔ اور علم یقیناً موجود ہے۔ تو لامحالہ دو میں سے ایک امر ضروری ہے جن کے لئے تیسرا امر نہیں ہے۔
یا تو معلوم اُس کے علم کے وجود کے ساتھ موجود ہوگا۔ اور یہ بدیہی وحسی طور پر باطل ہے اس لئے کہ معلوم تو معدوم ہے جس کو ہم نے بیان کیا (یعنی قیامت) تو پھر یہ ہوگا کہ معدوم ایک ہی وقت میں اور ایک ہی جہت سے موجود ہوگا۔
یا یہ ہوگا کہ علم موجود معلوم معدوم کے ساتھ قائم ہوگا۔ پھر یہ ہوگا کہ عرض موجود حامل معدوم میں محمول ہوگا۔ اور یہ قطعاً بدحواسی ومحال وفاسد ہے۔
یہ کلام ہمارے اُن ہم مذہبوں کے ساتھ ہے۔ جو قرآن کا اقرار کرتے ہیں۔ دوسرے اہل مذاہب سے ہم اس میں کلام نہیں کرتے اس لئے کہ یہ مقدمات سابقہ کا نتیجہ ہے۔ اور نتیجے میں کلام جب ہی ہو سکتا ہے کہ پہلے مقدمات کو ثابت کر دیا جائے۔ اگر مقدمات ثابت ہو جائیں تو نتیجہ بھی ثابت ہو جائے گا۔ برہان کے کوئی برہان معارض نہیں جو چیز برہان سے ثابت ہو اُس کا کسی اور چیز سے معارضہ کیا جائے تو یہ محض شغب (ہٹ دھرمی) ہے۔ اگر مقدمات ثابت نہ ہوں تو پھر نتیجہ بغیر اس کے کہ دلیل لانے کا تکلف کیا جائے باطل ہے۔
ہم نے جو بیان کیا اس کے مقدمات یہ ہیں۔
اثبات توحید۔
حدوث عالم۔
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت۔
قرآن کو پورے پورے گروہوں اور جماعتوں کا نقل کرنا۔ ۱۰۲
اگر یہ لوگ قرآن کی اس قسم کی آیات بیان کریں "لعله یتذکر او یخشیٰ" (شاید وہ فرعون نصیحت حاصل کرے یا خدا سے ڈرے) "لعلکم تؤمنون۔ لعلکم تشکرون۔ لعلکم تذکرون" (شاید تم لوگ

ایمان لے آؤ۔ شاید تم لوگ شکر کرو۔ شاید تم لوگ نصیحت حاصل کرو۔) اور اسی طرح کی آیات۔ تو یہ سب کے سب "لام عاقبت" کے معنی میں ہیں یعنی "لیتذکرا ویخشی۔ (تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے۔ یا۔ تاکہ وہ خدا سے ڈرے)۔ لتومنوا۔ لتشکروا۔ لتتذکروا (تاکہ تم ایمان لاؤ۔ تاکہ تم شکر کرو۔ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو)۔ جو ہمارے ظاہر حال کے مطابق ہے کہ ان میں سے ہر چیز کا ہمیں امکان ہے۔ جیسا کہ اُس نے فرمایا "لیبلوکم ایکم احسن عملا" (تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں کون سب سے اچھے عمل والا ہے) اور فرمایا "ثم لتکونوا شیوخا" (پھر تاکہ تم لوگ بوڑھے ہو جاؤ) یہ اس امکان کی بناء پر ہے کہ جو زندہ رہے گا۔ اور امر اول سب لوگوں سے خطاب و تبلیغ کے وقت ممکن ہے۔ اور اسی طرح وہ تمام آیات جو قرآن میں آئی ہیں۔

یا پھر یہ دو میں سے ایک طریقے پر ہے۔
یا تو مخاطبین کے شک کی بناء پر ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے شک کی بناء پر۔

یا یہ معنی ہیں کہ ان تمام امور میں مخاطب کو تخییر یعنی اختیار دینا ہے (کہ وہ شکر نصیحت و خوف خدا میں سے جسے چاہے اختیار کر لے) مثلاً کسی کا یہ کہنا کہ "جالس الحسن او ابن سیرین" (حسن کی مجلس میں بیٹھو یا ابن سیرین کی)۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ "لایضل ربی ولا ینسیٰ" (میرا رب نہ تو بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے) اُسے یہ معلوم تھا کہ فرعون ایمان نہ لائے گا تا وقتیکہ عذاب نہ دیکھ لے گا۔ جیسا کہ اُس نے فرمایا "لن یؤمن من قومك الا من قد آمن" (اے نوح۔ تمھاری قوم میں سے ہرگز کوئی ایمان نہ لائے گا سوائے اُن کے جو ایمان لا چکے ہیں) اس پر تمام نصوص متفق ہیں۔

جو لوگ حدوث علم کے قائل ہیں اُن کے لئے کوئی چیز نہ رہی سوائے اس کے کہ وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز پیدا کی جو اس کے

علم قیامت کی حامل ہے۔

یہ تمسخر ہے علم نہیں ہے۔ اس لیے کہ عالم کا علم غیر عالم کے ساتھ قائم نہیں ہوتا۔ نہ اُس کے سوا کوئی اور اُس کا حامل ہوتا ہے۔ یہ وہ امر ہے جو بداہت وحس سے معلوم ہوتا ہے۔ جو کوئی ایسا دعوی کرے جس پر کوئی دلیل نہ لا سکے تو وہ باطل ہے۔ خاصکر جسے حس وضرورت عقل بھی باطل کرتی ہو۔

ہمارے قول کو کلام الٰہی تصریحاً ثابت کرتا ہے جو اس نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے بطور حکایت بیان کیا ہے کہ انھوں نے بنی اسرائیل سے کہا کہ "عسیٰ ربکم ان یھلك عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون" (عنقریب تمھارا رب تمھارے دشمن کو ہلاک کردے گا اور تمھیں زمین پر خلیفہ بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کیسا عمل کرتے ہو) اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے" وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتٰب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا ہ فاذا جاء وعد اولیھما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلل الدیار وکان وعدا مفعولا ہ ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم وامددنکم باموال وبنین وجعلنکم اکثر نفیرا ہ ان احسنتم احسنتم لانفسکم قف وان اسأتم فلھا ط فاذا جاء وعد الاخرۃ لیسوء ا وجوھکم ولیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ ولیتبروا ما علوا تتبیرا ہ عسی ربکم ان یرحمکم ج وان عدتم عدنا م وجعلنا جھنم للکفرین حصیرا (بنی اسرائیل رکوع ۱ پارہ ۱۵) (اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کو حکم بھیج دیا تھا کہ تم ملک شام میں دو مرتبہ فساد برپا کرو گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ پھر جب ان دو بار میں سے پہلی بار کا وقت آئے گا تو ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو بھیجیں گے جو بڑے طاقتور وجنگجو ہوں گے پھر وہ گھروں میں گھس جائیں گے۔ اور یہ وعدہ ہے جو پورا کیا جائے گا۔ پھر ہم دوبارہ تمھیں ان لوگوں پر غلبہ دیں گے اور مال واولاد سے تمھاری مدد کریں گے

اور تمھاری جماعت کو اکثریت میں کر دیں گے۔ اگر تم اچھے کام کرو گے تو
اپنی ذات کے لئے کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو اپنے لئے کرو گے۔
پھر جب دوسری بار کا وقت آئے گا تو وہ اس لئے آئے گا تاکہ وہ لوگ
تمھاری صورتیں بگاڑ دیں اور جس طرح وہ پہلی مرتبہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے
تھے اُسی طرح پھر داخل ہوں اور جس پر قابو پائیں اُسے تباہ کر دیں عنقریب
تمھارا رب تم پر رحم کرے گا۔ اگر تم دوبارہ سرکشی کرو گے تو ہم دوبارہ
سزا دیں گے۔ اور جہنم کو ہم نے کفار کا محاصرہ کرنے کے لئے بنایا ہے۔)

یہ ہمارے قول کی نص ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ لوگ کیا کریں گے
اور اُس نے اس کے متعلق خبر دیدی۔۔ اس کے باوجود اُس نے خطاب
لفظ "عسیٰ" و "فینظر" سے فرمایا جو قاعدہ ہم لوگوں میں مقرر ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قائل کا یہ کہنا کہ اللہ نے
کب جانا کہ زید مردہ ہے۔ بدیہی طور پر سوال فاسد ہے اس لئے کہ "متیٰ"
یعنی "کب" زمانے کے متعلق سوال ہے اور اللہ کا علم قطعاً کسی زمانے
میں نہیں ہے۔ اس لئے کہ علم الٰہی غیر اللہ نہیں ہے۔ اس کی دلیل گذر چکی
ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ زمان میں ہے نہ مکان میں۔ بدلائل مذکورۂ بالا زمان
و مکان صرف معلوم کے لئے ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اگر کوئی معترض اس آیت سے اعتراض کرے
"ولا یحیطون بشیئ من علمہ الا بما شاء" (اور لوگ اُس کے
علم کے کسی حصے کا احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے کہ وہ جو چاہے)
معترض یہ کہے کہ "مِن" تبعیض کے لئے ہے اور تبعیض (یعنی حصے کرنا) صرف
حادث و مخلوق کے لئے ہے۔ اور احاطہ بھی صرف مخلوق و حادث کا
کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ اُس کے علم میں
سے جس کا وہ چاہے گا احاطہ کیا جا سکے گا۔ لہٰذا لازم آیا کہ اُس کا علم مخلوق
ہے اس لئے کہ اُس کا بعض حصہ قابل احاطہ ہے۔ اور وہ قابل تبعیض
و تقسیم ہے۔

بتوفیق الہٰی اس کا جواب یہ ہے کہ کلام الہٰی کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا واجب ہے۔ اُسے ظاہر سے ہرگز نہ پھیرا جائے گا سوائے اس کے کہ کوئی نص آئی ہو یا اجماع ہو یا ضرورت حس ہو کہ اُس میں کا کوئی حصہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے اور وہ اپنے ظاہر سے دوسرے معنی کی طرف نقل کر لیا گیا ہے۔ تو اُس کا ماننا واجب ہے جس کو نص یا اجماع یا حس نے واجب کیا ہو۔ کلام الہٰی اور اُس کی خبریں اور احکام مختلف نہیں ہوتے اور اجماع بھی صرف حق پر ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی جو کچھ فرماتا ہے وہ حق ہی ہوتا ہے۔ جس کو کوئی برہان ضروری باطل ٹھیرائے وہ حق نہیں ہوتا۔ احاطہ وتبعیض کا مسئلہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم نے کہا۔

بدیہی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم نہ عرض ہے نہ جسم۔ نہ اللہ کے اندر محمول اور نہ غیر اللہ میں۔ نہ وہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی اور چیز ہے۔

اس آیت کے معنی بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ "ولا یحیطون بشئی من علمه" میں جو علم ہے اُس سے مراد محض وہ علم ہے جو مخلوق ہے اور جو اللہ نے اپنے بندوں کو عطا کیا ہے۔ یہ علم عرض ہے جو اہل علم میں محمول ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی اضافت بطور ملک کے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اس لئے کہ ہمیں وہی علم حاصل ہوا جو اللہ نے تعلیم فرمایا۔ ارشاد ہے۔ "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" (اور تمھیں صرف قلیل حصہ علم کا دیا گیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ اُس نے جو علوم پیدا کئے اور انھیں اپنے بندوں میں شائع کیا (اُس میں سے بہت قلیل حصہ بندوں کو دیا اور انھیں علوم کا بغیر اُس کی مشیت کے کوئی احاطہ نہیں کر سکتا چہ جائے کہ اُس کا علم ذاتی) جیسا کہ خضرؑ نے موسی علیہ السلام سے کہا تھا کہ میں اللہ کے علم سے ایسے علم پر ہوں جسے آپ نہیں جانتے۔ اور آپ اللہ کے علم سے ایسے علم پر ہیں جسے میں نہیں جانتا میرے اور آپ کے علم نے اللہ کے علم سے اتنا بھی کم نہ کیا جتنا اس چڑیا نے

سمندر سے۔

یہ اضافت ملک کی ہے اور ایسی ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا کہ وہ روح اللہ ہیں۔ اور یہ سب اضافت ملک کی ہے۔ "ولا یحیطون بشئ من علمہ الا بما شاء" کے یہی معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے خود اپنا احاطہ کرنے کی نفی کر دی ہے۔ فرمایا ہے کہ "ولا یحیطون بہ علما" (لوگ بطور علم کے بھی اُس کا احاطہ نہیں کر سکتے)

یہ معنی بھی اپنے ظاہر کے مطابق واضح ہیں اور خوب واضح ہیں جو بغیر کسی تاویل و تکلف کے ہیں۔ معنی آیت "ولا یحیطون بشئ من علمہ الا بما شاء" کے یہ ہیں کہ "من علمہ" بمعنی "من العلم باللہ تعالیٰ" ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو جاننا اور اُس کا علم ہونا۔ یہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اس لئے کہ ہم اُس کے متعلق علم کا اتنا ہی احاطہ کر سکتے ہیں جتنا اُس نے ہمیں بتا دیا ہے۔ اُس نے فرمایا ہے "ولا یحیطون بہ علما" (بطور علم کے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے) اب "من علمہ" کے معنی "من معرفۃ" کے ہوں گے یعنی اُس کا معرفت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ ہوا کہ لوگ اُس کی معرفت کا اتنا ہی احاطہ کر سکتے ہیں جتنا وہ خود چاہے۔

دعا سے کیا فائدہ؟

اگر لوگ کہیں کہ پھر اللہ سے دعائے مغفرت و رحمت کے کیا معنی ہوں گے۔ رحمت کے متعلق اُسے پہلے سے علم ہو چکا ہے کہ آیا وہ کرے گا یا نہ کرے گا۔ اگر کرے گا تو دعا کی ضرورت نہیں۔ نہیں کرے گا تو دعا بیکار ہے۔ جو چیز لامحالہ ہو گی اُس میں دعا کے کیا معنی۔ کیا یہ ایسی ہی دعا نہیں ہے جیسے کوئی یہ دعا کرے کہ قیامت نہ آئے۔ یا لوگ انسان نہ رہیں۔

دعا کا عمل

بتوفیق الٰہی انھیں جواب دیا جائے گا کہ دعا ایک عمل ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے نہ اس بناء پر کہ وہ تقدیر کو رد کر دے گا۔ نہ یہ کہ دعا کی وجہ سے وہ ہو جائے گا جو نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سابق میں اُس دعا کو

جو اُس کے علم میں پہلے سے تھی اُس کے قبول کا سبب بنا دیا تھا اس لئے کہ اس کے علم میں اس کا ہونا پہلے سے تھا۔ جیسا کہ اس نے اپنے علم سابق میں غذائے آب و دانہ کو اُس مدت تک پہنچنے کا سبب بنا دیا جس مدت تک پہنچنا اُس کے علم میں پہلے سے تھا یہی حال تمام اعمال کا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وہ بندوں کی عمروں کی مدت جانتا ہے، فرماتا ہے "فاذا جاء اجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون" (پھر جب اُن کی اجل آئے گی تو نہ انھیں میں ایک ساعت کی تاخیر ہوگی نہ تقدیم)۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو اس مقدار کے پورا کرنے کا سبب بنا دیا ہے۔ یہ سب اُس کے علم میں پہلے سے ہے۔ دعا بھی اسی طرح ہے اور معالجہ بھی اسی طرح ہے جو بطور طب کے ہوتا ہے۔ کوئی فرق نہیں ہے۔ ۱۰۵

اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل کرتا ہے۔ اس کے باوجود ہمیں بھی آپ پر درود و دعائے رحمت کا حکم دیا ہے۔ اور فرمایا ہے "قل رب احكم بالحق" (کہیے کہ اے میرے رب حق کے مطابق فیصلہ کر) اُس نے ہمیں اس کی دعا کا حکم دیا حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ حق کے مطابق ہی فیصلہ کرے گا۔ لہٰذا جو ہم نے کہا وہ ثابت ہو گیا کہ دعا ایک عمل ہے جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ہم اُس پر وہاں عمل کرتے ہیں جہاں اُس نے ہمیں حکم دیا ہے۔ اور وہاں دعا نہیں کرتے جہاں اُس نے ہمیں حکم نہیں دیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

جب اللہ کی مدد و تائید سے اُن لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو کہتے تھے کہ اللہ کا علم غیر اللہ اور مخلوق ہے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد و تائید سے اُن لوگوں کے قول پر بھی کلام کرنا چاہیئے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر اللہ اور اُس کے مغایر و خلاف ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازلی ہے!

علم الٰہی غیر الٰہی؟

یہ وہ قول ہے جو اپنے رد میں اس سے زیادہ کا محتاج نہیں کہ یہ شرک خالص و ابطال توحید ہے۔ اس لئے کہ

جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شے جو غیر اللہ ہے ہو گی اور اس کے ساتھ ازلی ہو گی تو یہ باطل ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ واحد تھا۔ بلکہ ازلی ہونے میں اُس کا ایک شریک ہوگیا۔ اور یہ کفر خالص اور صریح نصرانیت ہے اس کے ساتھ ہی وہ دعوی ساقط و غیر معتبر ہے جو قطعاً بے دلیل ہو۔ اس فرقے سے پہلے جو تین سو سال کے بعد پیدا ہوا اہل اسلام میں سے کبھی کوئی شخص اس کا قائل نہیں ہوا۔ اور یہ دائرۂ اسلام سے خارج ہونا اور اجماع متیقن کا ترک کرنا ہے۔

میں نے ان میں سے بعض سے کہا کہ جب تم لوگ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ کوئی اور شے بھی ازلی ہے اور وہ غیر اللہ ہے اور اُس کے خلاف ہے اور اُس کے ساتھ ازلی ہے۔ تو پھر نصاری پر کیوں انکار کرتے ہو جو وہ کہتے ہیں "ان اللہ ثالث ثلثہ" (اللہ تین میں کا تیسرا ہے)۔

اُس نے مجھ سے تصریحاً کہا کہ ہم نے نصاری پر محض اس لئے انکار کیا کہ اُنھوں نے صرف تین پر اقتصار کر دیا اور اللہ کے ساتھ اس سے زیادہ (شریک) نہیں بنائے۔

میں اُس سے باز آگیا کہ اُس نے تصریح کر دی کہ ان کا قول نصاریٰ کے قول سے زیادہ شرک میں گھسا ہوا ہے۔

ان لوگوں کا یہ قول اللہ تعالیٰ کے اس قول کا رد ہے۔ قل ھو اللہ احدٌ (آپ کہیے کہ اللہ ایک ہے) اگر اللہ کے ساتھ غیر اللہ ہوتا تو اللہ اَحَد نہ ہوتا۔

ہم تصدیق نکرتے کہ جو شخص اپنی نسبت اسلام کی طرف کرے گا وہ یہ بات کہے گا۔ بشرطیکہ ہم نے ان لوگوں کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا۔ ان سے مناظرہ نہ کیا ہوتا اور تصریحاً ان کی کتابوں میں نہ دیکھ لیا ہوتا۔

مثلاً سمنانی قاضی موصل کی کتاب جو ہمارے اسی زمانے میں موجود ہیں اور وہ ان کے اکابر میں سے ہیں۔ اور اشعری کی کتاب المجالس ہیں اور ان لوگوں کی دوسری کتابوں میں۔

اس کے ساتھ ہی بڑا تعجب باقلانی وابن فورک کی تصریح پر ہے جو ان دونوں نے اپنی اُن کتابوں میں کی ہے جو اصول وغیرہ میں ہیں کہ

اللہ تعالیٰ کا علم ہمارے علم کے ساتھ ایک ہی حد کے تحت میں واقع ہے۔ یہ جنون آمیز حماقت ہے کیونکہ ان لوگوں نے ایک ازلی کو محدثات کے طور پر محدود کر دیا۔ وہ دلائل جو ہم نے منانیہ ونصاریٰ ومنکرین توحید کے خلاف قائم کئے ہیں حرف بحرف وہی اس فرقے کے بھی خلاف ہیں۔ انھیں دلائل کے حوالے نے ہمیں اس سے بے نیاز کر دیا کہ ہم مکرر بیان کریں۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

یہ مضمون اُن کے اس قول کے ساتھ ہے کہ تغایر صرف اُنھیں اشیاء میں ہو سکتا ہے جن میں یہ جائز ہو کہ دو میں سے ایک پائی جائے۔

کیا مخلوق بھی خالق کے مغایر نہیں؟

یہ انتہائی حماقت ہے اس لئے کہ یہ وہ دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ نہ قرآن کی نہ حدیث کی۔ نہ معقول کی نہ لغت کی۔ جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔ اس قاعدے پر انھیں یہ لازم آتا ہے کہ خلق بھی خالق کے مغایر نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ خلق بغیر خالق کے پایا جائے۔

اگر وہ کہیں کہ یہ تو جائز ہے کہ بغیر خلق کے خالق پایا جائے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔ مگر تمھیں کہاں سے معلوم ہو گیا کہ تغایر میں سے ایک وہی ہوگا کہ دونوں میں سے کسی ایک کا وجود بغیر دوسرے کے ناجائز ہوگا۔ یہ وہ ہے جس کے جواب کی انھیں گنجائش نہیں۔ انھیں یہ بھی لازم آتا ہے اور اس طرح لازم آتا ہے جس سے نجات نہیں ہو سکتی کہ اعراض جواہر کے مغایر نہ ہوں۔ اس لئے کہ قطعاً ناجائز اور ناممکن ہے اور وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ دو میں سے ایک وجود بغیر دوسرے کے ہو سکے۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

تغایر کی صحیح تعریف

یہ ہے حس کی لغت۔ ضرورت حس اور عقل شہادت دیتی ہے۔ تغایر وہ ہے کہ ہر دو نامبردہ اشیاء میں سے ایک کے لئے ایسی خبر دینا جائز ہو جو دوسری کے متعلق نہ دی جائے۔ وہ دونوں غیر ہیں۔ بغیر اس کے چارہ نہیں۔ حاصل یہ کہ جو شے ایسی ہو کہ شئے کا غیر خود وہی نہ ہو تو وہ اُس کا غیر ہے۔ اور جو شے ایسی ہو کہ

تے کا غیر نہ ہو تو وہ خود وہی تنے ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔
جب اللہ کی مدد و تائید سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو کہتے تھے کہ اللہ کا علم غیر اللہ ہے۔ پھر انھوں نے اسے مخلوق بنایا یا اُسے ازلی بنایا۔ تو اب ہمیں اس مسئلے میں بقیہ اقوال بھی بیان کرنا چاہئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

صفت ذات ازلی

جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا علم نہ تو اللہ ——— ورنہ غیر اللہ ہے مگر یہ صفت ذات ازلی ہے۔ تو یہ کلام فاسد۔ محال و تناقض ہے کہ ایک حصہ دوسرے حصے کو باطل کرتا ہے۔

اس لئے کہ جب انھوں نے یہ کہا کہ اللہ کا علم اللہ نہیں تو انھوں نے بدیہی طور پر اس قول سے یہ واجب کر دیا کہ وہ غیر اللہ ہے۔ جب انھوں نے یہ کہا کہ وہ غیر اللہ بھی نہیں تو انھوں نے غیریت کو باطل کر دیا اور اس قول سے بدیہی طور پر یہ واجب کر دیا کہ علم ہی اللہ ہے۔ یہ ثابت ہو گیا کہ کہنے والے کا یہ قول کہ "وہ وہی ہے نہ کہ غیر" اور کہنے والے کا یہ قول کہ "وہ وہی ہے اور وہ اُس کا غیر بھی ہے" مساوی ہے۔ کیونکہ ان دونوں جملوں کے معنی ایک ہی ہیں جن میں کوئی اختلاف نہیں۔ دونوں عبارتیں باطل ہیں۔ مناقض ہیں۔ اکٹھا نفی و اثبات عقل میں نہیں آسکتا۔ اور یہ صفراوی مریضوں کی سی بدحواسی ہے۔ نعوذ باللہ من الخذلان۔

اس باطل پر بعض افراد کے اس استدلال سے تعجب ہے کہ طول نہ تو طویل ہے نہ غیر طویل۔

یہ عظیم الشان جہل اور مکابرہ ہے۔ کیونکہ اس کا قائل یہ نہیں جانتا کہ طویل۔ جوہر ہے جسم ہے قائم بالذات ہے اور اپنے طول کا اور اپنے تمام اعراض کا حامل ہے۔ طول اعراض میں سے ایک عرض ہے جو طویل میں محمول ہے۔ قائم بالذات نہیں ہے۔ جو شخص اس سے ناواقف ہو کہ محمول حامل کا غیر ہوتا ہے اور قائم بالذات غیر قائم بالذات کے خلاف ہوتا ہے تو وہ عدیم الحس ہے اور اُسے مناسب ہے کہ وہ

بکنے سے پہلے علم حاصل کرلے۔ ہم اُسے طویل گیلی مٹی دکھائیں گے جو گھومتی ہے پھر طول اور مربع ہوتا جاتا رہتا ہے اور تدویر (گولائی) آجاتی ہے جو طویل تھا وہ اُس کی حس میں باقی ہے۔ تو کیا صاحب تمیز سے یہ پوشیدہ ہے کہ جانے والا غیر ہے آنے والے کا۔ فانی غیر ہے باقی کا۔ ہم ضرور جانتے ہیں کہ طول غیر ہے طویل کا۔ جو اس عبارت فاسدہ سے استدلال کرتا ہے ہم اُس سے کہیں گے کہ ہمیں بتاؤ کہ آیا دو اسم متغایر ایسی دو وجہ ہیں سے جن کے لئے کوئی تیسری وجہ نہ ہو ایک سے خالی ہیں یا نہیں کہ یا تو دونوں اسم اکٹھا ایک ہی شے پر اس طرح واقع ہوں گے کہ ان دونوں اسموں سے اُس شے کو تعبیر کیا جائے گا جس پر وہ شے معلق ہے۔ اور یا یہ ہوگا کہ یہ دونوں اسم جداگانہ اشیاء پر اس طرح واقع ہوں گے کہ ان میں سے ہر ایک اسم سے علیحدہ اُس شے کو تعبیر کیا جائے گا جس پر وہ اسم معلق ہے۔ ان دو میں سے ایک ہر دو اسم کے لئے ضروری ہے۔ ان میں سے جو صورت بھی ہوگی وہ اس بدحواسی کو باطل کرنے والی ہوگی جو یہ کہتا ہے کہ نہ تو علم اللہ ہے اور نہ غیر اللہ۔

ان میں سے بعض نے اس فریب کاری۔ سفسطہ اور افساد حقائق میں اضافہ کیا ہے۔ وہ ایک فاسد دعوی لایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ شے غیر شے نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ جب یہ ممکن ہو کہ دو میں سے ایک شے دوسری شے سے جدا ہو سکے۔

یہ محض دعوی ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ اگر صرف اتنا ہی ہوتا تب بھی یہ فریب کاری ختم ہو جاتی چہ جائے کہ یہ تو ایک قضیہ وجملۂ فاسدہ بھی ہے۔ یہ اسے واجب کرتا ہے کہ اعراض کی کلیت جواہر کی کلیت کے غیر نہیں ہے۔ اس لئے کہ نہ تو جواہر کا اعراض سے خالی ہونا ممکن ہے اور نہ اعراض کا جواہر سے۔ جو ہذیان اس قسم کی بدحواسی تک پہنچائے اُس کے فاسد ہونے کو یہی کافی ہے۔

دو غیر ہیں باہمی تغایر کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ شے جس کے

متعلق ایسی خبر سے خبر دیجائے کہ اُس وقت وہ خبر دوسری کے متعلق نہ ہو تو وہ غیر ہے جو اُس خبر میں اُس شے کی شریک نہیں ہے۔ جو اشیاء معلوم و موجود ہیں اُن میں کوئی دو چیزیں ایسی نہیں ہیں جو کسی نہ کسی وجہ سے اس وصف سے خالی ہوں۔ لغت میں لفظ غیر کا مقتضا یہی ہے۔
وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

یہ امر ضرورت حس و عقل سے معلوم ہوتا ہے۔ غیریت کے مقابلے میں ہویّت کی تعریف یہ ہے جو شے شے کی غیر نہ ہو تو وہ بعینہ وہی ہے۔ کیونکہ ہویّت و غیریت کے درمیان کوئی اور واسطہ نہیں ہے جو کسی کی عقل میں آسکے۔ جو شے ان دو میں سے کسی ایک سے خارج ہوگی وہ دوسرے میں لامحالہ داخل ہوگی۔ ہر دو اسم جو مختلف ہوں ان دو میں سے کسی ایک کے مسمّیٰ کے متعلق جو خبر دی جائے وہی خبر دوسرے اسم کے مسمی کی بھی ہو اور ایسا ہی ہمیشہ ہو اور ضروری ہو تو بلاشک ان دونوں کا مسمّیٰ ایک ہی ہوگا جب اس قول کا فساد ثابت ہوگیا تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد سے اشعری کی دوسری عبارت میں بھی کلام کرنا چاہیئے۔ اور وہ اشعری کا یہ قول ہے کہ "وہ وہی ہے اور یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ اُس کا غیر ہے"۔ ہم کہتے ہیں کہ اُنھوں نے اس عبارت میں اس سے زیادہ نہیں کہا کہ اس میں کچھ نہ کہا جائے گا۔

ہویّت و غیریّت

یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ ان دو قولوں میں سے ایک ضروری و بدیہی ہے لہذا یہ قول بھی جاتا رہا اس لئے کہ اس میں بیان حقیقت نہیں ہے۔

ابوالہذیل کا یہ قول کہ اللہ کا علم ہی اللہ ہے۔ تو یہ بذریعۂ استدلال ہذیل کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا نام رکھنا ہے۔ یہ قطعاً ناجائز ہے کہ بذریعۂ استدلال اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر دی جائے یا اس کا نام رکھا جائے۔ اس لئے کہ وہ اپنی تمام مخلوق سے مغایر ہے۔
کوئی دلیل ایسی نہیں جو اُن ناموں میں سے اُس کا کوئی نام رکھنے کی موجب ہو جو نام اُس کی مخلوق کے رکھے جاتے ہیں۔ یا کسی ایسی صفت سے

اُسے موصوف کیا جائے جس سے اس کی مخلوق کو موصوف کیا جاتا ہے۔ یا اُس کے متعلق کوئی ایسی خبر بیان کی جائے جو اُس کی مخلوق کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کے متعلق کوئی نص آجائے تو اُس پر عمل کیا جائے گا۔ جو شخص کسی ایسی صفت کے ساتھ جس سے مخلوق کو موصوف کیا جاتا ہے محض مخلوق پر قیاس کر کے اللہ تعالیٰ کو موصوف کرے۔ یا اسے کسی ایسے نام سے نامزد کرے جس سے اُس کی مخلوق کو نامزد کیا جاتا ہے۔ تو اس نے اللہ تعالیٰ کو اُس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی۔ اُس کے ناموں میں الحاد و کجروی کی۔ جھوٹا بہتان لگایا۔

یہ ناجائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام رکھا جائے یا اُس کے متعلق کوئی خبر دی جائے بجز اس کے کہ اُس نے خود ہی اپنا جو نام رکھا ہے یا اپنے متعلق جو خبر دی ہے۔ خواہ وہ اُس کی کتاب میں ہو۔ خواہ اُس کے رسول کی زبان پر خواہ تمام اہل اسلام کے اجماع متیقن میں ہو۔ اس سے زائد جائز نہیں۔ یہاں تک کہ اگرچہ معنی صحیح ہوں۔ مگر اُس پر لفظ کا اطلاق کرنا جائز نہیں۔

ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے آسمان بنایا۔ وہ خود فرماتا ہے "والسماء بنینٰھا بایدٍ" (آسمانوں کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا)۔ مگر یہ جائز نہیں کہ اُس کا نام "بنّاء" (بنانے والا) رکھا جائے۔ اُس نے نباتات وحیوان میں مختلف رنگ پیدا کئے اور اُس نے "صبغۃ اللہ" (اللہ کا رنگنا) بھی فرمایا۔ مگر یہ جائز نہیں کہ اُس کا نام صبّاغ (رنگنے والا) رکھا جائے۔ اسی طرح تمام اشیاء جن سے اس نے اپنے آپ کو نامزد نہیں کیا۔ ناواجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس طرح نام رکھا جائے کہ وہی اپنا علم ہے۔ اگرچہ یہ یقیناً صحیح ہے کہ اُس کے لئے جو علم ہے وہ اُس کا غیر نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اُس کی غیر نہیں ہے۔ نہ اُس کا وجہ اُس کا غیر ہے اور نہ اُس کا نفس اُس کا غیر ہے۔ ان تمام اسماء سے اللہ تعالیٰ ہی کو تعبیر کیا جاتا ہے نہ کہ کسی اور کو۔ حالانکہ یہ کہنا ناجائز ہے کہ

اللہ تعالیٰ ذات ہے یا نفس ہے یا وجہ ہے یا علم ہے یا قدرت ہے یا قوّت ہے۔ اس لئے کہ ہم اس کا امتناع بیان کر چکے ہیں کہ اُس کا وہ نام رکھا جائے جو نام اُس نے خود اپنا نہ رکھا ہو۔

مخلوق کا علم بلاشک اُن کے مغایر ہے اس لئے کہ وہ جاتا رہتا ہے اور اس کے بعد جہل آجاتا ہے۔ باری تعالیٰ کے ان اشیاء میں اُس کی مخلوق میں سے ہرگز کوئی اس کے مشابہ و مثل نہیں۔ بلکہ وہ ہر وجہ میں اپنی مخلوق کے خلاف ہے۔ لہٰذا لازم آیا کہ اُس کا علم اُس کا غیر نہ ہو (جیسا کہ مخلوق کا علم مخلوق کا غیر ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "لیس کمثلہ شیٔ" (اُس کے مثل کی سی کوئی شے نہیں)

قوت و قدرت وعلم کی عبادت

اگر کوئی معترض ہم سے کہے کہ تمھارے نزدیک اللہ کا علم غیر اللہ نہیں اور نہ اُس کی قدرت و قوت اُس کی غیر ہے تو تم لوگ قوت و قدرت و علم کی عبادت کرتے ہو۔

صرف اللہ کی عبادت

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم تو محض اُس عمل سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں جس کے متعلق اُس نے ہمیں حکم دیا نہ اُس کے سوا کسی اور عمل سے۔ نہ ہم اُسے پکارتے ہیں سوائے اُس کے جس طرح اُس نے ہمیں حکم دیا۔ وہ فرماتا ہے "وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ" (اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں۔ بس اسے اُنھیں ناموں سے پکارو اور اُنھیں چھوڑ دو جو اُس کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں)۔ اور فرماتا ہے "وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین" (اور انھیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ یہ اللہ ہی کی عبادت کریں اور خالص اُسی کی عبادت کریں) ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ اُس نے ہمیں حکم دیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم علم کی عبادت کرتے ہیں اس لئے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا کہ ہم اس لفظ کو کہیں اور اس کا اعتقاد کہیں۔

ہم ان لوگوں سے بعینہ وہی سوال کرتے ہیں جو انھوں نے ہم سے کیا۔

اُن سے کہتے ہیں کہ تم لوگ یہ مانتے ہو کہ وجہ اللہ۔ عین اللہ۔ ید اللہ و نفس اللہ میں سے کوئی شے بھی غیر اللہ نہیں بلکہ یہ سب تمھارے نزدیک اللہ ہی ہیں۔ تو پھر تم بھی وجہ۔ ید۔ عین و ذات و نفس کی عبادت کرتے ہو۔

اگر وہ ہاں کہیں تو ہم اُن سے کہیں گے کہ تم لوگ اپنی دعا میں یوں کہا کرو کہ اے ید اللہ ہم پر رحم کر۔ اور اے عین اللہ ہم سے راضی ہو جا۔ اور ذات اللہ ہماری مغفرت کر کیونکہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور یہ کہا کرو کہ ہم وجہ اللہ کی مخلوق ہیں۔ ہم عین اللہ کے بندے ہیں۔

اگر وہ اس پر جسارت و جرأت کریں تو ہم تو اُس امر پر پیشقدمی کو جائز نکریں گے جس کی ہمیں اللہ نے اجازت نہیں دی۔ اور نہ ہم اُس کی حدود سے تجاوز کریں گے اگر وہ شہادت دیں تو ہم اُن کے ساتھ شہادت نہ دیں گے ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہٗ (اور جو اللہ کی حدود سے بڑھا اُس نے آپ اپنے اوپر ظلم کیا)۔ جو الزام اُنھوں نے دیا تھا وہ خود اُنھیں کو لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ یہ وہ سوال ہے جس سے وہ راضی ہیں اور انھوں نے اس کو صحیح مانا ہے۔ جو شخص کسی شے سے راضی ہوگا وہ اُسی کو لازم ہوگی۔ ہم نہ اس سوال سے راضی ہیں اور نہ ہم نے اسے صحیح مانا ہے۔ لہٰذا یہ ہمیں لازم نہیں۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

سمیع و بصیر و قدیم کے معنی

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے جس پر نص قرآن آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر (سننے والا۔ دیکھنے والا) ہے۔ بعد کو اختلاف ہوا۔ اہل سنت کے ایک گروہ اور اشعریہ و معتزلہ میں سے جعفر بن حرب اور ہشام بن الحکم

اور تمام مجسمہ (یعنی اللہ تعالیٰ کو جسم ماننے والوں) نے کہا ہے کہ ہم یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کان سے سننے والا اور آنکھ سے دیکھنے والا ہے۔

اہل سنت کے چند گروہ اس طرف گئے ہیں جن میں شافعی و داؤد بن علی وعبدالعزیز بن مسلم الکنانی رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر (سننے والا۔ دیکھنے والا) ہے۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ کان اور آنکھ سے (سمیع وبصیر) ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نہیں کہا۔ لیکن وہ بذات خود سمیع و بذات خود بصیر ہے۔

اسی کے ہم بھی قائل ہیں۔ کان اور آنکھ کا اطلاق جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق کوئی نص نہیں آئی۔ اس لئے ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی ایسی خبر دی جائے جو اس نے خود اپنے متعلق نہ دی ہو۔

جس نے آنکھ کان کا اطلاق کیا ہے اُس کا استدلال یہ ہے کہ سمیع (سننے والا) بغیر سمع (کان) کے اور بصیر (دیکھنے والا) بغیر بصر (آنکھ) کے عقل میں نہیں آتا۔ اُس کو بصیر کہنا جائز نہیں جس کے بصر نہ ہو اور اُسے سمیع کہنا جائز نہیں جس کے سمع نہ ہو۔

انھوں نے اس مسئلے میں جو احتجاج کیا ہے اور جس کی طرف گئے ہیں وہ یہ ہے کہ صفات متغایر ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ مبصرات (دیکھنے کی چیزوں) کو سنتا ہے اور مسموعات سننے کی چیزوں) کو یعنی آوازوں کو دیکھتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ یہ عقل میں نہیں آتا۔

یہ دونوں دلیلیں فریبی اور فاسد ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ سمیع بغیر سمع کے اور بصیر بغیر بصر کے عقل میں نہیں آتا۔ تو ان سے کہا جائے گا۔ اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ کہ ہمارے تمہارے درمیان تو یہ بات ٹھیک ہے۔ اور قطعاً ایسا ہی ہے جس عالم میں ہم لوگ ہیں ہم نے اس میں ہرگز کبھی کوئی سمیع بغیر سمع کے اور کوئی بصیر بغیر بصر کے

نہیں پایا یا۔ مگر اس عالم میں تو ہرگز کوئی سمیع ایسا نہیں پایا گیا جو بغیر عضو سماعت کے ہو اور نہ کبھی کوئی عالم پایا گیا جو بغیر ضمیر کے ہو۔ انھیں لازم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر ان اوصاف کو بھی جاری کریں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان اوصاف سے بہت بلند و برتر ہے۔ یہ لوگ اس کو تو کہتے ہیں اور اُسے جائز نہیں سمجھتے مجسمے نے تو اُس کا بھی اطلاق کیا ہے اور اُس کو انھوں نے جائز رکھا ہے۔ ان کے قول کا رد اللہ کی مدد و تائید سے گذر چکا۔

ان ہر دو گروہ کو لازم آتا ہے کہ جب انھوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سمع و بصر ہے اس لئے کہ وہ سمیع و بصیر ہے اور یہ ممکن نہیں کہ کوئی بغیر سنے اور دیکھے سمیع و بصیر ہو سکے۔ خاصکر نص بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے عین (آنکھ) ہے۔ تو وہ یہ بھی کہیں کہ اُس کے ڈھیلے بھی ہیں۔ آنکھ میں پتلی اور پپوٹے بھی ہیں۔ پلکیں اور بھویں بھی ہیں۔ اس لئے کہ ہم عالم میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کوئی آنکھ جو ایسی آنکھ ہو کہ اُس سے دکھائی دیتا ہو یا دیکھا جاتا ہو وہ ایسی نہ ہو۔ ورنہ وہ آفت رسیدہ آنکھ ہو گی یا بعض حیوانات کی سی آنکھ ہو گی جو بند نہیں ہوتی۔ اسی طرح نہ رواج میں ہے اور نہ قطعاً یہ ناممکن ہے کہ اس عالم میں کوئی سمیع بغیر سوراخ ذار کان کے ہو۔ لہٰذا انھیں لازم ہے کہ ان تمام اشیاء کو ثابت کریں۔ ورنہ انھوں نے خود ہی اپنا استدلال باطل کر دیا۔ حالانکہ اپنے استدلال کو معہود و معقول سے قوت دی تھی۔ اگر وہ ان تمام اشیاء کا اطلاق کریں تو انھوں نے اپنا مذہب چھوڑ دیا اور مجسمے کے بدترین قول کی طرف چلے گئے۔ حالانکہ ہم ان کے قول کا فساد اس کے قبل بیان کر چکے ہیں۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

جب انھوں نے یہ جائز کر دیا کہ باری تعالیٰ سمیع و بصیر بغیر عضو کے ہے۔ حالانکہ یہ اُس کے خلاف ہے جو وہ عالم میں پاتے ہیں۔ اور انھوں نے یہ جائز کر دیا کہ اُس کی آنکھ بغیر ڈھیلے اور پتلی اور پپوٹے اور

بھوں اور پلکوں کے ہے۔ حالانکہ یہ بھی اُس کے خلاف ہے جو وہ عالم میں پاتے ہیں۔ تو انھیں ان لوگوں کے قول کا انکار نکرنا چاہئے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ سمیع ہے بغیر سمیع کے اور بصیر ہے بغیر بصر کے۔ اگرچہ یہ اُس کے خلاف ہے جو وہ عالم میں پاتے ہیں۔

دونوں باتوں میں واضح فرق بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کا التزام نہیں کرتے کہ جیسا کہ عالم میں پاتے ہیں اُس پر قیاس کر کے اللہ تعالیٰ کا نام رکھنا حلال جانیں۔ بلکہ یہ حرام و ناجائز اور غیر حلال ہے۔ اس لئے کہ عالم میں کوئی شے نہیں ہے جو اللہ عزوجل کے مشابہ ہو اور اس پر اسے قیاس کیا جائے اللہ تعالیٰ فرمایا ہے۔ "لیس کمثلہ شی وھو السمیع البصیر (کوئی شئے اُس کے مثل کی سی نہیں ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے) تو ہم کہیں گے کہ ہاں وہ سمیع و بصیر ہے مگر نہ اس طرح جس طرح عالم میں سمیع و بصیر ہوتے ہیں۔ عالم میں جو سمیع و بصیر ہے وہ صاحب سمع و بصر ہے۔ مگر حسب تصریح قرآن اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ہے۔

اللہ سمیع ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا مگر وہ سامعین کی طرح نہیں سنتا اللہ بصیر ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا۔ مگر وہ مُبصرین کی طرح نہیں دیکھتا۔

ہمارے رب کا صرف وہی نام رکھا جا سکتا ہے جو اُس نے خود اپنا نام رکھا۔ اُس کے متعلق صرف وہی خبر دی جا سکتی ہے جو اُس نے خود اپنے متعلق دی۔ جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ سمیع و بصیر ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ہاں وہ سمیع و بصیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کے لئے سمع و بصر ہے اس لئے کسی کو بھی یہ کہنا حلال نہیں کہ اُس کے سمع و بصر ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بہتان لگانے والا نہ بن جائے۔ یہ ناجائز ہے۔ اور ہم اللہ ہی سے پناہ مانگتے ہیں۔

ہمارے مخالفین نے اس کا اطلاق کیا ہے کہ کوئی سمیع و بصیر جیسا کہ وہ پاتے ہیں ایسا نہ ہوگا جو صاحب سمع و بصر نہ ہو۔ لہٰذا انھیں یہ ضرور لازم آئے گا جیسا کہ وہ عالم میں ہر سمیع و بصیر کو پاتے ہیں کہ وہ بھی صاحب عضو ہو

جس سے سنے اور دیکھے۔ اور اگر یہ عضو نہ ہو تو عالم میں نہ کوئی سمیع کہلائے نہ بصیر اور نہ کوئی کچھ دیکھ سکے۔

اگر یہ لوگ اس آیت کو بیان کریں کہ "لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم آذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل واولئک ھم الغفلون"۔ (ان کے دل ہیں جن سے سمجھتے نہیں۔ ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں جن سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ اور یہی لوگ غافل ہیں)۔

بتوفیق الٰہی ہم اُنھیں جواب دیں گے کہ یہ آیت تو تمھارے خلاف سب سے بڑی حجت ہے اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اس امر پر تصریح فرمائی ہے کہ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے وہ چیز نہیں دیکھتے جس سے نصیحت حاصل کریں۔ نہ اپنے کانوں سے ہدایت کی باتیں سنتے ہیں جن کو قبول کریں۔ جب کوئی آنکھوں اور کانوں سے نفع نہ اُٹھائے تو وہ مذمت و عذاب کا مستحق ہے۔ اگر آنکھ اور کان ہی سے سمع و بصر نہ ہو نہ کہ کسی اور سے تو وہ شخص مذمت کا مستحق نہ ہوتا جس کو صحیح و سالم کان اور آنکھ دیگئی مگر اُسنے ان سے وہ چیز نہ سنی نہ دیکھی جس سے اسے اللہ عزوجل کی مدد سے ہدایت ہوتی۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ سمع و بصر بغیر ان دونوں (کان اور آنکھ) کے ہوتے تو اللہ عزوجل کے آنکھ اور کان کو سمع و بصر کے معنی میں ذکر کرنے کے کوئی معنی نہ ہوتے۔ لہذا ان کا قول قرآن سے، بداہت سے، حس سے، اور عقل سے باطل ہوگیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

اُنھوں نے اپنے جس قول سے فریب دیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر اُس کے لئے سمع و بصر نہ ہوتی تو ضرور یہ کہنا جائز ہوتا کہ وہ الوان (رنگوں) کو سنتا ہے اور اصوات (آوازوں) کو دیکھتا ہے۔ مگر یہ وہ کلام ہے جو عام طور پر نہیں بولا جاتا۔ ہمیں تو لغت عرب میں خطاب کیا گیا ہے لہذا ہمیں یہ جائز نہیں کہ ہم اُس لغت کے خلاف استعمال کریں جس میں ہمیں خطاب کیا گیا ہے۔

تم نے جو الوان کا سننا اور اصوات کا دیکھنا بیان کیا ہے تو یہ ہمارے آپس میں اُس لغت میں جس میں ہمیں خطاب کیا گیا ہے بولا نہیں جاتا۔ لہذا ہمیں حق نہیں کہ ہم لغت میں وہ شے داخل کریں جو اُس میں نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کے متعلق کوئی نص آجائے تو ہم اُسے لغت کے مطابق بدلدیں گے۔

اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ آواز کا دیکھنے والا اور رنگ کا سننے والا ہے۔ تو ہم کہیں گے یہ اس معنی میں جائز ہے کہ وہ ان اشیاء کا جاننے والا ہے۔ جب کوئی برہان مانع ہو تو ہم کہتے ہیں کہ میں نے اللہ عزوجل کو یہ کہتے سنا۔ اور ہم نے اللہ عزوجل کو یہ یہ فرماتے دیکھا اور یہ حکم دیتے دیکھا اور یہ کرتے دیکھا۔ اس معنی میں کہ ہم نے جانا۔ اس کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔ اس میں اور اس میں جوان لوگوں نے دریافت کیا کوئی فرق نہیں۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے "اولم یروا الی الطیر فوقھم صافات ویقبضن ما یمسکھن الا الرحمٰن انه بکل شئ بصیر" (کیا یہ لوگ اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھتے جو پر پھیلاتے ہیں اور سمیٹتے ہیں۔ انہیں سوائے اللہ کے کون روکتا ہے۔ بیشک وہ ہر شئے کا نگران ہے) یہ تمام شئے کے لئے عموم ہے جیساکہ ہم نے کہا۔ (یعنی وہ ہر شئے کا بصیر (دیکھنے والا) ہے اور ہر شئے میں آواز بھی ہے)۔ لہذا یہ جائز نہیں کہ اس میں ایک شئے کو چھوڑ کر دوسری شئے کو خاص کیا جائے۔ سوائے اس کے کہ دوسری نص ہو یا اجماع ہو یا ضرورت ہو۔ اور ان میں سے ایک شئے تک بھی رسائی نہیں لہذا وہی ثابت ہو گیا جو ہم نے کہا تھا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "یعلم السر واخفیٰ" (وہ راز اور پوشیدہ تر بات کو جانتا ہے)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ سمیع و بصیر و علیم ایک ہی معنی میں ہیں ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں (باللہ تعالیٰ التوفیق) کہ اس پر ہمارا تمہارا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ وہ احد (ایک) ہے متکثر نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ سمیع ہے رنگوں کا۔ بصیر ہے

آوازوں کا ۔ مگر اس طور پر اور اُس وجہ سے ہم نے بیان کی ۔ یہ اس امر کو واجب نہیں کرتا کہ سمیع غیر بصیر ہو ۔ لہذا تم نے جو الزام دینا چاہا تھا وہ ساقط ہوگیا اختلاف تو محض اس کے معلومات میں ہے ۔ وہ خود محض واحد ہے اور ان تمام معلومات کے متعلق اُس کا علم بھی واحد ہے ۔ وہ ان سب کو بذات خود جانتا ہے ۔ اور اس کو غیر اللہ قطعاً نہیں جانتا ۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا تم لوگ یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ازلی سمیع وبصیر ہے ۔ ہم کہیں گے کہ ہاں ۔ اللہ تعالیٰ ازلی سمیع ۔ بصیر ۔ عفو ۔ غفور ۔ عزیز ۔ قدیر ورحیم ہے ۔ اور یہ سب قرآن میں لفظ "کان اللہ" سے آیا ہے ۔ جیسا کہ فرمایا ہے "کان اللہ سمیعا بصیرا" (اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے) اور اسی قسم کی آیات ہیں ۔

اللہ تعالیٰ کا "کان" فرمانا ازلی چیز کی خبر دینا ہے ۔ جبکہ وہ اس لفظ سے اپنے متعلق خبر دے نہ کہ اپنے ماسوا کے متعلق ۔

اگر یہ لوگ کہیں کہ کیا تم کہتے ہو کہ اللہ ہمیشہ سے خالق ۔ خلاق اور رازق ہے ۔ ہم کہیں گے کہ ہم یہ نہیں کہتے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح نہیں فرمائی کہ وہ خالق وخلاق ورازق تھا ۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ وہ ازلی خلاق ورزاق ہے ۔ اللہ تعالیٰ ازل سے نہ پیدا کرتا تھا نہ رزق دیتا تھا ۔ پھر اُس نے پیدا کیا اور جس کو پیدا کیا اس کو رزق دیا ۔ یہ بدیہی طور پر اس کو واجب کرتا ہے کہ یہ اسماء اعلام ہیں ۔ اسماء مشتقہ نہیں ہیں ۔ اس لئے کہ اگر "خالق ورازق" خلق و رزق سے مشتق ہوتے تو وہ ہمیشہ سے صاحب خلق ہوتا کہ مخلوق کو پیدا کرتا اور رزق دیتا ۔

اگر کہا جائے کہ سمیع ۔ بصیر ۔ رحمٰن رحیم ۔ غفور ۔ ملک ۔ یہ تمام اوصاف اس امر کے مقتضی ہیں کہ کوئی مسموع ۔ مبصر ۔ مرحوم ۔ مغفور ۔ عفو کردہ ۔ قابل مغفرت ۔ مملوک ہو ۔

ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سمیع وبصیر کے وہی معنی ہیں جو علیم کے ہیں ۔ کوئی فرق نہیں ۔ ایسا نہیں ہے جو اہل علم گمان کرتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ کے سمع و بصر بھی اُس کی مخلوق کی طرح مسموع و مبصر کے ساتھ مخصوص ہیں۔ سوائے اس کے علم کے۔ اور ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح نہیں فرمائی جو ہم پر اس کا قائل ہونا لازم ہوتا۔ یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی ایسی خبر دی جائے جو خود اُس نے اپنے متعلق نہ دی ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لیس کمثلہ شی وھوالسمیع البصیر" (اُس کے مثل کی سی کوئی شے نہیں۔ اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے)۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایسا سمیع ہے کہ سامعین میں سے کوئی اُس کے مثل نہیں۔ ایسا بصیر ہے کہ بُصَراء (دیکھنے والوں) میں سے کوئی اُس کے مثل نہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا تم لوگ یہ کہتے ہو کہ اللہ عزوجل ازل سے سنتا دیکھتا اور ادراک کرتا ہے۔ ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ "انّنی معکما اسمع وارٰی" (اے موسیٰ و ہارون بیشک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ سنتا اور دیکھتا ہوں) اور فرماتا ہے "وھو یدرک الابصار" (وہ نگاہوں کا ادراک کرتا ہے)۔ اور فرماتا ہے واللہ یسمع تحاورکما" (اور اللہ تم دونوں کی باہمی گفتگو سن رہا تھا)۔ اور "سمع اللہ لمن حمدہ" (اللہ سنتا ہے جو اُس کی تعریف کرتا ہے) کہنے پر اجماع ثابت ہے۔ یہ نص (حدیث) ثابت ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ایسی اجازت کسی چیز کے لئے نہیں دی جیسی کہ اُس نے نبی کو خوش آوازی کی دی کہ آپ قرآن کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھیں"

ہم کہتے ہیں کہ "یسمع ویری۔ واسمع واری ویدرک" یہ سب ایک ہی معنی میں ہیں۔ اور وہ معنی "یعلم" کے ہیں (یعنی جانتا ہے)۔ اور کوئی فرق نہیں۔ نبی کو خوش آوازی کی اجازت دینے کے معنی یہ ہیں کہ یہ "اذن" بمعنی قبول سے مشتق ہے۔ جیسا کہ دربان اُس کو اجازت دیتا ہے جس کو اندر جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ یہ اُس "اُذن" سے ماخوذ نہیں جو ایک عضو (کان) ہے۔ اگر ایسا ہوتا جیسا تمہارا گمان ہے تو پھر اُس کا مبصرات کو دیکھنا اور مسموعات کو سننا حادث ہوتا۔ وہ تا وقتیکہ نہ سنے سمیع نہ ہوتا۔

تا وقتیکہ نہ دیکھے بصیر نہ ہوتا اور ادراک نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے۔ لہٰذا یہ سب بمعنی علم ہے اور اس سے زائد نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وربك يخلق ما يشاء ويختار" (آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے) ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنا یہ اس کا ایک فعل ہے جو حادث ہے۔ اور اس کا اختیار کرنا بھی اس کا پیدا کرنا ہے نہ کچھ اور۔ اور یہ ذرا بھی از قبیل "يسمع ويبصر ويرى ويدرك" نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان تمام الفاظ کے اور علم کے ایک ہی معنی ہیں اور "يخلق ويختار" کا علم کے معنی میں ہونا جائز نہیں۔ لیکن عفو و غفور و حلیم و رحیم و ملک میں سے ایک بھی اپنے ساتھ وجود مرحوم و عفو کردہ و مغفور و مملوک و حلم کردہ شدہ کا مقتضی نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ بذات خود رحیم و عفو و غفور و املک ہے۔ اس کے ساتھ ہی نص بھی وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہے۔ یہ سب اللہ عزوجل کے اسمائے اعلام ہیں۔

اگر یہ لوگ وہ حدیث بیان کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ "ان لوگوں کے اور اللہ کو ان کے دیکھنے کے درمیان میں صرف ایک کبریائی کی چادر ہوگی جو اس کے چہرے پر ہوگی کہ اگر وہ اسے کھول دے تو اس کے چہرے کے انوار وہاں تک جلادیں جہاں تک اس کی بصر (نظر) پہنچتی ہے"۔

اس روایت میں انہیں لوگوں کے قول کا ابطال ہے۔ اس لئے کہ اس میں یہ ہے کہ اس کی بصر ذو نہایت ہے۔ حالانکہ ہر ذی نہایت محدود و حادث ہے۔ اور وہ لوگ اس کے قائل نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بصر کبھی لغت میں حفاظت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ نابغہ (شاعر) کہتا ہے۔

رأيتك ترعاني بعين بصيرة ؎ وتبعث حراسا علیّ وناظرا

(تجھے دیکھتا ہوں کہ تو حفاظت کی آنکھ سے میری حفاظت کرتی ہے۔ اور مجھ پر محافظ و نگہبان

مقرر کرتی ہے۔)

اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اُس پردے کو کھول دے جو اس نے اپنی قدرت کے نیچے رکھا ہے تو بلاشک اُس کی عظمت وہاں تک جلا دے جہاں تک اس کی حفاظت ورعایت اُس کی مخلوق تک ہے۔ ایسا ہی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ "سب تعریفیں اُسی اللہ کیلئے ہیں جس کا سمع آوازوں سے زیادہ وسیع ہے"۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اُس کا علم ان سب سے وسیع ہے۔ وہ راز اور مخفی ترامور کو جانتا ہے۔

ہم اللہ کی مدد سے ایک اور بیان کا اضافہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمھارا یہ کہنا کہ سمیع بغیر سمع کے اور بصیر بغیر بصر کے عقل میں نہیں آتا۔ اگر یہ صحیح ہے تو لازم آئے گا کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے سمع وبصر ہے۔ کیونکہ یہ بھی عقل میں نہیں آتا کہ جس کے لئے مکر ہو وہ ماکر نہ ہو۔ اور جو ماکرین میں سے ہو وہ خود ماکر نہ ہو۔ نہ کسی کی عقل میں وہ شخص آئے گا جو استہزاء کرے اور وہ مستہزی نہ ہو۔ نہ کسی کی عقل میں ایسا شخص آئے گا جو کید کرے اور کیاد نہ ہو۔ نہ کسی کی عقل میں یہ آئے گا کہ کوئی شخص کید و مکر کرے اور وہ کیاد و مکار نہ ہو۔ اور خادع (فریب دینے والا) نہ ہوگا مگر اُسی کو خادع کہا جائے گا جو خدّاع (فریب دہندہ) صاحبِ خدائع ہو۔ اور ایسا شخص بھی عقل میں نہ آئے گا جو بھولے اور اُسے نسیان ہو اور وہ ناسی (بھولنے والا) اور ذو نسیان نہ ہو۔ یہ وہ امور ہیں کہ عالم میں اس کے خلاف پائے جانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "واکید کیدا" (اور میں کید کرتا ہوں) اور فرماتا ہے "اللہ یستھزئ بھم" (اللہ ان سے استہزاء کرتا ہے)۔ اور فرماتا ہے "وھو خادعھم" (وہ اُن کا خادع (فریب دینے والا) ہے)۔ اور فرماتا ہے۔ افامنوا مکر اللہ" (کیا یہ لوگ اللہ کے مکر سے مطمئن ہو گئے)۔ اور فرماتا ہے "ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین" (اور ان لوگوں نے مکر کیا۔ اور اللہ نے مکر کیا۔ اور اللہ ماکرین سے بہتر ہے) اور فرماتا ہے "قل للہ المکر جمیعا (آپ

کہدیجئے کہ تمام مکر اللہ ہی کے لیے ہے)۔ اور فرماتا ہے "نسوا اللہ فنسیہم" (یہ خدا کو بھول گئے خدا انھیں بھول گیا)۔ اور فرماتا ہے "سخر اللہ منہم" (خدا نے اُن سے تمسخر کیا)۔

ان لوگوں کو لازم ہے کہ جب وہ اپنے رب کو سنیں اور اپنے استدلال کے طریقے سے اُس کا وصف بیان کریں۔ ان کے پاس جو حاضر ہے اُس میں جو کچھ مشاہدہ کیا ہے ان کا قیاس اُسی پر ہے۔ تو یہ اللہ کا نام ماکر رکھیں اور کہیں کہ یا ماکر ہم پر رحم کر۔ آپس میں عبد الماکر نام رکھیں اور یہی کلام کیاد۔ مستہزئ۔ خداع۔ ناسی اور ساحر میں بھی ہے۔ ورنہ یہ اپنے قول کے خود ہی مخالف ہوں گے۔ اپنے رب کی صفات اور اپنے دین کے ساتھ کھیل کریں گے۔

اگر یہ کہیں کہ یہ صفات تو مذمت و عیب ہیں۔ ہم تو اُسے صرف صفات مدح سے موصوف کرتے ہیں۔ تو انھیں دو بہت بڑی مصیبتیں لازم آئیں گی۔

ایک تو ان کا یہ اطلاق کرنا ہے کہ ان آیات میں اللہ عزوجل نے اپنے متعلق صفات ذم و عیب سے خبر دی ہے۔ اور یہ کفر ہے۔

دوسری مصیبت یہ ہے کہ وہ اپنے رب کو ہر ایسی صفت سے موصوف کریں جو ان لوگوں میں مدح و حمد ہے۔ اگرچہ اس کے متعلق نص نہ آئی ہو۔ ورنہ یہ خود اپنے قول کے خلاف کریں گے اور کوتاہی کریں گے۔ وہ اُسے یوں موصوف کریں کہ وہ عاقل ہے۔ شجاع ہے۔ بہادر ہے۔ سخی ہے۔ خوش اخلاق ہے۔ پاک نفس ہے۔ بامروت ہے۔ صاحب فضائل کاملہ ہے۔ شریف صورت ہے۔ اچھا شخص ہے۔ کہیں کہ وہ "تیاہ (متکبر) ہے اس پر قیاس کرلیں کہ وہ جبار و متکبر ہے۔ یہ کہیں کہ وہ مستکبر ہے کیونکہ لغت میں متکبر و مستکبر مساوی ہیں۔ ذی یتہ (ذی تکبر) و ذی عجب (ذو غرور) و ذی فلاں۔ اور ان میں اور مکر و کبریاء میں ہم لوگوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کریں تو بالاجماع اسلام سے

خارج ہو جائیں سوائے اس کے کہ شدت جہل اور اس کی تاریکی و نابینائی کا عذر کریں۔ اور اگر اس سے بھاگیں اور اس دین کو چھوڑ دیں جو اللہ تعالیٰ کا نام رکھتے ہیں اور اسے صاحب سمع و بصر سے موصوف کرتے ہیں اور وہ تمام صفات جن سے وہ محض اپنی آرائے فاسدہ سے موصوف کرتے ہیں جن کے متعلق کوئی نص نہیں آئی ہے۔ مثلاً اُن کا متکلم و قدیم کہنا اور مرید کہنا۔ حالانکہ اُس کے لئے ازل سے ارادہ ہے۔ اور تمام وہ صفات کہ جن پر ان لوگوں نے بغیر اللہ کی جانب سے برہان کے جرأت کی ہے۔ نیز یہ وہی صفات ہیں جن سے منع کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ ان کے گمان کے مطابق صفات ذم ہیں کیونکہ یہ سمع و بصر و حیات بھی صفات نقص ہیں۔ اس لئے کہ یہ اعراض ہیں جو اُس شخص کے اندر حادث ہونے پر دلالت کرتی ہیں جن میں یہ ہیں۔

اگر وہ کہیں کہ یہ صفات اللہ کے لیے اس طرح نہیں ہیں (یعنی اعراض حوادث نہیں ہیں) تو ان سے کہا جائے گا کہ وہ صفات بھی (ایسی نہیں یعنی ذم نہیں) جب تم ان کا اطلاق اللہ پر کرو تو یہ بھی صفات ذم ہیں۔ اور کوئی فرق نہیں۔

ان میں سے بعض نے مجھ سے کہا ہے کہ ہم لوگ تو محض اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو کید کرتا ہے۔ استہزاء کرتا ہے۔ مکر کرتا ہے۔ اور بھولتا ہے۔ اور وہ اُن کا فریب دینے والا ہوتا ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان لوگوں کو ان کے انہیں افعال پر جو ان سے صادر ہوتے ہیں ایسی جزا دیتا ہے جس کو اُس نے ان ناموں سے نامزد کیا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ ہم بھی یونہی قائل ہیں۔ اس میں ہم تم سے جھگڑا نہیں کرتے کہ تمھیں اس سے راحت ملجائے۔ بلکہ ہم نے تم سے یہ کہا ہے کہ تم اُس کا نام مستہزی۔ کیاد۔ خداع ماکر۔ ناسی وساحر رکھو۔ جس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ان لوگوں کو ان کے انہیں افعال پر جو جزاء دیتا ہے اُس کو اُس نے انہیں ناموں سے نامزد کر دیا ہے جیسا کہ تم نے "یکید" (کید کرتا ہے) ویستہزیٔ (استہزا کرتا ہے) وینسیٰ (بھولتا ہے) وھو خادعہم" (وہ ان کا فریب دینے والا ہے) میں کہا ہے۔ بالکل برابر برابر ہے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔ حالانکہ تم نے کہا ہے کہ افعال اپنے فاعل

کے لئے وہی نام واجب کرتے ہیں جو نام اُن کے فعل کے ہوتے ہیں۔ وہ شخص شرمندہ ہو کے خاموش ہوگیا۔ یہ وہ اعتراض ہے جس سے انھیں چھٹکارا نہیں

اس دلیل سے اور جو ہم نے بیان کیا اُس سے اُس شخص کا معارضہ کیا جاسکتا ہے جو کہتا ہے کہ ہم کہتے جہل کی نفی کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام عالم رکھا ہے۔ عجز کی نفی کے لئے قادر نام رکھا ہے۔ گونگے پن کی نفی کے لئے متکلم نام رکھا ہے۔ موت کی نفی کے لئے حی نام رکھا ہے۔ یہ لوگ اس اعتراض سے ہرگز بچ نہیں سکتے۔ ہم لوگ تو اگر نص نہ وارد ہوئی ہوتی کہ وہ علیم ہے، قدیر ہے، عالم الغیب والشہادہ ہے، اس پر قادر ہے کہ ان لوگوں کے مثل پیدا کر دے اور حی ہے، تو ہرگز جائز نہ رکھتے کہ ان میں سے کوئی بھی نام اللہ تعالیٰ کا رکھا جائے۔ نہ یہ جائز ہوتا کہ یہ کہا جائے کہ وہ حیات کے سبب سے حی ہے۔ 114

اگر وہ کہیں کہ حی بغیر حیات کے کیونکر ہو سکتا ہے تو ہم اُن سے کہیں گے کہ حی غیر حساس اور غیر متحرک بالارادہ اور غیر ساکن بالارادہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ بھی تو وہی بات ہے جو ہرگز عقل میں نہیں آتی نہ عرف میں ہے نہ وہم میں آتی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر حس ولاحرکت ولاسکون کے اوصاف جاری کرتے ہیں۔

اگر یہ لوگ کہیں کہ ہمارا اُس کا حکیم نام رکھنا عاقل سے بے نیاز کرتا ہے۔ کریم نام رکھنا سخی سے بے نیاز کرتا ہے۔ جبار و متکبر نام رکھنا متجبر و متکبر و تیاہ و زاہی سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ قوی نام رکھنا شجاع وجلد سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

ہم کہیں گے کہ یہ تمھاری طرف سے اپنے بنائے ہوئے اصول کا ترک کرنا ہے۔ جو اُس پر سمع و بصر و حیات وارادے و تکلم کا اطلاق کرنے کے متعلق تھا۔ تمھاری دلیل یہ تھی کہ جو سمیع ہوگا اس کے لئے سمع ضروری ہے۔ جو بصیر ہوگا اُس کے لئے بصر ضروری ہے۔ جو حی ہوگا اُس کے لئے حیات ضروری ہے۔ جو مرید ہوگا اُس کے لئے ارادہ ضروری ہے۔

جس کے لئے کلام ہو گا وہ متکلم ہو گا۔ تم نے ان تمام امور کا بغیر کسی برہان کے اللہ عزوجل پر اطلاق کیا تھا۔ اگر تمہارے نزدیک وہ اوصاف جن کے متعلق نص وارد ہوئی ہے یعنی حکیم۔ قوی۔ کریم۔ متکبر۔ جبار۔ ان اوصاف کے قائم مقام ہیں یعنی عاقل۔ شجاع و سخی و متجبر متکبر و تیاہ و زاہی کے تو پھر تم کیوں اجازت دیتے ہو کہ باری تعالیٰ کا ان میں سے کوئی نام رکھا جائے تم بھی وہی کہو جو ہم لوگ کہتے ہیں کہ سمیع۔ بصیر۔ حی۔ ولہ کلام۔ ویرید" ذکر سمع و بصر وارادے و متکلم کے جائز کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔

تمھارا یہ کہنا کہ "قوی بے نیاز کرتا ہے شجاع سے" غلط ہے۔ کیونکہ اکثر قوی غیر شجاع ہوتا ہے۔ اور اکثر شجاع غیر قوی ہوتا ہے۔ اسی طرح رحمٰن بھی رحیم سے بے نیاز کر دیتا ہے اور خالق باری و مصور سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

اگر وہ کہیں کہ جن کے متعلق نص آئی ہے ان میں سے بعض پر مقصود و محدود کر دینا جائز نہیں اور نہ وہاں تک بڑھانا جائز ہے جہاں تک نص نہ آئی ہو۔ ہم اُن سے کہیں گے کہ اب تم ہدایت پا گئے اور تمھیں راہ راست کی توفیق مل گئی اور تم اپنے رب سے اس امر کی زبردست دلیل کے ساتھ مل گئے کہ تم نے اس کی حدود سے تجاوز نہ کیا۔ نہ تم نے اُس کے اسماء میں کجروی اختیار کی۔ نہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اس کے ساتھ ہی ہم نے انھیں جو الزام دیا ہے وہ جن امور کا انھوں نے التزام کیا ہے اُن کی وجہ سے ان پر لازم ہے۔ اس لئے کہ یقینی طور پر ہم اور وہ جانتے ہیں کہ فعل بذات خود قائم نہیں ہوتا۔ اُسے کسی فاعل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فاعل بھی فعل کی طرف منسوب کیا جائے۔ اُس کے معنیِ وصف کی بناء پر کہ اس کا یہ فعل وہ ہے کہ عالم میں کسی شئے کا وجود اس رتبے کے خلاف عقل میں قائم نہیں ہوتا۔ عالم میں ہم کثیر اشیاء پاتے ہیں جن کے وصف میں ایسی صفت کی

حاجت نہیں ہوتی کہ اُس سے اُس صفت کی ضد کی نفی کی جائے۔ مثلاً آسمان وزمین۔ کہ ان میں سے کسی کو بھی نابینائی کی نفی کے لئے بصر سے موصوف کرنا جائز نہیں۔ اور نہ بصر کی نفی کے لئے نابینائی سے موصوف کرنا جائز ہے جب ہم اُن اشیاء کے وصف میں جو ہمارے درمیان ہیں۔ اس پر مجبور نہیں ہیں تو اُنکا باری تعالیٰ کو بعض موجودات عالم پر قیاس کرنا باطل ہوگیا۔ تمام صفات میں سے کسی صفت کا خالق صفات وموصوفین پر اطلاق کرنا جس سے اُس نے خود اپنے کو نامزد نہ کیا ہو نہایت بعید اور رشدید ممتنع ہے۔ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے۔ اور اس کو اس کے ماسوا تک نہیں بڑھاتے۔

جو شخص یہ التزام کرنے سے نہیں شرماتا کہ جب وہ اشیائے عالم کو پائے تو اُنھیں موت کی نفی کے لئے حیات سے موصوف کیا جائے۔ نابینائی کی نفی کے لئے بصر سے موصوف کیا جائے۔ اور وہ اپنے اس قیاس فاسد کو جاری نہیں کرتا کہ وہ اُس کو مستہزی وکیاد سے نامزد کرے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " انہ یستہزئ ویکید " وہ استہزاء کرتا ہے۔ کید کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے یہاں پر اس فعل کی گردان سے باز رہنے کی توفیق دی تو وہ کیوں نہ اسی توفیق پر چلا کہ اللہ تعالیٰ کی نص کے مطابق سمیع وبصیر وحی پر قطعاً کچھ اضافہ نکرتا۔ اُس شخص سے اختلاف بیانی سہل ہے جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھامے۔ اپنے دین میں اور اُن اسماء واوصاف میں جو وہ اللہ تعالیٰ پر جاری کرتا ہے اپنی رائے وقیاس پر عمل کرے۔ نعوذ باللہ من الضلال والخذلان۔ اسی سے معتزلہ کا وہ الزام بھی باطل ہو گیا جو اُنھوں نے ہمیں دینا چاہا تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کا سیئات (برائیاں) پیدا کرنے کی وجہ سے مسیئی (برائی کرنیوالا) نام رکھیں اور شر پیدا کرنے کی وجہ سے اُس کا نام شریر رکھیں۔

ان میں سے بعض نے یہ دعوی کرنے میں فریب دہی کی ہے کہ ہر وہ صفت جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ اُس کی بقیہ صفات کے

۱۱۵

مغایر ہوتی ہے ۔ اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ اس سے موصوف ہے کہ وہ اپنی ذات کو جانتا ہے اور وہ اس سے موصوف نہیں کہ وہ اپنی ذات پر قادر ہے ۔ اگر علم و قدرت ایک ہی شے ہوتے تو دونوں اطلاق کرنے میں ایک ہی طریقے پر جاری ہوتے ۔

ہم اللہ کی مدد سے اپنے کلام سابق میں اس کا بطلان واضح کر چکے ہیں ۔ اللہ کی مدد سے ایک اور بیان کا اضافہ کرتے ہیں ۔ ہم اُسی کی تائید سے کہتے ہیں کہ تغایر محض معلومات و مقدورات میں واقع ہوتا ہے نہ کہ قادر و عالم میں ۔ اس میں ہمارے اور اُن کے نزدیک کوئی شک نہیں کہ علیم و قدیر واحد ہے ۔ وہ علیم بذات خود ہے ۔ اُن کے نزدیک یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اپنی ذات پر قادر ہے ۔ جب یہ حکم اس کا باعث نہ ہوا کہ قدیر غیر علیم ہو تو بلاشک یہ اس کا باعث بھی نہ ہوگا کہ علم غیر قدرت ہو ۔

ہم اُن سے کہتے ہیں کہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا حیات زید کا علم زید کی موت کے قبل اور اُس کے ایمان کا علم اُس کے کفر کے قبل آیا یہ وہی اُس کے کفر و موت کا علم ہے یا یہ اُس علم کے مغایر ہے ۔

اگر وہ کہیں کہ موت زید کا علم مغایر ہے حیات زید کے علم کے ۔ اور کفر زید کا علم مغایر ہے ایمان زید کے علم کے ۔ تو انھیں تغایر علم لازم آئے گا اور حدوث علم کا قائل ہونا پڑے گا ۔ حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں ۔

اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ایمان زید کے متعلق وہی علم ہے جو کفر زید کے متعلق ہے اور اُس کا علم حیات زید کے متعلق وہی ہے جو اس کا علم موت زید کے متعلق ہے ۔ تو کہا جائے گا کہ علم کے تحت میں جب معلوم کا تغایر ہو تو تمھارے نزدیک یہ ذات علم میں موجب تغایر نہیں ہوتا ۔ تم نے یہ کہاں سے واجب کر دیا کہ تغایر معلوم و مقدور تغایر علم و قدرت کا موجب ہوگا ۔ اِن سب کی حقیقت یہ ہے کہ سوائے خالق اور اس کے خلق کے قطعاً کوئی حقیقت نہیں ہے ۔ اپنے جس وصف پر اور جن اسماء پر اللہ تعالیٰ نے تصریح نہیں فرمائی کسی کو

جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ان سے خبر دے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے جن اسماء کی تصریح فرمائی اور جس چیز سے اپنے متعلق خبر دی وہی حق ہے۔ ہم اس کا اقرار کر کے اُسے اللہ تعالیٰ کا دین سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان سب سے مراد اللہ ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ ان تمام اسماء سے اُسی کی ذات کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی شے بھی قطعاً غیر اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے کہ اُس کے ہمراہ کوئی اُس کا غیر ہو۔

ان میں سے بعض نے میرے سامنے اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سترہ اشیاء ہیں جو متغائر ہیں سب کی سب قدیم و ازلی ہیں اور سب غیر اللہ ہیں۔ میں نے انھیں میں سے کسی کی کتاب میں دیکھا ہے کہ وہ پندرہ ہیں (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے) بیان کیا ہے کہ وہ اشیاء یہ ہیں۔ سمع[1] ۔ بصر[2] ۔ عین[3] ۔ ید[4] ۔ وجہ[5] ۔ کلام[6] ۔ علم[7] ۔ قدرت[8] ۔ ارادہ[9] ۔ عزت[10] ۔ رحمت[11] ۔ امر[12] ۔ عدل[13] ۔ حیات[14] ۔ صدق[15] ۔

از روئے نص و از روئے عقل بھی ان لوگوں نے اپنے اصول سے کوتاہی کی ہے۔ یہ ان اوصاف کو چھوڑ کے کہاں چل دیے؟ نفس۔ جلال۔ اکرام۔ جبروت۔ کبریاء۔ یدین۔ اعین۔ ایدی۔ قدم۔ حمد۔ قوت۔ یہ تمام الفاظ تصریح کے ساتھ آئے ہیں جس طرح علم و قدرت۔ یہ لوگ ان اوصاف کو چھوڑ کے کہاں رہ گئے حلیم سے حلم۔ کریم سے کرم۔ عظیم سے عظمت۔ تواب سے توبہ۔ وہاب سے ہبہ۔ قریب سے قرب۔ لطیف سے لطف۔ واسع سے وسعت۔ شاکر سے شکر۔ مجید سے مجد۔ ودود سے وُد۔ قیوم سے قیام۔ یہ سب انتہا ہیں جو اُن اعداد کے کئی گونہ سے بھی متجاوز ہیں جن پر اقتصار کر کے انھوں نے اپنی گمراہی اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں کجروی کا فیصلہ کر دیا۔ ان میں سے بعض نے جن صفات ذات کا دعویٰ کیا ہے ان میں ان کا اضافہ کیا ہے۔ استواء۔ تکلیم۔ قدم۔ وبقاء۔

میں نے اشعری کی مشہور کتاب "موجز" میں دیکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ "انك باعيننا" (اے نوح تم ہمارے آنکھوں کے

116

سامنے ہو) تو اُس نے دونوں آنکھیں ہی مراد لی ہیں ۔ الحاصل ۔ جو شخص اللہ عزوجل سے نہ ڈرے کہ وہ کیا کہتا ہے ۔ اور باطل سے نہ شرمائے ۔ وہ جو کچھ کہتا ہے اُس کی پروا نہیں کرتا ۔ ہم تو کہہ چکے ہیں کہ لفظ صفت کے متعلق ہرگز کوئی نص کسی طریقے سے بھی نہیں آئی ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اُس کے لئے علم وقوت وکلام وقدرت ہے ۔ ہم اس کے قائل ہیں کہ یہ سب حق ہے ۔ اور ان میں سے کوئی شے غیر اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتی ۔ اور ہمارا وہی مددگار ہے ۔

اُس شخص سے کہا جائے جس نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام علیم محض اس وجہ سے رکھا گیا کہ اُس کے لئے علم ہے ۔ حکیم اس لئے کہ اس کے لئے حکمت ہے ۔ اسی طرح اُس کے بقیہ اسماء ہیں بھی ۔ اس نے یہ دعوی کیا ہے کہ بداہت وضرورت اس کو واجب کرتی ہے کہ عالم صرف اُسی کا نام رکھا جائے گا جس کے لئے علم ہوگا ۔ اسی طرح بقیہ صفات میں جب غائب کی تقسیم تمہارے گمان کے مطابق کی جاتی ہے ۔ تم اللہ عزوجل کو اپنے حاضر کے مقابلے میں مراد لیتے ہو ۔ لہٰذا بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی علم نہیں سوائے اس کے ۔ جو دل میں گذرنے والے کے اور صاحب فکر کے ضمیر میں ہوتا ہے جس سے وہ اشیاء کو جس حالت پر وہ ہیں پہچانتا ہے ۔ اگر تم نے اپنے رب کو بھی اسی سے موصوف کیا (یعنی اپنی طرح اُسے بھی صاحب ضمیر کہا) تو تم نے الحاد کیا اور کجروی کی ۔ اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں تم نے اپنے اقوال کو ترک کر دیا ۔ اگر تم نے اس سے منع کیا تو تم نے اپنے اس قاعدے کو ترک کر دیا جو تم نے اللہ تعالیٰ کے صفات سے اُس کے اسماء مشتق کرنے کے متعلق بنایا ہے ۔

علیم، حکیم، رحیم، قدیر اور جو اسی قسم کے الفاظ ہیں ان کا نام لغت میں صرف نعوت واوصاف ہے اور قطعاً ان کا نام اسماء نہیں جب انسان کا نام بھی حلیم حکیم رحیم حی رکھ دیا جائے اور یہ اس کا نام ہو جائے تو

اس وقت یہ بھی اسمائے اعلام وغیر مشتق ہیں جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔
حالانکہ یہ تمام الفاظ بہ نص قرآن وحدیث و باجماع جمیع اہل اسلام اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "ولله الاسماء الحسنى فادعوه بها وذروا الذين يلحدون في اسمائه سيجزون ما كانوا يعملون" (اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں بس انھیں ناموں سے اُسے پکارو۔ اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں انھیں چھوڑ دو۔ جو وہ کیا کرتے تھے انھیں اس کی جزا دی جائے گی) اور فرماتا ہے "قل ادعوا الله او ادعوا الرحمٰن ايا ما تدعوا فله الاسماء الحسنىٰ" (آپ کہدیجئے کہ اللہ پکارو یا رحمٰن پکارو۔ جو بھی پکارو یہ اُس کے اچھے اچھے نام ہیں)۔ اور فرماتا ہے "هو الله الذي لا اله الا هو الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر سبحان الله عما يشركون هو الله الخالق البارئ المصور له الاسماء الحسنىٰ" (وہ اللہ ہی ہے کہ سوائے اُس کے کوئی معبود نہیں۔ جو ملک، قدوس، سلام، مومن، مہیمن، عزیز، جبار ومتکبر ہے۔ اللہ اُس سے پاک ہے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔ وہ اللہ خالق، باری ومصور ہے اُسی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو۔ جس نے انھیں یاد کرلیا وہ جنت میں جائے گا۔ وہ فرد ہے اور فرد ہی کو پسند کرتا ہے۔ (یعنی وہ واحد وغیر منقسم ہے)۔ اہل اسلام میں سے کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں اور نہ اس میں کسی کا اختلاف ہے کہ یہ نہیں کہا جائے گا یہ اللہ عزوجل کے نعوت واوصاف ہیں۔ اگر متاخرین میں سے کوئی ایسا شخص پایا گیا ہے جو یہ کہتا ہے تو البتہ یہ قول باطل ہے اور کلام الٰہی کے خلاف ہے۔ دین میں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کے اقوال حجت نہیں جب ہمارے قول میں کوئی شک نہ رہا تو یہ اسماء ہرگز کسی صفت سے مشتق نہیں۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ جب تم لوگ یہ کہتے ہو کہ یہ اسماء مشتق ہیں تو ہمیں بتاؤ کہ ان کا اشتقاق کس نے کیا۔ اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ان کا اشتقاق کیا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ پر ایک کذب کا بنانا ہے جس نے اپنے متعلق اُس کی خبر نہیں دی۔ اس میں تم اُن امور کے درپے ہو گئے جن کے متعلق تمہارے پاس کوئی علم نہیں آیا۔ اگر وہ کہیں کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتق کیا ہے تو ہم کہیں گے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا کرنے سے پہلے ہی ان اسماء سے اپنے کو نامزد کیا تھا اور صرف ان کے متعلق آپ کو وحی بھیجدی لہذا یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کہنا کہ یہ اسمائے مشتقہ ہیں یہ اللہ تعالیٰ پر افترا وکذب ہے۔ ونعوذ باللہ من ذلک۔

اس واضح برہان سے یہ ثابت ہو گیا کہ اب نہ تو علیم علم پر دلالت کرتا ہے۔ نہ قدیر قدرت پر۔ اور نہ حی حیات پر۔ اور اسی طرح بقیہ الفاظ بھی ہم جو علم و قدرت و قوت و عزت کے قائل ہوئے ہیں وہ دوسری نصوص سے قائل ہوئے ہیں جن کی طاعت اور اُن کا قائل ہونا واجب ہے۔

ہم نے متاخرین اشعریہ مثلاً باقلانی و ابن فورک کو یہ کہتے ہوئے پایا ہے کہ یہ اسماء اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء نہیں ہیں۔ یہ اُس کے لئے تسمیات (نامزدگیاں) ہیں۔ اللہ کے لئے صرف ایک ہی نام ہے۔

یہ ملحدانہ قول ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت اُن آیات کی تکذیب کے ذریعے سے جو ہم نے تلاوت کی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی بھی مخالفت ہے جس میں آپ نے اسماء کی تعداد کی تصریح فرمائی ہے۔ اور اہل اسلام کے اجماع عام و خاص کا توڑنا ہے قبل اس کے کہ یہ فرقہ پیدا ہوا اہل اسلام نے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام "قدیم" ایجاد کیا ہے۔

یہ قطعاً جائز نہیں اس لئے کہ کسی نص سے ثابت نہیں۔ یہ جائز نہیں

کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا نام رکھا جائے جو خود اُس نے اپنا نام نہ رکھا ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "والقمر قدرناه منازل حتی عاد کالعرجون القدیم" (اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے) ثابت ہو گیا کہ قدیم صفات مخلوقات میں سے ہے لہٰذا جائز نہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا نام رکھا جائے۔ لغت میں تو قدیم بمعنی قدمیۂ زمانیہ معروف ہے۔ یعنی یہ شے اسی شے سے ایک مدت معینہ کے بقدر اقدم (یعنی پہلے) ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ سے منفی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس لفظ سے نام رکھے جانے سے لفظ اول کی وجہ سے بے نیاز ہے۔ یہ اُس کا وہ نام ہے (یعنی اول) کہ اس میں کوئی غیر اُس کا شریک نہیں۔ اور وہ ازلی کے معنی میں ہے۔

ہم برہان سے ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا استدلال سے نام رکھنا جائز نہیں۔ اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کہ ایک شخص تو اپنے رب کا نام جسم رکھے۔ وجود ثابت کرنے اور عدم کی نفی کرنے کے لئے۔ اور ایک شخص اُس کا نام قدیم رکھے اس لئے کہ وہ ازلی ہے اور حدوث اُس سے منفی ہے۔ یہ دونوں لفظ کسی نص میں نہیں آئے۔

اگر کوئی کہے کہ جس نے اُس کا نام جسم رکھا اُس نے الحاد کیا اس لئے کہ اُس نے اللہ کو مثل اجسام کے کر دیا۔ تو اُس سے کہا جائے گا کہ جس نے اُس کا نام قدیم رکھا اُس نے بھی الحاد کیا اس لئے کہ اُس نے اُسے مثل قدماء کے بنا دیا۔

اگر وہ کہے کہ عالم میں بہت سے قدماء نہیں ہیں۔ تو قرآن کی وہ آیت اسے جھٹلائے گی جو ہم نے بیان کی۔ اور اُسے وہ زبان بھی جھٹلائیگی جس میں قرآن نازل ہوا۔ اس لئے کہ علم لغت میں ہر صاحب لغت یہ کہتا ہے کہ یہ شے اس سے اقدم ہے۔ یہ امر قدیم ہے۔ زمانہ قدیم ہے شیخ قدیم ہے۔ عمارت قدیم ہے۔ اور اسی طرح ہر شے میں۔

ایمان کے پیدا کرنے کی نفی کرنا تو یہ لوگ یہ بھی عجیب بات لائے۔

ایمان ہے ہی کیا۔ مومن کا فعل ہے جو اُس سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو گھٹتا ہے اور بڑھتا ہے۔ اور چلا جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اور یہ خود صفات حدوث میں سے ہے۔

اگر وہ کہیں کہ اللہ بھی تو مومن ہے۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ ہاں وہ مومن مہیمن مصوّر ہے۔ مگر اُس کے یہ سب نام عَلَم ہیں۔ ایسی صفات سے مشتق نہیں جو اُس میں محمول ہوں۔ اللہ اس سے برتر ہے۔ سوائے اس کے جو اُس کے کسی فعل کی وجہ سے اُس کا نام رکھدیا جائے۔ تو یہ ظاہر ہے۔ مثلاً خالق ومصور۔ اگر تم ان میں بھی کہو کہ یہ بھی صفات ازلی ہیں تو تم کو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کسی ازلی تصویر کا مصور ہے اور یہ خالص دہریّین کا قول ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ قول کہ سمیع سمع سے ہے۔ بصیر بصر سے ہے۔ حی حیات سے ہے۔ تشابہ کو واجب نہیں کرتا۔ اور ایک شے دوسری شے کے مشابہ جب ہی ہو سکتی ہے جب وہ اُس کے قائم مقام ہو سکے۔

یہ کلام بھی انتہائی احمقانہ ہے۔ اس لئے کہ یہ دعوی بلا برہان ہے۔ نہ تو شریعت کی طرف سے کوئی برہان ہے اور نہ طبیعت سے۔ نہ تو لغات میں کوئی اختلاف ہے نہ طبائع میں اور نہ اقوام میں کہ مشبہات کے (یعنی جن میں تشبیہ دی جاتی ہے اور ایک کا دوسرے کو مشابہ کہا جاتا ہے) درمیان جو نسبت ہوتی ہے وہ محض اُن کے صفات جسمانی و اعراض ذاتی سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ومامن دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم" (اور کوئی زمین میں چلنے والا اور کوئی پرندہ جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتا ہے ایسا نہیں جو تمہاری ہی طرح امتیں نہ ہوں)۔

کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ آیا کسی ذرا سی عقل رکھنے والے نے بھی کہا ہے کہ گدھے کتے اور کیڑے مکوڑے ہمارے قایم مقام ہیں یا

ہمارے ہمسر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کا قول بیان فرمایا ہے " ان نحن الا بشر مثلکم " (ہم لوگ تو محض تمہاری ہی طرح بشر ہیں) آیا کبھی کسی مسلمان نے کہا ہے کہ کفار انبیاء کے قائم مقام ہیں اور ان کے جانشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور فرماتا ہے۔ " کانھن الیاقوت والمرجان " (گویا کہ وہ حورین یاقوت و مرجان ہیں) ۔ کیا کسی ذرا سی عقل والے نے بھی کہا ہے کہ یاقوت حور عین کا قائم مقام اور جانشین ہے۔ اس قسم کی تشبیہات کلام الٰہی میں اور ہر امت کے کلام میں بکثرت ہیں۔

تعجب تو یہ ہے کہ اتنی بڑی بات کہنے کے بعد ان لوگوں نے اپنے آپ کو بھلا دیا انھوں نے بعض احوال میں باہمی مشابہت کو محض قیاس سے شریعت بنانے کا موجب قرار دیدیا۔ یہ وہ دین ہے جس کی اللہ نے کبھی اجازت نہیں دی۔ وہ ہمیشہ سے ایک شے اور اس کی ضد میں ہیں۔ اور تعمیر کرنے اور منہدم کرنے میں ہیں۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

تماثل وتشابہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دو جسم جو مشابہ ہوتے ہیں تو وہ صرف ایسی صفت میں مشابہ ہوتے ہیں جو ان دونوں میں محمول ہوتی ہیں۔ اور ہر دو عرض جب مشابہ ہوتے ہیں تو وہ صرف اس طرح کہ دونوں ایک نوع کے تحت میں واقع ہوتے ہیں مثلاً حمرت (سرخی) وحمرت۔ یا خضرت وخضرت (سبزی) اور یہ وہ امر ہے جو معائنے و اول حس وعقل سے سمجھ میں آتا ہے وباللہ التوفیق۔

حیات سے کیا مراد ہے

لوگوں نے کہا ہے کہ دلیل اس امر کو واجب کرتی ہے کہ باری تعالیٰ حی ہے۔ اس لئے کہ افعال حکمت حی ہی سے صادر ہو سکتے ہیں۔ نیز وہ

عقل میں صرف حیّ (زندہ) یا میت (مردہ) ہی آتا ہے۔ ہم کہیں گے کہ جس فعل کا وقوع حیّ سے ثابت ہو میت سے بھی اس کے وقوع کا امکان ہے۔

ان لوگوں کی دو قسمیں ہوگئی ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ حی ہے مگر حیات سے نہیں۔ دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ وہ حیّ ہے حیات کے ساتھ۔ اس گروہ نے استدلال یہ کیا ہے کہ حیّ بغیر حیات کے کسی کی عقل میں نہیں آسکتا۔ حیّ بھی محض اس لئے حیّ ہوتا ہے کہ اس کے لئے حیات ہے اگر یہ نہ ہو تو وہ حیّ ہی نہ ہو۔ اگر یہ جائز ہو کہ حیّ بغیر حیات کے ہو تو یہ بھی جائز ہو کہ حیات بھی بغیر حیّ کے ہو۔ پہلے گروہ نے کہا ہے کہ حیّ اس لئے حیّ نہیں ہوتا کہ اس کے لئے حیات ہے بلکہ وہ اس لئے حیّ ہوتا ہے کہ وہ فاعل ہے عالم ہے، قادر ہے اور عالم و قادر و فاعل حیّ ہی ہوتا ہے۔

یہ دونوں قول نہایت فاسد ہیں اس لئے کہ یہ دونوں گروہ بطریق استدلال اپنے رب کا نام حیّ رکھنے پر متفق ہیں۔ یا تو اس سے موت و جمادیت کی نفی کر کے۔ یا اس لئے کہ وہ فاعل ہے، قادر ہے، عالم ہے۔ اور فاعل و قادر و عالم صرف حیّ ہی ہوسکتا ہے۔ انھیں لازم ہے کہ وہ اپنے اس استدلال کو رد کردیں ورنہ وہ اختلاف بیانی کے مرتکب ہوں گے جب وہ اپنے اس استدلال کو رد کردیں گے تو انھیں لازم ہوگا کہ وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے۔ اس لئے کہ کبھی کوئی فاعل، عالم، قادر، حکیم، بجز جسم کے ان کی عقل میں نہ آیا ہوگا۔ جب یہ اس پر دلیل نہیں ہے کہ وہ جسم ہے تو یہ اس پر بھی دلیل نہیں ہے کہ وہ حیّ ہے۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس پر ان دونوں کا اتفاق گروہ اول پر واجب کرتا ہے کہ وہ بھی اپنے استدلال کو رد کردیں۔ ورنہ وہ بھی فاسد ہے۔

ہمارے درمیان قادر و عالم وہی ہوتا ہے جو صاحب حیات ہو۔ اور بغیر حیات کے کوئی حیّ نہیں ہوتا۔ اس کے سوا قطعاً کوئی اور بات عقل میں نہیں آسکتی۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم میں اور ان میں کیا فرق ہے جو تمہارے قول کا عکس کردیں اور کہیں کہ جب یہ ضروری نہیں کہ یہ کہا جائے کہ

حیّ کے لئے حیات ہے اس لئے کہ وہ حیّ ہے۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ جب کوئی حیّ ہوگا تو اُس کے لئے حیات بھی ہوگی۔ اور نہ حیّ کو حیّ اس لئے کہا جائیگا کہ اس کے لئے حیات ہے۔ تو اسی طرح یہ بھی واجب نہیں ہے کہ فاعل اس لئے فاعل ہو کہ اس کے لئے حیات ہے بلکہ وہ محض اس وجہ سے فاعل ہے کہ اس کے لئے فعل ہے۔ نہ یہ واجب ہے کہ فاعل اس لئے فاعل ہے کہ وہ عالم و قادر ہے بلکہ وہ اس لئے فاعل ہے کہ اُس کے لئے فعل ہے۔ نہ یہ واجب ہے کہ مرکب اس ترکیب کی وجہ سے حادث ہو جو اُس میں ہے۔

جو ان قضایا میں سے چند کا قائل ہے اُس کا قول بہ نسبت اُس کے صحیح ہے جو یہ کہتا ہے کہ حیّ کا حیّ ہونا اس استدلال کی رو سے یہ نہیں چاہتا کہ اس کیلئے حیات ہو۔ اس لئے کہ ہم نے کبھی کوئی حیّ بغیر حیات کا نہیں پایا۔ نہ ہم اس کا وہم کر سکتے ہیں۔ نہ عقل میں اس کی کوئی صورت آسکتی ہے۔ اور نہ یہ کسی دلیل سے ممکن ہی ہے۔ حالانکہ ہم مکڑی۔ شہد کی مکھی اور بھو جنگے کو اس حالت میں پاتے ہیں کہ یہ اپنے افعال اور گارے اور موم کی عمارت جو مسدس ہوتی ہے، ایک ہی ترتیب سے ہوتی ہے، اور بناوٹ کے ذریعے سے ہوتی ہے، حکمت کے ساتھ کرتے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی ایک کو بھی حکیم کہنا جائز نہیں۔

اگر وہ کہے کہ ہم تو اُسے حیّ محض استدلالاً کہتے ہیں کہ وہ نہیں مرے گا۔ یہ قول تو اور بھی بیہودہ ہے اور اس پر اُسے یہ کہنا لازم ہے کہ ہم لوگ احیاء نہیں ہیں اس لئے کہ ہم مریں گے۔ اور عالم میں کوئی بھی حیّ نہیں۔ اس لئے کہ اس قائل کا یہ بھی قول ہے کہ ملائکہ بھی مریں گے۔ لہذا اس کے قول پر عالم میں کوئی بھی حیّ نہیں۔

ان میں سے بعض نے عجب مضحکہ خیز ہذیان بکا ہے اور کہا ہے کہ ہم نے ایسی چیزیں پائی ہیں جن میں حیات ہے مگر وہ حیّ نہیں۔ اور وہ انسان کے ہاتھ پاؤں ہیں۔

جس شخص کے جہل کی یہ مقدار ہو اُسے مناسب ہے کہ وہ کلام کرنے سے پہلے علم حاصل کرے۔ کیا اُسے علم نہیں کیا وہ جاہل ہے کہ

حیات محض نفس کے لئے ہوتی ہے نہ کہ جسد کے لئے۔ کیا اُس نے یہ کلام الٰہی نہیں سنا" فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور" (بیشک آنکھیں نابینا نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل نابینا ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں)۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اگر اس حماقت کا اسی پر عکس کر دیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ انسان کا ہاتھ حیّ ہے اور اس میں حیات نہیں ہے، تو وہ اس جنون سے جو اسی کے جنون کے مطابق ہے کیسے بچے گا۔

جب ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا تو ہم اللہ تعالیٰ کی مدد وقوت سے دوسرے گروہ سے جو حاضر و موجود پر استدلال کر کے یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حیات کے ساتھ حیّ ہے" کہتے ہیں کہ تم میں اور اُس میں کیا فرق ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے، اس لئے کہ افعال جسم ہی سے صادر ہوتے ہیں۔ تمھارے اصول کے مطابق بجز اس کے عقل میں نہیں آتا کہ فاعل جسم ہو یا عرض ہو مگر جب فعل کا امکان عرض سے باطل ہے تو اس کا صدور صرف جسم سے ثابت ہو گیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ عالم وہی ہو گا جو جسم ہو صاحب ضمیر ہو۔ تو ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جسم و صاحب ضمیر ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ قادر ہے، اور قادر بھی جسم ہی ہوتا ہے تو ثابت ہو گیا کہ وہ جسم ہے۔ پھر کس چیز سے انھوں نے اس سے بچنے کا ارادہ کیا ہے جو ان کے استدلال میں مساوی اور برابر طور پر اور اُسی کے مثل ان پر عکس کر دیا جائے۔ جس کا انھوں نے التزام کیا ہے ان کو وہی لازم آئے گا۔

اگر وہ کہیں کہ تعالیٰ نے یہ خبر تو دی ہے کہ وہ حیّ ہے مگر اُس نے یہ خبر نہیں دی کہ وہ جسم ہے، تو ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر بھی تو نہیں دی کہ اُس کے لئے حیات ہے۔

اگر وہ کہیں کہ حیّ خود اپنے لئے حیات کا مقتضی ہے۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ حیّ اس کا مقتضی ہے کہ وہ جسم ہو۔ اور اسی طرح ہمیشہ

اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وتوکل علی الحی الذی لایموت" (اور اُسی حیّ پر بھروسہ کیجئے جو نہیں مرے گا) لہٰذا واجب ہے کہ وہ حیّ بحیات ہو۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اگر یہ واجب ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لاتاخذہ سنۃ ولا نوم"

(اُسے نہ غنودگی آتی ہے نہ نیند) تو کہا کرو کہ وہ بیدار ہے۔
اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح نہیں فرمائی کہ وہ بیدار ہے تو اُن سے کہا جائے گا کہ اُس نے یہ بھی تصریح نہیں فرمائی کہ اُس کے لئے حیات ہے۔
اگر وہ کہیں کہ حیّ مقتضی ہے حیات کا تو اُن سے کہا جائے گا کہ جو نہ خواب میں ہو نہ غنودگی میں تو وہ بیدار ہے۔ اور کوئی فرق نہیں۔
اُن سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ تو کہ تم نے اس کے لئے حیات ضروری ٹھیرا کے اُس سے کس چیز کی نفی کی۔ کیا تم نے اس کے ذریعے سے اُس سے موت معہود و وفات معہود کی نفی کی یا موت وفات غیر معہود کی کسی تیسری قسم کی گنجائش نہیں۔
اگر وہ کہیں کہ ہم نے اُس سے موت و وفات معہود کی نفی کی۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ موت و وفات معہود سوائے حیات معہودہ کے جو حس و حرکت وسکون ارادی کا نام ہے منتفی نہیں ہوتی حالانکہ یہ تمھارے قول کے خلاف ہے۔ اگر تم اسی کے قائل ہو گے تو ہم تمھارے قول کو اُنھیں دلائل سے باطل کریں گے جن سے ہم نے مجسمہ کے قول کو باطل کیا ہے۔
اگر وہ کہیں کہ ہم نے اُن سے صرف موت و وفات غیر معہود کی نفی کی ہے، تو ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہیں گے کہ یہ عقل میں نہیں آتا، نہ وہم میں آتا ہے، نہ اس پر کوئی دلیل قائم ہے، اور نہ یہ جائز ہے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا (یعنی موت و وفات غیر معہود) وہ اس حیات سے منتفی ہو جائے جس کا حیّ معقول کا نام مقتضی ہے۔
اسی طرح ہم اس میں بھی کہیں گے جو انھوں نے کہا ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کا سمیع نام بہرے پن کی نفی کے لئے اور بصیر نابینائی کی نفی کے لئے اور متکلم گونگے پن کی نفی کے لئے رکھا ہے۔ ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا ان سب کلمات سے تم نے معمولی گونگے پن اور معمولی بہرے پن اور معمولی نابینائی کی نفی کی ہے یا غیر معمولی گونگے پن اور غیر معمولی بہرے پن اور

غیر معمولی نابینائی کی۔

اگر وہ کہیں کہ ہم نے ان سب معمولی عیوب کی نفی کی ہے تو ہم کہیں گے کہ معمولی بہرے پن کی نفی صرف اُس سمع (سننے) سے ہوتی ہے جو معمولی اور مقرر ہے اور جو تندرست کان سے ہوتا ہے۔ معمولی نابینائی بغیر معمولی بصر کے منتفی نہیں ہوتی اور وہ تندرست آنکھ ہے۔ معمولی گونگا پن بھی بجز اُس کلام معہود کے منتفی نہیں ہوتا جو زبان اور تالو اور ہونٹوں کی آواز ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہم نے ان سب کلمات سے غیر معمولی عیوب کی نفی کی ہے تو ہم کہیں گے کہ نہ یہ معقول ہے نہ موہوم اور نہ کسی دلیل سے ثابت۔ اس لئے اُس کی نفی بھی نہیں ہو سکتی جس کی نفی تم چاہتے ہو۔

اگر باری تعالیٰ ایسا ہوتا کہ وہ ازلی حیات سے حیّ ہوتا اور وہ ازلی حیات اُس کی غیر ہوتی تو لامحالہ یہ لازم آتا کہ باری تعالیٰ مرکب ہوتا اپنی ذات اور اپنی حیات اور بقیہ صفات سے وہ کثیر ہوتا واحد نہ ہوتا۔ اور یہ اسلام کا ابطال ہے۔ نعوذ باللہ من الخذلان۔

یہ کہنا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایسے امور سے خطاب کیا ہے جو ہماری عقل کے موافق ہیں۔ اور اُن کا دعوی یہ ہے کہ ظاہری عقول میں ہے کہ فاعل بجز اس کے نہیں ہوتا کہ وہ عالم بہ علم ہو اور علم اُس کے مغایر ہو۔ حیّ بہ حیات ہو اور حیات اُس کے مغایر ہو۔ قادر بہ قدرت ہے اور قدرت اس کے مغایر ہو۔ متکلم بہ کلام ہو اور کلام اُس کے مغایر ہو۔ سمیع بہ سمع ہو اور سمع اُس کے مغایر ہو۔ بصیر بہ بصر ہو اور بصر اُس کے مغایر ہو۔

ہم اللہ کی مدد سے کہتے ہیں کہ یہ قضیہ جیسا کہ انھوں نے بیان کیا جب تک اُس پر کوئی برہان قائم نہ ہو اس کے خلاف ہے۔ ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا کبھی تمھاری عقل یا وہم میں ایسی جلانیوالی آگ آئی ہے جو پھل دار درخت میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ صفت اُس جہنم کی ہے جس کا تم انکار کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ کبھی تمھاری عقل میں ایسی چیز یا بھی آئی ہے جو بغیر مرے یا بغیر آگ میں بھونے ہوئے کھائی جائے۔

یہ اُس جنت کی صفت ہے جس کا انکار کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ اس قسم کا مضمون بہت ہے۔

حق صرف یہ ہے کہ ہم تو بوجود واج و معہود ہے اور جو ہماری عقل میں آتا ہے اس سے باہر نہیں ہوتے سوائے اس کے کہ کوئی برہان (اس کے خلاف) آجائے۔ اگر وہ صرف اسی قدر دعوے پر قناعت کریں تو انھیں مجسمہ کے اسی قسم کے دعوے پر بھی قناعت کرنا چاہیئے۔ کیونکہ انھوں نے بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف انھیں امور سے خطاب کیا ہے جو ہم سمجھیں اور ہماری عقل میں آئیں نہ کہ ان امور سے جو عقل میں نہ آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اُس کے لئے آنکھ، چہرہ، اور ہاتھ ہے۔ وہ اترتا ہے اور ابر کے سایوں میں آتا ہے۔ یہ تمام امور انھیں پر محمول ہوں گے جو ہماری عقل میں آتے ہیں کہ یہ اعضاء وحرکات جسم ہے۔

وہ اس کو بھی پسند کریں جو مجسمہ نے کہا ہے کہ ہم نے عقلی بداہت اور ابتدائی عقل سے معلوم کیا اور ضروری ہے کہ فاعل جسم ہو اور مکان میں ہو۔ ضرورت عقل سے ہم نے جانا کہ کوئی شے اس کے سوا نہیں کہ وہ یا جسم ہے یا عرض ہے۔ جو ایسی نہ ہو وہ عدم ہے۔ جو چیز عرض نہ ہو وہ جسم ہے۔ اور باری تعالیٰ عرض نہیں ہے لہٰذا وہ جسم ہے۔
وہ اس کو بھی پسند کریں جو اس قسم کی بات معتزلہ نے کہی ہے جبکہ انھوں نے ابطال رویت باری میں کہا ہے کہ ہم نے ضرورت عقل سے معلوم لیا ہے کہ سوائے رنگین جسم کے اور جو مکان واحاطے میں ہو کوئی شے دکھائی نہیں دیتی۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ بداہت وضرورت عقل سے ہم نے جانا ہے کہ جو شخص کوئی فعل کرے گا تو وہ اسی کے ساتھ موصوف کیا جائے گا اور وہ اسی کی طرف منسوب ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ شر وظلم پیدا کرتا تو یہ ضرور اس کی طرف منسوب ہوتا اور اُسے ان دونوں سے

موصوف کیا جاتا۔

دہریہ کی بھی اسی بات کو پسند کریں جبکہ انھوں نے کہا ہے کہ ضرورت عقل سے ہم نے جانا ہے کوئی شے یا تو کسی شے سے ہوگی یا کسی شئے میں ہوگی۔

ان میں سے ہر گروہ عقول پر باطل کا الزام لگاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی شے کے بارے میں بھی یہ دعوی کرتا ہے کہ وہ اُسے عقلی بداہت اور ابتدائی عقل سے پہچانتا ہے وہ اپنے اس دعوے میں غور کرے اگر وہ ان امور میں سے ہو جو حواس و مشاہدے کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ دعوی کاذب و فاسد ہے۔ اس لئے کہ عقول ان اشیاء کو واجب ٹھیراتی ہیں جو حواس میں متشکل و متصور نہیں ہوتیں۔

مثلاً وہ رنگ جن کا اندھا نہ وہم کر سکتا ہے، نہ کسی حاسے سے دریافت کر سکتا ہے، اور وہ اپنی ضرورت عقل سے اس کو یقین کرتا ہے، اس لئے کہ اس کے وجود پر خبر صحیح اور تواتر ہے۔

مثلاً وہ آواز جس کا قطعاً کوئی پیدائیشی گونگا جس کی چند یا کے بال بھی اُڑے ہوئے ہوں نہ وہم کر سکتا ہے، نہ اس کی کوئی شکل سمجھ سکتا ہے اور وہ اپنی عقل سے آوازوں کے وجود پر یقین رکھتا ہے، اس لئے کہ اس پر تواتر اور صحیح خبریں موجود ہیں۔ اگر یہ دعوی بلا توسط حواس (پنجگانہ) عقل کی طرف رجوع کرتا ہے تو یہ دعوی سچا ہے۔

وہ تمام دعاوی جو ہم نے اشعریہ۔ مجسمہ۔ معتزلہ و دہریہ کے بیان کئے ہیں۔ ان میں ان لوگوں نے غلطی کی ہے۔ اس لئے کہ جس چیز کا یہ حواس سے ادراک کر سکتے تھے اُسے انھوں نے ابتدائی عقل کی طرف منسوب کر دیا ہم کہہ چکے ہیں کہ عقل تو لامحالہ اُن اشیاء کی معرفت واجب کرتی ہے جو حواس سے محسوس نہیں ہوتے۔ خاصکر دہریہ کے دعوے کا تو اُسی قسم کے دعوے سے معارضہ کیا جاسکتا ہے کہ ضرورتِ عقل واول عقل سے ہم نے جانا ہے کہ کسی جسم یا عرض کا ایسے زمانے میں وجود ناممکن ہے جس کا اول نہ ہو۔ اور یہی حق ہے۔ نہ کہ ان کا وہ دعوی جس کو

انہوں نے ان اشیاء کی طرف پھیر دیا جن کا صرف اپنے حواس سے مشاہدہ کیا تھا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ان سے کہا جائے گا کہ جب تم نے اُس سے موت و وفات کی نفی کرنے کے لئے اس کا نام حیّ اور عجز کی نفی کے لئے قادر اور جہل کی نفی کے لئے عالم رکھا تو تمہیں لازم ہے کہ تم اُس سے بہری کی نفی کے لئے اُس کا نام حساس، جسم کی نفی کے لئے سمام (لطیف)، جمادیت و سکون کی نفی کے لئے متحرک، حماقت کی نفی کے لئے عاقل اور بزدلی کی نفی کے لئے شجاع رکھو۔ اگر وہ اس سے باز رہے تو انہوں نے اُسے حی، عالم و قادر و جواد نام زد کرنے میں اپنے استدلال میں اختلاف بیانی کی۔

اگر وہ کہیں کہ ہم نے جو اشیاء بیان کی ہیں اُن میں سے اُس کا کوئی نام رکھنا جائز نہیں اس لئے کہ اس کے متعلق نص نہیں آئی۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ اسی طرح اس کے متعلق بھی کوئی نص نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے حیات ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی نص آئی ہے کہ اُس کا نام حی و قادر و عالم محض ان صفات کی اضداد کی اس سے نفی کے لئے رکھا گیا۔ لیکن جب اس کے متعلق نص آگئی کہ اللہ تعالیٰ کا نام حی و قادر و عالم رکھا جائے تو ہم نے بھی اُس کے یہ نام رکھدے۔ اگر نص نہ ہوتی تو کسی کو بھی جائز نہ ہوتا کہ وہ ان میں سے کوئی نام اللہ تعالیٰ کا رکھے۔ اس لئے کہ وہ اُسے اُس کی خلق کے ساتھ تشبیہ دینے والا ہوتا۔

لفظ حی لغت میں عالم حقائق کے پہچاننے والے پر واقع ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لینذر من کان حیًا ویحق القول علی الکافرین" (تاکہ اُسے ڈرائے جو زندہ ہے۔ اور کفار پر حجت قائم کرے۔) یہاں پر حیّ سے عالم۔ ایمان کا پہچاننے والا اُس کا اقرار کرنے والا۔ مراد لیا ہے۔

یہ لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ تشبیہ کے منکر ہیں پھر پورے طور پر اُسی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جبکہ ہمارے نزدیک فاعل حیّ و عالم و قادر ہی ہوتا ہے تو واجب ہے کہ باری تعالیٰ بھی جو

تمام اشیاء کا فاعل ہے حی وعالم وقادر ہو۔ یہ اُن لوگوں کے اللہ کو مخلوق پر قیاس کرنے اور مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے کی تصریح ونص ہے۔ قیاس کے ماننے والوں کے نزدیک بھی یہ جائز نہیں کہ کسی شے کو سوائے اس کی نظیر کے قیاس کر لیا جائے۔ لیکن کسی شے کو ایسی چیز پر قیاس کرنا جو ہر حیثیت سے اُس کے خلاف ہو اور ایسی چیز پر قیاس کرنا جو قطعاً کسی شے میں بھی اس کے مشابہ نہ ہو، یہ قطعاً کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ قیاس تو کل کا کل باطل ہے جو جائز نہیں۔

وہ حیات جسے کوئی بھی عقل سے نہیں جانتا کہ وہ سوائے اس حیات کے کوئی اور شے ہے جو صرف حس وحرکت ارادیہ ہے اور کوئی شخص حی کو سوائے اس کے نہیں جانتا کہ وہ حساس ومتحرک بالارادہ ہے۔ یہ وہ امر ہے جو بداہت سے معلوم ہوتا ہے۔ جو اس کا انکار کرے تو اُس نے حس مشاہدے وبداہت کا انکار کیا۔ وہ اس قابل نہیں کہ اس سے کلام کیا جائے۔

اگر ان میں سے کوئی معترض یہ کہے کہ غیر ذی راوح بھی کبھی حرکت کرتا ہے تو اس شخص نے اپنی قوت جہل کے اظہار سے زیادہ کچھ نہ کیا۔ اس لئے کہ ہم نے تو صرف حرکت ارادیہ کو کہا ہے جب یہ جاہل حرکت ارادیہ وحرکت اضطراریہ میں فرق نکر سکے تو اسے مناسب یہ ہے کہ کلام کرنے سے پہلے علم حاصل کرے۔

جو حرکت غیر حی سے ظاہر ہوتی ہے وہ اُس کی حرکت ارادیہ نہیں ہوتی بلکہ وہ اُس کے کسی محرک کی تحریک ہوتی ہے۔ خواہ وہ (محرک) باری تعالیٰ ہو یا اور کوئی اُس سے کم ہو۔ جس دلیل سے ان کا قول بدیہی طور پر باطل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام حیؔ محض اس لئے رکھا گیا کہ وہ عالم وقادر ہے۔ حالانکہ ہم بہت سے ایسے احیاء پاتے ہیں جو نہ عالم ہیں نہ قادر۔ مثلاً بچے اپنی ولادت کے وقت، یا وہ جو نیند کی بیماری میں مبتلا ہو، یا وہ مجنون جو سُن ہو گیا ہو، یا کمزور کیڑے اور صوداب (سُداب) جو اپنی جگہ سے منتقل نہ ہو سکے مثلاً بدن کا کوئی کٹا ہوا حصہ وغیرہ، یا جیسے

ہر حیوان کے مریض کہ یہ سب کے سب احیاء ہیں مگر ان میں سے نہ کوئی عالم ہے نہ قادر۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ حیات کے کوئی ایسے معنی نہیں جو علم و قدرت کے ساتھ ربط و تعلق رکھتے ہوں۔

حق اس میں یہ ہے کہ بعض احیاء عالم و قادر ہوتے ہیں۔ اور ہر حی عالم و قادر نہیں ہوتا۔ مگر ایسے حی کا وجود ناممکن ہے جو غیر متحرک بالارادہ یا غیر حساس ہو۔

اگر یہ اس کو بیان کریں جس پر غشی طاری ہو۔ تو یہ انھیں پر عائد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نہ وہ عالم ہے نہ قادر (حالانکہ حی ہے)۔ مگر حس تو اس میں بدیہی طور پر موجود ہے۔ اگر اسے زور سے مارا جائے تو اس کے درد ہو گا اور ہوشیار ہونے کے وقت ضرور اس کو بتائے گا۔ اسی طرح حس و حرکت ارادیہ لامحالہ سن ہونے والے عضو میں اور بیہوش ہونے والے شخص میں باقی رہتی ہے۔

جو ضروری امر ہے وہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بطور استدلال نہ تو اللہ کا نام رکھ سکتے ہیں اور نہ اس کے متعلق کوئی خبر دے سکتے ہیں، جو نام ایسا ہو کہ اس کی مخلوق میں سے بھی کوئی اس میں شریک ہو اور جو خبر ایسی ہو کہ اس کی مخلوق میں سے بھی کوئی اس میں اس کا شریک ہو۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قطعاً کسی شے سے جاہل نہیں ہے۔ اور یہ وہ صفت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ وہ قطعاً غافل نہیں ہوتا، نہ وہ بھٹکتا ہے، نہ اسے سہو ہوتا ہے، نہ سوتا ہے، نہ حیران ہوتا ہے، نہ کسی میں حلول کرتا ہے، نہ کوئی وہمی سے وہمی شے بھی اس سے پوشیدہ ہوتی ہے، نہ کسی درخواست سے عاجز ہے۔ اور نہ وہ بھولتا ہے۔ ان تمام امور کا سوائے اس کے مخلوق میں سے کوئی بھی مستحق نہیں۔

ہم ان امور کو مانتے ہیں جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں اور جس طرح آئے ہیں، نہ ہم بڑھاتے ہیں نہ اس سے گھٹاتے ہیں اور نہ کوئی حیلہ

کرتے ہیں۔ ہم اِس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اس لفظ کے اطلاق میں جو اُس کی مخلوق پر واقع ہوتا ہے خلاف معہود ہے (یعنی جس طرح ہمارے یہاں اُس لفظ کا استعمال ہے اُس طرح اُس پر نہیں ہوا ہے)۔

لفظ صفت لغت عربیہ اور تمام لغات میں ایسے معنی سے عبارت ہے جو اپنے موصوف میں محمول ہوں۔ اس کے سوا صفت کے قطعاً کوئی اور معنی نہیں یہ وہ امر ہے جس کی اضافت و نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف جائز نہیں۔ سوائے اس کے کہ کسی نص میں جس سے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے متعلق خبر دی ہو۔ تو ہم اُس پر ایمان لاتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ یہ اسم علم ہے اور ہرگز کسی صفت سے مشتق نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر ہے جس سے غیر اللہ مراد نہیں ہے۔ نہ اس کا کوئی جزو سوائے اس کے کسی دوسرے کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

تعجب تو یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا حیّ نام رکھتے ہیں اس لئے کہ انھوں نے کوئی فعل سوائے حیّ کے کسی سے سرزد ہوتے نہیں دیکھا، پھر کہتے ہیں کہ وہ احیاء کے مثل نہیں ہے۔ یہ اپنی دلیل کی طرف ایسے پلٹے کہ اُسے فاسد کر دیا۔ اس لئے کہ جب انھوں نے فعل کا صدور ایسے حیّ سے ضروری ٹھہرایا جو مثل اُن احیاء کے نہیں ہے جن سے افعال سرزد ہوتے ہیں تو انھوں نے اس کو باطل کر دیا کہ ظہور افعال اس امر کی دلیل ہو کہ وہ کسی حیّ سے سرزد ہوئے ہیں۔ جیسا کہ انھوں نے پایا تھا۔

ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اس عالم میں ہر قادر کی قدرت محض عرض ہے جو اُس کے اندر ہے۔ حیّ معہود میں حیات بھی بضرورت عقل ایک عرض ہے جو اُس میں ہے۔ علم بھی اس عالم میں ہر عالِم کے اندر اسی طرح عرض ہے۔ ان لوگوں نے اس پر ہم سے اتفاق کر لیا ہے کہ باری تعالیٰ اس کے خلاف ہے (یعنی اس میں عرض نہیں ہے) چونکہ یہ باطل ہو چکا ہے کہ یہ اُس صفت قادر سے موصوف ہو جو قادر ہم لوگوں میں ہے اور اُس صفت عالم سے موصوف ہو جو ہم میں سے ہے جو وہ صفت ہے کہ

اگر وہ نہ ہوتو نہ عالم عالم ہو نہ قادر قادر۔ کیونکہ ہمارے یہاں فعل اُسی سے سرزد ہوتا ہے جو اس صفت والا ہو۔ ضروری طور پر یہ باطل ہو چکا ہے کہ باری تعالیٰ کا از روئے استدلال "قادر و عالم وحی نام رکھا جائے۔ اس طور پر کہ ہمارے درمیان کوئی فعل بجز عالم و قادر کے سرزد نہیں ہوتا۔

جب ایسے علم وحیات کا وجود ان لوگوں نے مان لیا ہے جو عرض نہیں ہیں، اور یہ امر قطعاً غیر معقول ہے، تو پھر انھیں ایسے حیّ و سمیع وبصیر کا بھی انکار نہ کرنا چاہیئے جو بغیر حیات و سمع و بصر کے ہو۔ یہ سب معہود ورواج سے باہر ہے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔ معہود ورواج سے باہر ہونے کی صرف اُس وقت اجازت دیجا سکتی ہے جبکہ اس کے متعلق خالق عزوجل کی جانب سے کوئی نص آئی ہو یا اُس پہ کوئی برہان ضروری قائم ہو۔ ورنہ نہیں۔ لفظ حیات وارادہ وسمع وبصر وحیات کے متعلق قطعاً کوئی نص نہیں آئی۔

بعض لوگوں نے اُس قائل کے بالمقابل احتجاج کیا ہے جو کہتا ہے کہ حیّ تو حساس ومتحرک بالارادہ ہی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ہم نے قطعاً کسی ایسے حیّ کا مشاہدہ نہیں کیا جو حساس ومتحرک بالارادہ نہ ہو۔ اس معترض نے کہا ہے کہ جس شخص کو یہ اتفاق ہوا ہو کہ اس نے گھاس سبز ہی دیکھی ہو اور جو چیز سبز دیکھی ہو وہ بھی گھاس ہی ہو، پھر اُس نے یہ یقین کرلیا کہ جو چیز سبز ہوگی وہ گھاس ہی ہوگی تو اس نے غلطی کی۔

سب سے پہلے اُس سے یہی کہا جائے گا کہ اپنے استدلال میں یہ بات اپنے دل سے کہو کہ تم نے کبھی کوئی فاعل نہیں دیکھا جو حیّ و عالم و قادر نہو۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے اُس بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں جس سے انھوں نے دھوکا دیا ہے۔ دھوکا یہ ہے کہ یہ اس میں اور جس پر یہ واقع ہو اُس میں فرق نہیں سمجھتے۔

ہم بتوفیق الہی کہتے ہیں کہ اعراض دو قسموں پر منقسم ہیں۔

ایک[1] ذاتی ہے جس کے حامل کے بطلان سے اُس کا بطلان وہم

میں نہیں آتا۔ مثلاً حی کی حس و حرکتِ ارادیہ۔ اسی طرح انسان کے لئے احتمال موت اور اس کے لئے علوم کی تمیز کا اور صناعات میں تصرف کا ممکن ہونا۔ اور جو اس کے مشابہ ہو انھیں اعراض سے اشیاء کی وہ فصول و حدود قائم ہوتی ہیں جن سے ان میں اور ان کے غیر انواع میں جو ایک ہی جنس کے ماتحت ہوں فرق ہو جاتا ہے۔ یہ قسم ہر اُس شے میں قطعاً موجود ہوگی جس پر اس کے حامل کا نام واقع ہو۔

قسم ثانی غیری کا ہے۔ اور وہ یہ ہے جس کے بطلان کا وہم ہو سکے اور وہ شے اس سے باطل نہ ہو جس میں یہ ہے۔ مثلاً اونٹ کا جگالی کرنا۔ شہد کی مٹھاس۔ کوّے کی سیاہی۔ اگر تلخ شہد پایا جائے اور ہم نے اسے پایا ہے، تو اس سے اُس کا شہد ہونا باطل نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی سفید کوّا پایا جائے اور پایا گیا ہے، تو اس سے اس کا کوّا ہونا باطل نہ ہوگا۔ اس قسم پر یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ موجود ہے۔ اور ہمیشہ اُس کا ہونا ضروری ہے۔ اس نے جو گھاس سے دھوکا دیا ہے اُس کے درمیان یہی فرق ہے۔ اس لئے کہ اگر سرخ یا زرد گھاس وہم میں آئے تو اس کا گھاس نام رکھنا باطل نہ ہوگا۔ ہاں اگر یہ وہم کیا جائے کہ گھاس زمین سے اُگنے والی نہ ہو، نہ وہ رطوبات زمین سے غذا لینے والی ہو، نہ ہوا کی حرارت و رطوبت کو جذب کرنے والی ہو تو یہ قطعاً گھاس نہ ہوگی۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ باری تعالیٰ کو وہ بھی حیّ سمجھتا ہے جو اُسے حساس و متحرک بالارادہ نہیں سمجھتا۔ اُس سے کہا جائے گا کہ اُسے وہ بھی حیّ سمجھتا ہے جو اُس کے لئے حیات نہیں سمجھتا۔ وہ شخص اُسے جسم سمجھتا ہے جو اُسے مرکب و حادث نہیں سمجھتا۔ جہلا نے جن حماقتوں کا توہم کر لیا ہے وہ اہل عقل و علم پر حجت نہیں ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔

برہان ضروری ہر صفت جو اس عالم میں ہے وہ لامحالہ عرض ہے جو دو طرفوں کے درمیان ہے یا ان دونوں طرفوں میں سے ایک طرف کے درمیان ہے۔ جو عرض صاحبِ ضد ہے تو اس کا حامل

(موصوف) لامحالہ اضداد کے قابل ہے۔ اس عالم میں کوئی عالم ایسا نہیں کہ اس کے جہل کا گمان نہ کیا جائے۔ نہ اس عالم میں کوئی قادر ایسا ہے کہ اس کے عجز کا گمان نہ ہو سکے۔ نہ کوئی حی اس عالم میں ایسا ہے کہ حرکت وسکون وحس واحتیاط کا اس سے وہم نہ کیا جا سکے۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حقیقی ارحم الراحمین ہے نہ کہ مجازی۔ جو اس کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ اس کا خون ومال حلال ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بچوں کو چیچک میں، بدن کی کھانے والی بیماریوں میں، آسیب میں حلق کے درد میں اور مختلف دردوں میں مبتلا کرتا ہے، بھوک میں مبتلا کرتا ہے یہانتک کہ وہ مرجاتے ہیں۔ بیٹوں کا باپ کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ اسی طرح ماؤں کو اور دوستوں کو، یہانتک کہ وہ غم میں روتے روتے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح چڑیوں کو ان کے بچوں کا۔ حالانکہ ہمارے یہاں یہ رحمت کی صفت نہیں ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام ہیں جو اس نے اپنے رکھ لئے ہیں جو کسی ایسی صفت سے مشتق نہیں ہیں کہ اس میں محمول ہو۔ وہ اس سے برتر ہے۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ عالم۔ قادر۔ حی۔ اول ورحیم اس کے خلاف ومغایر ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے سچ کہا۔ یہ تو تمھارا خود اپنے استدلال کو ایک ایسے شاہد سے باطل کرنا ہے جو باری تعالیٰ کے نام رکھنے اور اس کی صفات کے خلاف ہے۔

ہمارا طریق استدلال باری تعالیٰ کو موصوف کرنا کہ وہ واحد اول حق خالق ہے، تو اس میں ہم پر ان الزامات میں سے کوئی الزام نہیں آتا جو ہم نے اپنے مخالفین کو دیے ہیں۔ اس لئے کہ اس پر برہان قائم ہے کہ وہ اپنے ماسوا کا خالق ہے اور عالم میں قطعاً کسی وجہ سے بھی کوئی خالق نہیں ہے۔

اس پر بھی برہان قائم ہے کہ وہ واحد ہے اور اس کے سوا عالم میں قطعاً کسی وجہ سے بھی کوئی واحد نہیں۔ جو چیز عالم میں ہے

وہ مکان میں ہونے اور احتمالِ تقسیم کی وجہ سے کثیر ہے۔

اس پر برہان قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ اول ہے اور عالم میں قطعاً کسی وجہ سے بھی کوئی اول نہیں، جو کچھ عالم میں ہے وہ اول کے منافی ہے

اس پر برہان قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ حق (ثابت وموجود) بالذات ہے اور جو کچھ عالم میں ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محقق وموجود ہے اور محض باری جل وعز کی وجہ سے حق وثابت وموجود ہے۔ اور اگر وہ (باری) نہ ہوتا تو یہ بھی موجود نہ ہوتا۔ یہ وہ برہان صحیح وثابت ہے جو کسی دوسری برہان کے قطعاً معارض نہیں۔ یہی نفی تشبیہ ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے تمام صفات عالم کی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ہرگز جہل نہیں ہوتا۔ وہ قطعاً غفلت نہیں کرتا۔ اُسے سہو نہیں ہوتا۔ وہ سوتا نہیں۔ وہ محسوس نہیں کرتا۔ اور کوئی وہمی سے وہمی چیز بھی اُس پر پوشیدہ نہیں۔ وہ کسی درخواست کے قبول کرنے سے عاجز نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم نے اپنی اسی کتاب کے گذشتہ اوراق میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وجہ سے اپنی مخلوق کے مغایر ہے۔ جب یہ ایسا ہے تو علی العموم ہر ایسی شے کی اللہ تعالیٰ سے نفی کرنا واجب ہے جس سے اس عالم کی کوئی شے بھی موصوف کی جائے۔

وصف کا ثابت کرنا یا اُس کا نام رکھنا بغیر کسی نص کے جائز نہیں

ہم جو اللہ تعالیٰ کے افعال کی خبر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ محی الموتیٰ (یعنی مردوں کا زندہ کرنے والا) اور ممیت الاحیاء (زندوں کا موت دینے والا) ہے۔ تو اگر اس میں سے کسی شے کی اباحت واجازت پر اجماع ثابت نہ ہوتا اور اس جگہ ان میں سے بعض کے اطلاق کی اباحت پر اجماع نہ ہوتا تو ہم ہرگز اسے جائز نہ رکھتے۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علیم ہے۔ اور ازلی اور ہمیشہ سے ایسا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ازل سے جانتا ہے کہ وہ اشیاء پیدا کرے گا جو ہر مخلوق کی حسب ہیئت ہوں گی۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ اشیاء

ازل سے اُس کے علم میں موجود تھیں۔ معاذ اللہ منہا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا تھا کہ وہ ہر وہ شے پیدا کرے گا جو ہوگی جب کہ وہ اُسے پیدا کرے گا تو وہ اُس ہیئت پر ہوگی جبکہ وہ ہوگی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اسمائے الٰہی توقیفی ہیں۔

انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس جگہ اُس شخص پر رد کریں گے جس نے بغیر نص کے اللہ تعالیٰ کا نام رکھنے کا اقدام کیا۔ یہ اقدام محض اس کی عقل وگمان کی رہنمائی سے ہے کہ وہ خوب ہے، مدح ہے یا اس پر استدلال کرکے ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا نام رکھا ہے، یا اسی کی گردان کرکے ہے کہ کہیں مصدر نکال لیا اور کہیں مشتق کرلیا یا اُس کی مخلوق میں جو مشاہدہ کیا اُس پر قیاس کرکے ہے۔

ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام رحمٰن و رحیم رکھا ہے تو تم اُس کا نام رفیق رکھو کہ رقت نفس سے ہے جس کے معنی رحمت کے ہیں۔

اگر کوئی کہے رحیم اس سے بے نیاز کر دیتا ہے تو اُس سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی اصل (قاعدے) کو توڑ دیا۔ اس لئے کہ اس بناء پر حی بھی اس سے بے نیاز کر دیتا ہے کہ اُس کے لئے حیات کہی جائے۔ نیز رحمٰن بھی رحیم سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اس کے متعلق تو نص وارد ہوئی ہے۔ تو اُس سے کہا جائے گا کہ تم نے سچ کہا۔ اُس سے تجاوز نہ کرو جس کے متعلق نص آئی ہے۔ اس کے ماسوا سے باز رہو۔ اُس نے اپنا نام علیم رکھا تو تم اس کا نام داری (درایت والا، جاننے والا) حبر (عالم) فہم (جلد سمجھنے والا) زکی (لائق) عارف (پہچاننے والا) نبیل (فاضل) رکھو۔ کیونکہ یہ سب مدح ہے۔ لغت میں اس کے معنی بھی وہی ہیں جو علیم کے معنی ہیں۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔

اُس نے اپنا نام کریم رکھا ہے تو تم اس کا نام سخی رکھو۔

اُس نے اپنا نام حکیم رکھا ہے تو تم اُس کا نام ناقد (پرکھنے والا) عاقل رکھو۔

اس نے اپنا نام عظیم رکھا ہے تو تم اُس کا نام فخم (بڑا) ضخم (موٹا) رکھو۔

اُس نے اپنا نام حلیم رکھا تو تم اس کا نام تجمّل (صابر) متانی (نرمی کرنیوالا)

صابر۔ رکھو۔

اس نے یہ خبر دی ہے کہ وہ قریب ہے۔ تو تم اُس کا نام دانی (نزدیک ہونے والا) مجاور (ہم سایہ) مباشر (پاس ہونے والا) رکھو۔

اس نے اپنا نام واسع رکھا۔ تو تم اُس کا نام رحب (کشادہ) عریض چوڑا رکھو۔

اُس نے اپنا نام عزیز رکھا ہے تو تم اس کا نام رئیس رکھو۔

اُس نے یہ خبر دی ہے کہ وہ شاکر و شکور ہے تو تم اس کا نام حامد وحماد رکھو۔

اُس نے اپنا نام قہار (غالب) رکھا تو تم اس کا نام ظافر (فتح پانے والا) رکھو۔

اُس نے اپنا نام آخِر رکھا تو تم اُس کا نام ثانی۔ تالی (پیچھے آنے والا) خاتم رکھو۔

اُس نے اپنا نام ظاہر رکھا تو تم اس کا نام عارف و داری رکھو۔

اُس نے اپنا نام اکبیر رکھا تو تم اُس کا نام رئیس و متقدم رکھو۔

اُس نے اپنا نام قدیر رکھا تو تم اُس کا نام مطیق (طاقتور) و مستطیع رکھو۔

اُس نے اپنا نام علی رکھا تو تم اُس کا نام عالی و رفیع و سامی (بلند) رکھو۔

اس نے اپنا نام بصیر رکھا تو تم اُس کا نام معاین (معاینہ کرنیوالا) رکھو۔

اس نے اپنا نام جبار رکھا تو تم اُس کا نام متجبر۔ زاہی۔ وتیاہ (متکبر) رکھو۔

اُس نے اپنا نام متکبر رکھا تو تم اُس کا نام مستکبر و متعاظم و متنحی (علیحدہ رہنے والا) رکھو۔

اُس نے اپنا نام بَر (نیکو کار) رکھا تو تم اُس کا نام زاکی و متواصل (نیکی واحسان کرنے والا) رکھو۔

اُس نے اپنا نام متعالی رکھا تو تم اُس کا نام متعظم و مترفع رکھو۔

اُس نے اپنا نام غنی رکھا تو تم اُس کا نام موسر (مالدار) ملی (بھرا ہوا) مکثر و وافر (مالدار) رکھو۔

اُس نے اپنا نام ولی رکھا تو تم اس کا نام صَدِیق ومصادق ووالی وحبیب (دوست) رکھو۔

اُس نے اپنا نام قوی رکھا تو تم اُس کا نام جَلد ونجد وشجاع وجلید وشدید وباطش (بہادر، قوی، مضبوط وطاقتور) رکھو۔

اُس نے اپنا نام حیّ رکھا اور بتایا کہ اُس کے لئے نفس ہے تو تم اُس کا نام متحرک وحساس رکھو اور یہ یقین کر لو کہ اُس کے لئے روح ہے جو نفس کے معنی میں ہے۔

اُس نے اپنا نام سمیع وبصیر رکھا تو تم اُس کا نام شَمّام (سونگھنے والا) اور ذوّاق (چکھنے والا) رکھو۔

اُس نے اپنا نام مجید رکھا تو تم اُس کا نام شریف وماجد رکھو۔

اُس نے اپنا نام حمید رکھا تو تم اُس کا نام محمد ومحمود وممدوح رکھو۔

اُس نے اپنا نام ودود رکھا تو تم اُس کا نام واد (محبت کرنے والا) محب وحبیب ووَدید رکھو۔

اُس نے اپنا نام صمد (یعنی سب کا حاجت روا اور سب سے بے نیاز) رکھا تو تم اُس کا نام مُصمِت (بے نیاز وبے پروا) رکھو۔

اُس نے اپنا نام حق رکھا تو تم اُس کا نام صحیح وثابت رکھو۔

اُس نے اپنا نام لطیف رکھا تو تم اُس کا نام خفیف رکھو۔

اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ اُس کے لئے مکر وکید ہے تو تم کہو کہ اُس کے لئے دہاء ونکر وحس وتحلیل وخدائع ہیں (یعنی مکر وفریب ودغا وحیلہ سازی) کیونکہ یہ سب لغت میں اور ہمارے درمیان برابر ہیں۔

اُس نے اپنا نام مبین رکھا تو تم اُس کا نام واضح وبیّن ولائح وبادی (روشن وظاہر) رکھو۔

اُس نے اپنا نام مومن رکھا تو تم اُس کا نام مسلم ومُصَدِّق رکھو۔

اُس نے اپنا نام باطن رکھا تو تم اُس کا نام خفی وغائب ومتغیب رکھو۔

اُس نے اپنا نام ملک وملیک (پادشاہ) رکھا تو تم اُس کا نام

سلطان رکھو۔

حدیث سے ثابت ہے کہ اس کا نام جمیل ہے تو تم اس کا نام صبیح (خوبصورت) وحسن رکھو۔

اگر وہ ان سب سے انکار کرے تو اس نے اپنی اصل توڑ دی۔

اسی طرح اگر وہ کہے کہ اس میں سے بعض نام بعض ناموں سے بے نیاز کر دیتے ہیں تو اُسے حیات کا ساقط کر دینا بھی لازم ہوگا اس لئے کہ حیّ اس قاعدے کی بناء پر ذکرِ حیات سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اسے لازم ہوگا کہ وہ یہ نہ کہے کہ وہ متکلم ہے۔ اس لئے کہ کلام اس سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ نیز اُسے سمع و بصر کا ساقط کرنا بھی لازم ہوگا اس لئے کہ سمیع و بصیر سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے۔ اُسے اُن کلمات کو بھی ساقط کرنا ہوگا جو نص میں آئے ہیں اور اُن میں سے بعض کلمات بعض سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ ملک، ملیک سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ احد۔ واحد سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ جبار۔ متکبر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ خالق۔ باری سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نام قدیم رکھے نہ حنان۔ نہ منان۔ نہ فرد نہ دایم۔ نہ باقی۔ نہ خالد۔ نہ عالم۔ نہ دانی۔ نہ رائی۔ نہ سامع۔ نہ معتلی۔ نہ عالی۔ نہ متبارک۔ نہ طالب۔ نہ غالب۔ نہ ضار۔ نہ نافع۔ نہ مدرک نہ مبدئی۔ نہ معبد۔ نہ ناطق۔ نہ قادر۔ نہ وارث۔ نہ باعث۔ نہ قاہر۔ نہ جلیل۔ نہ معطی۔ نہ منعم۔ نہ محسن۔ نہ حکم۔ نہ حاکم۔ نہ واہب نہ غفار۔ نہ مفضل نہ ہادی۔ نہ عدل۔ نہ راضی۔ نہ صادق۔ نہ متطول۔ نہ متفضل نہ منّان۔ نہ خبیر۔ نہ حافظ۔ نہ بدیع۔ نہ آلہ۔ نہ محتمل۔ نہ محیی۔ نہ ممیت۔ نہ منصف، اور نہ اور کوئی ایسا نام جو خود اُس نے کبھی اپنا نہ رکھا ہو۔ اگرچہ وہ ہمارے نزدیک انتہائی مدح میں ہو۔ یا اُس کے افعال (کے الفاظ) میں تصرف کر کے نکالا گیا ہو۔ (اور اُس کے صیغے بنا لئے گئے ہوں) یہانتک کہ مذکورۂ بالا الفاظ کو اُن الفاظ کی طرف اضافت کر کے جو ہم بیان کریں گے ہم ان سب کے ذریعے وصف کے ساتھ اُس وقت خبردیں

۱۲۷

اور اُس کے فعل کی خبر دینا تو اب یہ جائز ہے ۔ یہ کہنا جائز ہے کہ وہ عالم الخفیات (پوشیدہ امور کا جاننے والا) ہے ۔ عالم بکل شے (ہر شے کا جاننے والا) ہے ۔ عالم الغیب والشہادہ (حاضر و غائب کا جاننے والا) ہے ۔ اور غالب علی امرہ (اپنے امر پر غالب ہے) ۔ غالب علی کل من طغیٰ (ہر سرکشی کرنے والے پر غالب ہے) ۔ اسی طرح ۔ القادر علی مایشا (جو چاہے اُس پر قادر ہے) القاہر للملوک (بادشاہوں کو غالب کرنے والا ہے) ۔ وارث الارض ومن علیہا (زمین کا اور جو زمین پر ہیں ان کا وارث ہے) المعطی لکل ما بایدینا (جو کچھ ہمارے ہاتھوں میں ہے سب کا دینے والا ہے) الواہب لنا کل ما عندنا (جو کچھ ہمارے پاس ہے وہی ہمیں اس سب کا دینے والا ہے) المنعم علی خلقہ (اپنی مخلوق کا نعمت دینے والا ہے) المحسن الی اولیائہ (اپنے دوستوں پر احسان کرنے والا ہے) الحاکم بالحق (سچا فیصلہ کرنے والا ہے) المبدیٔ لخلقہ (اپنی مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے) المعید لہ (اپنی مخلوق کا عدم میں واپس کرنے والا ہے) المضل لاعدائہ (اپنے دشمنوں کو گمراہی میں چھوڑنیوالا ہے) الہادی لاولیائہ (اپنے دوستوں کا ہدایت کرنے والا ہے) العدل فی حکمہ (اپنے حکم میں عدل کرنے والا ہے) الصادق فی قولہ (اپنے کلام میں سچا ہے) الراضی عمن اطاعہ (جو اُس کی اطاعت کرے اُس سے خوش ہونے والا ہے) الغضبان علی من عصاہ (جو اُس کی نافرمانی کرے اُس پر غضبناک ہونے والا ہے) الساخط علی اعدائہ (اپنے دشمنوں سے ناراض ہونے والا ہے) الکارہ لما نہی عنہ (جس امر سے منع کیا اُس کا ناپسند کرنے والا ہے) بدیع السموات والارض (آسمان وزمین کا ایجاد کرنے والا ہے) آلہ الخلق (مخلوق کا معبود ہے) محیی الاحیاء والموتیٰ (زندہ مردہ کا زندہ کرنے والا ہے) ممیت الاحیاء الموتیٰ (زندہ ومردہ کا موت دینے والا ہے) المنصف ممن ظلم (جو ظلم کرے اُس کے ساتھ انصاف کرنے والا ہے) بانی الدنیا وداحیہا ومسویہا (دنیا کا بنانے والا اُس کا بچھانے والا اور برابر کرنے والا ہے) اور اسی طرح کے افعال اس لئے کہ

یہ سب اللہ تعالیٰ کے فعل کی خبر دینا ہے اور یہ بالاجماع ہمارے لئے مباح ہے۔ اور وہ اُس کی تعظیم سے ہے اور اُس کی دعاؤں میں سے ہے ہمیں اس کا حق نہیں ہے کہ ہم بغیر نص کے اُس کا نام رکھیں۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کید و مکر و کبریاء (بڑائی) ہے۔ یہ ہمارے درمیان مدح نہیں ہے۔ بلکہ مذمت ہے۔ ہمیں یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ عقل و شجاع و عفت (پرہیزگاری) دہاء (صائب الرائے ہونا) و فہم و ذکاء ہے۔ حالانکہ ہمارے درمیان یہ انتہائی مدح ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر دینے میں اُس کی رعایت کرنا جو ہمارے یہاں مدح ہے یا اُس کی رعایت کرنا جو ہمارے یہاں مذمت ہے باطل ہو گیا۔ صرف نص کی رعایت کرنا چاہئے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اس پر ایک برہان یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے 99 یعنی ایک کم سو 100-1=99 نام ہیں۔ جو انہیں حفظ کر لیگا جنت میں جائے گا۔ جن ناموں سے ہم نے منع کیا اگر ان کا اطلاق جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے نام ڈیڑھ سو سے بھی زائد ہوتے۔ اور یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ننانوے فرما دینا اس سے زائد ہونے سے مانع ہے۔ اگر یہ جائز ہوتا آپ کا ارشاد غلط ہوتا۔ اور یہ اُس کا کفر ہے جو اسے جائز رکھے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

127

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وعلم آدم الاسماء کلھا" (اور آدم کو تمام نام بتا دیے) اُس کے اسماء بلاشک اُتنے ہی ہیں جتنے آدم علیہ السلام کے تعلیم میں داخل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تخصیص جائز نہیں۔ چونکہ یہ ایسا ہے تو وہ کون ہے جس نے انکو صفات سے مشتق کیا ہے۔ اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مشتق کیا ہے تو انھوں نے علانیہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کیا کیونکہ انھوں نے اس کے متعلق ایسے امر کی خبر دی جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے متعلق نہیں دی۔ اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔ اور یہ تمام براہین اس کے لئے کافی ہیں جسے عقل ہو۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

متشابہات

وجہ، ید، عین، جنب، قدم، تنزل، عزت، رحمت، امر، نفس، ذات، قوت، قدرت، اور اصابع

وجہ

اللہ عزوجل نے فرمایا ہے "ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام" (اور آپ کے رب کی بزرگ و برتر ذات باقی رہے گی) مجسمہ نے اس سے اپنے مذہب پر استدلال کرنے کا راستہ نکال لیا۔ اور دوسروں نے کہا کہ "وجہ اللہ" سے مراد اللہ ہی ہے۔

یہی وہ حق ہے جس کی صحت پر برہان قائم ہے۔ اس لئے کہ ہم تجسیم کے قول کو پہلے باطل کر چکے ہیں۔ اور ابوالہذیل نے کہا ہے کہ وجہ اللہ۔ اللہ ہی ہے۔

یہ کہنا بھی مناسب نہیں اس لئے کہ یہ تسمیہ (نام رکھنا) ہے۔ اور بغیر نص کے اللہ تعالیٰ کا نام رکھنا جائز نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ وجہ اللہ۔ غیر اللہ نہیں ہے۔ اور نہ ہم اس سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور شے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ برہان خود اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے اپنے ایک پسندیدہ قول کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے "انما نطعمکم لوجہ اللہ" (ہم تو تمہیں محض اللہ کے لیے کھلاتے ہیں) لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ ان لوگوں نے غیر اللہ کا قصد نہیں کیا۔ اور فرماتا ہے "اینما تولوا فثم وجہ اللہ" (تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کو علم ہے) اس کے معنی یہی ہیں کہ ادھر اللہ تعالیٰ اپنے علم کے ذریعہ سے ہے اور جو شخص اس کی طرف توجہ کرے اس کے

قبول کے ذریعے سے ہے۔

یَد	فرماتا ہے "ید اللہ فوق ایدیھم" (اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا)۔ اور فرماتا ہے "لما خلقت بیدی" اس وجہ سے کہ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے

پیدا کیا) اور فرماتا ہے "مما عملت ایدینا انعاما" (اس میں سے ہے جو ہمارے ہاتھوں نے چوپائے بنائے) اور فرمایا "بل یداہ مبسوطتان" (بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں)۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عن یمین الرحمن وکلتا یدیہ یمین" (رحمن کے داہنے ہاتھ سے اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں) اس میں مجسمہ تو اس میں اس طرف گئے جس کے متعلق ان کے قول کا بطلان گذر چکا۔

معتزلہ اس طرف گئے کہ یَد نعمت ہے۔ حالانکہ اس کے بھی کوئی معنی نہیں۔ اس لئے کہ یہ بغیر کسی برہان کے ایک دعوی ہے۔

اشعری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے "ایدینا" فرمانے سے مراد یدین ہی ہے (یعنی بہت سے ہاتھ کے معنی دو ہاتھ ہیں) اور اَعْیُنُ کے معنی بھی عینین ہیں (یعنی بہت سی آنکھوں کے معنی بھی دو آنکھیں ہیں) یہ باطل ہے۔ مجسمہ کے قول میں داخل ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کے متعلق خبر دینا ہے۔ یہ بیان کرنے سے سوائے اللہ کے کسی اور شے کی طرف رجوع نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کے لئے ید۔ یدین۔ ایدی (ہاتھ۔ دو ہاتھ دو سے زائد ہاتھ) ہیں۔ عین و اعین (آنکھ۔ دو سے زائد آنکھیں) ہیں۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے "لتصنع علی عینی" (تاکہ تم میری آنکھ کے سامنے بناؤ) اور فرمایا "انک باعیننا" (تم ہماری آنکھوں کے سامنے ہو) یہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ عز و جل کو موصوف کرے کہ اس کے لئے دو آنکھیں ہیں۔ اس لئے کہ اس کے متعلق نص نہیں آئی جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے

۱۲۸

اس سب سے مراد اللہ عزوجل ہے نہ کہ کوئی اور شے اس کی غیر۔ اللہ تعالیٰ کسی کا قول بطور حکایت بیان کرتا ہے "قال یاحسرتی علی مافرطت فی جنب اللہ" (کہے گا کہ اس پر وائے حسرت جو میں نے اللہ کے بارے میں کوتاہی کی) اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کا اللہ کی طرف اور اس کی عبادت کی جانب قصد کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ رحمن کا داہنا ہاتھ مثل کلام الٰہی کے ہے "وما ملکت ایمانکم (جس کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوں) مراد یہ ہے کہ جس کے تم مالک ہو۔ یمین (داہنے) سے لغت عرب میں جو حصہ افضل کے لئے ہے وہی مراد لیا جاتا ہے۔ جیساکہ شماخ (شاعر) کہتا ہے۔

اذا ما رایة رفعت لمجد　　تلقاها عرابة بالیمین

عظمت و سربلندی کا جہاں کہیں جھنڈا بلند کیا گیا۔ تو اسے عرابہ اوسی نے داہنے ہاتھ سے لے لیا۔

مراد یہ ہے کہ اعلیٰ درجے کی سعی سے اسے لے لیا۔ گویا آپ کا فرمانا کہ اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں یعنی اس کا جو عضو اور جوڑ ہے وہ اعلیٰ درجے کا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جہنم اس وقت تک نہ بھرے گی تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم نہ رکھدے۔ ایک حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس میں اپنا رِجل (پاؤں) نہ رکھدے۔ اس کے معنی وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیث صحیح میں بیان فرمائے ہیں۔ جس میں آپ نے خبردی ہے کہ روز قیامت کے بعد اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا جن کو جنت میں داخل کرے گا اور جنت و دوزخ سے کہے گا کہ تم میں سے

ہر ایک کے لئے بھرتی ہے۔ حدیث مذکور میں قدم کے وہی معنی ہیں جو اس آیت میں ہیں "ان لھم قدم صدق عند ربھم" (بیشک اُن کے لیے ان کے رب کے پاس قدم صدق ہے) مراد اس سے گذشتہ صدق ہے۔ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ وہ امت پہلے سے اُس کے علم میں ہے جس سے وہ جہنم کو بھرے گا۔ اُس کے رِجل کے معنی بھی اسی قسم کے ہیں اس لئے کہ رِجل لغت میں جماعت کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ اُس جماعت کو جہنم میں رکھے گا جو پہلے سے اُس کے علم میں ہے کہ وہ ان سے جہنم کو بھرے گا۔

اسی طرح صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا قلب اللہ عزوجل کی دو اصابع (انگلیاں) کے درمیان ہے۔ یعنی اللہ کی تدبیروں اور نعمتوں میں سے دو نعمتوں اور دو تدبیروں کے درمیان میں ہے (اور وہ دونوں) یا تو ہر شے سے کفایت ہے جو اُسے خوش رکھتی ہے یا ایک مصیبت ہے جس پر اسے اجر ملتا ہے۔ اصباع (انگلی) لغت میں نعمت کو بھی کہتے ہیں۔ ہر ایک کا قلب اللہ کی توفیق وجلال کے درمیان رہتا ہے۔ یہ دونوں اُس کے حکم ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومن کے لئے اس صورت کے خلاف ظاہر ہوگا جس میں وہ اُسے جانتا تھا۔ یہ ظاہر و واضح ہے کہ لوگ خوف دہول کی صورت حال کو اس کے خلاف دیکھیں گے جیسا کہ وہ دنیا میں خیال کرتے تھے۔ اس قول کے صحت کی برہان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ہے "جو اُس صورت کے غیر ہوگی جیسا کہ تم دنیا میں اُسے جانتے تھے" یقیناً ہم جانتے ہیں کہ ہم اللہ عزوجل کے لئے دنیا میں ہرگز کوئی صورت نہیں جانتے لہذا جو کچھ ہم نے کہا یقیناً وہ ثابت ہوگیا۔

آدم کی صورت

ایسی کلام حدیث ثابت میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا یہ اضافت مِلک ہے۔ مراد وہ صورت ہے

جس کو حق سبحانہ تعالیٰ نے انتخاب کر لیا تاکہ آدم کو اُس صورت پر بنایا جائے ہر وہ شے جو اپنے طبقے میں بڑھی ہوئی ہوتی ہے وہ اللہ عزوجل کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے۔ جیساکہ ہم کعبے کو بیت اللہ کہتے ہیں۔ حالانکہ تمام بیوت (مکانات) اللہ کے بیوت ہیں۔ لیکن اُن میں سے کسی پر بھی اس نام کا اطلاق نہیں ہوتا جیساکہ مسجد حرام پر ہوتا ہے۔ اور جیساکہ ہم جبرئیل وعیسیٰ علیہما السلام کے بارے میں روح اللہ کہتے ہیں۔ حالانکہ تمام ارواح اللہ عزوجل کی ہیں۔ اسی کی ملک ہیں۔ اور جیساکہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے بارے میں قول ہے کہ ناقۃ اللہ اللہ کی اونٹنی۔ حالانکہ تمام اونٹنیاں اللہ کی ہیں۔ انھیں معنی کی بنا پر صورتِ رحمٰن کہا گیا ہے۔ حالانکہ تمام صورتیں اللہ ہی کی ہیں۔ اسی کی ملک ہیں اور اسی کی مخلوق ہیں۔

میں نے ابن فورک اور دوسرے اشعریہ کا کلام اس حدیث میں دیکھا ہے۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے معنی میں کہا ہے کہ "ان اللہ خلق آدم علی صورتہ (اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) وہ صفت رحمٰن پر ہیں۔ حیات وعلم واقتدار میں اور اپنے اندر صفات کمال رکھتے ہیں۔ اُس نے ملائکہ سے اُنھیں سجدہ کرایا جس طرح اُس نے اُن سے اپنے کو سجدہ کرایا۔ اور انھیں اپنی ذریت پر امرونہی کا اختیار دیا جیساکہ یہ سب اللہ کے لئے تھا۔ ۱۲

اشاعرہ کی غلط فہمی

ابو جعفر سمعانی نے جو کچھ اپنے مشائخ سے نقل کیا ہے یہ اُس کی حرف بحرف تصریح ہے۔ یہ کفر خالص ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور آدم علیہ السلام کو حیات وعلم واقتدار دونوں میں اجتماع صفات کمال میں برابر کر دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لیس کمثلہ شئ" (اللہ کی مثل کی سی کوئی شے نہیں)۔

آدمؑ کو سجدہ

ان لوگوں نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ ملائکہ کے آدمؑ کو سجدہ کرنے کو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے مثل بنا دیا۔ اہل اسلام میں سے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ ملائکہ کا اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا سجود عبادت ہے

اور آدم کو سجدہ کرنا سجود تحیت واکرام (بطور سلام کے) ہے۔ جو یہ کہے ملائکہ نے اسی طرح آدم کی عبادت کی جس طرح انھوں نے اللہ تعالیٰ کی کی تو اس نے شرک کیا۔ آدم کے لئے اپنی ذریت پر حق امر و نہی کا اضافہ کیا جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہے۔ حالانکہ یہ شرک ہے جس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔ ہم چاہتے تھے کہ ہم بھی جانتے کہ وہ صفات کمال کیا ہیں۔ جن کا اس شخص نے ذکر کیا ہے کہ وہ آدمؑ میں اُسی طرح مجتمع ہو گئیں جس طرح اللہ تعالیٰ میں مجتمع ہیں۔ یہ الحاد اور اللہ تعالیٰ کی توہین کرنا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ شخص کیسے کہے گا اور کیونکر اُس کی زبان چلے گی جو یہ جانتا ہے کہ "لم یکن له کفواً احد" (اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں ہے)۔ واللہ جو صفات کمال ملائکہ میں ہیں۔ اُن میں سے اکثر آدمؑ میں ہیں۔ ان دونوں کی وہ صفات جن میں سب لوگ آدم علیہ السلام کے شریک ہیں مثل صفات جن کے ہیں حیات و علم و قوت و تناسل وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس بنا پر یہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کی صورت پر ہوئیں۔ یہ وہ قول ہے جس کا قائل ملعون ہے۔ اور ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں

کشف ساق

اسی طرح قیامت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت میں ہے کہ اللہ عزوجل پنڈلی (ساق) کھولدے گا پھر لوگ سجدہ میں گر پڑیں گے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن میں فرمایا ہے۔ "یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود (جس روز پنڈلی (ساق) کھولدی جائے گی اور لوگوں کو سجدے کی دعوت دیجائے گی۔ یہ صرف واقع کی شدت کی خبر دیتا ہے اور وہ کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ عرب کہتے ہیں "قد شمرت الحرب عن ساقھا" (جنگ نے اپنی پنڈلی سے پائچہ چڑھالیا۔ جریر کہتا ہے۔

الادب ساحی الطرف من آل مازن　　اذا شمرت عن ساقھا الحرب شمرا

قبیلۂ زمان کے بلند نظر کا یہ حال ہے کہ جنگ نے جہاں پائچہ چڑھایا کہ وہ بھی پائچہ چڑھا کے کمربستہ ہو گیا

تعجب اُن لوگوں سے ہے جو ان صحیح روایات کا انکار کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ روایت تو وہی مضمون لائی ہے جسے تصریحاً قرآن لایا ہے لیکن جس کا علم تنگ ہوتا ہے وہ اُس چیز کا انکار کر دیتا ہے جس کا اُسے علم نہیں ہوتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی ہے "بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ" (بلکہ انھوں نے اُس چیز کو جھٹلا دیا جس کو یہ علم میں احاطہ نکر سکے۔ اور ابتک ان کے پاس اُس کی تاویل نہیں آئی۔)

امر ورحمت وعزت

لوگوں نے ان میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قوم نے تو یہ کہا ہے کہ یہ صفات ذاتی ہیں جو ازلی ہیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے بالذات عزیز ورحمٰن ورحیم ہے۔ لیکن رحمت وامر دونوں مخلوق ہیں۔

۱۳

اختلاف کے وقت صرف قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر" (پھر اگر تم میں کسی شے کے بارے میں اختلاف ہو تو تم اُسے اللہ ورسول کی طرف رجوع کرو بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو) ہم نے رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد پایا (وکان امر اللہ مفعولاً (اللہ کا امر مفعول ہے) اور مفعول بغیر کسی اختلاف کے مفعول ہے۔ اور فرماتا ہے "واللہ غالب علی امرہ" (اور اللہ غالب ہے اپنے امر پر) اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مغلوب علیہ (جس پر غلبہ پایا جائے) مخلوق ہے اور اپنے اوپر غالب آنے والے کے مغایر ہے۔ اور فرماتا ہے "لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً" (تو نہیں جانتا شاید اللہ اس کے بعد کوئی امر پیدا کر دے۔) یہ اس امر کا واضح وروشن بیان ہے جس میں کوئی اشکال نہیں کہ امر حادث ومخلوق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان اللہ یحدث من امرہ ما شاء (اللہ تعالیٰ اپنے امر میں سے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے) لہذا یقین کے ساتھ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا امر حادث ومخلوق ہے۔

اشعریہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہر شخص کا جس کو اس نے

امر کیا (حکم دیا) آمر (حکم دینے والا) ہے کہ جب وہ موجود ہو گا تو وہ اُسے اُس چیز کا (احکم دے گا) امر کرے گا۔

یہ یقیناً باطل ہے۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ازل سے ہمیں بیت المقدس کی جانب نماز کا حکم دینے والا ہوتا۔ اور ازل سے ہمیں حکم دینے والا ہوتا کہ ہم بیت المقدس کی طرف نماز نہ پڑھیں بلکہ کعبے کی طرف پڑھیں۔ وہ ایک ہی شئے کا ساتھ ہی ساتھ کرنے اور چھوڑنے کا حکم دینے والا ہوتا۔ یہ بدحواسی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے۔

ان کو اللہ تعالیٰ کی نہی میں بھی یہی لازم آئے گا کہ اُس نے جس شے سے منع کیا وہ بھی ازلی ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اُس کی نہی حادث ہے اور اُس کا امر قدیم ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ تم اُسے کیا جواب دو گے جو تم پر تمہارے قول کا عکس کردے اور یہ کہے کہ اُس کی نہی قدیم ہے اور امر حادث ہے۔ حالانکہ دونوں قول بدحواسی ہیں۔

وہ لوگ اس کے مقر ہیں کہ قدیم نہ متغیر ہوتا ہے نہ باطل و فنا ہوتا ہے۔ اور یہ ثابت ہے کہ پہلے ہمیں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا اس کا امر تھا پھر اس کے متعلق یہ امر باطل ہو گیا فنا ہو گیا اور ختم ہو گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا امر ازلی ہوتا تو واجب تھا کہ نہ باطل ہوتا نہ معدوم ہوتا۔ جو اسے جائز رکھے یہ اُس کا کفر خالص ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہمیں بیت المقدس کی جانب نماز پڑھنے کا اس کا امر ہمیشہ باقی ہے وہ ساقط نہیں ہوا' نہ منسوخ ہوا' نہ باطل ہوا اور نہ اللہ تعالیٰ نے اُسے کسی دوسرے امر سے بدلا' تو انھوں نے بلا کسی اختلاف کے کفر کیا۔ اس قول فاسد پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے وہ اُس سے بھی زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "قل الروح من امر ربی" (کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا امر ہے) اگر امر غیر مخلوق اور ازلی ہوتا تو روح بھی ایسی ہی ہوتی اس لئے کہ وہ بھی امر ہی ہے۔ ومعاذ اللہ۔ مسلمانوں میں اس امر میں کوئی

اختلاف نہیں کہ ان کی ارواح مخلوق ہیں۔ اور وہ کیونکر ایسی نہوں جبکہ دوزخ میں
اُن پر عذاب کیا جائے گا اور جنت میں انھیں نعمت دی جائے گی۔ فرماتا ہے۔
یوم یقوم الروح والملائکة صفا لایتکلمون الامن اذن
له الرحمٰن و قال صوابا" (جس روز روح و ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے۔
وہ کچھ نہ بولیں گے سوائے اُس کے کہ جسے رحمٰن اجازت دے۔ اور وہ
مناسب و درست بات کہے گا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت
ہے "سبوح قدوس رب الملائکة والروح" (ہر عیب سے پاک ہے
مقدس ہے۔ ملائکہ و روح کا رب ہے۔

مربوب (یعنی رب جس کی تربیت کرے) بلاشک مخلوق ہے۔ اگر کوئی
معترض اس آیت سے اعتراض کرے "الا له الخلق والامر" (خبردار۔
خلق و امر اُسی کا ہے۔) اور اس سے یہ ثابت کرنے کا ارادہ کہ خلق امر کے
مغایر ہے۔ تو اُس کے لئے اس میں کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "یا ایہا الانسان ما غرّک بربک الکریم
الذی خلقک فسوّیک فعدلک فی ایّ صورة ما شاء رکبک" (اے انسان
تجھے اپنے کریم پروردگار کے بارے میں کس نے دھوکا دیا جس نے تجھے
پیدا کیا پھر تجھے درست کیا پھر برابر کیا تجھے جس صورت میں چاہا مرکب کیا)۔ اللہ تعالیٰ
نے اس آیت میں خلق و تسویہ و تعدیل و تصویر (پیدا کرنے۔ درست کرنے
برابر کرنے۔ اور صورت بنانے) میں فرق کیا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف
نہیں کہ یہ سب خلق و مخلوق ہیں۔ فرمایا ہے "خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم
ثم یحییکم" (تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا۔ پھر تم کو موت دے گا پھر تم کو
زندہ کرے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے "رزق۔ امانت و احیاء" کو خلق پر لفظ
"ثُمَّ" سے عطف کیا۔ اگر امر کا خلق پر عطف کرنا اس کی دلیل ہوتا کہ امر خلق
کے مغایر ہے تو لامحالہ واجب ہوتا کہ رزق و امانت و احیاء و تصویر
سب کے سب خلق و مخلوقات کے غیر ہوں۔ حالانکہ اس کا کوئی مسلمان
قائل نہیں۔ لہٰذا اس پر استدلال باطل ہو گیا کہ امر اس لئے غیر مخلوق ہے کہ

اس کا عطف خلق پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل کا ملائکہ پر عطف کیا ہے۔ کیونکہ کسی شے پر کسی کا عطف کرنا اسے اس شئے خارج نہیں کرتا۔ خاصکر جبکہ اس پر برہان قائم ہو کہ وہ اس میں داخل ہے۔ اس پر نص سے برہان قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امر مخلوق ہے اور وہ قدر (مقدار) مقدور (قدرت کے اندر) مفعول (خدا کا بنایا ہوا) ہے۔ لیکن جب کوئی برہان نہ آئے جو معطوف کو معطوف علیہ میں داخل کرے تو وہ (معطوف) بلاشک اس (معطوف علیہ) کا غیر ہے اور یہ لغت کا حکم ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

عزت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون" (آپ کا رب جو رب عزت ہے اس سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں)۔

مربوب (جس کا رب ہو) وہ بلاشک مخلوق ہے۔ اور یہ کلام الٰہی "فللہ العزۃ جمیعاً" (عزت تو سب کی سب اللہ ہی کے لئے ہے) اس کو واجب نہیں کرتا کہ عزت بھی ازلی ہو۔ اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے "فللہ المکر جمیعا" (سارا مکر بھی اللہ ہی کے لئے ہے) اور فرماتا ہے "قل للہ الشفاعۃ جمیعا" (کہدیجئے کہ سب کی سب شفاعت اللہ ہی کی ہے) یہ دونوں نصوص بلا اختلاف اس کی موجب نہیں ہیں کہ شفاعت غیر مخلوق ہے۔ سوائے اس کے کہ یہاں جو عزت ہے وہ غیر اللہ نہیں ہے اور وہ غیر مخلوق ہے۔ یہ وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خلق جنت و دوزخ کی حدیث میں ثابت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اس کی قسم کھائی اور کہا "وعزتك" (قسم ہے تیری عزت کی)

یہ باطل ہے کہ جبریل علیہ السلام غیر اللہ کی قسم کھائیں۔

رحمت مخلوق ہے

رحمت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سو رحمتیں پیدا کیں جن میں سے ایک اپنے بندوں میں تقسیم کر دی کہ اسی میں وہ لوگ باہم رحم کرتے ہیں۔ اور ننانوے روز قیامت کے لئے اٹھا رکھیں کہ انھیں سے وہ

اپنے بندوں پر رحم کرے گا۔ یا آپ نے جیسا فرمایا ہو۔

یہ پورے طور پر اس سے اشکال کو دور کرتا ہے کہ رحمت مخلوق ہے اور امت میں سے کسی میں بھی اس میں اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو بھی جنت میں داخل کرے گا اُس کو محض اپنی رحمت سے اُس میں داخل کرے گا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی اُن لوگوں کے لئے رحمت ہے جو آپ پر ایمان لائے۔ اور یہ سب (رحمت) بلاشک مخلوق ہے۔

قدرت و قوت خداوندی

قدرت و قوت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "الم یروا ان اللہ الذی خلقہم ھو اشد منہم قوۃ" (کیا یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے بہت زیادہ قوی ہے)۔

جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو استخارہ تعلیم فرمایا کرتے تھے (جابر نے حدیث بیان کی۔ اور اس میں یہ ہے) "اللھم انی استخیرك بعلمك واستقدرك بقدرتك واسألك من فضلك" (اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم سے استخارہ کرتا ہوں (کہ تو اپنے علم سے میرے لئے راہ عمل منتخب کردے) اور تجھ سے تیری قدرت سے خیر چاہتا ہوں (کہ تو اپنی قدرت سے میرے لئے خیر کو مقدر کر دے) اور تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں۔

قوت و قدرت میں بعینہ وہی کلام ہے جو علم میں تھا۔ ان اقوال و دلائل میں لوگوں کے بالکل ویسی ہی اختلافات بھی ہیں۔ ہمارا قول اس میں بھی وہی ہے جو وہاں ہم نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے قدرت و قوت کا ہونا حق ہے اور یہ دونوں غیر اللہ نہیں ہیں اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ دونوں اللہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "کتب علی نفسہ الرحمۃ" (اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحمت لکھدی یعنی اپنے ذمے رحمت کرلی)

اور فرمایا ہے " ویحذرکم اللہ نفسہ " (اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنے نفس سے (یعنی خود اپنے سے ڈراتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کا نفس خود وہی ہے نہ کہ کوئی دوسری شے۔

نفس سے علم مراد ہے۔

اگر کوئی معترض عیسے علیہ السلام کا قول بیان کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور حکایت بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب سے عرض کریں گے " تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انك انت علام الغیوب " (جو میرے نفس میں ہے تو جانتا ہے اور جو تیرے (نفس) علم میں ہے میں نہیں جانتا۔ بیشک تو ہی عیبوں کا جاننے والا ہے) ہم کہیں گے کہ یہ آیت اپنے ظاہر و حقیقی معنی پر ہے۔ اس لئے کہ ہر غیب اللہ تعالیٰ کے علم میں معلوم ہے جو ہر شے کا جاننے والا ہے۔ مگر یہ کلام اُس طور پر جاری ہوا ہے جس طور پر لوگ باہم خطاب کرتے ہیں کہ وہ بغیر اس عبارت کے اس مقصد تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ محاورہ ہے کہ کہنے والا " نفس شئی وحقیقت شئی " کہتا ہے اور اُس سے وہی شئے مراد ہوتی ہے نہ کہ اس کے سوا۔ اسی طرح ذات کا بھی مطلب ہوتا ہے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔ عیسٰی علیہ السلام کا یہ عرض کرنا کہ جو تیرے نفس میں ہے میں نہیں جانتا اس کے معنی بلاشک یہی ہیں کہ جو تیرے پاس اور تیرے علم میں ہے۔

۳۲

آسمان دنیا تک نزول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شب کو جب ثلث شب باقی رہتی ہے آسمان دنیا تک نزول فرماتا ہے۔

یہ ایک فعل ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا میں کرتا ہے جو قبول دعا کا فتح باب ہے۔ یہ ساعت مجاہدہ کرنے والوں اور مغفرت طلب کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کے لئے قبول و اجابت و مغفرت کے گمان کی ہے۔ اور یہ لغت میں معہود و مشہور و مقرر ہے۔

تم کہتے ہو "نزل فلان عن حقہ" (فلاں اپنے حق سے اتر آیا) یعنی اس نے مجھے دیدیا اور مجھ پر احسان کیا اور اس پر کہ یہ (نزول۔ اترنا) صفتِ فعل ہے نہ کہ صفتِ ذات۔ برہان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنزل مذکور کو وقت محدود کے ساتھ معلق فرمایا۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ یہ فعل اُسی وقت حادث ہوتا ہے اور اُسی وقت کیا جاتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جو ازلی ہوگا وہ قطعاً کسی زمانے سے متعلق نہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض الفاظ حدیث مذکور میں واضح فرمادیا ہے کہ وہ فعل کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دیتا ہے جو اُس وقت اس مضمون کی ندا کردیتا ہے۔

نیز ثلث شب بھی مختلف شہروں میں طلوع و غروب کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے۔ اور وہ شخص اسے بخوبی جانتا ہے جس نے اس کی تفتیش کی ہے۔ لہٰذا پورے طور پر ثابت ہوگیا کہ یہ ایک فعل ہے جسے ہمارا پروردگار اُس وقت تمام اہل جہاں کے لئے کرتا ہے۔

نزول سے منتقلی مراد نہیں

جس نے اس (نزول) کو نقل (منتقل ہونا) قرار دیا ہے تو ہم اللہ کی مدد و تائید سے اُس کے قول کو قولِ جسم میں پہلے ہی باطل کرچکے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ منتقل ہوتا تو وہ محدود و مخلوق و مرکب اور مکان کے اندر ہوتا۔ اور یہ مخلوقات کی صفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہے۔

افول

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خلیل و رسول ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح فرمائی ہے جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے انتقال قمر کو بیان کیا کہ وہ رب نہیں۔ فرمایا ہے "فلما افل قال لا احب الآفلین" (پھر جب وہ غائب ہوگیا تو انھوں نے کہا کہ میں غائب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔ مکان سے ہر ایک منتقل ہونے والا اس مقام سے آفل ہے (یعنی غائب ہونے والا ہے) اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے۔

خدا کی آمد یہی کلام اس آیت میں بھی ہے "وجاء ربک والملک صفا صفا" (اور آپ کا رب اور ملائکہ صف بہ صف آئیں گے) اور اس آیت میں "ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملئکۃ وقضی الامر" (کیا یہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابر کے سایوں اور ملائکہ آجائیں اور معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے؟)۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا یہ سب آنا قیامت کے روز یہ ایک فعل ہے جسے اللہ تعالیٰ اس روز کرے گا جس کا نام مجئ واتیان (آنا) رکھا جائے گا)۔

حکم مراد ہے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ "رب آیا" اس کے معنی "رب کا حکم آیا" ہیں

جس لغت میں قرآن نازل ہوا ہے اور تمام لغات میں صفت و صفات عقل وحس کے نزدیک اعراض ہی ہیں جو موصوفین میں محمول ہیں مگر جب ان لوگوں نے خلاف معہود ان (صفات) کو غیر اعراض تجویز کر دیا تو انہوں نے بلا دلیل ایک فیصلہ کر دیا۔ اس قسم کے امور میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جس میں نص آئی ہو۔ اور لفظ صفت یا صفات کے متعلق کوئی نص نہیں آئی۔ اس لئے یہ محال ہے کہ کوئی ایسا لفظ لایا جائے جس کے بارے میں کوئی نص نہ ہو اور اس سے خلاف معہود تعبیر کیا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "للذین لایؤمنون بالآخرۃ مثل السوء وللہ المثل الاعلی وھو العزیز الحکیم" (جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے بہت بری مثل ہے اور اللہ ہی کے لئے اعلیٰ درجے کی مثل ہے اور وہی عزیز و حکیم ہے)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فلا تضربوا للہ الامثال ان اللہ یعلم وانتم لا تعلمون" (اللہ کے واسطے مثلیں نہ بیان کرو۔ بیشک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) اگر یہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے لفظ مثل بیان کرنے کی وجہ سے بجائے صفات کے امثال کہتے تو بہتر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انتہائی طور پر واضح کر دیا اور فرمایا کہ

اللہ کے لئے امثال نہ بیان کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا کہ اس کے لئے مثل اعلیٰ ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ اس کے لئے صرف وہی مثل بیان کی جائے گی جو خود اس نے اپنے متعلق بتائی ہے۔ اس پر اضافہ کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ماہیت کی تحقیق

معتزلہ کے چند گروہ اسطرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی ماہیت نہیں (یعنی یہ نہیں پوچھا جا سکتا کہ وہ کیا ہے)۔

اہل سنت و ضرار بن عمرو اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ماہیت ہے۔ اور ضرار نے کہا کہ اُسے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔

بتوفیق الٰہی ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس کے لئے ماہیت ہے جو خود اُس کی اِنّیّت ہی ہے۔ جو شخص سوال کرے کہ باری تعالیٰ کیا ہے تو اس کا جواب وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سوال پر کہ "ومارب العٰلمین" (رب العٰلمین کیا ہے) دیا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس مقام پر کوئی جواب نہیں نہ اللہ کے علم میں۔ اور نہ ہمارے پاس ہے سوائے اُس کے جو موسیٰ علیہ السلام نے دیا تھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس جواب کی مدح کی ہے اور اُس کی تصدیق فرمائی ہے۔ اگر وہ جواب صحیح و تام و بے نقص نہ ہوتا تو اللہ تعالےٰ اس کی تعریف نہ کرتا۔

انکار ماہیت جس کے ماہیت کا انکار کیا ہے اس نے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ اس سے خالی نہیں کہ ماہیت یا تو اللہ ہے۔ یا غیر اللہ ہے اگر وہ غیر اللہ ہے اور ماہیت ازلی ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ بھی ازلی ہے۔ اور یہ شرک و کفر ہے۔ اگر وہ (اللہ) ہی

ماہیت ہے اور ہم اُسے جانتے نہیں۔ تو ہم اللہ عزوجل کا علم نہیں رکھتے۔ اور یہ اس امر کا اقرار ہے کہ ہم اُس سے جاہل ہیں اور اللہ تعالیٰ سے جہل اُس کے ساتھ کفر ہے اگر اس کے لئے ماہیت کا امکان ہوتا تو لامحالہ اللہ کے لئے کیفیت ہوتی۔

اقرار ماہیت

یہ اُن لوگوں کے علم کلام کی تعریفات اور اسماء کے تسمیات پر مواقع کے نجاننے سے ہے۔ کیونکہ کسی شے کی ماہیت وہی ہے جو اس سوال کا جواب ہو کہ وہ کیا ہے۔ اور یہ سوال حقیقت و ذات شے کے متعلق ہے۔ جو شخص ماہیت کو باطل کرتا ہے وہ حقیقت شے کو باطل کرتا ہے جس کو بذریعۂ "ماھو" (وہ کیا ہے) دریافت کیا گیا ہے۔

ہمارے درمیان اثبات کا سب سے پہلا مرتبہ انیّت ہے اور وہ صرف وجود شے کا اثبات ہے۔ یہ وہ امر ہے جس کو ہم جانتے ہیں اور جو ہمارے احاطے میں ہے۔ اس سے علم تقسیم نہیں ہوتا کہ اُس کا بعض معلوم ہو اور بعض نامعلوم رہے۔

انیت کے بعد ہی جو ہم میں سوال "ھَل" (یعنی آیا وہ موجود ہے؟) کا جواب ہوتی ہے سوال بذریعۂ "ماھو" (وہ کیا شے ہے) ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ میں سوال بذریعۂ "ماھو" و بذریعۂ "ھَل" ایک ہی ہے اور دونوں کا جواب بھی ایک ہے۔ جواب میں کہتے ہیں کہ وہ حق ہے، واحد ہے، اول ہے، خالق ہے، اس کی مخلوق میں کوئی اس کے مشابہ نہیں۔

غیر اللہ میں جو چیز دریافت کی جاتی ہے اختلاف اعراض کی وجہ سے اُس میں اِنیّت و ماہیت جداگانہ ہے اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے۔ اور نہ وہ حامل اعراض ہے۔ ہم یہیں رک جاتے ہیں اور اس سے زیادہ نہیں جانتے۔ نہ یہاں سوائے اُس کے اُن اسماء کے کوئی اور شے ہے جو ہمارے پروردگار نے ہمیں بتا دیے ہیں مثلاً علیم، قدیر، مومن، مہیمن اور

اُس کے تمام نام۔ اُس نے ہمیں اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے خبر دی کہ اُس کے ننانوے ۹۹ یعنی ایک کم سو نام ہیں اور فرمایا ہے کہ "لایحیطون بہ علما" (لوگ علم میں اُس کا احاطہ نہیں کر سکتے)۔

احاطۂ علم

یہ کلام صحیح ہے، اپنے ظاہر پر ہے کیونکہ علم جس چیز کا احاطہ کرلے گا وہ چیز تتناہی ومحدود ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ امر منفی ومعدوم ہے۔ اور غیر اللہ میں یہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ ماسوی اللہ تعالیٰ پر عدد واقع ہوتا ہے جس سے اُس کا احاطہ ہو جاتا ہے اور جس کے لئے نہ حدود ہوں نہ کوئی عدد ہو اس کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ ہم واقعی اللہ عزوجل کو جانتے ہیں اور جیسا کہ اُس نے فرمایا علم میں اُس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق انیت ہی ماہیت ہے

ان لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے جو حقائق امور و قرآن وحدیث سے جاہل ہیں۔ ہم اللہ عزوجل کی حمد کرتے ہیں کہ اُس نے ہم پر احسان کیا کہ ہمیں اپنی کتاب کا اتباع اور اُس کا غور اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طلب آسان کردی۔ اُس نے ہمیں انھیں دونوں (کتاب وسنت) پر ٹھیرنے کی اور یہ سمجھنے کی توفیق دی کہ عقل سے خالق عقل پر حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے اوامر کو سمجھا جا سکتا ہے اور اس کی مخلوقات کی حقائق کو پہچانا جا سکتا ہے۔ ہمیں تو صرف اللہ ہی کی توفیق ہے۔

ماہیت کے ساتھ کیفیت لازم نہیں

یہ کہنا کہ اگر اُس کے لئے ماہیت ہوتی تو اس کے لئے کیفیت ضرور ہوتی۔ یہ کلام بھی اس قوم کا ہے جو حقائق سے جاہل ہو۔ ہم بیان کر چکے ہیں اور ہر صاحب عقل کے لئے بھی واضح ہے کہ یہ سوال کہ شے کیا ہے اس سوال کے مغایر ہے کہ شے کیسی ہے۔ جو چیز ان میں سے ایک لفظ سے دریافت کی جائے گی وہ اُس کے مغایر ہوگی جو دوسرے لفظ سے دریافت کی جائے گی۔ جواب جو ایک کا ہوگا وہ دوسرے کے جواب کے مغایر ہوگا۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ یہ سوال کہ "ما ھو" وہ کیا ہے۔ یہ اُس کی ذات واسم کا سوال ہے۔ اور یہ سوال کہ "کیف ھو" وہ کیسا ہے۔ یہ اُس کے حال و اعراض کا سوال ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے موصوف کیا جائے۔ فرق ظاہر ہوگیا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۱۳۴

سخط (ناراضی) ۔ رضا ۔ عدل ۔ صدق ۔ مِلک ۔ خلق (پیدا کرنا) ۔ جود ۔ سخاء ۔ ارادہ ۔ اور کرم

وہ مسائل جن کی نسبت اللہ کی قدرت کی خبر دیجائے

ان سب میں سوال کیونکر صحیح ہو گا؟

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اس امر کا عالم ہے کہ وہ کفار سے ناراض ہو گا اور مومنین سے راضی ہو گا۔ اُس پر دوزخ کا عذاب کرے گا جو اُس کی نافرمانی کرے گا اور اُس پر جنت کا انعام کرے گا جو اُس کی اطاعت کرے گا۔ جب حکم کرے گا عدل کرے گا۔ اور جب خبر دے گا سچ کہے گا۔ وہ ازل سے اس کا عالم ہے کہ جو پیدا کرنا ہے پیدا کرے گا۔ جن تمام عالموں کو پیدا کرے گا اُن کا رب (تربیت و پرورش کرنے والا) ہو گا۔ ہر شے کا اور روز قیامت کا مالک ہو گا۔ جو کچھ پیدا کرے گا

وہ اُسی کی مِلک ہوگا۔ یہ تمام امور جو ہم نے بیان کئے یہ اُن تمام چیزوں کے وجود کے مقتضی ہیں جن کے ساتھ ان کا تعلق ہے۔ اور جو چیزیں اُن کے ساتھ متعلق ہیں وہ سب حادث ہیں جو پہلے نہ تھیں پھر ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ ازل سے ان سب کا علیم (جاننے والا) ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہر ایک ہونے والی چیز جس طور پر ہے جب وہ اُسے وجود میں لائے گا موجود ہو جائے گی۔

کیا ارادہ صفات ذات میں ہے

ایک قوم نے ارادے کو صفات ذات میں کہا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ازلی ہے اور ارادہ بھی ازلی ہے۔

یہ غلط ہے۔ اس کے لئے دو ضروری و بدیہی برہان ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح نہیں فرمائی کہ وہ مُرید ہے یا اس کے لئے ارادہ ہے۔ ہم اپنی کتاب کے گذشتہ حصے میں اس پر برہان لا چکے ہیں کہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء و صفات مشتق کئے جائیں۔ اس کے متعلق ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ متبارک ہے اور یہ کہا جائے گا کہ "تبارك الله" یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ مستہزی ہے اور یہ کہا جائے گا کہ "الله يستهزئ بهم" اور نہ یہ کہا جائے گا کہ وہ عاقل ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ باقی ہے۔ دائم۔ ثابت۔ سخی اور جواد ہے۔ اس لئے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ نام نہیں رکھا لیکن متعالیٰ کہا جائے گا جیسا کہ خود اُس نے فرمایا ہے۔ یہ کہا جائے گا کہ وہ کریم و غنی ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ موسر ہے۔ یہ کہا جائے کہ وہ قوی ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ جلد ہے۔ یہ کہا جائے گا کہ وہ لم یزل۔ لایزال ہے۔ وہ اول۔ آخر۔ ظاہر و باطن ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ خفی و غائب اور بارز و مشتہر ہے۔ یہ کہا جائے گا کہ وہ اپنے امر پر غالب ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ ظافر ہے۔ حالانکہ جو کچھ ہم نے بیان کیا از روئے لغت معنی سب کے ایک ہی ہیں۔ جو شخص ان میں کے بعض الفاظ و صفات کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرے اور بعض سے منع کرے تو اُس نے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کیا (یعنی کجروی کی) اور اُس نے

بڑی زبردست پیشقدمی کی کہ جس سے ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں۔
اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازلی ہوتا تو حسب تصریح قرآن مراد (جس کا ارادہ کیا گیا ہے) بھی ازلی ہوتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون" (اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کا اس شخص کے قول کے صواب ہونے پر اجماع ہے جو "ما شاء اللہ کان" کہتا ہے۔ (یعنی جو اللہ نے چاہا وہ ہوا) مشیت بھی ارادہ ہی ہے۔
ہم کہتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے ارادہ کرتا ہے اور جو نہیں چاہتا ارادہ نہیں کرتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" (اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ دشواری کرنا نہیں چاہتا)۔ اور فرماتا ہے "اولئک الذین لم یرد اللہ ان یطھر قلوبھم" (یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن کے دلوں کے پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا)۔ "واذا اراد اللہ بقوم سوأ" (اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے)۔ اور فرماتا ہے "فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا" (اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور جس کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے اُس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے)۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اراد۔ یرید۔ لم یرد۔ ولا یرید" ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اُس کے لئے ارادہ ہے اور نہ یہ کہ وہ مرید (ارادہ کرنے والا) ہے۔ اس لئے کہ اس کے متعلق نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نص آئی۔ نہ اُس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ اور نہ یہ سلف رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے ماثور ہے۔

۱۳۵

اطلاق فاحش

یہ متاخرین کی ایک جماعت سے آیا ہے جن کا نام متکلمین ہے۔ اُن پر خوف اُن کے سلامت کی امید سے زیادہ قوی ہے۔ اسلام وتقوی واجتہاد خیر وعلم قرآن وحدیث میں اُن کا کوئی سچا قدم نہیں ہے۔ نہ اس میں کوئی سچا قدم ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور جس میں مسلمانوں کا اختلاف ہے۔ نہ اقوال صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین میں۔ نہ حدود وتعریفات کلام میں اور نہ حقائق ماہیات مخلوقات میں اور نہ ان کی کیفیات میں۔ وہ اُسی کی پیروی کرتے ہیں جو انھیں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بغیر اللہ عزوجل کی ہدایت کے ہلاکت کے مقامات میں گھس جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم" (اور اگر یہ لوگ اس (خبر خوف وامن) کو رسول کے اور جو ان میں سے صاحب بصیرت ہیں ان کے حوالے کرتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی تحقیق کر لیتے ہیں وہ اس کو جان لیتے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمادی کہ جس نے مختلف فیہ مسئلے کو کتاب وسنت واجماع علما وصحابہ تابعین اوران کے بعد ان کے راہ پر چلنے والوں کے حوالے نہ کیا تو اس نے اُسے نہ جانا جو اس نے اپنی رائے وقیاس سے دریافت کرلیا۔

بقصد اظہار وظہور حق ہم باہم بحث کو برا نہیں کہتے بلکہ یہ تو عمل صالح وخوب ہم ہے تو صرف توحید ونبوت کے برہان حس وبداہت عقل اور ایسے نتائج سے ثابت ہونے کے بعد جو مقدمات عقلیہ سے ثابت ہوں دین میں کسی ایسی پیشقدمی کو برا کہتے ہیں جو قرآن، وحدیث واجماع کے برہان سے ثابت نہ ہو۔ جب توحید ونبوت اسطور پر ثابت ہوگئی جو ہم نے بیان کیا تو ضرورت عقل اس کو واجب کرتی ہے کہ اُن تمام امور کو جو اللہ کے بھیجے ہوئے رسول نے ہمیں بتائے اور اللہ نے ہمیں اُس رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہم مانیں اور اس پر جھوٹے گمانوں اور غلط رایوں اور بیہودہ قیاسوں اور ہلاک کرنے والی تقلید سے اعتراض نہ کیا جائے۔

اگر کوئی معترض رہ کہے کہ ہمیں یہ کہنے سے کونسا امر مانع ہے کہ اللہ ازل سے اُس چیز کا مرید ہے جس کے ہونے کا اُس نے ارادہ کیا کہ وہ اُسے جب موجود کرے گا (موجود ہو جائے گی)۔

ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ اس سے اللہ تعالیٰ مانع ہے۔ اُس نے تصریحاً ہمیں خبر دی کہ جب وہ کسی شے کے ہونے کا ارادہ کرے گا تو وہ ہو جائے گی۔ اگر وہ ازل سے مرید ہوتا تو وہ شے بھی ازل سے ہوتی جس کا وہ ارادہ کرتا۔ اور یہ الحاد (کجروی) ہے۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم میں اور اُس میں جو تمہارے قول کا عکس کر دے کیا فرق ہے؟ وہ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ تا وقتیکہ پیدا نہ کیا وہ ازل سے پیدا کرنے کا مرید نہ تھا۔ اُس کا کوئی جواب نہ ہو سکے گا۔

اگر کوئی معترض یہ کہتا کہ خلق (پیدا کرنا) وہ ہے جس کے ہونے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارادہ کیا گیا ہے لہٰذا یہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہوئی۔ اور یہی مراد خود ارادہ ہے۔ اُس کا ارادہ بجز اس کے کچھ نہیں جو اُس نے پیدا کیا۔ تو ہم اس کا انکار نہ کرتے۔

ہم تو اُس کے قول کا انکار کرتے ہیں جو ارادے کو صفتِ ذات وازلی قرار دیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ایسی صفت سے موصوف کرتا ہے جس سے خود اُس نے اپنے آپ کو موصوف نہیں کیا۔

ہم اُس کے قول کا بھی انکار کرتے ہیں جو اس کو صفتِ فعل قرار دیتا ہے اور اس کو غیر خلق بتاتا ہے۔ اس لئے کہ اُسے لازم آئے گا کہ یہ ارادہ یا تو مراد مخلوق ہے یا غیر مراد و غیر مخلوق ہے۔ اگر وہ کہے کہ مراد مخلوق ہے تو اُس سے کہا جائے گا کہ آیا یہ مراد اس ارادے سے ہے جو اس مراد کا غیر ہے، اور مخلوق اُس خلق سے ہے جو اس مخلوق کا غیر ہے یا بغیر ارادہ و بغیر خلق کے ہے۔ اگر وہ کہے کہ یہ مراد بلا ارادہ ہے تو یہ ایسے محال کو لایا جس کو عقل باطل کرتی ہے اور اس کے متعلق کوئی نص بھی نہیں آئی جس کو ماننا ضروری ہوتا۔ اسی طرح اُس کا یہ کہنا بھی ہے کہ وہ مخلوق بغیر خلق ہے۔

اگر کہے کہ وہ مراد اُس ارادے سے ہے جو اس مراد کا غیر ہے اور مخلوق اُس خلق سے ہے جو اس مخلوق کا غیر ہے تو اسے ارادے کے ارادے اور اس (ارادے) کے خلق میں وہی لازم آئے گا جو الزام ہم نے اُسے ارادے اور اُس کے خلق میں دیا تھا اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا اور ایسے محدثات کے وجود کو واجب کرے گا جن کے عدد کی کوئی نہایت و حد نہو۔ یہی قول دہریہ کا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ضرورت عقل و نص سے باطل کر دیا ہے جیسا کہ ہم بتوفیق الٰہی اپنی کتاب کے شروع میں بیان کر چکے ہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ ارادہ مراد نہیں اور نہ مخلوق ہے تو وہ ایسے قول کو لایا جسے ضرورت عقل باطل کرتی ہے اس لئے کہ ارادہ غیر مراد کا قائل ہونا محال ہے جو نہ تو ہمارے درمیان میں بذریعۂ حس موجود ہے اور نہ دلیل سے کسی ایسی جگہ موجود ہے جو ہم سے غائب ہے۔ یہ محض ایک دعوے کا قائل ہونا ہے جو بداہتہً باطل ہے۔

اسی طرح اگر وہ کہے کہ وہ مُحدَث و غیر مخلوق ہے تو اُسے وہی لازم آے گا جو اُس شخص کو لازم آئیگا جو یہ کہے کہ عالم مُحدَث ہے جس کا کوئی مُحدِث نہیں۔ اور بتوفیق الٰہی براہین ضروریہ اس قول کا بطلان پہلے گذر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جواد و سخی نام رکھنا یا اُس کی یہ صفت بیان کرنا کہ اُس کے لئے جود و سخاء ہے تو یہ قطعاً جائز نہیں اگر اُن معتزلہ کو جنہوں نے اپنے ربّ کا جواد نام رکھنے میں پیشقدمی کی ہے لغت عرب کا یا حقیقت اسماء کا اور ان کے مسمیات پر واقع ہونے کا یا معانی اسماء و صفات کا علم ہوتا تو وہ ایسی بڑی بات کی طرف پیشقدمی نکرتے اور نہ وہ اُن کفار کی پیروی میں پڑتے جو اس کے قائل ہیں کہ اللہ کے مخلوق کو پیدا کرنے کی علت جود و کرم ہے۔ یہاں تک کہ انھیں اس قول نے اس میں ڈالا کہ عالم ازلی ہے۔ معتزلہ تو جہل کی وجہ سے معذور رہیں جو انھیں کفر سے دور رکھنے میں معین ہے اور انھیں ایمان سے نہیں نکالتا۔ مگر ایسا معین نہیں جو اُن سے ملامت کو بھی دور کر دے۔ اس لئے کہ انھیں علم حاصل کرنا ممکن اور گنجائش میں ہے۔ لیکن جسے اللہ تعالیٰ گمراہ رہنے دے اُس کا کوئی رہبر نہیں۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

دو وجوہ اس سے مانع ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کو اس نام سے نہ موسوم کیا نہ موصوف کیا۔ اور یہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ اللہ کی حدود سے آگے بڑھے۔ خاصکر اُن امور میں کہ جن میں سوائے نص کے اور کوئی دلیل نہ ہو۔

جود وسخا کے معنی

وجہ ثانی یہ ہے کہ جس لغت عرب میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خطاب فرمایا اور جس میں ہم لوگ باہم اپنی مراد کو سمجھتے ہیں اُس لغت میں جود وسخاء کے الفاظ جو حاجت سے زائد ہو اُس کے خرچ کر دینے پر واقع ہوتے ہیں۔ جود وسخاء سے صرف یہی معنی تعبیر کئے جاتے ہیں اور یہ معنی اللہ تعالیٰ سے بہت ہی بعید ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی شے کا محتاج نہیں کہ اُس کے لئے زائد ہو اور وہ اُسے خرچ کرے اور اس زائد کے خرچ کرنے کی وجہ سے اُس کا نام سخی وجواد رکھا جائے یا اُس کے خرچ کرنے کی وجہ سے اسے جود واسخاء سے موصوف کیا جائے۔ یا اُس کے روکنے کی وجہ سے وہ بخیل یا شحیح (لالچی) ہو یا بخل (وشُح (لالچ) کے ساتھ موصوف ہو۔

عالم میں جسقدر لوگ ہیں اُن میں سے وہ بھی اس امر میں اختلاف نکریں گے کہ ایک ایسا شخص ہے جس کے پاس شیریں پانی موجود ہے جس کی اُسے حاجت نہیں۔ ضرورت سے زائد بہت سا کھانا ہے جس کی اُسے کوئی حاجت نہیں۔ اُس نے ایک معمولی آدمی کو یا اپنے کسی غلام کو دیکھا کہ وہ بھوک اور پیاس سے مر رہا ہے۔ اُسے نہ پانی پلایا نہ کھانا کھلایا۔ تو یہ انتہا درجے کا بخیل وحریص وسنگدل اور ظالم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے بندوں کو اور اُن کے بچوں کو جن کا کوئی گناہ نہیں ہوتا دیکھتا ہے کہ وہ بھوکے پیاسے مر رہے ہیں۔ اُس کے پاس آسمانوں کے نہ ختم ہونے والے خزانے ہیں اور وہ ایک قطرہ پانی اور ایک لقمہ کھانے سے بھی ان پر رحم نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ لوگ اسی حالت میں مرجاتے ہیں۔ اس کے سبب سے اُسے بخل حرص

سنگدلی وظلم کے ساتھ موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ وہ ارحم الراحمین رحمٰن۔ رحیم۔ کریم اور ایسا ہے جو نہ ظلم کرتا ہے نہ ستم کرتا ہے جیسا کہ خود اُس نے اپنے متعلق بیان کیا ہے۔

صفات کے بارے میں اُن کا وہ قیاس فاسد و باطل ہو گیا جو اُنھوں نے اپنے سے غائب کا اپنے پاس موجود و حاضر پر کیا تھا۔ ان صفات میں سے کسی کے ساتھ اللہ کا موصوف کرنا باطل ہو گیا کسی کو اس کا حق نہیں کہ وہ اسمائے لغویہ کو ان کے اُس مقام سے پھیرے جو لغت میں اُن کے لئے ہے سوائے اس کے کہ ان کے پھیرنے کے متعلق کوئی نص آئے تو اس وقت اُسے مانا جائے گا۔ جو شخص اس حکم کو متعدی کرے گا وہ آپس میں تمام سبھنے سمجھانے کو باطل کرے گا۔ بیشک وہ تمام حقائق کو باطل کر دے گا۔ سوائے اس کے کہ اس سے تو کوئی بھی عاجز نہیں کہ باطل کا نام حق رکھدے اور حق کا نام باطل اور تمام اسماء کو ان کے مقامات سے بدلدے۔ یہ شرائع و معقول سے باہر ہونا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اکریم ہے جیسا کہ خود اُس نے فرمایا۔ ہم سے یہ بھی بعید نہیں کہ ہم اس طرح اُسے نام ذکر یں کہ از روئے کرم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ کریم ہے. ہم اس کے اطلاق کو اچھا سمجھتے ہیں اور اسی کو ہم فضل بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "ذلك فضل الله" (یہ اللہ کا فضل و کرم ہے) اور اس پر نص ہے کہ اللہ کے لئے کرم ہے۔ انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں برابر لوگوں کو ڈالا جاتا رہے گا اور وہ کہتی رہے گی کہ کچھ اور ہے، یہاں تک کہ رب العلمین اپنا قدم (یعنی ایک نئی جماعت) اُس میں رکھدے گا اور وہ کہے گی کہ بس بس تیرے عزت و کرم کے طفیل میں۔

جمع اندر پریشانے چند

لوگ چند اشیاء کے سوال میں پریشان ہیں جن کو اُنھوں نے بیان کیا ہے اور دریافت کیا ہے کہ آیا اللہ تعالے

ان پر قادر ہے یا نہیں۔ اور اس کے جواب میں بھی پریشان ہیں۔

ازالۂ اضطراب ہم اللہ کی مدد و قوت سے اس کے متعلق سوال کی تحقیق کی وجہ اور اس میں جواب کی تحقیق بیان کریں گے جس میں غلطی کی آمیزش نہ ہوگی۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۱۳۷

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ جب سوال کی ایسے لفظ سے تحقیق کیجائے کہ خود سائل اس سے اپنی مراد سمجھے اور مسئول (یعنی جس سے سوال کیا جائے) اُس سے سائل کی مراد سمجھے تو وہ سوال صحیح ہے۔ اُس کا جواب لازم ہے۔ جو اس کا یہ جواب دے کہ یہ سوال فاسد ہے اور یہ محال ہے تو وہ خود جواب سے جاہل۔ عاجز اور اُس سے جان چرانے والا ہے۔ جو سوال ایسا ہو کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو فاسد کرتا ہو یا اُس کا آخر اُس کے اول کی مخالفت کرتا ہو تو یہ سوال فاسد ہے جس کی ابتک تحقیق نہیں کی گئی۔ جس شے کے سوال کی تحقیق نہ کی جائے اُس کے متعلق سوال بھی نہیں کیا جا سکتا اور جس سے سوال نہیں کیا جا سکتا تو اسی کی طرح اُس کا جواب بھی لازم نہیں۔ بس یہ دو قضیے ہیں جو اس معنی میں کافی و جامع ہیں جن سے اس معنی کی کوئی شے نہیں چھوٹتی۔ سوائے اس کے ایسا جواب ضروری ہے جو اُس کے حوالے کے بیان کے ساتھ ہو۔ جو نہ اُس کے حق ماننے پر مبنی ہو نہ اُس کی شکل تصور کرنے پر اور نہ اُس کا وہم کرنے پر۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم اس باب کے متعلق سوال کی اللہ کی مدد و قوت سے ایک ایسی جامع تعریف بیان کرتے ہیں جس سے انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلے میں اشکال (اعتراض) اُٹھ جائے گا۔

بتوفیق و تائید الٰہی ہم کہتے ہیں کہ اس باب میں وہ شے جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے اگر یہ ہو کہ سائل نے صرف یہ دریافت کیا ہو کہ کسی فعل ابتدائی کے وجود میں لانے پر یا اُس کے معدوم کرنے پر قدرت ہے یا نہیں ہے۔ جس شے کے متعلق سوال کیا گیا ہے اس پر قدرت ہے اور وہ مقدور سے بعید نہیں ہے۔ اور سوال صحیح ہے اور اُس کا جواب بھی "ہاں" میں ہے۔ اگر وہ شے جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے اُس کی کوئی ابتدا نہیں ہے تو اُس کی تغیر

یا وجود میں لانے یا معدوم کرنے کے متعلق سوال ہی فاسد ہے۔ اُس کے دریافت کرنے والا کو اپنے سوال کے معنی کا سمجھنا اور اپنے سوال کی تحقیق ہی ممکن نہیں۔ جو اس طرح ہو تو اُس کا جواب نہ تو اُس کی تحقیق کی بناء پر لازم ہے نہ اس کے تشکل کی بناء پر۔ اس لئے کہ جواب جو تشکل کے متعلق ہوتا ہے وہ سوال ہی کے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہاں قطعاً سوال ہی نہیں ہے۔

محال کیا ہے؟

ہم بتائید الٰہی کہتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ اللہ کی مدد و قوت سے یہ بیان کردیں کہ محال کیا ہے اور یہ لفظ کس معنی پر واقع ہوتا ہے اور وہ کیا چیز ہے جس کو اس لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو شخص کوئی شے قائم کرے اور خود اُس کے معنی کی تحقیق سے ناواقف ہو تو وہ خود جہل کی تاریکیوں میں ہے۔

محال کی قسمیں

ہم بتائید الٰہی کہتے ہیں کہ محال کی صرف چار قسمیں ہیں اس کی کوئی پانچویں قسم نہیں ہے۔

اول محال بالاضافۃ ہے۔

دوم محال فی الوجود ہے۔

سوم وہ محال ہے جو ہمارے آپس میں ہمارے نزدیک عقل کی بنیاد میں ہے۔

چہارم محال مطلق ہے۔

محال بالاضافۃ تو اس طرح کا ہے کہ تین سال کے بچے کے ڈاڑھی نکلنا اور اُس کا کسی عورت کو حاملہ کر دینا۔ کسی کند ذہن احمق کا منطق کے دقیق مسائل میں کلام کرنا اور اُس کا اعلیٰ درجے کا شعر کہنا۔ اور اسی قسم کے امور۔ عالم میں یہ معانی اُن لوگوں سے پائے جاتے ہیں جن سے یہ ممکن ہیں اور اور دوسروں سے ناممکن ہیں۔

محال فی الوجود اس طرح ہے جیسے جماد (پتھر) کا حیوان بنجانا اور ایک حیوان کا جماد بن جانا یا کوئی اور حیوان بن جانا۔ مثلاً پتھر کا بولنا اور اجسام کا بنانا وغیرہ۔ ان میں سے کوئی بھی ہمارے نزدیک ممکن نہیں اور نہ موجود ہے۔ لیکن عقل میں اس کا

توہم ہے اور دل میں تشکل بھی ہے کہ اگر ہوتا تو کیسا ہوتا۔ انھیں دونوں قسموں میں انبیاء علیہم السلام اپنے معجزات لاتے ہیں جو ان کے صدق نبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

وہ محال جو ہمارے یہاں بنیاد عقل میں ہے وہ اس طرح کا ہے مثلاً ایک ہی وقت اور ایک ہی مرتبے میں انسان کا کھڑا ہونا اور بیٹھنا۔ اور مثلاً کسی سائل کا یہ دریافت کرنا کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ آدمی کو ساتھ ہی ساتھ قاعد غیر قاعد (بیٹھنے والا نہ بیٹھنے والا) کر دے اور وہ تمام امور جن کا عقل میں تشکل نہیں ہوتا۔ جن میں تاثیر واقع ہوتی ہے کہ اگر وہ غیر باری تعالیٰ سے ممکن بھی ہوں۔

یہ تینوں وجوہ وہ ہیں کہ جو شخص ان کے متعلق یہ دریافت کرے کہ اللہ تعالیٰ ان پر قادر ہے تو یہ سوال صحیح ہے۔ سمجھ میں آتا ہے۔ اس کی وجہ بھی معلوم ہے۔ اس کا جواب "ہاں" میں لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر قادر ہے۔ سوائے اس کے کہ جو محال ہمارے درمیان بنیاد عقل میں ہے وہ قطعاً اس عالم میں نہیں ہو سکتا نہ کسی نبی کے معجزے کے طور پر اور نہ کسی اور طور پر۔ یہ دل میں بدیہی طور پر واقع ہے۔ اور یہ بعید بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی دوسرے عالم میں یہ کرتا ہو۔

محال مطلق ہر وہ سوال ہے جس سے ذات باری میں تغییر لازم آتی ہو۔ یہی وہ محال بعینہ وبذاتہ ہے جس کا بعض حصہ بعض کے خلاف اور اس کا اول حصہ آخر حصے کو فاسد کرتا ہے۔ یہ قسم ازل سے اللہ کے علم میں محال ہے اور اس کا سمجھنا بھی کسی کے لئے ممکن نہیں۔ جو اس قسم کا ہو وہ سوال ہی نہیں اور نہ سائل نے قطعاً کسی معنی کا سوال کیا ہے۔ جب اس نے سوال ہی نہیں کیا تو وہ اس کی تحقیق یا توہم کے طور پر اس کے جواب کو نہیں چاہتا لیکن یہ۔ ہاں۔ نہیں۔ کا جواب چاہتا ہے۔ کہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کو اس عدم قدرت کے وصف کی طرف منسوب نکر دے جو کسی وجہ سے عجز ہے۔ اگرچہ ہم بضرورت عقل

۱۴ اس کو یقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نہ اس کو کبھی کیا اور نہ ہرگز کبھی کرے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نفس پر یا اپنے جہل پر یا اپنے عجز پر یا اپنا مثل پیدا کرنے پر یا ایسی چیز پیدا کرنے پر جس کا اول نہ ہو قادر ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن میں کا بعض حصہ بعض کو فاسد کرتا ہے اور جو پاگلوں اور مجنونوں اور ان لوگوں کے کلام کے مشابہ ہے جو سمجھ میں نہ آئے۔ یہ وہ قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عقل کے پیدا کرنے سے پہلے اور اس کے پیدا کر لینے کے بعد ہمیشہ سے ازل سے محال ممتنع اور باطل جانتا ہے۔

محال فی العقل وہ تیسری قسم ہے جسے ہم نے پہلے بیان کیا ہے کیونکہ عقل مخلوق و حادث ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نہ ہونے کے بعد پیدا کیا۔ وہ قوائے نفس میں سے ایک قوت ہے جو عرض ہے جو نفس میں محمول ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ جن مراتب پر وہ ہے انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار و مرضی سے پیدا کیا ہے۔ ہم بضرورت عقل جانتے ہیں کہ جو کوئی ایسا چیز ایجاد کرے گا جو کبھی نہ تھی کسی گذشتہ مثال پر بھی نہ ہو اور نہ کسی ایسی ضرورت سے ہو جس نے اس پر اس کا ایجاد کرنا ضروری کر دیا ہو۔ محض اس نے اپنے اختیار و مرضی سے اسے کر دیا۔ تو وہ اس کی ایجاد کے ترک پر بھی قادر ہے۔ اس کی جیسی دوسری چیز کے ایجاد پر بھی قادر ہے اور اس کے خلاف چیز کی ایجاد پر بھی قادر ہے۔ ان میں سے بعض پر اس کے قادر ہونے میں اور اس کے ان میں سے تمام پر قادر ہونے میں کوئی فرق نہیں۔

جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے صرف عقل میں محال پیدا کیا ہے تو وہ صرف اسی وقت سے محال تھی جب سے اللہ تعالیٰ نے اسے محال بنایا اور جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے صورت عقل پیدا کی نہ کہ اس کے قبل سے اگر اللہ تعالےٰ چاہتا کہ اسے محال نہ بنائے تو وہ محال نہ ہوتی۔

اسی طرح جو شخص یہ سوال کرے کہ آیا اللہ تعالیٰ ایک ہی وقت میں

ساتھ ہی ساتھ کسی شے کے موجود ومعدوم کرنے پر قادر ہے یا کسی ایک جسم کے دو مکانوں میں یا دو جسموں کے ایک مکان میں کر دینے پر قادر ہے؟ اور اسی طرح کے امور پر قادر ہے؟ یہ سوال صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ ان سب پر قادر ہے اگر وہ چاہتا کہ اس کو پیدا کرے تو وہ ضرور اس کو پیدا کرتا رہاں وہ ہے جو ہم لوگ اپنے خوابوں میں دیکھتے ہیں کہ بلاشک حالت بیداری میں محال و ناممکن ہے۔ حالانکہ ہم اس کو خواب میں ممکن ومحسوس دیکھتے ہیں جو دل کی آنکھ سے دکھائی دیتی اور اسی کے کان سے سنائی دیتی ہے۔ لامحالہ ہر صاحب حس جانتا ہے کہ جس نے خواب میں محال کو ممکن بنا دیا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اسے بیداری میں بھی ممکن بنا دے۔

اسی طرح جو یہ سوال کرے کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ بیٹا بنائے۔ تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی تصریح فرمائی ہے "لو اراد اللہ ان یتخذ ولداً لاصطفی مما یخلق ما یشاء" (اگر اللہ چاہتا کہ بیٹا بنائے تو وہ جن کو پیدا کرتا تھا ان میں سے جسے چاہتا انتخاب کر لیتا) اور اسی طرح فرمایا ہے "لو اردنا ان نتخذ لھوا لاتخذناہ من لدنا ان کنا فاعلین" (اگر ہم چاہتے کہ فضول بات اختیار کریں تو ہم اپنے پاس سے اختیار کر لیتے اگر ہم کرنے والے ہوتے)

جس نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے اور اس نے اپنے قول کو اچھا جانا کہ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کو ان امور کی قدرت کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا تو اس نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ قادر نہیں ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں کوئی درمیانی درجہ نہیں ہے کہ کسی کو کسی شے کی قدرت کے ساتھ موصوف کیا جائے پھر اسے دوسری شے کے بارے میں اس طرح موصوف کیا جائے کہ وہ اس پر قادر نہیں۔ جب یہ ضروری ہوگیا کہ وہ قادر نہیں تو ثابت ہوگیا کہ لامحالہ وہ اس شے سے عاجز ہے جس پر وہ قادر نہیں ہے۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو عجز کے ساتھ موصوف کیا

اُس نے کفر کیا۔ نیز جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کو محال پر قادر ہونے کیساتھ موصوف نہ کیا جائے گا۔ تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو متناہی کر دیا اور اُس نے اللہ تعالیٰ کی قوت کو منقطع و محدود کر دیا۔ اس سے بدیہی طور پر یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی قوت محدود ہے اور عرض ہے اور اللہ تعالیٰ جو فاعل ہے تو وہ اُس طبیعت کی وجہ سے ہے جو اُس کے اندر ہے اور محدود ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا محدود کرنا اور اُس کے ساتھ محض کفر ہے اور اُسے مخلوقات میں داخل کرنا ہے۔

معدوم ومحال پر قدرت کے معنی

ہمارے اس قول کے معنی کہ اللہ تعالیٰ معدوم و محال پر قادر ہے وہی ہیں جو ہم انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

وہ یہ ہے کہ سائل کا سوال محال و معدوم کے متعلق بلاشک سوال ہے جو موجود ہے جو سننے اور بولنے میں آتا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس لفظ کے لئے معنی پیدا کر دے اور ایجاد کر دے۔ یہ معقول اور صحیح جواب ہے۔ اور یہی ہمارا قول ہے۔ اور صرف یہی قول ہے۔ اور ایک قول ہے جو اسواری (شیخ معتزلہ) کے خلاف ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء پر قادر نہیں جو اس کے علاوہ ہیں جن کے متعلق معلوم ہے کہ وہ کرے گا۔ مگر جو ہمارا اور اسواری کا مخالف ہے تو اُسے بھی لامحالہ ہمارے ہی قول کی طرف رجوع کرنا پڑے گا یا اسواری کے قول میں داخل ہونا پڑے گا اگرچہ وہ غلط ہی کہے۔ اس لئے کہ جب اُس نے اللہ تعالیٰ کو کسی ایسی شے پر قادر ہونے کے ساتھ موصوف کیا جو اُس نے نہیں کی مثلاً مریض کا صحت دینا۔ یا کسی شے کا پیدا کرنا۔ یا کسی ساکن چیز کا متحرک کرنا تو اُس نے اُسے اپنے علم کے بدلنے اور اپنے حکم کی تکذیب کرنے کی قدرت کے ساتھ موصوف کر دیا۔ اور یہ محال ہے۔ لہٰذا لامحالہ وہ ہمارے قول کا یا اسواری کے قول کا قائل ہو گیا۔

وہ سوال جو اُس کی ذات کے بارے میں کلام کرنے تک

۱۳۹

پہنچا دے تو ہم کہیں گے کہ جس چیز کو سائل نے دریافت کیا ہے ہم کسی شے کو مستثنیٰ نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ اُس سے عاجز نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ بعض سوالات ایسے ہوتے ہیں کہ نہ ان کا سننا جائز ہے۔ نہ ان کا زبان پر لانا۔ نہ وہاں پر بیٹھنا جائز ہے جہاں وہ بیان کئے جاتے ہوں۔ وہ تمام ایسے سوالات ہیں جن میں باری تعالیٰ کے ساتھ کفر ہو۔ اُس کی توہین ہو۔ یا اُس کے کسی نبی کی توہین ہو۔ یا اس کے کسی فرشتے کی توہین ہو۔ یا اُس کی کسی آیت کی توہین ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا ویستھزأ بھا فلا تقعدوا معھم حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذاً مثلھم (جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر اور ان کے ساتھ تمسخر کیا جاتا ہے تو تم ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو تاوقتیکہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہوں۔ کیونکہ تم بھی اس وقت انھیں کے مثل ہوگے) اور فرماتا ہے " قل اباللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستھزؤن لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم" (آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم لوگ اللہ اور اُس کی آیات اور اُس کے رسول کے ساتھ تمسخر کیا کرتے تھے۔ معذرت نہ کرو۔ تم نے تو اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔

تبدیل شکل

اگر کوئی سائل ہم سے یہ سوال کرے کہ آیا اللہ اس پر قادر ہے کہ اس کافر کی شکل بگاڑ کر بندر اور کتے کی صورت بنا دے تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اگر وہ یہ چاہے کہ ہم سے یہی سوال اُن لوگوں کے بارے میں کرے جن کی تعظیم ہم پر لازم ہے۔ مثلاً فرشتے یا نبی یا صحابی یا اور کوئی بزرگ مسلم کے تو ہمیں اس کا سننا بھی جائز نہیں۔ لیکن ہم اسے ایسا جواب دیں گے جو کافی ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں پر قادر ہے جن کے متعلق سوال کیا جاتا ہے۔ ہم کسی شے کو مستثنیٰ نہیں کرتے جو اس کافی جواب کے بعد بھی اڑا رہے تو اس کی غرض محض بدگوئی اور ملمع کاری ہے۔ یہ دونوں باتیں مناظرے سے

عاجز ہونے اور لاجواب ہونے کے دلائل میں سے ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔
اس باب میں لوگوں کی مختلف اقسام ہیں۔ مگر اس کی بنیاد اس شخص کا قول ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو وہ کرے گا اس کے خلاف پر قادر ہونے کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا۔ یہی قول ہے جو اسواری کے خلاف ہے جو معتزلہ کے مشایخ میں سے ہے۔ تمھیں جاننا چاہیئے کہ جو شخص اس سے روکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ محال پر قادر ہے یا اس شے پر قادر ہے جس کے متعلق سائل سوال کرتا ہے تو لامحالہ اُسے یا تو اس قول کی طرف رجوع کرنا ہوگا یا اس کے قول کا تناقض واختلاف وفساد ظاہر ہو گا۔ اور وہ ایک ایسے خالص محال کی طرف چلا جائے گا جس سے وہ اپنے گمان کے مطابق بھاگا تھا۔ جیسا کہ ہم اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔
ایک اور گروہ نے بھی اسی قول کے معنی کے مطابق کہا ہے۔ سوائے اس کے کہ اُس نے اسواری کی عبارت کو برا سمجھا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔ لیکن اگر کوئی سائل ہم سے سوال کرے اور کہے کہ آیا اللہ تعالیٰ فلاں امر پر قادر ہے۔ باوجودیکہ وہ پہلے سے جانتا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر قادر ہونے کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا۔
اس میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے کہ انھوں نے ایک ہی شے پر اُس کی قدرت کو واجب بھی کیا اور معدوم بھی کر دیا۔ اور یہ کھلم کھلا باطل ہے۔
ایک گروہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے جو اس نے نہیں کیا۔ سوائے اس کے کہ اُسے اُس سے زیادہ بہتر پر قادر ہونے کے ساتھ موصوف نہ کیا جائے گا جو اس نے اپنے بندوں کے ساتھ کیا ہے۔ یہ قول جمہور معتزلہ کا ہے۔
ایک گروہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس پر بھی قادر ہے جو اُس نے نہیں کیا۔ سوائے اس کے کہ وہ ظلم وجور اور اپنا بیٹا بنانے پر اور کسی

کذاب کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کرنے پر اور کسی امر محال پر توحید کے منسوخ کرنے پر قادر نہو گا۔ یہ قول نظام اور ان کے ساتھیوں کا اور اشعریہ کا ہے اگرچہ ان لوگوں میں ماہیت ظلم میں اختلاف ہے۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے جو اس نے نہیں کیا اور جور و ظلم و کذب پر بھی قادر ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ محال پر قادر نہیں مثل اس کے کہ وہ شے کو ساتھ ہی ساتھ معدوم و موجود کر دے۔ اور ساتھ ہی ساتھ قائم و قاعد کر دے (یعنی کھڑا ہوا اور بیٹھا ہوا) یا ساتھ ہی ساتھ دو مکانوں میں کر دے۔ یہ قول بلخی کا اور معتزلہ کے کئی گروہوں کا ہے۔

۴۰

وہ قول جس پر تمام اہل اسلام اور صحابہ اور اُن کے بعد کے حضرات ہیں جو ان گمراہیوں کے پیدا ہونے کے اور اس بد ترین پیشقدمی کے پہلے کا ہے جو اگر اُس شخص کی گمراہی نہوتا جو اس سے گمراہ ہوا تو ہماری زبانیں اُسے بیان نکرتیں اور نہ ہمارے ہاتھ اس کی کتابت میں ہماری مدد کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو گمراہوں کی گمراہی کی حکایت بیان کی ہے ہم بھی اُسی کی نقل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (کفار نے یہ یہ کہا کہ) مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ اللہ فقیر ہے اور ہم لوگ غنی ہیں۔ اور جبکہ انسان سے کہا کہ کفر کر۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ لوگ آپس میں سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہیں گے کہ اسی اللہ نے خلق کو پیدا کیا پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا۔

اہل اسلام کے عام و خاص کا مذکورۂ بالا گمراہیوں کے پہلے سے یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے اُس کا کرنے والا اور ہر شے پر قادر ہے۔ اسی کو قرآن لایا ہے۔ جس شے کو بھی دریافت کیا جائے اگرچہ وہ محال کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ سمجھ میں آئے یا نہ آئے اللہ اس پر قادر ہے۔

حدودِ قدرت | ان میں سے بعض نے مجھ سے کہا کہ قرآن تو صرف

یہی بات لایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ہم لوگ اس کا انکار نہیں کرتے۔ ہم تو محض اس سے روکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان امور کی قدرت کے ساتھ موصوف کیا جائے جو وہ نہ چاہے اور ان امور کی قدرت کے ساتھ کہ جو کچھ بھی نہیں۔

میں نے اسے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "یرزق من یشاء ویقدر" (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور قادر ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے عام رکھا ہے۔ خاص نہیں کیا ہے۔ لہذا یہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ اس کی قدرت کی تخصیص کر دے۔ وہی فرماتا ہے "قل ان اللہ قادر علی ان ینزل آیۃ" (آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نشانی (آیت) نازل کرنے پر قادر ہے) اور فرماتا ہے" ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین" (اور اگر ہمارے اوپر کوئی بات یہی بنا لیتے تو ہم آپ کو داہنے ہاتھ سے پکڑتے پھر ہم آپ کی رگِ گردن کاٹ دیتے)۔ اور فرماتا ہے "انا لقادرون علی ان نبدل امثالکم وننشئکم فیما لا تعلمون (بیشک ہم اس پر قادر ہیں کہ ہم تمھارے جلیسوں کو بدل دیں اور تمھیں ان لوگوں میں پیدا کریں جنھیں تم لوگ نہیں جانتے)۔ اور فرماتا ہے" ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتہم سقفا من فضۃ ومعارج علیہا یظہرون (اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ لوگ ایک امت ہو جائیں گے تو ہم اُن لوگوں کے لئے جو رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں اُن کے گھروں کی چھت اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتے جن پر چڑھ کر یہ لوگ ظاہر ہوتے)۔ اور فرماتا ہے" اولیس الذی خلق السموات والارض بقادر علی ان یخلق مثلہم بلیٰ" (کیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں کے مثل پیدا کر سکے۔ ہاں۔ بیشک قادر ہے)۔ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کی طرف سے فرماتا ہے کہ انھوں نے کہا کہ "استغفروا

ربکم انه کان غفارا۔ یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال وبنین و یجعل لکم جنات ویجعل لکم انھارا" (اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو۔ بیشک وہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے۔ تمہارے اوپر آسمان کو برسنے والا بنا کر بھیجے گا اور مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بنا دے گا)۔ باوجود اللہ تعالیٰ کے یہ فرمانے کے کہ "انہ لن یومن من قومك الا من قد آمن" (اے نوحؑ بیشک تمہاری قوم میں سے ہرگز کوئی ایمان نہ لائے گا سوائے اس کے کہ جو ایمان لا چکے ہیں)۔ اور فرماتا ہے "قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم" (آپ کہدیجئے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے)۔ اور فرماتا ہے "عسی ربه ان طلقکن ان یبدله ازواجا خیرا منکن" (اے ازواج مطہرات اگر نبی تمھیں طلاق دیں تو قریب ہے کہ اُن کا رب بدلے میں اُنھیں ایسی ازواج دیدے جو تم سے بہتر ہوں گی)

یہ سب اس امر پر نص و تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف کرنے پر بھی قادر ہے جو اُس کے علم میں پہلے سے موجود ہے مثلاً اُس شخص کو ہدایت ہونا جس کو وہ جانتا ہے کہ اُسے ہدایت نکرے گا۔ اُس پر عذاب کرنا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ اُس پر کبھی عذاب نکرے گا۔ ازواج کا بدلنا جن کو وہ جانتا ہے کہ کبھی نہ بدلے گا۔ یہ سب اُس کی قدرت پر نص ہے جو اُس کے علم ازلی کے ابطال کی بناء پر ہے اور اُس کے اُس قول کی تکذیب کی بناء پر ہے جو کبھی جھوٹ نہیں ہے۔ اس قسم کا مضمون قرآن میں بہت ہے۔

اُس سے زیادہ عجیب قول کس کا ہو گا اور اُس سے زیادہ کامل گمراہ کون ہو گا جو اپنے قول کی وجہ سے اس امر کو واجب کرے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کہا اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کذب پر غیر قادر ہے۔

باوجود اللہ تعالیٰ کے فرمانے کے کہ "عند ملیك مقتدر" (ایک قدرت والے بادشاہ کے پاس)۔ اور فرماتا ہے "هو العليم القدير" (وہ جاننے والا قدرت والا ہے) اور فرماتا ہے۔ "وكان الله عليما قديرا" (اور اللہ علم والا قدرت والا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے قدرت کا اطلاق کیا اور عام کیا۔ خاص نہیں کیا۔ لہٰذا کسی وجہ سے بھی اُس کی قدرت کی تخصیص کسی کے لئے جائز نہیں۔

ظلم وکذب ومحال پر قدرت

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ پھر تمہیں اس سے کیا چیز مطمئن کرے گی کہ جب وہ ظلم وکذب ومحال پر قادر ہے تو ہوسکتا ہے کہ اُس نے یہ کیا ہو (یعنی جھوٹ) یا شاید آیندہ کرے (یعنی ظلم)۔ تو تمام حقائق (سزا وجزاء وغیرہ) باطل ہوجائیں گے اور کوئی چیز صحیح نہ رہے گی۔ جو کچھ اُس نے ہمیں بتایا ہے سب جھوٹ ہوکے رہ جائے گا۔

مسئلہ کی تحقیق

ہمارا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس سے جس چیز نے مطمئن کیا ہے وہ اُس معرفت کی بداہت وضرورت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفوس (دلوں) میں رکھدی ہے جو ہماری اس معرفت کی طرح ہے کہ تین دو سے زائد ہوتے ہیں۔ صاحب تمیز صاحب تمیز ہی ہے۔ اور احمق احمق ہی ہے۔ کھجور کے درخت میں زیتون نہیں پیدا ہوتا۔ گدھی اونٹ سے حاملہ نہیں ہوتی۔ خچر علم نحو وشعر اور اُن تمام چیزوں کے متعلق جن کا علم دلوں میں جاگزین ہوتا ہے کلام نہیں کرسکتا۔ ورنہ یہ لوگ ہمیں بتائیں کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اُس سے کس چیز نے انھیں مطمئن کیا۔ شاید یہ ہوچکا ہو یا آئندہ ہوجائے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔

جب اُن تمام مذاہب کے لوگوں کا جو اللہ کو مانتے ہیں اس پر اتفاق ثابت ہوچکا کہ کہ اس عالم کی بنیاد میں نہیں ہے کہ محال مذکور کا اس میں وجود ہوسکے۔ اس کے ساتھ ہی اکثر ہمارے مخالفین اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سب پر قادر ہے لیکن وہ اسے کرے گا نہیں۔ لہٰذا جس چیز نے انھیں اس کا اطمینان دلایا کہ اللہ تعالیٰ اُسے کرے گا اسی نے

۱۴۱

ہمیں اس کا اطمینان دلایا کہ ہم اُس میں کلام کریں گے جو انھوں نے ہم سے کہا ہے کہ اللہ نے کیا ہو یا آئندہ کرے۔ اور کوئی فرق نہیں۔

یہ عالم ایسا ہے کہ اس کی بنیاد میں محال مذکور کا امکان نہیں اور اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا اور نہ جھوٹ کہتا ہے۔ واجب کرنے والی ضرورت سے ہم جانتے ہیں کہ عالم حادث ہے۔ اور اُس کا کوئی صانع ہے جو ازلی ہے اور کوئی اس کے مشابہ نہیں ہے۔ جو معجزات انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور یہ معجزات ان کی تصدیق کو واجب کرنے والے ہیں۔ اُنھوں نے ہمیں خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نہ جھوٹ کہتا ہے نہ ظلم کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ "قد تمت کلمات ربك صدقا وعدلا لا مبدل لکلماته" (آپ کے پروردگار کے کلمات صدق وعدل کے اعتبار سے مکمل ہیں۔ اُس کے کلمات کا کوئی بدلنے والا نہیں) اللہ تعالیٰ قادر ہے اور ہر وہ شے جس پر وہ قادر ہے اُسے کرے گا نہیں۔ اگر اس سوال کا سوال کرنے والا دین اسلام یا دین نصاریٰ یا یہود یا مجوس یا صائبین یا براہمہ کا پابند ہے یا ہر وہ شخص جس کا مذہب یہ ہے کہ اللہ حق وموجود ہے تو یہ سب لوگ اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ جھوٹ کہتا ہے نہ ظلم کرتا ہے ہر وہ شخص جو خالق کی نفی کرتا ہے۔ ان میں بھی کوئی یہ نہیں کہتا کہ وہ ظلم کرتا ہے یا جھوٹ کہتا ہے۔ لہٰذا قدیم وجدید تمام باشندگان روئے زمین کا جن میں سے ہم کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتے اس پر اتفاق ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نہ ظلم کرتا ہے نہ جھوٹ کہتا ہے۔ اور وہ لوگ اس کے ماننے پر مجبور نہ ہوتے تو اُن میں کوئی تو پایا جاتا خواہ وہ ایک ہی ہوتا جو اس کے خلاف کا قائل ہوتا۔ یہ محال ہے کہ ان تمام سب کی طبائع اس پر بغیر اس ضرورت کے متفق ہو جائیں جو اللہ عزوجل نے ان کے دلوں میں رکھدی ہے جو بالکل اسی طرح ہے جس طرح اس چیز کی معرفت ضروری ہے جس کو یہ اپنے حواس سے ادراک کرتے ہیں اور عقل کے سمجھنے سے جانتے ہیں جو یہ سوال کرتا ہے ہم اس سے کہتے ہیں کہ آیا یہ ممکن ہے کہ لوگوں میں

کوئی ایسا انسان ہو کہ وہ وسوسہ کرے یا اُس سے جھوٹے گمان وہم میں ڈالیں اور تخیل فاسد اور اپنی ہوس سے وہ یہ سمجھے کہ اشیاء اُس شکل کے خلاف ہیں جس پر کہ وہ ہیں۔ لوگ بھی اُس کے خلاف ہیں جس پر کہ وہ ہیں۔ وہ اپنے اس گمان فاسد کو اپنے نزدیک حق سمجھے اور اس میں کوئی شک نکرے۔ یا یہ ناممکن ہے کہ عالم میں ایسا کوئی شخص ہو۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ناممکن کہ ہے کہ عالم میں کوئی ایسا ہو تو وہ خالص محال کو لائے اور انھوں نے عقل کی مخالفت کی۔

اور اگر کہیں کہ ہاں ممکن ہے۔ لوگوں میں ایسے بہت ہیں جن کی یہ صفت ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ تمھیں کون امر اطمینان دلاتا ہے کہ تم اس صفت کے نہیں ہو۔

ان میں سے جو اللہ تعالی پر ایمان رکھتا ہے ہم اُس سے کہتے ہیں کہ آیا اللہ تعالی اس پر قادر ہے کہ وہ تمھارے حواس کو بدلدے جیسا وہ اُس صاحب صفراء کے ساتھ کرتا ہے جس کو شہد ایسا تلخ محسوس ہوتا ہے جیسے ایلوہ اور جیسا وہ اُس شخص کے ساتھ کرتا ہے جس کی آنکھوں میں پانی اتر رہا ہو وہ ایسی خیالی چیزیں دیکھتا ہے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ جیسے وہ شخص جس کے کان میں کوئی مرض ہو تو وہ باریک آواز سنتا رہتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی یا قادر نہیں ہے۔ پھر اگر کہیں کہ قادر ہے تو اُس سے کہا جائے گا کہ تجھے کس نے اطمینان دلایا کہ تو اس صفت کا نہیں ہے۔ اگر وہ کہے کہ جو لوگ میرے پاس موجود ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہیں اس صفت کا نہیں ہوں۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ اسی طرح یہ وسوسہ کرنے والا بھی گمان کرتا ہے اور کوئی فرق نہیں کیونکہ اُسے یہ کہنا ضروری ہے کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ میں یقیناً بلاشک وشبہہ اس صفت کے خلاف ہوں۔ تو ہم اُس سے بالکل اسی کے مساوی کہیں گے کہ ہم بھی اس سے مطمئن ہیں کہ اللہ تعالی ظلم کرے یا جھوٹ کہے یا غیر نبی کے لئے ماہیت کی طبیعت کو بدلے یا محال کو کرے باوجود اس کے وہ اس پر قادر ہے۔ اور کوئی فرق نہیں۔

سوائے اُس کے جو اسواری کے مطابق کہتا ہے ان تمام فرقوں سے کہا جائے گا کہ آیا تم اسواری کو برا جانتے ہو۔ اس لئے کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ وصف بیان کیا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کر دیا وہ اُس کے خلاف پر قادر نہیں تو اس نے اللہ تعالیٰ کو عجز کے ساتھ موصوف کر دیا۔ اس کا جواب "ہاں" ضروری ہے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ خود یہی امر تمھارے اس قول میں بھی تمھارے لئے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم و کذب و محال پر اور اپنی ذات پر قادر نہیں ہے یا اُس سے زیادہ بہتر پر قادر نہیں جو اس نے اپنے بندوں کے لئے کر دیا۔ وہ لوگ اس اعتراض سے بچ نہیں سکتے۔ اگر وہ کہیں کہ یہ ہمیں لازم نہیں آتا۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اسواری کو بھی یہ کہنا دشوار نہیں کہ یہ مجھ پر لازم نہیں آتا۔ اس اعتراض سے مفر نہیں۔

کہا جائے گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ وہ قیامت قایم کرے گا اور فلاں دن زید کو موت دے گا تو آیا وہ اس پر قادر ہے کہ وہ اُس روز اُسے موت نہ دے۔ اور اس پر قادر ہے کہ اس دن سے پہلے اُسے موت دیدے یا قادر نہیں ہے۔ اگر وہ کہیں کہ قادر نہیں تو وہ اسواری کے قول میں شامل ہو گئے۔ اور اگر وہ کہیں کہ ہاں قادر ہے تو اُنھوں نے یہ مان لیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے قول کی تکذیب پر قادر ہے۔ اور یہی وہ کذب پر قدرت ہے جس کو ان لوگوں نے باطل کیا تھا۔

ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا کرنے کا حکم دیا۔ اور بعض وہ دعا بھی ہے کہ اُسے معلوم ہے کہ وہ اس کے دعا کرنے والے کی دعا قبول نہ کرے گا۔ تو آیا اُس نے جو ہمیں اس کی دعا کا حکم دیا ہے تو جس چیز میں اُس کی استطاعت ہے اور جس پر اُسے قدرت ہے اس کا حکم دیا ہے یا جس میں اس کی استطاعت نہیں ہے۔ اور نہ اُسے اُس پر قدرت ہے اُس کا حکم دیا ہے۔

اگر وہ کہیں کہ جس میں اُسے قدرت نہیں ہے تو وہ اسواری کے ساتھ شامل ہو گئے اور اُنھوں نے اللہ تعالیٰ پر لازم کر دیا کہ اُس نے

۹۲

امرِ محال کو کہا۔ کیونکہ ان لوگوں کا گمان یہ ہے کہ اُس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اُس سے ایسا کام کرنے کی خواہش کریں جس پر وہ قادر نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے۔

اور اگر وہ کہیں کہ ہاں اُس چیز میں دعاء کرنے کا حکم دیا جس پر وہ قادر ہے تو انھوں نے مان لیا کہ وہ اپنے علم کے باطل کرنے پر قادر ہے۔ اس پر جو کچھ کفرِ خالص مثلاً ابطال دلائل توحید و ابطال ایجاد عالم و مخالفت اجماع لازم آتا ہے وہ کم نہیں ہے۔

اگر وہ اسواری کے مطابق یہ کہے کہ مجھے نفی قدرت سے اثبات عجز لازم نہیں آتا بلکہ میں تو اُس سے دونوں امور کی نفی کرتا ہوں جیسا کہ تم نے کہا ہے تمھارے اُس سے حرکت کی نفی کرنے سے اُسے سکون لازم نہیں آتا۔ اور نفی سکون سے اسے حرکت لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ تم اُس سے ضدین کی نفی کرتے ہو مثلاً شجاعت و بزدلی کی اور اُن تمام صفات اور اُن کی اضداد کی جن کی تم نے نفی کی ہے۔

ہم بتوفیقِ الٰہی کہتے ہیں کہ یہ بہت کمزور ملمع کاری ہے۔ اس لئے کہ ہم تو ان صفات کی اُس سے نفی کرنے میں ایک ہی طریقے پر قایم ہیں جو اُس سے مخلوقات کی تمام صفات کی نفی کرنے میں ہے۔ تم نے اُس کے لئے چند اشیاء پر قدرت ثابت کی اور اُن اشیاء کے غیر پر اُس کی قدرت کی نفی کر دی۔ لہٰذا بدیہی طور پر اُن اشیاء میں جن کے متعلق تم نے اُسے اُن پر قادر نہ ہونے کے ساتھ موصوف کیا اُس کے عجز کا اثبات ہو گیا۔

ہم لوگ اگر اُسے کسی شے میں شجاعت کے ساتھ موصوف کریں گے یا کسی وجہ سے بھی حرکت کے ساتھ اُسے موصوف کریں گے یا کسی شے میں اُسے عقل کے ساتھ موصوف کریں گے۔ پھر اُس سے دوسری وجہ میں صفات کی نفی کریں گے تو جس وقت ہم اُسے ان میں سے کسی شے کے ساتھ موصوف کریں گے تو ہمیں اُس کی ضد کی نفی لازم ہو گی۔ اور

جب ہم اُس کی ضد کی اُس سے نفی کریں گے تو ہمیں اُس کا اثبات اُس کے لئے لازم ہوگا۔ جیسا کہ ہم نے رحمت وسخط (ناراضی) میں کیا۔ جب ہم نے سے اُسے ابو بکرؓ صدیق کے لئے رحمت کے ساتھ موصوف کیا تو ہم نے اُس لئے اُن پر سخط (ناراضی) کی نفی کر دی۔ اور جب ہم نے ابو جہل کے لئے اُس سے رحمت کی نفی کر دی تو ہم نے اسی سے اُس کے لئے ابو جہل پر سخط (ناراضی) ثابت کر دی۔ یہ ایک برہان ضروری ہے۔

اگر کوئی ملمع کاری کرنے والا ملمع کاری کرے اور کہے کہ کیا تم لوگ یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ نہیں جانتا تو کیا تم اس جگہ اس سے علم (یعنی مردہ جاننے) کی نفی کر کے اُن کے لئے جہل ثابت کرتے ہو۔

ہم اُس سے کہیں گے کہ یہ ایک دوسری ملمع کاری ہے۔ بلکہ ہم نے اس سے اس کے لئے حقیقۃً علم ثابت کیا ہے۔ اس لئے کہ جب ہم نے اُس سے اشیاء کے علم کی نفی کی تو ہم نے اُس کے لئے حقیقت اشیاء کے علم کو ثابت کیا۔ کیا یہاں قطعاً کوئی شے ہے کہ وہ اُس سے جاہل ہے۔ کسی شے سے جہل صرف یہی ہے کہ حقیقۃً اُس سے جاہل ہو۔

ہم نے ان میں سے جن لوگوں سے مناظرہ کیا ہے اُن سے کہا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے علم ازلی کی نسبت کرتے ہو۔ لہٰذا ہمیں بتاؤ کہ آیا اللہ تعالیٰ آج اُسے موت دے سکتا ہے جس کو وہ جانتا ہے کہ کل اُسے موت دے گا۔ اور آیا تمھارا رب اس پر قادر ہے کہ ایک مکان کی بنیاد کو ابھی ہٹا دے جس کو وہ جانتا ہے کہ وہ کل اُس سے ہٹے گی۔ اور آیا جو مشرک مر گیا اس پر رحمت کرنے پر قادر ہے باوجودیکہ اُس نے یہ کہا ہے کہ وہ مشرک پر ہرگز رحمت نہ کرے گا یا اس پر قادر نہیں۔

اُن میں سے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے میں نے اُس سے کہا کہ تم نے یہ اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم ازلی کے احاطے پر اور اپنے کلام کی تکذیب پر قادر ہے۔ اور یہ صریحاً تمھارے قول کا ابطال ہے۔

چند کہنے والوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے اور اگر وہ اس کو کرے گا تو پہلے سے اُس کے علم میں ہو گا کہ یہ ہو گا جیسا کہ اِس نے کیا ہمیں نے ان سے کہا کہ ہم نے تم سے صرف یہی دریافت کیا ہے کہ آیا پہلے سے اُسے اُس کا علم ہونے کے باوجود کہ وہ نہیں ہو گا آیا وہ اس (کے ہونے) پر قادر ہے وہ گھبرا گئے اور لاجواب ہو گئے۔ بعض نے تواسواری کے قول کے مطابق یقین کر کے پناہ لیلی کہ وہ اس پر قادر نہیں۔ ہم نے ان سے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی ایسی شے پر قادر نہیں جو اُس کی غیر ہو جو اُس نے کیا اور نہ بنیاد کو بنیاد کے مقام سے منتقل کرنے پر قادر ہے تو وہ مضطر و مجبور ہے یا ایسی طبیعت والا ہے جو ایک طریقے پر جاری ہے۔

اسواری کو اور اُسے جو اسواری کے قول کا قائل ہے، لازم آتا کہ اللہ تعالیٰ کی استطاعت اپنے فعل سے پہلے قطعاً نہیں ہے اور یہ محض اُس کے ساتھ ہے اس لئے کہ اگر وہ قبل فعل مستطیع ہوتا تو وہ ضرور اُس وقت میں بھی اُس کے کرنے پر قادر ہوتا جس وقت میں وہ جانتا ہے کہ اُس وقت وہ نہیں کرے گا۔ یہ اُس کے صریحی قول کے خلاف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان فعل کے قبل مستطیع ہے۔ تو انسان قدرت و طاقت میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ گیا۔ نیز اُسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو حادث کہنا پڑے گا۔ اس لئے کہ اگر اُس کی قدرت ازلی ہوتی تو وہ کرنے سے پہلے فعل پر قادر رہوتا۔ اور یہ اُس کے قول کے خلاف ہے۔ اور یہ خالص کفر ہے۔ کیونکہ کہتا ہے کہ انسان تو اس کے خلاف پر قادر ہے جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اپنے رب کے عاجز بنانے میں اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ یہ لوگ اُس سے زیادہ قوی ہیں اور یہ شدید ترین کفر و شرک و حماقت ہے۔

یہ سب لوگ اس مضمون کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ سب کے سب کہتے ہیں کہ ہر مخلوق ہر شے پر جس کو وہ کرتا ہے مثلاً بیٹا بنانا اور حرکت و سکون وغیرہ قادر ہے اور باری تعالیٰ ان میں سے کسی شے پر قادر نہیں۔

۱۴۲

یہ نہایت ذلیل کفر ہے۔
ہم نے ان سے دریافت کیا کہ آیا تم مانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ازل سے پیدا کرنے پر قادر ہے یا تم یہ کہتے ہو کہ وہ ازل سے پیدا کرنے پر قادر نہیں تھا پھر قادر ہو گیا۔ تمام اہل اسلام کا قول یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ ازل سے پیدا کرنے پر قادر ہے۔
وہ لوگ بھی اور تمام اہل اسلام بھی ان اہل الحاد پر انکار کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے خالق ہے یہ یقین کرتے ہیں کہ ازل سے پیدا کرتا ہے، ماننا محال و فاسد ہے۔
یہ لوگ اس بات میں سچے ہیں۔ سوائے اس کے کہ جب انھوں نے یہ مان لیا کہ یہ کہنا کہ وہ ازل سے پیدا کرتا ہے' محال ہے اور اقرار کرلیا کہ وہ ازل سے اس پر قادر ہے تو انھوں نے ہمارے قول کی صحت کا اقرار کرلیا اور اس کا بھی کہ اللہ تعالیٰ محال پر قادر ہے۔ اور اس سے مفر نہیں ہے۔ یہ کہنا کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے غیر قادر ہے۔ اور الحمد للہ کہ اس نے ہمیں حق کی ہدایت کی۔
ہم نے ان سے سوال کیا کہ آیا تمھارے نزدیک یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُس کام کے کرنے کی دعا کیجائے جس کے سوا پر وہ قادر نہیں ہے۔ یا اُس سے یہ دعا کیجائے کہ وہ ایسا کام نکرے جس کے کرنے پر وہ قادر نہیں ہے۔ اگر وہ ہاں کہیں تو محال کو لائے اور اگر کہیں کہ یہ ناجائز ہے تو اُن سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اُس سے دعا کریں اور کہیں کہ "ربّ احکم بالحق" (اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ کر) "ولا تحملنا مالا طاقة لنا بهٖ" (اور ہم پر وہ بوجھ نہ لاد کہ جس کی ہمیں طاقت نہ ہو)۔ حالانکہ وہ تمھارے نزدیک خلاف حق حکم پر قادر نہیں اور نہ اس پر قادر ہے کہ ہم پر وہ بوجھ لادے جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔ یہ دنیا کے عجائب میں سے ہے کہ یہ لوگ کلام الٰہی سنتے ہیں کہ "وقالت الیهود عزیر ابن اللّٰہ" (یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے

بیٹے ہیں)۔ ”وقالت النصاری المسیح ابن اللہ“ (اور نصاری کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں)۔ ”وان اللہ ثالث ثلاثۃ“ (اور اللہ تین میں کا تیسرا ہے)۔ ”وان اللہ ھو المسیح بن مریم“ (اللہ ہی مسیح بن مریم ہے)۔ ”واللہ فقیر ونحن اغنیاء“ (اور اللہ فقیر ہے اور ہم لوگ غنی ہیں) ”وید اللہ مغلولۃ“ (اور اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے)۔ ”وکمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر“ (اور مثل شیطان کے کہ جب کہ اُس نے انسان سے کہا کہ کفر کر)۔ کوئی مسلمان بھی شک نہ کرے گا کہ یہ سب کذب ہے پھر اس سے زیادہ بدترین حماقت اس کے قول سے زیادہ کیا ہوگی جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے بطور حکایت کہنے پر قادر ہے اور اس پر قادر نہیں کہ وہ ان اقوال کو بغیر دوسروں کی طرف منسوب کئے ہوئے کہدے۔ اور یہ وہ قول ہے کہ اس کا ذکر اور اس کی حماقت اس کے رد کی تکلیف اٹھانے سے بے نیاز کرتی ہے۔

ہم نے ان سے دریافت کیا اور ان سے کہا کہ تم نے کہاں سے جانا کہ اللہ تعالیٰ کذب پر یا محال پر یا ظلم پر یا جو کیا اُس کے خلاف پر قادر نہیں۔ اُن کے لئے قطعاً کوئی حجت و دلیل نہ تھی۔ یہاں تک کہ انھوں نے کہا کہ اگر وہ اس میں سے کسی شے پر قادر ہو گیا تو ہمیں اس سے اطمینان نہ ہوگا کہ اُس نے یہ کیا ہے یا آیندہ اسے کرے گا۔ ہم نے اُن سے کہا کہ تم کہاں سے اس سے مطمئن ہو گئے کہ اُس نے کیا ہے یا شاید اُسے آیندہ کرے گا۔ تو ان کے لئے کوئی حجت نہ تھی یہانتک کہ انھوں نے کہا کہ اس لئے کہ وہ اس کے کرنے پر قادر نہیں۔

حاصل کلام

اس سے حاصل یہ ہوا کہ اُن کی حجت کہ اللہ تعالیٰ ظلم و کذب و ما محال اور جو کیا ہے اُس کے خلاف پر قادر نہیں ہے یہی ہے کہ وہ ان میں سے کسی شے پر قادر نہیں ہے تو انھوں نے اپنے قول پر خود اپنے ہی قول سے استدلال کیا۔ یہ پورا مغالطہ۔ کھلی حماقت اور کامل جہل ہے جسے اپنے لئے سوائے پاگل اور

کمزور دین والے کے کوئی پسند نکرے گا۔ لہذا اُنھیں کوئی ضرورت نہیں کہ وہ ہمارے قول کی طرف رجوع کریں کہ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے کوئی شے نکرے گا جیساکہ ہم جانتے ہیں کہ انگور کے بیج سے بادام نہیں نکلیگا اور گھوڑے کی منی سے اونٹ نہیں پیدا ہوگا۔

ہمارے قول کی صحت پر برہان یہ ہے کہ اس پر برہان قایم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے کسی طور پر بھی مشابہ نہیں۔ اور خلق بہت سے امور سے عاجز ہے اور عجز مخلوقین کی صفت ہے لہذا وہ اللہ تعالیٰ سے بالکل منفی ہے۔ اور مخلوق ہر اُس شے پر جس کے متعلق سوال کیا جائے بالذات قادر نہیں۔ لہذا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہو جو ہر اُس شے پر قادر ہو جس کے متعلق سوال کیا جائے۔ اسی طرح کذب وظلم صفات مخلوقین میں سے ہیں لہذا یقیناً واجب ہو گیا کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ سے منفی ہوں۔ یہی وہ امر ہے جس نے ہمیں اس سے اطمینان دلا دیا کہ وہ ظلم کرے گا یا جھوٹ کہے گا یا اُس کے خلاف کرے گا جو وہ جانتا ہے کہ کرے گا۔ اگرچہ وہ اس پر قادر ہے۔

ہم نے اُن سے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ کو اپنے علم کے ابطال پر قادر ہونے کے ساتھ موصوف نہ کیا جائے گا تو پھر اُسے اُس شخص کے آج موت دینے پر قادر ہونے کے ساتھ بھی اُسے موصوف نہ کیا جائے گا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ وہ اُسے کل ہی موت دے گا۔ اِس لئے کہ اُسے اس پر کوئی قدرت نہیں ہے۔ اگر اُس کے لئے اس پر قدرت ہوتی تو ضرور اُسے اس کے ساتھ موصوف کیا جاتا۔ پھر جب کل کا دن آیا اور اُس نے اُسے موت دی تو اس وقت اُسے اُس کو موت دینے پر قدرت ہوئی۔ تو پھر قدرت پیدا ہوئی جو پہلے نہ تھی۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ کی قدرت حادث ہے۔ حالانکہ یہ اُن کے قول کے خلاف ہے۔

اس میں بھی ایک دوسرا احتمال ہے۔ اور وہ یہ کہ جب نہونے کے بعد اُس کے لئے قدرت حادث ہوگئی تو پھر کس نے اسے اُس کے لیے حادث

(پیدا) کیا۔ آیا خود اُس نے اُسے اپنے لئے پیدا کیا یا کسی دوسرے نے اُسے اُس کے لئے پیدا کیا۔ یا وہ بغیر کسی محدث کے حادث ہوگئی۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اُس نے خود اُسے اپنے لئے پیدا کر لیا تو اُن سے پوچھا جائے گا کہ بلا قدرت کے اُس نے اپنے لئے قدرت کو پیدا کر لیا یا دوسری قدرت سے۔

اگر وہ کہیں کہ اُس نے اپنے لئے بلا قدرت کے قدرت کو پیدا کر لیا تو وہ محال کو لائے۔

اگر وہ کہیں کہ قدرت سے تو اُنھوں نے اپنے قول کے خلاف ازلی قدرت کو ثابت کر دیا۔

اگر وہ کہیں کہ کسی اور نے اس کے لئے قدرت کو پیدا کر دیا یا وہ بلا کسی مُحدِث کے پیدا ہوگئی تو وہ دہریے کے کلام میں مل گئے اور کفر کیا۔ اور ان کے اس قول میں وہ خلافِ معقول اور خلاف قرآن اور خلاف برہان ہے جس سے مومنین کے دم گھٹتے ہیں۔ الحمد للہ کہ اُس نے ہمیں اُس سے عافیت دی جس میں ان لوگوں کو مبتلا کیا۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ سب کرے تو پھر اُس کا نام کس طرح رکھا جائے گا۔

ہم کہیں گے کہ یہ اُس شے کے متعلق احمقانہ سوال ہے جو کبھی نہ ہوگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی سوال کرے کہ اگر انسان اُڑے تو اس کے پر کتنے ہوں گے اور جو اسی قسم کے امور ہوں کہ جن کے متعلق یہ اطمینان ہو کہ وہ نہ ہوں گے۔ باری تعالیٰ کا نام رکھنا خود اُس کے ذمے ہے نہ کہ ہمارے ذمے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

عَلّاف کا فلسفہ

ابو الہذیل العلاف نے کہا ہے کہ ہر وہ شے جس پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اُس کے لئے کل ہے اور آخر ہے جیسا کہ اُس کے لئے اول ہے۔ اگر اُس کا آخری حصہ فعل کی طرف نکلا حالانکہ نہیں نکلتا تو اللہ تعالیٰ قطعاً کسی شے پر نہ کسی فعل پر کسی وجہ سے بھی

قادر نہو گا۔ عبد اللہ بن احمد بن محمود الکعبی نے کہا ہے کہ ہم کسی کو بھی نہیں جانتے کہ وہ آج اس کا معتقد ہو سوائے یحییٰ بن بشر الارجانی کے۔ انھوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ابو الہذیل نے اس قول سے رجوع کرلیا تھا۔

یہ خالص کفر ہے جس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔ اس لئے کہ یہ اپنے رب پر یہ تجویز کرتا ہے کہ وہ صفت جمادات میں ہو یا مخدورمیں ہو (یعنی جو سُن ہوگیا ہو) یا صفت مفلوج میں ہو باوجودیکہ اجماع اس قول فاسد کے خلاف ثابت ہے اور یہ قرآن وعقل وبداہت کے خلاف بھی ہے جیساکہ اُس کے نزدیک بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقین کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

۱۴۵

اسواری نے تو اپنے رب کو مثل جمادات کے مضطر بنا دیا تھا اور کوئی فرق نہ رکھا تھا کہ اُسے جو کچھ کرچکا اُس کے خلاف پر قدرت نہیں۔ یہ وہ حال ہے جو کھٹمل اور مینڈک کے حال سے بھی کمتر ہے۔ لیکن ابو الہذیل نے اپنے رب کی قدرت کو محدود ومتناہی کردیا جس طرح اُس کی مخلوق کے با اختیار لوگوں کی ہے۔ یہ حقیقی تشبیہ ہے (اللہ کی مخلوق کے ساتھ)۔

نظّام واشعریہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ انھوں نے اپنے پروردگار کی قدرت کو محدود ومتناہی کردیا کہ وہ ایک شے پر قادر ہے اور دوسری شے پر قادر نہیں ہے۔ یہ ناقص لوگوں کی صفت ہے۔

بقیۂ معتزلہ نے اُسے اُس سے موصوف کیا کہ اُس کی قدرت شر پر تو غیر متناہی ہے اور خیر پر متناہی ہے۔ یہ نہایت شریر اور خبیث طینت کی صفت ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ سوائے بشر بن المعتمر کے کہ اس میں اُن کا قول ایسا ہی ہے جیسا اہل حق کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہرگز متناہی نہیں ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جزو ثالث

رویت باریؐ

معتزلہ اور جہم بن صفوان کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار آخرت میں بھی نہ ہوگا۔ مجاہد سے بھی یہی قول مروی ہے اُن کا عذر یہ ہے کہ اس کے متعلق اُنھیں حدیث نہیں پہنچی۔ یہی قول حسن بصری وعکرمہ سے بھی مروی ہے۔ عکرمہ وحسن سے دیدار الٰہی کا اثبات بھی مروی ہے۔

مجسمہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دنیا میں بھی دیدار ہو سکتا ہے اور آخرت میں بھی۔

جمہور اہل سنت ومرجیہ اور معتزلہ میں سے ضرار بن عمرو کا مذہب یہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور دنیا میں ہرگز اُسے نہیں دیکھا جا سکتا۔ حسن بن محمد النجار نے کہا ہے کہ یہ ممکن ہے اور اُنھیں اس کا یقین نہیں ہے۔ مجسمہ کا قول تو ہمارے اُسی کلام سے فاسد ہے جو ہماری اسی کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

جو لوگ منکر دیدار ہیں اُن کا اعتماد اس پر ہے کہ ہمارے نزدیک دیدار کا عام طریقہ یہ ہے کہ نظر صرف رنگوں پر پڑتی ہے نہ کہ اس کے سوا کسی

اور شئے پر۔ اور یہ (یعنی رنگ) باری تعالیٰ سے بالکل بعید ہے۔ منکرین رویت نے بعینہ اسی حجت سے ہمارے خلاف احتجاج کیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی بدترین ایجاد ہے۔ اس لئے کہ ہم لوگ باری تعالیٰ کی اس قسم کی رویت کے ہرگز قائل نہیں۔ ہم تو صرف اس کے قائل ہیں کہ آخرت میں باری تعالیٰ کو ایک ایسی قوت سے دیکھا جائے گا جو اس قوت کے خلاف ہوگی جو آج ہماری آنکھوں میں رکھی گئی ہے۔ لیکن وہ قوت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہوگی۔ اس قول کے بعض ماننے والوں نے اس کا نام حاسۂ سادسہ رکھا ہے۔

حس ششم کیا ہے

اس کی توضیح یہ ہے کہ بیشک ہم لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنے قلوب سے بطور علم صحیح کے جانتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے اللہ تعالیٰ آنکھوں میں ایک ایسی قوت پیدا کر دے گا جس سے وہ اللہ کا مشاہدہ کریں گی اور اسے دیکھیں گی جو اسی قوت کی طرح ہوگی جو دنیا میں قلب میں پیدا کی گئی ہے۔ اور جو مثل اسی قوت کے ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں پیدا کر دی تھی یہاں تک کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کیا اور اسے اپنے سے بات کرتے سنا۔

معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "لاتدرکہ الابصار" (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں)۔

اس میں ان کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ادراک کی نفی کی ہے۔ اور ہمارے نزدیک لغت میں ادراک کے معنی نظر و رویت سے زائد ہیں۔ اور وہ احاطے کے معنی میں ہے۔ یہ معنی نظر و رویت میں نہیں ہیں۔ لہٰذا ادراک تو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے منفی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ برہان میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "فلما ترائی الجمعان قال اصحاب موسیٰ انا لمدرکون. قال کلا ان معی ربی سیھدین" (پھر جب دونوں جماعتوں (یعنی لشکر فرعون و اصحاب موسیٰؑ) نے ایک دوسرے کو دیکھا تو اصحاب موسیٰؑ نے کہا کہ بیشک ہم گھیر لئے جائیں گے

(یعنی گرفتار کر لئے جائیں گے) موسیٰؑ نے کہا کہ ہرگز نہیں بیشک میرے ساتھ میرا رب ہے جو مجھے ہدایت کرے گا) اللہ تعالیٰ نے ادراک و رویت میں جلی و واضح فرق کیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے "فلما ترائی الجمعان" رویت ثابت کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اُن کے بعض نے بعض کو دیکھا۔ لہٰذا اُن کا بنی اسرائیل کو دیکھنا ثابت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے اُن لوگوں سے یہ کہنے سے کہ "کلا ان معی ربی سیہدین" ادراک کی نفی کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اصحاب فرعون نے بنی اسرائیل کو دیکھا اور وہ لوگ اُن کا ادراک و احاطہ نہ کر سکے (یعنی گرفتار نہ کر سکے) اس میں کوئی شک نہیں کہ جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے نفی کی ہے وہ اُس چیز کے مغایر ہے جس کو اُس نے ثابت کیا ہے۔ لہٰذا ادراک رویت کے مغایر ہوا۔

۳

ہمارے قول کی حجت اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے "وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربہا ناظرہ" (اُس روز چہرے تر و تازہ ہوں گے۔ اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے)۔ اس پر بعض معتزلہ نے اعتراض کیا ہے، اور وہ ابو علی محمد بن عبدالوہاب الجبائی ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ اس جگہ "الیٰ" حرف جر نہیں ہے بلکہ وہ اسم ہے اور وہ "آلاء" کا واحد ہے جس کے معنی "نعمتیں" ہیں۔ یہ (الی) مقام مفعول میں ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے پروردگار کی نعمتوں کے منتظر ہوں گے۔

یہ مطلب دو وجہ سے بعید ہے۔ اول تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ ان چہروں کو تر و تازگی حاصل ہوگی جو خود نعمت ہے۔ اور نعمت نعمت ہی ہے۔ جب انھیں نعمت حاصل ہو گئی تو یہ بعید ہے کہ وہ اُسی چیز کا انتظار کریں جو اُنھیں حاصل ہو چکی ہے۔ انتظار تو اُسی چیز کا کیا جائے گا جو اب تک واقع نہیں ہوئی۔ دوم اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر روایات ہیں جو اس بیان میں ہیں کہ نظر سے مراد رویت ہے نہ کہ وہ جو تاویل کرنے والوں نے تاویل کی ہے۔

بعض معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ چہرے اپنے رب کے ثواب کی طرف تکتے ہوں گے "الی ثواب ربہا ناظرۃ" اے منتظرۃ۔ یعنی منتظر ہوں گے۔

یہ توبیحد فاسد ہے اس لئے کہ لغت میں "میں نے فلاں کی طرف نظر کی" اس کے یہ معنی نہیں آتے کہ "میں نے فلاں کا انتظار کیا"۔

کلام کو اس کے انہی ظاہر پر محمول کرنا چاہیئے جو اس کے لئے لغت میں وضع کیا گیا ہے۔ یہ فرض ہے۔ اس سے گذرنا سوائے نص یا اجماع کے جائز نہیں۔ اس لئے کہ جو اس کے خلاف کرے گا وہ تمام حقائق تمام شرائع اور کل معقول کو فاسد کر دے گا۔ اگر کوئی معترض یہ کہے کہ لفظ کو معہود و محاورۂ عام پر محمول کرنا اس سے اولی و بہتر ہے کہ اُسے غیر معہود پر محمول کیا جائے۔ تو اُس سے کہا جائے گا کہ اس میں اولی یہی ہے کہ امور کو معہود لغوی پر محمول کیا جائے تاوقتیکہ نص یا اجماع یا کوئی ضرورت اس سے مانع ہو ہم نے نظر کے معنی میں جو کچھ بیان کیا نہ تو اُس سے کوئی نص روکتی ہے نہ اجماع اور نہ ضرورت۔

معتزلہ نے اس امر میں ہم سے موافقت کی ہے کہ ہمارے یہاں جو عالم ہوتا ہے وہ ضمیر ہی سے ہوتا ہے اور جو فعال (فاعل) ہوتا ہے وہ مشقت کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ جو رحیم ہوتا ہے وہ رقت و نرمی قلب ہی سے ہوتا ہے۔ اس پر بھی اُنھوں نے ہم سے اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ہونے والی شئے کا بغیر ضمیر کے عالم ہے۔ اور وہ بلا معاناۃ و مشقت کے فعال ہے اور بلا رقت کے رحیم ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کو وہ جائز رکھتے ہیں اور ایک ایسی قوت سے رویت و نظر و دیدار کو جو اس مقررہ قوت کے علاوہ ہوگی جائز نہیں رکھتے حالانکہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بشرطیکہ بدنصیبی اور مخالفت قرآن و حدیث اُنھیں منظور نہ ہوتی۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ جب باری تعالیٰ نظر آئے گا تو بتاؤ کہ

وہ کل نظر آئے گا یا بعض۔؟

یہ وہ سوال ہے جو ان لوگوں نے ملحدین سے اُس وقت سیکھا ہے۔ جب اُن لوگوں نے ہم سے اور معتزلہ سے دریافت کیا تھا تو معتزلہ نے کہا تھا کہ جب تم باری تعالیٰ کو جانتے ہو تو آیا کل کو جانتے ہو یا بعض کو۔

یہ سوال ہی فاسد ہے جس سے مغالطہ دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اُنھوں نے اُس مقام پر کل و بعض ثابت کر دیا جہاں نہ کل ہے نہ بعض کل و بعض تو محدود متناہی میں واقع ہوتے ہیں۔ باری تعالیٰ تو خود نہایت و متناہی کا خالق ہے اور وہ غیر متناہی و بے نہایت ہے لہذا نہ اُس کے لئے کل ہے نہ بعض۔

آیت مذکورہ واحادیث صحاح ماثورہ جو قیامت میں دیدار الٰہی کے بارے میں ہیں اُن کا قبول کرنا اس لئے واجب ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں اور اُن کے ناقلین و رواۃ کے شہروں میں کافی بعد و فاصلہ ہے۔ قیامت میں دیدار الٰہی مومنین کے لئے بطور کرامت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی اس سے محروم نہ رکھے۔ یہ محال ہے کہ یہ رویت رویت قلب ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام عارفین دنیا میں اُسے اپنے قلوب سے دیکھتے ہیں اور آخرت میں بلاشک کفار بھی اسی طرح (قلوب سے) دیکھیں گے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ خبر دی ہے کہ رویت وجہ یعنی چہرے سے ہوگی (نہ کہ آنکھ سے) تو بتوفیق الٰہی کہا جائے گا کہ جس لغت میں ہمیں خطاب کیا گیا ہے اُس میں معروف و مقرر ہے کہ رویت کو وجہ (چہرے) کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اُس سے مراد عین (آنکھ) ہوتی ہے۔ ایک عرب کہتا ہے۔

انافس من ناجاک مقدار لفظة　　وتعتاد نفسی ان نات عن معینها

(تجھ سے ایک بات بھی کوئی کرتا ہے تو مجھے اُس پر رشک آتا ہے + نقطۂ نظر سے جدا و دور ہونے کی صورت میں میری طبیعت اسی کی خوگر ہو جاتی ہے)

وان وجوها یصطحبن بنظرة الیك لمحسور علیك عیونها

(جو چہرے کہ تجھے ایک نظر بھی دیکھ لیتے ہیں + اُن کی آنکھوں پر حسد آتا ہے)۔

قرآن کا بیان

کلام اللہ میں کلام

تمام اہل اسلام کے اس پر متفق ہونے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اسی طرح تمام کتب منزلہ مثلاً توریت وانجیل وزبور وصحف۔ ان سب میں اہل اسلام میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے کلام میں اختلاف کیا ہے۔ معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام فعل مخلوق کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا وہ اُس نے درخت میں پیدا کر دیا تھا۔ اہل سنت نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اُس کا علم ہے جو ازلی ہے اور وہ غیر مخلوق ہے۔ یہی قول امام احمد بن حنبل وغیرہ کا ہے۔ اشعریہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام صفت ذات ہے جو ازلی و غیر مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے مغائر وخلاف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم کے سوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے صرف ایک ہی کلام ہے۔

اہل سنت نے چند دلائل سے استدلال کیا ہے۔

منجملہ ان کے یہ ہے کہ اللہ کا کلام اگر غیر اللہ ہوتا تو اس سے خالی نہ ہوتا کہ وہ جسم ہو یا عرض ہو۔ اگر وہ جسم ہوتا تو ضرور ایک ہی مکان میں ہوتا۔

اور اگر ایسا ہوتا تو بالضرور اللہ تعالیٰ کا کلام ہم تک نہ پہنچتا اور اسی طرح وہ ہر ہر شہر میں ہمارے پاس اُس کا مجموعہ نہ ہوتا۔ اور یہ کفر ہے۔ اگر وہ عرض ہوتا تو وہ کسی حامل کا مقتضی ہوتا اور بالضرور جو اللہ کا کلام ہمارے پاس ہوتا وہ اُس کلام الہٰی کے مغائر ہوتا جو ہمارے غیر کے پاس ہوتا۔ اور یہ محال ہے اور نیز اُس کے حامل کے بے نیاز ہونے سے کفایت ہو جایا کرتی۔ حالانکہ وہ لوگ اس کے قائل نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اہل سنت نے کہا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام غیر اللہ سے سنا ہوتا تو بالضرور موسیٰ علیہ السلام کو اس امر میں ہم پر کوئی فضیلت نہ ہوتی۔ اس لئے کہ ہم بھی اللہ کا کلام غیر اللہ سے سنا کرتے ہیں لہٰذا ثابت ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ماسوا پر کوئی فوقیت ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ انھوں نے اپنے ماسوا کے خلاف اللہ کا کلام سنا ہے۔ نیز اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں کہ کسی وجہ اور کسی معنی کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے مشابہ نہیں۔ پھر جب ہمارا کلام ہمارے مغائر ہے اور مخلوق ہے تو ضروری و لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہ مخلوق ہو اور نہ غیر اللہ ہو۔ بالکل اُسی کے مساوی جو ہم نے علم کے بارے میں کہا ہے۔

اشعریہ کو ان کے اس کہنے پر کہ اللہ کا کلام غیر اللہ ہے، وہ الزام آتا ہے جو ہم نے اُنھیں علم و قدرت کے بارے میں دیا ہے۔ بالکل اُسی طرح اور مساوی۔ جس کے متعلق ہم اس کے قبل پوری بحث کر چکے ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔

اُن کا یہ کہنا کہ اللہ کے لئے ایک ہی کلام ہے تو یہ اللہ تعالیٰ اور جمیع اہل اسلام کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے "قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی" (کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر روشنائی بن جائے تو قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں سمندر ضرور ختم ہو جائے گا)۔" ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر

یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ" (اوراگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بنجائیں اور ایک سمندر کے بعد سات سمندر روشنائی بنجائیں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہوں)۔

اس سے زیادہ کیا گمراہی ہو گی، اس سے زیادہ کیا بیحیائی ہو گی، اس سے زیادہ کیا ہٹ دھرمی ہو گی، اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی کیا تکذیب ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سنے جس میں کسی مسلم کو شک نہو کہ "لا یأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ" (یہ ایسا کلام ہے کہ جس میں نہ آگے سے باطل کا گذر ہے نہ پیچھے سے) کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات ایسے ہیں جو ختم نہیں ہوتے پھر وہ اپنی کمینہ رائے سے کہے کہ اللہ کے لئے صرف ایک ہی کلام ہے۔ اگر وہ لوگ یہ دعویٰ کریں کہ وہ اس سے بھاگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کثرت کریں۔ تو ان کا یہ قول انھیں جھٹلاتا ہے کہ اس مقام پر پندرہ اشیاء ہیں جو سب کی سب باہم متغایر ہیں اور سب کی سب غیر اللہ اور اللہ کے خلاف ہیں۔ اور سب کی سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے ہیں۔ اللہ ان ظالموں کے قول سے بیحد بلند و برتر ہے۔

اس گروہ نے جو اشعریہ کی طرف منسوب ہے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو جبریل علیہ السلام نے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں کیا۔ اور انھوں نے تو ایک دوسری ہی شے نازل کی تھی جو کلام اللہ سے عبارت ہے۔ جو چیز ہم لوگ قرآن میں پڑھتے لکھتے ہیں ان میں سے کوئی چیز کلام اللہ نہیں ہے۔ اللہ کا کلام وہی ہے جو نہ تھا پھر ہو گیا۔ حالانکہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ یہ کہے ہم نے تو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے باری ہے (خالق ہے) اپنے غیر سے قائم نہیں ہے مکانات میں حلول نہیں کرتا نہ وہ منتقل ہوتا ہے۔ نہ اس کے حدود اور کنارے ہیں جو ملے ہوئے ہوں۔ نہ اس کا بعض بعض سے بہتر و افضل ہے نہ بعض بعض سے بڑا ہے، ان لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے جہنم سے

۵

یہ کہہ رہا ہے کہ "هَلِ امْتَلَاْتِ" (کیا تو بھر گئی) اور ازل سے کفار سے کہہ رہا ہے کہ "اخسئوا فیھا ولا تکلمون" (اسی جہنم میں دفان رہو اور مجھ سے بات نہ کرو) اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے موجود کرنے کا ارادہ کیا ازل سے اس سے کہہ رہا ہے کہ "کُن" (یعنی ہو جا یا موجود ہو جا)

یہ بغیر کسی تاویل کے خالص کفر ہے۔ یہ اس لئے کہ ہم ان سے قرآن کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ آیا وہ اللہ کا کلام ہے یا نہیں اگر وہ کہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے تو باجماع امت انہوں نے کفر کیا۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں یہ اللہ کا کلام ہے تو ہم ان سے قرآن کے متعلق دریافت کریں گے کہ آیا یہ وہی ہے جس کی مساجد میں تلاوت کی جاتی ہے اور جو مصاحف میں لکھا جاتا ہے اور سینوں میں حفظ کیا جاتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ کہیں کہ نہیں تو انھوں نے باجماع امت کفر کیا۔ اور اگر کہیں کہ ہاں تو انھوں نے اپنا قول فاسد ترک کر دیا اور مان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مصاحف میں ہے اور قراء سے سنا جاتا ہے اور سینوں میں حفظ کیا جاتا ہے جیساکہ تمام اہل اسلام کہتے ہیں۔

ایک جماعت نے قرآن کے تلفظ کرنے کے متعلق خود کہا ہے اور اسے اہل سنت کی طرف منسوب کر دیا ہے کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ آواز و خط غیر مخلوق ہے۔

یہ باطل ہے اور ہرگز کسی مسلم نے نہیں کہا کہ آواز جو کہ ہوا ہے غیر مخلوق ہے اور خط غیر مخلوق ہے۔

بتوفیق ہم لوگ جس چیز کے قائل ہیں وہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہم اس پر ذرا سا بھی اضافہ نہیں کرتے اور وہ یہ ہے کہ کسی کا قرآن کہنا اور کلام اللہ کہنا۔ ان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور دونوں لفظ مختلف ہیں اور حقیقۃً نہ کہ مجازاً قرآن ہی کلام اللہ ہے۔ جو اس کا قائل نہ ہو ہم اس کی تکفیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے اسی قرآن کو

قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا جو حقیقتہً کلام اللہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نزل بہ الروح الامین علی قلبك لتكون من المنذرین" (اس کو روح الامین نے آپ کے قلب پر اتارا تاکہ آپ ڈرانے والوں میں ہو جائیں)۔

ہمارا قرآن کہنا اور کلام اللہ کہنا لفظ مشترک ہے جس سے پانچ اشیاء کو تعبیر کیا جاتا ہے ہم اُس آواز کا جو سنی جاتی ہے اور جس کا تلفظ کیا جاتا ہے قرآن نام رکھتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ یہ حقیقتہً اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ برہان اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے" وان احد من المشركين استجارك فاجره حتى يسمع كلام الله" (اور اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو آپ اُسے پناہ دیجئے تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے اور فرماتا ہے" وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله ثم يحرفونه من بعد ما عقلوه" (اور ان میں سے ایک جماعت کے لوگ کلام اللہ کو سنتے ہیں پھر اُسے سمجھ لینے کے بعد اُسے بدل ڈالتے ہیں)۔ اور فرماتا ہے" فاقرأوا ما تيسر من القرآن" (قرآن پڑھو جو سہل ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے کفار پر ناراضی ظاہر فرمائی ہے اور مومنین جن کے قول کی تصدیق فرمائی ہے" انا سمعنا قرآنا عجبا يهدي الى الرشد" (ہم نے عجیب قرآن سنا جو نیکی کا راستہ بتاتا ہے)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جو چیز سنی جاتی ہے اور وہ وہی آواز ہے جس میں تلفظ کیا جاتا ہے یہی قرآن ہے اور وہی کلام اللہ ہے جس نے اس کی مخالفت کی اُس نے قرآن کی مخالفت کی۔ اس آواز سے جو کچھ سمجھا جاتا ہے۔ اُسی کا نام قرآن و کلام اللہ ہے۔

جب ہم زکوۃ کی جو قرآن میں بیان کی گئی ہے اور نماز و حج وغیرہ کی تفسیر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ان سب کے بارے میں کلام اللہ وارد ہے۔ اور وہی قرآن ہے۔ ہم ہر مصحف کا نام قرآن و کلام اللہ رکھتے ہیں۔ اور اس پر برہان اللہ کا کلام ہے" انه لقرآن كريم فی كتاب مكنون" (بیشک یہ ضرور قرآن مجید ہے جو کتاب محفوظ میں ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد۔ جبکہ آپ نے قرآن کے ساتھ دارالحرب میں سفر کرنے کو منع فرمایا کہ اُسے دشمن نہ لے لے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتیٰ تاتیھم البینۃ رسول من اللہ یتلو صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ" (کفار اہل کتاب ومشرکین باز آنے والے نہ تھے تاوقتیکہ ان کے پاس شہادت نہ آتی یعنی اللہ کا رسول جو ان کو نہایت پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں نہایت صحیح کتابیں ہوں) کتاب اللہ باجماع امت یہی قرآن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصحف کا نام قرآن رکھا۔ قرآن باجماع امت کلام اللہ ہے تو مصحف بھی کلام اللہ ہوا۔ ۶

برہان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جب آپ نے ہمیں قرآن کا دورہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ رہنے کے لئے اس سے بھی زیادہ ہے جو کوئی چوپائے کو باندھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "بل ھو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا العلم" (بلکہ یہ نہایت واضح آیات ہیں جو اہل علم کے سینوں میں ہیں) جو چیز سینوں میں ہے وہ قرآن ہے اور حقیقۃً نہ کہ مجازاً وہی کلام اللہ ہے۔

ہم اسی طرح کہتے ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آیۃ الکرسی قرآن میں سب سے بڑی آیت ہے۔ اور فاتحۃ الکتاب ام القرآن ہے۔ نہ قرآن میں نہ توریت میں نہ انجیل میں اس کے مثل کوئی سورۃ نازل نہیں ہوئی اور قل ھو اللہ احد ثُلث قرآن کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ماننسخ من آیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا (ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں اُس سے بہتر یا برابر آیت لے آتے ہیں)۔

اگر وہ کہیں کہ اس کے پڑھنے پر ثواب بھی گھٹتا بڑھتا ہو گا تو ہم اُن سے کہیں گے کہ ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں جن چیزوں میں تفاضل یعنی کمی بیشی ہوتی ہے وہ وہی صفات ہوتی ہیں جو اعراض ہیں اور اپنے موصوف کے اندر رہوتی ہیں۔ ذوات میں تفاضل نہیں ہوتا۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن ہی کلام اللہ ہے اور یہی اس کا علم ہے اور وہ باری تعالیٰ کا غیر نہیں ہے برہان اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لولا کلمۃ سبقت من ربک الی اجل مسمی لقضی بینھم" (اور اگر پہلے سے آپ کے رب کا کلام ایک مدت معینہ کے متعلق نہ گذر چکا ہوتا تو ضرور ان کا فیصلہ کر دیا جاتا) اور فرماتا ہے "وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلماتہ" (اور آپ کے رب کا کلام از روئے صدق و عدل مکمل ہو چکا۔ اُس کے کلمات کا بدلنے والا کوئی نہیں)۔ بالیقین ہر صاحب فہم جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وہی علم سابق مراد لیا ہے جو گذر چکا جس کو وہ نافذ کرتا ہے اور جس کے مطابق وہ حکم جاری کرتا ہے۔

یہ پانچ معانی ہیں جن میں سے ہر ایک کے متعلق یہ تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ قرآن و کلام اللہ ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق خبر صحیح کے طور پر اور اس قرآن و حدیث کی تصریح کے مطابق جس پر تمام امت کا اجماع ہے یہ خبر دیجاتی ہے کہ وہ قرآن اور کلام اللہ ہے۔

آواز ایک ہواء ہے جو حلق سینے تالو زبان دانتوں اور ہونٹوں سے نکلکر سننے والوں کے کانوں تک جاتی ہے اور وہ حروف ہجاء اور ہواء ہے۔ اور بغیر کسی اختلاف کے حروف ہجاء و ہوا مخلوق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم" (ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اسی کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ ان کے لئے بیان کرے)۔ اور فرماتا ہے "بلسان عربی مبین" (واضح عربی زبان میں) اور زبان عربی اور ہر قوم کی زبان وہی ہے جو اُن کی لغت ہو۔ اور زبان و لغات بلاشک سب کے سب مخلوق ہیں۔ اور وہ معانی جن سے ایسے کلام کے ذریعے سے تعبیر کیا جاتا ہے جو حروف مرکبہ سے مرکب ہوتا ہے جو معانی یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ۔ ملائکہ۔ انبیاء۔ سموات۔ ارض۔ جو اشیاء ان دونوں کے درمیان ہیں۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ اقوام گذشتہ کا ذکر اور جنت و دوزخ۔ تمام عبادات واعمال دین۔ سوائے اللہ وحدہ لاشریک لہ کے یہ سب مخلوق ہیں۔ اللہ اپنے

ماسوا سب کا خالق ہے۔

مصحف جانوروں کی کھالوں کا ورق ہے۔ (اور ہمارے زمانے میں کاغذ کا) اور وہ ورق اور روشنائی سے مرکب ہے اور روشنائی گوند اور پھٹکری اور بلوط اور پانی سے مرکب ہے۔ یہ سب مخلوق ہیں۔ اسی طرح اس کے لکھنے میں ہاتھ کی حرکت اور اس کے پڑھنے میں زبان کی حرکت ان کا دلوں میں جم جانا یہ سب اعراض ہیں جو مخلوق ہیں۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ ہیں اور کلمہ بلاشک مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "بکلمۃ منہ اسمہ المسیح" (جس کا نام مسیح ہے اللہ کے ایک کلمے سے پیدا ہوا)۔

اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے۔ اور وہ کلام اللہ اور وہی قرآن ہے۔ اور وہ غیر مخلوق ہے اور وہ قطعاً غیر اللہ نہیں ہے۔ جو یہ کہے کہ کوئی شئے جو غیر اللہ ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل سے ہے تو وہ اللہ کے ساتھ شریک بناتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ کے لئے حقیقۃً کلام ہے۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام اور بعض انبیاء و ملائکہ علیہم السلام سے حقیقۃً کلام کیا ہے نہ کہ مجازاً۔ البتہ یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے اس لئے کہ اس نے خود اپنے کو اس نام سے نامزد نہیں کیا اور جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کا متکلم ہے تو ہم اس کا انکار نہ کریں گے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک ایسے فعل کی خبر دیتا ہے جو پہلے نہ تھا پھر ہو گیا۔

یہ کہنا کسی کو جائز نہیں کہ ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کلام ہے تو اس سے گونگے پن کی نفی کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم اس کے قبل بیان کر چکے ہیں کہ معمولی گونگے پن کی نفی معمولی طریقے کے کلام سے ہی ہو سکتی ہے جو زبان اور ہونٹوں کی حرکت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر کسی غیر معمولی گونگے پن کی نفی کی جاتی ہے تو یہ ہرگز عقل میں نہیں آتا اور نہ سمجھ میں آتا ہے۔

نیز اسے لازم آئے گا کہ یہ اللہ سے ناک کی بیماری کی نفی کے لئے

جس سے سونگھنے کی طاقت جاتی رہتی ہے اُس کا نام شمام (سونگھنے والا) رکھے۔ اور اُس سے اپاہج پن کی نفی کے لئے اُس کا نام متحرک رکھے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد (کجروی اختیار) کرنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُس کے لئے کلام ہے تو ہم بھی اس کے قائل ہیں اور اس کا اقرار کرتے ہیں۔ اگر وہ خود اس کو نہ کہتا تو کسی کو اس کا کہنا جائز نہ ہوتا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جب اسم قرآن پانچ اشیاء پر صحیح و مساوی طور پر واقع ہوتا ہے جن میں سے چار مخلوق اور ایک غیر مخلوق ہے تو ہرگز کسی کو یہ کہنا جائز نہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ نہ یہ کہا جائے گا کہ کلام اللہ مخلوق ہے۔ اس لئے کہ اُس کا کہنے والا کاذب ہے۔ کیونکہ اس نے اُس چیز پر صفت خلق کو واقع کیا جس پر وہ واقع نہیں ہوتی جو وہ چیز ہے جس پر اسم قرآن و اسم کلام اللہ واقع ہوتا ہے یہ کہنا ضروری و واجب ہے کہ نہ تو قرآن کا کوئی خالق ہے اور نہ وہ مخلوق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام نہ خالق ہے نہ مخلوق۔ اس سے کہ قرآن میں سے وہ چاروں معانی جن کا نام لیا گیا ہے خالق نہیں ہیں۔ اور نہیں قرآن و کلام اللہ پر اسم خالق کا اطلاق کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ پانچویں معنی غیر مخلوق ہیں اور یہ جائز نہیں کہ ہم صفت بعض کو اُس کل پر رکھدیں کہ جس کو وہ صفت شامل بھی نہیں ہے۔ واجب یہ ہے کہ کل پر اس صفت کی نفی کا اطلاق کیا جائے جو بعض کی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی معترض کہے کہ تمام اشیاء مخلوق ہیں، یا حق کو کہے کہ وہ مخلوق ہے، یا یہ کہے کہ ہر موجود مخلوق ہے تو بیشک اُس نے غلط کہا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بھی شئے موجود اور حق ہے جو مخلوق نہیں۔

لیکن جب یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے کا خالق ہے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے یہ ظاہر کر دیا کہ اُس کے کلام میں مخلوق مراد ہے۔ ہمارے یہاں اس کی مثال یہ ہے کہ پانچ کپڑے ہیں جن میں سے چار سرخ ہیں اور پانچواں غیر سرخ جو شخص یہ کہے کہ یہ سب کپڑے سرخ ہیں وہ جھوٹا ہے۔ اور جو یہ کہے کہ یہ سب کپڑے سرخ نہیں ہیں وہ سچا ہے۔

اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ ہر انسان طبیب ہے وہ جھوٹا ہے اور جو یہ کہے کہ ہر انسان طبیب نہیں وہ سچا ہے۔ اسی طرح یہ اطلاق کرنا جائز نہیں کہ حق مخلوق ہے اور نہ یہ کہ علم مخلوق ہے۔ اس لئے کہ اسم حق اللہ تعالیٰ پر اور ہر موجود پر واقع ہوتا ہے اور اسم علم بھی ہر علم پر اور اللہ کے علم پر جو غیر مخلوق ہے واقع ہوتا ہے۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ حق غیر مخلوق ہے اور علم غیر مخلوق ہے۔ اسی طرح تمام امور۔

جب یہ واضح ہو گیا تو کہا جائے گا کہ اللہ کے سوا ہر حق مخلوق ہے۔ اور اللہ کے سوا ہر علم مخلوق ہے اور یہ کلام صحیح ہے۔

اسی طرح یہ کہنا جائز نہیں کہ کلام اللہ مخلوق ہے یا قرآن مخلوق ہے۔ یہ کہا جائے گا کہ اللہ کا علم غیر مخلوق ہے۔ کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔ قرآن غیر مخلوق ہے۔ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ اللہ مخلوق ہے اور وہ اس سے اپنی وہ آواز مراد لے جو سنائی دیتی ہے یا الف۔ لام۔ ہاء مراد لے یا وہ روشنائی مراد لے جس سے یہ کلمہ لکھا گیا تو وہ اپنے ظاہر قول میں تمام امت کے نزدیک کافر ہو جائے گا۔ تا وقتیکہ بیان نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میری آواز یا یہ خط مخلوق ہے۔

اس مسئلے میں حقیقت یہ ہے کہ جس میں ہم نے اس میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ جو کچھ اللہ نے فرمایا تھا اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور جس پر تمام امت نے اجماع کیا اور جس کو ضرورت وعقل نے واجب کیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

اگر کوئی سائل قرآن کے تلفظ کرنے کو دریافت کرے تو ہم اس سے کہیں گے کہ تمہارا یہ سوال اس امر کا مقتضی ہے کہ وہ تلفظ جو سنائی دیتا ہے۔ وہ غیر قرآن ہے۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔ جو لفظ سنا جاتا ہے خود وہی قرآن وکلام اللہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "حتی یسمع کلام اللہ" (یہاں تک کہ وہ کلام اللہ کو سن لے)۔ بوجوہ مذکورۂ بالا کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔ جو شخص صرف آواز وحروف ہجا اور روشنائی کو دریافت کرے تو یہ سب

بلا شک مخلوق ہیں۔
ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وہ کہا ہے جس کی اُس نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے اُسے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے ابتک نہیں کہا جس کے متعلق اُس نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ مستقبل میں کہے گا جو اس سے آگے بڑھے گا تو وہ جہل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرے گا۔

جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہر اُس شئے کے لئے "کن" (ہو جا) کہہ رہا ہے، جس کو اُس نے موجود کیا یا جس کے موجود کرنے اور تکوین کا ارادہ کیا۔ یہ قول بیہودہ ہے اور اس کو واجب کرتا ہے کہ عالم ازلی ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ "اذا اراد شیئا فانما امرہ ان یقول لہ کن فیکون" (وہ جب کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کی شان یہ ہے کہ وہ اُس سے کہتا ہے کہ "ہو جا" وہ ہو جاتی ہے)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ہر مُکوَّن و موجود اللہ تعالیٰ کے اُس سے "کن" کہتے ہی بلا مہلت کے ہو جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ازل سے ہر موجود مکون کے لئے "کن" کہہ رہا ہوتا تو ضرور ہر مکون و موجود ازل سے ہوتا۔ اور یہ قول اُس کا ہے جو عالم کو ازلی کہتا ہے۔ اور اُس کے مدبر و خالق کو بھی ازلی کہتا ہے۔ حالانکہ یہ خالص کفر ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔ اللہ تعالیٰ کا قول (کہنا) اُس کی تکلیم (کسی کو کلیم بنانے یا اُسے اپنا کلام سنانے) سے مغایر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی تکلیم جس سے بھی ہو بہت بڑی فضیلت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "منھم من کلم اللہ" (بعض انبیاء وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا ہے) لیکن اُس کا قول کبھی ناخوشی و ناراضی سے بھی ہوتا ہے۔ اُس نے فرمایا ہے کہ وہ اہل دوزخ سے کہے گا کہ "اخسئوا فیھا ولا تکلمون" (اسی میں دفان رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو)۔ اور ابلیس سے کہا کہ "ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی" (تجھے کس نے روکا کہ تو اُسے سجدہ نہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا)۔ "قال اخرج منھا" (اللہ نے کہا کہ جنت سے نکل جا) یہ

کہنا جائز نہیں کہ ابلیس کلیم اللہ ہے۔ اور نہ یہ کہ اہل دوزخ کلیم اللہ ہیں۔
اللہ کا قول نص کے مطابق حادث ومخلوق ہے۔ برہان اللہ کا کلام ہے "ان الذین یشترون بعہد اللہ وایمانہم ثمنا قلیلا اولئک لاخلاق لہم فی الآخرۃ ولا یکلمہم اللہ ولا ینظر الیہم یوم القیامۃ ولا یزکیہم ولہم عذاب الیم" (جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنے ایمان کے عوض میں تھوڑی سی قیمت خریدتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت میں ان کی طرف نظر کرے گا اور نہ ان کو پاک صاف کرے گا۔ اور ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے)۔ پھر فرماتا ہے کہ وہ ان سے کہے گا کہ "اخسئوا فیہا ولا تکلمون" (اسی میں دفان رہو اور مجھ سے بات نہ کرو) اور فرمایا کہ یہ لوگ کہیں گے کہ "ربنا ھؤلاء اضلونا فآتہم عذابا ضعفا من النار قال لکل ضعف ولکن لا تعلمون" (اے ہمارے رب یہی لوگ ہیں جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ لہذا انہیں دوچند عذاب دوزخ دے اللہ تعالیٰ کہے گا کہ ہر ایک کے لئے دوچند ہے۔ لیکن تم نہیں جانتے)۔ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ وہ اُن سے کلام نہ کرے گا اور ان سے قول کرے گا (یعنی کہے گا) لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا قول اُس کے کلام وتکلیم کے مغایر ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ہر کلام وتکلیم تو قول ہیں لیکن نص قرآن کے مطابق ہر قول اللہ کا کلام وتکلیم نہیں ہے۔

اس کے بعد ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اُس نے موسیٰ سے اور ملائکہ علیہم السلام سے کلام کیا یقینی طور پر ثابت ہے کہ اُس نے شب معراج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا فرمایا ہے "تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض منہم من کلم اللہ" (یہ رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا)۔ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ تم دیکھتے ہو بعض انبیاء کے

مقابلے میں بعض کو اپنی تکلیم میں مخصوص کیا۔ فرمایا ہے "وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشاء" (اور کسی بشر کو یہ مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے۔ سوائے اس کے کہ بطور وحی ہو یا پردے کی آڑ سے ہو یا کوئی قاصد بھیجے پھر وہ اُس کے حکم سے جو وہ چاہتا ہے وحی سناوے) الحمد اللہ ان آیات میں جو کچھ ہم نے اس مسئلے میں کہا ہے اُس کی صحت پر نص ہے۔ اور ہمارا توفیق دینے والا تو اللہ ہی ہے۔ اور اس آیت میں اللہ نے ہمیں خبر دیدی کہ وہ ان تین وجوہ میں سے صرف کسی ایک وجہ سے بشر سے کلام کرتا ہے

پھر ہم نے اس میں غور کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام جو کچھ ہمارے پاس لائے ہیں اُس کا نام اللہ تعالیٰ نے تکلیم رکھا جو اللہ سے بشر کے لئے منتقل ہوا۔ لہذا اس سے ثابت ہو گیا کہ جو چیز انبیاء علیہم السلام ہمارے پاس لائے ہیں وہ کلام اللہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعے سے جس کو اُس کے انبیاء ہمارے پاس لائے ہم سے کلام کیا ہے اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے اُس کلام کو بلا شک سنا جو قرآن ہے اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا گیا ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔ اور ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو وحی انبیاء علیہم السلام کے پاس بھیجی اس کا نام اس نے تکلیم رکھا۔ اور ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک تیسری وجہ بیان کی ہے جو وہی تکلیم ہے جو پردے کی آڑ سے ہوتی ہے۔ اور یہی وہ تکلیم ہے جس سے اُس نے اپنے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور یہی وہ وجہ ہے جس پر اللہ کی بلا واسطہ وصلہ تکلیم کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیساکہ اس نے موسیٰ علیہ السلام سے "من شاطئ الواد الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ" (مبارک وادی کے کنارے مبارک جگہ میں خاص درخت سے) کلام کیا۔ لیکن پہلی دونوں قسموں پر بواسطہ وصلہ نہ کہ خالص و بے واسطہ تکلیم اللہ کا اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء سے اُس وحی کے ذریعے سے کلام کیا جو اُس نے ان کے پاس بھیجی

علی بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات (ان رسولوں میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور ان میں بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا۔ اور ان میں بعض کے درجات بلند کئے)۔ اور فرمایا ہے۔ "واذ قال ربك للملائكة انی جاعل فی الارض خلیفة" (اور جبکہ آپ کے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) یہ قطعاً ناممکن ہے کہ اس میں سے کوئی کلام بھی آواز کے ساتھ ہو۔ اس لئے کہ اُس وقت یہ ہو گا کہ اللہ کے سوا کسی اور کلام کرنے والے کے واسطے سے فائدہ پہنچے گا۔ اُس وقت یہ آواز ابر کی گرج کے طور پر ہو گی جو زمین و آسمان کے درمیان میں پیدا ہوتی ہے۔ اُس مارنے کے طور پر ہو گی جو اجسام میں پیدا ہوتی ہے۔ وحی کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے۔ نص قرآن کے مطابق تکلیم جو پردے کی آڑ سے ہوتی وہ بقیہ اقسام وحی سے اعلیٰ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام تفضیل رکھا۔ جیسا کہ ہم نے تلاوت کی۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سب کا نام اگرچہ تکلیم ہے مگر تکلیم مطلق فضیلت میں تکلیم موصل (بواسطہ) سے بڑھکر ہے۔ جیسا کہ ملکیت کی بناء پر ہر روح اللہ تعالیٰ کی روح ہے لیکن جب ہم مطلقاً روح اللہ کہتے ہیں تو اس سے جبرائیل یا عیسٰی علیہما السلام مراد لیتے ہیں تو یہ ان دونوں کے لئے بہت بڑی فضیلت ہوتی ہے۔

جب ہم قرآن پڑھتے ہیں تو حقیقتہً نہ کہ مجازاً ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ کلام کلام اللہ ہے۔ یہ کسی کو جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میرا یہ کلام کلام اللہ نہیں ہے۔ جو ایسا کہے اللہ تعالیٰ نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر فرمائی ہے "سارھقه صعودا انه فكر وقدر فقتل كيف قدر ثم نظر۔ ثم عبس وبسر۔ ثم ادبر واستكبر۔ فقال ان هذا الا سحر يوثر ان هذا الا قول البشر سأصليه سقر" (میں اس کو سخت عذاب کی

مشقت میں ڈالوں گا۔ اس نے سوچا اور اندازہ کیا۔ پھر اس پر خدا کی مار ہو اس نے کیسا اندازہ کیا۔ پھر بھی خدا کی مار ہو اس نے کیسا اندازہ کیا۔ پھر نظر کی پھر ترش روئی کی اور منہ بنایا۔ پھر پشت پھیری اور تکبر کیا۔ اور کہا کہ یہ تو وہی جادو ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے۔ یہ تو بشر ہی کا قول ہے۔ میں اُسے عنقریب دوزخ میں ڈالوں گا)۔

اسی طرح ہم میں سے کوئی شخص کہتا ہے کہ میرا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے۔ جب اُس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کو سنت نے واجب کیا ہے تو کہتا ہے کہ میرا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ کسی مسلمان کو یہ کہنا جائز نہیں کہ میرا دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مغائر ہے۔ اگر یہ کہے گا تو مرتد ہونے کی وجہ سے اُس کا قتل کرنا واجب ہو گا۔ اسی طرح اُسے یہ کہنے کا بھی حق نہیں جب وہ کوئی ایسا عمل کرے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لائی ہو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مغائر ہے۔ اگر کہے گا تو اُسے درست کیا جائے گا اور وہ جھوٹا ہو گا۔ اسی طرح ہم میں سے کوئی یہ کہتا ہے کہ میرا دین وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور مراد یہ لیتا ہے کہ جس دین کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اگر یہ کہے کہ میرا دین اللہ تعالیٰ کے دین کے مغائر ہے تو مرتد ہونے کی وجہ سے اُس کا قتل کرنا واجب ہے اسی طرح جب ہم میں سے کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہے تو صحیح طور پر یہ کہتا ہے کہ میرا یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کلام ہے۔ اگر یہ کہے کہ میرا یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے مغایر ہے تو جھوٹا ہو گا۔ یہ وہ اسماء ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی ملت نے واجب کیا ہے اور ان پر اہل اسلام کا اجماع ہے۔

یہ نہ ہم سے مخفی ہے اور نہ اُن مسلمانوں سے جو گذر گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کی حرکت ہم لوگوں کی زبانوں کی حرکت کے مغائر ہے اسی طرح عمل میں ہمارے اجسام کی

حرکت، اسی طرح وہ علم جس سے دلوں کو موصوف کیا جاتا ہے (کہ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہے ہمارا اور)۔ لیکن شریعت میں نام رکھنا ہمارے ذمے نہیں ہے۔ یہ محض اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے ہے۔ جو اس کی مخالفت کرے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ فرعون و ابوجہل مومن تھے اور موسیٰؑ و محمدؐ کافر (نعوذ باللہ) جب اس کے بارے میں اُس پر اعتراض کیا جائے تو کہے کہ کیا فرعون و ابوجہل کفر پر ایمان نہیں لائے تھے اور محمدؐ و موسیٰؑ طاغوت (بت) کا کفر نہیں کرتے تھے۔ یہ اگرچہ اُس کا کلام ہے جو ظاہر کر دیا گیا ہے لیکن یہ شخص اہل اسلام کے نزدیک کافر ہے اس لئے کہ شریعت نے نام رکھنے کے متعلق جو کچھ اس پر واجب کیا تھا یہ اُس سے بڑھ گیا۔ حالانکہ عقول اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین میں واجب کیا ہے اُسی کے پاس رہنا واجب ہے۔ جو شخص اس سے بڑھے گا اور یہ گمان کرے گا کہ اُس نے اس کی مخالفت کرنے میں اپنی عقل کی دلیل کی پیروی کی ہے تو اُسے جاننا چاہئے کہ اُس نے ایسے قضیۂ عقل سے جدائی اختیار کی ہے جو صادق ہے اور جو حکم شریعت کے پاس رہنے کو واجب کرتا ہے۔ اُس نے مومنین کی مخالفت کی ہے اور اُن کی راہ کے خلاف راہ اختیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولی ونصله جہنم وساءت مصیرا" (اور جو شخص اس کے بعد بھی کہ ہدایت اُسے واضح ہو چکی رسول کو ستائے گا اور مومنین کی راہ کے خلاف اختیار کرے گا تو اُسے اُسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ پھر گیا ہے۔ اور اُسے جہنم میں ڈالیں گے اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے)۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جب ہم بھی کلام اللہ سنتے ہیں اور اُسے موسیٰ علیہ السلام نے بھی سنا ہے تو پھر ہم میں اور اُن میں کیا فرق ہے۔ ہم کہیں گے بہت بڑا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور

ملائکہ نے تو اللہ تعالیٰ کو خود اپنے سے کلام کرتے سنا اور ہم اللہ کا کلام غیر اللہ سے سنتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود کو حکم دیا کہ وہ آپ کو قرآن پڑھکر سنائیں تو ابن مسعود نے عرض کیا کہ یارسول اللہ بھلا آپ کو سناؤں۔ آپ پر تو نازل ہی ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اُسے کسی اور سے سننا چاہتا ہوں۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ وہی قرآن جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اُسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سے سنا۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ تب تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہمارے اندر حلول کر آئے گا (یعنی سما جائے گا)۔ ہم کہیں گے یہ تو بہت ہی سست اور بودی دھمکی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے کلام کو جب ہم پڑھتے ہیں اپنا کلام بنایا ہے تو ہم اسی کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا کلام ہمارے سینوں میں ہے۔ ہماری زبانوں پر جاری ہے۔ اور ہمارے مصاحف میں موجود ہے۔ ہم اُس شخص سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں جو اپنے قول فاسد کی وجہ سے جو اسے اسلام سے خارج کر دینے والا ہے اس کا انکار کرے۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

اعجاز قرآن

ہم اس بر برہان قائم ہونا بیان کر چکے ہیں کہ قرآن معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مثل نظم (بندش الفاظ) سے تمام عرب وغیرہ جن وانس کو عاجز کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا مثل لانے سے مذکورہ بالا گروہوں کو اُن کی محفلوں میں عاجز و خاموش کر دیا ہے۔

یہ وہ امر ہے جس کا نہ کوئی مومن منکر ہے نہ کافر۔ اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اس کے بعد متکلمین نے اس مسئلے میں پانچ قسم کا اختلاف کیا ہے۔

قسم اول وہ ہے جو اشعری سے مروی ہے۔ وہ یہ ہے کہ معجزہ وہ تحدی۔ برانگیختہ کرنا اور عار دلانا ہے کہ وہ اُس قرآن کا مثل لائیں جو ازل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور کبھی اُس سے جدا نہیں ہوا۔ نہ ہم پر نازل کیا گیا اور نہ ہم نے سنا۔

یہ کلام نہایت ناقص و باطل ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ کسی شخص کو ایسی چیز کا مثل لانے کی تکلیف دیجائے جس کو نہ وہ پہچانتا ہے اور نہ اُس نے کبھی اُس کو سنا ہے۔ انھیں بدیہی طور پر یہ لازم آئے گا بلکہ یہی ان کا قول بھی ہے کہ جب معجزہ وہی ہوا (جو اللہ کے ساتھ ہے) تو جو سنا جاتا ہے اور جس کی ہمارے یہاں تلاوت کی جاتی ہے یہ معجزہ نہ ہوا بلکہ اس کے مثل پر قدرت ہوتی یہ ایسا کفر خالص ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں قرآن کے بھی یہ خلاف ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کی ایک سورۃ یا اس کی دس سورتوں سے الزام دیا ہے (کہ بھلا اس کے مثل ایک ہی سورۃ یا دس سورتیں ہی بنا لاؤ)۔ وہ کلام الٰہی جو اشعری کے نزدیک معجزہ ہے اُس کی متعدد سورتیں نہیں ہیں اور نہ وہ کثیر ہے بلکہ وہ صرف واحد ہے۔ لہٰذا یہ قول تو الحمد للہ یونھی ختم ہو گیا۔ (کیونکہ دس سورتیں تو اسی قرآن میں ہیں) اشعری کا ایک قول تمام مسلمانوں کے قول کے مثل بھی ہے کہ یہی معجزہ ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔

قسم ثانی یہ ہے کہ آیا یہ ہمیشہ کے لئے معجزہ ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اس سے حجت قائم ہو جانے کے بعد اعجاز ختم ہو گیا بعض متکلمین نے تو کہا ہے کہ تمام عرب کے اس کے مقابلے سے عاجز ہونے کی وجہ سے حجت قائم ہو چکی۔ اگر اب اس کا مقابلہ کیا جائے تو اس سے وہ حجت باطل نہ ہو گی جو ثابت ہو چکی۔ جیسا کہ عصائے موسیٰ۔

کیونکہ اُس کے سانپ بن جانے سے ان کی حجت قائم ہو چکی۔ اس کے پھر عصا کی شکل میں آجانے سے جیسا کہ وہ پہلے تھا اُن کی حجت ساقط نہیں ہوتی۔ اسی طرح اُن کا گریبان سے چمکتا ہوا ہاتھ نکالنا پھر اس کا اسی شکل میں ہوجانا جیسا کہ وہ تھا۔ اور اسی طرح تمام معجزات۔

جمہور اہل اسلام نے کہا ہے کہ اعجاز قیامت تک باقی رہیگا اور اس سے نشانی جیسی کہ تھی قیامت تک باقی رہے گی۔

یہی وہ حق ہے کہ اس کے سوا کوئی عقیدہ رکھنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے۔ "قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یأتوا بمثل ھذا القران لا یأتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا" (آپ کہد یجئے کہ اگر تمام جن و انس متفق ہو کر بھی اس قرآن کا مثل لانا چاہیں تو اس کا مثل نہ لاسکیں گے۔ اگرچہ ان میں سے بعض بعض کے مددگار بنجائیں)۔

یہ اس پر نص جلی ہے اور صیغہ مستقبل میں ہے کہ وہ لوگ اس کا مثل نہ لاسکیں گے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے اور مستقبل میں ہے۔ جو یہ دعویٰ کرے کہ اس سے مراد ماضی ہے وہ جھوٹا ہے۔ اس لئے کہ لغت کا بدلنا اور لفظ مستقبل کو معنی ماضی کی طرف منتقل کرنا بغیر کسی دوسری نص جلی کے جو اس کے متعلق وارد ہو یا بغیر اجماع یقینی کے کہ اس سے مراد اس کے ظاہر کے خلاف ہے۔ یا ضرورت کے جائز نہیں۔ اس مسئلے میں ان وجوہ میں سے کسی ایک تک بھی رسائی نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا بھی کہ "قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتو" (کہد یجئے کہ اگر تمام جن و انس متفق ہو کر اس کا مثل لانا چاہیں) عام ہے ہر جن و انس کے لئے اور ہمیشہ کے لئے اس میں بھی کسی چیز کی تخصیص بغیر ضرورت یا اجماع کے جائز نہیں۔

جو وقف کا قائل ہے اور اس کا کہ عموم کے لئے کوئی صیغہ نہیں ہے اور نہ ظاہر کے لئے۔ تو یہاں گروہ مذکورہ پر اُس کے لئے کوئی حجت نہیں قائم

ہوتی۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اعجاز قرآن قیامت تک باقی رہیگا۔ والحمد للہ رب العلمین

قسم ثالث یہ ہے کہ قرآن کی کیا چیز معجزہ ہے۔ آیا اس کا نظم (بندش الفاظ) یا جو اس کی آیات میں غیب کے متعلق پیشنگوئیاں ہیں۔

بعض متکلمین نے کہا ہے کہ اس کا نظم معجزہ نہیں۔ اس میں معجزہ صرف غیب کی پیشنگوئیاں ہیں۔ بقیہ اہل اسلام کا قول ہے کہ دونوں امور معجزہ ہیں یعنی نظم کلام بھی اور اخبار بالغیب بھی۔ یہی وہ حق ہے کہ اس کی مخالفت گمراہی ہے۔ برہان اللہ تعالی کا یہ قول ہے "فاتوا بسورۃ من مثلہ" (لہذا ایک ہی سورۃ لے آؤ جو اس کے مثل ہو۔) اللہ تعالی نے تصریح فرمادی کہ وہ لوگ اس کی سورتوں میں سے کسی ایک سورۃ کے مثل بھی نہیں لاسکیں گے۔ اور اس کی اکثر سورتیں ایسی ہیں جن میں غیب کی خبریں نہیں ہیں۔ جو شخص قرآن کی اخبار غیب کو معجزہ بناتا ہے وہ اللہ تعالی کی اس تصریح کے مخالف ہے یہ بھی قرآن کا ایک معجزہ ہے۔ لہذا یہ تمام اقوال فاسدہ ختم ہو گئے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

قسم رابع یہ ہے کہ اس کے اعجاز کی وجہ کیا ہے۔ ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ اس کے معجزہ ہونے کی وجہ اس کا مراتب بلاغت کی انتہا کو پہنچنا ہے۔ دوسرے گروہوں نے یہ کہا کہ اس کے اعجاز کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے مخلوق کو اس کے مقابلے کی قدرت سے روک دیا ہے۔ وہ گروہ کہ جس نے یہ کہا کہ اس کا معجزہ ہونا محض اس وجہ سے ہے کہ وہ بلاغت کے اعلی درجے میں ہے۔ انھوں نے اس میں اس طرح تزویر کی ہے کہ اس کی اس قسم کی آیات کا ذکر کیا ہے۔ ولکم فی القصاص حیاۃ" (تمھارے لئے قصاص میں حیات ہے) ان میں سے بعض نے اس طرح فریب کاری کی ہے اور کہا ہے کہ اگر ایسا ہوتا جیسا تم کہتے ہو کہ اللہ تعالی نے اس کے مقابلے سے روکدیا ہے۔ تو ضرور واجب ہوتا کہ یہ کلام زیادہ سے زیادہ جتنا ردی ہو سکتا ہے ہو۔ پھر یہ ہوگہ اس کے ذریعے سے جو حجت ہو وہ پوری ہو۔

ہمیں ان دو باتوں کے سوا ان لوگوں کی اور کوئی دیدہ دلیری و فریب نہیں معلوم۔ ان دونوں امور میں ان لوگوں کے لئے کوئی حجت و دلیل نہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ اگر ایسا ہوتا جیسا کہ ہم لوگوں نے کہا تو واجب آتا کہ کلام جس قدر زیادہ سے زیادہ ردی ہو سکتا ہے اتنا ہی ردی ہو۔ پھر اس سے جو حجت قائم ہو وہ انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔

چند وجوہ سے درحقیقت یہی کلام ردی ہے۔ جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ یہ قول بلا دلیل ہے۔ اس لئے کہ بعینہٖ یہی قول ان پر پلٹا جا سکتا ہے اُس سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس کا اعجاز اُس کے بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہونے کی وجہ سے ہوتا تو اس میں کوئی حجت و دلیل نہ ہوتی۔ اس لئے کہ یہ تو ہر اُس شخص میں ہوتا ہے جو کسی اعلیٰ طبقے میں بھی ہو۔ لیکن معجزات انبیاء معمول ومعہود سے باہر ہیں۔ یہ ان کی دیدہ دلیری و فریب سے بہت قوی ہے۔

دوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرے اُس سے پوچھا نہیں جا سکتا۔ نہ اُس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تو نے اسی نظم سے کیوں عاجز کر دیا کسی اور سے کیوں نہ کیا۔ تو نے اس رسول کو کیوں بھیجا کسی اور کو کیوں نہ بھیجا۔ تو نے عصائے موسیٰ کو سانپ کیوں کر دیا اُسے شیر کیوں نہ بنا دیا۔ یہ محض اُن کی حماقت ہے جو یہ سب کہے۔ کہ جس کو ہرگز عقل واجب نہیں کرتی۔ آیت کے مطابق اُس کا معمول سے باہر ہونا ہے فقط۔

سوم۔ ان لوگوں نے جب اس سوال فاسد کے ذریعے سے اپنے رب سے دریافت کیا تو انھیں یہ کہنا بھی لازم ہے کہ یہ اعجاز ایسے کلام میں کیوں نہ ہوا جس میں تمام لغات (زبانیں) جمع ہوتیں اور اُس کے اعجاز کے سمجھنے میں عرب و عجم مساوی ہوتے اس لئے کہ عجم تو اعجاز قرآن کو محض عرب کے بتانے سے سمجھتے ہیں۔ لہذا یہ بیہودہ فریب بھی باطل ہو گیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

ان کا "ولکم فی القصاص حیاۃ" (تمہارے لئے قصاص میں

زندگی ہے) کو اور اسی قسم کی آیات کو ذکر کرنا۔ ان میں بھی ان کے لئے کوئی حجت و دلیل نہیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ (معاذ اللہ من ذلک) اگر ایسا ہوتا جیسا تم لوگ کہتے ہو قرآن میں سے صرف یہی آیات خاص طور پر معجزہ ہوتیں اور بقیہ قرآن معجزہ نہ ہوتا۔ اور یہ کفر ہے۔ جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہو سکتا۔

اگر وہ کہیں کہ معجزہ ہونے میں پورا قرآن ان آیات کے مثل ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ پھر تم نے خاص طور پر ان آیات کا ذکر کیوں کیا اور ان آیات کا ذکر کیوں نہ کیا۔ یا تو یہ تمھاری ہی غلطی ہے یا ان جاہلوں کو دھوکا دینا ہے جو قرآن کے معجزہ و غیر معجزہ ہونے کو نہیں جانتے۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ کلام الٰہی کی یہ آیت معجزہ ہے یا نہیں واوحینا الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وعیسیٰ وایوب ویونس وھارون وسلیمان واتینا داؤد زبورا (اور ہم نے ابراہیم واسمٰعیل واسحاق ویعقوب واسباط وعیسیٰ وایوب ویونس وہارون وسلیمان کو وحی بھیجی اور داؤد کو ہم نے زبور دی) اگر وہ کہیں کہ معجزہ نہیں تو کافر ہو گئے۔ اور اگر کہیں کہ معجزہ ہے تو سچ کہا ان سے دریافت کیا جائے گا کہ آیا تمھاری شرائط کے مطابق یہ بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہے؟ اگر یہ کہیں کہ ہاں ہے۔ تو انھوں نے بداہت و ظاہر کی مخالفت کی اور اپنی دشواری کے ذمہ دار ہو گئے۔ اس لئے کہ یہ تو صرف چند لوگوں کے نام ہیں۔ جو ان کی شرائط کے مطابق بلاغت میں نہیں ہیں۔

اگر قرآن کا اعجاز اس لئے ہوتا کہ وہ بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہے تو وہ حسن وسہل بن ہرون و جاحظ کے کلام کے اور امرئ القیس کے شعر کے مرتبے میں ہوتا۔ معاذ اللہ من ھذا۔ اس لئے کہ جو چیز اپنے طبقے میں سبقت لیجاتی ہے وہ اس سے محفوظ نہیں ہوتی کہ جو اس کا مماثل ہے وہ بھی اسے لا سکے گا۔ لہٰذا انھیں یا تو اس خطاء سے مفر نہیں یا انھیں ہمارے قول کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے و معارضہ سے

روک دیا ہے۔
اگر اُس کا اعجاز یہی ہوتا کہ وہ بلاغت معہودہ کے اعلیٰ درجے میں ہے تو یہ ضرور لازم آتا ہے کہ وہ ایک آیت ہو اور ایک آیت سے ہرگز کم نہ ہو۔ اور یہ اُن کے اس قول کے خلاف ہے کہ قرآن کی تین آیات معجزہ ہیں نہ ان سے کم۔
اگر وہ ہم سے کہیں کہ اچھا تم بتاؤ کہ قرآن کی یہ صفت ہے یا نہیں کہ وہ بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہے۔ تو ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ اگر اس سے تمہاری مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی مراد کو پہنچا دیا۔ ہاں اس معنی میں وہ اس انتہا، کو پہنچا ہوا ہے کہ کوئی شئے اُس سے بڑھکر نہیں ہے۔
اگر تمہاری مراد یہ ہو کہ وہ مخلوق کے کلام میں بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہے۔ تو نہیں۔ اس لئے کہ وہ کلام مخلوق کی قسم میں سے نہیں ہے نہ اس کی قسم اعلیٰ میں نہ ادنیٰ میں نہ اوسط میں۔
برہان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے رسالے یا خطبے یا تالیف یا موعظت میں حروف مقطعات داخل کرے تو بلاشک یہ معمولی بلاغت سے بالکل خارج ہو جائے گا اور یہ صحیح ہوگا کہ وہ قطعاً انسانی بلاغت کی قسم میں سے نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے امر سے اپنی مخلوق کو روک دیا ہے اور اُسے اعجاز کا لباس پہنایا ہے اور تمام مخلوق کے کلام سے جدا کر دیا ہے۔ برہان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دوزخ کی ایک قوم سے نقل کیا ہے کہ جب اُن سے دوزخ میں ڈالے جانے کا سبب دریافت کیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ "لم نك من المصلين ولم نك نطعم المسكين وكنا نخوض مع الخائضين وكنا نكذب بيوم الدين حتى اتنا اليقين" (ہم نمازیوں میں نہ تھے اور نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور ہم باتیں بنانے والوں کیساتھ باتیں بنایا کرتے تھے اور روز قیامت کی تکذیب کیا کرتے تھے یہاں تک کہ (اسی حال میں) ہمیں موت آگئی)۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے

کافر سے نقل فرمایا ہے جس نے یہ کہا تھا کہ "ان هذا الا سحر یؤثر ان هذا الا قول البشر" (یہ تو وہی سحر ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے یہ تو بشر ہی کا کلام ہے)۔ دوسرے کفار سے نقل کیا ہے جنھوں نے یہ کہا تھا کہ "لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا او تسقط السماء كما زعمت علينا كسفا او تاتى بالله والملائكة قبيلا او يكون لك بيت من زخرف او ترقى فى السماء ولن نؤمن لرقيك حتى تنزل علينا كتابا نقراه" (ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے تاوقتیکہ آپ ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ نہ جاری کر دیں۔ یا جیسا کہ آپ کا گمان ہے آپ ہمارے اوپر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہ گرادیں یا اللہ کو اور ملائکہ کو سامنے نہ لے آئیں۔ یا آپ کے لئے ایک شیشے کا مکان نہ ہو۔ یا آپ آسمان پر نہ چڑھ جائیں۔ اور ہم ہرگز آپ کے آسمان پر چڑھنے کو بھی نہ مانیں گے تاوقتیکہ آپ ہم پر ایک کتاب نہ نازل کریں کہ جس کو ہم پڑھیں) ۔ یہ سارا کلام جب کہ اُسے غیر اللہ نے کہا تھا بغیر کسی اختلاف کے غیر معجزہ تھا۔ اس لئے کہ اہل اسلام میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ کسی غیر اللہ کا کلام بھی معجزہ ہے۔ لیکن جب اللہ نے اسے کہدیا اور اُسے اپنا کلام بنا دیا تو اُسے معجزہ بنا دیا۔ اور اُس کی مماثلت سے روکدیا۔ یہ کافی برہان ہے کہ اس کے سوا کسی اور برہان کی ضرورت نہیں والحمد للہ۔

قسم خامس یہ ہے کہ قرآن کی کونسی مقدار معجزہ ہے۔ اشعریہ اور ان کے موافقین نے کہا ہے کہ اُس کی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کے برابر معجزہ ہے اور اس سے زیادہ بھی۔ مثلاً "انا اعطيناك الكوثر" جو اس سے کم ہو وہ معجزہ نہیں۔ اس کے متعلق انھوں نے اس کلام الٰہی سے استدلال کیا ہے "قل فاتوا بسورة من مثله" (آپ کہدیجئے کہ قرآن کی سی کوئی ایک ہی سورۃ لے آؤ) ان لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے کم پر برانگیختہ نہیں کیا۔

۱۳

بقیہ اہل اسلام کا مذہب یہ ہے کہ قرآن کا قلیل وکثیر سب کا سب معجزہ ہے۔ اور یہی وہ حق ہے جس کی مخالفت جائز نہیں "فاتوا بسورۃ من مثلہ" میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ایک سورۃ سے کم معجزہ نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ "اس قرآن کا مثل لانے پر متفق ہو جائیں تو نہ لا سکیں گے۔ اور کوئی دو آدمی بھی اس میں اختلاف نکریں گے کہ قرآن کی ہر شئے قرآن ہے۔ لہذا قرآن کی ہر شے معجزہ ہے۔

اُن لوگوں کا معجزے کو ایک سورۃ میں محدود کرنے سے تعارض واختلاف کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ ہمیں بتاؤ کہ تمھاری اس قول سے کیا مراد ہے کہ "معجزہ بقدر ایک سورۃ کے ہے" آیا پوری سورۃ نہ کہ اس سے کم۔ یا آیات میں بقدر سورۂ کوثر۔ یا کلمات میں بقدر سورۂ کوثر۔ یا حروف میں میں بقدر سورۂ کوثر۔ کسی پانچویں صورت کا امکان نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ پوری ایک سورۃ نہ کہ اس سے کم۔ تو انھیں لازم آئے گا کہ سورۂ بقرہ ایک آیت کم یا اُس کے اول یا آخر سے ایک کلمہ کم کر کے معجزہ نہو۔ اور اسی طرح ہر سورۃ کم کر کے معجزہ نہ ہو۔ حالانکہ بغیر کسی پوشیدگی کے یہ خالص کفر ہے کیونکہ انھوں نے قرآن کی ہر سورۃ کے مثل کو بجز اُس کے ایک کلمے کے خواہ وہ اول کا ہو یا درمیان کا یا آخر کا بشر کی قدرت کے اندر کر دیا۔ اور اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ نہیں۔ سورۂ کوثر کی آیات کی مقدار معجزہ ہے تو انھیں لازم آئے گا کہ آیت دین معجزہ نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ تین آیتیں نہیں ہیں اس کے ساتھ ہی انھیں یہ بھی لازم آتا ہے کہ والفجر۔ ولیال عشر۔ والشفع والوتر۔ معجزہ ہو جیسا کہ آیۃ الکرسی اور اُس کے ساتھ دو آیتیں ملا کر معجزہ ہوئیں۔ اس لئے کہ یہ تین آیتیں ہیں۔ حالانکہ یہ اُن کے قول کے خلاف اور مکابرہ یعنی بداہت کی مخالفت ہے۔ نیز یہ لازم آئے گا کہ یہ کلمات معجزہ ہوں۔ تو انے اس کے کُل کے غیر معجزہ ہوں۔ یہ بھی لازم آئے گا کہ "والفجر۔ والضحیٰ۔ والعصر۔ صرف یہی تین کلمات معجزہ ہوں۔ اس لئے کہ یہ تین

آیتیں ہیں۔ اگر وہ کہیں کہ یہ تو متفرق آیتیں ہیں متصل نہیں ہیں تو انھیں لازم آئے گا کہ وہ ایک ہزار متفرق آیتوں کو معجزہ ہونے سے نکالدیں۔ اور ان کے مثل لانے کا امکان بھی لازم آئے گا۔ جو اس کو ممکن قرار دے تو وہ مشاہدے کا منکر ہے اسلام سے خارج۔ اور قرآن سے اعجاز کا باطل کرنیوالا جو شخص اپنا خیر خواہ ہو اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے یہ بھی لازم آئے گا کہ "ولکم فی القصاص حیاۃ" معجزہ نہ ہو۔ اور یہ خود ان کے اس قول کے خلاف ہے کہ وہ بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہے۔ اسی طرح ہر وہ تین آیتیں جن میں سے ایک کلمہ کم ہو۔ اور یہ اسلام سے بھی باہر ہوتا ہے اور معقول سے بھی۔

اگر وہ کہیں کہ کلمات کے عدد میں یا حروف کے عدد میں معجزہ ہے تو انھیں دو ایسی چیزیں لازم آئیں گی جو ان کے قول کی ساقط کرنیوالی ہوں گی ایک تو خود ان کا اس کلام الٰہی سے استدلال کہ "فاتوا بسورۃ من مثلہ" اس لئے کہ انھوں نے جو ایک سورۃ نہیں ہے اُسے معجزہ بنا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مقدار کے متعلق نہیں کہا۔ لہٰذا ان کی فریب کاری روشن ہوگئی۔ دوم۔ سورۂ کوثر کے دس کلمات اور بیالیس ۴۲ حروف ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "واوحینا الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وعیسٰی وایوب ویونس وھارون وسلیمان" یہ بارہ ۱۲ کلمات اور بہتر حروف ہیں۔ اگر ہم صرف ناموں ہی پر اقتصار کریں تو دس کلمات اور باسٹھ ۶۲ حروف ہوں گے۔ یہ آیت کلمات و حروف میں سورۂ کوثر سے زائد ہے۔ تو مناسب ہے کہ یہ بھی تمھارے یہاں معجزہ ہو۔ اور "ولکم فی القصاص حیاۃ" معجزہ نہ ہو۔

اگر وہ کہیں کہ یہ آیت معجزہ نہیں تو انھوں نے اپنا یہ قول ترک کر دیا کہ "جو چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کے کلمات و حروف کی تعداد میں ہو وہ معجزہ ہے"

اگر وہ کہیں کہ نہیں۔ یہ معجزہ ہے تو انھوں نے اپنا یہ قول ترک کر دیا کہ معجزہ وہ ہے جو بلاغت کے اعلیٰ درجے میں ہو نیز انھیں لازم آئے گا کہ

اگر ہم ان ناموں میں سے دو نام اور سورہ کوثر میں سے چند کلمات ساقط کر دیں تو ان میں سے کوئی بھی معجزہ نہ رہے ۔ لہٰذا ان کے کلام کا ساقط ہونا اور اُس کی فریب آمیزی اور فساد ظاہر ہو گیا ۔ نیز جب قرآن کی ایک آیت یا دو آیتیں معجزہ نہیں ہیں اور ان کے مثل لانے پر بشر کو مقدور رہے ۔ اور جب ایسا ہے تو پھر پورے قرآن کے مثل لانے پر بشر کا مقدور رہے ۔ اور یہ کفر ہے ۔

اگر وہ یہ کہیں کہ جب تین آیتیں جمع ہو جائیں تو پھر وہ مقدور کے باہر ہو جائیں گی ۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ یہ تمھارے اس قول کے خلاف ہے کہ قرآن کا اعجاز صرف طریق بلاغت سے ہے ۔ اس لئے کہ طریق بلاغت ایک آیت میں بھی ایسا ہی ہے جیسا تین آیتوں میں ۔ اور کوئی فرق نہیں ہے ۔ حالانکہ اس میں حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ "قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یأتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ" ۔ (آپ کہدیجئے اگر تمام انس وجن اس پر متفق ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کا مثل لائیں تو اُس کا مثل نہ لا سکیں گے) ۔

١٤

ہر وہ کلمہ جو معنی کا قائم کرنے والا ہو جب اُس کی تلاوت کیجاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن کا ہے اور وہ معجزہ ہے ۔ کبھی کوئی اس کا مثل لانے پر قادر نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس سے روک دیا ہے ۔

مثلاً کوئی یہ کہے کہ علامت نبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کھلے ہوئے راستے میں چلنے دے گا جس میں میرے سوا کبھی یا مدت معینہ تک کوئی نہ چل سکے گا ۔ جو علامات ہو سکتی ہیں ان میں یہ بڑی سے بڑی علامتِ نبوت ہے ۔ کلمۂ مذکورہ جب کسی خبر میں بیان کیا جائے جو قرآن نہیں ہے تو وہ معجزہ نہیں ہے ۔ یہی وہ چیز ہے جس کو نص لائی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے چار سو چالیس برس سے روئے زمین کے لوگ عاجز ہیں ۔

ہم قرآن میں ایسے دو معنی کے درمیان ایک اور معنی کا داخل کرنا پاتے ہیں کہ وہ معنی ان دونوں کے درمیان نہیں ہوتے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ "ومانتنزل الا بامر ربک له مابین ایدینا وخلفنا و مابین ذلک" (اور ہم تو محض آپ کے رب کے حکم سے اُترتے۔ اُسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے درمیان میں ہے)۔ یہ انسانی بلاغت میں سے نہیں ہے نہ ظاہر میں نہ باطن میں۔ قرآن میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔

قدرت الٰہی
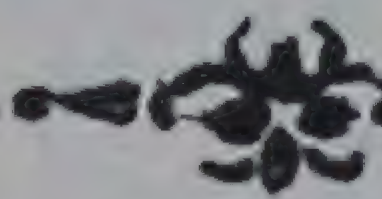
اس باب میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ انسان اپنے افعال پر مجبور ہے اور اُسے قطعاً کوئی استطاعت نہیں ہے۔ یہی قول جہم بن صفوان کا اور ازارقہ کے ایک گروہ کا ہے۔ ایک دوسرے گروہ کا مذہب یہ ہے کہ انسان مجبور نہیں ہے۔ انھوں نے اس کے لئے قوت و استطاعت ثابت کی ہے جس سے وہ اپنے لئے جو کچھ پسند کرتا ہے کرتا ہے۔ یہ فرقہ دو گروہ پر تقسیم ہو گیا۔ ان میں سے ایک نے تو یہ کہا کہ وہ استطاعت جس سے فعل سرزد ہوتا ہے وہ فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور اُس سے پہلے قطعاً نہیں ہوتی۔ یہی قول متکلمین کے چند گروہوں کا اور ان کے موافقین کا ہے مثلاً نجار واشعری و محمد بن علیسی برغوث الکاتب و بشر بن غیاث المریسی و ابی عبدالرحمٰن العطوی۔ اور مرجیہ و خوارج کی ایک جماعت اور ہشام بن الحکم و سلیمان بن جریر اور ان دونوں کے ساتھی

دوسرے گروہ نے یہ کہا کہ وہ استطاعت کہ جس سے فعل سرزد ہوتا ہے وہ فعل سے پہلے انسان میں موجود ہوتی ہے ۔ یہی قول معتزلہ کا اور مرجیہ کے چند گروہوں کا ہے ۔ مثلاً محمد بن شبید و مونس بن عمران و صالح قبہ والناسی اور خوارج کی ایک جماعت اور شیعہ کا ۔ یہ لوگ چند فرقوں پر تقسیم ہو گئے ۔

ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ فعل و ترک فعل کے لئے استطاعت قبل فعل بھی ہوتی ہے اور فعل کے ساتھ بھی ۔ یہی قول بشر بن المعتمر البغدادی و ضرار بن عمرو الکوفی و عبداللہ بن غطفان و معمر بن عمرو العطار البصری اور دوسرے معتزلہ کا ہے ۔ ابوالہذیل محمد بن الہذیل العبدی البصری العلاف نے کہا ہے کہ استطاعت فعل کے ساتھ قطعاً نہیں ہوتی ۔ وہ لامحالہ اس کے قبل ہی ہوتی ہے اور وجود فعل کے اول ہی میں ختم ہو جاتی ہے ۔ ابواسحاق بن ابراہیم بن سیار النظام و علی الاسواری و ابوبکر بن عبدالرحمٰن ابن کیسان الاصم نے کہا ہے کہ سوائے نفس مستطیع کے استطاعت اور کوئی شئے نہیں ۔ اسی طرح ان لوگوں نے عجز کے بارے میں بھی کہا ہے کہ سوائے نظام کے عاجز اور کوئی شئے نہیں ہے ۔ کیونکہ اس نے کہا کہ عجز ایک آفت ہے جو مستطیع پر آگئی ہے ۔

جو لوگ اجبار (یعنی انسان کے مجبور ہونے) کے قائل ہیں انھوں نے استدلال کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فعّال ہے اور مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے مشابہ نہیں تو ضروری ہے کہ اس کے سوا کوئی فعّال نہ ہو ۔ انھوں نے کہا ہے کہ انسان کی طرف کسی فعل کے منسوب کرنے کے صرف یہی معنی ہیں جیسا کہ تم کہتے ہو کہ زید مر گیا ۔ حالانکہ اسے اللہ ہی نے موت دی ۔ اور عمارت قائم ہو گئی حالانکہ اسے اللہ ہی نے قائم کیا ۔

یہ کلام غلط ہے ۔ جو حس و نص اور اس لغت سے ظاہر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خطاب کیا اور اسی میں ہم سمجھتے سمجھاتے ہیں ۔ نص تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعدد مقامات میں فرمایا ہے کہ "جزاءً بما کنتم تعملون" (یہ اس کی جزا ہے جو تم کیا کرتے تھے) ۔ اور "لم تقولون ما لا تفعلون" (وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ۔) اور

"وعملوا الصّٰلحٰت" (اور اعمال صالحہ کئے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ ہم لوگ عمل کرتے ہیں۔ فعل کرتے ہیں۔ کام کرتے ہیں۔
حس یہ ہے کہ حواس وضرورت و بداہت عقل سے ہم یقینی طور پر ایسے علم کے ساتھ جانتے ہیں جس میں ذرا سا بھی شک کا خلجان نہیں ہوتا کہ صحیح اعضاء والے اور غیر صحیح اعضاء والے میں کھلا ہوا فرق ہے۔ اس لئے کہ صحیح اعضاء والا قیام وقعود (نشست و برخاست) اور تمام حرکات اپنے اختیار سے بغیر کسی مانع کے کرتا ہے۔ اور جس کے اعضاء صحیح نہیں ہیں اگر وہ اس کا قصد کرے گا تو اُسے دشوار ہوگا اور وہ اُسے ہرگز نہ کر سکے گا۔ اس فرق سے زیادہ واضح کوئی بیان نہیں ہو سکتا۔ مُجبَر (مجبور) لغت میں وہ شخص ہے جس سے فعل اُس کے قصد واختیار کے خلاف واقع ہو۔ جس شخص کا فعل اُس کے اختیار وقصد سے واقع ہو تو اُسے لغت میں مجبور و مُجبَر نہیں کہا جائے گا۔ اور "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" (باز رہنا اور قوت اللہ ہی سے ہے) پر تمام امت کا اجماع ہے جو مجبور ماننے والوں کے قول کا باطل کرنے والا ہے۔ ضروری ہے کہ ہمارے لئے حول (باز رہنے کی طاقت) اور قوت ہو۔ لیکن یہ ہمارے لئے محض اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اگر جہمیہ کا مذہب صحیح ہوتا تو "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" کے کوئی معنی نہ ہوتے۔ اور اسی طرح اس آیت کے بھی۔ "لمن شاء منکم ان یستقیم وماتشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العٰلمین" (یہ قرآن اُس کے لئے نصیحت ہے جو تم میں سے درست ہونا چاہے۔ اور تم نہ چاہو گے سوائے اس کے کہ اللہ رب العٰلمین ہی چاہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ ہمارے لئے مشیت ہے۔ سوائے اس کے کہ بغیر اللہ کی مشیت کے ہماری مشیت نہیں ہوتی۔ اور یہ ہمارے قول کی تصریح ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔
جو لوگ اشیاء کے عناصر واصول یعنی واجب وممتنع وممکن کو جانتے ہیں وہ صحیح اعضاء والے اور غیر صحیح اعضاء والے کے درمیان فرق کو یقین کرتے ہیں۔

اس لئے کہ حرکت اختیاری کا اول جس سے حرکت اضطراریہ کے متغایر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ اعضائے آفت رسیدہ سے فعل اختیاری کا صدور ناممکن ہے۔ اور یہ صاحب اعضائے صحیحہ سے ممکن ہے۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ اگر اپاہج پوری مشقت کے ساتھ بھی کھڑے ہونے کا ارادہ کرے گا تو بھی یہ اُس کے لئے ممکن نہ ہوگا۔ ہمیں قطعی یقین ہے کہ وہ کھڑا نہ ہوسکے گا۔ صحیح اعضاء والے کو جب ہم بیٹھا ہوا دیکھتے ہیں تو ہم نہیں جانتے کہ وہ کھڑا ہو جائے گا یا لیٹ جائے گا یا برابر بیٹھا ہی رہے گا۔ یہ سب باتیں اُس کے لئے ممکن ہیں۔ لیکن بطریق لغت اجبار۔ اکراہ۔ اضطرار۔ اور غلبہ سب اسماء مترادفہ (ہم معنی) ہیں اور سب کے سب ایک ہی معنی پر واقع ہوتے ہیں۔

وقوع فعل اُس شخص سے ناممکن ہے جو اسے پسند نہ کرے اور اختیار نہ کرے۔ اس کے خلاف کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جو شخص اُن حرکات و اعتقادات کو جو اُس سے ظاہر ہوتے ہیں پسند کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے اور اُسے اُس کی رغبت و خواہش اُس کی طرف مائل کرتی ہے تو اس پر اسم اجبار و اضطرار واقع نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ مختار ہے اور اُس سے جو فعل سرزد ہوا ہے وہ اُس کے ارادے۔ قصد اور خواہش سے سرزد ہوا ہے۔ اس معنی کے متعلق اس قسم کی عبارات اُس لغت عربیہ میں ہیں جس میں ہم سمجھتے سمجھاتے ہیں۔

اگر کوئی کہنے والا کہے کہ یہاں تم نے لفظ اضطرار کے اطلاق کرنے سے انکار کیوں کیا حالانکہ معارف میں تم نے اس کا اطلاق کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ اضطرار سے حاصل ہوتے ہیں۔ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ نے ان سب کو انسان میں پیدا کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ دونوں امور میں کھلا ہوا فرق ہے۔ فاعل سے اپنے فعل کے ترک کا وہم کیا جاسکتا ہے اور یہ اُس سے ممکن ہے۔ لیکن یہ برہان سے ثابت ہے کہ جس چیز کی اُس نے معرفت حاصل کرلی ہے وہ یقیناً

ایسی نہیں ہے ۔ اس لئے کہ اُس کا معرفت و علم سے ہٹنا وہم میں بھی نہیں آسکتا اور نہ یہ اُس سے ممکن ہے ۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ وہ اُس پر مضطر ہے ۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اُس جماعت کی مدح فرمائی ہے جو یہ دعا کرے اور کہے کہ "ولا تحملنا ما لا طاقة لنا بہٖ" (اے ہمارے رب ہم پر اُس چیز کا بار نہ ڈالنا جس کی ہمیں طاقت نہ ہو ۔) ہم یہ جانتے ہیں کہ لغت عربیہ میں طاقت ۔ استطاعت ۔ قدرت اور قوت الفاظ مترادفہ ہیں جو ایک ہی معنی پر واقع ہوتے ہیں ۔ یہ اُس شخص کی صفت ہے جس سے فعل اپنے اختیار سے اور اُس کا ترک بھی اپنے اختیار سے ممکن ہو ۔ اس میں بھی شک نہیں کہ اس قوم کو جنھوں نے یہ دعا کی تھی طاعات و اعمال و اجتناب معاصی کا پابند کیا گیا تھا ۔ یہاں اگر ایسی اشیاء نہ ہوتیں جن کی انھیں طاقت ہو تو یہ دعا حماقت ہوتی اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ اللہ سے اس امر کی دعا کر رہے ہیں کہ وہ اُنھیں اُن اشیاء کی تکلیف نہ دے جن کی انھیں طاقت نہیں ۔ تو ان کی دعاء اس امر کی ہوتی کہ اُنھیں اُس امر کی تکلیف نہ دیجائے جس کی اُنھیں تکلیف نہیں دیگئی ۔ یہ کلام محال ہے ۔ اللہ تعالیٰ محال کی مدح نہیں کرتا ۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہاں پر افعال کی طاقت موجود ہے ۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق ۔

ان لوگوں کا یہ استدلال کہ چونکہ اللہ تعالیٰ فعال ہے تو واجب ہے کہ اُس کے سوا کوئی فعال نہ ہو ۔ چند وجوہ سے یہ قول بھی غلط ہے ۔

اوّل تو اس لئے کہ نص وارد ہوئی ہے کہ انسان کے لئے افعال و اعمال ہیں ۔ اللہ نے فرمایا ہے "کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون" (یہ لوگ اُس بدکاری سے بچتے نہ تھے جس کو انھوں نے کیا ۔ یہ لوگ بلا شک بہت برا کام کیا کرتے تھے ۔) اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے فعل کو ثابت کیا ۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ انسان کام کرتا ہے ۔ اس لئے کہ اس کے متعلق نص وارد ہوئی ہے ۔ اگر نص نہ ہوتی تو ہم اس میں سے کسی شے کا بھی اطلاق نہ کرتے ۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے" وفاکھۃ مما یتخیرون" (اور وہ میوے کہ جن میں سے وہ خود انتخاب کریں گے) (یعنی اہل جنت کو ان کی پسند کے میوے ملیں گے) تو ہم نے جان لیا کہ انسان کے لئے اختیار ہے۔ اس لئے کہ اہل دنیا واہل جنت اس امر میں برابر ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کے افعال کا خالق ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ" (اور آپ کا رب جو چاہتا اور پسند کرتا ہے پیدا کرتا ہے۔ ان لوگوں کو اختیار نہیں) ہم نے جانا کہ وہ اختیار اللہ تعالیٰ کا ہی فعل ہے اور وہ اُس کے ماسوا سے منفی ہے اور یہ اُس اختیار کے مغائر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی طرف منسوب کیا اور جس سے انھیں موصوف کیا۔ نیز ہم نے اسے از روئے حس پایا۔

وہ اختیار جس میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے وہ یہ ہے کہ وہ جو چاہے جیسا چاہے اور جب چاہے کرے۔ یہ اُس کی مخلوق میں سے کسی کی صفت نہیں۔ لیکن وہ اختیار جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی طرف منسوب کیا ہے وہ وہی ہے جو اُس نے اپنی مخلوق کے اندر پیدا کیا ہے اور جو صرف کسی شئے کی طرف میلان اور اس کے غیر کے مقابلے میں اُسے ترجیح دینا ہے۔ بتوفیق الٰہی یہاں نہایت واضح فرق ہے کہ ناموں میں مشترک ہونے کی وجہ سے تشابہ نہیں واقع ہوتا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہم کہتے ہیں" اللہ حیّ ہے" اور انسان حیّ ہے" اور انسان حلیم و کریم و علیم ہے" اور اللہ تعالیٰ حلیم و کریم و علیم ہے" بغیر کسی اختلاف کے یہ اشتراک تشابہ کا سبب نہیں ہے۔ اشتباہ صرف اُن صفات سے واقع ہوتا ہے جو دو موصوفوں میں موجود ہیں۔

جو فعل اللہ سے واقع ہوتا ہے اور جو فعل ہم سے واقع ہوتا ہے ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ایجاد کیا ہے اور اُسے جسم یا عرض یا حرکت یا سکون یا معرفہ یا ارادہ یا کراہیت بنایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ سب ہمارے اندر بغیر اپنی کسی مشقت و عمل کے کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی علت کے فعل کیا ہے۔ لیکن ہمارا جو فعل ہے وہ

کسی علت سے ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ہمارے اندر پیدا کر دیا ہے اور اُس کے لئے ہمارا اختیار پیدا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفع حاصل کرنے یا مضرت سے بچنے کے لئے اس فعل کو بطور صفت و محمول ہمارے اندر ظاہر کیا ہے۔ اور خود ہم نے اُسے ایجاد نہیں کیا ہے۔

جو لوگ فعل سے قبل استطاعت و قدرت کے قائل ہیں۔ اُن کی سب سے قابل اعتماد حجت یہ ہے کہ کافر دو میں سے ایک امر سے خالی نہیں۔ یا تو وہ بھی ایمان پر مامور ہے (یعنی اُسے بھی ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے) یا وہ اس پر مامور نہیں ہے۔ اگر تم کہو کہ وہ ایمان لانے پر مامور نہیں ہے تو یہ خالص کفر اور مخالف قرآن و اجماع ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ وہ ایمان لانے پر مامور ہے۔ پھر اگر وہ ایمان لانے پر مامور ہے اور یہی تمھارا قول بھی ہے تو دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں۔ یا تو اُسے اس حالت میں حکم دیا گیا ہے کہ جو حکم اُسے دیا گیا ہے وہ اس کے کرنے پر قادر و مستطیع ہے۔ تو یہ ہمارا قول ہے تمھارا قول نہیں۔ اور یا اُسے اس حالت میں حکم دیا گیا ہے کہ جو حکم دیا گیا ہے وہ اُس کے کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف یہ منسوب کیا کہ اُس نے ایسی چیز کی تکلیف دی جس کی اُسے استطاعت نہیں۔ تمھیں یہ بھی لازم آتا ہے کہ تم نابینا کی دیکھنے کی تکلیف کو جائز رکھو اور اپاہج کو چلنے یا آسمان پر نمودار ہونے کی تکلیف دینے کو جائز رکھو۔ اور یہ سب جور و ظلم ہے جو اللہ تعالیٰ سے منفی ہے۔

ان لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جب انسان جو فعل کرتا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی استطاعت و قدرت سے کرتا ہے۔ اور اس سے خالی نہیں کہ یہ استطاعت آدمی کو اُسی وقت دیگئی ہو کہ فعل بھی موجود ہو۔ یا اُس وقت دیگئی ہو کہ فعل موجود نہ ہو۔ اگر اُسے وہ استطاعت اس وقت دیگئی ہو کہ فعل موجود ہے تو اُسے اُس استطاعت کی حاجت نہیں۔ کیونکہ اُس سے وہ فعل تو موجود ہو گیا جس کے لئے وہ استطاعت کا محتاج تھا تاکہ وہ فعل اس استطاعت سے وجود میں آئے۔ اور اگر اُسے وہ استطاعت

اُس وقت دیکھی گئی ہے کہ فعل موجود نہیں ہے تو یہ ہمارا قول ہے کہ استطاعت فعل سے پہلے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وللہ علی النّاسِ حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" (اللہ کے واسطے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جن کو بیت اللہ تک جانے کی استطاعت ہو) اگر استطاعت فعل سے پہلے نہ ہوا کرتی تو حج کرنے سے پہلے کسی پر حج فرض نہ ہوتا۔ اور فرمایا ہے "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین" (اور جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں اُن پر فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے)۔ اور فرمایا ہے۔ ومن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا" (اور جو شخص اس کی استطاعت نہیں رکھتا وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے)۔ اگر روزے کی استطاعت روزے سے پہلے نہ ہوا کرتی تو کسی پر اُس کا کفارہ واجب نہ ہوتا۔ اور فرمایا ہے۔ "یحلفون باللہ لو استطعنا لخرجنا معکم یھلکون انفسھم واللہ یعلم انھم لکاذبون" (منافقین اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو ہم بھی جہاد میں تم لوگوں کے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں۔ اور اللہ تو جانتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں)۔ ثابت ہو گیا کہ باوجود نہ چلنے کے بھی چلنے کی استطاعت موجود تھی۔ اور فرمایا ہے۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم" (تمہیں جہاں تک استطاعت ہو خدا سے ڈرو) نیز ان لوگوں کو خدا کے افعال کا خالق ہونے میں بھی اعتراض ہے جس کو ہم بتوفیق الٰہی بیان کریں گے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

استطاعت کیا ہے
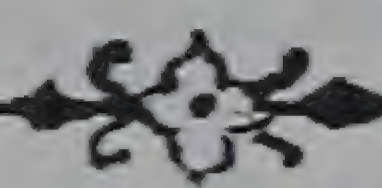
کسی لفظ کے حکم پر کلام کرنا قبل اس کے کہ اُس کے معنی کی تحقیق کی جائے اُس کی مراد کو جانا جائے۔ اس سے کیا چیز تعبیر کی جاتی ہے۔ جب تک اس کا تعین

نہ ہو جائے اُس کی حقیقت پر نقاب ڈالنا ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ہم پہلے استطاعت سے آگاہ کردیں۔ جب ہم اس پر کلام کریں گے اور اللہ کی مدد و قوت سے اس پر تقریر کریں گے تو پھر اللہ کی مدد و تائید سے یہ معلوم کرنا سہل ہو جائے گا کہ ان اقوال میں کون صواب ہے اور کون خطا۔

ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں، اور وہی ہمارا مددگار ہے، کہ جو یہ کہتا ہے کہ استطاعت خود مستطیع ہی ہے تو یہ قول انتہائی فاسد ہے۔ اگر اس کے قائل کو لغت عربیہ کا، حقائق اسماء و مسمیات کا، ماہیت جواہر و اعراض کا علم ہوتا تو وہ اس حماقت کا قائل نہ ہوتا۔ لغت تو یہ ہے کہ استطاعت اصل میں "اِسْتَطَاعَ یَسْتَطِیْعُ اِسْتِطَاعَۃً" کا مصدر ہے۔ اور مصدر جو ہوتا ہے وہ فاعل کا فعل و صفت ہے۔ جیسے ضرب کہ یہ ضارب کا فعل ہے اور حُمرۃ (سرخی) کہ یہ احمر (سرخ) کی صفت ہے۔ اور اِحمرار (سرخ ہونا) کہ مُحمر (یعنی سرخ) کی صفت ہے۔ اور جو اس کے مشابہ ہوں۔ صفت و فعل بلاشک یہ دونوں عرض ہیں جو ہمارے فاعل و موصوف میں ہوتے ہیں۔ مصادر بھی ان مسمّیات کے احداث و صفات ہوتے ہیں جو ان مصادر سے نامزد کئے جاتے ہیں۔ اس پر ہر صاحب زبان کا اجماع ہے۔ جب استطاعت اُس لغت میں جس میں ہماری اور ان کی بول چال ہے ایک صفت ہے جو مستطیع میں ہوتی ہے۔ پھر بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ صفت اور چیز ہے۔ موصوف اور چیز ہے۔ صفات تو موصوف پر یکے بعد دیگرے آتی جاتی رہتی ہیں۔ ایک صفت جاتی ہے اور دوسری آجاتی ہے۔ اگر صفت ہی موصوف ہوتی تو ان صفات میں سے جو گذر جانے والی ہے وہی وہ موصوف ہوتی جو باقی و موجود ہے۔ اس کے سوا کوئی اور صورت قطعاً ناممکن ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ جو ماضی (یعنی گذر جانے والی ہے) وہ باقی (یعنی موجود) کے مغائر ہے۔ لہٰذا صفات بھی اپنے موصوف کے مغائر ہوئیں۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ محال و بدحواسی ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ استطاعت نہ "استطاعت" کا مصدر ہے اور نہ مستطیع کی صفت تو انھوں نے مکابرہ کیا (یعنی بداہت کی مخالفت کی) اور ایک نیا لغت لائے جو اُس لغت کے خلاف ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ اور جس میں یہ لفظ استطاعت ہے جس میں ہمارا منازعہ ہے۔ یہ استطاعت اسی لغت کا ایک کلمہ ہے۔ جو شخص الفاظ لغویہ کو ان کی وضع لغوی سے بغیر کسی نص کے یا بغیر اہل شریعت کے اجماع کے بدل دے تو وہ اہل عقل وحیاء کے حکم سے جدا ہو گیا ہے اور ایسے مرتبے میں ہے کہ اُس کے ساتھ کلام نہیں کیا جا سکتا۔

یہ کہنے سے کوئی بھی عاجز نہیں کہ "صلوٰۃ (نماز)" سے وہ چیز مراد نہیں جو تم لوگ اس لفظ سے مراد لیتے ہو۔ اور یہ تو فلاں کام ہے۔ اور پانی ہی شراب ہے۔ اس میں تمام حقائق کا بطلان ہے۔

ہم ایک آدمی کو مستطیع پاتے ہیں پھر اُسے فالج کی وجہ سے جو اس کے اعضاء میں عارض ہو جاتا ہے یا اُس کی مشکیں کس دینے اور گرفتاری کی وجہ سے یا اُس کی بیہوشی و غشی کی وجہ سے ہم اُسے غیر مستطیع پاتے ہیں حالانکہ وہ بعینہٖ قائم ہوتا ہے اور اُس میں سے کچھ کم نہیں ہوتا۔ لہٰذا بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ وہ استطاعت جو معدوم ہو گئی وہ اُس مستطیع کے مغائر ہے جو موجود ہے اور وہ معدوم نہیں ہوا ہے۔ یہ وہ امر ہے جو مشاہدے و حواس سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی سے ہم نے یقین کیا کہ استطاعت بھی ایک عرض ہے جو اشد و اضعف (یعنی کمی بیشی) کو قبول کرتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ایک استطاعت ایک استطاعت سے اشد (زیادہ) ہے۔ اور ایک استطاعت ایک استطاعت سے اضعف (یعنی کم) ہے۔

استطاعت کی ضد بھی ہے اور وہ عجز ہے۔ اضداد جو ہوتی ہیں وہ اعراض ہوتی ہیں جو بُعد کے طرفین میں منقسم ہوتی ہیں مثلاً سبزی و سفیدی۔ علم و جہل۔ یاد و فراموشی۔ اور جو اسی کے مشابہ ہو۔ یہ وہ امر ہے جو مشاہدے سے

معلوم ہوتا ہے اور جس کا سوائے نابینائے قلب وحواس کے یا معاند و مکابر (مخالف) بداہت کے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مستطیع جوہر ہے اور جوہر کی کوئی ضد نہیں ہوتی۔ لہٰذا بداہۃً ثابت ہو گیا کہ بلاشک استطاعت مستطیع کے مغائر ہے۔

اگر استطاعت ہی مستطیع ہوتی تو عجز بھی عاجز ہی ہوتا اور عاجز وہ ہے جو کل مستطیع تھا لہٰذا اس پر لازم آئے گا کہ عجز ہی مستطیع ہے۔ اگر وہ لوگ اسی پر اڑے رہے تو انھیں یہ بھی لازم آئے گا کہ کسی امر سے عاجز ہونا ہی اس امر کی استطاعت ہے۔ اور یہ کھلا ہوا محال ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ عجز مستطیع کے مغایر ہے۔ اور وہ ایک آفت ہے جو مستطیع پر آگئی ہے۔ تو اُن سے وہ فرق دریافت کیا جائے گا جس کی وجہ سے اُنھوں نے یہ کہا ہے کہ استطاعت ہی مستطیع ہے اور عجز کے عاجز ہونے سے منع کیا ہے۔ اس میں کسی فرق کے وجود کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسی کلام سے بالکل مساوی طور پر اُن کا قول بھی باطل ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ استطاعت بعض مستطیع ہے۔ اس لئے کہ عرض جسم کے لئے بعض نہیں ہوتی۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ استطاعت وہی چیز ہے جس کے ذریعے سے فعل تک رسائی حاصل کیجائے مثلاً سوئی۔ ڈول۔ رسّی۔ اور جو اس کے مشابہ ہو۔ یہ قول بھی فاسد ہے جس کو مشاہدہ باطل کرتا ہے۔ اس لئے کہ کبھی یہ آلات پائے جاتے ہیں اور اعضاء کی صحت معدوم ہوتی ہے تو فعل ناممکن ہوتا ہے۔ اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ کبھی یہ آلات معدوم ہوتے ہیں اور اعضاء کی صحت موجود ہوتی ہے اور فعل ناممکن ہوتا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں تم نے سچ کہا۔ ان آلات کے وجود سے فعل پورا ہوتا ہے۔ مگر لفظ استطاعت کہ جس کے معنی میں نزاع ہے یہ وہ لفظ ہے جو اس لغت میں جس میں ہم باہم سمجھتے سمجھاتے ہیں اور اپنی مراد کو تعبیر کرتے ہیں وہ اُس عرض پر وضع کیا گیا ہے جو مستطیع کے اندر ہوتی ہے۔ یہ کسی کو حق نہیں کہ وہ بغیر نص یا اجماع کے محض اپنی رائے سے اس لفظ کو اُس معنی سے

بدل دے جو لغت میں اُس کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ اگر یہ جائز ہوتا تو تمام حقائق باطل ہو جاتے اور باہم سمجھنا سمجھانا کبھی درست نہ ہوتا۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اُس لغت میں جس میں باہم سمجھتے سمجھاتے ہیں لفظ استطاعت ہرگز رسی یا سوئی یا مہمیز پر واقع نہیں ہوا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ آئمہ زبان مثلاً ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ استطاعت (حج) زاد (توشہ) و راحلہ (سواری) ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ ہاں یہ ثابت ہے۔ اور کسی کو بھی جس کو لغت کی فہم ہے اس میں اختلاف نہیں کہ ان دونوں حضرات نے اس سے زاد اور راحلہ مہیا کرنے کی قوت مراد لی ہے۔ برہان یہ ہے کہ زاد و راحلہ عالم میں بکثرت موجود ہے۔ ان دونوں حضرات کی مراد یہ نہیں ہے کہ ان اشیاء کا عالم میں ہونا ان کے نزدیک اُس شخص پر بھی فرض حج کا موجب ہو گا جو ان اشیاء کو نہ پائے۔ لہٰذا بداہۃً ثابت ہو گیا کہ اس سے ان حضرات کی مراد وہ قوت ہے جس سے زاد و راحلہ مہیا ہو سکے۔ اس کی قوت جو ہے وہ عرض ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

یہی کلام ہو گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو بیان کریں گے کہ "واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم" (اور جہاں تک تمہیں استطاعت ہو تم کفار کے لئے قوت اور سواروں کے لشکر تیار کرو جو دشمن کی سرحد پر جمے رہیں جس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوف دلاؤ)۔ اس لئے کہ یہ ہمارے قول کی نص ہے کہ قوت بھی عرض ہے اور رباط خیل (لشکروں کا دشمن کی سرحد پر پابندی ساتھ رکھنا) بھی عرض ہے۔ لہٰذا یہ قول بھی ساقط ہو گیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

جب یہ تمام اقوال ساقط ہو گئے اور یہ ثابت ہو گیا کہ استطاعت بھی عرض ہے۔ تو ہم پر ان اعراض کی معرفت و شناخت واجب ہوئی ہم نے اللہ تعالیٰ کی مدد و تائید سے اس میں نظر ڈالی تو ہم نے بداہۃً یہ پایا کہ

فعل اختیار وارادے سے صرف اُسی شخص سے واقع ہوتا ہے جس کے وہ اعضاء صحیح ہوں جن سے یہ فعل واقع ہو لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ سلامت اعضاء وارتفاع موانع استطاعت ہے۔ ہم نے صحیح اعضاء والے کو دیکھا کہ وہ کوئی فعل اختیار سے نہیں کرتا تا وقتیکہ اُس کے ساتھ ارادۂ فعل کا اضافہ نہ کرے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ ارادہ بھی استطاعت کا محرک ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ارادہ استطاعت ہے۔ اس لئے کہ ہر وہ شخص جو حرکت سے عاجز ہے وہ اُس کا ارادہ کرتا ہے حالانکہ اُسے (حرکت کی) استطاعت نہیں ہوتی۔

یہ بھی بدیہی طور پر معلوم ہے کہ جو فعل سے عاجز ہوتا ہے اُس میں فعل کی استطاعت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ یہ دونوں ضدیں ہیں۔ اور ضدیں کبھی ساتھ جمع نہیں ہوتیں۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ ارادہ بعض استطاعت ہو۔ اس لئے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ ارادہ کرنے والے عاجز میں کچھ استطاعت ہے اس لئے کہ بعض استطاعت بھی استطاعت ہے اور بعض عجز بھی عجز ہے۔ اور یہ قطعاً محال ہے کہ وہ شخص جو کسی فعل سے عاجز ہے اُس میں اُسی کی استطاعت ہو۔ لہذا استطاعت عجز نہیں ہے۔ جس شخص کو کسی شے کی استطاعت ہے اور وہ اُسی کے اکثر حصے سے عاجز ہے تو اُس میں اُسی کی استطاعت ہے جس پر اسے وہ استطاعت ہے کہ اُس استطاعت کے مغایر ہے جو اس شخص کے اندر اس شے پر ہے جس پر اُسے استطاعت ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم نے نظر ڈالی تو دیکھا کہ جس کے اعضاء سالم ہیں اور وہ فعل کا ارادہ کرتا ہے کبھی اُس کے فعل کے لئے کوئی مانع پیش آجاتا ہے جس کی وجہ سے وہ قطعاً فعل پر قادر نہیں ہوتا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ یہاں ایک اور چیز بھی ہے جس سے استطاعت مکمل و تام ہوتی ہے اور اُسی کی وجہ سے فعل پایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ شئے چونکہ یہی استطاعت کی تکمیل ہے اور اس کے بغیر استطاعت ہی ثابت نہیں ہوئی وہ یقیناً ایک قوت ہے۔

چونکہ استطاعت بھی قوت ہے اور یہ شے بھی بلاشک قوت ہے تو معلوم ہوا کہ یہ وہی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے لائی گئی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام قوتوں کا عطا کرنے والا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کے لئے ممکن نہیں۔ لہٰذا بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ استطاعت = اعضا کی صحت و سلامت ہے اور موانع کا معدوم ہونا ہے۔ یہ دونوں وجوہ فعل سے پہلے ہوتی ہیں۔ ایک دوسری قوت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ یہ وجہ فعل کے ساتھ ہوتی ہے جن دو وجوہ کے جمع ہونیکے سبب سے فعل ہوتا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اس قول کی صحت پر برہان یہ ہے کہ تمام امت اجماع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے توفیق کی دعا کرتی ہے اور خذلان (یعنی بے یار و مددگار چھوڑ دینے) سے پناہ مانگتی ہے۔ وہ قوت جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندے پر نازل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ خیر کرتا ہے اس کا نام توفیق اور عصمت و تائید ہے۔

وہ قوت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتی ہے اور بندہ اُس کے ذریعے سے شر کرتا ہے بالاجماع اُس کا نام خذلان (ترک نصرت) ہے۔

وہ قوت جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتی ہے اور بندہ اُس کے ذریعے سے وہ فعل کرتا ہے جو نہ معصیت ہے نہ طاعت اُس کا نام عون (مدد) یا حول (گناہ سے باز رہنے کی طاقت) یا قوت ہے۔ اسی کی صحت سے مسلمانوں کے اس قول کی صحت واضح ہوتی ہے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" (بغیر اللہ کے نہ گناہ سے باز رہنے کی طاقت ہے اور نہ قوت نیک کام کرنے کی)۔

یہ قطعی و یقینی ہے کہ جو شخص کوئی فعل کرتا ہے وہ قوت ہی کی وجہ سے کرتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" اسی طرح اس کا نام تیسیر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "کل میسر لما خلق لہ" (ہر ایک کو وہ شے سہل کر دی گئی ہے

جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے)۔ اس امر میں تمام معتزلہ نے ہم سے اتفاق کیا ہے کہ استطاعت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ جو شخص کوئی خیر یا شر کرتا ہے وہ اسی قوت سے کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے عطا فرمائی ہے۔ سوائے اس کے کہ ان لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اُس قوت سے خیر و شر کا ساتھ ساتھ اتفاق ہوتا ہے۔

اجمالی بیان یہ ہے کہ اخبار کے عناصر و اصول تین ہیں۔ ممتنع[1] یا واجب[2]۔ یا ان دونوں کے درمیان ممکن[3] ہیں۔ یہ امر ضرورت حس و تمیز سے ثابت ہے۔ جب حال یہ ہے تو جب اعضاء و جوارح کی صحت معدوم ہوگی تو اُس شخص کے لئے فعل تک پہنچنے کے لئے ایک مانع ہو گیا۔ لیکن جس کے اعضاء و جوارح صحیح ہیں اور موانع مرتفع و معدوم ہیں تو کبھی اُس سے فعل سرزد ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا یہی وہ استطاعت ہے جو فعل سے پہلے موجود ہوتی ہے۔ برہان اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اُس نے چند کہنے والوں کی حکایت کے طور پر بیان کیا ہے کہ "لو استطعنا لخرجنا معکم یهلکون انفسهم والله یعلم انهم لکاذبون" (اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ (جہاد میں) چلتے۔ یہ لوگ اپنے کو آپ ہی ہلاک کرتے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ ضرور جھوٹے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے جہاد میں نکلنے سے پہلے ہی نکلنے کی استطاعت کے انکار میں انھیں جھوٹا قرار دیا ہے۔ اور ارشاد ہے "ولله علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلا" (لوگوں پر اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے جسے راہِ حج کی استطاعت ہو)۔ اس جگہ اگر آدمی کے فعل حج سے پہلے استطاعت نہ ہوتی محض حج کرنے ہی سے حج لازم ہوتا۔ اور ترک حج سے کوئی عاصی و گناہگار نہ ہوتا۔ اس لئے کہ جب وہ تا وقتیکہ حج نکرلے حج کی استطاعت ہی نہیں رکھتا تو اس پہ نہ حج ہی فرض نہیں اور نہ اُسے حج کے لئے خطاب کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا" (پھر جو شخص (غلام آزاد کرنے کو) نپائے تو (ظہار یعنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینے کا کفارہ) مسلسل دو مہینے کے روزے ہیں۔ پھر جس کو اس کی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے)۔ اپنے قول سے رجوع کرنے والے مُظاہر (یعنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینے والے) کو اگر روزہ رکھنے سے پہلے روزے پر استطاعت نہ ہوتی تو ہرگز اُسے خطاب نہ کیا جاتا کہ جب وہ غلام نپائے تو اُس پر روزہ واجب ہے۔ اور غلام نہ ہونے پر صرف کھانا ہی کھلانے کا اُسے حکم ہوتا۔ اور یہ باطل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن لوگوں سے یہ فرمانا جنہوں نے آپ سے بیعت کی تھی کہ جسے (کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی) استطاعت نہ ہو تو بیٹھکر پڑھے اور جسے (بیٹھکر پڑھنے کی بھی) استطاعت نہ ہو تو وہ لیٹ کر پڑھے۔ یہ اجماع یقینی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اگر لوگ قیام سے پہلے قیام کی استطاعت نہ رکھتے تو ہرگز کسی کو نماز پڑھنے سے پہلے نماز پڑھنے کا حکم نہ ہوتا۔ اگر وہ بیٹھکر یا لیٹ کر پڑھتا تو ہر وجہ سے معذور سمجھا جاتا۔ اس لئے کہ جب اُس نے اسی طرح نماز پڑھی تو وہ قیام کا مستطیع نہ ہوا۔ اور یہ بھی باطل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "اذا امرتکم بشیئی فاتوا به ما استطعتم" (جب میں تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تمھیں استطاعت ہو اسے بجالاؤ) یہاں اگر ہمیں اُس شئے کی استطاعت نہ ہوتی جس کے کرنے کا آپ نے ہمیں حکم دیا تو ہم نے جو چیز نہیں کی اُس میں سے ہمیں کوئی شئے بھی لازم نہ ہوتی۔ ترک سے ہم گناہگار بھی نہ ہوتے اس لئے کہ از روئے نص ہم صرف اُسی چیز کے مکلف ہیں جس کی ہمیں استطاعت ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ "تستطیع ان تصوم شھرین" (کیا تمھیں استطاعت ہے کہ تم دو مہینے روزے رکھو) (یعنی یہ سوال آپ نے

ان صحابی سے کیا تھا جنھوں نے ظہار کیا تھا) اگر کسی کو بغیر روزہ رکھے روزے کی استطاعت نہ ہوتی تو آپ کا ان سے یہ سوال ہی محال ہوتا۔ آپ اس سے برتر ہیں (کہ خلاف عقل و محال بات کسی سے دریافت فرمائیں)

جس چیز سے اس کی صحت اور مذکورہ بالا آیات واحادیث میں استطاعت سے مراد صرف جوارح واعضاء کی صحت وارتفاع موانع ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "ویدعون الی السجود فلایستطیعون خاشعۃ ابصارھم ترھقھم ذلۃ وقد کانوا یدعون الی السجود وھم سالمون" (اور قیامت میں کفار کو سجدہ کرنے کی دعوت دیجائیگی مگر انھیں استطاعت نہ ہوگی۔ ان کی نظریں نیچی ہوں گی ذلت انھیں گھیرے ہوئے ہوگی۔ اور انھیں (دنیا میں) سجدے کی دعوت دیجاتی تھی حالانکہ وہ صحیح وسالم تھے) (مگر اللہ کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے تھے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمادی کہ سلامت نہونے میں استطاعت کا بطلان ہو جاتا ہے اور سلامت کا وجود اس (یعنی استطاعت) کے خلاف ومغائر ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ سلامت اعضاء وجوارح استطاعت ہے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ سلامت جوارح ہی وہ چیز ہے جس سے فعل وضد فعل وعمل وترک عمل وطاعت ومعصیت سرزد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ سب صحت جوارح سے ہوتے ہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ سلامت جوارح عرض ہے۔ اور عرض دو وقتوں میں باقی نہیں رہتی۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ اس دعوے پر کوئی برہان نہیں ہے۔ آیات مذکورہ اس دعوے کی باطل کرنے والی اور اس امر کو واجب کرنے والی ہیں کہ یہ استطاعت جو سلامت جوارح وارتفاع موانع ہے فعل سے قبل موجود ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا جو تم نے بیان کیا تو اس میں اس کا جواب نہوتا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا۔ ہم نے یہ بھی معلوم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ "کانوا

لا یستطیعون سمعا" (اوران لوگوں کو سننے کی استطاعت نہ تھی)۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے خضرؑ کے کلام کی حکایت بیان فرمائی ہے کہ "انک لن تستطیع معی صبرا" (اے موسیٰ آپ کو میرے ساتھ ہرگز صبر کی استطاعت نہ ہوگی)۔ اور فرمایا "ذلک تاویل مالم تستطع علیہ صبرا" (اس کی تاویل یہ ہے جس پر آپ کو صبر کی استطاعت نہ ہوئی)۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تعارض و اختلاف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا" (اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی جانب سے ہوتا تو اس میں ضرور بہت اختلاف پاتے) ہمیں یقین ہے کہ وہ استطاعت جسے اللہ تعالیٰ نے فعل سے قبل ثابت کیا ہے وہ اُس استطاعت کے مغایر ہے جس کی اُس نے فعل کے ساتھ نفی کی ہے۔ اس کے علاوہ قطعاً ناممکن ہے۔

جب یہ اس طرح ہے کہ استطاعت قبل فعل اور ہے اور استطاعت مع الفعل اور۔ تو استطاعت جیسا کہ ہم نے کہا دو چیزیں ہیں ایک تو اُن میں سے قبل فعل ہے اور وہ سلامت جوارح وارتفاع موانع ہے۔ اور دوسری فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور وہ وہی قوت ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بذریعۂ عون و خذلان وارد ہوتی ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا اُس شخص کے اندر فعل کا پیدا کرنا ہے جس سے وہ فعل ظاہر ہوا ہے۔ اسی لئے کہ اُس سے یہ فعل ظاہر ہوا اُس کا نام فاعل رکھ دیا گیا۔ کیونکہ اس کے سوا قطعاً کسی اور معنی کے وجود کا امکان نہیں ہے۔ اُس استطاعت کے بارے میں حقیقت کلام یہی ہے جس کو نصوص قرآن و احادیث و اجماع و ضرورت حس و بداہت عقل لائی ہے۔ اسی تقسیم کے مطابق ہم نے اس باب میں کلام کو بیان کیا ہے۔

جب ہم فعل سے پہلے وجود استطاعت کی نفی کرتے ہیں تو اُس سے وہی استطاعت مراد لیتے ہیں جس سے فعل واقع ہوتا ہے

اور ضروری طور پر اُس کا وجود ہو جاتا ہے اور وہ فاعل کے اندر اللہ تعالیٰ کا فعل کو پیدا کرنا ہے۔ جب ہم فعل سے پہلے وجود استطاعت کو ثابت کرتے ہیں تو ہم اُس سے وہی صحت جوارح وارتفاع موانع مراد لیتے ہیں جس سے فعل ممکن و متوہم ہو جاتا ہے اور ضروری نہیں ہوتا اور نہ غیر ممکن ہوتا ہے۔ اور اسی استطاعت سے انسان مخاطب۔ مکلف۔ مامور و نہی ہوتا ہے اور ان دونوں کے معدوم ہونے سے اُس سے خطاب و تکلیف ساقط ہو جاتے ہیں اور اُس سے فعل ناممکن ہو جاتا ہے اور وہ فعل سے عاجز ہوتا ہے۔

ابو محمد کہتے ہیں کہ جبکہ یہ واضح ہو گیا کہ استطاعت کیا چیز ہے تو ہم اللہ کی مدد سے معتزلہ کے اُس اعتراض کے جواب میں کہتے ہیں جو پوری استطاعت کو قبل فعل واجب کرنے والا ہے چنانچہ بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہمیں یہ بتاؤ کہ جو کافر ایمان لانے پر مامور ہے تو آیا وہ ایسی چیز پر مامور ہے جس کی اُسے استطاعت نہیں ہے یا ایسی چیز پر کہ جس کی اُسے استطاعت ہے چنانچہ بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ صحت جوارح وارتفاع موانع استطاعت ہے اور جو اس صفت کا حامل ہے وہ اپنے ظاہر حال کے اعتبار سے اور اس وجہ و صورت سے مستطیع ہے۔ اور اس وقت تک غیر مستطیع ہے جب تک اللہ تعالیٰ اُس میں وہ چیز نہ کرے جس سے اس کی استطاعت کی تکمیل اور فعل کا وجود ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک وجہ سے مستطیع ہے اور دوسری وجہ سے غیر مستطیع ہے۔ اور یہ باوجود اس کے کہ یہی نص قرآن بھی ہے جیسا کہ ہم نے وارد کیا ہے یہ مشاہدے میں بھی ہے مثلاً کسی بلند عمارت کا تعمیر کرنیوالا کہ وہ اپنے ظاہر حال اور فن تعمیر کی واقفیت کی وجہ سے مستطیع ہے۔ اور اُن آلات کی وجہ سے کہ جن کے بغیر عمارت کا وجود نہیں ہو سکتا وہ غیر مستطیع ہے۔ اور ایسا ہی تمام اعمال میں ہے۔ اور نیز کبھی ایک آدمی ایک وجہ میں اللہ تعالیٰ کا عاصی و نافرمان ہوتا ہے

اور دوسری وجہ میں اُس کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے۔ اللہ کا مومن ہوتا ہے طاغوت و بت کا کافر ہوتا ہے۔ پھر اگر وہ یہ کہیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی چیز کی تکلیف دینے کو منسوب کردیا جس کی استطاعت نہو۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ باطل ہے۔ ہم نے تو اس کی طرف وہی منسوب کیا ہے جس کی اپنے متعلق اُس نے خود خبر دی ہے کہ وہ ہر شخص کو اُسی کی تکلیف دیتا ہے جس کی سلامت جوارح کے سبب سے اُسے استطاعت ہو۔ اور کبھی وہ اُسے اُس چیز کی بھی تکلیف دیتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے علم میں اُسے استطاعت نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ استطاعت کہ جس کے سبب سے فعل ہوتا ہے ابتک اُس میں نہیں ہے۔ یہ ناجائز ہے کہ اللہ تعالیٰ پر (استطاعت کی) دونوں قسموں میں سے بغیر دوسری قسم کے کسی ایک قسم کا اطلاق کیا جائے۔ لیکن اُن کا یہ کہنا کہ یہ ایسا ہے جیسا اپاہج کو چلنے کی تکلیف دینا یا نابینا کو دیکھنے کی تکلیف دینا اور رنگوں کے سمجھنے کی تکلیف دینا یا آسمان پر اُٹھ جانے کی تکلیف دینا۔ کیونکہ یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں میں استطاعت کی دونوں قسموں میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔ لہذا انھیں تو قطعاً استطاعت ہی نہیں۔ لیکن جس کے جوارح صحیح ہیں اُس میں استطاعت کی ایک قسم موجود ہے۔ اور وہ سلامت اعضاء ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے اس قول سے اطمینان نہ دلایا ہوتا کہ "ماجعل علیکم فی الدین من حرج" (اُس نے دین میں کوئی تنگی تم پر مقرر نہیں کی) تو ہرگز ناپسندیدہ نہ ہوتا اگر وہ نابینا کو رنگ پہچاننے کی اور اپاہج کو چلنے کی اور آسمان پر نمودار ہونے کی تکلیف دیتا۔ پھر ان امور کے نہ ہونے پر ان لوگوں کو عذاب دیتا۔ اللہ تعالیٰ کو تو حق ہے کہ جس کو چاہے بغیر تکلیف کے بھی عذاب دے اور جس کو چاہے بغیر تکلیف کے انعام دے۔ جیسا کہ اُس نے جس کو چاہا

۲۱

عقل عطا فرمائی اور جمادات پتھر اور بقیہ حیوانات کو اُس سے محروم کر دیا۔ عیسیٰ بن مریمؑ کو گہوارے میں ولادت کے وقت ہی نبی بنا دیا اور فرعون کے قلب پر گرہ لگا دی کہ وہ ایمان نہ لایا۔ وہ فرماتا ہے۔ لایسئل عما یفعل وھم یسئلون (وہ جو کچھ کرے اس کے متعلق اُس سے دریافت نہیں کیا جا سکتا اور ان لوگوں سے بازپرس کی جائے گی)۔ یہ ابتدائے عقل میں بھی نہ حسن ہے اور نہ قبیح لعینہ ہے۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ جب انسان کو استطاعت دیدی گئی تو وہ وجود فعل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اگر وہ (استطاعت) وجود فعل سے پہلے ہے تو معتزلہ کہتے ہیں یہی ہمارا قول ہے۔ اگر وجود فعل کے وقت ہے تو ہمیں اُس کی حاجت ہی نہیں ہے

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم کی استطاعت تو قبل فعل ہوتی ہے۔ اور وہ سلامت جوارح و ارتفاع موانع ہے۔ دوسری قسم کی استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ فاعل کے اندر اللہ تعالیٰ کا فعل کو پیدا کرنا ہے۔ اگر یہ دونوں استطاعتیں نہ ہوں تو فعل واقع نہ ہو گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اگر استطاعت فعل سے قبل اور فعل کے ساتھ ہی نہ ہوا کرتی جیسا کہ ابوالہذیل کا دعوی ہے تو فاعل جب فعل کرتا تو وہ معدوم الاستطاعۃ ہوتا اور وہ ایسے فعل کا فاعل ہوتا کہ جس وقت وہ اُس فعل کو کرتا اُسے اس کی استطاعت نہوتی۔ اور جب اسے اُس پر استطاعت نہوتی تو وہ اُس سے عاجز ہوتا اور وہ ساتھ ہی ساتھ فاعل بھی ہوتا اور جو فعل کرتا اُس سے عاجز بھی ہوتا اور یہ تناقض اور کھلا ہوا محال ہے۔

ان لوگوں کے اور بھی بوسیدہ الزامات ہیں جو بالکل مساوی طور پر انھیں بھی لازم ہیں جس طرح یہ غیروں کو الزام دیتے ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ کہنا کہ جب آگ نے لکڑی کو جلایا تو آیا اس نے اُسے

اُس کی سلامت کے حال میں جلایا یا اُس حال میں جلایا کہ وہ جلنے والی تھی۔ اگر اُسے اُس کی سلامت کے حال میں جلایا تو وہ اُس وقت جلانے والی اور نہ جلانیوالی ہوئی۔ اور اگر اُسے اُس حال میں جلایا کہ وہ جلی ہوئی تھی تو وہ کونسا فعل ہے جو آگ نے اس میں کیا۔

اسی طرح ان کا یہ سوال کہ جب آدمی نے لکڑی توڑ دی تو آیا اُس نے اُسے اس وقت توڑا ہے جب وہ درست تھی۔ تب تو وہ ٹوٹی اور درست ہوئی۔ یا اُسے اُس وقت توڑا ہے کہ ٹوٹی ہوئی تھی تو وہ کیا چیز ہے جو اس نے اُس میں پیدا کی۔

اسی طرح اُن کا یہ سوال کہ جب آدمی نے اپنا غلام آزاد کر دیا تو آیا اُسے اُس کی غلامی کی حالت میں آزاد کیا۔ تب تو وہ آزاد بھی ہے اور غلام بھی۔ یا اُسے اُس کی آزادی کی حالت میں آزاد کیا ہے۔ تو پھر اس کے اُسے آزاد کرنے کے کیا معنی ہوئے۔

جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو آیا اُسے اُس نے اس وقت طلاق دی کہ جب وہ غیر مطلقہ ہے؟ تو وہ ساتھ ہی ساتھ مطلقہ بھی ہے اور غیر مطلقہ بھی۔ یا اُس نے اُسے اُس وقت طلاق دی جب وہ مطلقہ تھی تو پھر وہ کیا چیز ہے جس میں اُس کی طلاق نے اثر کیا۔ مرد جب مرا تو آیا وہ اپنی حیات میں مرا یا وہ مردہ تھا۔ اور اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں۔

یہ سب سفسطہ اور فریب آمیز ہیں ان میں حق یہ ہے کہ آگ کا ان اجزاء کو متفرق کرنا جن میں اُس نے عمل کیا ہے اسی کا نام احراق (جلانا) ہے اور اس کے سوا احراق کوئی اور چیز نہیں ہے۔ مگر ان کا یہ کہنا کہ آیا اُس نے اس حال میں جلایا کہ وہ جلانے والی نہ تھی، یہ فریب و بدحواسی ہے۔ اس لئے کہ اس میں اس کا ایہام ہے کہ احراق غیر احراق ہے۔ اور یہ بیہودگی ہے۔

اسی طرح لکڑی کا توڑنا بھی اُس کو درستی کے حال سے

نکال دینا ہے اور یہی توڑنا ہے۔ جو اُس وقت لکڑی کا حال ہے۔
اسی طرح غلام کا غلامی سے اس کی آزادی کی طرف نکالنا۔ یہی اُس کا آزاد کرنا ہے۔ اور کوئی شئے زائد نہیں ہے۔ اُس کے لئے کوئی دوسرا حال نہیں ہے۔
اسی طرح عورت کا زوجیت سے طلاق کی طرف نکلنا ہی اس کا مطلقہ کرنا ہے۔
اسی طرح جسد کے لئے روح کا فراق ہی موت دینا اور موت ہے اور کوئی امر مزید نہیں ہے۔ اور نہ اس جگہ کوئی دوسرا حال ہے کہ فعل اُس میں واقع ہوا ہو۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

مکمل استطاعت فعل کے ساتھ ہی ہوتی ہے قبل فعل نہیں ہوتی
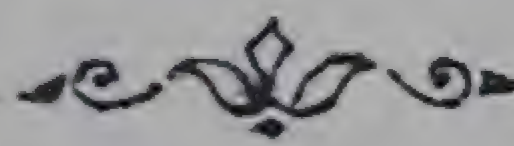
جو یہ کہتا ہے کہ پوری استطاعت فعل کے قبل ہی ہوتی ہے اور وہ فعل سے پہلے مکمل ہوتی ہے اور فعل کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ کہ آیا کافر ایمان لانے سے پہلے اپنے کفر کی حالت میں ایمان لانے پر پورے طور پر قادر ہے یا نہیں۔ تارک صلوٰۃ آیا ترک صلوٰۃ کی حالت میں پورے طور پر صلوٰۃ پر قادر ہے یا نہیں۔ آیا زانی حالت زنا میں ترک زنا پر اس طور پر کہ اُس سے قطعاً زنا سرزد نہ ہو قادر ہے یا نہیں۔
اجمال یہ ہے کہ تمام اوامر میں یا تو حرکت کا امر ہے یا سکون کا

امر ہے، یا اعتقاد میں کسی شئے کے ثابت کرنے کا امر ہے، یا اعتقاد میں کسی شے کے باطل کرنے کا امر ہے۔ ان سب کا جامع فعل یا ترک ہے۔ لہذا اب ہمیں بتاؤ کہ وہ ساکن جس کو حرکت کا امر ہے آیا حالت سکون میں حرکت پر قادر ہے یا نہیں۔ یا وہ متحرک جس کو سکون کا امر ہے حالت حرکت میں سکون پر قادر ہے یا نہیں۔ جو شخص کسی شے کے ابطال کا معتقد ہے حالانکہ اسے اپنے اعتقاد میں اس کے اثبات کا امر ہے تو آیا وہ اپنے عقیدۂ ابطال کی حالت میں اس شئے کے عقیدۂ اثبات پر قادر ہے یا نہیں۔ جو شخص کسی شے کے اثبات کا معتقد ہے حالانکہ اُسے اپنے اعتقاد میں اس کے ابطال کا امر ہے تو آیا اپنے عقیدۂ اثبات شے کی حالت میں اس کے عقیدۂ ابطال پہ قادر ہے یا نہیں۔ جو شخص کسی شے کے ترک پر مامور ہے اور وہ اُسی کا فاعل ہے جس کے ترک کا اُسے امر ہے تو آیا وہ حالت فعل میں اُس کے ترک پر قادر ہے تاکہ وہ ساتھ ساتھ ایک ہی شے کا فاعل اور اسی شے کا تارک ہو جائے یا نہیں۔

اگر وہ کہیں کہ ہاں اس پہ قادر ہے تو یہ انکا مکابرہ اور مشاہدے اور عقل و حس کی مخالفت ہے۔ انھوں نے ہر طاعت کو جائز رکھا ہے کہ آدمی کا ساتھ ہی ساتھ بیٹھنا اور کھڑا ہونا اور ساتھ ہی ساتھ اللہ کا مومن ہونا اور اس کا کافر ہونا۔ اور جو محال و ممتنع ہو سکتا ہے اُس میں یہ سب سے بڑھکر ہے۔

اگر وہ کہیں کہ وہ پوری قدرت نہیں رکھتا جس کی وجہ سے وہ ایک شے کا فاعل ہو اور وہی اُس کے خلاف کا فاعل ہو۔ تو حق کہا اور انھوں نے اسی طرف رجوع کر لیا کہ کوئی شخص استطاعت تامہ نہیں رکھتا کہ جس سے فعل واقع ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ تا وقتیکہ وہ اسے نکر لے۔ اس مقام پر جواب جو ان لوگوں نے دیا ہے وہ ایہام و استتار اور روح کی مدافعت ہے اس لئے کہ یہ الزام بدیہی و ضروری

دیقینی وحسی ہے جس سے مفر نہیں۔ وباللہ تعالی التوفیق۔
اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ ہم اس کے قائل نہیں کہ کوئی اس پر قادر ہے کہ وہ دو متضاد افعال کو ساتھ ساتھ جمع کر سکے۔ ہم تو اس کے قائل ہیں کہ وہ اس بار قادر ہے کہ وہ جس فعل میں ہے اُسے ترک کر دے اور وہ فعل کرے جس کا اُسے حکم دیا گیا ہے۔
اُن سے کہا جائے گا کہ یہی تو وہ چیز ہے جو ہم تم سے چاہتے تھے۔ وہ یہی ہے کہ وہ قدرت تامہ واستطاعت تامہ کسی فعل پر نہیں رکھتا جبتک کہ وہ ایسے فعل کا فاعل ہے جو اسے اُس سے روکے۔ جب اُس نے ان سب کو ترک کر دیا اور اُسے شروع کر دیا جس کا اُسے حکم دیا گیا ہے تو اُس وقت اُس کی قدرت واستطاعت تام وکمل ہوگئی۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس سے انھوں نے اپنے سوال میں ہمیں فریب دیا تھا کہ آیا اللہ تعالی نے بندے کو اُس چیز کا حکم دیا تھا جس پر اُسے اس کے کرنے سے پہلے استطاعت ہے یا اُس چیز کا حکم دیا تھا جس پر اُسے اس وقت تک استطاعت نہیں تا وقتیکہ وہ اُسے نہ کرے۔ یہ انھیں کو لازم ہے۔ اس لئے کہ اُنھوں نے اس کو برا بتایا تھا۔ بہت بڑی بات کہی تھی اور اس کا انکار کیا تھا۔ ہم اس کا انکار نہیں کرتے اور نہ ہم اس کو صحیح الزام مانتے ہیں۔ اس کی قباحت انھیں پر عائد ہوتی ہے۔ جو کسی شے کی تصحیح کرتا ہے اسی پر وہ لازم ہوتی ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق
اس مسئلے میں عبد اللہ بن احمد الکعبی البلخی نے جو معتزلہ کے بڑے روسا میں ہے جواب دیا ہے کہ ہم لوگ اس میں اختلاف نہیں کرتے کہ اللہ تعالی ساکن کے متحرک کرنے اور متحرک کے ساکن کرنے پر قادر ہے اور اُسے اس کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا کہ وہ اس پر قادر ہے کہ کسی کو ساتھ ہی ساتھ ساکن ومتحرک کر دے۔
اس جاہل ملحد نے اللہ تعالی کے موصوف کرنے کے بارے میں جو کچھ کہا ہے ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالی اس پر قادر ہے کہ ایک ہی شئے کو

ایک ہی وقت میں ایک ہی وجہ سے ساتھ ہی ساتھ ساکن ومتحرک کرے۔ بلخی کے اس کلام سے اُس پر الزام آتا ہے جس نے اس کا التزام کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو محال پر قادر ہونے کے ساتھ موصوف نہ کیا جائے گا۔ اُن سے کہا جائے گا کہ اُسے اس پر قادر ہونے کے ساتھ کیوں نہ موصوف کیا جائیگا۔ آیا اس لئے کہ اُسے اس پر قدرت ہے اور اُسے اس کے ساتھ موصوف نہ کیا جائے گا۔ یا اس لئے کہ اُسے اس پر قدرت نہیں ہے۔ اُن لوگوں کو اس سے مفر نہیں۔ یہ وہ گروہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محدود و متناہی کر دیا ہے۔ ان لوگوں نے یقین کر لیا ہے کہ وہ کسی شے پر قادر نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ اُسے نکرے۔ اور یہ خالص کفر ہے جس میں کوئی خفاء نہیں۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

معتزلہ سے بھی کہا جائے گا کہ تم بھی ہمارے ساتھ اس امر کا اقرار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہر اس شئے کا علیم ہے جو ہونے والی ہے کہ وہ اسی طرح ہو گی جس طرح وہ اب ہے جبکہ وہ ہو گئی۔ اور ازل سے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاں شخص فلاں عورت سے فلاں وقت جماع کریگا، پھر وہ عورت اُس مرد سے ایک بچے کی حاملہ ہو جائے گی جس کو اللہ تعالیٰ انھیں دونوں کی اُس منی سے پیدا کرے گا جو اُس شخص کے اس عورت سے جماع کے وقت انھیں دونوں سے نکلے گی۔ وہ اسی برس زندہ رہے گا، مالک ہو گا، یہ کرے گا اور یہ کام اُس سے ہوں گے۔ جب تم نے یہ کہا کہ یہ شخص اس پر قدرت تامہ رکھتا ہے کہ وہ اس جماع کو ترک کر دے جس کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ ہو گا اور وہ اس بچے کو اُس سے پیدا کرے گا تو تم نے یقین کر لیا کہ وہ شخص اس پر قادر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس شئے کے پیدا کرنے سے روک دے جس کو وہ جانتا تھا کہ وہ اُسے پیدا کرے گا اور وہ شخص پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے علم کے ابطال پر قادر ہے۔ حالانکہ جو اسے جائز رکھے یہ اُس کا کفر خالص ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم لوگ بیان کرتے ہو کہ آدمی فعل سے

پہلے صحت اعضاء کی وجہ سے مستطیع ہے۔ تو یہ الزام تم پر ہے۔
ہم کہیں گے کہ یہ الزام ہم پر نہیں اس لئے کہ ہم لوگ یہ نہیں کہتے کہ اُسے اس پر قدرت تامہ ہے۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اُسکے قطعاً اُس پر قدرت تامہ نہیں۔ ہمارے یہ کہنے کے معنی کہ وہ اپنے اعضاء کی صحت کی وجہ سے مستطیع ہے یہ ہیں کہ اگر یہ ہو تو اُس سے اس کا توہم وخیال کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے محض اسی وجہ پر استطاعت کا اطلاق کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اطلاق کیا ہے۔

اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب امور پر قادر ہے۔ اور اُسے اپنے علم ازلی کے فسخ کرنے کی قدرت کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائیگا۔
ہم کہیں گے کہ ہم اس پر بھی ابھی کلام کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بخلاف اپنی مخلوق کے ان سب امور پر قادر ہے جیسا کہ اس کے بارے میں ہمارا کلام گذر چکا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

قرآن کی شہادت جو کچھ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس پر تصریح فرمائی ہے "سیحلفون باللہ لو استطعنا لخرجنا معکم یھلکون انفسھم واللہ یعلم انھم لکاذبون" (اللہ کی قسم کھائیں گے کہ اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو ہم ضرور جہاد میں تمھارے ساتھ چلتے۔ یہ اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ ضرور جھوٹے ہیں)۔ آگے چلکر فرماتا ہے "ولو ارادوا الخروج لاعدوا لہ عدۃ ولکن کرہ اللہ انبعاثھم فثبطھم وقیل اقعدوا مع القاعدین" (اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو وہ اُس کے لئے تیاری کرتے لیکن اللہ نے اُن کا جانا ناپسند کیا تو اُنھیں مشغول کر دیا اور اُن سے کہدیا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو)۔ ان لوگوں نے جو اپنی اُس استطاعت کی نفی کی تھی جو صحت جوارح ورانتفاع موانع ہے اللہ تعالیٰ نے انھیں اُس میں جھوٹا بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ

بیٹھے رہو۔ یہ امر تکوین ہے نہ کہ امر قعود۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بیٹھنے پر ان سے ناخوش ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی تصریح فرمائی کہ "انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون" (اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے)۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ وہ بظاہر حال صحت جوارح وارتفاع موانع کے سبب سے مستطیع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ان کے قعود (یعنی بیٹھنے) کی تکوین کر دی (یعنی اُسے موجود اور پیدا کر دیا) لہذا یہ باطل ہو گیا کہ ان کی استطاعت اپنے اُس فعل کے خلاف تام و مکمل تھی جو اُن سے ظاہر ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "من یھد اللہ فھو المھتد ومن یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا" (اللہ جس کو ہدایت کرتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے اور جس کو گمراہ رہنے دیتا ہے تو اس کے لئے ہرگز کوئی راہ بتانے والا دوست نہ پائے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے بیان جلی سے واضح کر دیا کہ جس کو وہ ہدایت دیتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ گمراہ رہنے دیتا ہے تو وہ ہدایت نہیں پاتا۔ یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُس کے لئے ہدایت واقع ہونے کی وجہ سے کہ جس کو توفیق کہا جاتا ہے بندہ وہ فعل کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ مہتدی (ہدایت یافتہ) ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اضلال (گمراہی کا باقی رکھنا) واقع ہونے کی وجہ سے اور یہی خذلان ہے۔ اور بندے کے ضلال و گمراہی کا پیدا کرنا ہے۔ بندہ وہ فعل کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ ضال و گمراہ ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اس کے یہی معنی ہیں جس کو اللہ نے مہتدی نامزد کیا اور جس کو اللہ نے ضال نامزد کیا۔

اُس سے کہا جائے گا کہ یہ باطل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ جس کو اللہ نے گمراہ رہنے دیا اس کے لئے تو کوئی راہ بتانے والا دوست نہ پائے گا۔ اگر اللہ نے اُس کا تسمیہ

اور نام مذکور نا ہی مراد لیا ہوتا جیسا کہ تم نے دعویٰ کیا ہے تو اللہ کا یہ قول غلط ہو جاتا۔ اس لئے کہ ہر گمراہ اُس کی گمراہی پر دوست ہوتے جو اُس کا نام مہتدی و راشد (راہ یاب) رکھ دیتے۔ اور اللہ تعالیٰ غلطی و کذب سے برتر ہے۔ لہٰذا اُن کی تاویل فاسد باطل ہو گئی اور ہمارا قول ثابت ہو گیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

خضر و موسیٰ علیہما السلام

اللہ تعالیٰ نے اُن خضرؑ کے متعلق خبر دیتے ہوئے جن کو اللہ نے علم و حکمت و نبوت عطا کی تھی موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے رفیق سفر کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا

"فوجدا عبدا من عبادنا آتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ من لدنا علماً" (موسیٰؑ اور ان کے رفیق نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اپنے پاس سے اُسے علم کی تعلیم دی تھی) اللہ تعالیٰ نے خضرؑ ہی کے متعلق خبر دیتے ہوئے اور ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا ہے "وما فعلتہ عن امری" (میں نے اُسے اپنی رائے سے نہیں کیا ہے (یعنی بچے کا قتل وغیرہ۔ ثابت ہو گیا کہ جو کچھ خضر علیہ السلام نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی وحی تھی اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ خضرؑ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ "انک لن تستطیع معی صبراً (اے موسیٰؑ میرے ساتھ ہرگز آپ کو صبر کی استطاعت نہ ہوگی)۔ نہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کلام کا انکار فرمایا اور نہ (موسیٰ علیہ السلام نے اس کا انکار کیا۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے اُنھیں یہ جواب دیا کہ "ستجدنی ان شاء اللہ صابرا ولا اعصی لک امرا" (آپ مجھے انشاء اللہ صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کروں گا) موسیٰ علیہ السلام نے ان سے یہ نہیں کہا کہ مجھے صبر کی استطاعت ہے بلکہ اس بارے میں ان کے قول کی تصدیق کی کیونکہ اس کا اقرار کیا، انکار نہیں کیا۔ اور امید کی کہ اللہ تعالیٰ اُنھیں صبر کی استطاعت عطا کر دے گا پھر وہ صبر کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے صبر کو اپنے لئے واجب نہیں کیا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے۔ اس کے بعد بھی خضرؑ نے بار بار اُن سے کہا کہ اُنھیں صبر کی استطاعت نہ ہو گی کیونکہ اُنھوں نے صبر نہیں کیا تھا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے اس کا انکار نہیں کیا۔

یہ تین انبیاء محمدؐ و موسیٰؑ و خضرؑ صلی اللہ علیہم وسلم کی شہادت ہے اور ان کی شہادت سے بڑی شہادت اللہ تعالیٰ کی ہے جو اس بارے میں ان حضرات کی تصدیق میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اسکی تصریح فرمائی ہے جس میں اس کا انکار نہیں کیا ہے بلکہ ان سب کی تصدیق فرمائی ہے۔ اور اس کو سوائے مخذول و بدنصیب کے کوئی رد نہ کرے گا۔ ۲۴

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وعرضنا جھنم یومئذ للکافرین عرضا الذین کانت اعینھم فی غطاء عن ذکری وکانوا لایستطیعون سمعا" (اور ہم اُس روز اُن کافروں کے لئے جہنم پیش کریں گے جن کی آنکھیں ہمارے ذکر سے پردے میں تھیں اور ان کی حالت یہ تھی کہ وہ سننے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے تھے)۔ اللہ تعالیٰ نے نص جلی سے اس پر تصریح فرمائی کہ اُن کی حالت یہ تھی کہ انھیں اُس چیز کے سننے کی استطاعت نہ تھی جس کا اُنھیں حکم دیا گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی اُن کی آنکھیں بھی ذکر الٰہی سے پردے میں تھیں۔ اس کے باوجود وہ اس پر جہنم کے مستحق ہوئے۔ وہ ظاہر حال میں اپنے صحت جوارح کی وجہ سے مستطیع تھے۔ یہ ہمارے قول کی بلا تکلف نص ہے۔ اللہ نے جو ہمیں اس کی ہدایت فرمائی اور توفیق دی اس پر اُس کی بےحد حمد و شکر ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "اذ یقول الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا۔ انظر کیف ضربوا لک الامثال فضلوا فلا یستطیعون سبیلا" (جبکہ ظالم کہتے ہیں کہ

تم لوگ تو محض ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے۔ دیکھئے تو کہ ان لوگوں نے آپ کے لئے کیسی مثالیں بیان کیں چنانچہ یہ گمراہ ہوگئے۔ اور اب انھیں راستہ پانے کی استطاعت نہیں ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے سوائے راہ گمراہی کے بقیہ تمام راہوں کی استطاعت کی ان سے نفی فرمادی۔ عاقل کے لئے یہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وما کان لنفس ان تؤمن الا باذن اللہ" (اور کسی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ بغیر اللہ کی اجازت کے ایمان لائے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو ایمان کی اجازت نہیں دی وہ ایمان نہیں لایا۔ اور جس کو ایمان کی اجازت دی وہ ایمان لایا۔ یہ اذن واجازت وہی توفیق ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔ لامحالہ اسی سے ایمان ہوتا ہے۔ عدم اذن ہی وہ خذلان (ترکِ مدد) ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔ نعوذ باللہ منہ۔

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی حکایت وتصدیق کرتے ہوئے فرمایا ہے "والا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن واکن من الجاھلین۔ فاستجاب لہ ربّہ فصرف عنہ کیدھن" (اور اگر تو ہی مجھ سے ان عورتوں کے مکر کو نہ دفع کرے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں ہو جاؤں گا۔ چنانچہ ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی اور ان عورتوں کے مکر کو ان سے دفع کردیا) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی۔ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، اگر وہ عورتوں کے مکر کو دفع کرنے مدد نہ فرماتا تو وہ مائل و جاہل ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے مکر کو دفع کردیا تو وہ محفوظ رہے۔ یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ جب اللہ نے انھیں توفیق دی تو وہ محفوظ رہے اور ہدایت پائی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکایت وتصدیق کرتے ہوئے فرمایا "لئن لم یھدنی ربی لاکونن

من القوم الضالین" (البتہ اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرے گا تو میں گمراہ قوم میں ہوں گا)۔ یہ اس پر نص ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو قوت ایمان عطا کرتا ہے وہ ایمان لاتا اور ہدایت پاتا ہے۔ اور جس سے یہ قوت روک لیتا ہے وہ گمراہوں میں رہتا ہے۔ یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

فرمایا ہے "واصبر وما صبرك الا باللہ" (آپ صبر کیجئے مگر آپ کا صبر اللہ ہی کے وسیلے سے ہوگا)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اُس نے آپ کو صبر کا حکم دیا پھر آپ کو خبر دی کہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے آپ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ جب اُس نے بذریعۂ صبر آپ کی اعانت کی تو آپ نے صبر کیا۔

فرمایا ہے "ان تحرص علی هدیهم فان اللہ لا یهدی من یضل" (اگر آپ کو ان کی ہدایت کا شوق ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت نہیں کرتا جسے وہ گمراہی پر باقی رکھتا ہے)۔ یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے بذریعۂ خذلان گمراہی پر باقی رکھتا ہے تو وہ ہدایت یافتہ نہیں ہوتا۔

فرمایا ہے "واذا قرأت القرآن جعلنا بینك وبین الذین لا یؤمنون بالآخرة حجابا مستورا وجعلنا علی قلوبهم اکنة ان یفقهوه وفی آذانهم وقرا" (اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان میں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں اور اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ اُسے نہ سمجھیں اور اُن کے کانوں کو بہرا کر دیتے ہیں)۔ یہ تو وہ نص ہے جس میں کوئی اشکال ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن کے سمجھنے سے روک دیا ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہی فرمایا ہے کہ وہ اُن لوگوں کے ساتھ ایسا کرتا ہے جو ایمان نہیں لاتے اور اسی لئے اُس نے فرمایا ہے "وما یضل به الا الفاسقین" (اور وہ اس سے

صرف نافرمان لوگوں ہی کو گمراہ کرتا ہے)۔ اور "وبطبع اللہ علی قلوب الکافرین" (اور اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر کفر کو پختہ کر دیتا ہے)۔
بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے گا کہ اگر تمھاری یہ تاویل صحیح ہوتی تو تمھارے ہی اوپر حجت ہوتی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں توفیق سے روکدیا ہے۔ اُن پر خذلان کو مسلط کر دیا ہے۔ اُنھیں گمراہ رہنے دیا اور اُن کے دلوں پر کفر کو پختہ کر دیا۔ لہذا تم اسے جیسا چاہو کر دو مگر یہ کیسے ہوگا حالانکہ وہ تمھاری تاویل کے مطابق ہے۔
آیات کا ظاہر اور بغیر کسی تکلف کے اُن کے الفاظ کا اقتضاء وہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں گمراہ رہنے دیا تو وہ ضال و فاسق (یعنی گمراہ و نافرمان) ہو گئے اور اُس وقت ہو گئے جس وقت اللہ نے انھیں گمراہ رہنے دیا نہ کہ اس کے قبل کہ اُنھیں گمراہی پر باقی رکھے۔ اسی طرح وہ غیر مومن ہو گئے جب کہ اُن لوگوں کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حجاب کر دیا اور جب کہ اُن کے دلوں پر پردے ڈالدیئے اور اُن کے کانوں کو بہرا کر دیا نہ کہ اس کے قبل۔ وہ اُسی وقت کافر ہوئے جبکہ اُن کے دلوں پر کفر کو پختہ کر دیا نہ کہ اس کے قبل۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا" (اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے آپ کو ثابت قدم رکھا تو آپ تھوڑا بہت اُن لوگوں کی طرف جھک گئے ہوتے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اگر وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ توفیق ثابت قدم نہ رکھتا تو آپ کفار کی طرف جھک جاتے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسی وقت ثابت قدم رکھا جس وقت اُس نے آپ کو ثابت قدم رکھا نہ کہ اس کے قبل۔ اگر وہ آپ کو تثبیت (ثابت قدمی) نہ عطا کرتا اور بغیر مدد کے چھوڑ دیتا تو آپ ضرور کفار کی طرف مائل ہو جاتے۔ گمراہ ہو جاتے اور اس پر مستحق عذاب ہوتے زندگی سے بھی دوچند اور موت سے بھی دوچند۔

یہ اُس بدقسمت و بے یار و مددگار کی تباہی ہے جو اپنے ناپاک دل میں یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اُس توفیق و تثبیت سے مستغنی ہے جس کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم محتاج تھے۔ اور اُس نے ہدایت کو اتنا مکمل حاصل کر لیا ہے کہ اب اُس پر اضافے کی گنجائش نہیں رہی۔ جو کچھ اُس کے رب نے اُسے دیدیا ہے اب اُس کے پاس اُس سے افضل و بیشتر نہیں رہا ہے۔ حالانکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کا حکم دیا ہے "ایاك نعبد وایاك نستعین (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں) "اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" (ہمیں راہ راست کی ہدایت فرما جو اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تو نے انعام کیا نہ اُن کی کہ جن پر غضب کیا گیا اور نہ اُن کی جو گمراہ ہیں) اللہ تعالیٰ نے اُس حکم پر جو ہمیں اُس سے مدد طلب کرنے کے متعلق ہے تصریح فرمائی۔ اور ہمارے قول کی نص ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

یہاں پر اگر کوئی خاص مدد نہ ہوتی کہ وہ جس کو اللہ تعالیٰ عطا کرے گا ہدایت پائے گا اور جس کو اُس سے محروم و بے نصیب کرے گا وہ گمراہ ہوگا تو اس دعاء کے کوئی معنی نہ ہوتے۔ اس لئے کہ لوگوں کی یہ حالت ہوتی کہ وہ اعانت و مدد یافتہ و انعام یافتہ و ہدایت یافتہ ہوتے۔ حالانکہ یہ نص مذکور کے خلاف ہے۔

فرمایا ہے "ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم" (اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اور اُن کے کانوں پر۔ اور ان کی آنکھوں پر پردے ہیں۔ اور ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے کفار کے دلوں پر مہر کر دی اور اُن کی آنکھوں اور کانوں پر پردے ہیں جو اُن کے اور قول حق کے درمیان حائل ہیں ان پردوں کا آنکھوں اور کانوں پر کرنیوالا اُس کے سوا کون ہے جس نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ اور یہی وہ خذلان ہے کہ جس کو ہم نے بیان کیا ہے۔ ونعوذ باللہ منہ۔ یہ اس امر پر نص ہے کہ انھیں ایمان پر استطاعت نہ ہوگی جب تک کہ یہ مہر اُن کے دلوں پر اور پردے ان کی آنکھوں اور کانوں پر رہیں گے جب پھر اگر اللہ تعالیٰ اُنھیں زائل کر دے گا تو وہ ضرور

ایمان لائیں گے۔ سوائے اس کے وہ لوگ اپنے رب کو اس کے زائل کرنے سے عاجز کر دیں۔ مگر یہ خارج از اسلام ہونا ہے۔

فرمایا ہے "ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان الاقلیلا" (اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم لوگ ضرور شیطان کی پیروی کرتے مگر بہت کم لوگ) جیسا کہ تم دیکھتے ہو اللہ تعالی نے اس پر تصریح کردی کہ جس پر وہ فضل نکرے گا اور جس پر وہ رحم نکرے گا۔ وہ ضرور شیطان کی پیروی کرے گا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ توفیق ہی سے ایمان ہوتا ہے اور خذلان ہی سے کفر اور نافرمانی ہوتی ہے۔ اور یہی اتباع شیطان ہے۔ اور اس کے کلام "الاقلیلا" (مگر تھوڑے سے) کے مطابق ظاہر کئے ہیں۔ اور وہ اُن منعم علیہم (انعام یافتہ) مرحومین سے استثناء ہے جنھوں نے اللہ کی رحمت کے سبب سے شیطان کی پیروی نہیں کی۔ یعنی تم ضرور شیطان کی پیروی کرتے سوائے اُن چند کے جن پر اللہ تعالی نے رحمت نہیں کی تو انھوں نے شیطان کی پیروی کی۔ چونکہ تم پر رحم کیا اس لئے تم نے اس کی پیروی نہیں کی۔ اور یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ وللہ تعالی الحمد۔

فرمایا ہے "فمالکم فی المنافقین فئتین واللہ ارکسہم بما کسبوا اتریدون ان تہدوا من اضل اللہ ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلا" (منافقین کے بارے میں تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم دو گروہ ہو گئے۔ حالانکہ اللہ نے ان اعمال کی وجہ سے انھیں اُن کی پہلی حالت پر واپس کر دیا ہے۔ کیا تم اُسے ہدایت کرنا چاہتے ہو جسے اللہ نے گمراہ رکھا۔ اور جسے اللہ گمراہ رکھتا ہے تو آپ ہرگز اس کیلئے کوئی راہ ہدایت نہ پائیں گے)۔ یہ ہمارے ہی قول کی نص ہے کہ جسے اللہ نے گمراہ رہنے دیا اس کے لئے ہدایت تک کوئی سبیل نہیں ضلال (گمراہ ہونا) کافر و فاسق کے لئے اللہ تعالی کے اضلال (گمراہ رہنے دینے) سے واقع ہوا۔

فرمایا ہے کہ ذلک ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء من عبادہ" (یہ اللہ کی ہدایت ہے اس سے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس کے پاس ہدایت ہے جس سے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ تخصیص ظاہر ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔

فرمایا ہے "فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء" (پھر اللہ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینے کو اتنا تنگ و سخت کر دیتا ہے کہ گویا وہ آسمان پر (اسلام سے بھاگ کے) چڑھ جائے گا۔ یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ کہتے ہوئے تصریح کر دی کہ وہ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ وہ بلاشک ایمان لے آتا ہے اور جس کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے اور اس کو ہدایت کرنا نہیں چاہتا تو اس کے سینے کو تنگ اور اتنا تنگ کر دیتا ہے کہ وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی شخص آسمان پر چڑھنے کا ارادہ کر رہا ہو۔ یہ قطعاً ایمان نہیں لاتا اور نہ اسے استطاعت ہوتی ہے حالانکہ وہ اپنے ظاہر میں اپنے صحت جوارح کے سبب مستطیع ہوتا ہے۔

البتہ وہی گمراہ ہے جو ہمارے ان نصوص کے ذکر کرنے کے بعد بھی گمراہ رہے جن میں کسی تاویل کا احتمال نہیں۔ اور پانچ انبیاء ابراہیم و موسیٰ و خضر و یوسف و محمد علیہم السلام کی شہادت کے بعد بھی کہ انہیں قطعاً کسی خیر کی استطاعت نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے۔ اگر وہ انہیں توفیق نہ دیتا تو سب کے سب گمراہ ہوتے۔ ساتھ ہی اس کے ہم نے وہ براہین ضرور یہ بھی وارد کر دیں جو حس و بداہت عقل سے

سمجھی جاتی ہیں۔

احاطۂ قدرت انسانی

جو شخص اخلاق محمودہ و مذمومہ کی تراکیب کو سمجھتا ہے وہ جانتا ہے کہ کوئی شخص اُس کے سوا پر استطاعت نہیں رکھتا جو وہ کرتا ہے اور جس کو اللہ نے اُس کے اندر پیدا کر دیا ہے۔ تم حافظ کو پاؤ گے کہ وہ اپنے حفظ کو ہٹا دینے پر قادر نہ ہو گا۔ کند ذہن کو پاؤ گے کہ وہ حفظ پر قادر نہ ہو گا۔ فہیم کند ذہنی و غباوت پر قادر نہ ہو گا۔ غبی و بدفہم تیز فہمی پر استطاعت نہ رکھے گا۔ حاسد ترک حسد پر قادر نہ ہو گا۔ پاک نفس حسد پر قادر نہو گا۔ حریص ترک حرص پر قادر نہو گا۔ بخیل خرچ کرنے پر قادر نہ ہو گا۔ بزدل بہادری پر قادر نہ ہو گا۔ جھوٹا اپنے آپ کو کذب سے روکنے پر قادر نہ ہو گا۔ یہ لوگ اپنے بچپن سے اسی حالت پر پائے جائیں گے۔ بدخلق حلم پر قادر نہ ہو گا۔ حیادار بے شرمی پر قادر نہ ہو گا۔ بے شرم حیاء پر قادر نہ ہو گا۔ جاہل بیان پر قادر نہ ہو گا۔ صاحب طیش صبر پر قادر نہو گا صاحب غضب حلم پر قادر نہو گا۔ صاحب صبر طیش پر قادر نہو گا۔ حلیم غضب پر قادر نہ ہو گا۔ خوددار اور اپنے نفس کی عزت کرنیوالا ذلت و توہین پر قادر نہ ہو گا۔ ذلیل و صاحب اہانت عزت نفس و خودداری پر قادر نہو گا۔ اسی طرح ہر شے میں ہے۔ یہ ثابت ہو گیا کہ کوئی شخص بھی قادر نہیں بجز اس کے کہ وہ اُس وقت کے سبب سے کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے فعل کی اُس میں مکمل کر دی ہے۔ اگرچہ اس کے خلاف کا بھی اُن سے وہم و خیال کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ ان کے اعضاء صحیح ہیں اور مانع نہیں ہے۔

ملائکہ و حور و جن اور تمام حیوان استطاعت میں برابر ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ ان میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ نے صحت جوارح کے سبب سے ظاہری استطاعت پیدا کی ہے۔ اُن سے کوئی فعل بجز اللہ کی مدد کے نہیں ہوتا۔ جب مدد وارد ہوتی ہے تو فعل اُس کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ لامحالہ اللہ تعالیٰ نے

ان میں اختیار وارادہ وحرکت وسکون پیدا کیا ہے۔ ملائکہ وحور معصوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں قطعاً معصیت ونافرمانی پیدا نہیں کی وہ ذات جو اس پر قادر ہے کہ جو چاہے کرے اور جو چاہے نکرے ہمیشہ سے ہر اس شئے پر قادر ہے جو دل میں گذر سکے۔ تو وہ وہی واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ ہے کہ اُس کے مثل جیسی بھی کوئی شئے نہیں اور نہ کوئی اُس کا ہمسر ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہدایت وتوفیق
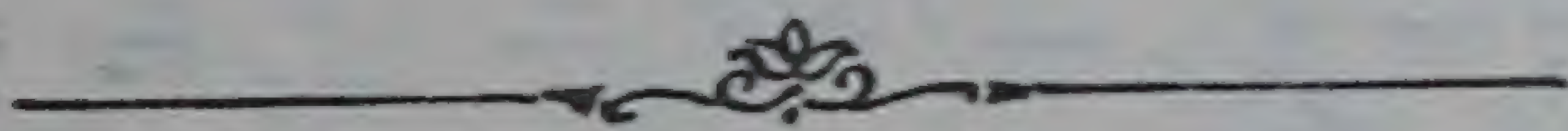
معتزلہ نے ان آیات سے استدلال کیا ہے "واما ثمود فھدینٰھم فاستحبوا العمیٰ علی الھدیٰ" (اور لیکن ثمود۔ تو ہم نے انھیں ہدایت کی تھی مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں نابینائی کو پسند کیا)

اور اس آیت سے "انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلناہ سمیعا بصیرا۔ انا ھدینٰہ السبیل اما شاکرا واما کفورا۔ انا اعتدنا للکافرین سلاسل واغلالا وسعیرا" (بیشک ہم نے انسان کو میلے کچیلے نطفہ سے پیدا کیا تاکہ ہم اُس کا امتحان کریں چنانچہ ہم نے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ بیشک ہم نے اُسے راہ بتادی۔ (اور اُسے اختیار دیدیا کہ) وہ یا تو شکر گذار بنے یا ناسپاس۔ بیشک ہم نے کفار کے لئے زنجیریں اور طوق اور جہنم تیار کی ہے)۔

اور یہ حق ہے۔ اور فرمایا ہے "ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا الله و اجتنبوا الطاغوت فمنھم من ھدی الله و منھم من حقت علیه الضلالة" (اور بیشک ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور بت سے بچو۔ پھر اُن میں سے بعض وہ تھے جنھیں اللہ نے ہدایت کردی اور بعض وہ تھے جن پر گمراہی ثابت رہی) اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اُن نے جن کو ہدایت کی وہ بعض لوگ تھے سب نہ تھے۔

فرمایا ہے "ان تحرص علیٰ ھدیھم فان الله لا یھدی من یضل" (اگر آپ کو ان کی ہدایت کا شوق ہے تو (آپ کو معلوم رہے کہ) بیشک اللہ اسے ہدایت نہیں کرتا جسے وہ گمراہی پر باقی رکھنا چاہتا ہے) یہ عاصم کی مشہور قراءت ہے جو "یھدی" میں یا کے فتحہ اور دال کے کسرہ سے ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ بعض وہ لوگ بھی ہیں جنھیں اُس نے ہدایت نہیں کی۔

فرمایا ہے "ومن یضلل الله فلا ھادی له" (اور اللہ جس کو گمراہ رکھے تو اُس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جن لوگوں کو اس نے گمراہ رکھا انھیں کسی نے ہدایت نہیں کی۔

فرمایا ہے "فمن یرد الله ان یھدیه یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضله یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء" (پھر اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھولدیتا ہے اور جس کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے۔ اس کے سینے کو تنگ اور ایسا تنگ کر دیتا ہے کہ گویا وہ (اسلام سے بھاگ کر) آسمان پر چڑھ جائے گا) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جس کو اُس نے ہدایت کی وہ اور ہے اور جس کو گمراہ رکھا وہ اور ہے۔ اور اس طرح کا کلام بہت ہے۔ یہ سب کلام اللہ ہے اور سب حق ہے جس میں تعارض نہیں ہے اور نہ اس کا بعض حصہ بعض حصے کو باطل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " ولوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا " (اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں یہ لوگ بہت اختلاف پا لیتے) ۔ یہ یقیناً صحیح ہے کہ ہم جو آیات لائے ہیں وہ سب کی سب متفق ہیں نہ کہ مختلف ۔

ہم نے آیات مذکورہ میں غور کیا تو انھیں بالکل ظاہر و روشن پایا ۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے ثمود کو ہدایت کی مگر وہ ہدایت یافتہ نہ بنے اور سب لوگوں کو راہ کی ہدایت کی پھر اس کے بعد وہ شکر گذار ہو گئے یا ناسپاس ۔ اور اللہ تعالیٰ نے دوسری آیات میں خبر دی ہے کہ اس نے ایک قوم کو ہدایت کی اور وہ ہدایت یافتہ بن گئے ۔ اور دوسروں کو ہدایت نہیں کی اور وہ ہدایت یافتہ نہیں بنے ۔ تو ہمیں بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ وہ ہدایت جو اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو عطا فرمائی وہ اس ہدایت کے مغایر ہے جو اس نے بعض لوگوں کو عطا فرمائی اور بعض سے روک لی اور انھیں یہ نہیں عطا فرمائی یہ وہ امر ہے جو ضرورت و بداہت عقل سے معلوم ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے ۔ لہذا یہ امر واضح ہو گیا ۔

۲۷

ہدایت کے معنی

لغت عربیہ میں ہدایت اسمائے مشترکہ میں سے ہے ۔ اور وہ بھی وہی ہے جس کا ایک اسم دو ایسے مسمّیٰ پر واقع ہوتا ہے کہ اپنی نوع میں مختلف ہوتے ہیں ۔ اور دو سے زائد پر بھی واقع ہوتا ہے ۔ ہدایت ۔ بمعنی دلالت ہوتی ہے (یعنی راستہ بتا دینا اور دکھا دینا) ۔ تم کہتے ہو کہ " ھدیت فلانا الطریق " بمعنی ادیتہ ایاہ میں نے فلاں کو راستے کی ہدایت کر دی یعنی اسے راستہ دکھا دیا ۔ اسے اس پر مطلع کر دیا ۔ آگاہ کر دیا ۔ خواہ وہ اس پر چلے یا اسے ترک کرے ۔ اور تم کہتے ہو " فلان ھاد بالطریق " ای دلیل فیہ ۔ فلاں راستے کا ہادی ہے یعنی اس کا بتانے والا ہے ۔ یہی وہ ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ثمود اور تمام جن و ملائکہ اور تمام انسانوں کو

کافر کو بھی مومن کو بھی فرمائی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں طاعات ومعاصی کا راستہ بتا دیا۔ انھیں وہ بھی معلوم کرا دیا جس سے وہ ناخوش ہوتا ہے اور وہ بھی جس سے وہ خوش ہوتا ہے۔ یہ ایک معنی ہوئے۔

کبھی ہدایت توفیق اور خیر پر مدد کرنے اور اُس کے لئے آسان کرنے کے اور قبول خیر کے لئے دلوں میں اُس کی استعداد پیدا کرنے کے معنی میں ہوتی ہے۔ یہ وہ ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو اور ہدایت یافتہ انسانوں اور جن کو عطا فرمائی اور دونوں گروہ کے کفار و فاسقین کو جن امور میں وہ نافرمانی کرتے تھے ان میں انھیں اُس ہدایت سے روک دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ یہی ہدایت اُنھیں بھی عطا فرماتا تو وہ ہرگز نہ کفر کرتے نہ فسق کرتے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جس سے یہ مضمون خوب واضح ہوتا ہے وہ یہ آیت ہے "اناھدیناہ السبیل" (ہم نے اُسے راستہ بتایا) اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا کہ وہ چیز جس کی اُس نے ہدایت کی وہ صرف راستہ تھا۔

اسی طرح یہ آیت ہے "الم نجعل لہ عینین ولسانا وشفتین وھدیناہ النجدین" (کیا ہم نے انسان کے لئے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے۔ اور ہم نے اُسے دونوں راستوں کی ہدایت کی چنانچہ یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین

اسی طرح یہ کلام الٰہی۔ ولو شئنا لاٰتینا کل نفس ھُدٰیھا ولکن حق القول منی لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین" (اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اُس کی ہدایت عطا کر دیتے۔ لیکن میرا یہ قول سچا ہے کہ میں ضرور ضرور جہنم کو جن و انسان دونوں سے بھروں گا) اور فرمایا ہے" ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدیٰ" (اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا) یہ ہدایت بے شک اُس ہدایت کے مغایر ہے جو اُس نے ان سب کو عطا فرمائی اور وہ دلالت یعنی راہ دکھانا اور حق کو باطل سے واضح کر دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "ان الذین کفروا و ظلموا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم طریقا الا طریق جھنم" (جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا۔ اللہ ایسا نہیں ہے کہ اُن کی مغفرت کرے اور انھیں سوائے جہنم کی راہ کے کوئی راہ بتائے۔

یہ ہمارے قول پر نص جلی و بیان ہے کہ انھیں جہنم کی راہ بتانا جس میں وہ جہنم کی طرف لاد دلے جائیں گے انھیں اُس راستے کی ہدایت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اُن سے سوائے جہنم کے راستے کے تمام راستوں کی ہدایت کی نفی کر دی۔ ونعوذ باللہ من الضلال۔

ایک شخص نے جو قول کو بلا علم کے صحیح معنی سے پھیر دیتا ہے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا "واما ثمود فھدینٰھم فاستحبوا العمی علی الھدیٰ" (اور لیکن ثمود۔ تو ہم نے انھیں ہدایت کی مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں نابینائی کو پسند کیا)۔ اور یہ فرمانا "انا ھدینٰہ السبیل" (بیشک ہم نے اُسے راہ بتائی)۔ اور یہ فرمانا "وھدینٰہ النجدین" اور ہم نے اُسے دونوں راستے بتا دیے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صرف مومنین ہی کو مراد لیا ہے۔

یہ دو وجوہ سے باطل ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ بغیر برہان کے آیات کی تخصیص ہے اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔ اور دوسرے یہ کہ لامحالہ نص آیات تخصیص سے مانع ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "واما ثمود فھدینٰھم فاستحبوا العمی علی الھدیٰ" (اور لیکن ثمود۔ تو ہم نے انھیں ہدایت کی۔ مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں نابینائی کو پسند کیا)۔ اللہ تعالیٰ نے "فاستحبوا العمی علی الھدیٰ" کی ضمیر کو خود مہدیین (جن کو ہدایت کی گئی ہے) کی طرف پھیرا ہے۔ لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ جنھیں ہدایت کی گئی تھی انھوں نے ہدایت نہیں پائی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ "لیس علیك ھدیھم ولکن اللہ یھدی من یشاء" (آپ کے ذمے ان کی ہدایت نہیں ہے۔ مگر اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے)۔ اور آپ ہی سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وانك لتھدی الی صراط مستقیم" (اور بیشک آپ راہ راست کی ہدایت کرتے ہیں)۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ جو ہدایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب ہے وہ دلالت یعنی راستہ بتا دینا اور دین کی تعلیم ہے اور وہ اس ہدایت کے مغایر ہے جو آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔

اگر کوئی معترض یہ آیت پیش کرے "ولو علم اللہ فیھم خیراً لاسمعھم ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون" (اور اگر اللہ کو ان میں خیر کا علم ہوتا تو وہ ضرور انھیں سناتا (یعنی قبول کراتا) اور اگر انھیں سناتا (اور منواتا) تو ضرور وہ (کفر سے) پھر جاتے اور ہمیشہ پھرے رہتے۔ یہ آیت اُس شخص کے گمان کے مطابق نہیں ہے جس نے گہری نظر نہیں ڈالی کہ اللہ تعالیٰ اگر انھیں سناتا تو وہ اس کو نہ سنتے۔ بلکہ ظاہر آیت اس گمان کو باطل کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "ولو علم اللہ فیھم خیراً لاسمعھم" (اگر اللہ کو اُن میں خیر کا علم ہوتا تو ضرور انھیں سناتا) لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کو جس میں خیر کا علم تھا اُسے اس نے سنایا۔ اور ثابت ہو گیا کہ اس میں خیر نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون" (اور اگر وہ انھیں سناتا تو وہ ضرور پھر جاتے اور ہمیشہ پھرے رہتے)۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ اُس کی مراد بلاشک یہ ہے کہ وہ اگر انھیں سناتا تو وہ لوگ ضرور کفر سے پھر جاتے اور وہ ہمیشہ کفر سے پھرے رہتے۔ اس کے سوا اور کچھ ممکن نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سنانا صرف

اُسی کے لئے ہوتا ہے جس میں اُسے خبر کا علم ہوتا ہے۔ یہ محال و باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جس میں خبر کا علم ہو وہ خبر کے پھر جائے اور اُس سے اعراض کرے۔ ان لوگوں نے اپنے گمانوں سے جو تحریف کلام اللہ میں کی بھی وہ باطل ہوگئی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول "اناھدینٰہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا" (بیشک ہم نے اُسے راستے کی ہدایت کردی یا تو وہ شکر گذار ہے یا ناسپاس)۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو راستے کی ہدایت کی اُس کی دو قسمیں کیں۔ ناسپاس و شکر گذار لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ ناسپاس کو بھی راستے کی ہدایت کی گئی ہے۔ لہذا جس باطل کا ان لوگوں کو وہم تھا وہ باطل ہوگیا اور وہ ثابت ہوگیا جو ہم نے کہا۔ وللہ تعالیٰ الحمد۔

اضلال[1]

ابو محمد کہتے ہیں کہ ہم نے اُس باب میں جو اس کے قبل ہے اور اس باب میں جو اُس کے بھی قبل اور اُسی کے متصل ہے کلام اللہ کی تلاوت کی ہے جس میں اس امر کی بہت سی نصوص ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہا گمراہ کردیا۔ اور اُن کے سینوں کو تنگ اور بیحد تنگ کردیا۔

اگر لوگ اعتراض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ قول نقل کیا ہے

---

[1] ۔ اِضلال : (۱) گمراہ کرنا۔
(۲) گمراہ رہنے دینا۔

وما اضلنا الا المجرمون" (اور ہمیں تو صرف مجرمین ہی نے گمراہ کیا)۔ اس آیت میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل وحجت نہیں ہے جس کے کئی وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ قول کفار کا ہے جو انھوں نے جھوٹ کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ہی یہ حکایت بیان کی ہے "واللہ ربنا ما کنا مشرکین۔ انظر کیف کذبوا علی انفسہم وضل عنہم ما کانوا یفترون" (اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم لوگ مشرک نہ تھے۔ دیکھئے تو یہ اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولے۔ اور جو افترا کیا کرتے تھے وہ ان سے کھو گیا) اگر وہ نہ مانیں اور قول کفار ہی سے استدلال کریں تو انھیں چاہئے کہ وہ اسے قول ابلیس کے پہلو میں کر دیں جو یہ ہے "رب بما اغویتنی لازینن لھم فی الارض" (اے میرے اس سبب سے کہ تو نے مجھے بہکایا میں زمین میں ضرور ضرور انسانوں کے لئے آرائش کروں گا (جس سے وہ گمراہ ہوں)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم مجرمین کے گمراہ کرنے کا اور لوگوں کو ابلیس کے گمراہ کرنے کا انکار نہیں کرتے لیکن یہ اور اضلال (گمراہ کرنا) ہے جو اللہ تعالیٰ کا ان کو اضلال (گمراہ کرنا) نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ کسی کو اس میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا کہ اللہ نے اسے گمراہ کر دیا اور نہ اس بارے میں خالق پر کوئی ملامت ہو سکتی ہے۔ لیکن جس کو اللہ کے سوا کسی دوسرے نے گمراہ کیا وہ قابل ملامت ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو وہ گمراہ کرتا ہے اپنے گمراہ کرنے کی خود تفسیر کر دی ہے کہ وہ کیسا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گمراہ کرنے کی بھی ایسی تفسیر کر دی ہے جس کے سبب سے اس نے ہمیں بھیاؤں اور ہوا پرستوں کی تفسیر سے بے نیاز کر دیا ہے۔ مثلاً نظام۔ علاف۔ ثمامہ۔ بشر بن المعتمر۔ جاحظ۔ ناشی اور وہاں جو گروہ ہیں اور جو جاہل ان کے پیرو ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نص قرآن میں اس کی تصریح فرمائی ہے کہ

اُس کا اُس شخص کا گمراہ کرنا جس کو اُس نے اپنے بندوں میں سے گمراہ کیا وہ صرف یہ ہے کہ اُس کا سینہ قبول ایمان سے تنگ وغیر وسیع کر دیتا ہے کہ وہ اُس کے سمجھنے اور اُس کی طرف جھکنے کی رغبت نہ کرے اور ایمان پر استقلال کے ساتھ قائم نہ رہے اور اُسے حق کی طرف رجوع مشکل ہو جائے یہاں تک کہ اس کی یہ کیفیت ہو جائے کہ جیسے وہ آسمان پر چڑھنے کی مشقت گوارا کر رہا ہے ایک دوسری آیت میں بھی اس کی تفسیر کی ہے جس کی تلاوت ہم نے ابھی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کے قلوب پر پردے ڈال دیتا ہے جو اُن کے دلوں کے درمیان میں حائل ہو کر انھیں فہم قرآن سے اور اُس کے بیان کے سننے سے اور اُس کی ہدایت سے اور اُس کے سمجھنے سے اُنھیں روک دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے درمیان میں ایک حجاب و پردہ قائم کر دیا ہے جو اُن کے لئے ہدایت سے مانع ہے۔ اس کی تفسیر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کی ہے اُس نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اور اُن پر کفر کو پختہ کر دیا کہ جس کی وجہ سے وہ ہدایت تک رسائی حاصل کرنے سے باز رہے۔

اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کے ذریعے سے گمراہ کرنے کی بھی تفسیر فرمائی ہے۔ فرمایا ہے کہ اللہ نے اُنھیں مقتدا و امام بنا دیا ہے جو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُس قوت کی تفسیر بھی فرمائی ہے جو اُس نے مومنین کو عطا فرمائی اور کفار کو اُس سے محروم کر دیا اور وہ قوت یہ ہے کہ قبول حق پر ثابت قدم رکھتا ہے اللہ نے ان کے سینے حق کے سمجھنے۔ حق پر اعتقاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے کھول دیتا ہے۔ اُس نے مکر شیطان کو اور اُس کے فتنے کو اُن لوگوں سے باز رکھا۔ ہم بھی اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس عطیے سے ہماری بھی مدد کرے۔ اور اپنے کرم و احسان سے اضلال کو ہم سے علیحدہ رکھے۔ اور ہم کو خود ہمارے سپرد نہ کرے۔ کیونکہ وہ تباہ و برباد ہوا

جس نے اپنے دل میں یہ گمان کیا کہ اُس نے اپنے قویٰ کو مکمل کرلیا ہے یہاں تک کہ وہ اب اس سے بے نیاز ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے مزید توفیق و عصمت عطافرمائے اور اُسے اپنے خالق کی کوئی حاجت نہیں رہی کہ وہ اُس سے اپنے فتنہ و کید کو دفع کرے۔ اور خاصکر وہ شخص جس نے اپنے آپ کو اپنے خالق سے زیادہ اس پر قوی سمجھ لیا اور اپنے خالق کے پاس کوئی ایسی قوت نہیں سمجھی جس کے ذریعے سے وہ اُس سے کید شیطان کو دفع کرے۔ ہم اُس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جس سے اُس نے ان لوگوں کا امتحان لیا اور ہم ہر قوت و طاقت سے اللہ کے آگے اپنی تہیدستی ظاہر کرتے ہیں بکھوائے اُس کے کہ جو اُس نے ہمیں ہم پر فضل و کرم کرکے اس میں سے عطا کر دیا۔

شیطان کیسے گمراہ کرتا ہے

یہ جو قرآن میں آیا ہے کہ شیطان لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اُنھیں اللہ کی یاد سے غافل کرتے ہیں اور اُنھیں فریب دیتے ہیں اور بہکاتے ہیں اور یہی کام بعض انسان بعض کے ساتھ کرتے ہیں۔ تو یہ بھی جیساکہ قرآن میں آیا ہے بلا تکلف صحیح ہے۔ یہ سب امور مذکورۂ بالا کو لوگوں کے دلوں میں ڈالنا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلوں میں ان سب باتوں کو پیدا کرنا ہے اور وہی ان گمراہ کرنے والے جن وانس کے افعال کا خالق ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "حسدا من عند انفسھم" (اُس حسد کی وجہ سے جو خود اُن کے نفوس کی طرف سے ہے) اس لئے کہ یہ ایک فعل ہے جس کی اضافت اس لئے نفس کی طرف دی گئی ہے کہ اس کا ظہور نفس سے ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کو اللہ تعالیٰ ہی نے نفس میں پیدا کیا ہے۔

اگر یہ لوگ یہ آیت پیش کریں کہ "وما کان اللہ لیضل قوما بعد اذ ھدیھم حتیٰ یبین لھم ما یتقون" (اور اللہ تعالیٰ کی یہ

شان نہیں ہے کہ وہ کسی قوم کو جب کہ انھیں ہدایت کر چکا ہے گمراہ کردے تاوقتیکہ اُن سے وہ چیزیں نہ بیان کردے جن سے وہ بچیں) ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور یہ معتزلہ پر حجت ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک گمراہ نہیں کرتا تاوقتیکہ انھیں وہ اُن امور کو صاف صاف نہ بتادے جن سے وہ بچیں اور جو انھیں لازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا اس لئے کہ انسان قبل اس کے کہ اُس کے پاس رسول کی خبر آئے وہ جو کچھ کرتا ہے اُس میں قطعاً گمراہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف بندے کے اندر اپنے فعل کو اس کے پاس بیان پہنچ جانے کے بعد نہ کہ اس کے قبل اضلال سے نامزد کیا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ لہٰذا اس آیت سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے اچھی طرح بیان کرنے کے بعد انھیں گمراہ کرتا ہے۔

بعض لوگوں نے اضلال کی یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس لطف وکرم کو روک لیا جس کے سبب سے ایمان واقع ہوتا ہے۔ حالانکہ نصوص قرآن بلاشک اس معنی پر اضافہ کرتی ہیں اور اس کو واجب کرتی ہیں کہ اضلال کے کوئی زائد معنی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے کفار اور نافرمانوں کو دیے ہیں اور وہ وہی دل کی تنگی اور دلوں پر مہر اور قلوب پر کفر کا پختہ کر دینا اور قلوب کو پردے میں رکھنا ہے کہ وہ حق کو نہ سمجھیں، جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ بھی اگر اللہ تعالیٰ نفوس کی بذریعۂ توفیق مدد نہ کرے تو یہ تمام نفوس کا فعل ہے۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ اس خلقت مفسدہ کو کس نے پیدا کیا پھر اگر اُس نے بذریعۂ توفیق اُس کی مدد نہیں کی۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اُسے ایسا پیدا کیا تو انھوں نے مان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے یہ مصیبت عطا کی اور اُسی نے اُس میں اس ہلاک کرنے والی صفت کو ترکیب دیا۔ اگر وہ قول جاحظ ومعمر کی طرف

قرار کریں کہ یہ سب طبیعت کا فعل ہے تب بھی وہ ہمارے سوال سے نہ بچیں گے۔

ہم اُن سے کہیں گے کہ پھر نفس کو کس نے پیدا کیا اور کس نے اس میں اس طبیعت کو پیدا کیا جو ان افعال کی موجب و باعث ہے۔ اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے۔ تو انھوں نے مان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اُسے یہ ایسی صفت دی جو اُسے ہلاک کرنیوالی ہے بشرطیکہ وہ لطف و توفیق سے اُس کی مدد نکرے۔ اسی طرح اگر وہ یہ کہیں کہ نفس ہی نے ایسی طبیعت بنائی جو ان ہلاکتوں کی موجب ہے۔ تو باوجود اس کے کہ وہ اس قول سے خارج از اسلام ہو جائیں گے وہ محال ظاہر کے بھی لانے والے ہوں گے۔ اس لئے کہ اگر نفس ہی نے اپنی یہ طبیعت بنائی تو یا تو نفس اپنے فعل کا مختار ہے یا وہ جس صورت پر ہے اُس صورت پر اپنے فعل پر مجبور و مضطر ہے۔ اگر وہ مختار ہے تو واجب آئے گا کہ اس کی طبیعت بارہا اُس کے خلاف واقع ہو جس پر وہ ہمیشہ پائی جاتی ہے۔ اگر وہ مضطر ہے تو اُسے اس فعل پر مضطر کس نے پیدا کیا۔ تو لامحالہ یہی ہو گا کہ اُسے اللہ تعالیٰ نے مضطر کیا۔ انھوں نے بداہتہً اسی طرف رجوع کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اُسے ایسی طبیعت عطا کی جو ہلاک کرنے والی ہے جس کے سبب سے معصیت ہوتی ہے۔ باوجودیکہ اہل اسلام میں سے اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ نفس نے اپنی طبیعت پیدا کی۔ اس کے ساتھ ہی یہ وہ قول ہے جسے مشاہدہ و حس اور ضرورت عقل باطل کرتی ہے۔

وہ معتزلہ جو اصلح کے قائل ہیں یہاں پر وہ بھی لاجواب ہیں اُنھوں نے کہا ہے کہ ہم لوگ نہیں جانتے کہ اضلال کے کیا معنی ہیں اور دلوں پر مہر لگانے اور ان پر کفر کو پختہ کرنے کے کیا معنی ہیں۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا ضالین (گمراہ) نام رکھا اور ان پر یہ حکم کیا کہ وہ ضالین (گمراہ) ہیں۔

بعض معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ " اضلھم " (انھیں گمراہ کیا) کے معنی یہ ہیں کہ " اتلفھم " (انھیں تلف کر دیا)۔ حالانکہ یہ سب دعوے ہیں جو بغیر برہان کے ہیں۔

ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں معتزلہ کی قطعاً کوئی تاویل نہیں پائی جو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کو حکایت کیا ہے " ان ھی الا فتنتك ۔ تضل بھا من تشاء " (یہ محض تیرا فتنہ ہے کہ اس سے جس کو چاہتا ہے تو گمراہ کرتا ہے)۔

اصلی گمراہی

یہی حقیقی ضلال (گمراہی) ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انھیں سرکشی وعناد ونابینائی کسی ایسے اصل کی پابندی پر آمادہ کرے جس کا فساد ظاہر ہو۔ اور ان اسلاف کی تقلید جن میں کوئی خیر نہیں ہے

معتزلہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نہیں جانتے کہ اضلال اور دلوں پر مہر لگانے اور کفر کو پختہ کرنے اور پردہ ڈالنے کے کیا معنی ہیں۔ ۲۰ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی نہایت واضح تفسیر کر دی ہے یہ تو الفاظ عربیہ ہیں جن کے معنی اس لغت میں جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے، معلوم ہیں۔ لہذا جس لفظ کے معنی لغت میں معلوم ہیں اُسے اُن معنی سے بدلنا جو اس کیلئے اس لغت میں وضع کئے گئے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خطاب کیا ہے۔ بدلکر وہ معنی مراد لینا جس کے لئے وہ لفظ وضع نہیں کیا گیا ہے جائز نہیں ۔ سوائے اس کے کہ نص قرآن آئی ہو، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام آیا ہو یا علمائے امت کا اجماع ہو گیا ہو کہ یہ لفظ اس معنی سے بدلکر دوسرے معنی میں کر دیا گیا ہے، یا ضرورت حس، یا بداہت عقل اس کے بدلنے کو واجب کرے، تو اس وقت ان میں سے کسی ایک بات کو مانا جائے گا۔ ان الفاظ میں جن میں اللہ تعالیٰ نے انھیں گمراہ کر دیا اور شیطان نے انھیں اُن کے سمجھنے سے عاجز کر دیا نہ تو کوئی نص ہے نہ اجماع ہے اور نہ کوئی اور ضرورت ہے کہ یہ اپنے

مقام لغوی سے بدل دیے گئے ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ہر شخص کے لئے وہی آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کر دیا کہ ہدایت و توفیق ہی اللہ تعالیٰ کی وہ تیسیر خیر ہے جس کے لئے اس نے پیدا کیا اور خذلان (ترک نصرت) فاسق کے لئے اللہ کی تیسیر شر ہے جس کے لئے اس نے اُسے پیدا کیا۔ یہ لغت و قرآن و براہین ضروریہ عقلیہ کے موافق ہے اور جس پر فقہاء و آئمۂ محدثین و صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے عامۂ مسلمین ہیں ان سب کے موافق ہے۔ سوائے اُن کے جن کو باوجود علم کے اللہ نے گمراہ کر دیا ہے اور جو ہوا پرست اور نفس پرست لوگوں کے پیرو ہیں مثل نظام و ثمامہ و علاف و جاحظ کے۔

قول فیصل

اللہ کی مدد و تائید سے ہم اُس شخص کے سامنے جسے علم نفس اور اس کے اخلاق اور اس کی ایجاد کی قدرت کے متعلق ادنیٰ سی بصیرت بھی ہے ایسا واضح و ضروری وطبعی بیان پیش کرتے ہیں جس میں کوئی خفاء نہ رہے گا۔

ہم بر توفیق الٰہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس کو صاحب تمیز وعقل، اشیاء کی ماہیت کا سمجھنے والا جو خطاب اُس کو کیا جائے اُس کا سمجھنے والا بنایا، اس قابل بنایا کہ اُسے امر و نہی کی جائے، اُسے کام کرنے والا بنایا اور اس قابل بنایا کہ اُس پر انعام کیا جائے اور عذاب کیا جائے، اُسے لذت والم و تکلیف برداشت کرنا پڑے اور اُسے صاحبِ حس بنایا۔ اور اُس میں دو ایسی قوتیں پیدا کیں جو ایک دوسری سے برسرِ پیکار اور تاثیریں باہم ایک دوسری کی ضد ہیں۔ یہ دونوں تمیز و ہوا یعنی خواہش نفس ہیں کہ ان میں سے ہر ایک قوت آثار نفس میں دوسری پر غلبہ چاہتی ہے۔

تمیز تو وہ ہے جو انسان جن اور ملائکہ کے لئے مخصوص ہے کہ

اُس حیوان کے لئے جو مکلف نہیں اور جو ناطق (صاحب ادراک و عقل) نہیں ہوا وہ ہے جس میں نفوس انسان کے ساتھ نفوس جن بھی شریک ہیں اور ان حیوانات کے نفوس بھی شریک ہیں جو ناطق نہیں مگر لذت و غلبے کی خواہش رکھتے ہیں۔ یہ قوت سوائے ملائکہ کے ہر جاندار میں ہے کیونکہ ملائکہ میں صرف قوت تمیز ہے۔ اسی لئے ان سے کسی طرح بھی قطعاً معصیت سرزد نہیں ہو سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ کسی نفس کو معصوم کرتا ہے تو اللہ کی جانب سے خاص قوت کی وجہ سے تمیز غالب ہو جاتا ہے اور یہی قوت مدد و اعانت ہے۔ طاعات کے کرنے میں نفس کے افعال اُسی قوت کے مطابق جاری ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے تمیز میں رکھدی ہے۔ اور اسی کا نام عقل ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نفس کو مخذول (بے یار و مددگار) کر دیتا ہے تو ہوا کو اُس قوت سے مدد دیتا ہے جو اضلال ہے۔ افعال نفس یعنی شہوات و خواہش غلبہ و حرص و سرکشی و حسد اور بقیہ اخلاق رذیلہ۔ معاصی اُسی قوت کے مطابق جاری ہوتے ہیں جو اللہ نے اس کی ہوا میں رکھدی ہے۔

اس پر براہین قائم ہیں کہ نفس مخلوق ہے اور اسی طرح اس کے وہ تمام قویٰ بھی مخلوق ہیں جو اسی کی دونوں ابتدائی قوتوں یعنی تمیز و ہوا سے پیدا ہوتے ہیں کہ یہ سب مخلوق ہیں اور نفس کے اندر مرکب ہیں اور اپنی حیثیت کے مطابق نفس کے اندر مرتب ہیں۔ ہر ایک اپنی طبیعت پر پیدا کیا گیا ہے جو جاری ہے کہ اُس کی کیفیات اُسی کے مطابق نفس کے اندر جاری ہوں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا تو پھر بعض کو بعض پر غالب کرنے والا سوائے خالق کل وحدہ لاشریک لہ کے کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کے نہ مذموم ہونے پر تصریح کی ہے۔ سوائے اُس کے کہ جس پر اللہ نے رحم کیا اور اُسے معصوم کیا۔ ارشاد فرمایا کہ "ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی" (بیشک النفس برائی کا حکم دینے والا ہے سوائے اس کے کہ جس پر میرا رب رحم کرے)

اللہ تعالیٰ نے ہمارے قول کی نص کے مطابق خبر دی۔
ثابت ہوگیا کہ جس نفس پر رحمت ہوتی ہے وہ مستثنیٰ ہے جو برائی کا حکم نہیں دیتا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماویٰ (لیکن جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اُس نے نفس کو ہوا سے روکا تو بیشک جنت ہی اُس کا ٹھکانا ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایک سے زائد مقام پر ہوا کی مذمت کی ہے اور یہی ہمارے قول کی نص ہے۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

قضاء وقدر
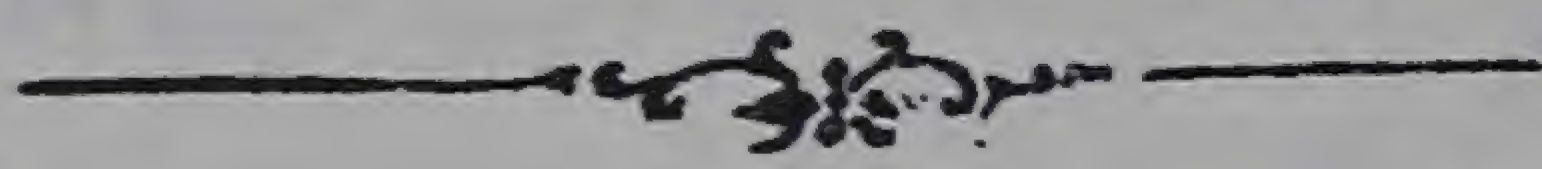
مسلمانوں کے ان دونوں لفظوں کے کثرت استعمال کی وجہ سے بعض نے یہ گمان کرلیا کہ ان دونوں لفظوں میں اجبار واکراہ کے معنی ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے۔
قضاء کے معنی اُس لغت میں جس میں اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب کیا ہے اور اسی میں ہم بھی باہم خطاب کرتے اور اپنی مراد کو سمجھتے ہیں، صرف حکم کے ہیں اور اسی لئے۔ قاضی بمعنی حکم کہتے ہیں "قضی اللہ عز وجل بکذا ای حکم" یعنی اللہ تعالیٰ نے اس طرح قضا کیا یعنی حکم دیا۔
امر کے معنی میں بھی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے "وقضی ربك الا تعبدوا الا ایاہ" (اور آپ کے رب نے امر فرمایا ہے کہ سوائے اُس کے تم لوگ کسی کی عبادت نکرو)۔ اس کے معنی بغیر کسی

اختلاف کیے ہی ہیں کہ "امر الا تعبدوا الا ایاہ" (اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو) نیز بمعنی اَخْبَرَ (یعنی خبر دی) بھی آتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وقضینا الیہ ذٰلک الامر ان دابر ھؤلاء مقطوع مصبحین (اور ہم نے انہیں اس امر کی خبر دی کہ صبح کے وقت ان لوگوں کا خاتمہ کر دیا جائے گا)۔ اور فرمایا "وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا" (اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں خبر دی کہ تم لوگ زمین میں دو مرتبہ ضرور بالضرور فساد برپا کرو گے اور زبردست تکبر اختیار کرو گے)۔

نیز بمعنی "اراد" (چاہا اور ارادہ کیا) بھی ہے جو حکم کے معنی کے قریب ہے۔ فرمایا ہے "اذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون" (جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس سے کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے) یعنی جب اُسے وجود میں آنے کا حکم دیا تو اُسے موجود کر دیا۔

قدر کے معنی لغت عربیہ میں ترتیب اور اس حد کے ہیں جس پر کوئی شئے ختم ہو۔ جب بنیاد کو مرتب و محدود کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ قدّرت البناء" یعنی میں نے بنیاد کو مقدر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" وقدر فیھا اقواتھا" (اور زمین میں اُس کی قوتیں مقدر کیں یعنی مرتب و محدود کیں) اور فرمایا ہے "انا کل شئی خلقناہ بقدر" (ہم نے ہر شئے کو قدر کے ساتھ یعنی رتبے و حد کے ساتھ پیدا کیا) قضٰی و قَدَرَ کے معنی "حکم و رتب" ہیں یعنی حکم دیا اور مرتب کیا۔ قضا و قدر کے معنی اللہ تعالیٰ کا کسی شئے کے بارے میں اُس کے محمود یا مذموم ہونے کا حکم دینا اور اُس کے وجود ترتیب سے فلاں صفت اور فلاں وقت پر ہونے کا حکم دینا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

بدل[1]
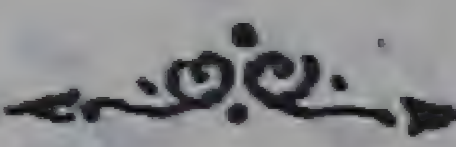
اُن لوگوں نے جو فعل کے ساتھ استطاعت کے قائل ہیں کہا ہے کہ جب یہ سوال کیا جائے کہ آیا کافر کو اُس ایمان کی استطاعت ہے جس کا اُسے حکم دیا گیا ہے یا اُسے اُس کی استطاعت نہیں ہے۔ انھوں نے یہ جواب دیا ہے کہ کافر کو بطور بدل کے ایمان کی استطاعت ہے یعنی کفر میں ہمیشہ نہ رہے گا لیکن اُسے قطع کر دیگا اور اُس کو ایمان سے بدل دے گا۔

جواب صحیح

اس کا جو جواب دینا واجب ہے وہ وہی جواب ہے جس کی صحت اللہ کی قوت و مدد سے ہم اپنے کلام دربارۂ استطاعت میں بیان کر چکے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ بظاہر حال اپنے سلامت اعضاء و ارتفاع موانع کی وجہ سے مستطیع ہے۔ ایمان و کفر کے جمع کرنے پر جب تک کہ وہ کافر رہے اور جب تک اللہ تعالیٰ اُس کی مدد نہ کرے، غیر مستطیع ہے۔ جب اُس کی مدد کر دی تو اُس کی استطاعت کمل ہو گئی اور اُس نے فعل کیا۔

اگر کہا جائے کہ تب تو وہ مکلف و مامور ہوا۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔

اگر کہا جائے کہ آیا وہ اُس سے عاجز ہے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور اُس کے کرنے کا مکلف ہے؟ ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ وہ اپنی ظاہر فطرت میں اپنے سلامت اعضاء و ارتفاع موانع کی وجہ سے

---

[1] بدل: ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل دیے جانے کا امکان یا وقوع۔

عاجز نہیں ہے اور وہ فعل اور اس کی ضد کے جمع کرنے سے عاجز ہے تا وقتیکہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے مدد نہ نازل کرے۔ نزول مدد کے بعد اس سے ارتفاع عجز مکمل ہو جائے گا اور فعل پایا جائے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ عجز لغت میں اس پر واقع ہوتا ہے جو اعضاء پر کسی آفت کی وجہ سے روک دیا گیا ہو یا کوئی ظاہری مانع حواس پر ہوا اور جس کو فعل کا حکم دیا گیا ہے وہ اپنے ظاہر حال میں عاجز نہیں ہے کیونکہ نہ تو اس کے اعضاء پر کوئی آفت ہے اور نہ اس کے لئے کوئی ظاہری مانع ہے۔ وہ درحقیقت فعل اور اس کی ضد کے جمع کرنے سے اور فعل اور اس کے ترک سے اور اس فعل سے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد نہ کی ہو اور اللہ تعالیٰ کے اس علم کی تکذیب سے کہ جو ازل سے اس امر کے متعلق ہے کہ وہ وہی کر سکے گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم ہے کہ یہ شخص یہ کریگا۔ اس باب میں حقیقی جواب یہ ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

اگر کہا جائے کہ تب تو وہ جو کچھ کرتا ہے اس کا مختار ہوا۔ تو ہم کہیں گے ہاں اور اختیار بھی حقیقی ہے نہ کہ مجازی۔ اس لئے کہ وہ اس فعل کے اپنے سے سرزد ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور اسے چاہتا ہے اور اس کے ترک پر اس کے وجود کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت لفظ اختیار کے یہی معنی ہیں۔ وہ نہ مضطر ہے نہ مکرہ نہ مجبور۔ اس لئے کہ یہ الفاظ لغت میں اس شخص پر واقع ہوتے ہیں جو اس حال میں جو کچھ اس سے ہوتا ہوا اسے ناپسند کرتا ہو۔ کبھی انسان ایک ہی حالت میں مضطر و مختار و مکرہ بھی ہوتا ہے۔ مثلاً وہ شخص جس کے پاؤں میں وہ بیماری ہو جس میں سوائے پاؤں کاٹنے کے کوئی علاج نہ ہو تو یہ شخص اپنے مددگاروں کو اپنے اختیار سے اس کے کاٹنے کا اور کاٹنے کے بعد آگ سے داغ دینے کا حکم دے گا اور لوگوں کو یہ حکم دے گا کہ وہ اس کو پکڑے اور روکے رہیں اور اس کے شور و غل کی پرواہ نہ کریں جب وہ درد محسوس کرے اور انہیں اپنے چھوڑنے کا حکم دے اور اس کی کوتاہی پر

مارنے اور سخت عذاب کرنے کی دھمکی دے تب بھی وہ پروا نکریں۔ وہ لوگ اُس کے ساتھ یہی کرتے ہیں۔ وہ اپنا پاؤں کٹوانے کا مختار ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اسے پورے طور پر ناپسند کرتا تو بے شک اُسے اس پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ حالانکہ وہ بلاشک اُس کے کٹنے کو پسند کرتا ہے اور اُس کے لئے مجبور ہے۔ کیونکہ اگر موت کے علاوہ اُسے کسی وجہ سے بھی کوئی ایسی سبیل ملتی کہ جس سے پاؤں بکٹنا تو وہ اُسے نہ کاٹتا۔ وہ اپنے مددگاروں کے پکڑنے کی وجہ سے مجبور و مکرہ ہے تاکہ کاٹنا اور داغ دینا مکمل ہو جائے۔ اس لئے کہ اگر وہ لوگ اُسے نہ روکیں، اُسے تنگ نکریں، اس پر غلبہ نکریں، اس پر زبردستی نکریں اور اُس کو مجبور نکریں، تو اُس کا کاٹنا قطعاً ناممکن ہے۔ یہ مثال ہم محض اس لئے لائے ہیں کہ جہلا اُس کا انکار نکر سکیں کہ ایک ہی شخص ایک وجہ سے مختار ہو سکتا ہے اور دوسری وجہ سے مکرہ و مجبور ایک وجہ سے عاجز ہوتا ہے اور دوسری وجہ سے مستطیع۔ ایک وجہ سے قادر ہوتا ہے اور دوسری وجہ سے ممنوع اور اللہ ہی ہماری تائید کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے افعال پیدا کرتا ہے

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے افعال پیدا کرنے کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔

تمام اہل سنت اور وہ تمام لوگ جو فعل کے ساتھ استطاعت کے قائل ہیں مثلاً مریسی و ابن عون و نجاریہ و اشعریہ جہمیہ اور خوارج کے

چند گروہ اور مرجیہ وشیعہ اس طرف گئے ہیں کہ بندوں کے تمام افعال مخلوق ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان افعال کے کرنے والوں میں پیدا کر دیا ہے۔

معتزلہ میں سے ضرار بن عمرو اور اس کے ساتھی ابو یحییٰ حفص الفرد نے بھی ان لوگوں کی پوری پوری موافقت کی ہے۔

بقیہ معتزلہ اور خوارج و مرجیہ وشیعہ میں سے معتزلہ کی موافقت کرنے والے اس طرف گئے ہیں کہ بندوں کے افعال حادث ہیں جن کو ان کے فاعلین نے بنایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نہیں پیدا کیا۔ یہ اس بنا پر ہے کہ ان کی جانب سے ماہیت افعال نفس میں بدحواسی ہوئی ہے سوائے بشر بن المعتمر کے کہ یہ پلٹ گیا اور اس نے کہا کہ بندوں کے افعال میں سے کوئی فعل ایسا نہیں کہ جس میں بطور حکم واسم اللہ تعالیٰ کا فعل نہو۔ اس سے بشر بن المعتمر کی مراد یہ ہے کہ بندوں کا کوئی فعل ایسا نہیں کہ جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم اسطور پر نہو کہ وہ فعل صواب ہے یا خطاء۔ اور اُس کا نام رکھنا اسطور پر کہ وہ حسن ہے یا قبیح۔ طاعت ہے یا معصیت۔

اسی حیا سوز وملعون قول نے معتزلہ کے ایک بہت بڑے شخص عباد شاگرد ہشام بن عمرو الفوطی کو اس حد تک پہنچا دیا کہ اُس نے یہ کہدیا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو پیدا نہیں کیا اس لئے کہ یہ لوگ تو انسان و کفر کا مجموعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے اجسام کو پیدا کیا نہ کہ ان کے کفر کو۔

اس شخص کو خود اسی کے مثل مومنین اور تمام ملائکہ اور جن میں بھی لازم آئے گا اس لئے کہ کافر و مومن کے سوا کوئی نہیں۔ مومن انسان اور اُس کا ایمان ہے۔ یا فرشتہ اور اُس کا ایمان ہے اور جن اور اُس کا ایمان اور اُس کا کفر ہے۔ اس بدکار و نالائق کے قول کے مطابق یہ کہنا جائز نہیں کہ انسانوں اور ملائکہ اور جن میں سے اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق سعید ہے بلکہ اس کا قائل ہونا ہی جھوٹ ہو جائے گا۔ اور

اس قول کا خلاف قرآن و مسلمین ہونا ہی تمہارے لئے کافی ہے۔
معمر و جاحظ نے کہا ہے کہ بندوں کے تمام افعال میں سے کوئی فعل بھی ان کا نہیں ہے۔ ان کا ظہور چونکہ انسان سے ہوتا ہے اس لئے یہ مجازاً اُس کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں۔ یہ تمام افعال سوائے ارادے کے طبیعت کا فعل ہیں۔ سوائے ارادے کے انسان کا کوئی فعل نہیں ہے۔
جو اس قول میں غور کرے گا اُسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ قول جہم اور تمام مجبرہ (انسان کو مجبور ماننے والوں) کے قول سے بدتر ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے بندوں کے افعال کو اس طرح طبیعت اضطراریہ بنا دیا جس طرح آگ کا فعل اپنی طبیعت سے جلانا ہے۔ برف کا فعل اپنی طبیعت سے ٹھنڈا کرنا ہے۔ اور سقمونیا (دوا کا نام ہے) کا فعل اپنی طبیعت سے مادۂ صفرا کا خارج کرنا ہے۔ یہ صفت تو اموات کی ہے نہ کہ ذی اختیار احیاء کی۔ جب ان دونوں شخصوں کے قول کے مطابق انسان کے لئے سوائے ارادے کے کوئی فعل نہ رہا تو ہم نے ارادے کو بھی اس طرح پایا کہ انسان نہ تو کسی طرح بھی اُس کے بدلنے پر قادر ہے نہ پھیرنے پر نہ اُس کے پلٹنے پر۔ انسان سے محض اُس کے حرکات و سکون کی تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔ ارادے میں اُس کے لئے کوئی حیلہ نہیں ہوتا۔ مردوں میں سے ہر قوی مرد اگر تقوی نہ ہو تو ہر حسینہ وجمیلہ سے جماع کرنا اور اُس سے لذت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جاڑے کی راتوں میں اور گرمی کی دوپہروں میں نماز سے سو رہنا چاہتا ہے۔ روزے کے زمانے میں کھانا چاہتا ہے اور اپنے مال کو زکواۃ سے روکنا چاہتا ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے اُس کے خلاف کرتا ہے۔ اپنے ارادے پر غلبہ کر لیتا ہے اور اُس پر زبردستی کرتا ہے۔ ارادے کا پھیرنا اُسے ممکن نہیں ہوتا۔ لہذا ان دونوں شخصوں کے قول کے مطابق اجبار و اکراہ صحیح و ثابت ہو گیا۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے بندوں کے تمام افعال پیدا کیے ان کے قول پر براہان قرآن کی نصوص ہیں۔ وہ براہین ضروریہ بھی ہیں جو عقل وحس کا نتیجہ ہیں جن سے سوائے جاہل کے کوئی غافل نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

نصوص میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "ھل من خالق غیر اللہ" (کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے؟) جسے عقل وتقویٰ ہو اُس کے لئے یہ کافی ہے۔

بعض لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو محض اس کا انکار کیا ہے کہ یہاں کوئی ایسا خالق ہو جو ہمیں رزق عطا کرے جیسا کہ نص آیت میں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے جیسا اس معترض نے گمان کیا ہے۔ بلکہ "غیر اللہ" پر جملہ پورا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنے انعامات کو شمار کرنا شروع کیا ہے۔ اُس نے ہمیں خبر دی کہ وہ ہمیں آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے۔

فرمایا ہے "فاقم وجھك للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ لاتبدیل لخلق اللہ. ذلك الدین القیم" (اے نبی یکسوئی کے ساتھ اپنے آپ کو دین کے لئے قائم کیجئے! جو اللہ کی وہی فطرت ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے! اللہ کی فطرت کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ یہی صحیح و درست دین ہے)۔

یہ اس پر براہان جلی ہے کہ دین بھی مخلوق ہے۔ فرمایا ہے "والذین تدعون من دون اللہ لایخلقون شیئا وھم یخلقون ولایملکون لانفسھم ضرا ولا نفعا ولا یملکون موتا ولا حیاۃ ولا نشورا" (اور وہ لوگ کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اور وہ خود ہی پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور نہ خود انھیں اپنے ہی ضرر ونفع پر قابو ہے اور نہ اُنھیں موت وحیات اور دوبارہ زندگی پر قابو ہے)۔

ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو مسیح کی عبادت کرتے ہیں۔ ملائکہ نے کہا اور سچ کہا کہ یہ لوگ جن کی عبادت کیا کرتے تھے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ہر وہ شئے جس کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اور جن میں مسیح و جن بھی ہیں کوئی شے پیدا نہیں کر سکتے اور نہ انھیں اپنے نفع و ضرر ہی پر قابو ہے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ تصرف و تدبیر کرنے والے ہیں اور ان کے افعال کسی اور کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

فرمایا ہے "افمن یخلق کمن لایخلق افلا تذکرون" (کیا وہ جو پیدا کرتا ہے ایسا ہی ہے جو نہیں پیدا کرتا کیا یہ لوگ نصیحت نہیں حاصل کرتے (اور غور نہیں کرتے کہ خالق و غیر خالق مساوی نہیں ہو سکتے)۔

یہ اس امر کے ابطال پر نص جلی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی کوئی شے پیدا کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس جگہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور بھی ایسا ہوتا جو پیدا کر سکتا تو جو پیدا کر سکتا ہے۔ وہ موجود جنس ہوتا جو ایک حیز (مکان) میں ہوتا اور جو نہیں پیدا کر سکتا وہ دوسری جنس ہوتا اور شبہ و مثل جو پیدا کر سکتا ہے اُس کے درمیان میں موجود ہوتا۔ اور جو نہیں پیدا کر سکتا ہے وہ اس کے مشابہ نہیں ہے جو پیدا کر سکتا ہے۔ یہ الحاد عظیم ہے۔ لہٰذا اس آیت کی نص سے ثابت ہو گیا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ اور جو اُس کے سوا ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے مثل نہیں ہے۔ جو پیدا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے اُس کے مثل نہیں ہے۔ جو نہیں پیدا کر سکتا اور وہ اُس کے سوا ہیں (جو پیدا نہیں کر سکتے)۔

فرمایا ہے "ولکل وجھۃ ھو مولیھا" (اور ہر سمت کا وہی بدلنے والا ہے)۔ یہ نص جلی ہے جو اس کی تکذیب کرے گا کافر ہو جائیگا۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان تمام جہات کا حکم نہیں دیا بلکہ ان میں کفر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا۔ جب کہ وہی ہر سمت و جہت کا بدلنے والا ہے تو اس کے سوا کچھ نہ رہا کہ وہی

ہر جہت کا خالق ہے نہ کہ اور کوئی یہ اُس شخص کے لئے کافی ہے جو عاقل ہو اور اپنا خیر خواہ ہو۔

ان نصوص میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "ھذا خلق اللہ فارونی ماذا خلق الذین من دونہ" (یہ تو اللہ کی مخلوق ہے۔ تم لوگ مجھے دکھاؤ کہ وہ کیا چیز ہے جسے اللہ کے ماسوا نے پیدا کیا)۔ یہ الزام ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ عالم میں ہے سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے اور وہ تمام اشخاص و اشیاء جو اُس کے سوا ہیں قطعاً کوئی شے پیدا نہیں کر سکتے۔ اور اگر یہاں اشیاء میں سے کسی شے کا بھی خالق اللہ کے سوا کوئی اور ہوتا تو ان تقریر کرنے والوں کا جواب ایک قطعی جواب ہوتا۔ ضرور یہ لوگ اللہ سے کہتے کہ ہاں ہم تجھے اپنے افعال دکھاتے ہیں کہ جنھیں تیرے ماسوا نے پیدا کیا ہے۔ اور ہاں یہاں بہت سے خالق ہیں۔ اور وہ خالق ہم لوگ ہیں جو اپنے افعال کے خالق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شئ" (کیا ان لوگوں نے اللہ کے لئے شرکاء بنا دیے کہ جنھوں نے اللہ ہی کی طرح مخلوق پیدا کی پھر خلق کے پیدا کرنے سے اُنھیں شبہہ ہو گیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے) یہ ایسا بیان واضح ہے جس میں کوئی خفا نہیں ہے۔ اس لئے کہ تمام خلق جواہر و اعراض ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جواہر کو سوائے اللہ کے کوئی بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ اس کو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ اب صرف اعراض رہ گئے۔ اگر بعض اعراض کا خالق اللہ تعالیٰ ہوتا اور بعض کے خالق انسان ہوتے تو لامحالہ یہ لوگ بھی پیدا کرنے میں شریک ہوتے۔ ان کی بھی یہی شان ہوتی کہ انھوں نے بھی اللہ ہی کی طرح پیدا کیا۔ اللہ نے بھی اعراض پیدا کئے اور انھوں نے بھی اعراض پیدا کئے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب اور قرآن کا خالص ابطال ہے

لہذا ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی کوئی شے پیدا نہیں کر سکتا۔

خلق ایجاد کرنے (بنانے اور پیدا کرنے) کو کہتے ہیں۔ تمام اعراض کی طرح اللہ ہی ہمارے افعال کا مخترع (موجد و خالق) ہے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تمام اعراض کے پیدا کرنے کی نفی کریں تو انھیں لازم آئے گا کہ یہ لوگ یہ کہیں کہ یہ غیر فاعل کے افعال ہیں یا یہ جن اجسام جمادیہ وغیرہ سے ظاہر ہوا ہے ان کا فعل ہے۔

اگر یہ کہیں کہ یہ غیر فاعل کے افعال ہیں تو تصریحاً یہی قول دہریین کا ہے اور اس وقت ان سے وہی کلام کیا جائے گا جو دہریین سے کیا جاتا ہے۔

اگر یہ کہیں کہ یہ اجرام (اجسام) کے افعال ہیں تو یہ جمادات کو فاعل و موجد بنا دیں گے۔ یہ باطل و محال ہے۔ نیز یہ ان کا قول بھی نہیں ہے۔ کیونکہ طبیعت کوئی ایسی شے نہیں کرتی کہ وہ جس کی موجد ہو۔ اور اس کا فاعل جس سے یہ ظاہر ہوا ہے وہی طبیعت کا خالق ہے جو طبیعت سے اس چیز کا ظاہر کرنے والا ہے جو اس سے ظاہر ہوئی ہے۔ لامحالہ وہ سب کا خالق ہے۔

منجملہ ان نصوص کے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "اتعبدون ماتنحتون واللہ خلقکم وماتعملون" (کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جن کو گڑھتے ہو۔ حالانکہ اللہ نے تمھیں بھی پیدا کیا اور اسے بھی جو تم عمل کرتے ہو) بیشک اس نے ہمیں بھی پیدا کیا اور لکڑیاں بھی پیدا کیں اور وہ کانیں بھی پیدا کیں جن میں کام کیا جاتا ہے۔ یہ اس امر کی نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اعمال بھی پیدا کئے۔

ان میں سے بعض نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ "واللہ خلقکم وماتعملون منہا الاوثان" (اور اللہ نے تمھیں بھی پیدا کیا اور اسے بھی پیدا کیا جس سے تم لوگ بت بناتے ہو)۔

یہ کلام اپنے قائل کے جہل اور ہٹ دھرمی اور اس کے لاجواب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ جس لغت میں ہمیں قرآن میں

خطاب کیا گیا ہے اور جس میں ہم لوگ آپس میں سمجھتے سمجھاتے ہیں اُس میں کوئی یہ نہ کہے گا کہ انسان لکڑی اور پتھر کا عمل کرتا ہے یعنی بناتا ہے۔ یہ نہ تو لغت ہی میں جائز ہے اور نہ عقل میں۔ اس کا استعمال موصولاً ہوتا ہے (یعنی لکڑی اور پتھر کے ساتھ کوئی اور لفظ بھی ملایا جاتا ہے) اس طرح کہا جاتا ہے "عملت هذا العود صنماً" (میں نے اس لکڑی کو صنم بنا دیا) "وعملت هذا الحجر وثناً" (اور میں اس پتھر کو بت بنا دیا)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف اپنے اُس صنمیت کے پیدا کرنے کو بیان کیا جو صنم کی شکل ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے اس قول سے تصریح فرمائی کہ "اتعبدون ما تنحتون واللہ خلقکم وما تعملون" ہم نے حسب تصریح آیت و مشاہدہ نحت کا عمل کیا (نحت کے معنی گھڑنے کے ہیں یعنی پتھر یا لکڑی کو گھڑ کر بت کی شکل میں کر دیا) یہی چیز ہے جو ہم نے کی اور اسی عمل کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اُس نے اُسے پیدا کیا۔

ان کے ایک بڑے شخص محمد بن عبد اللہ الاسکافی سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عود۔ طنبورہ۔ مزمار (باجے) پیدا نہیں کئے۔ معتزلہ کو لازم ہے کہ وہ اس پر اُس کی موافقت کریں۔ اس لئے کہ تختے کا نام نہ عود ہے نہ طنبورہ۔ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ طنبورہ نہ خریدے گا پھر اُس نے تختہ خریدا تو وہ حانث نہ ہوگا (یعنی اس کی قسم نہ ٹوٹیگی) اسی طرح اگر اُس نے یہ قسم کھائی کہ وہ تختہ نہ خریدے گا پھر اُس نے طنبورہ خریدا تو اُس کی بھی قسم نہ ٹوٹے گی۔ لغت میں طنبورے پر تختے کا اطلاق نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خلق السموات والارض (اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا)۔ بہ تصریح قرآن یہ مخلوق ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ کہا ہے "خلق السموات والارض وما بینھما فی ستة ایام" (اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے اُسے چھ دن میں پیدا کیا) لوگوں کے اعمال انہیں ایام میں مخلوق ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی نہیں کی کہ وہ ان چھ ایام کے بعد کچھ

پیدا کرے گا بلکہ اُس نے یہ فرمایا ہے " یخلقکم فی بطون امھاتکم خلقا من بعد خلق " (وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں یکے بعد دیگرے پیدا کرتا ہے)۔

اور فرمایا ہے " لقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ثم جعلناه نطفة فی قرار مکین ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشأناه خلقا آخر فتبارک اللہ احسن الخالقین " (اور ہم نے انسان کو گارہ کے خلاصے سے پیدا کیا پھر ہم نے اُسے نطفہ بنایا جو ایک مستقر میں مقیم رہا۔ پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنایا پھر ہم نے اس گوشت کو ہڈیاں بنایا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے اُسے ایک دوسری مخلوق بنا دیا۔ چنانچہ اللہ بڑا برتر ہے جو بہترین پیدا کرنے والا ہے)۔

یہ سب کچھ ان چھ ایام کے سوا میں ہوا۔ کیونکہ یہ نص اس مضمون کو لائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ایام کے بعد ہمیشہ پیدا کرے گا اور دنیا کے شروع ہونے کے بعد سے برابر پیدا کرتا رہے گا۔ پھر اہل جنت کی نعمتیں اور اہل جہنم کا عذاب ہمیشہ بلا نہایت پیدا کرتا رہے گا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا عموم خلق آسمان وزمین اور ان کے درمیانی اشیاء کا ہر موجود پر باقی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے اعمال آسمان وزمین کے درمیان ہیں اس لئے کہ یہ زمین وآسمان کو مس نہیں کرتے۔

یہ محض جنون ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں مماسہ کی شرط نہیں کی۔ فرمایا ہے " والسحاب المسخر بین السماء والارض " (اور وہ ابر پیدا کیا جو زمین وآسمان کے درمیان میں تابع حکم ہے)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ابر آسمان وزمین کو مس نہیں کرتا۔ پھر وہ اس جاہل کے قول کے مطابق غیر مخلوق ہو گا۔ نیز یہ بھی لازم آئے گا کہ یہ قول معمر وجاحظ کے مطابق یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ رنگوں کو پیدا کیا، نہ مزوں کو نہ خوشبوؤں کو، نہ موت کو، اور نہ حیات کو۔ اس لئے کہ یہ تمام چیزیں نہ زمین کو

مس کرتی ہیں نہ آسمان کو۔

طبیعت کے معنیٰ

معمر و جاحظ کا یہ کہنا کہ یہ سب طبیعت کا فعل ہے۔ شدید کند ذہنی اور طبیعت سے ناواقفی ہے۔ حالانکہ لفظ طبیعت کے صرف یہ معنیٰ ہیں کہ وہ شے کی وہ قوت ہے کہ جن کیفیات پر وہ شے ہے وہ کیفیات اُس کے سبب سے جاری ہوتی ہیں۔ یہ ضروری طور پر ہم جانتے ہیں کہ یہ قوت عرض ہے جو صاحبِ عقل نہیں ہے۔ ہر وہ جسم بالعرض مثلاً پتھر اور تمام جمادات کہ جن کو کوئی قدرت و اختیار نہیں ہے تو جو شخص ان اشیاء سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اُس کو یہ کہے کہ یہ ان کے افعال ہیں جن کی موجد یہ خود ہیں وہ انتہائی جہل میں ہے۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ ان افعال کو ان اشیا کے ماسوا کسی نے پیدا کیا ہے اور یہاں سوائے خالق کل کے کوئی اور خالق نہیں۔ اور وہ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

جو اس مقام تک پہنچ گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے اُس جہل عظیم و کفر خالص کو جس میں دہریے اُس کے موافق ہیں اور اس کی تکذیب قرآن کو آشکارا کرنے میں ہماری کارسازی کی ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ "الذی خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا" (اللہ وہ ہے جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ وہ تمہارا امتحان کرے کہ تم میں سب سے اچھے عمل والا کون ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "تسقی بماء واحد ونفضل بعضها علی بعض فی الاُکُل" (ایک ہی پانی سے سینچا جاتا ہے اور ہم ذائقے میں بعض کو بعض سے بڑھا دیتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اُن کا مزوں میں ایک دوسرے سے بڑھنا اللہ کا فعل ہے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اُس سے کہ جس میں اس نے ان لوگوں کو مبتلا کیا اور جس میں انھیں ڈبو دیا۔

معمر نے کہا کہ موت و حیات کے پیدا کرنے کے معنیٰ اماتت و احیاء (موت دینا اور زندہ کرنا) ہیں۔

مگر اس نے اس سے زیادہ نہ کیا کہ اس نے اپنا پورا جہل ظاہر کر دیا۔ جس کی دو کھلی ہوئی وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا اپنے رب کے کلام کی نص کو بلا دلیل بدلتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ یہ اس سے نہ ہٹا جو اس کو لازم آیا ہے۔ کیونکہ موت و حیات بلاشک اماتت و احیاء ہی ہیں اس لئے کہ حیات و احیاء یہ ہے کہ نفس یا روح کو اس جسد کے ساتھ جمع کرنا ہے جو اجزائے زمین سے مرکب ہے۔ اور موت و اماتت بھی ایک ہی قبیل سے ہے۔ اور وہ نفس و جسد مذکورہ کے درمیان جدائی کر دینا ہے۔ جب نفس و جسد کا جمع و تفریق دونوں چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں تو یہ ثابت ہو گیا کہ موت و حیات بھی یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں اور اس مجنون کی فریب کاری باطل ہو گئی۔

اس بارے میں نصوص قاطعہ میں سے یہ آیت ہے "انا کل شئ خلقناہ بقدر" (بیشک ہم نے ہر شے کو اندازے سے پیدا کیا) ان میں سے بعض نے اس دعوے کی طرف پناہ لی ہے کہ اس میں خصوص ہے (عموم نہیں ہے) اس نے یہ آیت بیان کی ہے "تدمر کل شئ بامر ربھا فاصبحوا لا یری الا مساکنھم" (وہ ہوا ہر شئ کو اپنے رب کے حکم سے اکھاڑ پھینکتی تھی جب ان لوگوں نے صبح کی تو ان کے مکانوں کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی (یعنی سب کے سب ہوا کے عذاب سے ہلاک ہو چکے تھے)۔ اور یہ آیت بیان کی ہے "و اوتیت من کل شئ" (اور بلقیس کو ہر شئ دی گئی ہے) اور یہ آیت بیان کی ہے "ففتحنا علیھم ابواب کل شئ حتیٰ اذا فرحوا بما اوتوا" (پھر ہم نے ان پر ہر شے کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اس پر اترا گئے جو انہیں دیا گیا تھا)۔

ان تمام آیات میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل و حجت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وہ اپنے رب کے حکم سے ہر شے کو تباہ کر دیتی تھی۔ یہ اس امر کا بیان جلی ہے کہ اس نے ہر اس شے کو تباہ کر دیا۔ جس کے تباہ کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اسے دیا تھا نہ کہ اس کو جس کے تباہ کرنے کا اسے حکم نہیں دیا تھا۔ یہ ہر اس شے کے لئے

عموم ہے جس کے متعلق اللہ نے اسے حکم دیا تھا۔
اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "اُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ" (بلقیس کو ہر شے میں سے کچھ دیا گیا تھا) تو "مِنْ" تبعیض کے لئے ہے (یعنی یہ حرف جس پر داخل ہوا ہے اُس کے بعض اجزاء مراد ہیں۔ کل اجزاء مراد نہیں) اللہ نے جس کو اشیاء میں سے کوئی شے بھی دی تو اس نے اُسے تمام اشیاء میں سے دی۔ اس لئے کہ اُس نے اُسے بعض اشیاء دیں۔
اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ہم نے اُن پر ہر شے کے دروازے کھولدیے۔ تو حق ہے۔ ہم اس کھولنے (فتح) کی کیفیت کو نہیں جانتے۔ مگر ہم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا صحیح فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ بعض اشیاء عطاء فرمائیں جن کے دروازے اُن پر کھولدیے۔ اگر ان عموم میں سے کسی میں کوئی برہان ثابت ہو جائے کہ وہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے اور اُس سے صرف خصوص مراد لیا گیا ہے تو بھی اس سے یہ واجب نہ ہو گا کہ ہر عموم کو اس کے ظاہر کے خلاف محمول کیا جائے بلکہ ہر عموم اپنے ظاہر پر محمول ہو گا تاوقتیکہ کوئی برہان اس امر پر قائم نہ ہو کہ وہ مخصوص ہے یا منسوخ ہے۔ اُس وقت اُس برہان کو مانا جائے گا اور تخصیص یا نسخ کو اس عموم تک متعدی نہ کیا جائے گا جس پر برہان قائم نہ ہو کہ یہ منسوخ یا مخصوص ہے۔ اگر اس کے خلاف ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی خبروں میں سے کوئی واقعہ بھی ثابت نہ ہوتا اور نہ کبھی کوئی شریعت ثابت ہوتی۔ اس لئے کہ کوئی شخص بھی اللہ کے احکام و اخبار میں سے کسی حکم یا خبر کے متعلق یہ کہنے سے عاجز نہیں ہے کہ وہ اُسے اُس کے غیر ظاہر پر محمول کرے یا عموم جن کا مقتضی ہے اُن کے بعض پر محمول کرے۔ اور یہ محض سفسطہ کفر اور حماقت ہے۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تخصیص پر کوئی برہان قائم نہیں ہے "اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ" (بیشک ہم نے ہر شے اندازے سے پیدا کی)۔ (لہٰذا یہ اپنے عموم ہی پر محمول ہو گا اور اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا خالق ماننا پڑے گا خواہ وہ عرض ہو

۳۶

خواہ جوہر۔ خواہ ہمارے اجسام ہوں خواہ ہمارے افعال)۔

منجملہ ان کے یہ آیت ہے "ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذالک علی اللہ یسیر۔ لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم" (جو مصیبت کہ ملک میں یا تمھاری جانوں میں آئی وہ ایک کتاب میں تھی قبل اس کے کہ ہم اُس مصیبت کو پیدا کریں۔ یہ لکھنا اللہ کو نہایت آسان ہے۔ (اور مصیبت کیوں آئی) اس لئے تاکہ تم اُس سے مایوس نہو جو تم سے فوت ہوگیا اور اُس پر اتراؤ نہیں جو تمھیں اُس نے عطا کر دیا)

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمادی کہ اس نے تمام مصائب پیدا کئے۔ وہ ان سب کا باری ہوا۔ اور باری ہی خالق ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے کیونکہ وہ ہر اُس شے کا خالق ہے جو زمین کو پہنچے یا جانوں کو پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے بیان کا اضافہ کیا جو تمام اشکال کو رفع کر دیتا ہے۔ جو یہ قول ہے "لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم" (تاکہ تم اُس سے مایوس نہو جو تم سے فوت ہوگیا اور اُس پر اتراؤ نہیں جو تمھیں اُس نے عطا کیا) اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ جو مصائب جان و مال پر آتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے۔ اور کبھی یہ مصائب ظالمین کے افعال سے ہوتے ہیں جو مال تلف کر دیتے ہیں اور جان کو اذیت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کر دی کہ یہ سب مصائب و افعال اُسی کی مخلوق ہیں۔ اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ (یہ استدلال تو منقول سے تھا)

عقلی استدلال

بطور معقول کے یہ ہے کہ حرکت ایک نوع ہے۔ جو چیز پوری نوع پر بولی جائے گی وہ اُس نوع کے اشخاص پر بھی بولی جائے گی اگر نوع مخلوق ہے تو اُس کے اشخاص بھی مخلوق ہیں۔ نیز اگر عالم میں کوئی شے ایسی ہو جو اللہ کی مخلوق نہ ہو تو جو شخص یہ کہے کہ عالم مخلوق ہے اور اشیاء مخلوق ہیں اور ماسوائے اللہ مخلوق ہے تو وہ کاذب ہوگا۔ اس لئے کہ ان سب میں

ان لوگوں کے نزدیک وہ چیز بھی ہے جو مخلوق نہیں ہے۔ جو یہ کہے کہ عالم غیر مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو پیدا نہیں کیا وہ صادق ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ہر ایسے قول سے پناہ مانگتے ہیں جو یہاں تک پہنچا وے۔

ہم ان لوگوں سے سوال کرتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ الٰہ عالم اور ہر شے کا رب ہے یا نہیں اگر یہ کہیں کہ ہاں۔ تو ان سے سوال کیا جائے گا کہ عموماً ہے یا خصوصاً۔ اگر یہ کہیں کہ عموماً ہے تو انھوں نے سچ کہا۔ انھیں اپنے قول کو ترک کرنا لازم آئے گا۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا بھی الٰہ ہو جن کو اُس نے پیدا نہیں کیا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ خصوصاً۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ پھر اُس وقت عالم میں وہ بھی ہوا کہ اللہ جس کا الٰہ نہیں ہے اور نہ اُس کا رب ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ رب العٰلمین ہے وہ کاذب ہوگا۔ وہ شخص جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ الٰہ العٰلمین ورب العٰلمین نہیں ہے وہ سچا ہوگا۔ یہ اسلام سے خروج اور اللہ تعالیٰ کے "خالق کل شیء ورب العلمین" کہنے کی تکذیب ہے۔ حالانکہ اس امر میں ان لوگوں نے ہم سے اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ذی اختیار حیوان کے سوائے ملائکہ وانس وجن کے حرکات کا خالق ہے۔ ہم ضرور یہ جانتے ہیں کہ حرکات اختیار یہ نوع واحد ہیں۔ لہٰذا یہ محال و باطل ہے کہ بعض نوع مخلوق ہو اور بعض نوع غیر مخلوق۔

غلط استدلال

ان لوگوں نے قرآن کی چند چیزوں سے اعتراض کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا" (پھر خرابی ہے اُن لوگوں کی جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اس کے بعد کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے سے قلیل قیمت حاصل کریں)

اور فرمایا ہے "لتحسبوہ من الکتاب وما ھو من الکتاب ویقولون ھو من عند اللہ وما ھو من عند اللہ" (تاکہ تم لوگ اس کو کتاب الٰہی میں سے

سمجھو حالانکہ وہ کتاب الٰہی میں سے نہیں ہے۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے)۔

اور فرمایا ہے "فتبارک اللہ احسن الخالقین" (اللہ بڑا برتر ہے جو تمام خالقوں سے بہتر ہے)

اور فرمایا "وتخلقون افکا" (اور تم لوگ تہمت پیدا کرتے ہو)

اور فرمایا ہے "صنع اللہ الذی اتقن کل شئ" (یہ اُسی اللہ کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو مستحکم کیا)

اور فرمایا ہے "الذی احسن کل شئ خلقہ" (اللہ وہ ہے جس نے ہر شے کی پیدائش کو اچھا کیا)

اور فرمایا ہے "ماتری فی خلق الرحمٰن من تفاوت" (تم رحمٰن کے پیدا کرنے میں کوئی فرق نہ دیکھو گے)

ان لوگوں نے چند اعتراضات عقلی کئے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اگر اللہ نے بندوں کے اعمال پیدا کئے ہیں تب تو وہ اُسی چیز سے غصہ ہوتا ہے جو اُس نے پیدا کیا اور اُسی کو ناپسند کرتا ہے جو اُس نے کیا اور اپنے ہی فعل سے ناخوش ہوتا ہے اور جو کچھ اُس نے کیا اور جس کی اُس نے تدبیر کی اسی سے راضی نہیں ہوتا۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ جو شخص جو کرتا ہے وہی اُس کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے اور اُسی کی طرف وہ شے منسوب کی جاتی ہے۔ اس کے سوا عقل کے خلاف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے خطاء و کذب و ظلم و کفر پیدا کیا تو یہ سب اُسی کی طرف منسوب ہونا چاہئے۔ حالانکہ ان سب سے بری و برتر ہے۔

نیز ان لوگوں نے یہ کہا ہے کہ ایک فعل کا دو فاعلوں سے ہونا عقل کے خلاف ہے کہ یہ فعل پورا اِس کا ہے یا یہ فعل پورا اُس کا ہے۔

یہ بھی کہا ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ فعل کا خالق اللہ ہے اور اُس کا کاسب (حاصل کرنے والا) بندہ ہے۔ لہٰذا ہمیں تم اس کسب کے متعلق

بتاؤ یہ وہ جس میں منفرد و تنہا ہے کہ یہ کسب بھی مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اگر تم کہو کہ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہے تو تمہیں یہ لازم آئے گا اللہ تعالیٰ ہی اس کا کاسب وہ مکتسب ہے کیونکہ کسب ہی خلق ہے۔ اگر تم کہو کہ کسب غیر مخلوق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں ہے تو تم نے اپنا قول ترک کر دیا اور ہمارے قول کی طرف رجوع کر لیا۔

یہ کہا ہے کہ جب تمہارے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور تم کہتے ہو کہ تم اُن کے کرنے اور ترک کرنے کی استطاعت رکھتے ہو تو تم نے یہ لازم کر دیا کہ تم اس کی استطاعت رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی بعض مخلوق کو پیدا نکرے۔

یہ کہا ہے کہ جب تمہارا فعل اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور وہ تمہارے فعل کی وجہ سے تم پر عذاب کرے تو وہ اُس پر عذاب کرے گا جو اس نے پیدا کیا ہے۔

یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے کہ جو کچھ اُس نے پیدا کیا ہم اُس پر راضی ہوں۔ اگر ظلم و کفر و کذب بھی اللہ کی مخلوق ہیں سے ہے تو ہم پر فرض ہے کہ ہم ظلم و کفر و کذب سے راضی ہوں۔

یہ اُن کے وہ اعتراضات ہیں جن میں سے اُن کی کوئی تفریع و جزئی نہیں چھوٹتی۔ حالانکہ انھوں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں ان لوگوں کے لئے کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اُسی کی مدد و فقت و طاقت سے بیان کرتے ہیں۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ہم کہتے ہیں، اور اللہ ہی سے مدد کے طالب ہیں، کہ یہ آیت کہ "ویقولون من عند اللہ وما ھو من عند اللہ" (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے) تو اس میں ان لوگوں کے لئے کوئی بھی حجت و دلیل نہیں۔ اس لئے کہ آیت کا اول حصہ اُس قوم کے بارے میں ہے جنھوں نے ایک کتاب لکھی اور کہا کہ یہ

اللہ کی طرف سے ہے۔ اس معاملے میں اللہ نے ان کو جھوٹا بنایا اور خبر دیدی کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے اور نہ اُس میں سے ہے جس کے لکھنے کا اللہ نے حکم دیا۔ اس قوم نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ کتاب اللہ کی مخلوق ہے پھر اللہ نے اس معاملے میں اُسے جھوٹا کہا ہو اور یہ کہا ہو کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا اس آیت سے اعتراض کرنا بالکل باطل ہو گیا۔

اس امر میں نہ معتزلہ کے نزدیک کوئی شک ہے اور نہ ہمارے نزدیک کہ وہ کتاب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اس لئے کہ وہ کاغذ یا چمڑا اور روشنائی ہے اور یہ سب بلاشک مخلوق ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ کا یہ قول کہ "فتبارك الله احسن الخالقين" (اللہ بڑا برتر ہے جو تمام خالقوں سے بہتر ہے) تو ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تعارض نہیں ہوتا اور نہ اُس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو رد کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافاً كثيراً" (اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں کثیر اختلاف پاتے)۔ کوئی شک نہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (اس آیت "احسن الخالقين" میں) کفار پر رد و انکار فرمایا ہے۔ فرمایا ہے کہ "ام جعلوا لله شركاء خلقوا كخلقه فتشابه الخلق عليهم قل الله خالق كل شئ وهو الواحد القهار" (کیا ان لوگوں نے اللہ کے لئے جو شریک بنائے اُنھوں نے اللہ ہی کی طرح پیدا اور پیدا کرنے سے یہ لوگ شبہہ میں پڑ گئے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور وہ واحد و قہار یعنی غلبہ و قدرت والا ہے) اس آیت نے اُسے واضح کر دیا جس سے معتزلہ نے اعتراض کیا تھا۔ وہ یہ ہے کہ ایک قوم نے اللہ کے لئے شرکاء بنائے کہ جنھوں نے اللہ کی طرح پیدا کیا پھر ان لوگوں نے اُن (شرکاء) کو خالقین بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو رد کیا اور اسی پر اللہ کا یہ قول ظاہر ہوا "تبارك الله احسن الخالقين" (یعنی اللہ ان فرضی

خالقین سے بہتر ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "یکیدون کیدا واکید کیدا" (یہ لوگ کید کرتے ہیں اور میں کید کرتا ہوں یعنی ان کو کید کی سزا دیتا ہوں) اور فرمایا "ومکروا ومکر اللہ" (انھوں نے مکر کیا اور اللہ نے مکر کیا)۔

اس آیت میں معتزلہ کے گمانوں کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد باطل کر دیتا ہے "ویوم ینادیھم این شرکائی قالوا آذناک ما منا من شہید" (اور جس روز وہ ان لوگوں کو ندا دے گا کہ کہاں ہیں میرے شرکا۔ تو وہ لوگ کہیں گے کہ ہم تجھے بتاتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی واقف نہیں) کیا کوئی مسلمان ایسا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے اُن کفار سے یہ کہنے کی وجہ سے کہ جنھوں نے اُس کے لئے شرکاء بنا دیے تھے کہ "این شرکاء" کہاں ہیں میرے شرکاء) اللہ تعالیٰ کے لئے شرکاء واجب کر دے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خطاب، اُن لوگوں کے اللہ کے لئے شرکاء واجب کرنے کے جواب میں ظاہر ہوا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بری و برتر ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "ذق انک انت العزیز الکریم" (وہ اہل دوزخ سے کہے گا کہ) چکھیے آپ تو بڑے معزز و مکرم ہیں) ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ پورا کلام اس بنا پر ہے کہ یہ گرفتار عذاب دنیا میں اپنے آپ کو معزز و مکرم بتاتا تھا۔ ہم بضرورت عقل جانتے ہیں اور نص سے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے شرکاء نہیں ہیں۔ اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔ وہی عالم کی ہر شئے کا خواہ وہ عرض ہو یا جوہر خالق ہے اور اسی سبب سے اس کا یہ قول ظاہر ہوا ہے "احسن الخالقین" جو اس کے اس قول کے ساتھ ہے "افمن یخلق کمن لا یخلق" (کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس کے مثل ہو سکتا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا) اگر ممکن ہوتا کہ عالم میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہوتا جو کچھ بھی پیدا کر سکتا تو اللہ تعالیٰ ہرگز اس کو رد نہ فرماتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وجود موجودات کا

انکار نہیں کرتا۔ وہ تو صرف باطل کا انکار کرتا ہے۔ لہٰذا بدیہی طور پر ثابت ہو گیا جس میں کوئی شک نہ رہا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے جب اس میں کوئی شک نہ رہا تو اللہ تعالیٰ کے کلام "احسن الخالقین" میں اثبات خالقین نہیں ہے۔ اس لئے کہ عالم میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی خالق نہیں جو کچھ بھی پیدا کر سکے۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

یہ کلام الٰہی "وتخلقون افکا" (اور تم لوگ تہمت پیدا کرتے ہو) اور اللہ تعالیٰ کا مسیح علیہ السلام کا یہ قول بیان کرنا کہ "انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر" (میں تمھارے لئے گارے سے پرندے کی شکل کا سا جانور پیدا کرتا ہوں)۔ اور زہیر بن ابی سلمی المزنی کا یہ شعر۔

وارٰك تخلق ما فریت وبعض القوم یخلق ثم لا یفری

(میں سمجھتا ہوں کہ تو جو بہتان لگاتی ہے وہ تو ہی پیدا کرتی ہے۔ حالانکہ بعض قوم پیدا کرتی ہے پھر بہتان نہیں لگاتی)

ہم کہہ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اختلاف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "افمن یخلق کمن لا یخلق" (کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس کے مثل ہو سکتا ہے جو پیدا نہیں کر سکتا)۔ اور فرمایا ہے "ام اتخذوا من دون اللہ آلھۃ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون" (کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا ایسے معبود بنا لئے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہی خود پیدا کئے جاتے ہیں)

ہر صاحب عقل یقین کے ساتھ یہ جانتا ہے کہ انھیں میں سے جن کو کفار نے معبود بنا لیا ہے ملائکہ جن اور مسیح علیہ السلام بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم" (بیشک ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے یہ کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہیں) اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے قول کی حکایت کی ہے جو وہ کفار کے متعلق قیامت میں کہیں گے کہ "بل کانوا یعبدون الجن" (بلکہ یہ لوگ

جن کی عبادت کیا کرتے تھے)۔ اس آیت کی نص سے یہ یقیناً ثابت ہوگیا کہ ملائکہ وجن و مسیح علیہ السلام ہرگز کوئی شے بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ کوئی دو آدمی بھی اس امر میں اختلاف نکریں گے کہ تمام انسان اپنے فعل میں ایسے ہی ہیں جیساکہ ہم نے بیان کیا۔ اگر یہ لوگ اپنے افعال پیدا کر سکتے ہیں تو تمام انسان اپنے افعال پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے افعال میں سے کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے تو تمام انسان بھی اپنے افعال میں سے کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اس میں اور کلام اللہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے

پیدا کرنے میں خدا اور بندے کا فرق

وہ خلق (پیدا کرنا) جس کو اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کے پرندہ پیدا کرنے میں اور کفار کے تہمت پیدا کرنے میں ثابت کیا ہے وہ اس خلق (پیدا کرنے) کے علاوہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے اور تمام مخلوق سے نفی کی ہے۔ اس کے سوا قطعاً ناممکن ہے۔ چونکہ یہی یقیناً حق ہے تو وہ خلق (پیدا کرنا) کہ جسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے آئے لازم کیا ہے اور اپنے غیر سے اس کی نفی کی ہے تو وہ اختراع و ابداع (یعنی ایجاد) اور لاشے سے شے کا احداث (پیدا کرنا) ہے جس کے معنی عدم سے وجود میں لانے کے ہیں۔ وہ خلق (پیدا کرنا) جسے اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا ہے۔ وہ محض ان لوگوں (مسیح وکفار) سے صرف فعل کا ظاہر ہونا ہے اور اس ظہور فعل میں ان کا منفرد و تنہا ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس فعل کا ان لوگوں کے اندر پیدا کرنے والا ہے۔

برہان یہ ہے کہ عرب کذب کو اختلاق (پیدا کرنا) اور قول کاذب کو مختلق کہتے ہیں۔ یہ قول (کاذب) بلاشک لفظ و معنی (سے مرکب) ہے اور لفظ حروف ہجاء سے مرکب ہے۔ ان سب کی نوع موجود تھی قبل اس کے کہ ان مختلقین کے اشخاص وافراد کا وجود ہو۔ یہ بالکل اس آیت کے مثل ہے "افرایتم ما تحرثون ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون" (کیا تم نے غور کیا ہے جو تم کھیتی کرتے ہو آیا تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں)

اور جیسے یہ آیت فلم تقتلوهم ولکن اللہ قتلهم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ" (پھر تم نے کفار کو قتل نہیں کیا لیکن اللہ نے انھیں قتل کیا۔ اور جب آپ نے مٹی پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی) ہر صاحبِ حس جو اللہ تعالیٰ اور قرآن پر ایمان رکھتا ہے وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ وہ زرع (اُگانا) اور قتل کرنا اور رمی (خاک جھونکنا) جس کی اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے اور مومنین سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی وہ اُس زرع و قتل ورمی کے مغایر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف منسوب کیا۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حق کے سوا کچھ نہیں فرماتا۔

وہ خلق جس کی مذکورۂ بالا اشخاص سے اُس نے نفی کی ہے وہ ہر شے کا خلق کرنا اور اُس کا اختراع وابداع (ایجاد اور پیدا کرنا اور بنانا) اور اس کو وجود میں لانا اور اس کو عدم سے وجود کی طرف نکالنا ہے۔

وہ خلق جو اس نے ان کے لئے ثابت کیا ہے وہ ان لوگوں کے اندر اُس کا ظاہر ہونا ہے اور ان سب کی ان لوگوں کی طرف نسبت محض اسی طرح ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اور قول زہیرؔ وارك تخلق ما فریت" تو جس کو عربیت کی ذراسی بھی فہم ہے وہ اس میں شک نہ کرے گا کہ اُس نے نہ ابداع (پیدا کرنا بنانا) مراد لیا ہے اور نہ مخلوق کا عدم سے وجود کی طرف نکالنا۔ اُس نے صرف تمام امور میں دخل دینا مراد لیا ہے۔

واضح ہو گیا کہ لفظ خلق مشترک ہے جو دو معنی پر واقع ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک معنی تو اللہ کے لئے ہیں نہ کہ اُس کے سوا کسی اور کے لئے اور وہ عدم سے وجود کی طرف لانا اور بنانا ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ جو واقعہ نہیں ہوا اُس میں کذب یا ایسے فعل کا ظہور جو اس کے قبل دوسرے کے لئے نہیں ہوا۔ یا حیلے کا جاری کرنا ہے۔ یہ سب حیوان میں پایا جاتا ہے۔ اور ان سب کا پیدا کرنا اللہ کے لئے ہے۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ اس سے تمام نصوص بھری پڑی ہیں۔

یہ آیت کہ "صنع اللہ الذی اتقن کل شیٔ" (اللہ کی وہ صنعت ہے کہ جس نے ہر شئی کو مستحکم کیا)۔ تو یہ معتزلہ کے خلاف ہے نہ کہ ان کے موافق۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اُسی کے بنانے سے ہر شئی مستحکم ہوئی اور یہ اپنے عموم وظاہر پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شئے کا صانع ہے اور ہر شئے کا اتقان اُسی کے لئے ہے کہ اگر اس نے اس کو ہر عرض پیدا کیا تو یہ دونوں ہمیشہ اپنے رتبے پر جاری رہیں گے (یعنی جوہر جوہر ہی رہے گا اور عرض عرض ہی رہے گا) اور یہی اتقان ہے۔

اور یہ آیت کہ "احسن کل شیٔ خلقہ" (اُس نے ہر شئے کی پیدائش کو اچھا کیا) تو اس میں مسلمانوں کی دو مشہور قرأتیں ہیں۔ ایک تو سکون لام کے ساتھ "اَحْسَنَ کُلَّ شَیْئٍ خَلْقَہٗ" پھر اس صورت میں (خَلْقَہٗ) بدل ہوگا "کل شیٔ" سے جو بدل البیان ہوگا۔ یہ قرأت ان لوگوں پر حجت ہے اس لئے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کی خلقت کو اچھا کیا اور اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر شئے کا پیدا کرنا اچھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شئے کے پیدا کرنے میں اچھائی کرنے والا ہے۔

دوسری قرأت "خَلَقَہٗ" کی فتح لام کے ساتھ ہے۔ اس میں بھی اُن لوگوں کے لئے کوئی حجت و دلیل نہیں ہے (اس صورت میں معنی یہ ہیں کہ اللہ نے ہر شئے کو اچھا کیا جس کو اُس نے پیدا کیا)۔ اس لئے کہ اس میں اس کا ایجاب (اثبات) نہیں ہے کہ یہاں کوئی ایسی شئے بھی ہے جس کو اللہ نے پیدا نہیں کیا۔ جو اس کا دعویٰ کرے کہ یہ آیت کے اقتضاء میں ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ آیت کا لفظ جس چیز کو چاہتا اور اقتضاء کرتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہر شئے کو اللہ ہی نے پیدا کیا۔ جیسا کہ تمام آیات میں ہے۔ اللہ نے اُسے اچھا کیا کیونکہ اُس نے اُسے پیدا کیا اور یہی ہمارا قول ہے۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ انسان کوئی شے نہیں کرتا سوائے حرکت وسکون واعتقاد وارادہ وفکر کے۔ یہ سب کیفیات واعراض ہیں جن کا اللہ کی طرف سے پیدا کرنا اچھا ہے۔ اس نے ان کی ترتیب کو اور نفوس واجسام میں ان کے واقع کرنے کو اچھا کیا ہے۔ ان میں سے برا وہی ہے جو انسان سے برا ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے یا ان میں سے بعض کے وقوع کا کہ یہ جس شخص سے واقع ہوں قبیح نام رکھا ہے اور ان میں سے بعض کا نام حسن رکھا ہے جیسا کہ بیت المقدس کی طرف نماز ایک حرکت حسنہ وایمان تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا نام قبیح وکفر رکھدیا۔ حالانکہ یہ خود وہی حرکت ہے (جو پہلے ایمان تھی اور اب کفر ہے) لہذا ثابت ہوگیا کہ عالم میں ایسی کوئی شے نہیں جو حسن لعینہ ہو اور نہ ایسی کوئی شے ہے جو قبیح لعینہ ہو (یعنی کوئی شے نہ اپنی ذات سے اچھی ہے نہ اپنی ذات سے بری بلکہ اس کی اچھائی برائی کسی سبب سے ہے) لیکن وہ شے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے حسن کہدیا وہ حسن اور اس کا فاعل محسن ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان احسنتم احسنتم لانفسکم (اگر تم اچھا کروگے تو اپنے لئے اچھا کروگے) اور فرمایا ہے "ھل جزاء الاحسان الا الاحسان" (احسان (یعنی اچھا کرنے) کا بدلہ تو احسان ہی ہے)

جس کو اللہ تعالیٰ نے قبیح نامزد کیا وہ حرکت قبیحہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عالم میں اپنے ہر شے کے پیدا کرنے کا نام حسن رکھا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ سے حسن ہے۔ اور ان میں سے اس کے بندوں سے جو کچھ واقع ہوتا ہے اس نے اس کا جیسا چاہا نام رکھا ان میں سے بعض کو اس نے قبیح بتایا۔ وہ قبیح ہے۔ بعض کو حسن بتایا وہ حسن ہے۔ کسی کو قبیح بتایا پھر اسے حسن بتایا تو وہ قبیح ہوا پھر حسن ہوا۔ حسن بتایا پھر اسے قبیح بتایا تو وہ حسن تھا پھر قبیح ہوگیا۔ جیسا کہ نماز کعبہ کی طرف قبیح تھی اس کے بعد حسن ہوگئی۔ اسی طرح انسانوں کے وہ تمام افعال جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر پیدا کردیے ہیں مثلاً جماع قبل نکاح وبعد نکاح۔ اور جیسے عہد کے توڑنے والے کا گرفتار کرنا۔ اور بقیہ تمام شریعت۔

معتزلہ نے اس امر میں ہمارے ساتھ اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شراب اور سور اور اُس پتھر کا پیدا کرنا جس کی خدا کے سوا پرستش کی جاتی ہے بلاشک حسن ہے حالانکہ اُسی نے ان کو قبائح۔ ارجاس۔ حرام۔ نجس۔ سیئی و خبیث کے ناموں سے نامزد کیا ہے۔ یہی قول بندوں کے اندر اعراض و کیفیات پیدا کرنے کے بارے میں بھی ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی طرح اکثر معتزلہ نے اس امر میں ہم سے اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے فساد دماغ اور اس سے پیدا ہونے والے جنون اور جذام اور نابینائی اور بہرہ پن اور فالج اور کبڑے پن اور خصیے کے حد طبعی سے بڑھ جانے کو پیدا کیا ہے یہ سب اللہ کی مخلوق ہیں سے ہے جو اُس کے لئے حسن ہے اور یہ سب ہمارے درمیان میں قبیح اور بیحد ردی ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کی ہے کہ اسی نے تمام مصائب کو پیدا۔ فرمایا ہے "ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذالک علی اللہ یسیر" (جو کوئی مصیبت ملک میں یا تمہاری جانوں میں آتی ہے قبل اس کے کہ ہم اُس مصیبت کو پیدا کریں وہ کتاب میں ہوتی ہے۔ اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے)۔ اللہ نے تصریح کردی کہ تمام مصائب اُسی نے پیدا کیں۔ "برا" کے معنی خلق کے ہیں۔ جن میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اُنھوں نے جو الزام ہمیں دیا ہے کہ جب اللہ نے کفر و ظلم و کذب و جور کو پیدا کیا ہے تو اُس نے اچھا کیا ہے۔ ان کے اس الزام میں اور ان کے ہمارے ساتھ اس اقرار میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور سور اور خون اور مردار اور نجاست اور ابلیس کو اور اُس کو جو یہ کہتا ہے کہ میں خدا ہوں اور اُن بتوں کو جو اللہ کے سوا پوجے جاتے ہیں۔ اور تمام مصائب و امراض و آفات کو جب اللہ نے پیدا کیا ہے تو

اچھا کیا ہے۔ ان اشیاء کے بارے میں وہ لوگ جو کچھ کہیں وہی اللہ تعالیٰ کے اپنے ساتھ کفر اور اپنے برا کہنے اور ظلم و کذب کو پیدا کرنے کے بارے میں ہمارا قول ہوگا اور کوئی فرق نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی پیدائش کو اچھا کیا ہے کیونکہ وہ حرکت ہے یا سکون ہے یا نفس کے اندر کوئی پوشیدہ صفت اس نے بندے سے اس کے ظہور کو جبکہ انسان اس کے ساتھ موصوف ہو قبیح بتایا ہے۔

تفاوت کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "ماتری فی خلق الرحمٰن من تفاوت" (تو رحمٰن کی خلقت میں کوئی فرق یا تفاوت نہ دیکھے گا) تو اس میں بھی معتزلہ کے لئے کوئی حجت و دلیل نہیں ہے اس لئے کہ وہ تفاوت جو ہم میں مشہور ہے وہ یہ ہے کہ جس سے دل نفرت کریں یا مقررہ حد سے باہر ہو۔ ہم صورت مضطربہ کو کہتے ہیں کہ اس میں تفاوت ہے۔ یہ وہ تفاوت نہیں ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنی خلقت (پیدا کرنے) سے نفی کی ہے جب یہ وہ تفاوت نہیں جس کو لوگ تفاوت کہتے ہیں تو اب سوائے اس کے کچھ نہ رہا کہ وہ تفاوت کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے جس کی نفی کی ہے وہ اس (مخلوق) میں قطعاً موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی خلق میں کوئی تفاوت پایا جائے گا تو اللہ کا یہ کلام غلط ہو جائے گا "ماتری فی خلق الرحمٰن من تفاوت" اللہ تعالیٰ کی تکذیب سوائے کافر کے کوئی نہ کرے گا۔ معتزلہ کا یہ گمان باطل ہو گیا کہ کفر و ظلم و جور و کذب تفاوت ہے۔ اس لئے کہ اس میں سے ہر چیز اللہ کی خلق میں موجود ہے جو نظر آتی اور دکھائی دیتی ہے۔ لہٰذا ان کا استدلال باطل ہے فالحمد للہ رب العلمین۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ وہ کونسا تفاوت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اس کے خلق میں نہیں دیکھا جا سکتا۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ ہاں۔ وباللہ التوفیق۔ یہ وہ اسم ہے جو ایسے مسمیٰ پر

واقع نہیں ہوتا جو عالم میں موجود ہو۔ بلکہ وہ بالکل معدوم ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی شے عالم میں موجود ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی خلق میں ضرور تفاوت پایا جاتا اللہ تعالیٰ نے اس کی تکذیب کی ہے اور یہ خبر دی ہے کہ وہ اس کی خلق میں نہیں دیکھا جا سکتا۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے سارا عالم سب کا سب اللہ کی مخلوق ہے۔ اس کے اجسام و اعراض سب کے سب جن میں سے ہم کسی شے کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے۔ جب کوئی غور کرنے والا تقسیم انواعِ اعراض عالم و انواع اجسام عالم میں غور کرے تو وہ یہ دیکھے گا کہ یہ تقسیم اس کے اجناس و انواع میں مع ان حدود و فصول کے جو ان کے درمیان میں تمیز و تفریق کرنے والی ہیں ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی ہیئت پر برابر سے جاری ہے یہاں تک کہ یہ تقسیم ان اشخاص و افراد تک پہنچ جاتی ہے جو انواع کی انواع کے تابع ہیں۔ کہ ان میں سے کسی میں کسی قسم کا اور کسی طرح کا بھی تفاوت نہیں ہے اور نہ اس میں کسی طرح کا اختلاف ہے۔

جو اس سے واقف ہوگا اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ صورت جو ہمارے نزدیک قبیح سمجھی جاتی ہے اور وہ صورت جو ہمارے یہاں اچھی سمجھی جاتی ہے یہ دونوں کی دونوں نوعِ شکل و تخطیط کے تحت ہیں (تخطیط یعنی خط و خال جس سے چہرے کی تمیز ہوتی ہے) اس کے بعد نوع کیفیت کے تحت ہیں اس کے بعد اسم عرض کے تحت میں بالکل مساوی طور پر اس طرح واقع ہیں کہ ان میں باہم کوئی کمی بیشی نہیں ہے اور نہ کسی وجہ سے تقسیم کا کوئی تفاوت ہے۔

اسی طرح ہم جانتے ہیں کہ زبان سے ایمان و کفر کا ظاہر کرنا یہ دونوں بھی ایک نوع کے تحت میں واقع ہیں جو اس ہوا کی فرع ہے کہ آلات و اعضائے کلام سے پیدا ہوتی ہے۔ نوع حرکت کے تحت میں اور نوع کیفیت کے تحت میں اور اسم عرض کے تحت میں صحیح و مساوی طور پر واقع ہیں کہ جس میں نہ کوئی تفاوت ہے نہ اختلاف۔ اسی طرح کا کلام ظلم و انصاف

عدل وجور اور صدق وکذب اور زنا وجماعِ حلال میں ہے۔ اسی طرح عالم کی ہر شے میں ہے۔ یہاں تک کہ تمام موجودات اُن رؤس اولی کی طرف رجوع کرلیں جس کے اوپر سوائے اُن کے اللہ کی مخلوق ہونے کے اور کوئی راس نہ ہو کہ ان سب کا جامع ہو وہ رؤس اولی جوہر کم۔ کیف اور اضافت ہیں جیسا کہ ہم نے کتاب التقریب میں بیان کیا ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق سے تفاوت کی نفی ہوگئی اور یہ آیت الٹی معتزلہ ہی پر حجت ہوگئی جس سے بچکر وہ نکل نہیں سکتے اور وہ یہ ہے کہ اگر وجود کفر وظلم وکذب تفاوت ہونا جیسا کہ معتزلہ کا گمان ہے تو پھر خلق رحمٰن میں تفاوت موجود ہوتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تکذیب کی ہے اور خلق میں تفاوت کے نظر آنے کی نفی کی ہے۔

معتزلہ کا جو اعتراض عقلی طور پر ہے وہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کفر ومعاصی کو پیدا کیا ہے تو وہ اپنے ہی فعل سے غصہ ہوتا ہے۔ اپنے ہی پیدا کرنے سے ناراض ہوتا ہے۔ اپنے ہی بنانے سے ناخوش ہوتا ہے۔ اپنے ہی کیے سے خفا ہوتا ہے۔ اپنے ہی کیے کو ناپسند کرتا ہے۔ اور اپنی ہی تدبیر وتقدیر سے بیزار ہوتا ہے۔ تو یہ نہایت کمزور فریب کاری ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق خبر دیدی تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔ اُس نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ کفر وظلم وکذب سے ناراض ہوتا ہے اور اس سے خوش نہیں ہوتا۔ وہ ان تمام امور کو ناپسند کرتا ہے اور ان سے ناراض ہوتا ہے سوائے اللہ کے قول کے ماننے کے اور کوئی صورت نہیں ہے۔

ہم اسی سوال کو معتزلہ پر پلٹائے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ نے ابلیس وفرعون وشراب وکفار کو پیدا نہیں کیا۔ اس کا جواب لامحالہ اثبات میں ہوگا۔ ہم ان سے کہیں گے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان سب سے خوش ہے یا ناخوش۔ تو اس کا جواب بھی لامحالہ یہی ہے کہ وہ ان سب سے

۴۱ ناخوش ان سب کو ناپسند کرنے والا۔ ان سب پر غضب کرنے والا۔ اور ان سب سے ناراض ہے۔ ہم ان سے کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جس کا تم نے انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ہی تدبیر سے ناراض ہے۔ اپنے ہی فعل سے غضبناک ہے۔ اپنی ہی مخلوق کو ناپسند کرتا اور اُس پر لعنت کرتا ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کو نہ کافر کی ذات ناپسند ہے۔ نہ وہ ابلیس کی شخصیت سے ناراض ہے اور نہ اُسے شراب بذات خود ناپسند ہے تو ہم اُن کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے کہ اُس نے ابلیس وکفار پر لعنت کی ہے۔ یہ اللہ کے نزدیک ملعون ومکروہ ہیں۔ اللہ کا ان پر غضب وغصہ ہے۔ اسی طرح بتوں اور شراب پر بھی۔ اس نے فرمایا ہے کہ "انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ" (بیشک شراب اور جوا اور پتھر کے بت اور لاٹری کے تیر ناپاک ہیں جو شیطان کا کام ہے لہذا اس سے بچو۔) اور فرمایا "ولحم خنزیر فانہ رجس" (اور سور کے گوشت سے بچو کیونکہ یہ ناپاک ہے) اللہ تعالیٰ نے ان سب کو نجس فرمایا پھر اس سے بچنے کا حکم دیا اور اس کو عمل شیطان کی طرف منسوب کیا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کا خالق ہے۔ وہ نص کے مطابق نجس کا خالق ہوا اور عقل کے نزدیک نجس کے پیدا کرنے اور کفر وکذب وظلم کے پیدا کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "ونفس وما سواھا فالھمھا فجورھا وتقویٰھا" (قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اُسے درست کیا پھر اُسے اُس کی بدکاری وپرہیزگاری کا الہام کیا)۔ ان بدنصیبوں کے قول کی بنا پر تو اللہ تعالیٰ اسی چیز سے ناراض ہوتا ہے جو اُس نے الہام کیا اور اُسی کو ناپسند کرتا ہے بلاشک بدیہی طور پر الہام اُسی کا فعل ہے لہذا وہی چیز ان لوگوں پر ثابت ہوگئی جس کی انھوں نے مذمت کی تھی کہ وہ اپنے ہی فعل سے ناراض ہوتا ہے۔

ان سے کہا جائے گا کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ ظالم کو مظلوم سے روکے اور ان کے روکنے پر جنھوں نے انبیائے مرسلین صلی اللہ علیہم وسلم کو قتل کیا اور اس پر کہ وہ کافر اور اس کے کفر کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دے اور بالغ ہونے سے پہلے ہی اُسے موت دیدے۔ اور زانی اور اس کے زنا کے درمیان کہ اس کے عضو کو کمزور کر دے یا اسے اور کسی کام میں لگا دے یا کافر و زانی پر کسی اور انسان کو قابو دیدے جو ان دونوں کے اعمال کو روکدے۔ آیا اللہ تعالیٰ قادر ہے یا ان سب سے عاجز ہے۔ یا اس میں سے بعض پر قادر ہے۔ کوئی تیسری صورت ناممکن ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ ان میں سے کسی پر بھی قادر نہیں تو انھوں نے اپنے رب کو عاجز مانا اور کفر کیا اور ان لوگوں کا عالم کے ایجاد کرنے کا آلہ ہی باطل ہو گیا کیوں کہ انھوں نے اُس کی قدرت کو اس سہل و آسان سے بھی کمزور مان لیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ نہیں۔ وہ ان سب پہ قادر ہے تو ان لوگوں نے اس کا اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے منکر و کفر و ظلم و زنا کو دیکھا اور اُسے برقرار رکھا اور اُسے بدلا نہیں۔ کفار کے ہاتھوں کو کھلا رہنے دیا تاکہ وہ اُس کے رسولوں کو قتل کریں اور ماریں۔ باوجود ان سب کے برقرار رکھنے کے اُس نے ان سب کا کوئی انتظام نہ کیا بلکہ ان لوگوں کو ان کے اعضاء و آلات سے اور ہر مانع کے روکنے سے قوت پہنچائی۔ یہ ان لوگوں کے قول کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفر کی پسندیدگی اور ان تمام بدکاریوں کا قبول کرنا ہے۔ اور یہ خالص کفر ہے۔

یا یہ ہے کہ وہ اُسی چیز سے ناراض ہوتا ہے جسے اُس نے برقرار رکھا اور اُس پر اسے غصہ آتا ہے جس چیز پر اُس نے اعانت کی اور وہ خود اپنے ہی ان لوگوں کو ان سب امور پر برقرار رکھنے کو ناپسند کرتا ہے۔ یہ وہی ہے جس کی ان لوگوں نے مذمت کی تھی۔ ان دونوں میں سے

ایک وجہ کا لازم آنا ضروری ہے۔ حالانکہ یہ دونوں ان کے قول کے خلاف ہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ الزام ان لوگوں پر ان کے اصول کی بناء پر ہے۔ اور ہم لوگوں پر اس میں سے کوئی الزام بھی نہیں آتا۔ اس لئے کہ ہم لوگ تو صرف اسی کو قبیح سمجھتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے قبیح بتایا اور اُسی کو حسن سمجھتے ہیں جسے اُس نے حسن بتایا۔

اگر یہ کہیں کہ اُس نے اسے اس لیے برقرار رکھا تاکہ اُس سے انتقام لے۔ اور اگر اُسے ہمیشہ برقرار رکھے تو یہ نادانی وعبث ہوگا۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے کفر وظلم وکذب کو ایک ساعت برقرار رکھنے میں اور اس کو ساعت بہ ساعت برقرار رکھنے میں اور اسی طرح ہمیشہ غیر متناہی وقت تک باقی رکھنے میں یا متناہی وقت تک باقی رکھنے میں حسن وقبح میں کونسا فرق ہے۔ ورنہ ہمیں وہ مدت بتادو جس مدت تک کفر وکذب وظلم کا برقرار رکھنا حکمت وحسن ہے اور جب اُس مدت سے بڑھے گا تو وہ عبث وعیب ونادانی ہو جائے گا۔ اگر وہ تکلف کر کے اس میں کوئی حد معین کریں تو وہ جنون وحماقت وکذب اور ایسے دعوے کو لائیں گے کہ جس سے کوئی بھی عاجز نہیں۔

اگر وہ کہیں کہ ہم نہیں جانتے اور اس کے بارے میں معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں تو یہ سچ کہیں گے اور یہی ہمارا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل خواہ وہ تکلیف مالایطاق ہو اور اس پر اُس کا عذاب کرنا اور اُس کا کافر وظالم کے اندر کفر وظلم کا پیدا کرنا اور اُس کا ان سب کو برقرار رکھنا پھر ان امور پر لوگوں پر اُس کا عذاب کرنا اور اُس کا کفر کو پیدا کرنا اور اس سے ناخوش وناراض ہونا یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے لئے عدل وحکمت وحق ہیں اور غیر اللہ کے لئے نادانی وظلم وحماقت وباطل ہیں۔ وہ جو کچھ کرے اُس سے بازپرس نہیں ہو سکتی۔ اور لوگوں سے بازپرس کی جائے گی۔

معتزلہ کا یہ کہنا کہ جو کوئی کچھ کرے تو واجب ہے کہ اُسی کو اُس کی طرف منسوب کیا جائے اور خود اُسی کو اُس سے نامزد کیا جائے۔ اور اس کے

سوا نہ تو معقول ہے اور نہ موجود۔

اس استدلال سے وہ لوگ یہ واجب کرنا چاہتے ہیں کہ (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ کو ظالم نامزد کیا جائے اس لئے کہ اُس نے ظلم پیدا کیا اور اسی طرح کفر و کذب سے بھی۔

اس قاعدے کو ان کے خلاف دو وجہ سے توڑا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ محض تشبیہ ہے (یعنی اللہ کو اُس کی مخلوق کے مشابہ بنانا ہے) اس لئے کہ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اُس حکم کے مطابق حکم لگائیں جو اُسکی مخلوق میں موجود و جاری ہے۔ ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ جب تم مشاہدے میں فاعل جسم ہی کو پاتے ہو اور عالم کو اُس علم کے سبب سے (عالم پاتے ہو) کہ جو اُس کے مغایر ہے اور حی (زندہ) کو محض اُس حیات کے سبب سے جو اُس (حی) کے اندر عرض (صفت) ہے اُس شے کو جس کے متعلق کوئی خبر بیان کی جاتی ہے وہ جسم یا عرض ہی ہوتا ہے۔ جو ایسا نہ ہو وہ معدوم ہے۔ نہ وہ عقل میں آتا ہے نہ وہم میں پھر باری تعالیٰ کے امور تم نے ان تمام امور کے خلاف دیکھے اور اُن پر وہ حکم نہیں لگایا جو اُن چیزوں میں ہے کہ تم نے پائیں بدیہی طور پر واجب آیا کہ اس امر میں اُس پر وہ حکم نہ لگایا جائے گا جو حکم ہم پر ہے کہ اُسے اُس کے افعال سے نامزد کیا جائے اور اسی طرح اُس کی طرف منسوب کیا جائے جس طرح ہماری طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بحیثیت موجد کے اپنے غیر میں ایک کیفیت پیدا کر دی۔ بس اسی طرح یہ اللہ کی مخلوق میں اللہ کا فعل ہے۔ اُس کے بندوں نے جو کچھ کیا تو اُس کے معنی یہی ہیں کہ یہ فعل بحیثیت عرض کے اپنے فاعل میں محمول ہو کر ظاہر ہوا۔ اس لئے کہ وہ فعل یا تو حرکت ہے جو کسی متحرک کے اندر ہے، یا سکون ہے جو کسی ساکن کے اندر ہے، یا اعتقاد ہے جو کسی معتقد میں ہے، یا فکر ہے جو کسی متفکر میں ہے یا ارادہ ہے جو کسی مرید و قاصد میں ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

دونوں امور میں (یعنی اللہ کے خلق فعل اور بندے کے کسب فعل میں) اختلاف شدید ہے جو کم از کم فہم رکھنے والے سے بھی پوشیدہ نہیں ہے اس فعل پر مدح یا مذمت یا اُس کے فعل سے اسم فاعل کا اشتقاق بھی ایسا نہیں ہے جیسا کہ معتزلہ کا گمان ہے۔ حق یہ ہے کہ نہ کوئی شخص مدح کا مستحق ہے نہ مذمت کا سوائے اس کے جس کی اللہ تعالیٰ مدح کرے یا مذمت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی حمد وثناء کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ہر فعل پر محمود اور ہر فعل سے محبوب ہے۔ جو اللہ کے سوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے اُس فعل کی مدح کی ہے جو اُس نے اس میں ظاہر کیا ہے تو وہ شخص محمود وممدوح ہے اور جس کے اُس فعل کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے جو اُس نے اُس میں ظاہر کیا ہے تو وہ مذموم ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

اہل اسلام کا اس امر پہ اجماع ہے کہ حمد ومدح کا صرف وہی شخص مستحق ہے جو اللہ کی اطاعت کرے اور مذمت کا صرف وہی مستحق ہے جو اُس کی نافرمانی کرے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی آج اگر ایک فعل کرے تو اُس کی وجہ سے آج وہ مطیع ومحمود ہے اور اگر اُسی فعل کو کل کرے تو وہ کافر ومذموم ہے۔

مثلاً ایام حج میں حج کرنا۔ اور غیر ایام حج میں حج کرنا۔
عید الفطر وعید الاضحیٰ میں روزہ رکھنا اور رمضان میں روزہ رکھنا۔
نماز وقت پر اور نماز وقت سے پہلے اور بعد۔ اور اسی طرح تمام شرائع اسلام۔ ہم نے ایسے شخص کو بھی پایا ہے جو کذب کا فاعل اور اس کا قائل ہے اور کفر کا فاعل اور اس کا قائل ہے۔
یہ دونوں کے دونوں نہ مذموم ہیں کہ نہ کافر و کاذب۔ یہ دونوں ایک تو حکایت کرنے والا ہے اور دوسرا مجبور و مُکرہ ہے۔
معتزلہ کا یہ دعویٰ باطل ہو گیا کہ جو فاعل کذب ہو گا وہ کاذب ہو گا اور جو فاعل کفر ہو گا وہ کافر ہو گا اور جو فاعل ظلم ہو گا وہ ظالم ہو گا۔ یہ

ثابت ہوگیا کہ کاذب وکافر وظالم صرف وہی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ کاذب وکافر وظالم بتائے۔ کفر وکذب وظلم وہی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ کفر وکذب وظلم بتائے۔ اور اس ضرورت و بداہت کے ساتھ جس سے کوئی مفر نہیں یہ ثابت ہوگیا کہ عالم میں کوئی شے نہ تو ممدوح ومحمود لعینہ ہے اور نہ مذموم لعینہ۔ نہ کفر لعینہ ہے نہ ظلم لعینہ ہے۔ جس پر نہ طاعت ومعصیت کا اسم واقع ہوتا ہے نہ اس کا حکم ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے تو یہ جائز نہیں ہے کہ اس پر حمد یا مدح یا مذمت بغیر ایسی نص کے جو اس کے پہلے سے ہو واقع کی جائے۔ ہم اس کی مدح اسی طرح کرتے ہیں جس طرح اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ "الحمد للہ رب العلمین" لیکن ماسوا اللہ میں جو ایسے ہیں۔ جنھیں نہ طاعت لازم ہے نہ معصیت۔ مثلاً ملائکہ وحور عین وانس وجن کے علاوہ جو حیوانات ہیں اور مثلاً جمادات۔ تو نہ یہ حمد کے مستحق ہیں نہ ذم کے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق اس کا حکم نہیں دیا۔ اگر ان میں سے کسی کی مدح یا ذم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم پایا جائے گا تو اسے مانا جائے گا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا کعبے ومدینے وحجر اسود وماہ رمضان ونماز کی مدح کا حکم۔ یا اللہ تعالیٰ کا شراب، سور اور مردار اور گرجا اور کفر وکذب اور انھیں کے مشابہات کی مذمت کا حکم۔ لیکن ان دو قسموں کے علاوہ نہ حمد ہے نہ ذم۔

لیکن امر کے فعل سے اسم فاعل کا اشتقاق تو یہ بھی ایسا ہی ہے (کہ جہاں اس نے خود اشتقاق کیا ہے وہاں کیا جائے گا ورنہ نہیں) اور کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ کسی کو بھی حق نہیں کہ وہ اس کا کوئی بھی نام رکھے جو اس کے سوا ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے شریعت میں یا اس لغت میں کہ جس میں ہمیں باہم خطاب کرنے کا حکم دیا ہے مباح کر دیا ہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ اس کے لئے کید ومکر ہے اور وہ مکر وکید کرتا ہے۔ استہزا کرتا ہے۔ اپنے بھولنے والے کو بھلا دیتا ہے۔ اس کا معتزلہ بھی انکار نہیں کرتے۔ اگر اس کا انکار کریں تو

نص قرآن کو رد کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ اس پر اجماع کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان میں سے کسی کے اسم مشتق کے ساتھ نامزد نہ کیا جائے گا۔ اس کے لئے مکر ہونے سے اسے ماکر نہ کہا جائے گا نہ اس لئے کہ وہ کید کرتا ہے یا اس کے لئے کید ہے اسے کیاد کہا جائے گا۔ نہ کفار کے ساتھ استہزا کرنے کی وجہ سے اسے مستہزی کہا جائے گا۔ اس نے معتزلہ کے اس اصول کو باطل کر دیا کہ ہر فعل سے اسے نامزد کیا جائے گا اور اس کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

یہاں پر کوئی فریب دینے والا اسے فریب نہ دیدے جو اچھی طرح مناظرہ نہیں جانتا۔ اور یہ کہے کہ ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کید کرتا ہے اور استہزاء کرتا ہے اور مکر کرتا ہے اور بھلا دیتا ہے۔ تو اسی کے معارضے (یعنی جواب مقابلے) کے طور پر کہتے ہیں۔ ہم اس شخص سے کہیں گے کہ تم نے سچ کہا اور ہم اس میں تمہارے مخالف نہیں۔ لیکن ہم نے تو تمہیں بطور معارضے کے بھی اللہ تعالیٰ کا نام کیاد۔ ماکر۔ و مستہزی رکھنے پر الزام دیا تھا جیسا کہ تم خود کہتے ہو۔

اگر وہ اس کا انکار کرے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی اپنے کو نامزد نہیں کیا تو اس نے حق کی طرف رجوع کر لیا اور اس امر میں ہم سے اتفاق کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کا نام اس کے ظلم و کفر و کذب کے پیدا کرنے کی وجہ سے ظالم و کافر و کاذب نہیں رکھا جائے گا اس لئے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس نام سے اپنے کو نامزد نہیں کیا۔

اور اگر وہ اس کا انکار کرے تو اس نے تناقض اختیار کیا (یعنی اپنی ہی بات کی مخالفت کی)۔ اور اس کے مذہب کا بطلان ظاہر ہو گیا۔

معتزلہ نے اس امر میں ہم سے اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خمر (شراب) اور حبل نساء (عورتوں کا حمل) پیدا کیا ہے۔ مگر اسے خمار و محبل (شراب بنانے والا اور حمل رکھانے والا) کہنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قمریوں ہدہدوں اور چکوروں کے رنگ اور

ہر قسم کے رنگ پیدا کئے۔ مگر اُسے صبّاغ (رنگریز) کہنا جائز نہیں۔

اُس نے آسمان و زمین بنایا مگر اسے بنّاء (معمار) کہنا جائز نہیں۔

ہمیں ابر اور زمین کے پانی سے سیراب کیا مگر اُسے سقا یا ساقی کہنا جائز نہیں۔

شراب سوار ابلیس اور سرکش شیاطین کو پیدا کیا اور اسی طرح ہر بدی و بدکار و خبیث و نجس و شر کو پیدا کیا مگر اس کی وجہ سے اُسے مسیئی (بدکار) و شریر نہ کہا جائے گا۔

پھر ان سب میں اور اس میں کونسا فرق ہے کہ وہ شر و ظلم و کفر و کذب و معاصی عباد پیدا کرے اور اس کی وجہ سے اُسے مسیئی و ظالم و کافر و کاذب و شریر و فاحش نہ کہا جائے۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں کہ اُس نے ہدایت و توفیق سے احسان کیا اور اسی سے مزید فضل کی درخواست ہے۔ لا الٰہ الا ھو۔

معتزلہ سے یہ بھی کہا جائے گا کہ تم لوگ اقرار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اُس قوت کو پیدا کیا جس سے ظلم و کفر و کذب ہوتا ہے اور اُسی نے اس قوت کو اپنے بندوں کے لئے مہیا کیا۔ اس کی وجہ سے وہ لوگ اُسے یہ نہیں کہتے کہ وہ کفر پر برانگیختہ کرنے والا ہے اور کافر کا اُس کے کفر میں معین ہے اور کفر کا مُسبِّب ہے اور کفر کا واہب (عطا کرنے والا) ہے اور یہ بعینہ وہی ہے جس کو تم نے عیب کہا اور انکار کیا۔

نیز ان سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ تو کہ اللہ تعالیٰ جو اہل جہنم کو دوزخ کا عذاب کرے گا تو اس سے وہ اُن لوگوں کے ساتھ مُحسن (اچھائی کرنے والا) ہوگا یا مسیئی (برائی کرنے والا)۔ پھر اگر وہ یہ کہیں کہ ان کے ساتھ محسن ہوگا۔ تو انھوں نے جھوٹ کہا اور خود اپنی اصل کی مخالفت کی۔ ہم اُن سے درخواست کریں گے کہ وہ لوگ خود اپنے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے اسی احسان کی درخواست کریں۔ اگر وہ کہیں کہ وہ اُن کے ساتھ مسیئی

(برائی کرنے والا) ہوگا تو انھوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ وہ ان کے ساتھ مسیئی نہیں ہے۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ پھر وہ لوگ اساأت میں ہیں یا احسان میں۔ اگر وہ کہیں کہ وہ اساأت میں نہیں ہیں تو انھوں نے مشاہدے کی مخالفت کی اور مکابرہ کیا۔ اگر کہیں کہ وہ اساأت میں ہیں تو ہم اُن سے کہیں گے کہ اسی کا تو تم نے انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے اُن لوگوں کے ساتھ کوئی ایسا حال واقع ہو جو انتہائی اساأت (بدی) ہو اور نہ اس کی وجہ سے اُسے مسیئی کہا جائے گا۔

ہم انھیں یہ جواب دیں گے کہ یہ لوگ (یعنی اہل جہنم) انتہائی بدحالی واساأت اور سخت ناخوشی وناگواری وغضب میں ہیں اور غضب اُس شخص کے لئے جس پر غضب کیا جائے احسان نہیں ہے۔ اسی طرح لعنت بھی ملعون کے لئے احسان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ علی الاطلاق (ہر حال میں) محسن ہے۔ اور ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ وہ مسیئی ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اصل اس میں وہی ہے جو ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو صرف اسی نام سے نامزد کرنا جائز ہے جو اُس نے خود اپنا نام رکھا۔ اور اُس کے متعلق صرف وہی خبر دینا جائز ہے جو اُس نے خود دی۔ اس سے زیادہ جائز نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ جب تم نے یہ جائز رکھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا فعل کرتا ہے جو ہمارے یہاں ظلم ہے اور اس فعل سے وہ ظالم نہیں ہوتا۔ تو ہم نے بھی یہ جائز رکھا کہ ہم اُس کے متعلق ایسی چیز کی خبر دیں جو واقعے کے خلاف ہو اور وہ اس سے کاذب نہ ہو۔ جو ہوگا وہ اُسے نہ جانے اور اس سے وہ جاہل نہ ہو۔ کسی شے پر وہ قادر نہ ہو اور اس سے وہ عاجز نہ ہو۔ تو بتوفیق الٰہی اُن سے کہا جائے گا کہ یہ دو وجوہ سے محال ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ ہم نے واضح کر دیا ہے کہ عالم ظلم لعینہ وبذاتہ کا وجود ہی نہیں۔ اور ظلم محض اضافی ہے۔ قتل زید کو جب اللہ تعالیٰ منع کرے تو ظلم ہوگا اور جب اُس کے قتل کا حکم دے تو عدل ہوگا۔ لیکن کذب تو لعینہ وبذاتہ کذب ہے۔ جو شخص ایسی خبر دے جو واقعے کے خلاف

ہو تو وہ کاذب ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ اُس وقت تک گناہ و مذموم نہ ہو گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں گناہ و مذمت کو واجب نہ کرے فقط اسی طرح کا کلام جہل و عجز کے بارے میں بھی ہے کہ یہ دونوں بھی لعینہٖ جہل اور لعینہٖ عجز ہیں۔ جو شخص کسی چیز کو نہ جانے تو لامحالہ وہ اُس چیز سے جاہل ہے۔ اور جو شخص کسی چیز پر قادر نہ ہو تو لامحالہ وہ اُس چیز سے عاجز ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس ضرورت کے سبب سے ہم نے یہ جانا کہ کھجور کی گٹھلی سے زیتون نہیں نکلتا اور گھوڑے سے اونٹ نہیں پیدا ہوتا اُسی ضرورت سے ہم نے یہ بھی جانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ کاذب ہو سکتا ہے نہ جاہل نہ عاجز۔ اس لئے کہ یہ تمام چیزیں مخلوقین کی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ سے منفی ہیں۔ سوائے اُن صفات کے جن کے اُس پر اطلاق کرنے کے بارے میں کوئی نص آئی ہو کہ خاص اُن صفات کے اسماء کا اس پر اطلاق کیا جائے تو اس کو مانا جائے گا۔

اکثر معتزلہ کذب و ظلم پر بھی باری تعالیٰ کی قدرت کو ثابت کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے ان دونوں کے صدور کو جائز نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کو اس پر قادر ماننا اس کا موجب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُس کے وقوع کا بھی امکان ہو۔ وہ ہم پر کیوں معترض ہیں اگر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چند ایسے افعال کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے تو عدل و حکمت ہیں اور وہی افعال ہم سے ظلم و عبث ہیں۔ حالانکہ اس کے ساتھ ہی ہم پر یہ لازم بھی نہیں آتا کہ ہم اس کے قائل ہوں کہ اس سے کذب سرزد ہوتا ہے یا اُس سے جہل واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ الزام بھی باطل ہو گیا۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

ہم نے یہ نہیں کہا کہ وہ ظلم کرتا ہے یا وہ ظالم ہے۔ نہ ہم نے یہ کہا کہ وہ کفر کرتا ہے یا اُس کا نام کافر ہے۔ نہ ہم نے یہ کہا کہ وہ کذب کا مرتکب ہوتا ہے یا اُس کا نام کاذب ہے۔ کہ ہم پر وہ الزام آئے جس الزام کا انھوں نے ارادہ کیا ہے۔ ہم نے تو صرف یہ کہا ہے کہ اُس نے ظلم و کفر و کذب و شر و حسرت و طول و عرض و سکون کو بطور عرض (صفت) کے اپنی

مخلوق کے اندر پیدا کیا۔ لہذا واجب ہے کہ اُسے ان تمام امور کا خالق کہا جائے جیسا کہ اُس نے بھوک پیاس۔ شکم سیری وسیرابی اور فربہی و لاغری کو اور لغات کو پیدا کیا۔ یہ جائز نہیں کہ اُس کا نام ظالم کاذب وکافر وشریر رکھا جائے جیسا کہ ہمارے اور اُن کے نزدیک مذکورۂ بالا امور کے پیدا کرنے کی وجہ سے یہ جائز نہیں کہ اُسے متحرک وساکن وطویل وعریض وعطشان (پیاسا) وریان (سیراب) وجائع (بھوکا) وشابع (شکم سیر) وسمین (موٹا) وہزیل (دبلا) ولغوی (زبان کا ماہر) کہا جائے۔ اسی طرح ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اُس کے متعلق صرف یہ خبر دی جائیگی کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے۔ مذکورۂ بالا اشیاء میں سے کسی شے کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کو موصوف نہ کیا جائے گا۔ سوائے اس کے کہ اُسی کو موصوف کیا جائے گا جس میں اللہ تعالیٰ نے بطور عرض کے پیدا کی ہیں۔

معتزلہ کا یہ کہنا کہ ایک فعل دو فاعلوں سے سرزد نہیں ہو سکتا کہ یہ پورا اُس کا فعل ہے اور یہ اس کا فعل ہے۔ تو یہ تحکم تقسیم کا نقص ہے جس میں انھیں اُن کے جہل وتناقض نے ڈالا۔

حاضر سے غائب پر استدلال

اُن کا یہ قول ہے کہ حاضر ہی سے غائب پر استدلال کیا جاتا ہے۔ یہ وہ قول ہے کہ جس کا فاسد ہونا بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اپنی کتاب میں جو اصول احکام میں ہے ثابت کر دیا ہے۔ یہاں بھی ہم مختصراً اُس کا فساد بیان کرتے ہیں۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ عقل سے جو تمیز ہے ہرگز کوئی شے غائب نہیں ہے اور بعض اشیاء صرف حواس سے غائب ہیں۔ ہر وہ شے جو عالم میں ہے وہ عقل مذکور کے مشاہدے میں ہے اس لئے کہ سارا عالم جوہر حامل اور عرض محمول ہے (قائم بالذات وقائم بالغیر) یہ دونوں چیزیں ایک ایسے خالق کو چاہتی ہیں جو اول وواحد ہو اور اس کی مخلوق میں سے کسی کو ذرا سی بھی کسی طور پر بھی اُس سے کوئی مشابہت نہ ہو۔ اگر وہ لوگ غائب سے باری تعالیٰ کو مراد لیتے ہوں تو باری تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے ساتھ

تشبیہ لازم آئے گی۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے غائب کی حاضر کے ساتھ تشبیہ کا حکم کر دیا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ تمام وجوہ سے اپنی مخلوق کے مغائر و خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ ہم سے غائب ہو۔ بلکہ وہ عقل میں حاضر ہے۔ جس طرح ہم ہر حاضر کا حواس سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں جو عقل کے مشاہدے سے ہماری معرفت الٰہی ثابت ہے اور جو ان تمام اشیاء کے متعلق ہماری معرفت ثابت ہے جن کا ہم خود (حواس سے) مشاہدہ کرتے ہیں۔

دو فاعل سے ایک فعل

اس کے بعد ہم انشاء اللہ ان لوگوں کے دو فاعلوں سے ایک فعل کے صدور کے انکار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

بتوفیق الٰہی ہم کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے درمیان بھی اکثر حالات میں ناممکن ہے مگر عام طور پر ناممکن نہیں۔ اس لئے کہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ اکثر حالت میں ایک حرکت دو متحرکوں کے لئے نہیں ہوتی، نہ ایک اعتقاد دو معتقدوں کے لئے، ایک ارادہ دو مریدوں کے لئے اور ایک فکر دو متفکروں کے لئے نہیں ہوتا۔ اگر دو آدمی ایک تلوار یا ایک نیزہ لیلیں، اس سے کسی کو ماریں اسے کاٹ دیں یا مجروح کر دیں تو یہ ایک ہی حرکت ہوگی جو دو متحرکوں میں منقسم ہوگی اور ایک ہی فعل ہوگا جو دو فاعلوں میں منقسم نہ ہوگا۔ یہ وہ امر ہے جو حس و اضرورت کے مشاہدے میں ہے۔ اور یہ قرآن میں بھی منصوص ہے، جو اس کا انکار کرے گا وہ کافر ہوگا۔

مسلمانوں کے نزدیک قرآن میں قراءت مشہورہ یہ ہے "انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا" دوسری قرأت یہ ہے "انما انا رسول ربک ولیھب لک غلاما زکیا" (اے مریم میں تو آپ کے رب کا قاصد ہوں اس لئے آیا ہوں تاکہ آپ کو ایک پاکیزہ بچہ دوں" اے مریم میں تو آپ کے رب کا قاصد ہوں اور تاکہ وہ آپ کو ایک پاکیزہ غلام عطا کرے) یہ دونوں قرأتیں پوری پوری بڑی بڑی جماعتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ نے جبریل علیہ السلام سے

نقل کی ہیں۔ جب ہمزہ کے ساتھ (یعنی "لاھب") پڑھا جائے تو یہ اللہ کے قاصد روح الامین جبریل علیہ السلام کا یہ خبر دینا ہے کہ وہی حضرت مریم کو عیسیٰ علیہ السلام کا عطیہ دیں گے اور ہبہ کریں گے۔ اور جب یاء کے ساتھ (یعنی "لیھب") پڑھا جائے تو وہ جبریل علیہ السلام کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ خبر دینا ہے کہ حضرت مریم کو عیسیٰ علیہ السلام کا عطا کرنے والا اور واہب (ہبہ کرنے والا) اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ ایک فعل ہے جو دو فاعلوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ہبہ اس لئے منسوب ہے کہ وہ اس ہبہ کا خالق ہے اور نیز یہی ہبہ جبریل علیہ السلام کی طرف اس لئے منسوب ہے کہ ان سے ظاہر ہوا ہے۔ کیونکہ وہی اسے لائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے۔ ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ (اور جب غزوہ حنین میں کفار کی آنکھوں میں آپ نے خاک جھونکی تو وہ آپ نے نہیں جھونکی بلکہ وہ اللہ نے جھونکی)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے خاک جھونکی اور اس کے نبی نے خاک جھونکی۔

ایجاب وسلب اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی ساتھ اپنے نبی کے لئے خاک جھونکنا ثابت بھی کیا اور آپ سے اس کی نفی بھی کی۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تناقض نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہمیں معلوم ہوا کہ وہ رمی (خاک جھونکنا) جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی ہے وہ اور ہے اور جس رمی کو اس نے آپ کیلئے ثابت کیا ہے وہ اور ہے۔ اس کے سوا کوئی مسلمان گمان بھی نہیں لا سکتا۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رمی کی نسبت اس لئے ہے کہ اس نے اسے پیدا کیا، وہی اس حرکت کا خالق ہے جو رمی ہے وہی رمیہ (پھینک) کا جاری کرنے والا ہے، وہی رفتار رمی کا خالق ہے اور اسی کی رامی (پھینکنے والے) سے نفی کی گئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ثابت ہو گیا کہ وہ رمی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا ہے وہ صرف حرکت رمی کا

آپ سے ظہور ہے۔ اور بلا تکلف یہی ہمارے قول کی نص ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "ولم تقتلوهم ولكن الله قتلهم" (اے مومنین کفار بدر کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں قتل کیا) اس میں بھی بعینہ وہی کلام ہے جو کلام رمی میں ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "زينا لكل امة عملهم" (ہر امت کے لئے ان کے عمل کو ہم نے پسندیدہ و آراستہ بنادیا)۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "فزين لهم الشيطان ما كانوا يعملون" (پھر جو کچھ وہ لوگ کیا کرتے تھے شیطان نے ان کے لئے پسندیدہ و آراستہ بنادیا تھا)۔ یہ بدیہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر امت کے لئے اس کے عمل کو مزین و آراستہ کرنا صرف اُس کا اُن کے دلوں میں اُن کے اعمال کی محبت پیدا کرنا ہے۔ شیطان کا اُن لوگوں کے لئے ان کے اعمال کا مزین کرنا وہ صرف ان اعمال کی طرف اُن کے دعوت دینے کا اس سے ظہور اور وسوسہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام سے بطور حکایت بیان کیا ہے کہ اُنھوں نے کہا تھا "انی اخلق لكم كهيئة الطير فانفخ فيه فيكون طيرا باذن الله وابرئ الاكمه والابرص واحيی الموتى باذن الله" (بیشک میں تمھارے لئے چڑیا کا سا پرندہ بناتا ہوں پھر اُس میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ ہوجاتا ہے اور میں مادرزاد نابینا اور میں اللہ کے حکم سے سفید داغ والے کو اچھا اور مردے کو زندہ کرتا ہوں) تو کیا یہ نص آیت کے مطابق ایک فعل دو فاعلوں سے یعنی اللہ تعالیٰ اور مسیح علیہ السلام سے نہیں ہے۔ اور کیا پرندے کا خالق اور نابینا اور سفید داغ والے کا صحت دینے والا اللہ کے سوا کوئی اور ہے؟ حالانکہ عیسٰی علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ وہ پیدا کرتے اور صحت دیتے ہیں۔ بلاشک یہ ایک فعل ہے جو دو فاعلوں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود اپنے متعلق خبر دی ہے کہ "انہ یحیی ویمیت" (وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے) اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے متعلق خبر دی ہے کہ انہوں نے اللہ کے حکم سے مردوں کو جلایا۔ بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ وہ مردہ جسے عیسیٰ علیہ السلام نے زندہ کیا اور وہ پرندہ جسے بنص قرآن انہوں نے پیدا کیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اُسے جلایا اور اُسے پیدا کیا اور بنص قرآن عیسیٰ علیہ السلام نے اُسے جلایا اور اُسے پیدا کیا۔ یہ سب ایک ہی فعل ہے جو دو فاعلوں سے ہے وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اسی طرح کا کلام اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے "واحلوا قومھم دار البوار جھنم" (اور ان لوگوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے مکان یعنی جہنم میں گھسیٹ دیا)۔ حالانکہ ہم یقیناً یہ جانتے ہیں کہ بلاشک وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اُنھیں جہنم میں ڈالا۔ لیکن جب ان لوگوں سے اس سبب کا ظہور ہوا جس کی وجہ سے وہ لوگ ہلاکت کے مکان جہنم میں داخل ہوئے تو اس کو اُن کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

جیساکہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے متعلق فرمایا ہے "کما اخرج ابویکم من الجنۃ" (جیساکہ اُس نے تمھارے والدین کو جنت سے نکالدیا)۔ حالانکہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اُن دونوں کو اور اُن کے ساتھ ابلیس کو نکالا۔ لیکن ان دونوں کے نکلنے کا سبب ابلیس سے ظاہر ہوا تو اس کو اُس کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

اور جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لتخرج الناس من الظلمات الی النور" (تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نکالکر نور کی طرف لیجائیں) ہم کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہمارا تاریکیوں سے نکالنے والا اللہ ہی ہے لیکن اس امر میں سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوا فعل کو آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

یہ تمام امور لوگوں کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں شرکت کو

واجب نہیں کرتے جیسا کہ معتزلہ نے دھوکا دیا ہے۔ اور یہ سب ایک فعل ہے جو دو فاعلوں سے ہے۔ اور اسی طرح وہ تمام افعال بھی جو لوگوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "انما نملی لھم لیزدادوا اثما" (ہم محض اس لئے انھیں عذاب سے مہلت دیتے ہیں کہ وہ اور زیادہ گناہ کریں)۔

اور فرمایا ہے "واملی لھم ان کیدی متین (اور میں انھیں مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بہت زبردست ہے)۔

اور فرمایا ہے "الشیطان سوّل لھم واملی لھم" (شیطان نے کفار کے لئے سہل کر دیا اور انھیں مہلت اور ڈھیل دیدی)۔ ہم نے یقیناً جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا املاء (مہلت دینا) انھیں محض اُس کا بغیر تعجیل عذاب کے چھوڑ دینا ہے بلکہ انھیں دنیا کی فراغت دینا اور ان کی عمر کا دراز کرنا ہے جو ان کے لئے کفر و معاصی پر مدد ہوگئی۔ ہمیں معلوم ہوا کہ شیطان کا املاء (مہلت یا ڈھیل دینا) صرف بذریعۂ وسوسہ ہے اور عذاب کو بھلا دینا اور لوگوں کو کفر پر برانگیختہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "افرایتم ما تحرثون ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون" (کیا کبھی تم نے غور کیا جو تم بوتے ہو۔ آیا تم اس کی زراعت کرتے ہو یا ہم زراعت کرنے والے ہیں)۔ بدیہی طور پر یہ بھی ایک فعل ہے جو دو فاعلوں سے ہے اللہ تعالیٰ کی طرف تو اس لئے منسوب ہے کہ اس نے ایجاد کیا اور اُسے پیدا کیا اور اُسے بڑھایا۔ ہماری طرف اس لئے منسوب ہے کہ ہم نے اُس کی زراعت میں حرکت کی چنانچہ وہ حرکت جو مخلوق ہے ہم میں ظاہر ہوئی۔ یہ تمام افعال ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا کیا اور اپنے بندوں میں انھیں ظاہر کیا۔ فقط۔ اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔

افعال کی حقیقت

یہ قول جو افعال کے بارے میں ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اس کو صرف دو قسموں میں

پیدا کیا۔ جوہر حامل وعرض محمول۔ ناطق وغیر ناطق۔ جو غیر حی (غیر ناطق) ہے وہ تمام جمادات ہیں اور جو ناطق ہے وہ صرف ملائکہ وحورعین وجن وانس ہیں۔ ان کے علاوہ جتنے حیوانات ہیں وہ سب غیر ناطق ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جمادات میں اور حی غیر ناطق میں اور حی ناطق میں حرکت وسکون وتاثیر پیدا کی جس کو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ فلک متحرک ہے۔ بارش نازل ہوتی ہے۔ وادی میں سیلاب آتا ہے۔ پہاڑ ساکن ہے۔ آگ جلاتی ہے۔ برف ٹھنڈا کرتی ہے۔ اور اسی طرح ہر شے میں۔ اسی کو قرآن لایا ہے اور تمام زبانیں یہی لائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "تلفح وجوھھم النار" (ان کے چہروں کو آگ جھلس دیگی) اور فرمایا "فسالت اودیۃ بقدرھا فاحتمل السیل زبدا رابیا" (وادیاں اپنی مقدار کے مطابق بہ نکلیں پھر سیلاب نے بلند جھاگ اٹھائے)۔

اور فرمایا "فاما الزبد فیذھب جفاء واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض" (پھر جھاگ تو دور چلا جاتا ہے۔ لیکن جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے)۔

اور فرمایا "والفلک تجری فی البحر بامرہ" (اور کشتی اسی کے حکم سے دریا میں جاری رہے)۔ "والفلک تجری فی البحر بما ینفع الناس" (اور دریا میں کشتی وہ اشیاء لیجاتی ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں)۔ اس قسم کی آیات بہت کثرت سے ہیں۔

ان افعال کو جو جمادات میں ظاہر ہوتے ہیں۔ محض ان کے جمادات میں ظاہر ہونے کی وجہ سے ان کو جمادات کی طرف منسوب کرنے کو لغات بھی لائی ہیں (یعنی جو افعال جن جمادات سے ظاہر ہوتے ہیں عام محاورے میں انھیں انھیں جمادات کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے) اس امر میں کسی زبان میں بھی اختلاف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے بطور حکایت فرمایا ہے کہ

اُنھوں نے عرض کیا کہ "رب اجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام رب انھن اضللن کثیرا من الناس" (اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ اے میرے رب ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا) حضرت ابراہیم نے یہ بیان کیا کہ اصنام گمراہ کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "تذروہ الریاح" (ہوائیں اُس کو اڑاتی ہیں)۔ اور یہ تو حد شمار سے بھی زائد ہے۔

اعراض بھی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا فعل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "والعمل الصالح یرفعہ" (اور عمل صالح اُسے بلند کرتا ہے) "وذلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم اردیکم" (اور تمھارے اسی گمان نے جو تم نے اپنے رب کے ساتھ قائم کیا تم کو ہلاک کر دیا)۔ عمل بلند کرتا ہے اور گمان ہلاک کرتا ہے۔ اس کلام کی صحت میں کسی قوم نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ "اعجبنی عمل فلان وسرنی خلق فلان" (فلان کے عمل نے مجھے خوش کیا اور فلاں کے اخلاق نے مجھے مسرور کیا)۔ اس کی مثالیں بھی بہت ہیں۔ "ہم نے حرارت کو دیکھا کہ وہ تحلیل کرتی ہے اور اوپر لیجاتی ہے۔ اور برودت جماتی ہے" اس کی مثالیں بھی بہت ہیں اور ہم انھیں بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔

حی ناطق وحی غیر ناطق کی حرکت وسکون وتاثیر بھی ظاہر ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حی غیر ناطق وحی ناطق میں قصد ومشیت پیدا کی جو جمادات میں نہیں پیدا کی۔ مثلاً حیوان کا چرنے کا ارادہ کرنا اور اس کا ترک کرنا۔ اور کھانا اور اس کا ترک اور جو اس کے مشابہ ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حی ناطق میں تمیز کو پیدا کیا جو اُس نے حی غیر ناطق وجمادات میں نہیں پیدا کیا۔ اور یہ علوم ومعارف میں تصرف ہے۔ یہ سب وہ امر ہے جو مشاہدے میں ہے ان سب کو اللہ تعالیٰ نے جس کے اندر پیدا کیا ہے پیدا کیا ہے۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ نے صرف فعل کو اُس کی طرف منسوب کیا ہے جس سے اُس نے اس کو ظاہر کیا ہے۔

جیساکہ ہم نے بیان کیا اللہ تعالیٰ نے حی ناطق میں فعل و اختیار و تمیز کو پیدا کیا۔ اور حی غیر ناطق میں صرف فعل و اختیار کو پیدا کیا۔ اور جمادات میں صرف فعل کو پیدا کیا۔ اور یہ حرکت و سکون ہے جیساکہ ہم نے بیان کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے ایک تو وہ جو مکابرہ و مجاہرہ کرے (یعنی مشاہدہ وحس کی مخالفت کرے) مطبوع (صاحب طبیعت) کے فعل طبعی کا انکار کرے اور کہے کہ یہ اس کا فعل نہیں ہے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ نے اس میں فعل کیا ہے۔ اور ایک وہ جو مکابرہ و مجاہرہ کرے۔ مختار (صاحب اختیار) کے فعل اختیاری کا انکار کرے اور کہے کہ یہ اس کا فعل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس میں فعل کیا ہے۔ یہ دونوں امور حس سے محسوس ہوتے اور اول عقل و ضرورت سے معلوم ہوتے ہیں کہ یہ اس کا فعل ہے جس سے ظاہر ہوا ہے۔ یہ سب برہان ضروری سے معلوم ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے مطبوع و مختار کے اندر پیدا کیا ہے۔

اگر وہ اس قول کی طرف فرار کریں کہ اللہ تعالیٰ نے مختار کے فعل کو پیدا نہیں کیا اور وہ صرف مختار کا فعل ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہم پہلے ہی اس کا بطلان واضح کر چکے ہیں۔ لیکن ہم اس مقام پر تم سے اس امر سے معارضہ کرتے ہیں کہ تم میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مطبوع کا فعل بھی پیدا نہیں کیا اور وہ صرف مطبوع کا فعل ہے۔ مثلاً معمر وغیرہ جو اکابر معتزلہ میں سے ہے

اگر وہ یہ کہیں کہ جس نے یہ کہا اس نے غلطی کی اور کفر کیا۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ اس نے بھی غلطی کی اور کفر کیا جس نے یہ کہا کہ مختار کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا۔ اور کوئی فرق نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ جس طبیعت و مطبوع کی طرف جو لوگ فعل کو منسوب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کا خالق ہے لہذا وہ اس فعل کا بھی خالق ہے تو ہم ان سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی مختار کا بھی خالق ہے اور اس کے اختیار کا بھی خالق ہے اور اس کی قوت کا بھی خالق ہے۔ اور وہ لوگ جو فعل کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس فعل کا بھی خالق ہے اور کوئی

فرق نہیں ہے۔

اضافت تاثیرات وافعال یہ جو ہم نے بیان کیا کہ تاثیرات اور تمام افعال کی اضافت ہر اس شخص کی طرف ہے جس سے یہ ظاہر ہوں خواہ وہ جمادات ہوں یا عرض ہو یا ناطق ہو یا غیر ناطق ہو۔ تو اسی کی شریعت بھی شہادت دیتی ہے یہی قرآن اور تمام احادیث میں آیا ہے اور اسی کی مشاہدہ بھی شہادت دیتا ہے۔ یہ امر محسوس و مشاہد ہے اور اسی کی تمام روئے زمین کی زبانیں بھی شہادت دیتی ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ صرف زبان عرب شہادت دیتی ہے۔ بلکہ ہر زبان کہ جس میں ہم کسی کو مستثنیٰ نہیں کرتے۔ اور جو اس طرح ہو تو اس سے زیادہ صحیح کوئی چیز نہیں ہو سکتی

اگر وہ یہ کہیں کہ کیا تم لوگ جماد و عرض کو کاسب کہتے ہو۔ تو ہم کہیں گے۔ نہیں۔ اس لئے کہ ہم اس سے نہیں بڑھتے جو لغت میں آیا ہے۔ جو شخص اپنی رائے سے اس لغت کو بدلے جس میں قرآن نازل ہوا ہے تو وہ اس گروہ میں داخل ہو گیا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "یحرفون الکلم عن مواضعہ" (کلمات کو اس کے مقامات سے بدل دیتے ہیں) اور آپس کے سمجھنے سمجھانے کو بگاڑتے ہیں وہ سوفسطائیہ میں شامل ہو گیا۔ اگر یہ لغت میں آیا ہوتا تو ہم بھی یہی کہتے (یعنی جماد کو کاسب کہتے) جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا فاعل ہے اور ہم اس کو کاسب نہیں کہتے۔

اگر کہا جائے کہ کیا تم جمادات و عرض کو عامل کہتے ہو۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اس لئے کہ لغت میں آیا ہے اور اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ "الحدید یعمل والحر یعمل فی الاجسام" (لوہا عمل کرتا ہے اور حرارت اجسام میں عمل کرتی ہے) اسی طرح اس کے علاوہ بھی ہے۔

اگر کہا جائے کہ کیا تم کہتے ہو کہ جماد و عرض کے لئے استطاعت قوت وطاقت وقدرت ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہم تو صرف لغت کی پیروی کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جمادات و اعراض کے لئے قوتیں ہیں جن سے وہ افعال ظاہر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان میں پیدا کئے ہیں

اور ان میں اُن افعال کی طاقت ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ان میں قدرت ہے اور ہم یہ کہنے سے باز نہیں رہتے کہ ان میں طاقت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" وانزلنا الحدید فیہ باس شدید" (اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت قوت ہے) ہم کہتے ہیں کہ لوہا سخت طاقت والا اور بڑی قوت والا اور صاحب طاقت ہے۔ ہم سے کہہ چکے ہیں کہ ہم نام رکھنے اور تعبیر کرنے میں بالکل اُس سے نہیں بڑھتے جو لغت میں آیا ہے اور نہ ہم اللہ کے نام رکھتے اور اس سے متعلق خبر بیان کرنے میں اُس سے بڑھتے ہیں جو قرآن میں آیا ہے اور جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے۔ اور یہی وہ ہے جو برہان سے ثابت ہے اور اس کے سوا باطل وگمراہی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

خلق کیا ہے

یہ اعتراض کہ آیا خلق ہی کسب ہے یا غیر کسب۔ تو ہاں۔ ہمارا ہر شئے کا کسب جو ہم سے ظاہر ہے یا باطن اور ہمارا ہر کام اور ہمارے تمام اعمال و افعال۔ ضرور ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اس لئے کہ یہ سب امور شئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" انا کل شئی خلقناہ بقدر" (بیشک ہم نے ہر شئے کو اندازے سے پیدا کیا) لیکن ہم نے اسم کسب کو اُس جگہ سے آگے نہیں بڑھایا جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمیں یہ خبر دینے کے لئے واقع کیا ہے کہ ہمیں اُس کی جزا دی جائے گی جو ہمارے ہاتھ کسب کریں گے یا جو ہم کسب کریں گے۔ اور یہ قرآن مجید میں ایک سے زائد مقام پر ہے۔

یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کسب ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نہیں کہا اور نہ اس کے کہنے کی اجازت دی۔ اور نہ یہ کہنا جائز ہے کہ وہ (کسب) ہماری مخلوق ہے۔ اس لئے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو کہا اور نہ اس کے کہنے کی اجازت دی ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے جیسا کہ اُس نے تصریح کی ہے کہ وہ ہر شئے کا خالق ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ وہ ہمارا کسب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لھا ما کسبت

وعلیھا ما اکتسبت" نفس کو اسی کی جزا ملیگی جو اس نے کسب کیا اور اسی کی سزا ملیگی جو اُس نے کسب کیا) ہم نہ تو شریعت میں اُس (اللہ) کا نام رکھتے ہیں اور نہ ان اور ہیں جو اللہ تعالیٰ کے متعلق بیان کئے جائیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اُن زبانوں کا پیدا کرنے والا ہے جو اسماء کو بولتی ہیں، وہی اسماء کا پیدا کرنے والا ہے اپنے سوا تمام مسمیات کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہی اُس ہوا کا پیدا کرنے والا ہے جو حروف ہجاء پر منقسم ہو جاتی ہے پھر اُس سے اسماء مرکب ہو جاتے ہیں۔ جب اسماء اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اُس کے سوا تمام مسمیات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور تمام اسماء کا تلفظ کرنے والے جو اپنے آلات واعضاء سے نطق کرتے اور بولتے ہیں اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہیں، تو کسی کو اس کا حق نہیں کہ وہ کوئی ایسا اسم کسی مسمی پر واقع کرے جو اللہ تعالیٰ نے شریعت میں اُس پر واقع نہ کیا ہو یا اُس (اسم) کے اُس (مسمی) پر واقع کرنے کو اس طور پر مباح کیا ہو کہ اُس نے اہل لغت میں کلام کرنے کو مباح کر دیا ہو جس میں اللہ تعالیٰ نے آپس میں سمجھنے سمجھانے کا حکم دیا ہے اس طور پر کہ ہم اُس میں اپنے دین کا علم حاصل کریں اور اُس میں اُس کی تعلیم دیں۔

۴۸　اللہ تعالیٰ نے اس قول پر اس طرح تصریح کی ہے کہ اُس نے ایک ایسی قوم پر انکار کیا ہے جنھوں نے چند اسماء کو مسمیات پر واقع کر لیا تھا جن اسماء کی نہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دی تھی اور نہ اُن کے اُن مسمیات پر واقع کرنے کی اجازت دی تھی" ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم و اباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطٰن۔ ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس ولقد جاءھم من ربھم الھدیٰ ام للانسان ما تمنیٰ" (یہ تو محض وہ اسماء ہیں جو تم لوگوں نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں جن کے متعلق اللہ نے کوئی سند نہیں نازل کی۔ یہ لوگ محض گمان کی اور اپنی ہوائے نفسانی کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کے یہاں سے ہدایت آچکی ہے انسان کے لئے وہ نہیں ہوتا

جس کی وہ آرزو کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جو شخص کوئی ایسا اسم کسی مسمّی پر واقع کرے جس کو نص نے واجب نہ کیا ہو یا شریعت نے اس کی اجازت نہ دی ہو یا وہ منجملۂ لغت نہ ہو تو وہ شخص محض ظن (گمان) کی پیروی کرتا ہے اور ظن سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ وہ محض اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اتباعِ ہوا کو حرام کر دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ اس کے پاس سے ہدایت آچکی ہے۔
اور فرمایا ہے " وربك يخلق مايشاء ويختار۔ ماكان لهم الخيرة " (اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے ان لوگوں کو اختیار نہیں ہے)۔ لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں کہ اس قرآن و حدیث سے تجاوز کرے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہیں۔ اور توفیق اسی کی طرف سے ہے۔

ثابت ہو گیا کہ کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ ہمارے افعال ہماری مخلوق ہیں یا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسب ہیں۔ وہ حق جس کی مخالفت جائز نہیں یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور ہمارا کسب ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت میں آیا ہے جو قرآن ہے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ خلق تو ابداع و اختراع (ایجاد کرنا) ہے۔ اور یہ ہمارے لئے قطعاً نہیں ہے۔ ہمارے افعال ہماری مخلوق نہیں ہیں۔ کسب یہ ہے کہ شئے کو اپنی مشیت سے کرنے اور جمع کرنیوالے کی طرف منسوب کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے افعال میں اس امر کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ اس کا کسب ہے۔ اور وہی ہمارا مددگار ہے۔

تمام معتزلہ اس امر میں ہمارے موافق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو خالق اجسام کے ساتھ نامزد کرتے ہیں۔ سوائے معمر و عمرو بن بحر الجاحظ کے تمام معتزلہ باری تعالیٰ کو سوائے افعالِ مختارین کے خالق اعراض کہنے میں بھی ہمارے موافق ہیں۔ اور تمام معتزلہ اور معمر و جاحظ بھی باری تعالیٰ کو خالقِ اماتت واحیاء کہنے میں ہمارے موافق ہیں۔ یہ سب کے سب اس امر میں ہمارے موافق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوقات کا خالق اس لئے

کہا جاتا ہے کہ اُس نے اس کو ایجاد کیا اور یہ اس کے پہلے نہ تھی۔ جب اللہ تعالیٰ کا ان تمام اعراض کا پیدا کرنا جن میں ان لوگوں نے ہم سے اختلاف کیا تھا برہان سے ثابت ہوگیا تو واجب ہے کہ اُس کی مخلوق کہا جائے اور اُسے اس کا خالق کہا جائے۔

خلق افعال میں کلام

یہ اعتراض کہ جب ہمارے افعال اللہ کی مخلوق ہوں گے اور ہم سے اس کا خیال کیا جا سکتا ہے اور ہمارے ظاہر حال سے ہمارے سلامت اعضاء کی وجہ سے اس پر استطاعت بھی ہے کہ وہ افعال ہوں، تو ہم اس امر کے مدعی ہوں گے کہ ہمیں بظاہر حال اپنے سلامت اعضاء کی وجہ سے ہمیں اس پر استطاعت ہے اور ہم سے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُن افعال کے پیدا کرنے سے روک دیا جائے۔ اور جو اس کو جائز رکھے گا یہ اُس کا خالص کفر ہوگا۔

یہ الزام لایلزم ہے

درحقیقت یہ الزام معتزلہ پر ہے نہ کہ ہم پر۔ اس لئے کہ وہی اس کے قائل ہیں کہ وہ درحقیقت ترک افعال پر اور اُس وطی کے ترک پر جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ضرور ہوگی، اُس وطی سے اللہ تعالیٰ بچہ پیدا کرے گا، اور اُس مار کے ترک پر جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ضرور ہوگی اور اُسی سے موت ہوگی اور وہ مدت ختم ہوگی جو اُس کے نزدیک مقرر ہے۔ اور اُس کھیتی اور زراعت کے ترک پر جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ضرور ہوگی اور اس سے وہ سبزی پیدا ہوگی جس سے خوراک وزندگی ہوگی۔ قدرت واستطاعت رکھتے ہیں۔ تو لامحالہ وہی لوگ اللہ تعالیٰ کو اُس کے روکنے پر قادر ہوئے جس کے متعلق اُسے علم ہے اور اُس نے کہا ہے کہ وہ کرے گا۔

جو یہاں تک پہنچ جائے تو ضروری ہے کہ یا تو تائب ہو کر رجوع کرے اور اپنی جان پر احسان کرے۔ یا برباد و گمراہ اور مقلد اور جماعت سے منقطع رہے۔ یا اپنے قول کی پابندی پر قائم رہے تو پھر اُس کی تکفیر

کی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی اُسے ضرورت حس ومشاہدہ و ضرورتِ عقل وقرآن کی مخالفت بھی لازم آئے گی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہمارا جواب اس جگہ یہ ہے کہ ہم ہرگز اُس فعل پر قادر نہیں ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نہیں جانتا کہ ہم اُسے کریں گے۔ اور نہ اُس فعل کے ترک پر قادر ہیں جس کے متعلق اللہ کو علم ہے کہ ہم اُسے کریں گے۔ نہ ہم اللہ تعالیٰ کے علم کے فسخ کرنے پر قادر ہیں، نہ کسی ایسے فعل میں اُس کی تکذیب پر قادر ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اگرچہ ہم بظاہر حال اُس استطاعت کا اطلاق کرتے ہیں جس کا اللہ نے اطلاق کیا ہے جس استطاعت سے وہی افعال ہو سکتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ ہوں گے۔ اور اس سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ استطاعت اضافی ہے نہ کہ علی الاطلاق۔ لیکن ہم جو یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے اعضاء کی وجہ سے مستطیع ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس سے فعل کے سرزد ہونے کا وہم کیا جا سکتا ہے۔ اور بس۔

اگر وہ یہ کہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ تم اس کے قول کی تکذیب اور اُس کے علم کا ابطال کرو۔ کیونکہ اُس نے تمہیں ایسے فعل کا حکم دیا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ تم نکرو گے۔ تو ہم امر کے متحقق ہونے کے وقت کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا ایسے شخص کو امر کرنا کہ جس کو وہ جانتا ہے کہ اسے جو امر کیا جائے گا نکرے گا امر تعجیز ہے (یعنی وہ امر ہے جس کے ذریعے سے اُس کی عاجزی کا اظہار مقصود ہے) جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "کونوا حجارۃ او حدیدا" (تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ)۔ اور جیسے اُس کا یہ فرمانا "من کان یظن ان لن ینصرہ اللہ فی الدنیا والآخرۃ فلیمدد بسبب الی السماء ثم لیقطع فلینظر ھل یذھبن کیدہ ما یغیظ" (جو شخص یہ گمان کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا و آخرت میں ہرگز مدد نکرے گا تو اُسے چاہیئے کہ وہ آسمان تک ایک رسی دراز کرے پھر اُسے چاہیئے کہ (وہاں پہنچ کر سلسلۂ وحی کو)

منقطع کر دے۔ پھر دیکھے کہ اُس کی تدبیر اُس چیز کو لیجاتی ہے جس پر اُسے حسد ہے یعنی اول تو یہ تدبیر ہی ناممکن ہے اور دوسرے ممکن بھی ہو تو اس سے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت و نصرت بند ہو گی نہ وحی)

معتزلہ کی حیرت اس مقام پر معتزلہ حیران ہیں بعض نے تو یہاں تک کہدیا کہ اگر زید قتل نہ کیا جاتا تو ضرور زندہ رہتا۔ ابوالہذیل نے کہا کہ وہ اگر قتل نہ کر دیا جاتا تو ضرور مر جاتا۔ جو اس کے قائل ہیں کہ اگر زید قتل نہ کیا جاتا تو ضرور زندہ رہتا انھوں نے قرآن کی اس آیت سے دھوکا دیا ہے" ومایعمر من معمر ولا ینقص من عمرہ الا فی کتاب" (اور جس عمر والے کو عمر دیجاتی ہے اور جس کی عمر کم کیجاتی ہے تو یہ سب کتاب میں ہے)۔ اور اس حدیث سے "من سرہ ان ینسأ فی اجلہ فلیصل رحمہ" (جو اس سے خوش ہو کہ اُس کی اجل میں تاخیر کر دیجائے تو اُسے صلۂ رحم کرنا چاہیئے یعنی محرم قرابت داروں کے ساتھ نیکی کرنا چاہیئے)

کوئی دلیل نہیں ان میں سے کسی میں بھی اُن کے لئے کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنے ظاہر کے اعتبار سے اُن کے اوپر حجت ہے۔ اس لئے کہ جس لغت میں قرآن نازل ہوا ہے اُس میں لفظ نقص باب اضافت میں سے ہے (یعنی ایک ہی شے کسی شے کی طرف منسوب ہو تو اُس میں نقص معلوم ہو اور وہی شے دوسری شے کی طرف منسوب ہو تو بجائے نقص کے اُس میں کمال معلوم ہو یہی اضافت ہے) اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ جس شخص کی عمر سو برس کی ہو اور دوسرے کی عمر اسّی برس کی ہو تو جس کی عمر اسّی برس کی ہے اُس میں دوسرے کی عمر کے عدد سے بیس برس کا نقص ہے یہی ظاہر آیت اور اُس کا مقتضا ہے۔ نہ کہ وہ جس کا بے عقل لوگوں نے گمان کیا ہے کہ۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احکام کے تحت میں چلتا ہے کہ اگر وہ زید کو ماریں گے تو وہ اُسے موت دے گا اور اگر لوگ اُسے نہ ماریں گے تو وہ اُسے موت نہ دے گا۔

یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر محقق وغیر ثابت ہے کہ کبھی وہ زید کو سو برس زندہ رکھتا ہے اور کبھی اُسے اس سے کم زندہ رکھتا ہے۔ بعینہٖ یہی بداء ہے۔ اور اس قول سے اللہ کی پناہ ہے!

تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے حکم و علم کے تحت میں اور تصرف میں ہے۔ کوئی بھی اس سے تجاوز کرنے پر قادر نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہوگا۔ اس کے سوا قطعاً نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہے کہ ہوگا۔ قتل تو انواع موت میں سے ایک نوع ہے۔

جو شخص یہ سوال کرے کہ مقتول کو اگر قتل نہ کیا جاتا تو وہ مرتا یا زندہ رہتا تو اس کا سوال ہی لغو ہے۔ اس لئے کہ وہ یہی سوال کر رہا ہے کہ یہ مردہ اگر نہ مرتا تو آیا مرتا یا نہ مرتا۔ اور یہ نہایت حماقت ہے۔ اس لئے کہ قتل تو موت مقتول کی علت ہے۔ جیسا کہ مہلک بخار و بدہضمی اور تمام امراض مہلکہ اس موت کے لئے علت ہوتے ہیں جو ان سے پیدا ہوتی ہے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "جو اس سے خوش ہو کہ اس کی اجل میں تاخیر کر دی جائے تو اُسے صلۂ رحم کرنا چاہئے" تو یہ صحیح ہے اور قرآن کے موافق اور مشاہدے کے مطابق ہے۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ زید صلۂ رحم کرے گا اور یہ اس کا سبب ہوگا کہ وہ عمر کے فلاں فلاں سال تک پہنچے۔ دنیا میں جو بھی زندہ ہے وہ اسی طرح ہے اس لئے کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ وہ اُسے اتنے اتنے زمانے تک کی عمر دے گا تو اُسے اس کا بھی علم ہے اور اس نے اس کا بھی اندازہ کیا ہے کہ وہ شخص کھانے اور پانی سے غذا حاصل کرے گا' ہوا سے سانس لے گا اور اس مدت تک جس کا پورا کرنا اُسے ضروری ہے آفاتِ مہلکہ سے بھی محفوظ رہے گا۔

مسبب و سبب دونوں اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے اس طرح ہیں کہ اُن میں کوئی تبدل و تغیر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

"مایبدل القول لدی" (میرے یہاں قول بدلا نہیں جاتا)۔ اگر اس
خلاف ہوتا تو پھر بدآء لازم آتا۔ لامحالہ جو ہونے والا ہے اُس کا دہ
(جاننے والا) نہ ہوتا۔ اس میں تشکک (شک کرنے والا) ہوتا کہ ہو
نہ ہوگا۔ اس سے بالکل جاہل ہوتا۔ اور یہ مخلوقین کی صفت ہے نہ
کی۔ اور یہ اُس کا کفر ہے جو اس کا قائل ہو۔ اور معتزلہ بھی اس کے قائ

اللہ گواہ ہے

جو کچھ ہم نے کہا ہے نص قرآن اُسی کی صحت کی شہاد
دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لوکنتم فی
لبرز الذین کتب علیہم القتل الی مضاجعہم" (اگر تم اپنے گھر
میں رہتے جب بھی جن کے لئے قتل لکھدیا گیا ہے اُن کی خواب گا
میں اُس کا ظہور ہوتا)

فرمایا ہے "قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت
(آپ کہدیجئے کہ بھاگنا ہرگز تمھیں مفید نہ ہوگا اگر تم موت یا قتل سے

فرمایا ہے "اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بر
مشیدہ" (تم کہیں بھی ہو۔ موت تمھیں پا جائے گی اگرچہ تم پختہ
بند گنبدوں ہی میں ہو)۔ اُس قوم کے قول کے رد میں فرماتا ہے
میدان میں معتزلہ چل رہے ہیں "الذین قالوا لاخوانہم و قعدو
اطاعونا ما قتلوا۔ قل فادرءوا عن انفسکم الموت ان کنتم صا
(وہ لوگ جنھوں نے اپنے بھائیوں کے لئے کہا اور وہ خود بیٹھے
(یعنی جہاد کے لئے نہیں گئے) کہ اگر یہ لوگ ہمارا کہنا مانتے تو قتل نہ ک
آپ کہدیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے ہی کو موت سے بچا لو)۔

فرمایا ہے "یا ایہا الذین امنوا لا تکونوا کالذین کفروا و
لاخوانہم اذا ضربوا فی الارض او کانوا غزا لو کانوا عندنا ما
وما قتلوا لیجعل اللہ ذلک حسرۃ فی قلوبہم واللہ یحیی و یمی
(اے مومنین تم اُن کے مثل نہ ہو جنھوں نے کفر کیا اور اپنے بھا
کے لئے کہا جب اُنھوں نے سفر کیا یا اُنھوں نے جہاد کیا تھا کہ اگر

پاس رہتے نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کلام کو انہیں کے دلوں میں حسرت بنا دے۔ اور اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے)۔

فرمایا ہے "وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابا موجلا" (اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو بغیر حکم الٰہی مر سکے۔ جو لکھا ہوا ہے اور اس کا زمانہ معین ہے)۔

یہ وہ نصوص و آیات ہیں کہ ان کو سننے کے بعد جو نہ مانے وہ کفر سے الگ نہیں رہ سکتا۔ نعوذ باللہ من الخذلان۔ ۵

بعض معتزلہ نے اس طرح دھوکا دیا ہے کہ اس نے اس آیت کو بیان کیا ہے "ثم قضی اجلا واجل مسمی عندہ" (پھر اس نے ایک مدت کا حکم دیا۔ اور مدت اس کے یہاں نامزد ہے)۔

یہ آیت ان لوگوں پر حجت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے ایک مدت کا حکم دیا اور اس نے یہ نہیں فرمایا کہ ایک شے کے لئے نہ کہ دوسری شے کے لئے۔ لیکن اس سب پر فرمایا ہے اور مدت اس کے یہاں معین ہے" وہ مدت جو اس کے یہاں معین ہے بلاشک وہی مدت ہے جس کا اس نے حکم دیا۔ کیونکہ اگر اس کے علاوہ ہوتی تو جب اس سے کم و بیش کرنا ممکن ہوتا تو دو میں سے ایک مدت مدت نہ ہوتی۔ لیکن باری تعالیٰ باطل کرنے والا ہے۔ کیونکہ اس نے اس کا نام اجل و مدت رکھا ہے۔ اور یہ کفر ہے جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہو سکتا۔ اور شے کی اجل و مدت اس کی وہی میعاد ہے جس سے وہ تجاوز نہ کرے ورنہ اس کا نام اجل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کے یہاں جو مدت معین ہے وہ اس مدت کے مغایر ہے جس کا اس نے حکم دیا۔

ہر شے کی اجل و مدت اس شے کے ختم ہونے کا وقت ہے۔ ہم بدیہی طور پر اس کو جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بھی اسے واضح کرتا ہے۔ "فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون" (پھر جب ان کی اجل آجاتی ہے تو نہ وہ اس سے ایک ساعت پیچھے ہٹتے ہیں نہ آگے بڑھتے ہیں)۔ اور فرمایا "ولن یؤخر اللہ نفسا اذا جاء اجلھا"

(اور جب کسی کی اجل آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ہر گز مہلت نہیں
ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بھی خبر دی ہے اور فرمایا ہے" وما
لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتاب مؤجلا" (اور کوئی شخص ایسا نہیں
جو بغیر حکم الٰہی مر سکے۔ جو لکھا ہوا ہے اور اُس کی مدت معین ہے۔) ان تمام آیات نے اُس
ظاہر کر دیا جو ہمارا قول ہے اور جو اس کے خلاف کہتا ہے اُس کی تکذ
کر دی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ارزاق کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے اور فرمایا ہے" اللہ ا
خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم" (اللہ وہ ہے جس نے تم
پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو زندہ کرے گا)
فرمایا ہے۔ "وخلقناکم ازواجا" (ہم نے تمھیں جوڑہ جوڑہ پیدا کیا ہے
ہر مال حلال کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رزق دیا۔
ہر حلال عورت کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمارا جوڑہ
یا ہمیں اُس کا مالک بنایا۔ جو مال ہم ناحق لیلیں اور جو عورت ناحق لیلیں تو
یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ مال اللہ نے ہمیں رزق دیا، یا اللہ نے ہمیں اُس کا
بنایا یا اللہ نے ہمیں وہ عطا کیا، اور نہ یہ کہنا جائز ہے کہ اُس عورت کو اللہ
ہمارا جوڑہ بنایا، اور نہ یہ کہ اللہ نے ہمیں اُس کا مالک بنایا، اور نہ یہ کہ اللہ
اُس سے ہمارا نکاح کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ کہنے کی اجازت نہیں، د
اس لئے کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ نام رکھنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے نہ کہ
ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مال اور اس عورت میں مبتلا کی
ان دونوں سے ہمارا امتحان کیا اور ان دونوں سے ہمیں گمراہ کیا۔ اُس
ہمارے ان دونوں کے مالک بننے کو اور اُس عورت سے ہمارے نکا
اور ہمارے ان دونوں کے استعمال کو پیدا کیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اُس نے ہ
حرام کھلایا یا ہمارے لئے حرام کو مباح کیا، ہمیں حرام کو ہبہ کیا اور ہمیں حرام عطا کیا۔ ج
ہم نام رکھنے کو بیان کر چکے ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

افعال میں شرکت | معتزلہ کا یہ اعتراض کہ جب تمھارے افعال تمھارے

اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں گے تو لازم آئے گا کہ ان افعال میں تم لوگ
اُس کے شریک ہو۔ اس کا جواب یہ ہے، وباللہ التوفیق، کہ ان لوگوں نے
جس قدر ملمع کاری کی ہے یہ اُن میں سب سے زیادہ لغو ہے۔ یہ انھیں
لوگوں پر عائد ہوتا ہے اس لئے کہ یہ اس کے قائل ہیں کہ یہ لوگ اپنے
افعال کے موجد و خالق ہیں جو اعراض میں سے ایک حصہ اور بعض ہیں۔
اللہ تعالیٰ تمام اعراض کا فاعل و موجد و خالق ہے تو یہ عین شرک اور حقیقت معنیٰ
میں تشبیہ ہے۔ اور وہ معنی اختراع و ایجاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے
بیحد بلند و برتر ہے۔

ہم لوگوں نے جو کچھ کہا ہے اُس میں اللہ تعالیٰ کا شرک لازم نہیں آتا۔
اس لئے کہ شرک جب لازم آتا ہے کہ دونوں مشترک جس چیز میں اُن کا اشتراک
ہے دونوں متفق ہوں۔ برہان یہ ہے کہ ہمارے اموال ہماری ملک ہیں
اور اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں۔ اس پر ہمارا اور معتزلہ کا اجماع و اتفاق ہے۔
یہ اس کو واجب نہیں کرتا کہ ہم اس میں اس کے شریک ہوں۔ اس لئے
کہ جہاتِ ملک میں اختلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ تو اس لئے اُس کا مالک ہے کہ وہ اُس کی مخلوق ہے
اور وہی اُس میں ہم پر تصرف کرنے والا اور جس طرح چاہے اُسے ہم سے
اور ہمیں اُس سے منتقل کرنے والا ہے۔

ہماری ملک اس لئے ہے کہ وہ کسب ہے، اور ہم اُس کے احکام
کے پابند کئے گئے ہیں، اور اُن وجوہ سے اُس میں ہمارے لئے تصرف
مباح ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مباح کردی ہیں۔

ہم اس کے عالم ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں
اور اللہ تعالیٰ بھی اس کا عالم ہے۔ یہ اس امر کا موجب نہیں ہے کہ ہم اس
علم میں اُس کے شریک ہوں اس لئے کہ اس علم میں بھی امر مختلف ہے۔
ہمارا علم تو ایک عرض ہے جو ہمارے اندر محمول و قائم ہے جو ہمارے
مغایر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم اُس کا غیر نہیں ہے۔ اس کی مثالیں

اس قدر کثرت سے ہیں کہ ایک زمانۂ دراز میں بھی اُن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ تفصیل کے ساتھ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی اُن کا شمار نہیں کر سکتا۔ معتزلہ کے نزدیک یہ کیسے ہو گیا کہ ان تمام وجوہ میں ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اشتراک لازم نہیں آیا اور ایک ایسی شے میں اُس کا شریک ہونا لازم آگیا جس میں اشتراک کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا ہمارے افعال کا پیدا کرنا ہے کہ وہ تو ان معنی میں اُن افعال کا فاعل ہے کہ وہ ان کا موجد ہے اور ہم ان معنی میں ان کے فاعل ہیں کہ اُن کا ظہور ہمارے ہی اندر ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ان افعال میں فعل کے خلاف ہے ہمارے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ تمام افعال بجہت خلق اللہ تعالیٰ کے ہیں اور بجہت کسب ہمارے ہیں۔

میں نے شیخ ابو الحسن طرابلسی معتزلی سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ افعال کی بھی جہات ہیں۔ اور بعض معتزلہ نے اضافہ کیا اور کہا کہ کیا یہ افعال اعراض نہیں ہیں۔ عرض عرض کی حامل نہیں ہوتی اور نہ صفت صفت کی حامل ہوتی ہے۔

یہ اس کے قائل کا جہل اور ایک قضیۂ فاسدہ ہے جو متکلمین کی ہزلیات ولغویات میں سے ہے۔ یہ وہ قول ہے جسے قرآن اور عقل اور تمام لغات کا اجماع اور مشاہدہ رد کرتا ہے۔

قرآن تو اس طرح رد کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "عذاب عظیم" (بڑا عذاب) "عذاب الیم" (دکھ دینے والا عذاب) "ولنذیقنهم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر" (اور ضرور بالضرور ہم انھیں عذاب اکبر کے علاوہ عذاب ادنیٰ چکھائیں گے)۔ اور فرمایا ہے "وانبتها نباتا حسنا" (اور زکریا نے مریم کی اچھی طرح پرورش کی) اور فرمایا ہے "ان کید الشیطان کان ضعیفا" (بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے) اور فرمایا ہے "ومکروا مکرا کبارا" (اور ان لوگوں نے (حضرت نوحؑ کے ساتھ) بہت بڑا مکر کیا)۔ اور فرمایا ہے "ان کیدکن عظیم" (بیشک تم عورتوں کا مکر بہت بڑا ہے) اور فرمایا ہے "وجاؤ بسحر عظیم" (اور فرعون والے ساحروں نے بہت بڑا جادو کیا)

اور فرمایا ہے "صفراء فاقع لونہا" (وہ گائے (جس کی قربانی کی جائے) زرد رنگ کی ہو جس کا رنگ دیکھنے والوں کو (اچھا معلوم ہو) ۔ اور فرمایا ہے "قد بدت البغضاء من افواہہم" (ان کے منھوں سے عداوت ظاہر ہو رہی ہے) اور فرمایا ہے "الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ" (کلام طیب اسی کے پاس چڑھ جاتا ہے اور عمل صالح کو وہ بلند کرتا ہے) ۔ اور فرمایا ہے "وذالکم ظنکم الذی ظننتم بربکم اردیکم" (اور تمہارے اس گمان نے تم کو ہلاک کیا جو تم نے اپنے رب کے ساتھ قائم کیا) اور فرمایا ہے "اتبعوا ما اسخط اللہ" (ان لوگوں نے اس کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا)۔ اور فرمایا ہے "فلما اضاءت ما حولہ" (پھر جب برق نے اس کے ارد گرد کو روشن کر دیا) اور فرمایا ہے "تلفح وجوہہم النار" (آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی) ۔ اور فرمایا ہے ۔ "فاخذتکم الصاعقۃ" (پھر انھیں کڑکنے والی بجلی نے پکڑ لیا) ۔ اور فرمایا ہے "مما تنبت الارض" (ان چیزوں میں سے جنھیں زمین اگاتی ہے) اور فرمایا ہے "لما یتفجر منہ الانہار" (بعض پتھر وہ ہیں جن سے پھٹکر نہریں جاری ہیں) اور فرمایا ہے "فیخرج منہ الماء (پھر اس پتھر سے پانی نکلتا ہے) اور فرمایا ہے "فسالت اودیۃ بقدرہا فاحتمل السیل زبدا رابیا فاما الزبد فیذہب جفاء واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض" (پھر وادیاں بقدر اپنی وسعت کے بہ نکلیں پھر سیلاب نے بلند جھاگ کو اٹھا لیا ۔ لیکن جھاگ تو دور چلا جاتا ہے ۔ لیکن جو پانی لوگوں کے لئے مفید ہوتا ہے وہ زمین میں ٹھیر جاتا ہے) ۔ اور فرمایا ہے "والفلک تجری فی البحر بما ینفع الناس" (اور دریا میں کشتی ان چیزوں کو لیجاتی ہے جو لوگوں کو فائدہ دیتی ہیں)۔

اللہ تعالیٰ کا عذاب کو عظم و ایلام کے ساتھ موصوف کرنا اور اس کے ساتھ کہ اس میں اکبر و ادنیٰ ہے ۔ نبات کو حسن کے ساتھ

کید شیطان کو ضعف کے ساتھ۔ کید نسوان کو عظم کے ساتھ مکر کو کبر کے ساتھ سحر کو عظم کے ساتھ۔ لون یعنی رنگ کو فقوع یعنی اچھا معلوم ہونے کے ساتھ موصوف کرنا اور یہ بیان کرنا کہ عداوت ظاہر ہوتی ہے۔ کلام طیب اللہ تعالیٰ کے پاس چڑھ جاتا ہے۔ اعمال صالحہ کو کلام طیب بلند کرتا ہے۔ گمان ہلاک کرتا ہے۔ خراب عمل اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے۔ اور اس قسم کی مثالیں قرآن میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں اس سے بھی زیادہ ہیں کہ وہ کسی بڑی بھاری کتاب میں سما سکیں پھر اللہ تعالیٰ کی اس شہادت کے بعد جو ہم نے بیان کی کسی مرد مسلم کی زبان ان میں سے کسی شئے کے انکار پر کیسے اس کی مدد کرتی ہے۔

لغت میں کوئی بھی اس قول کا انکار نہیں کرتا کہ "صورت حسنہ۔ صورت قبیحہ۔ حمرت مشرقہ۔ (چمکدار سرخی) حمرت مضیئہ۔ (روشن سرخی) حمرت کدرہ (گندلی سرخی) اور یہ کہنے میں بھی اہل دنیا میں سے کوئی اختلاف نہیں کرتا کہ" مجھ سے فلاں عمل بیان کرو۔ یہ عمل موصوف ہے۔ اور عمل کی یہ صفت ہے۔ اور بعینہ یہی وہ چیز ہے جس کا معتزلہ نے انکار کیا ہے۔ حالانکہ یہ شمار سے بہت زائد ہے۔

لیکن حس و عقل" اور معقول تو ہر صاحب فہم یقیناً جانتا ہے کہ کیفیات اشد و اضعف کو قبول کرتی ہیں (یعنی صفت کبھی شدید ہوتی ہے کبھی ضعیف) یہ خاصہ اس صفت کا ہے جو اپنے غیر میں پائی جائے۔ اور یہ سب عرض ہے جو عرض کی حامل ہے اور صفت ہے جو صفت کی حامل ہے۔

معتزلہ سے مقابلہ

بعض معتزلہ نے مجھ سے اس امر میں معارضہ و مقابلہ کیا ہے کہ اگر ایسا ہوتا کہ عرض عرض کی حامل ہوتی تو اس عرض کی ایک دوسری عرض حامل ہوتی اور اسی طرح ہمیشہ۔ اور یہ ایسے اعراض کے وجود کو واجب کرتا ہے جن کی انتہا نہ ہو۔ اور یہ باطل ہے

اعتراض کی تحقیق

میں نے کہا کہ ایسے فاسد دعوے سے مشاہدات کا

انکار نہیں ہو سکتا۔ اور یہ جو تم نے بیان کیا ہے لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ ہم نے یہ نہیں کہا کہ ہر عرض کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ ہمیشہ حامل ہو گی ہم یہ کہتے ہیں کہ بعض اعراض ایسی بھی ہیں جو اعراض کی حامل ہوتی ہیں مثلاً وہ اعراض جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ بعض اعراض وہ ہیں جو اعراض کی حامل نہیں۔ ہر ایک اُس مرتبے پر جاری ہے جس پر اللہ نے اسے ترتیب دیا اور پیدا کیا۔ ان میں سے ہر ایک شے کے لئے حد و نہایت ہے جس کے پاس وہ ٹھہر جاتی ہے اور زائد نہیں ہوتی۔ ہم لوگ تو جب ہمارے درمیان کوئی ایسا جسم پایا جائے جو دوسرے جسم سے اپنے طول یا عرض میں کچھ زیادہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زیادت اس قدر موجود ہے جس کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ یہ زیادت وہاں ختم ہو جاتی ہے اور رک جاتی ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے اسے ترتیت دیا ہے۔ علم صرف اشیاء کا اُس حالت پر جان لینا ہے جس پر وہ ہیں۔

ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ سیب کی سرخی شفتالو کی سرخی سے مختلف ہے یا نہیں۔ لامحالہ انھیں یہ کہنا پڑے گا کہ وہ اُس سے صفت میں قدرے مختلف ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ مشاہدے ہی کا انکار کریں ہم اُن سے کہیں گے کہ آیا سرخی زردی سے مختلف ہے یا نہیں۔ اب تو ہاں کہنا ہی پڑے گا۔ ہم اُن سے کہیں گے کہ آیا سرخی کا سرخی سے اختلاف وہی ہے جو سرخی کا زردی سے اختلاف ہے یا نہیں۔ اس کا جواب نفی میں ضروری ہے۔ اگر وہ بجائے "نہیں" کے "ہاں" کہیں تو انھیں یہ لازم آئے گا کہ زردی ہی سرخی ہے۔ کیونکہ زردی سے سرخی صرف اسی چیز میں مختلف ہے جس چیز میں ایک سرخی سے دوسری سرخی اور سبزی۔ اس وقت سرخی و زردی میں دو صفتیں ہوں گی جن کی وجہ سے یہ دونوں مختلف ہیں سوائے اُس صفت کے جس کی وجہ سے ایک سرخی دوسری سرخی اور سبزی کے خلاف ہوتی ہے۔ لہٰذا یقیناً ضروری مشاہدے سے ثابت ہو گیا کہ

صفت کبھی صفت کی اور عرض کبھی عرض کا حامل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ترتیب دیا ہے۔ اور یہ سب لامحالہ متناہی و محدود ہیں۔

عرض وجوہر کی تحقیق

ان معانی اور ان کے متناہی ہونے ہیں تحقیق کلام یہ ہے کہ تمام عالم جوہر حامل (موصوف) اور عرض محمول (صفت) ہے اور اس سے زیادہ نہیں ہے۔

جوہر اجناس و انواع ہیں اور عرض بھی اجناس و انواع ہیں۔ اجناس محصور و محدود ہیں جس پر براہین قائم ہیں۔ ہم نے ان براہین کو کتاب التقریب میں بیان کیا ہے جن میں عمدہ یہ ہے کہ اجناس کی تعداد بلاشک اُن انواع سے کم ہے جو ان اجناس کے تحت میں منقسم ہیں۔ انواع کی تعداد اجناس سے زائد ہے۔ کیونکہ یہ ضروری ہے کہ ہر جنس کے تحت میں دو یا دو سے زائد انواع ہوں۔ یہ بدیہی ہے کہ کثرت و قلت صرف اُسی شے کے تحت واقع ہوتی ہیں جو اپنے مبدا و منتہا میں ذی نہایت و متناہی و محدود ہو۔ اس لئے کہ جس کی نہایت نہ ہوگی یہ ناممکن ہے کہ کوئی شے اُس سے زائد یا کم یا اُس کے مساوی ہو کیونکہ یہ چیز حد و نہایت کی موجب ہے۔ عالم ذو نہایت و محدود ہوا اس لئے کہ عالم سوائے اجناس و انواع کے کوئی اور شے نہیں ہے اور اجناس وانواع لامحالہ جواہر و اعراض ہیں۔ اور بس۔

معانی صرف وہی ہیں جو اُن اشیاء کے لئے ہوتے ہیں جنھیں الفاظ کے ذریعے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جب یہ اسی طرح ہے جیسا ہم نے بیان کیا تو ہم تو اشیاء کا محض اُن کی اُنھیں صفات سے اندازہ کرتے ہیں جن سے اُن کے حدود قائم ہوتے ہیں۔

مثلاً ہم کہتے ہیں کہ انسان کیا ہے؟ پھر جواب دیتے ہیں کہ وہ ایک جسم ہے جو ملوّن (رنگین) ہے اُس میں ایک ایسا نفس ہے جس کا علوم و صناعات میں متصرف ہونا ممکن ہے۔ اور وہ جسم حیات و موت کو قبول

کرتا ہے۔ پھر کہا جائے کہ جسم کیا ہے، نفس کیا ہے، لون کیا ہے، صناعات کیا ہیں، علوم کیا ہیں، حیات کیا ہے اور موت کیا ہے۔ جب ان تمام الفاظ کی تفسیر کی جائے اور ہر اس شے کا پتہ دیا جائے جس پر یہ واقع ہوتے ہیں۔ اور ایسا ہی تمام اجناس وانواع میں کیا جائے تو معانی تمام ہو گئے اور ختم ہو گئے۔ غیر متناہی تک بڑھانا قطعاً ممکن نہیں۔ اس لئے کہ جس شے کو بولا جائے یا عقل سے ادراک کیا جائے تو وہ اجناس وانواع کی حد سے ہرگز نہ بڑھے گی۔ اجناس وانواع جیسا کہ ہم نے بیان کیا محصور ومحدود ہیں۔ جو شے افراد واشخاص میں سے حد فعل و وجود میں آجائے گی تو عدد اُس کا حصر کرے گا اس لئے کہ وہ صاحب مبدأ ہے (یعنی کہیں سے اُس کی ابتدا ہوئی ہے) اور جس شے کا عدد حصر کرنے تو وہ ضرور متناہی ہے۔ تمام معانی جو اعراض سے ہوں یا غیر اعراض سے ہوں وہ ہماری بیان کی ہوئی برہان صحیح کے مطابق محصور ومحدود ہوں گے

برہان صحیح یہ ہے کہ ہر وہ شے جو عالم میں ہے جس کا وجود زمانے میں ہو گیا ہے جب سے عالم کا وجود ہے وہ جنس ہو یا عرض ہو تو ان سب کا عدد محصور ہے مدت متناہی ہے اپنی ذات میں اور اپنے مبدا و منتہا میں اور اپنے عدد میں ذو غایت ومحدود ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم اپنے اجسام کے بالوں کے شمار کرنے سے عاجز ہیں حالانکہ ہم یقین کر سکتے ہیں کہ وہ سب بلاشک عدد والے اور متناہی ہیں جو کچھ عالم میں ہے اُس کی تعداد کے شمار کرنے سے ہمارے قول کا قاصر ہونا اس امر کے لئے پیش نہیں کیا جا سکتا کہ عالم کے جواہر و اعراض کے تمام اشخاص میں حد و نہایت کا وجود ضروری ہے۔

عذاب وعقاب معتزلہ کا یہ کہنا کہ جب ہمارا فعل اللہ کا پیدا کیا ہوا اور مخلوق ہے۔ پھر اُس پر وہ ہم پر عذاب کرے تو وہ اپنے ہی پیدا کئے ہوئے اور مخلوق پر عذاب کرے گا۔

بتوفیق الٰہی جواب یہ ہے کہ یہ لازم نہیں آتا۔ اگر ہمیں لازم آئے گا تو

اُنھیں بھی لازم آئے گا جب کہ (اُن کے نزدیک) اللہ تعالیٰ ہمارے اُس ارادہ وحرکت پر جو ہم سے واقع ہوں ہم پر عذاب کرے گا تو وہ ہماری ہر حرکت یا ہمارے ہر ارادے پر عذاب کرے گا بلکہ ہر حرکت وارادے پر جو عالم میں ہو عذاب کرے گا۔

اگر یہ کہیں کہ وہ تو صرف ہماری اُس حرکت وارادے ہم پر عذاب کرے گا جو اُس کے حکم کے خلاف ہم سے واقع ہو۔ ایسا ہی ہم بھی کہتے ہیں کہ وہ ہم پر صرف اپنی اسی مخلوق کی وجہ سے عذاب کرے گا جو ہمارے اندر اُس کے حکم کے خلاف ظاہر ہو گی اور وہ ہماری طرف منسوب ہو گی اور ہمارے اُس شے کو اختیار کرنے کی وجہ سے جو ہمارے اندر پیدا کی گئی وہ ہماری مکتسب (حاصل کی ہوئی) ہو گی۔ نہ کہ ہر اُس شے پر وہ عذاب کرے گا جو ہمارے اندر یا ہمارے غیر میں اُس نے پیدا کی ہے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہ خبر دیتا کہ وہ اُس پر بھی عذاب کرے گا جو اُس نے ہمارے غیر کے اندر پیدا کی تو ہم ضرور اس کے بھی قائل ہوتے اور ضرور اس کی تصدیق کرتے۔ جیسا کہ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ بعض قوموں پر اُس چیز کی وجہ سے عذاب کرے گا جو انھوں نے کبھی نہیں کی ہے اور نہ اُنھوں نے اُس چیز کا مشورہ دیا ہے۔ لیکن اُس چیز پر عذاب کرے گا جو ان کے غیر کریں گے کہ ان کے ایک ہزار برس بعد آئیں گے اس لئے کہ یہ لوگ سب سے پہلے لوگ تھے جنھوں نے اس قسم کا فعل کیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولیحملن اثقالہم مع اثقالہم" (اور ضرور ضرور یہ لوگ اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسروں کے بوجھ بھی اُٹھائیں گے) حضرت آدم کے ایک بیٹے نے جو کچھ کہا تھا اُس کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے "انی ارید ان تبوء باثمی واثمک فتکون من اصحاب النار" (میں یہ چاہتا ہوں کہ تو ہی میرا اور اپنا گناہ برداشت کرے اور اہل دوزخ میں سے

ہوئے)۔ اور فرمایا ہے "لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیمۃ ومن اوزار الذین یضلونھم بغیر علم الا ساء ما یزرون (تاکہ قیامت کے روز یہ لوگ اپنے بوجھے بھی پورے اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھے بھی جن کو یہ لوگ غیر علم سے گمراہ کرتے ہیں۔ دیکھو تو یہ کیسے برے بوجھے اٹھاتے ہیں)۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس قول کے معارض نہیں ہے "وماھم بحاملین من خطایاھم من شئ" (اور وہ لوگ ان کے گناہوں میں سے کسی چیز کے بھی اٹھانے والے نہ ہوں گے)۔ بلکہ یہ دونوں آیتیں آپس میں متفق ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جن گناہوں کی نفی کی ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے اٹھائے گا تو یہ اس معنی میں ہے کہ اس شخص کا ان گناہوں کا اٹھانا ان گناہوں کے عامل کے عذاب میں سے کچھ گھٹا دے گا۔ تو یہ نہ ہو گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی کر دی لیکن مرتکب معاصی کے سے عذاب کو برداشت کرنا جو خود اس کے عذاب کے ساتھ شامل کر کے دو چند اور زائد کر دیا جائے گا اس مرتکب معاصی کے عذاب میں سے کچھ بھی گھٹانے والا نہ ہو گا۔ یہی ضروری و موجود ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جو شخص اسلام میں کوئی برا طریقہ نکالے گا تو جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے بوجھ کے برابر اس پر بھی ہمیشہ بوجھ ہوتا رہے گا کہ اس کا بوجھ اس طریقۂ بد پر عمل کرنے والوں کے بوجھوں سے بھی کچھ کم نہ کرے گا۔

اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہوتی کہ وہ ہم پر ہمارے غیر کے فعل پر بھی بغیر اس کے کہ ہم اس کا طریقہ نکالیں عذاب کرے گا اور وہ ہم پر جو فعل ہم نے کیا ہے اس فعل کے غیر پر عذاب کرے گا یا طاعت پر عذاب کرے گا تو یہ سب حق و عدل ہوتا اور اس کو ماننا واجب ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے جس کے لئے تمام تعریفیں ہیں

اپنے اس ارشاد سے ہمیں اس سے اطمینان دلا دیا ہے "لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم" (تمھیں نقصان نہ پہنچائے گا جو شخص گمراہ ہو گا جب کہ تم ہدایت پر ہو گے)۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی وجہ سے کہ ہمیں صرف اُسی کی جزا دی جائے گی جو ہم کریں گے یا ہم جس کی ابتداء کرنے والے ہوں گے ہمیں اس سے مطمئن کر دیا ہے۔ والحمد للہ تعالیٰ۔

ہمیں اس کا بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اُس پر اجر دے گا جو اُس نے ہمارے اندر مرض و مصائب کو پیدا کیا اور ہمارے غیر کے اس فعل پر بھی کہ جس میں ہمارا کوئی اثر نہیں ہے مثلاً کسی غیر کا ہمیں ظلماً مارنا اور ان کا ہمیں ستانا۔ اور قاتل کے قتل پر جس کو وہ ظلماً قتل کرے۔ اور یہاں مقتول کی طرف سے نہ صبر ہو اور نہ قطعاً کوئی عمل۔ تو وہ صرف اپنے غیر کے فعل پر ہی اجر پائے گا جبکہ وہ غیر اس کے اندر وہ پیدا کرے گا۔ اور اسی طرح وہ شخص جس کا مال کوئی اور لیلے۔ اور جس کا مال لیا جائے وہ اپنے مرنے تک بھی اس کو نہ جانے۔

ان دونوں میں کونسا فرق ہے کہ وہ ہمارے غیر کے فعل پر ہمیں اجر دے اور خود اپنے فعل پر اجر دے کہ وہ کسی کے مال میں آگ لگا دے جو اپنے مال میں آگ لگنے کو نہ جانتا ہو۔ اور اس میں کہ وہ اگر چاہے تو ان سب امور پر ہم پر عذاب کرے۔

رضا بالقضا معتزلہ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ جو حکم دے اور جو پیدا کرے اُس پر راضی رہنے کو اُس نے فرض کیا ہے۔ اگر اُس نے کفر و زنا، و ظلم پیدا کیا ہے تو کیا ہم پر ان امور پر بھی راضی رہنا فرض ہے؟۔

جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہرگز ہم پر مذکورہ بالا امور میں سے جو کچھ اُس نے پیدا کیا اور حکم دیا اُس پر راضی رہنا لازم نہیں۔ بلکہ اُس نے جان یا مال کی جس مصیبت کا ہم پر حکم دیا اُس پر راضی رہنا فرض ہے۔ جو اُن کے اُس فریب کا ظاہر کرنے والا ہے جو وہ لوگ اس شبہے کے

ذریعے سے کر رہے ہیں۔
اگر وہ لوگ اس آیت سے احتجاج و استدلال کریں کہ "ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سیئة فمن نفسك" (اے نبی آپ تک جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ آپ کے نفس کی طرف سے ہوتی ہے) جواب یہ ہے کہ بتوفیق الٰہی اُن سے کہا جائے گا کہ یہ آیت اصحاب اصلح پر تین وجوہ سے بہت بڑی حجت ہے اور یہ لوگ جمہور یعنی اکثر معتزلہ ہیں۔ اور دو وجہ سے تمام معتزلہ پر حجت ہے۔
اس آیت میں یہ ہے کہ انسان پر جو بھلائی آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو برائی آتی ہے وہ اس کے نفس کی طرف سے ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ سب لوگ ان دونوں امور میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ بلکہ انسان کے افعال میں سے حسن و قبیح اُن کے نزدیک سب انسان کے نفس کی طرف سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا کوئی فعل حسن یا قبیح پیدا کیا ہے اس باب میں یہ آیت ان سب کے قول کی باطل کرنیوالی ہے۔
وجہ ثانی یہ ہے کہ یہ سب کے سب اس کے قائل ہیں کہ انسان جو فعل بھی کرتا ہے خواہ وہ حسن ہو یا قبیح وہ محض اُس قوت کی وجہ سے کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے فعل خیر و شر و طاعت و معصیت پر بالکل یکساں قابو دیتا ہے۔ اور یہی استطاعت ہے۔ علاوہ اس کے کہ اُن میں اس امر میں اختلاف بھی ہے۔ وہ اس پر متفق ہیں کہ باری تعالیٰ اس قوت کا خالق اور اس کا عطا کرنیوالا ہے خواہ وہ قوت عین مستطیع ہو یا اُس کا بعض ہو یا اُس کے اندر عرض ہو۔ حالانکہ اس آیت میں حسن و سیئۃ کے درمیان میں جیسا کہ تم دیکھتے ہو فرق ہے۔
وجہ ثالث وہ ہے جس میں اصلح کے قائلین نے اختلاف کیا ہے خاصکر یہ آیت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو اپنی طرف سے فاعل حسنہ کی کوئی تائید کی اور نہ فاعل سیئہ کی۔ حالانکہ یہ

آیت اس کے خلاف خبر دیتی ہے۔ یہ آیت ان کے اوپر کھلی ہوئی حجت اور اُن کے قول کی باطل کرنے والی ہے۔

ہمارا عقیدہ اس باب میں وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ بغیر کسی فصل کے اسی آیت کے متصل فرماتا ہے "قل کل من عند اللہ فما لھؤلاء القوم لایکادون یفقھون حدیثا ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک" (آپ کہدیجئے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر اس قوم کو کیا ہو گیا ہے جو بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں جاتے۔ جو اچھائی آپ کو پہنچی وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی آپ کو پہنچی وہ خود آپ کے نفس کی طرف سے ہے) اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ہی تھوڑے ہی کلام کے بعد فرمایا ہے "افلا یتدبرون القرآن لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا" (تو کیا یہ لوگ قرآن کو سوچتے نہیں کہ اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس کے اندر اختلافِ کثیر پاتے) ہم نے جو بیان کیا اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ پورا کلام متفق ہے نہ کہ مختلف۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے اسے بیان کیا کہ ہر شے اُس کی طرف سے ہے۔ لہذا نص سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ خالق خیر و شر ہے اور جو مصیبت انسان پر آتی ہے اُس کا خالق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جو اچھائی ہم تک پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور حق یہی ہے۔ اس لئے کہ ہمارے لئے کوئی شے اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں چنانچہ وہ حسنات جو ہم سے صادر ہوتے ہیں وہ اُس کا فضل خالص ہے۔ اس میں ہمارا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور اس کا ہم پر احسان ہوتا ہے کہ ہم ہرگز اُس سے اس کے مستحق نہ تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کے بعد کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے ہمیں خبر دی ہے کہ جو مصیبت ہمیں پہنچتی ہے وہ خود ہماری طرف سے ہوتی ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ہم سے گناہ کے ظہور کی وجہ سے ہم مستحق عذاب ہیں اور

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر حکم کیا ہے ہم اس ظہور گناہ کی وجہ سے عاصی ہیں۔ اس کا حکم حق و عدل ہے۔ اور اس سے زیادہ نہیں ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اگر وہ یہ کہیں کہ جب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارا افعال کا خالق ہے تو تم اور جمادات برابر ہوئے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر علم پیدا کیا ہے جس کی وجہ سے ہمارے نفوس حقائق اشیاء کو پہچانتے ہیں۔ ہمارے اندر ہر اس شے کی مشیت پیدا کی جو شے ہمارے اندر پیدا کی جس کا نام ہمارا فعل ہے۔ اس میں اس کے اچھا سمجھنے کی قوت پیدا کی جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے اور اس کے برا سمجھنے کی قوت پیدا کی جس کو وہ برا سمجھتا ہے۔ صناعات و علوم میں تصرف کرنے کی قوت پیدا کی۔ اور اس میں سے کچھ بھی جمادات میں پیدا نہیں کیا۔ ہم مختار، قصد کرنے والے، ارادہ کرنے والے، اچھا یا برا سمجھنے والے علمی تصرف کرنے والے ہیں۔ بخلاف جمادات کے۔ اگر کہا جائے کہ کیا تم لوگ اپنے امور کے مالک ہو۔ تمہارے اعمال تمہارے سپرد ہیں۔ تم اپنے افعال کے موجد ہو۔ تو ہم کہیں گے کہ نہیں۔ اس لئے کہ ملک و اختراع (ایجاد) اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ جو کچھ عالم میں ہے کل کا کل اللہ کا ایجاد کیا ہوا اور اسی کی ملک ہے۔ اور تفویض میں استغنا کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے کسی کو بھی غنا (بے نیازی) نہیں ہے۔ اسی سے ہماری مدد ہوتی ہے۔

عالم میں یا جوہر ہے یا عرض

ہم نے اللہ کی مدد و قوت سے معتزلہ کے ہر فریب جو وہ بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ کے مخلوق نہ ہونے میں دیتے تھے باطل کر دیا ہے۔ اب ہمیں انشاء اللہ تعالیٰ اس قول کی صحت پر ضروری برہان لانا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔ ہم اسی کی تائید سے کہتے ہیں کہ سارا عالم سوائے اللہ تعالیٰ کے دو قسموں پر منقسم ہے۔ جوہر و عرض۔ ان کے الئے کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔ جوہر اجناس و انواع کی طرف منقسم ہے۔ ان میں سے ہر نوع کے لئے

فصل ہے جو اس کو اُن دوسری انواع سے تمیز دیتی ہے جو اسی کی جنس کے تحت میں ہیں۔
یہ بھی ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ جو چیز جنس اعلیٰ کے لئے لازم ہو گی وہ اس کے ہر ماتحت کے لئے لازم ہو گی۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ آگ گرم نہ ہو یا ہوا اپنی طبیعت سے نیچے آنے والی ہو یا انسان اپنی طبیعت سے ہنہنانے والا ہو۔ اور جو اس کے مشابہ ہو۔
ہم یہ بھی بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ انسان سوائے حرکت وسکون فکر وارادے کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ سب کیفیات ہیں جو لون (رنگ) وطعم (مزہ) ومحبت واشکال کے ساتھ جنس کیفیت کے تحت میں ہیں۔
محال وناممکن ہے کہ ایک ہی نوع اور ایک ہی جنس کے تحت اشیاء میں سے بعض مخلوق ہوں اور بعض غیر مخلوق۔ یہ وہ امر ہے جس کو ہر وہ شخص باطل جانتا ہے جسے حدود عالم اور اس کے انقسام کا ذرا علم بھی ہے۔
ہماری حرکت اور ہمارا سکون ہر حرکت وسکون کے ساتھ جو عالم میں ہے نوع حرکت و نوع سکون کے تحت میں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ حرکت اضطراریہ و حرکت اختیاریہ۔ سکون اختیاری وسکون اضطراری۔ یہ سب حرکت ہے جس کی حد (تعریف) حد حرکت سے کی جائے گی اور سکون ہے جس کی حد (تعریف) حد سکون سے کی جائے گی۔ یہ محال ہے کہ بعض حرکات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوں اور بعض غیر مخلوق۔ اسی طرح سکون بھی۔
اگر یہ لوگ معمر کے قول میں پناہ لیں کہ یہ تمام اعراض ہیں جس کو اُس شخص نے اُس شئے کی طبیعت کے مطابق (پیدا) کیا جس کے اندر وہ ظاہر ہوئیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان کا معاملہ سہل ہو جائے گا۔ اور یہ اس طرح ہے کہ جب انھوں نے یہ مان لیا کہ اللہ تعالیٰ مطبوعات کا (یعنی جن میں طبیعت پیدا کی گئی ہے) خالق ہے اور وہی طبیعت کا

اُس کیفیت پر جس پر وہ ہے ترتیب دینے والا ہے تو وہی اُس کا بھی خالق ہوا جو طبیعت سے ظاہر ہوا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کے وجود وظہور کو جیسا کہ وہ ہوا ایک ایسے ڈھنگ پر مرتب کیا کہ اُس کے خلاف نہیں پایا جاتا۔ بعینہٖ یہی خلق (پیدا) کرنا ہے۔

یہ لوگ وہ قوم ہیں جو تاریکیوں میں چلنے والے کی طرح نہیں جانتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "کلما اضاء لھم مشوا فیہ واذا اظلم علیھم قاموا" (جب کبھی اُن کے لئے روشنی کر دی تو وہ اُس میں چلنے لگے اور جب اُن پر تاریکی کر دی تو کھڑے ہو گئے)۔ نعوذ باللہ من الخذلان۔

نوع حرکات تو انسان کی پیدائش سے پہلے سے موجود ہے۔ لہٰذا یہ کھلا ہوا محال ہے کہ انسان وہ چیز پیدا کر سکے جس کی نوع اُس کے پہلے سے موجود ہو۔

جو لوگ عالم کو ازلی و قدیم کہتے ہیں اُن کے مقابلے میں معتزلہ کی سب سے عمدہ دلیل یہی ہے کہ اعراض جواہر کے مقارن و ہمراہ ہوتے ہیں اور حرکات کا ظہور متحرک سے وابستہ ہو کر ہی ہوتا ہے۔ جب یہ حدوث جواہر، اور اس پر روشن دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے تو اس امر سے کون مانع ہے کہ یہی حدوث اعراض پر بھی اور اس پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے روشن دلیل ہو۔ بشرطیکہ فرقۂ قدریہ کی عقول کمزور نہ ہوتیں، اور اُن کا علم قلیل نہ ہوتا۔ ہم اُس چیز سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جس سے اُس نے ان لوگوں کا امتحان لیا اور اُس سے توفیق کی دعا کرتے ہیں کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اذا لذھب کل الٰہ بما خلق" (یعنی اگر متعدد خدا ہوتے، تو ہر خدا اُسے لیجاتا جسے اُس نے پیدا کیا تھا)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت کر دیا کہ جس نے جو شے پیدا کی تو وہ اُس شے کا خدا ہے۔ بداہتہً یہ لازم آئے گا کہ یہ لوگ بھی اپنے

اُن افعال کے خدا ہوں جن کو انھوں نے پیدا کیا ہے۔ اگر وہ اس کو جاری کریں تو یہ خالص کفر ہے۔ ورنہ انھیں انقطاع اور اپنے قول فاسد کا ترک لازم آئے گا۔

جو شخص کوئی شے پیدا کرتا ہے تو کوئی اور اس پر اُس کی مدد نہیں کرتا۔ وہ اپنے پیدا کرنے میں منفرد و تنہا ہوتا ہے۔ وہ ضرور جانتا ہے کہ جو کچھ اُس نے پیدا کیا اُس میں وہ تصرف کرتا ہے۔ جیسا کہ وہ جب چاہے اُسے کرتا ہے۔ جب چاہے اُسے ترک کر دیتا ہے۔ جب چاہے اُسے حسن (اچھا) کرتا ہے اور جب چاہے اُسے قبیح (برا) کرتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے حرکات وارادے کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ یہ اُس کے پیدا کرنے میں منفرد ہیں تو انھیں چاہیے کہ وہ اس کو ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر کریں کہ ہم اُسے دیکھیں یا چھوئیں۔ یا اُس کی مقدار میں اضافہ کر دیں۔ انھیں چاہیے کہ انھیں اُن کے رتبے و ترتیب کے خلاف کر دیں۔

اگر کہیں کہ ہم لوگ اس پر قادر نہیں ہیں تو انھیں جاننا چاہیے کہ اپنے ان دعاوی میں جھوٹے ہیں۔

اگر یہ کہیں کہ ہم اُتنا ہی کر سکتے ہیں جتنا ہمیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے کرنے کی قوت دی۔ تو انھیں جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو خیر و شر کرنے کی قوت دینے والا ہے۔ بیشک اُسی سے خیر و شر ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو نہ خیر ہوتی نہ شر۔ اُسی سے یہ دونوں چیزیں ہیں۔ اسی نے ان دونوں کو موجود کیا اور ان دونوں پر مدد کی۔ ان دونوں کو ظاہر کیا اور ان دونوں کو ایجاد کیا۔ اللہ تعالیٰ کے خیر و شر پیدا کرنے کے یہی معنی ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول جو اُس نے ساحرین فرعون سے بطور حکایت نقل کیا ہے اور اس پر اُن کی مدح و تصدیق کی ہے یہی برہان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی مخلوق کے افعال کا خالق ہے "ربنا افرغ علینا صبرا" (اے ہمارے

رب ہم پر صبر ڈالدے) ۔ ثابت ہو گیا کہ وہی اُس صبر کا خالق ہے جس کو وہ ڈالے گا کہ جس کو اگر وہ صابر پر نہ ڈالتا تو اُسے صبر نہ ہوتا ۔ جنس حرکات تمام وسکون تمام ومعارف تمام ایک جنس ہیں اور جو چیز کل پر بولی جائے گی اُس کے تمام اجزاء پر اور اُس کے ابعاض کے ہر بعض پر بولی جائے گی۔

ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ حیوان غیر ناطق کی حرکات وسکون اور وہ معرفت جس سے وہ اپنے کھانے پینے وغیرہ کے منافع ومضار کو سمجھتا اور پہچانتا ہے ۔ آیا یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں یا غیر مخلوق ہیں ۔

اگر یہ کہیں کہ یہ سب مخلوق ہیں تو اُنھوں نے اِن ایسے مقدمات کو توڑ ڈالا جن کی تصدیق کی عقل وحس شہادت دیتی ہے اور اس تفریق میں ان کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جو اُنھوں نے ہماری معرفت اور تمام حیوانات کی اُس معرفت میں کی جس سے وہ پہچانتے ہیں اور ہماری اور تمام حیوانات کی حرکات وسکون میں کی ۔ یہ کھلا ہوا مکابرہ ہے (یعنی مشاہدہ اور عیان کا انکار ہے) اور دعویٰ بغیر برہان کے ہے۔

اگر یہ کہیں کہ یہ سب غیر مخلوق ہیں تو ہم اُنھیں بقیہ تمام اعراض میں اسی قسم کا الزام دیں گے ۔ اگر اُنھوں نے اپنے قول کے خلاف کہا تو وہ خود ہمارے لئے کافی ہو گئے ۔ اور اگر وہ اسی پر اڑے رہے تو ان پر یہ الزام آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اعراض میں سے کچھ بھی پیدا نہیں کیا ۔ اور یہ کھلا ہوا الحاد اور خلق کا ابطال ہے ۔ اور اور اضلال (یعنی اللہ کی طرف سے کسی کے گمراہ رکھنے) کے لئے یہی کافی ہے ۔ ہم بے توفیقی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۔

اس سے یہ کافی ہوتا ہے کہ اعراض فاعل کی صفات کے مطابق جاری ہیں ۔ حالانکہ ہم حکیم کو اس طرح پاتے ہیں کہ وہ طیش (خفیف وذلیل حرکات) پر اور بیہودہ گوئی پر قادر نہیں ہوتا اور صاحب طیش وبیہودہ و فحش گو حیاء وصبر پر قادر نہیں ہوتا ۔ بداخلاق حلم پر قادر نہیں ہوتا ۔ حلیم وبردبار عفنہ اور جلد بازی پر قادر نہیں ہوتا ۔ سخی مال روکنے پر قادر نہیں ہوتا۔

بخیل اور لالچی جود وکرم پر قادر نہیں ہوتا۔

اللہ تعالی نے فرمایا ہے "ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون" (اور جو لوگ اپنے نفس کے لالچ سے بچا دیئے گئے تو یہی لوگ کامیاب اور فلاح پانے والے ہیں)۔

ثابت ہو گیا کہ بعض لوگ ایسے ہیں جن کو نفس کے لالچ سے بچایا گیا ہے اور کامیاب ہیں جن کو نہیں بچایا گیا ہے نہیں کامیاب ہیں۔ اسی طرح ذکی (تیز فہم والا) بلادت وکند ذہنی پر قادر نہیں ہوتا۔ بلید ذکا پر قادر نہیں ہوتا۔ حافظ (یاد رکھنے والا) نسیان (بھولنے) پر قادر نہیں ہوتا۔ ناسی (بھولنے والا) حفظ قائم رکھنے پر قادر نہیں ہوتا۔ شجاع و بہادر بزدلی پر قادر نہیں ہوتا۔ بزدل شجاعت پر قادر نہیں ہوتا۔ اسی طرح تمام اخلاق ہیں جن سے افعال سرزد ہوتے ہیں۔

لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ سب اللہ تعالی کی مخلوق ہیں جن میں سے کسی کے بھی احاطے پر انسان قطعاً قادر نہیں۔

یہاں تک کہ اپنی آواز کے مخرج وصفت کلام کے بدلنے پر جیسی کہ وہ پیدا کر دیگئی ہے ہم میں سے کوئی بھی قادر نہیں ہے (خواہ وہ آواز موٹی اور بھاری ہو خواہ ہلکی خواہ پاکیزہ و نرم)

اسی طرح انسان کا خط (یعنی چہرے کی ہیئت) ہے کہ جس طور پر اللہ تعالے نے اُسے مرتب کر دیا ہے اُس سے اُس کا پھیرنا ناممکن ہے۔ اگرچہ کوشش کی جائے۔

یہی حال انسان کے تمام حرکات کا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے قدم کا پڑنا اور اُس کا چلنا بھی۔ اگر وہی ان سب کا خالق ہوتا تو وہ جیسا چاہتا ضرور اُسے بدل سکتا جب اس میں اُن میں سے کسی کے اپنی ہیئت سے بدلنے کی قوت نہیں ہے تو بداہت سے ثابت ہو گیا کہ اس شے کو اللہ تعالی نے اُس شخص کے اندر پیدا کر دیا ہے جس کی طرف لغت میں یہ نسبت کی جاتی ہے کہ وہ اس کا فاعل ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

معتزلہ تولد (پیدا ہونے اور نتیجہ ظاہر ہونے) میں بہت زیادہ حیران ہیں
ایک گروہ نے تو یہ کہا ہے کہ انسان کے فعل سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے
مثلاً قتل اور وہ اذیت جو تیر اندازی سے پیدا ہوتی ہے اور وہ امور جو اسی کے
مشابہ ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ یہ طبیعت کا فعل ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ اُسی شخص کا فعل ہے جس نے وہ فعل کیا ہے جس سے
یہ پیدا ہوا۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ فعل ہے جس کا کوئی فاعل نہیں۔

اور تمام اہل حق نے کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور اُسی کی مخلوق ہے۔
اور اس میں بھی وہی برہان ہے جو برہان خلق افعال میں ہے کہ اللہ تعالےٰ
ہر شے کا خالق ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

تعدیل وتجویر

خدا کو عادل یا ظالم قرار دینا

یہی باب معتزلہ کی اصل ضلالت وگمراہی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک ہم نے ان میں سے
بعض ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو اس معاملے میں ان لوگوں کے قول سے راضی نہیں ہیں۔
ان کے جمہور نے کہا ہے کہ ہم یہ پاتے ہیں کہ جو بظاہر جور
کرتا ہے وہ جائر ہے۔ جو ظلم کرتا ہے وہ ظالم ہے۔
جو کسی فاعل کی اُس کے فعل پر اعانت کرے پھر اُسے اُس فعل پر سزا دے تو

یہ جائر (ستم کرنے والا) اور عابث (بیہودہ حرکت کرنے والا) ہوگا۔
ان لوگوں نے کہا ہے کہ عدل اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور ظلم وجور اُس سے منتفی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وما ربك بظلام للعبید" (اور آپ کا رب اپنے بندوں کے لئے ظالم نہیں ہے) اور فرمایا ہے "وما ظلمونا ولکن کانوا انفسہم یظلمون" (کفار نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے)۔ اور فرمایا ہے "فما کان اللہ لیظلمہم" (چنانچہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ اُن پر ظلم کرے)۔ اور فرمایا ہے "لا ظلم الیوم" (آج (قیامت میں) کوئی ظلم نہ ہوگا)۔

عدل الٰہی

مسلمان جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عدل (عادل) ہے نہ وہ ظلم کرتا ہے نہ جور وستم کرتا ہے۔ اور جو اُسے ظلم وجور کے ساتھ موصوف کرے وہ کافر ہے۔ لیکن یہ ایسا نہیں ہے جیسا ان جہلا نے گمان کر لیا ہے کہ انھیں کی عقول اللہ تعالیٰ کے متعلق اس امر کا فیصلہ کرنے والی ہیں کہ اُس سے وہی شئے اچھی ہے جس کو ان کی عقول اچھا سمجھیں اور وہی شئے اُس سے بری ہے جس کو ان کی عقول برا سمجھیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے ساتھ خالص تشبیہ ہے۔ ان لوگوں نے اس کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ اُس سے بھی وہی شئے اچھی ہے جو ہم سے اچھی ہے اور اُس سے بھی وہی شئے بری ہے جو ہم سے بری ہے۔ عقل میں وہی حکم اُس پر بھی کیا جائے گا جو حکم ہم پر کیا جاتا ہے۔

یہ وہ مذہب ہے کہ جو اس کا قائل ہوا اُسے یہ لازم آئے گا کہ جبکہ بظاہر حی (زندہ) حیات ہی سے ہوتا ہے تو واجب ہے کہ باری تعالیٰ بھی حیات ہی سے حی ہو۔ دونوں قولوں میں کوئی فرق نہیں۔ ان میں سے جو ایک قول کو مانے اُسے دوسرا بھی لازم ہے حالانکہ دونوں قول اضلال وخطا ہیں۔ حق صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی کرے خواہ وہ کچھ ہی ہو وہ اُس سے حق وعدل وحکمت ہے۔ اگر اس میں سے بعض امور ہم سے

ہوں تو وہ جور و نادانی ہی ہوں۔ ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ نے نہیں کی تو وہ ظلم و باطل و عبث (لغو و بیہودہ) و تفاوت (فرق) ہے۔

ان لوگوں کا باری تعالیٰ پر اس قسم کا حکم جاری کرنا جو ہم میں سے بعض لوگ بعض پر جاری کیا کرتے ہیں، یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے اور وہ قول ہے جس کی اصلی دہریہ کے نزدیک ہے، منانیہ کے نزدیک ہے براہمہ کے نزدیک پہلے سے ہے۔

دہریہ نے کہا ہے کہ جب ہم اپنے آپس میں حکیم کو اس طرح پاتے ہیں کہ وہ جو فعل کرتا ہے وہ محض نفع حاصل کرنے کے لئے یا ضرر دور کرنے کے لئے کرتا ہے۔ اس شخص کو عابث (فضول و رائیگاں کام کرنے والا) پاتے ہیں جو ایسا کام کرے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ یہ وہ امر ہے کہ اس کے سوا عقل میں نہیں آتا۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ جبکہ ہم عالم میں تکلیف اور شر اور عبث اور نجاسات اور کیڑے مکوڑے اور ریگستان اور مفسدین کو پاتے ہیں تو اس سے اس کی نفی ہوتی ہے کہ اس کا فاعل کوئی حکیم ہو۔

ان میں سے ایک گروہ نے بالکل اسی کے مساوی کہا ہے، سوائے اس کے کہ انھوں نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ ہمیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ عالم کے لئے باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور فاعل بھی ہے جو نادان و سفیہ ہے۔ اور وہ نفس ہے۔ باری حکیم نفس کو موقع دیتا ہے کہ وہ اس (عبث و بے فائدہ کام) کو کرے کہ باری تعالیٰ اسے اس کے تخیل کا فساد دکھا دے۔ جب یہ امر نفس کے لئے واضح ہو جاتا ہے تو اس وقت اُسے باری تعالیٰ حکیم فاسد و باطل کر دیتا ہے اور اس کے بعد نفس کسی شے کی طرف دوبارہ رخ نہیں کرتا۔

اس قول کا ابطال بھی بالکل مساوی طور پر اسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے جس سے معتزلہ کا قول باطل ہوتا ہے اور کوئی فرق نہیں۔

منانیہ نے بھی بالکل مساوی طور پر وہی کہا ہے جو دہریہ نے

کہا ہے۔ سوائے اس کے کہ انھوں نے یہ کہا ہے کہ جس نے مخلوق کو پیدا کیا پھر اُس کو پیدا کیا جو اِس مخلوق کو گمراہ کرے تو وہ ظالم و عابث ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا پھر ان میں سے بعض کو بعض پر مسلط کر دیا اور اپنی مخلوق کے مقدر میں فساد برپا کر دیا تو وہ ظالم و عابث ہے۔ لہٰذا ہمیں معلوم ہوا کہ خالق و فاعل شر اور ہے اور خالق خیر اور۔

یہی معتزلہ کے قول کی بھی نص ہے سوائے اس کے کہ انھوں نے ایک اور قباحت کا اضافہ کیا کہ یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے افعال عباد کو پیدا ہی نہیں کیا نہ خیر کو نہ شر کو۔ افعال حسنہ و قبیحہ کا خالق غیر اللہ ہے۔ ہر ایک خود اپنے فعل کو پیدا کرتا ہے۔ پھر ایک تناقض کا اضافہ کیا اور کہا کہ عنصر شر کا خالق ابلیس اور سرکش شیاطین ہیں اور اس کا ہر فعل شر ہے۔ ان شیاطین کی طبیعت کو ان کے تضاد پر پیدا کرنے والا اللہ ہے۔

براہمہ نے کہا کہ یہ عبث و خلاف حکمت اور کھلا ہوا جور و ستم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس چیز کے لئے پیش کرے جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ اُس کے یہاں ان لوگوں پر سخت عتاب ہوگا اور اگر یہ اس میں پڑ گئے تو عذاب کے مستحق ہوں گے۔ یہ لوگ اس سے رسالت و نبوت کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔

ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ شر کے پیدا کرنے میں اور اس وقت کے پیدا کرنے میں کہ جس کے بغیر شر ہو ہی نہیں سکتا کوئی فرق نہیں ہے اور نہ اس میں اور اس کے پیدا کرنے میں جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ سوائے شر کے وہ اور کچھ نہ کرے گا اور ابلیس اور قیامت تک ابلیس کے مثل و نظیر پیدا کرنے میں اور اُسے بندوں کے بھکانے کی قدرت دینے اور بندوں کے گمراہ کرنے دینے میں اور اس کی اسے قوت دینے میں اور اُسے بندوں کے گمراہ کرنے کے لئے چھوڑ دینے میں، سوائے اس کے کہ بندوں میں سے جسے اللہ ہی محفوظ رکھے کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ابلیس کو اور قوائے شر کو اور

فاعل شر کو پیدا کرنا خیر وعدل وحسن ہے، تو انھوں نے سچ کہا اور اپنی اصل فاسد کو ترک کر دیا اور انھیں اس امر میں حق کی طرف رجوع کرنا لازم آگیا کہ اللہ تعالیٰ کا شر وخیر اور تمام افعال عباد کا پیدا کرنا اور ان میں سے جسے چاہے ہدایت نکرنا اور اس پر عذاب کرنا اور وہ جسے گمراہ کرے اُس کا گمراہ کرنا اور جسے ہدایت کرے اُس کا ہدایت کرنا یہ سب حق وعدل وحسن ہے۔ بیشک ہمارے احکام اُس پر جاری نہیں ہیں۔ لیکن اُس کے احکام ہم پر جاری ہیں۔ یہی وہ حق ہے جو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے۔ ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں گمراہ کرے۔ مذکورہ بالا امور میں سے کسی شے میں بھی نہ عقل کے نزدیک کوئی فرق ہے اور نہ کسی برہان ضروری میں اس شخص سے کہا جائے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی صرف اُسی فعل کا کرنا جائز ہے جو عقل میں ہم سے حسن اور اچھا ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ چیز وہ پیدا کرے اور کرے جو عقل کے نزدیک ہم لوگوں میں ہم سے قبیح ہے۔ تم نے ایک امر کو اپنے یہاں سے لے لیا پھر تم نے (باری تعالیٰ پر) اُسی کا عکس کر دیا اس لئے تمھاری غلطی بہت بڑھ گئی حالانکہ تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ازلی وواحد ہے۔ وہ یکتا وتنہا ہے۔ اُس کے ہمراہ کوئی مخلوق ہرگز نہیں ہے اور نہ کوئی شے موجود ہے۔ نہ جسم نہ عرض۔ نہ جوہر نہ عقل نہ معقول نہ حماقت اور نہ اس کے سوا۔

تم لوگوں نے بغیر آپس کے کسی اختلاف کے یہ اقرار کیا کہ اس نے عدم کے بعد نفوس کو پیدا کیا اور ایجاد کیا۔ اُن کے لئے عقول پیدا کیں اور بعد اس کے کہ عقول نہ تھیں ان کو نفوس میں مرکب کیا۔ تم پر واجب یہی تھا کہ تم باری تعالیٰ پر کوئی ایسا حکم ایجاد نکرتے جو اُس کے لئے اپنی بعض مخلوق سے پہلے ہی لازم ہوتا۔ کیا اس سے زیادہ بدتر جنون بھی ہو سکتا ہے۔

تم لوگ ہمیں یہ تو بتاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ تنہا تھا اور کوئی شے اُس کے ساتھ موجود نہ تھی تو پھر کس چیز میں صورت حسن حسنہ تھی اور صورت قبیح قبیحہ تھی؟ وہاں نہ تو عقل تھی کہ اُس میں حسن حسن ہوتا اور قبیح قبیح ہوتا۔ نہ وہاں

۵۸

نفس عاقل یا غیر عاقل تھا کہ اُس کے نزدیک قبیح قبیح اور حسن حسن ہوتا پھر وہاں کون سی چیز تھی جو تحسین حسن اور تقبیح قبیح کی قائل تھی۔ یہ دونوں (یعنی تحسین و تقبیح) عرض ہیں جن کے لئے کسی حامل کی ضرورت ہے۔ نہ قطعاً حامل تھا نہ محمول اور نہ کوئی شے حسن نہ شے قبیح۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نفوس کو پیدا کیا۔ ان میں عقول مخلوقہ کو ترکیب دیا اور تمہارے قول کے مطابق ان (عقول مخلوقہ) میں قبیح ہوا جو قبیح ہوا اور حسن ہوا جو حسن ہوا۔

یہ ناممکن ہے کہ ازل میں باری تعالیٰ کے ساتھ کوئی شے موجود ہو۔ خواہ وہ قبیح ہو خواہ حسن اور خواہ عقل جس میں کوئی شے قبیح یا حسن ہوتی ہے تو یقیناً واجب ہوا کہ جس شے کو بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرے اُس شے کے قبح کی وجہ سے اُس کا پیدا کرنا اُس کی قدرت و فعل میں ناممکن نہیں۔ یہ بھی واجب ہوا کہ کوئی شے اُس شے کے حسن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے لازم نہیں۔ کیونکہ ازل میں نہ حسن تھا نہ قبح۔ لہٰذا ابداہتہً واجب ہو گیا کہ جو شے اب ہمارے نزدیک قبیح ہے۔ وہ بغیر اول کے قبیح نہ تھی بلکہ وہ اول کے نزدیک قبیح ہونے کی وجہ سے اُس کے قبل موجود نہ تھی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اُس کے پہلے قبیح ہو یہی قول حسن میں بھی ہے اور کوئی فرق نہیں۔

یہ بالکل محال و ناممکن ہے کہ باری تعالیٰ سے اُس زمانے میں کسی شے کا کرنا ممکن ہو، اس کے بعد ناممکن ہو جائے۔ اس لئے کہ یہ صورت یا تو تبدل و تغیر طبیعت کو واجب کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک و منزہ ہے۔ اور یا اُس پر کسی حکم کے حادث ہونے کو واجب کرتی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ متعبّد و محکوم بن جائے گا اور یہ ذلیل کفر ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ قبیح ازل سے اللہ کے علم میں قبیح ہے اور حسن ازل سے اللہ کے علم میں حسن ہے۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ اچھا ٹھیرو۔ بےشک یہ ایسا ہی ہے جیسا تم نے کہا۔ مگر اس میں تم پر دو حکم لازم آئیں گے جو تمہارے قول فاسد کے باطل کرنے والے ہیں۔

اول تو یہ کہ اس میں تم نے حکم کو اُس کے لئے کیا ہے جو عقل میں ہے

نہ کہ اُس کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہے۔ تم نے جو قبیح کے کرنے کو منع قرار دیا تو وہ محض اس لئے قرار دیا کہ عقول نے اُسے قبیح سمجھا۔ تم نے اس میں غلطی کی۔

ثانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابھی ازل سے جانتا ہے کہ جو شخص مومن مرے گا وہ کفر نہ کرے گا۔ اور ازل سے جانتا ہے کہ جو کافر مرے گا وہ مومن نہ ہوگا۔ پھر تم نے یہ کیوں جائز رکھا کہ وہ اس کے متعلق جو کچھ علم رکھتا ہے اُس کے پھیرنے اور بدلنے پر قادر رہے، اور یہ جائز نہیں رکھا کہ اللہ تعالیٰ جس کو قبیح جانتا ہے اُس کے متعلق اپنے علم کو حسن کی طرف اور جس کو حسن جانتا ہے اُس کے متعلق اپنے علم کو قبیح کی طرف پھیرنے پر بھی قادر رہے۔ حالانکہ دونوں امور میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہے۔

ثابت ہوگیا کہ نہ لعینہٖ قبح ہے نہ لعینہٖ حُسن۔ قبیح صرف وہی ہے، جسے اللہ تعالیٰ قبیح فرمائے۔ حسن بھی وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ حسن فرمائے اور اس سے زائد نہیں۔

تمہارا یہ دعویٰ کہ قبیح ازل سے اللہ کے علم میں قبیح ہے اس پر تمہاری دلیل کیا ہے۔ بلکہ شاید اللہ تعالیٰ ازل سے اس کا علیم ہو کہ فلاں امر ایک خاص زمانے تک حسن رہے گا پھر وہ اُسے قبیح کر دے گا۔ جب وہ اُسے قبیح کر دے گا تو وہ قبیح ہو جائے گا نہ کہ اُس کے قبل۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مذاہب منسوخہ کے متعلق کیا۔ اور یہ تمہارے قول سے زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ اس قول کی براہین زیادہ واضح ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اللہ تعالیٰ ازل سے علیم ہے کہ کفر کا عقیدہ اور اس کا زبان سے کہنا بندے کے لئے قبیح ہے جبکہ وہ ان دونوں کو ان کا معتقد ہو کر کرے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو قبیح کر دیا ہے نہ اس لئے کہ یہ دونوں حرکت یا عرض ہیں جو نفس کے اندر قائم ہیں۔ اور یہی حق ہے اس لئے کہ اس کی براہین بھی ظاہر ہیں۔ نہ اس لئے کہ یہ قبیح لعینہٖ ہے۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ کہ حسن کو عقول میں حسن اور

قبیح کو عقول ہیں قبیح کس نے کیا۔ اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہم اُن سے کہیں گے کہ آیا اللہ تعالیٰ نے جب اس مرتبے کو ترتیب دیا تھا تو وہ اُس کے عکس کرنے پر قادر تھا کہ اُسے اُس کے خلاف ترتیب دیتا جس ہیئت پر اُس نے اُسے ترتیب دیا کہ اس میں جو قبیح تھا اُسے حسن کر دیتا اور جو حسن تھا اُسے قبیح کر دیتا۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں۔ تو اُنھوں نے یہ واجب کر دیا کہ جو شے قبیح ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کے قبیح بتانے کے بعد قبیح ہوئی اور جو شے حسن وہ اللہ تعالیٰ کے حسن بتانے کے بعد حسن ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کو یہ اختیار تھا کہ وہ اُس کے خلاف کرے جو اُس نے کیا۔ یہ اختیار اُسے اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہ باطل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات کا متعبد و محکوم ہو اور اپنے اوپر وہ چیز واجب کرنے والا ہو کہ اگر اُس کے خلاف کرے تو ظالم ہو جائے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی قدرت کے ساتھ موصوف نہ کیا جائے گا (کہ وہ حسن کو قبیح اور قبیح کو حسن کر سکے) تو اُنھوں نے اپنے رب کو عاجز بنا دیا اور اُنھیں بھی علی الاسواری کے قول کے مثل لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اُس کے خلاف پر قادر نہیں ہے جو اُس نے کیا۔

اس بد ترین دعقل والے کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار سے زیادہ قادر و قوی ہے اس لئے کہ وہ اپنے کمینے نفس کے نزدیک اُس پر بھی قادر ہے جو اس نے کیا اور اُس پر بھی قادر ہے جو اُس نے نہیں کیا۔ مگر اُس کا پروردگار صرف اُس پر قادر ہے جو اُس نے کیا۔ اگر مجنون کو بھی یہ معلوم ہوتا کہ اس نے اپنے رب کو اُن جمادات میں کر دیا جو اُسی شے کی طرف مضطر ہوتی ہیں کہ اُن سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ ممکن نہیں ہوتا کہ اُن سے جو ظاہر ہوتا ہے اُس کے خلاف ظاہر ہو سکے۔ تو ضرور اُس کی آنکھ رو پڑتی اور اُس کی مصیبت عظیمہ پر ضرور اُس کی فریاد بلند ہوتی ہم بے توفیقی سے اور اُس مصیبت عظیمہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جو جہل و نابینائی کی گفتگو کرنے والے قدریہ پر نازل ہوئی۔ اللہ کی بیحد اور ایسی حمد ہے جس کا وہ اہل ہے کہ اُس نے ہمیں توفیق عطا فرمائی۔

۵۹

اُن سے کہا جائے گا کہ اچھا جانے دو۔ قبیح ہیں تو تم نے اس لئے بُرا جانا کہ وہ قبیح ہے۔ مگر تم نے اللہ تعالیٰ سے تمام خیر کے پیدا کرنے کی اور تمام حسن کے پیدا کرنے کی نفی کیوں کی؟ تم نے کہدیا کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو ایمان پیدا کیا نہ اسلام۔ نہ نماز نہ زکوٰۃ۔ نہ نیت حسنہ اور نہ اعتقاد خیر۔ نہ عطائے زکوٰۃ و صدقہ۔ نہ نیکی واحسان۔ کیا تم نے اس لئے نفی کی کہ اس کا پیدا کرنا بھی قبیح ہے یا کیسا معاملہ ہے۔ خلق کثیر کے ذکر کرنے سے تمہاری ملمع کاری ظاہر ہوگئی۔ حالانکہ اس امر میں خیر و شر تمہارے نزدیک یکساں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب میں سے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ لہذا اپنی کمزور ملمع کاری ترک کرو۔

میں نے ابو ہاشم عبدالسلام بن ابی علی محمد بن عبدالوہاب الجبائی رئیس وابن رئیس معتزلہ کے مسائل میں اُس کا ایک کلام پڑھا ہے جس میں وہ بغیر حیاء و خوف کے بار بار دہراتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ ایسا کرے" جیسے کوئی مجنون اپنے متعلق خبر دے رہا ہے یا کسی ایسے شخص کے متعلق خبر دے رہا ہے جو عام لوگوں میں سے ہو۔

اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اسے عقل یا حس نہ تھی جس سے یہ خود اپنے نفس سے پوچھتا اور کہتا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ پر کس نے وہ چیز واجب کی جس کے اللہ پر واجب ہونے کا اس نے فیصلہ کر دیا۔ حالانکہ بدیہی طور پر ہر وجوب وایجاب کے لئے کسی موجب (واجب کرنے والے) کی ضرورت ہے۔ ورنہ یہ ایسا فعل ہوگا جس کا کوئی فاعل نہ ہو۔ اور جو اسے جائز رکھے یہ اُس کا کفر ہے۔ وہ شخص کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کسی حکم کا واجب کرنے والا (موجب) ہے۔ دو وجوہ میں سے ایک سے خالی نہیں، جن کے لئے کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی۔

یا تو اس کو اللہ تعالیٰ پر اُس کی کسی مخلوق نے واجب کیا ہوگا یا عقل نے یا عاقل نے۔ اگر یہ ہے تو اس شخص سے قلم اُٹھا لیا گیا (یعنی اس کے

پاگل ہونے کی وجہ سے اس کے نامۂ اعمال میں اس کفر کو درج نہ کیا جائیگا) ہر ایسی عقل پر تُف ہے جو اس میں کھڑی ہو کہ وہ اپنے خالق پر اور اپنے اس ایجاد کرنے والے پر کہ اُس نے عدم کے بعد ایجاد کیا، اور اپنے اس حالت پر ترتیب دینے والے پر جس حالت پر وہ ہے، اور اپنے اُس تصرف کرنے والے پر کہ وہ جو کچھ چاہے تصرف کرے حاکم ہے۔

یا یہ ہو گا کہ اس کے بعد کہ وہ ازل سے اس کو اپنے اوپر واجب کرنے والا نہ تھا اسے اپنے اوپر واجب کر لیا اگر وہ یہ کہے تو اُس سے کہا جائے گا کہ جب تک اُس نے اسے اپنے اوپر واجب نہیں کیا یہ اُس پر واجب نہ تھا۔ یہ ایسا ہے تو پھر اس کے لئے یہ مباح ہوا کہ وہ اُس شخص پر عذاب کرے جو اُس شے کے ترک پر قادر نہ ہو جس پر اُس نے اُس شخص پر عذاب کیا۔ اور اُن تمام امور کے خلاف پر عذاب کرے جو بیان کئے گئے ہیں کہ یہ اُس نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ اور جبکہ اس کے اوپر واجب نہ تھا اس کے بعد اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے تو اُس کے لئے ممکن ہے کہ وہ اس وجوب کو اپنی ذات سے ساقط کر دے۔

یا یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے اس کو اپنے اوپر واجب کرنے والا ہو۔ اگر وہ اس کا قائل ہو گا تو اُسے دو بڑی مصیبتیں لازم آئیں گی جو اُسے اسلام اور تمام شرائع سے نکالنے والی ہوں گی اور وہ یہ ہیں کہ باری تعالیٰ ازل سے فاعل ہے اور ازل سے اس کا فعل اُس کے ساتھ ہے اس لئے کہ ایجاب (واجب کرنا) ایک فعل ہے اور وہ ازل سے موجب (واجب کرنے والا) ہے تو وہ ازل سے فاعل ہے اور یہی قول بعینہ دہریے کا ہے۔

تمام معتزلہ میں اس جنون سے رو گئے والا کوئی بھی نہیں کہ "اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ یہ کرے گا اور" اللہ تعالیٰ کو لازم ہے کہ وہ یہ کرے" اس کفر خالص پر تعجب کرنا چاہیئے۔ اسی سے

اُس تاویل کا بطلان واضح ہو جاتا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کے قول میں کرتے ہیں "وکان حقا علینا نصر المومنین" (اور ہم پر مومنین کی مدد کرنے کا حق تھا)۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول میں "کتب علی نفسہ الرحمۃ" (اُس نے اپنے اوپر رحمت لکھ لی اور واجب کر لی) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں "حق العباد علی اللہ ان لا یعذبھم" (بندوں کا حق ہے اللہ پر کہ وہ اُن پر عذاب نہ کرے) یعنی جب وہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہوں۔ اور حق علی اللہ ان یسقیہ من طینۃ الخبال" (اللہ پر حق ہے کہ وہ شراب پینے والے کو ہلاکت کی کیچڑ پلائے گا) یہ سب صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق حکم دیا ہے۔ اس کو یقینی و واجب بنا دیا ہے اور اُسے حق کر دیا ہے۔ لہٰذا یہ اُس کی طرف سے واجب ہے نہ کہ اُس کے اوپر واجب ہے۔ "من" کو "علیٰ" سے بدل دیا گیا ہے۔ اور حروف جر کو بعض کو بعض سے بدل دیا جاتا ہے۔

ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ ابلیس کو اور سرکش شیاطین کو اور شراب اور سوروں کو اور اُن پتھروں کو جن کی پرستش کی جاتی ہے اور جوئے کو لاٹری کے تیروں کو اور اُن اشیاء کو جو غیر اللہ کے نام پر نامزد کی جاتی ہیں اور اُن جانوروں کو جو بتوں پر بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں کس نے پیدا کیا۔ اُن کا قول اور ہر مسلمان کا قول یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کا خالق ہے۔ ہمیں ان سے یہ پوچھنا چاہیئے کہ آیا یہ سب کوئی اچھی چیز ہیں اور حسن ہیں یا نجس و قبیح و شر ہیں۔ اگر وہ کہیں کہ نجس قبیح و شر ہیں اور ناپاک و فسق ہیں تو انھوں نے سچ کہا اور اس کا اقرار کر لیا کہ اللہ نے نجاسات۔ ناپاکی اور شر و فسق کو اور جو حسن نہ تھا اُسے پیدا کیا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ یہ تمام امور اس اعتبار سے حسن ہیں کہ ان کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور اس اعتبار سے شر و نجس و فسق و ناپاکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی نام سے نامزد کیا ہے۔

۶۰

تو ہم کہیں گے کہ تم نے سچ کہا اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ کفر و معاصی اس اعتبار سے کہ یہ اللہ کی مخلوق کے اعراض و حرکات ہیں اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے سب کے سب حسن ہیں اور یہی امور نافرمانوں کی طرف منسوب کرنے سے قبیح و نجس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان (شراب جوا۔ بت۔ لاٹری کے تیر۔ ناپاک ہی ہیں جو شیطان کا عمل ہیں) اور فرمایا ہے" ولحم خنزیر فانہ رجس" (اور سور کا گوشت (اللہ نے حرام کیا ہے) کیونکہ وہ ناپاک ہے) اب یہ لوگ ہمیں بتائیں کہ ان اشیاء کے کس گناہ کی وجہ سے یہ واجب ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو اور انھیں نجس قرار دے اور دوسری اشیاء کو پاک قرار دے۔ کیا یہاں اس کے سوا کچھ اور ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا تھا وہ اُس نے کیا۔

ان امور میں کونسا فرق ہے وہ جس کسی ایسی چیز سے چاہے ناراض ہو جو عقل نہیں رکھتی اور اُس پر لعنت کرے اور اسی قسم کی جس کسی چیز سے چاہے راضی و خوش ہو اور اُس کی قدر بلند کرے اور اُس کی تعظیم کا حکم دے۔ مثلاً حضرت صالح کی اونٹنی۔ اور بیت حرام۔

اور اس میں کہ وہ یہی برتاؤ اُس کے ساتھ کرے جو عقل رکھتا ہے۔ بعض کو مقرب بنائے جیسا چاہے اور بعض کو جیسا چاہے دور کر دے۔ یہ وہ امور ہیں جس میں کبھی کسی فرق کے وجود کی گنجائش نہ ملے گی۔ ان سے دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جسے ممالک اسلام میں۔ ایسی جگہ پیدا کیا جہاں اُسے وہی ملتا ہے کہ اُسے دین کی دعوت دے اور اُس کے ساتھ احسان کرے آیا اللہ نے اُسے اُس شخص پر ترجیح دی۔ جسے اُس نے ملک زنجبار و چین و روم میں ایسی جگہ پیدا کیا جہاں وہ صرف اُسی کو سنتا ہے جو دین اسلام کی مذمت کرتا ہے اور اس کو باطل بتاتا ہے اور اُس سے روکتا ہے۔ اور آیا انھوں نے کبھی کسی بداخلاق کو دیکھا ہے اور اُس شخص کو سنا ہے جو ان ممالک سے اُس سے لئے

نکلا ہے کہ وہ دین پر برہان کی صحت کو دریافت کرے؟ جو اس کا انکار کرے وہ عیاں وحس کا منکر ہے اور جو اس کا یقین کرے اس نے معتزلہ کے قول فاسد کو ترک کر دیا۔

قول صحیح جس کی صحت کو عقل صحیح بداہت کے ساتھ جانتی ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ماسوا ہر شے پر حاکم ہے اور وہ کسی کا محکوم نہیں ہر وہ شے جو اللہ کے ماسوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ خواہ وہ جوہر حامل ہو یا عرض محمول۔ کہ اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ وہ جس پر عذاب کرنا چاہتا ہے عذاب کرتا ہے اور جس پر رحم کرنا چاہتا ہے رحم کرتا ہے۔ کسی کو کوئی شے لازم نہیں سوائے اس کے جس کو اللہ لازم کرے۔

کوئی قبیح نہیں سوائے اس کے اللہ قبیح کر دے۔ نہ کوئی حسن ہے سوائے اس کے جسے اللہ حسن کر دے۔ اللہ تعالیٰ پر کسی کا نہ کوئی حق ہے نہ حجت۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے سوا ہر شخص اور ہر شے پر حق واجب وحجت بالغہ ہے۔ اگر وہ تمام فرمانبرداروں اور ملائکہ اور انبیاء پر ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈالکر عذاب کرے تو بلاشک اُسے اس کا حق ہے اور یہ اُس سے عدل وحق ہوگا۔ اور اگر ابلیس اور کفار کو ہمیشہ کے لئے جنت میں رکھکر انعام کرے تو اُسے اُس کا حق ہے اور یہ اُس سے حق وعدل ہوگا۔ ان تمام امور سے اللہ تعالیٰ نے انکار کیا ہے اور یہ خبر دیدی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا اس لئے یہ امور باطل وجور وظلم ہو گئے۔ کوئی ہدایت نہیں پا سکتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اُسے ہدایت کرے اور کوئی گمراہ نہیں ہو سکتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اُسے گمراہ کرے۔ عالم میں خیر یا شر وغیرہ کچھ نہیں ہو سکتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اُس کے ہونے کا ارادہ کرے۔ وہ جس کے ہونے کا ارادہ نہ کرے وہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم جانور کی یہ حالت پاتے ہیں کہ اُس میں ایک کی دوسرے پر زبردستی وستم کو نہ قبیح کہا جاتا ہے نہ ظلم۔ نہ اُس پر اس حرکت پر ملامت

کیجاتی ہے ۔ اور نہ اُس پر ملامت کی جاتی ہے جو ایسے جانور کو پالے جو دوسرے پر زبردستی وستم کرے ۔ اگر یہ نوع قبیح لعینہ یا ظلم لعینہ ہوتی تو یہ جب کبھی پائی جاتی قبیح ہی ہوتی ۔ مگر جب یہ ایسی نہیں ہے تو ثابت ہوگیا کہ ہرگز کوئی شے قبیح لعینہ نہیں ہے لیکن صرف جب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبیح کر دے ۔

معتزلہ کا قول ایسے برہان کلی سے جو ان کے قاعدۂ فاسد کی جامع ہے باطل ہوگیا تو اب ہمیں اللہ کی مدد و قوت سے ان کے مسائل کے اجزا کے باطل کرنے میں کلام کرنا چاہئے ۔ اور ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مدد کے طالب ہیں ۔

سب سے پہلے ہم ان سے یہ دریافت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم سے اُس کی تعریف کرو کہ عقل کے نزدیک قبیح کیا چیز ہے۔ کیا قبیح علی الاطلاق ہے ؟ (یعنی جو قبیح ہے کیا ہر حال میں قبیح ہے؟) ان کے بعض رؤسا نے جن میں حارث بن علی الوراق بغدادی اور عبداللہ بن احمد بن محمود الکعبی البلخی وغیرہ بھی ہیں کہا کہ ہر شے کسی نہ کسی وجہ سے حسن بھی ہے ۔

میں نے کہا کہ اس قسم کی چیز کا واقع ہونا اللہ تعالیٰ سے ناممکن ہے ۔ اس لئے کہ اس وقت وہ حسن ہو جائے گی ۔ کیونکہ وہ ہر حال میں قبیح نہیں ہے ۔ جو چیز ہر حال میں قبیح ہے تو وہ ہرگز حسن نہ ہوگی ۔ یہ چیز ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے منفی ہے ۔

ان لوگوں نے کہا کہ وہ چیز ہر حال میں قبیح ہے کہ تم غیر کیساتھ وہ کام کرو جس کا اپنے ساتھ کیا جانا تم نہ چاہو ۔ وہ تکلیف جس کی طاقت نہ ہو پھر اُس پر عذاب کرنا کیا ۔

اہل باطل نے جب اس حماقت کو پیش کیا تو یہ سمجھے کہ انھوں نے نادر بات کہی اور نشانے پر پہنچ گئے ۔ حالانکہ درحقیقت انھوں نے ہذیان بکا اور بیہودہ بات کہی ۔ اور یہ عین خطا و غلط ہے ۔ فوج میں سے

٦١

صرف بعض قبیح ہیں کیونکہ اُنھیں اللہ نے قبیح کر دیا ہے اور بعض حسن ہیں کیونکہ اللہ نے اُنھیں حسن کر دیا ہے۔ تعجب تو اُن کے بہتان تراشنے پر ہے جو اُنھوں نے اپنے دعوے میں کیا ہے کہ ہمارے آپس میں محاباۃ (کسی کی تخصیص کرنا یا کسی کو ترجیح دینا) ظلم ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے کون سی شریعت میں یا کونسی عقل میں پایا کہ محاباۃ ظلم ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مباح کیا ہے سوائے اس کے کہ جہاں اس نے چاہا (مباحاۃ کو مباح نہیں کیا) اور وہ یہ ہے کہ مرد کو تو یہ حق ہے کہ وہ دو تین اور چار بیویوں سے نکاح کرے اور یہ اُس کے لئے مباح وحسن ہے۔ اور اُسے حق ہے کہ وہ اپنی کنیزوں میں سے جتنی کنیزوں کے ساتھ چاہے مباشرت کرے اور یہ اُس کے لئے مباح وحسن ہے۔ عورت کو ایک سے زائد کے ساتھ نکاح جائز نہیں اور وہ شخص (جس سے یہ عورت نکاح کرے) اُس عورت کا غلام نہ ہو۔ اور عورت کے لئے یہی حسن ہے۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ عورتوں کے دلوں میں بھی ویسی ہی غیرت ہے جیسی ہمارے دلوں میں ہے۔ اور غیرت کی شریعت میں یہ حرام ہے۔ بعض حیوانوں میں بالطبع اس کی نفرت موجود ہے۔

حر مُسلم کو (یعنی آزاد مسلمان کو جو کسی کا غلام نہ ہو) یہ حق ہے کہ وہ اپنے بھائی مسلمان کو غلام بنائے۔ شاید وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے دین میں اور اپنے اخلاق میں اور اپنی عبادت میں اپنے آقا سے بہتر ہو۔ یہ حق ہے کہ وہ اُسے فروخت کرے یا ہبہ کرے خدمت لے اور یہ جائز نہیں کہ اس (حر و آقا) کو کوئی شخص یا اُس کا ہی غلام یا اور کوئی اسے اپنا غلام بنائے اور اُس شخص سے یہ حسن ہے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدس کے لئے یہ چاہا اور اللہ نے بھی اسی کے ذریعے سے آپ کو بزرگی عطا فرمائی کہ آپ کے بعد آپ کی ازواج رضوان اللہ علیہن سے جو ہماری مائیں ہیں کوئی اور نکاح نہ کرے۔ آنحضرت علیہ السلام نے بیویوں کے شوہروں کے بعد اُن سے

نکاح کرنا پسند فرمایا۔ اور یہ سب حسن وجمیل و صواب ہے۔ اگر کوئی غیر یہی چاہتا تو وہ غلط ارادے والا قبیح و ظالم ہوتا۔ اس کی مثالیں اگر تلاش کی جائیں تو بہت کثرت سے ہیں۔ کیونکہ یہ عالم میں اور اکثر شریعت میں پھیلا ہوا ہے۔ معتزلہ کا یہ قول فاسد بھی باطل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی اباحت پر تصریح فرمائی ہے جو معتزلہ کے نزدیک عدل نہیں ہے۔ بلکہ علی الاطلاق اور بطور محاباۃ جیسا چاہا مباح کر دیا اور یہ سب اُس سے عدل ہے۔ فرمایا ہے "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ان حرصتم فلا تمیلوا کل المیل" (اور تم ہرگز یہ نکر سکو گے کہ عورتوں میں عدل کرو اگرچہ تم چاہو۔ لہٰذا تم پورے طور (کسی کی طرف) نہ جھکو)۔ اور فرمایا ہے۔ فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم" (پھر اگر تمھیں یہ اندیشہ ہو کہ تم (بیویوں میں) عدل نکر سکو گے تو پھر ایک کرو یا اپنی کنیز پر قناعت کرو۔) اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے یہ مباح کر دیا کہ ہم اپنی کنیزوں میں عدل نکریں اور ہمارے لئے ان میں سے کسی کے ساتھ جسے ہم چاہیں محاباۃ (ترجیح وتخصیص) جائز کر دی۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ عدل صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ عدل بتائے۔ جو شے اللہ تعالیٰ کرے وہ عدل ہے، اور اس کے سوا کوئی عدل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو تو میراث میں سے دو حصے عطا فرمائے اگرچہ وہ غنی اور کمانے والا ہو۔ اور بیٹی کو ایک حصہ دیا اگرچہ وہ چھوٹی اور فقیر ہو۔ لہٰذا معتزلہ کا قول باطل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے ترجیح وتخصیص کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ اور یہی عدل ہے نہ وہ جسے معتزلہ نے اپنی جہالت اور اپنی عقول کے ضعف سے عدل سمجھا ہے۔

تکلیف مالا یطاق اور اس پر عذاب کرنا، یہ صرف ہم لوگوں کے درمیان قبیح ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہم پر حرام کر دیا ہے۔ معتزلہ بھی اُن لوگوں کی کثرت تعداد کو جانتے ہیں جو اس امر میں معتزلہ کے

مخالف ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ سے قبیح نہیں جس کے اوپر کوئی حکم نہیں اور نہ وہ ہماری عقول کے حکم کا پابند ہے۔ اس مسئلے میں ان کا اپنے مخالفین پر یہ دعویٰ کہ انھوں نے عقل کے بدیہی فیصلے کی مخالفت کی ایسا ہی ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ کو مجسم ماننے والے کا دعویٰ ان لوگوں پر ہے کہ انھوں نے عقل کے بدیہی فیصلے کی مخالفت کی کیونکہ انھوں نے فعل کو اُس ذات سے جائز رکھا جو جسم نہیں۔ اور بلا حیات کے حی اور بغیر علم کے عالم مان لیا۔

یہ دونوں دعوے کاذب ہیں اور ہم اپنی اسی کتاب کے گذشتہ حصے میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ اُس شخص کی غلطی ہے جو عقل میں اُس کا دعویٰ کرے جو عقل میں نہو۔ ہم نے بیان کیا ہے کہ عقل کے ذریعے سے اُس اللہ پر حکم نہیں کیا جا سکتا جس نے عقل کو پیدا کیا اور اُسے اُس طور پر مرتب کیا جس طور پر وہ ہے۔ اور اس سے زاید نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ منعم کی نعمت کی ناشکری اور والد کی نافرمانی ہر حال میں قبیح اور عقل میں ہر وجہ سے ناجائز ہے۔

یہ انتہائی غلطی ہے اس لئے کہ معاملات و حالات میں تمیز رکھنے والا عقلمند جب اس کو سوچیگا تو وہ یقیناً یہ جانے گا کہ سوائے اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کے کوئی اُس کا منعم نہیں جو اس کو عدم سے وجود میں لایا، اُس کے لئے تمیز و حواس بنائے روئے زمین کی ہر شئے کو اور آسمان کی اکثر اشیاء کو مسخر و تابع بنایا اور اس کو عطائے مال سے مشرف کیا۔ یہ بھی جانے گا کہ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جو منعم ہے وہ اگر مال کا منعم ہے تو اُس نے اللہ تعالیٰ ہی کے مال میں سے دیا ہے تو نعمت اللہ تعالیٰ کی ہوئی نہ کہ اُس شخص کی۔ اور اگر وہ منعم معالج یا مُعیتق (یعنی اس کا آزاد کرنے والا) یا کسی مصیبت پر ہمدردی کرنے والا ہے تو اُس معاملے میں بھی اُس نے انہی میں سے صرف کیا جو اللہ تعالیٰ نے اس کو کلام۔ قوت۔ حواس اور اعضا عطا فرمائے تھے۔ اس نے ان اشیا کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی مِلک میں اور اُن اشیاء میں تصرف کیا جن کی

۶۲

ملک میں اللہ تعالیٰ اس سے مقدم و اولیٰ ہے۔ تو یہ نعمت بھی اللہ کی ہوئی نہ کہ اس شخص کی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی ہر نعمت کا ولی و مالک ہے۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں لہٰذا سوائے اس کے کوئی منعم نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی منعم بنائے۔ اور کسی منعم کا شکر واجب نہیں بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کے شکر کو واجب کرے تو اس وقت اس کا شکر واجب ہوگا ورنہ نہ ہوگا۔ اور اس وقت وہ شخص جو اس منعم کا شکر نہ ادا کرے گا وہ اس امر میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنے کی وجہ سے گناہ گار۔ فاسق اور مرتکب گناہ کبیرہ ہوگا۔

ہمارے اپنے والدین کی منی سے پیدا ہونے میں اور خاک سے پیدا ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ خاک کے ساتھ نیکوکاری ہمارے ذمے لازم نہیں ہے اور نہ اس کا ہم پر کوئی حق ہے۔ یہ محض اس لئے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اس کا کوئی حق مقرر نہیں کیا۔ کبھی بچے کو بکری دودھ پلاتی ہے۔ مگر اس بکری کا اس بچے پر کوئی حق واجب نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بکری کے لئے مقرر نہیں کیا۔ اس نے اس حق کو والدین کے لئے مقرر کیا اگرچہ وہ کافر و مجنون ہوں اور انھوں نے ہماری پرورش کو اپنے ذمے نہ لیا ہو بلکہ ہمیں چھوڑ کے اپنی لذتوں میں مشغول رہے ہوں۔ یہاں (نیکی کو واجب کرنے والا) محض اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

دوسرا برہان یہ ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ زنا کرے جو اس کو حرام جانتا ہو یا اس کو حرام جاننے والا نہ ہو تو ان لوگوں میں سے ہو کہ اس مباشرت سے جو نطفہ نازل ہو اور اس سے جو بچہ پیدا ہو وہ اس شخص کے ساتھ شامل نہ ہو تو اس شخص کے ساتھ نیکوکاری و حسن سلوک اس بچے کے ذمے قطعاً لازم نہیں اور اسے اپنی ماں کے ساتھ نیکوکاری لازم ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کے ساتھ اس کا حکم دیا اور اس کے بارے میں اس کا حکم نہیں دیا جس کے نطفے سے یہ پیدا ہوا ہے۔

عقل کے نزدیک اس معاملے میں مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں۔ نہ معقول میں فرق ہے اور ولادت میں بچے کے اپنی ماں کے یہاں مباشر و مجامع کے نطفے سے پیدا ہونے میں عقل کے نزدیک اولاد زنا میں اور اولاد صحیحہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن اولاد صحیحہ پر جو عقد نکاح یا ملک یمین (یعنی کنیزی سے) پیدا ہوں خواہ یہ دونوں (نکاح و ملکِ یمین) صحیح ہوں یا فاسد اللہ تعالیٰ نے لازم کر دیا ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ نیکی کریں اور ان کا شکر کریں۔ ان کی نافرمانی کو کبائر میں کر دیا ہے۔ ہمیں اس کی پابندی ضروری ہے۔ چونکہ اسے اولاد زانیہ پر اللہ نے لازم نہیں کیا اس لئے انھیں لازم نہیں ہے۔

ہم بھی اور معتزلہ بھی یقیناً جانتے ہیں کہ اگر دو مسلمان مرد کسی سفر میں روانہ ہوں۔ ان میں سے ایک مسلمان دار الحرب کے کسی گاؤں پر حملہ کرے اور اس گاؤں کے ہر بالغ مرد کو قتل کر دے۔ ان لوگوں کا تمام مال لیلے۔ ان کے بچوں کو گرفتار کر لے۔ پھر امام عادل کے حکم سے اس کو پانچ حصوں پر تقسیم کرے اور اس کے حصے میں وہ بچے پڑیں جن کے باپ کو اس نے خود قتل کیا ہے اور ان کی ماؤں کو گرفتار کیا ہے اور وہ بھی از روئے تقسیم صحیح اس کے حصے میں پڑیں پھر یہ ان سے نکاح کر لے اور ان کی اولاد کو اپنے باغوں کی جھاڑو دینے میں اور اپنے مواشی کی خدمت میں اور اپنی کھیتی میں اور اس کے کاٹنے میں لگا دے اور اس کی انھیں اتنی ہی تکلیف دے جتنی وہ طاقت رکھتے ہوں اور انھیں دستور کے مطابق جیسا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کپڑا پہنائے اور ان پر خرچ کرے تو اس شخص کا حق ان بچوں پر بغیر کسی اختلاف کے واجب ہے اگر یہ انھیں آزاد کر دے تو وہ ان کا منعم ہے اور اس کا شکر ان لوگوں پر فرض ہے۔ اسی طرح اگر یہی برتاؤ اس غلام کے ساتھ کرے جس کو اس نے خریدا ہے اور اب وہ مسلمان ہے۔ دوسرا مسلمان (جو سفر میں نکلا تھا) مسلمانوں کے کسی گاؤں پر

حملہ کرے اور اُن کے کچھ بچے گرفتار کرکے اُنھیں فقط غلام بنا لے۔ نہ کسی کو قتل کرے نہ ان کی عورتوں کو گرفتار کرے۔ پھر ان بچوں کی بہترین طریقے پر پرورش کرے اور وہ بچے مصیبت سختی مشقت اور تنگ زندگی اور بدحالی والے گاؤں میں ہوں۔ یہ اُن کی زندگی کو بافراغت کر دے۔ اُنھیں علم و اسلام کی تعلیم دے۔ مال کثیر عطا کرے پھر اُنھیں آزاد کر دے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس شخص کا اُن بچوں پر کوئی حق نہیں۔ اس شخص کی مذمت و عداوت اُن بچوں پر فرض ہے۔ اگر اس نے اُن میں سے کسی عورت سے مباشرت کی اور یہ شخص شادی شدہ بھی ہے اور ان بچوں میں سے کوئی شخص صاحبِ حکومت بھی ہو گیا ہے تو اس کو لازم ہے کہ وہ اس شخص کا پتھروں سے سر پھوڑ دے یہاں تک کہ یہ مر جائے۔

کیا اہلِ اسلام میں سے ہر صاحبِ عقل کو واضح نہیں ہوتا کہ سوائے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کے نہ کوئی منعم ہے نہ محسن مگر وہ شخص کہ جسے اللہ تعالیٰ ہی محسن یا منعم بتائے۔ نہ کسی کو کسی کا شکر لازم ہے سوائے اُس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی جس کے شکر کو لازم کر دے اور نہ کسی کا کسی پر کوئی حق ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اُس کے لئے کوئی حق مقرر کر دے۔ تو واجب ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے واجب کر دیا ہے ورنہ واجب نہ ہوتا۔

معتزلہ نے اس امر میں ہم سے اتفاق کیا ہے کہ جس کسی نے دنیا کے لئے کسی انسان پر احسان کیا۔ اور کسی ایسی وجہ سے اس کے ساتھ احسان کیا کہ اللہ نے اُسے حرام کر دیا ہے تو اس شخص کو اُس کا شکر لازم نہیں۔ ایک شخص نے دوسرے کے ساتھ انتہائی احسان کیا پھر اس شخص نے (جس کے ساتھ احسان کیا گیا تھا) اس طرح اُس (محسن) کا شکر ادا کیا کہ اس کی دنیا کے کام میں اُس کی کسی ایسی چیز سے اعانت کی جو دین میں جائز نہیں تو یہ اُس کے ساتھ بدملی کرنے والا (مسیئی) اور ظالم ہے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ نہ کوئی شے واجب ہے نہ حسن ہے نہ قبیح ہے سوائے اُس کے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے

دین میں واجب کیا ہے یا دین میں حسن قرار دیا ہے یا دین میں قبیح بتایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ہمارا مددگار ہے۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ۔ کذب ہر حال میں قبیح ہے۔

یہ بھی مثل سابق (غلط) ہے۔ یہ لوگ اس قول کے بطلان پر اور کذب کے حسن (اچھا) کہنے پر پانچ مقامات میں چونکہ اُسے اللہ تعالیٰ نے حسن بتایا ہے ہمارے ساتھ متفق ہیں۔ یہ اس طرح ہے کہ مثلاً ایک مسلم انسان ظالم بادشاہ سے جو اس شخص پر ظلم کرتا ہے اور اس کو تلاش کرتا ہے پوشیدہ ہے۔ پھر اُس ظالم نے اِس شخص سے جس کے پاس وہ شخص مطلوب پوشیدہ ہے دریافت کیا، نیز ہر اُس شخص کی خبر اور اُس کے مال کو دریافت کیا جو اُس کے پاس ہے تو تمام مسلمانوں میں سے کسی کو بھی اس امر میں اختلاف نہیں کہ اگر اس نے اس بادشاہ سے سچ کہا اور اُسے اُس پوشیدہ شخص کا مقام و مال بتا دیا تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کا نافرمان۔ فاسق ظالم اور فعل قبیح کا مرتکب ہے۔ اور اگر یہ شخص بادشاہ سے جھوٹ کہے کہ نہ مجھے اُس کا ٹھکانا معلوم ہے نہ اُس کے مال کا تو اسے ثواب ہوگا اور اس کا مرتکب محسن و فعل حسن کا مرتکب ہوگا۔ اسی طرح آدمی کا جھوٹ اپنی بیوی سے اُن امور میں جن سے وہ اُس کی محبت اور حسن صحبت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور جنگ مشرکین میں اُن امور میں جھوٹ بولنا جن سے اُن کے ہلاک کرنے کی اور مسلمانوں کی اُن سے رہائی کی گنجائش نکلے۔ واجب ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ کذب بھی صرف وہیں قبیح ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو قبیح کر دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو عقل میں ہرگز قبیح نہ ہوتا۔ (کذب کا قبیح ہونا) ضرورت عقل سے واجب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ کوئی چیز اس عالم میں اُس ترتیب سے بدل جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے اُسے عقل کے اندر مرتب کیا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کا عقول پر بہتان و کذب ثابت ہوگیا۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ ظلم قبیح ہے یہ بھی مثل اول کے ہے۔ ہم اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ ظلم کے کیا معنی ہیں۔ یہ

اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکیں گے کہ انسانوں کا قتل کرنا، ان کے اموال کا لے لینا، ان کی ایذار سانی، خودکشی، یا اپنے نفس کو عیب دار بنانا، یا اپنی عورتوں کا لوگوں کے لئے مباح کر دینا کہ وہ ان سے نکاح کریں۔ حالانکہ ان میں سے کوئی شے قبیح لعینہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خراسان کی اس قوم کا مال لینا حلال کر دیا ہے۔ جن کے بھتیجے نے اندلس میں ایک شخص کو غلطی سے بغیر قتل کے ارادے کے قتل کر دیا۔ مگر اس نے ایک تیر مارا جو اس کے لئے مباح تھا (وہ غلطی سے کسی کے لگ گیا) یا جنگ میں کسی کافر کو تیر مارا، وہ کسی مسلمان کے جو پہاڑ کے پیچھے سے نکل رہا تھا لگ گیا اور وہ مر گیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا خون مباح کر دیا ہے جس نے زنا کیا اور وہ شادی شدہ ہے۔ اس نے کبھی کسی عورت سے سوائے اپنی زوجہ کے کسی سے مباشرت نہیں کی جو بوڑھی تھی۔ بال بھی سفید تھے۔ اس سے ایک ہی مرتبہ مباشرت کی پھر وہ مر گئی۔ اسے نہ نکاح کے لئے کوئی عورت ملتی ہے نہ کنیز بنانے کے لئے یہ شخص جوان اور عورت کا حاجتمند ہے۔ اس بوڑھے شخص کا خون حرام ہے جس نے زنا کیا اور اس کی سو کنیزیں جو ستاروں کی طرح حسین ہیں۔ سوائے اس کے کہ کبھی اس کی کوئی منکوحہ بیوی نہیں رہی۔

لیکن انسان کی خودکشی تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اللہ کی راہ میں قتل کے لئے اپنی جان پیش کرنے کی اور ان جماعتوں کے دفع کرنے کی تحسین و تعریف کی ہے کہ یہ یقین کرتا ہے کہ اپنے اس فعل (یعنی دفع کرنے) میں قتل کر دیا جائے گا) اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے (بنی اسرائیل کو) خودکشی کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ہے "فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذلکم خیر لکم عند بارئکم فتاب علیکم (پھر اپنے خالق کی طرف رجوع کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ یہ تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک بہتر ہے۔ پھر اس نے تمہیں معاف کر دیا) اگر ہمیں بھی اللہ تعالیٰ اسی قسم کا حکم دیتا تو اس کا حکم یقیناً حسن ہوتا جیسا کہ اس کا حکم بنی اسرائیل کو

اس کے متعلق حسن تھا۔

لیکن نفس کو عیب دار بنانا تو ختنہ واحرام (حج میں) اور رکوع و سجود۔ اگر اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق حکم نہ ہوتا اور اُس نے اس کی خوبی نہ بیان کی ہوتی تو بلاشک اس کے کوئی معنی نہ ہوتے۔ اور اصول معتزلہ پر یہ ضرور تشویہ (عیب دار بنانا) ہوتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کھڑا ہو پھر بغیر نماز کے لوگوں کے سامنے اپنا سر زمین پر رکھدے تو بلاشک وہ ایک عبث و فضول حرکت کا مرتکب ہے اور اس پر جنون کا یقین کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بغیر حج یا عمرے کے مجمع کے سامنے اپنے کپڑے اتار دے اور اپنا سر کھول دے اور کنکریاں پھینکے اور کسی گھر کے ارد گرد دوڑ دوڑ کے اور گھوم گھوم کے طواف کرے تو بلاشک ضرور وہ مجنون ہوگا۔ خاصکر اگر وہ جوئیں مارنے سے اور اپنے سر سے جوئیں دیکھنے سے اور اپنے ناخن اور مونچھیں کترنے سے باز رہے۔ لیکن جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق جو کچھ حکم دینا تھا وہ دیدیا تو یہ فرض و واجب وحسن ہوگیا اور اس کا ترک قبیح اور انکار کفر ہوگیا۔

لیکن آدمی کا اپنی عورتوں کو نکاح کے لئے مباح کرنا۔ تو جو امور انھوں نے پیش کئے یہ اُن میں عجیب تر ہے۔ کیا انھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں اور بندیوں کو آزاد کر دیا ہے کہ بعض بعض کے ساتھ بدکاری کریں۔ حالانکہ وہ ان کے اس سے روکنے پر قادر ہے۔ مگر اُس نے یہ نہیں کیا بلکہ اُس نے ان کے آلات اور ان کی شہوات کو اس پر طاقت دی جس کا معتزلہ کو بھی اقرار ہے۔ یہ فعل اللہ تعالیٰ سے حسن ہے اور اُس کے بندوں سے قبیح ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے قبیح کر دیا ہے۔ اور اس سے زیادہ نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو حسن کر دیتا تو یہ ضرور حسن ہوتا۔ کیا معتزلہ نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا کہ لوگ مردوں سے اپنی بیٹیوں کا نکاح کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص عورت کو طلاق دیدیتا ہے تو دوسرے سے نکاح ہوتا ہے پھر تیسرے سے

ہو جاتا ہے اور جہاں تک ممکن ہو اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح جب شوہر اُسے چھوڑ کے مر جائے۔ تو پھر عقول کے نزدیک ان دونوں میں کونسا فرق ہے کہ ایک شخص عورت کی مباشرت کو اس لفظ سے مباح کرتا ہے کہ میں نے تیری بیوی بنا دیا یا تیرے ساتھ نکاح کر دیا۔ اور اس میں کہ اُس کی مباشرت کے لئے کوٹھری بنائی جائے اور اُس پر یہ لفظ بولا جائے کہ اُٹھ اور اس سے مباشرت کر۔ لہٰذا اس مقام پر بھی صرف وہی قبیح ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قبیح بتایا اور وہی حسن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حسن بتایا۔

بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ کفر ہر حال میں قبیح ہے۔ یہ بھی مثل سابق ہے۔ کفر بھی محض اسی وجہ سے قبیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قبیح کر دیا اور اس سے منع کیا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو وہ قبیح نہ ہوتا اللہ تعالیٰ نے تقیہ (خوف) کے وقت کلمہ کفر کو مباح کر دیا ہے۔ اگر تقیہ نہ ہو تو اس کے سبب سے خون کو مباح کر دیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ اعتقاد کرے کہ شراب کی تحریم نازل ہونے سے پہلے بھی وہ حرام تھی تو کافر ہو جائے گا۔ اگر اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شراب کے مباح کرنے کا علم ہے تو اُس کا یہ اعتقاد کفر ہو گا۔ پھر یہی کفر ایمان ہو گیا۔ اب جو اُس کے حلال ہونے کا اعتقاد کرے وہ کافر ہے اور اُس کا تحلیل شراب کا اعتقاد کفر ہے۔

ثابت ہو گیا کہ نہ کوئی چیز کفر ہے نہ ایمان سوائے اُس کے جسے اللہ تعالیٰ ہی کفر و ایمان بتائے۔ کفر جو قبیح ہے تو اللہ تعالیٰ کے قبیح بتانے کے بعد ہے اور ایمان جو حسن ہے تو اللہ تعالیٰ کے حسن بتانے کے بعد ہے۔ لہٰذا وہ سب باطل ہو گیا جو معتزلہ نے کفر و جور و ظلم کے بارے میں کہا تھا۔ اور ثابت ہو گیا کہ نہ کوئی چیز ظلم ہے نہ جور سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا، اور نہ کوئی عدل ہے سوائے اُس کے کہ جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا یا اُسے مباح کر دیا خواہ وہ کچھ بھی ہو۔

وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جب یہ ایسا ہی ہے جیسا ہم نے بیان کیا تو ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا فعل کسی شے میں بھی ظلم نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص پر عذاب کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اُس طاعت پر قادر نہیں ہوا جس کا اُس نے اُسے حکم دیا تھا تو ہرگز یہ عذاب ظلم نہ ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ظلم نہیں بتایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے اُن افعال کا پیدا کرنا ظلم نہیں ہے جو اُس کے بندوں سے سرزد ہوں تو وہ کفر و ظلم و جور ہیں' اس لئے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ پر کوئی امر و حکم کرنے والا ہے اور نہ منع کرنے والا۔ بلکہ امر بھی اُسی کا امر ہے اور سلطنت بھی اُسی کی سلطنت ہے۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ تکلیف مالایطاق پھر اُس پر عذاب کرنا عقول کے نزدیک بالکل قبیح ہے۔ جو ہم لوگوں میں کسی طور پر بھی حسن نہیں ہے تو وہ باری تعالیٰ سے بھی ہرگز حسن نہ ہوگا۔

یہ لوگ وہ چیز بھول گئے جسے بھولنا نہ چاہئے تھا۔ ان سے کہا جائے گا کہ آیا ہمارے آپس میں کسی کا یہ کہنا کہ "میری عبادت کرو۔ مجھے سجدہ کرو" قبیح نہیں ہے جو کسی وجہ سے اور کسی حال میں بھی حسن نہیں ہے اس کے جواب میں "ہاں" ضروری ہے۔ پھر اُن سے کہا جائے گا کہ آیا یہی قول اللہ تعالیٰ سے حق و حسن نہیں ہے۔ اس کا جواب بھی لامحالہ "ہاں" ہی ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ تو محض ہم لوگوں سے قبیح ہے اس لئے کہ ہم اس کے مستحق نہیں ہیں۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ اسی طرح ہمیں سے تکلیف مالایطاق اور اس پر عذاب کرنا قبیح ہے اس لئے کہ ہم اس صفت کے مستحق نہیں ہیں۔ وہ لوگ جو فرق بھی بیان کریں گے وہ تکلیف مالایطاق کے بارے میں اُن کی طرف رجوع کرے گا اور کوئی فرق نہ ہوگا

اسی طرح اپنے احسان کا جتانے والا۔ جبار۔ متکبر۔ صاحبِ کبریا ہم لوگوں میں ہر حال میں قبیح ہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ سے حسن و حق ہے۔ اور اُس نے خود ہی اپنے کو جبار و متکبر کہا ہے اور بتایا ہے کہ اس کے لئے کبریا ہے اور وہ اپنا احسان بھی جتاتا ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ اُس سے حسن ہے اس لئے کہ سب اُسی کی مخلوق ہیں تو اُن سے کہا جائے گا کہ اسی طرح اُس سے اس شخص کو تکلیف دینا جو استطاعت نہیں رکھتا پھر اُس پر عذاب کرنا حسن ہے۔ اس لئے کہ سب اُسی کی مخلوق ہیں۔ اور اسی طرح ہمارے درمیان۔ جو شخص جانور کو پر نوچنے یا مارنے کا عذاب دے پھر اُسے اچھی طرح چارہ دے اور فراغت سے کھلائے تو یہ ہر طور پر قبیح ہے اور اس کا مرتکب لغو حرکت کرنے والا ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیوان کی تکلیف مالا یطاق یعنی اُس کے کھانے اور ذبح کرنے کو مباح کر دیا ہے پھر اس پر اُسے عوض دیدے۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ فعل حسن ہے۔ سوائے اس کے کہ معتزلہ مجبوراً یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بغیر حیوان کو ایذا پہنچائے اور عذاب کئے اُس کے عوض دینے پر قادر نہیں ہے تو یہ بدترین قول، کھلا ہوا جھوٹ، نہایت واضح بزدلی، پورا کفر، اور باری تعالیٰ کی بہت بڑی مذمت ہوگی وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

اگر وہ یہ کہیں کہ حیوان کا ایذا دینا کبھی ہم لوگوں میں حسن ہوتا ہے۔ مثلاً انسان جس سے محبت کرتا ہے اُسے بدمزہ دواؤں کا عرق پلاتا ہے اُس کے پچھنے لگاتا ہے اور اُسے داغ دیتا ہے کہ اس کے ذریعے سے اُسے منافع تک پہنچا دے۔ اگر یہ ناگوار چیز نہ ہوتی تو وہ ان فوائد تک نہ پہنچ سکتا۔

بیہودہ فریب کاری ہے جس کی وجہ سے اُنھیں اُس مسئلے میں اُس سوال سے رہائی نہیں ہو سکتی جو ہمارے اصحاب نے ان سے دریافت کیا ہے۔ ہم نے اُن سے اس شخص کے متعلق دریافت نہیں کیا جس کے نفع پہنچانے پر صرف اُس ایذا رسانی کے بعد ہی قدرت ہو جو اُس نفع سے جو اس ایذا کے بعد پہنچے گا کم ہے۔ ہم نے تو ان سے صرف اس شخص کے متعلق سوال کیا ہے کہ ایذا پہنچانے سے پہلے جس کے نفع پر قدرت ہو تا وقتیکہ اُسے ایذا نہ پہنچے اُس کو نفع بھی نہ پہنچے۔

اسی طرح اُس شخص کو تکلیف دینا جسے آدمی جانتا ہے کہ وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور جب وہ اُس کی طاقت نہیں رکھتا تو اُس پر عذاب کرتا ہے، تو یہ ہم لوگوں میں قبیح ہے۔

معتزلہ میں سے ایک معترض نے کہا کہ یہ امر کبھی ہم میں بھی حسن ہوتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ آدمی چاہتا ہے کہ اپنے دوست کے سامنے اُس کے غلام کی نافرمانی ثابت کر دے تو وہ اُسے حکم دیتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت نہ کرے گا تو اس شخص کا اُسے منع کرنا حسن ہے۔

یہ بھی مثل اول کے ہے اور کوئی فرق نہیں۔ ہم نے اُن سے اس شخص کے متعلق سوال نہیں کیا ہے جو اپنی نافرمانی کرنے والے کے رو کنے پر بھی اور منع کرنے سے زیادہ پر قدرت نہیں رکھتا۔ ہم تو صرف اُس شخص کے متعلق اُن سے سوال کرتے ہیں جس کا اس میں کوئی نفع نہیں ہے کہ وہ زید کو اس کے غلام کی اپنے ساتھ نافرمانی سے آگاہ کرے۔ اُس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جو اس پر قادر ہے کہ زید کو اس کے متعلق آگاہ کرے اور اس کو زید کے نزدیک بھی ثابت کر دے بغیر اس کے کہ اُس غلام کو حکم دے جو اس کی اطاعت نہ کرے گا۔ اُس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جو غلام کو نافرمانی سے رو کنے پر قادر ہے مگر ایسا نہیں کرتا۔ سوائے اس کے کہ معتزلہ اپنے رب کو عاجز مانیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ تو یہ باوجود کفر ہونے کے کھلا ہوا جھوٹ بھی ہے اس لئے کہ اہل دوزخ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگر یہ لوگ پھر دنیا میں واپس کر دئے جائیں تو یہ وہی کریں گے جس سے انھیں منع کیا گیا ہے۔

ہمارے نزدیک تو یہ امر اتنا ہی ثابت ہے کہ اگر ہم اس کو آنکھوں سے دیکھتے تو اس کی صحت کے متعلق ہمارے علم میں کوئی اضافہ نہ ہوتا۔

اسی طرح ہم نے دوسری اقوام کا مشاہدہ کیا ہے جنھوں نے مختلف اقسام کے معاصی کا ارادہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اور معاصی کے

درمیان میں طرح طرح کی رکاوٹیں حائل کر دیں (جس سے وہ معاصی سے بچ گئے) ایک دوسری اقوام کو آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ اُن کے اور معاصی کے درمیان میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں کرتا بلکہ اُن معاصی کے اسباب کو قوی کر دیتا ہے۔ اُن کے موانع کو بالکل رفع کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ لوگ ان کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لہذا معتزلہ کا کذب اُن کا اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانے کا اقدام عظیم اُن کے مشاہدے کی شدید مخالفت اُن کی عقل سے مخالفت، ان کے جہل کی قوت، اور اُن کی اپنے ہی قول کی مخالفت روشن ہو گئی۔ نعوذ باللہ من الخذلان۔

ان تمام امور کے بعد اس میں ہمارا کونسا نفع ہے کہ ہمیں آگاہ کیا جائے کہ فرعون نافرمانی کرے گا اور ایمان نہ لائے گا۔ وہ کونسی چیز تھی جو بچوں کے لئے مضر تھی کہ وہ یہ جاننے سے پہلے ہی مر گئے کہ کون فرمانبردار ہے اور کون نافرمان۔

ہم معتزلہ سے اُس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جس نے کسی کو تلوار، خنجر اور بیلچے دیئے کہ وہ مارے اور زخمی کرے۔ یہ تمام اشیاء جہاد کے لئے بھی مناسب ہیں اور رہزنی اور چوری کرنے کے لئے بھی۔ وہ جانتا ہے کہ یہ شخص ان اشیاء کو جہاد میں استعمال نہ کرے گا بلکہ صرف رہزنی اور چوری کرنے میں استعمال کرے گا۔

اُس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جس نے کسی شخص کو شراب پر اور بدکار و زانیہ عورت پر قابو دیا۔ ان تمام چیزوں کے ساتھ اس کے لئے ایک مقام آراستہ کر دیا۔ آیا یہ شخص بلا کسی اختلاف کے بیہودہ حرکت کرنیوالا اور ظالم نہیں ہے؟ اس کا جواب "ہاں" ہی ہے۔ ہم اور معتزلہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو وہ قوتیں عطا فرمائیں جن سے وہ لوگ اُس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ لوگ ان قوتوں سے اُس کی نافرمانی کریں گے۔ اُس نے شراب پیدا کی اور اُسے لوگوں کے سامنے کر دیا۔ اُن کے اور شراب کے درمیان کوئی رکاوٹ بھی پیدا

نہیں کی۔ (اس پر بھی) نہ وہ ظالم ہے نہ عابث (عبث و فضول کام کرنیوالا)
اگر معتزلہ اللہ تعالیٰ کو ان امور کے روکنے سے عاجز بتائیں تو وہ کفر کی انتہا کو پہنچ گئے۔ کیونکہ ہم میں سے جو شخص شراب پینے والے سے شراب کو نہ روک سکے اور وہ روکنے پر قادر ہو تو وہ انتہائی کمزوری و ذلت میں ہے۔

یا اللہ تعالیٰ ان امور کے ہونے کا اپنی مشیت کے مطابق قصد کرتا ہے جس کے حکم کی کوئی باز پرس کرنے والا نہیں۔ تو یہ قول ہمارا ہے نہ کہ معتزلہ کا۔

اس نوبت پر وہ لاجواب ہو گئے۔ انھیں کوئی جواب بن نہ پڑا سوائے اس کے کہ ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ تو محض ہم لوگوں سے قبیح ہے اس لئے کہ ہم مصالح سے ناواقف اور عوض دینے سے عاجز ہیں۔ اور اس لئے کہ یہ ممنوع ہے اور یہ ہم پر حرام ہے۔ اگر ہم میں سے کسی شخص کے غلام ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے سے اس کے نزدیک یہ ثابت ہو کہ یہ غلام کبھی ایمان نہ لائیں گے مگر ان کا کھلانا پہنانا اس کے لئے مباح ہے۔

یہ معتزلہ کے مخالف ہے نہ کہ ان کے موافق۔ ان کی طرف سے اس کا اقرار ہے کہ یہ ہم سے محض اس وجہ سے قبیح ہے کہ وہ ہم پر حرام کر دیا گیا ہے اسی طرح ان غلاموں کو کپڑا پہنانا جن کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ ایمان نہ لائیں گے یہ محض اس لیے حسن ہے کہ ہمیں یہی حکم ہے کہ ہم غلاموں کے ساتھ احسان کریں اگرچہ وہ کافر ہوں۔ اگر ہم یہی دار الحرب والوں کے ساتھ کریں گے تو گناہگار ہونگے اس لئے کہ ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے۔ اس مقام پر نہ کوئی شے حسن ہے نہ قبیح سوائے اس کے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

معتزلہ کا یہ کہنا کہ یہ ہم سے محض اس لئے قبیح ہے کہ ہم مصالح سے ناواقف ہیں۔ تو انھیں چاہیئے کہ اسی پر قناعت کریں۔ جو شخص

اللہ تعالیٰ کے تکلیف مالا یطاق دینے اور اس کے اس پر عذاب کرنے کے حسن ہونے میں اور اسی کے ہم سے قبیح ہونے میں فرق کرکے بعینہٖ یہی جواب معتزلہ کو دیدے (تو اسے بھی ماننا چاہئے) کہ یہ فعل ہم سے محض اس لئے قبیح ہے کہ ہم مصالح سے ناواقف ہیں۔

ہم لوگوں کے نزدیک تو دونوں جواب فاسد ہیں۔ اس امر میں کوئی مصلحت نہیں جو دوزخ تک اور اس میں ہمیشہ بغیر کسی حد کے رہنے تک پہنچا دے۔ لیکن ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم سے وہی قبیح ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمیں منع کیا اور وہی ہم سے حسن ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا اور ہمارا پروردگار جس کے اوپر کوئی حاکم نہیں جو کچھ بھی کرے تو وہ عدل و حسن ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہمارے اصحاب نے معتزلہ سے سوال کیا تو انہیں نے کہا کہ ہمارے یہاں یہ مسلم ہے کہ حکیم جو فعل کرتا ہے وہ یا تو نفع حاصل کرنے کے لئے یا ضرر دفع کرنے کے لئے کرتا ہے۔ جو بغیر اس غایت کے کچھ کرے وہ سفیہ و نادان ہے۔ باری تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ نہ تو نفع حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے نہ مضرت دفع کرنے کے لئے۔ وہ حکیم ہی ہے۔

معتزلہ کے ایک گروہ نے کہا کہ باری تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ اپنے بندوں کے نفع پہنچانے کے لئے اور انہیں ضرر سے بچانے کے لئے کرتا ہے۔ ان کے ایک گروہ نے کہا کہ ہم لوگوں میں جو حکیم ہوتا ہے۔ وہ حکیم نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے منافع حاصل کرنے کے لئے اور مضرتیں دفع کرنے کے لئے کرتا ہے ہر قسم کی لذت حاصل کرنے والا اور تشفی کرنے والا (غصہ بجھانے والا) ہوتا ہے اگرچہ وہ حکیم نہیں ہوتا۔ حکیم کو اس لئے حکیم کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے عمل اور کام کا احکام و پختگی کرتا ہے۔

یہ سب کچھ بھی نہیں اس لئے کہ حیوان بھی اپنے عمل کا احکام و انتظام

کرتا ہے۔ مثلاً بیا۔ مکڑی۔ شہد کی مکھی۔ اور ریشم کا کیڑا۔ حالانکہ ان میں سے کسی کو بھی حکیم نہیں کہا جاتا۔ درحقیقت حکیم کو حکیم محض اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ فضائل (اچھی خصلتوں) کی پابندی کرتا ہے اور رذائل (بری اور حقیر خصلتوں) سے پرہیز کرتا ہے۔ یہی عقل و حکمت ہے جس کے فاعل کو عاقل و حکیم کہا جاتا ہے۔ شریعت میں بھی اسی طرح ہے۔ اس لئے کہ تمام فضائل صرف اللہ تعالیٰ کی طاعت ہیں اور تمام رذائل صرف اللہ تعالیٰ کے معاصی ہیں۔ حکیم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے معاصی سے پرہیز کرے اور وہی کام کرے جس کا اُسے اُس کے رب نے حکم دیا ہے۔ باری تعالیٰ کو جو حکیم کہا جاتا ہے تو وہ اس سبب سے نہیں کہا جاتا۔ اُسے محض اس لئے حکیم کہا جاتا ہے کہ اُس نے خود اپنے آپ کو حکیم بتایا۔ اگر وہ خود اپنے آپ کو حکیم نہ بتاتا تو ہم اُس کا نام حکیم نہ رکھتے۔ جیسا کہ ہم اس کا نام عاقل نہیں رکھتے اس لئے کہ اُس نے اپنا یہ نام نہیں رکھا۔

ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کا نام حکیم محض اس لئے رکھا گیا کہ اس کا فعل حکمت ہوتا ہے۔ تو تم اس امر کے مقر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو کفر کی قوت دی اور اس کے باوجود اُس کا نام مقوی علی الکفر نہیں رکھا گیا۔ معتزلہ کا جو گروہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ اپنے بندوں کی نفع رسانی اور ضرر سے اُن کی حفاظت کے لئے کرتا ہے تو اگر اس کو عام کہا جائے تو یہ کلام فاسد ہے۔ اس لئے کہ ہر ضرر رسیدہ کو اُس کی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ اس طرح (پیدا) کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے اس مضرت کو دفع نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ دفع کرنے پر قادر تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ لوگ اُسے اس سے عاجز بتادیں اور کفر کریں۔

ہمارے اصحاب نے اُن سے دریافت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو ہم لوگوں میں عدل ہے تو اُس نے ایسے شخص کو کیوں پیدا کیا جسے وہ جانتا ہے کہ وہ اُس کے ساتھ کفر کرے گا اور وہ اُسے دوزخ کے طبقوں میں ہمیشہ کے لئے رکھے گا۔ معتزلہ نے اس کے متعدد جوابات دیے۔ ان میں جو سب سے بہتر تھا وہ یہ تھا جو بہتوں نے کہا کہ اگر وہ ایسے شخص کو پیدا نہ کرتا جو اس کے ساتھ کفر کرے اور وہ اُسے عذاب دوزخ میں ہمیشہ کے لئے رکھے تو ہرگز کوئی بھی مستحق عذاب نہ ہوتا اور نہ دوزخ میں داخل ہوتا۔

اس جاہل کا یہ جواب اس کے ضعف عقل پر دلالت کرنے لئے

کافی ہے۔ ہم اُس سے کہتے ہیں کہ یہی تو ہم بھی چاہتے ہیں۔ کیا کل خیر ہمارے درمیان یہی نہیں ہے کہ انسان کو عذاب دوزخ نہ کیا جائے۔ کیا ہمارے یہاں مقررہ حکمت وعدل یہ نہیں ہے جس کے سوا کوئی عدل نہیں کہ تمام لوگوں کی نجات ہو اور وہ سب نعمتِ دائم میں مجتمع ہوں۔ لیکن معتزلہ وہ قوم ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔

بعض معتزلہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگر یہ ہوتا تو سب کے سب ملامت سے محفوظ رہتے۔ اور تمام امتوں کا عقل کی فضیلت پر اتفاق ہے۔ اگر یہ جاہل عقل کے معنی سمجھتا تو اس حماقت کا جواب نہ دیتا اس لئے کہ درحقیقت عقل یہی ہے کہ طاعت پر عمل اور معاصی سے پرہیز کیا جائے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ عقل نہیں بلکہ حماقت ونادانی ہے اللہ تعالیٰ نے کفار کی حکایت بیان فرمائی ہے کہ وہ قیامت میں کہیں گے لوکنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر (اگر ہم نے (دنیا میں) سنا ہوتا یا عقل سے کام لیا ہوتا تو ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کلام کی تصدیق کی اور فرمایا فاعترفوا بذنبھم فسحقا لاصحاب السعیر (وہ اپنے گناہ کا اقرار کرلیں گے۔ بس اہل دوزخ کے لئے (رحمت وعزت سے) دوری ہے) اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ جس نے اس کی نافرمانی کی اُسے عقل نہیں ہے۔

ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ اُس مرتبہ وعطیہ سے زیادہ رذیل وذلیل وحقیر کوئی مرتبہ وعطیہ نہیں جو دوامی دوزخ تک پہنچا دے۔ وہ عقل ہو یا غیر عقل۔ تمہارا قول عقل کے بارے میں ہے۔ اگر انسان مکوڑا یا کیڑا یا کتا ہوتا تو اس کے لئے اب بھی اور آیندہ بھی زیادہ خوش نصیبی ومناسب وافضل ہوتا اور صاحب عقل وصاحب تمیز کے نزدیک جس کے دماغ میں خلل نہو یہی بہتر ہوتا۔ جب اس قوم (معتزلہ) کے نزدیک وہ عقل جو عطیہ ہے اپنے صاحب پر وبال اور اُس کے لئے اُن امور کی تکلیف کا سبب

ہو گئی جن کا اُس نے ارتکاب نہیں کیا اور وہ مستحق دوزخ ہو گیا تو ہر صاحب حس سلیم کے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کا عدم اُس کے وجود سے بہتر ہے۔

اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ تکلیف (یعنی کسی حکم کے ضروری ٹھیرائے جانے) نے اس پر دخول دوزخ واجب نہیں کیا۔ تو ہم کہیں گے نہ ہاں مگر وہی تو اس کی سبب ہوئی۔ اگر تکلیف نہ ہوتی تو کبھی دوزخ میں نہ جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی قول کی صحت کی ایسی شہادت دی ہے جو کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں۔ اُس کا یہ قول ہے "انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوما جھولا" (ہم نے امانت یعنی تکلیف شرعی کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو ان سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور یہ اُس سے ڈر گئے اور انسان نے اُسے اُٹھا لیا بیشک یہ بڑا ظالم اور بڑا جاہل ہے اللہ تعالیٰ نے جمادات کے اُس تمیز کے قبول کرنے سے جس سے تکلیف شرائع واقع ہوئی اور امانت شرائع کے تحمل سے انکار کرنے کی تعریف فرمائی اور انسان کے اس کے تحمل کو اختیار کرنے کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی۔ انسان کے اس فعل کو اللہ تعالیٰ نے ظلم وجہل وجور بتایا۔ اور یہ امر عقل کی فطرت وتمیز میں مسلم ومعروف ہے وہ سلامت جو شامل حال رہے وہ تعزیر وغفلت اُس کے مساوی نہیں جو ہلاکت یا غنیمت تک پہنچا دے۔

بعض معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کو جو کفر کرے اور ایسے شخص کو جسے وہ جانتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈالدیگا اس لئے پیدا کیا کہ تاکہ اس کے ذریعے سے ملائکہ وحور عین کو نصیحت کرے یہ وہ خبط ہے کہ ہمیں کبھی اس قسم کے خبط سے سابقہ نہیں پڑا۔ یہ انتہائی نادانی وعبث وظلم ہے۔ عبث (لغو اور بیکار) تو اس لئے ہے کہ

یہ ہماری عقول میں ہے کہ جو شخص ایک پر عذاب کرے کہ دوسرے کو اس سے نصیحت ہو تو بحد عبث و حماقت ہے لیکن جور و ظلم تو ہمارے یہاں اس سے بڑا کونسا ظلم ہوگا کہ ایسی قوم کو پیدا کرے کہ اسے یہ معلوم ہے کہ وہ ان پر اس لئے عذاب کرے گا کہ ان سے اپنی دوسری مخلوق کو جو ہمیشہ کے لئے نعمت میں ہیں نصیحت کرے۔ پھر اس نے ملائکہ و حور عین کو کیوں نہ عذاب کیا کہ ان سے جن و انس کو نصیحت ہوتی کیا یہ اُن کے اصول کی بناء پر انتہائی محاباۃ (ترجیح و تخصیص) اور ظلم و عبث نہیں جس سے اللہ تعالیٰ بری ہے۔ وہ جو چاہے کرے اُس کے حکم پر کوئی اعتراض کرنے والا نہیں۔

ہمارے اصحاب نے معتزلہ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ بچوں کو اور جانور کو اذیت و درد دیتا ہے اور اُس نے جانور کے ذبح کرنے کو مباح کر دیا ہے۔ یہ لوگ ڈر کے خاموش ہو گئے۔ بعض نے یہ کہا کہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اُنھیں اس پر عوض و ثواب دے۔

ہم لوگوں میں یہ انتہائی عبث و لغو ہے اور عبث و ظلم میں اس سے زیادہ کامل کون ہوگا جو بچے پر ظلم کرے کہ اس کے بعد اس پر احسان کرے۔ پھر ان لوگوں نے کہا کہ بچے کو چیچک اور امراض کی مصیبت کے بعد عوض دینا بغیر مصیبت کے راحت دینے سے زیادہ لذیذ ہے۔

اس جواب میں اُن پر دو جواب لازم ہوں گے۔ اوّل تو اُن سے یہ کہا جائے کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ بچوں اور حیوان کو بغیر دکھ اور درد دیئے ہوئے اس نعمت کو پورا دیدے یا اس پر قادر نہیں ہے۔ اگر وہ کہیں کہ وہ قادر نہیں ہے تو انھوں نے کفر کے ساتھ جنون کو بھی جمع کر لیا اس لئے کہ یہ ضرورت عقل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ نعمت کی کوئی مقدار درد دینے کے بعد ان کو عطا کرے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ نعمت کی وہی مقدار بغیر پہلے درد دینے کے بھی عطا کر دے۔ عقل میں

اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ نہ تو یہاں قدرت کا کوئی زائد مرتبہ ہے اور نہ دو مختلف فعل ہیں۔ بلکہ دونوں صورتوں میں ایک ہی شے کی ایک ہی عطا ہے۔ اگر وہ کہیں کہ وہ اس پر قادر ہے (کہ بغیر درد دیئے نعمت عطا فرما دے) تو ان کے اصول کی بنا پر عبث لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ وہ چیز جو ان کو انتہائی آزار و درد پہنچانے کے بعد اس نے دی وہ انھیں بغیر درد والم کے دیدیتا۔

جواب ثانی یہ ہے کہ ہم معتزلہ کو ایسے بچے اور حیوان دکھائیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بغیر درد والم کے اچھی حالت میں موت دی۔ یہ محاباۃ (ترجیح وتخصیص) ہے اور ان میں سے جس کو درد والم میں مبتلا کیا گیا اس کے لئے ظلم ہے۔

معتزلہ نے کہا کہ جس کو درد میں مبتلا کیا گیا اس کی نعمت میں درد میں مبتلا کرنے کی وجہ سے اضافہ ہوا۔ ہم نے ان سے کہا کہ یہ تو مبتلائے درد کے لئے بذریعۂ اضافۂ نعمت محاباۃ ہے۔ تو اس نے سب کو کیوں نہ مبتلائے درد کیا کہ سب کی نعمت میں اور سب میں مساوات رکھتا یا اس طرح ان سب میں اور سب کی نعمت میں مساوات رکھتا کہ ان میں سے کسی کو بھی مبتلائے درد نہ کرتا۔ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب ناممکن ہے۔

بعض معتزلہ نے کہا کہ یہ اس نے اس لئے کیا کہ اس کے ذریعے سے دوسروں کو نصیحت کرے۔

ہم لوگوں میں یہ انتہائی ستم ہے اور اس سے بڑھکر عبث ولغو نہ ہوگا کہ کسی انسان پر جس کا کوئی گناہ نہیں اس لئے عذاب کیا جائے تاکہ اس کے ذریعے سے دوسرے گناہگاروں اور بیگناہوں کو عبرت ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے "لاتکسب کل نفس الا علیہا ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ" (جو شخص جو کچھ کرے گا اس کا بار اسی پر ہوگا اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا) اس آیت سے

اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس ظلم کی قطعاً نفی ہو گئی۔ حالانکہ ان کے اصول فاسدہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا سرکشوں پر عذاب کرنا اور باغیوں کو مبتلائے درد کرنا تاکہ اس کے ذریعے سے غیروں کو عبرت ہو بہ نسبت اس کے زیادہ عدل و حکمت میں داخل ہوتا کہ کسی بیگناہ بچے یا حیوان کو دکھ دیا جائے کہ اس کے ذریعے سے دوسروں کو عبرت ہو۔ بلکہ شاید یہی وجہ بہت لوگوں کے کفر کا سبب بن گئی (یعنی بچوں اور حیوان کی تکلیف)

بعض معتزلہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے بچوں کیساتھ یہ اس لئے کیا کہ ان کے والدین کو اجر دے۔

یہ بھی ظلم میں مثل ماقبل کے ہے اور بالکل اسی کے مساوی ہے کہ کسی بیگناہ کو اس لئے ایذا دی جائے کہ اس کے ذریعے سے گناہگار یا بیگناہ کو اجر و ثواب دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔ اس کے علاوہ۔ اس میں یہ اور زیادہ ہے کہ تناقض بھی ہے اس لئے کہ یہ علت ان اولاد کفار و اولاد زنا میں ان کے خلاف ٹوٹ جاتی ہے جن کی ماں مر جائے اور ان یتامیٰ میں جو اپنے والدین سے جدا ہو جائیں۔ اکثر بچے وہ ہوتے ہیں جن کے ماں باپ کو کفار یا فساق قتل کر دیتے ہیں اور وہ مقام ہلاکت میں رہ جاتا ہے یہاں تک کہ مفت مر جاتا ہے یا اسے درندے کھا جاتے ہیں۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس بچے سے کس کو نصیحت کی گئی یا اس کی وجہ سے کس کو اجر دیا گیا۔ باوجود اس کے یہ ان امور میں سے ہے جس کو ہمارے یہاں وہ لوگ کسی طور پر بھی حسن نہیں پاتے۔ یعنی ہم کسی بیگناہ انسان کو اس لئے آزار پہنچائیں کہ اس سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھائیں۔

وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فعل کیا لہذا حسن و حکمت ہو گیا۔ بعض نے تو اس قول کی بنا ولی کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کا حکمت و عدل کا راز ہے جس کو یقین کیا جائے گا اگرچہ ہم یہ نہ جانیں کہ وہ کیوں ہے اور کس طرح ہے۔

وہ لوگ یہاں تک پہنچ گئے ہیں اس لئے اُن کا معاملہ اللہ کی مدد کے قریب آگیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انھیں اُس کی تصدیق بھی لازم ہے جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے غیر مستطیع کو تکلیف دینے میں پھر اُس پر عذاب کرنے میں حکمت کا کوئی راز ہے جس کو یقین کیا جائے گا حالانکہ ہم اُسے نہیں جانتے۔

مگر ہم لوگ اس کے قائل نہیں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ قطعاً کوئی راز نہیں۔ بلکہ یہ سب جیسا کہ ہے اللہ تعالیٰ سے عدل ہے نہ کہ کسی اور سے "وللہ الحجۃ البالغۃ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون" (اور اللہ کے لئے حجت ہے جو سب پر نافذ ہے۔ اُس سے اُس کے فعل کی باز پرس نہیں ہو سکتی۔ اور سب سے باز پرس کی جائے گی)

ان میں سے دو گروہوں نے دو امور کی پناہ لی۔ ایک تو بکر بن اخت عبدالواحد بن زید کا قول ہے کہ اس نے کہا کہ بچوں کو ہرگز دکھ درد محسوس نہیں ہوتا۔

ہمیں معلوم نہیں شاید یہی بات حیوان کے بارے میں بھی کہتا ہو۔ یہ تو انتہائی عجز کے ساتھ لاجواب ہونا۔ بری طرح باطل میں غوطہ کھانا اور حس ومشاہدہ کا انکار ہے۔ حالانکہ ہم میں سے ہر شخص بچہ رہ چکا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ ہم لوگ اتنا سخت درد محسوس کیا کرتے تھے جس کے اوپر ہمیں صبر کی بھی طاقت نہ تھی۔

دوسرا قول احمد بن حابط البصری وفضل حربی کا ہے۔ یہ دونوں نظام کے شاگرد ہیں۔ ان دونوں نے کہا کہ بچوں کی اور حیوان کی ارواح گنہگاروں کے اجسام میں ہیں۔ لہذا انھیں اس طرح سزا دی گئی کہ انھیں بچوں اور حیوان کے اجسام میں مرکب کر دیا گیا کہ انھیں بطور سزا کے درد میں مبتلا کیا جائے۔

جو حق کے ماننے سے یا اپنے لاجواب ہونے کے اقرار سے کفر وخروج اسلام کی طرف بھاگے تو وہ ایسی حالت پر پہنچ گیا کہ ہم تو

نہیں چاہتے تھے کہ وہ اس حالت تک پہنچ جائے۔ لیکن جب اس نے کفر کو ترجیح دی تو وہ اللہ کی لعنت اور اس کی دوزخ کی گرمی کے حوالے ہے اور ہم بے توفیقی وخذلان سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ہمارا کلام تو صرف اس شخص کے ساتھ ہے جو مخالفت اسلام سے ڈرتا ہے۔ لیکن اہل کفر سے تو الحمد للہ ہم ان کے اقوال کا مکمل ابطال کر چکے ہیں اور الحمد للہ ہم اپنی اسی کتاب کے شروع میں اہل تناسخ کے قول کو باطل کر چکے ہیں۔ جس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ جب ہمارا مخالف جس کی مخالفت یا مفارقت اسلام تک پہنچ گیا تو وہ لاجواب ہو گیا اور اس کا قول باطل ظاہر ہو گیا۔ وللہ تعالیٰ الحمد۔

اگر یہ لوگ معمر وجاحظ کے قول کا سہارا لیں اور کہیں کہ بچوں کے مصائب وآلام فعل طبیعت ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کا فعل تو اس سے بھی لاجواب ہونے سے نہ بچیں گے۔

۶۹

ہم ان سے کہیں گے کہ آیا اللہ تعالیٰ اس طبیعت کے معارضہ ومقابلے پر قادر ہے جو چیچک سے اور آکلہ سے اور خنازیر سے جو اسے ہلاک کرنے والا ہے اور سنگ مثانہ سے اور پیشاب یا پاخانہ بند ہو جانے سے یا دست آنے سے اس بچے کے گوشت کو کھا لے۔ یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ اور سنگدل دشمن بھی اس پر رحم کرتا ہے اور اس کی اس عظیم الشان تڑپ اور درد دل کو دیکھ کر باز آجاتا ہے۔ اس قوت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس غریب بچے سے جس پر عذاب کیا گیا تھا اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔

یا اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ اس پر قادر نہیں ہے تو پھر دنیا میں اس سے زیادہ عاجز کون ہوگا جس پر وہ طبیعت بھی غالب آجائے جس کو اس نے پیدا کیا اور اسے اس شخص کے اندر جس میں وہ ہے رکھا اور عادت وخصلت بنایا۔ حالانکہ اس (طبیعت) پر کبھی کبھی وہ کمزور طبیب جس کو اس نے

پیدا کیا ایک معمولی اور کمزور جڑی بوٹی سے جس کو اُس نے پیدا کیا غائب آجاتا ہے۔ تو کیا اس قول سے بڑھکر بھی کوئی جنون و کفر ہوگا کہ جس نے طبیعت کو پیدا کیا ہو اور اُسے صاحبِ طبیعت کے اندر رکھا ہو پھر وہی اُس طبیعت کے اُس عمل کو روکنے پر قادر نہ ہو جو خود اسی نے اس (طبیعت) کے اندر رکھا ہو۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ قادر ہے کہ طبیعت کو بدل دے اور اُسے عمل سے روک دے مگر اُس نے نہیں کیا۔ تو یہ کہنے والا خود اسی میں چلا گیا جس سے اُس نے انکار کیا تھا۔ اس نے اپنے اصول فاسدہ کے مطابق اپنے رب کے عبث و ظلم کا اقرار کر لیا حالانکہ ہم ضرور جانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی بچے کو آگ یا پانی میں دیکھے اور وہ بغیر کسی دشواری کے اُس کے بچانے پر قادر ہو اور نہ بچائے تو وہ عابث (بیہودہ حرکت والا) اور ظالم ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ یہ کرتا ہے حالانکہ وہ حکمت والا اور اپنے حکم میں عدل کرنے والا ہے نہ کہ عابث و ظالم۔ یہ وہی بات ہو گئی جس کو ان لوگوں نے گراں جانا تھا کہ وہ کفار کی ہدایت پر قادر ہو اور نہ کرے۔

بعض معتزلہ نے اس قول کی پناہ لی کہ اگر وہ بچہ زندہ رہتا تو ضرور سرکش و نافرمان ہوتا۔ ہم نے اُن سے کہا کہ ہم نے تم سے ابھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جو بچہ ہی مر گیا ہم نے تو تم سے قبل بلوغ اُس کی ایذا رسانی کے متعلق دریافت کیا ہے۔

ہم اُنھیں اُن کے اس قول کا جواب دیتے ہیں جو اُنھوں نے مرنے والے بچوں کے متعلق کہا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو سرکش و نافرمان ہوتا۔

ہم اُن سے کہتے ہیں کہ یہ تو نہایت سخت ظلم ہے کہ وہ اُس پر ایسے فعل پر عذاب کرے جو بچے نے اب تک نہیں کیا۔

ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض حیوانات کا ذبح کرنا

پھر ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ ہمیں بتاؤ تو کہ اُس جانور نے کیا گناہ کیا تھا جس کا ذبح کرنا کھال کھینچنا آگ میں پکانا اور کھانا مباح کر دیا گیا۔ اُس جانور کا کونسا گناہ تھا جس میں یہ تمام امور حرام کر دیئے گئے یہاں تک کہ وہ اُس عوض سے محروم ہو گیا جس کا تم دعویٰ کرتے ہو۔ اُس جانور کا کونسا حق تھا جس کی ایذا رسانی حرام کر دیگئی۔ واجب کر دیا ہے۔

ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جانور کے بچوں کے ذبح کرنے کو مباح کر دیا ہے باوجود اس کے کہ وہ اُن کی ماؤں کے لئے رنج کی آواز اور انتہائی غم پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً اونٹ اور گائے۔ اُس میں کونسا فرق ہے کہ ہم اپنی مصالح کے لئے یا اس لئے ذبح کریں کہ اُسے عوض ملے اور اس میں جو ہمارے بچوں کا اور ہمارے دشمنوں کے بچوں کا ذبح کرنا ہمارے مصالح کے لئے یا اس لئے کہ انھیں عوض دیا جائے حرام کر دیا گیا ہے اگر انھوں نے اپنا یہ دعویٰ وسیع کر دیا جو انھوں نے اپنے رب کی مصلحت کے بارے میں کیا ہے کہ جس کسی کی دوسرے کے قتل کرنے میں کوئی مصلحت ہو تو اُسے اُس کا قتل کرنا جائز ہے۔ تو اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ یہ سوائے وہاں کے جائز نہیں جہاں اللہ ہی نے جائز کر دیا ہے تو انھوں نے اپنا قول ترک کر دیا اور حق کی موافقت کر لی۔

ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن مشرکین کی قوم کا قتل حرام کر دیا ہے جو اُس کے لئے بیوی اور بیٹا بناتے ہیں اور یہود و مجوس کا جبکہ یہ لوگ ہمیں سالانہ ایک دینار یا چار دینار دیا کریں حالانکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس فاضل مسلم کا قتل مباح کر دیا ہے جس نے توبہ بھی کر لی اور عمل صالح بھی کرنے لگا اُس زنا کی وجہ سے جو اُس نے شادی شدہ ہونے کی حالت میں کیا تھا۔ ہمارے لئے ان مشرکین عرب کا باقی رکھنا مباح نہیں کیا جو بت پرستی کرتے ہوں سوائے اس کے کہ وہ اسلام ہی لے آئیں۔ تو پھر

ان کفارِ عرب میں اور اُن کفار میں کونسا فرق ہے جن کا باقی رکھنا ہم پر اُس سونے کی وجہ سے فرض کر دیا گیا ہے جو ہم سالانہ اُن سے لیا کریں گے۔

معتزلہ نے ہم سے دریافت کیا کہ آیا اللہ تعالیٰ کے افعال میں عبث وضلال ونقص ومذموم ہے؟ بتوفیقِ الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں کسی عبث کا ہونا جس سے اُسے موصوف کیا جائے یا عیب جس کی اضافت اُس کی طرف ہو یا ضلال جس سے اُسے موصوف کیا جائے یا نقص جسے اُس کی طرف منسوب کیا جائے یا اس کا جور وظلم تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال عدل وحکمت وخیر وصواب اور کل کے کل اُس سے حسن ومحمود ہیں۔ ان افعال میں عیب اُس شخص کا ہے جس سے یہ فعل ظاہر ہو اور عبث وضلال وظلم ومذموم بھی اُسی شخص سے ہے۔

ہم معتزلہ سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ کے افعال میں نادانی وجنون وحماقت وفضائح (یعنی موجب رسوائی امور) ومصائب وقبح اور تاریکیاں۔ اور میل کچیل۔ اور بدبوئیں۔ اور نجس اور آنکھوں کی ناگواری اور روسیاہی ہے؟ اگر وہ یہ کہیں کہ نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ان کی تکذیب کر دی ہے "ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا" (جو کوئی زمین میں اور تمہاری جانوں میں جو مصیبت بھی آتی ہے وہ قبل اس کے کہ ہم اُسے پیدا کریں ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے)۔ انبیاء و فرعون وابلیس کی موت اور یہ سب مخلوق ہیں۔ اگر معتزلہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کا خالق ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی شے اللہ تعالیٰ کی طرف مذموم طریقے سے منسوب نہیں کی جائے گی بلکہ بطریقہ محمود منسوب کی جائے گی۔ تو ہم کہیں گے کہ تم نے جو سوال ہم سے کیا ہے اُس میں ہمارا یہی جواب ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ آیا تم لوگ اللہ تعالیٰ کے افعال وقضا (احکام) پر

راضی ہو تو ہم کہیں گے ہاں۔ ان معنی میں ہم اُس کے فعل و قضا کو تسلیم کرتے ہیں اور اُس کے فعل و قضا پر رضا ہی ہے اگر ہم اس چیز کو مکروہ و ناپسند و ناگوار سمجھیں جس نے اُسے ہمیں مکروہ بتایا۔ فرمایا ہے "وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان" (اور اُس نے تمھیں کفر و نافرمانی و گناہگاری سے متنفر کردیا)۔

ہم بالکل یہی سوال معتزلہ سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیا تم لوگ اللہ کے فعل و قضا پر راضی ہو؟ اگر وہ ہاں کہیں تو انھیں لازم آئے گا کہ وہ لوگ انبیاء کے قتل پر اور شرابوں پر اور بتوں پر اور لاٹری کے تیروں پر اور ابلیس پر راضی ہوں انھیں یہ بھی لازم آئے گا کہ جو لوگ دوزخ میں ہمیشہ رکھے جائیں گے ان کے ہمیشہ دوزخ میں رہنے پر بھی راضی ہوں اور اس میں جو کچھ ہے وہ ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہمارے بعض اصحاب نے بعض معتزلہ سے سوال کیا کہ جبکہ تمھارے نزدیک اللہ تعالیٰ نے یہ جانتے ہوئے کہ کفار ایمان نہ لائیں گے اور وہ انھیں دوزخ کے طبقوں میں ہمیشہ کے لئے رکھکر ان پر عذاب کرے گا انھیں محض اس لئے پیدا کیا کہ ان کے ذریعے سے ملائکہ و حور عین کو نصیحت کرے تو یہ مقصد تو ان میں سے صرف ایک کافر کے پیدا کرنے سے بھی پورا ہو سکتا تھا۔ معتزلہ نے یہ جواب دیا کہ وہ مومنین جو جنت میں داخل ہوں گے اور ملائکہ و حور عین اور وہ تمام لوگ جن پر عذاب نہ ہوگا اور بچے وہ سب کفار سے زیادہ اور بیحد زیادہ ہوں گے۔

اس جواب سے وہ سائل کے الزام سے عہدہ برآ نہ ہوا۔ اس لئے کہ نصیحت و موعظت تو اس ایک کے پیدا کرنے سے پوری ہو جاتی ہے۔ اگر ہماری حکمت میں ایسے شخص کے پیدا کرنے سے جس پر عذاب کیا جائے۔ کہ اس سے دوسرے کو نصیحت ہو کوئی وجہ ہے (تو وہ ایک سے پوری ہو سکتی ہے) اگر وہ ملائکہ کا ذکر نہ کرتا تو یہ اُس کے گمان کو مانع ہوتا کہ جنت میں جانے والے انسانوں کی تعداد دوزخ میں جانے والوں سے زائد ہے۔ اس لئے کہ معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فابی اکثر الناس الا کفوراً (مگر اکثر لوگوں نے کفر کے سوا کچھ نہ مانا).
اور فرمایا ہے "وما اکثر الناس ولو حرصت بمؤمنین" (اور اکثر لوگ
خواہ آپ کتنا ہی چاہیں مومن نہ ہوں گے)۔ اور فرمایا ہے" وان تطع
اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ" (اور اگر آپ زمین کے
اکثر لوگوں کی پیروی کریں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے)۔
اور فرمایا ہے الا الذین عملوا الصٰلحٰت وقلیل ماھم" (مگر وہ لوگ
جنھوں نے نیک کام کئے اور وہ بہت کم ہیں)۔ اے کاش مجھے معلوم
ہو جاتا کہ انھوں نے اپنی یا ہماری کونسی حکمت میں یا کونسے عدل میں پایا
کہ ان جہلاء کے اصول کے مطابق ایسے لوگ پیدا کئے جائیں جن کی اکثریت
ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈالدیجائے۔

لیکن ہم لوگ تو اگر وہ تمام اہل آسمان اور تمام زمین کے باشندوں پر بھی
عذاب کرے تو یہ بھی اُس کا عدل و حکمت وحق ہوگا اگر وہ دوزخ کو نہ پیدا کرتا اور اپنی تمام
مخلوق کو جنت میں داخل کرتا تب بھی یہ اُس سے حق وعدل وحکمت ہوتا۔ عدل وحکمت
وحق تو وہی ہے جو وہ کرے اور جس کے کرنے کا حکم دے۔

معتزلہ کی ایک قوم نے اس قول کی پناہ لی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم
نہ تھا کہ کون کفر کرے گا اور کون ایمان لائے گا ان لوگوں نے یہ مان لیا
ہے کہ اگر وہ اُسے جانتا جو کافر مرے گا تو اس شخص کو اُس کا پیدا کرنا
ظلم وجور ہوتا۔

اس کے باوجود بھی کہ انھوں نے اپنے پروردگار کو جاہل بنا کر
بہت بڑے کفر کا ارتکاب کیا انھوں نے اُس الزام سے نجات نہ پائی
جو ہمارے اصحاب نے انھیں دیا تھا اس لئے کہ ایسے شخص کو پیدا کرنا
حکمت نہیں ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ آیا وہ کافر مرے گا اور
اُس پر عذاب کیا جائے گا یا نہیں۔ یہ اُن لوگوں کو فریب دینا ہے
جن کو پیدا کیا گیا اور جہالت کی بنا پر انھیں ہلاکت کے لئے پیش کرنا ہے۔
یہ امر ہمارے یہاں اُس شخص کے لئے نہ عدل ہے نہ حکمت جسے یہ ممکن ہو کہ

وہ فریب نہ دے۔ باری تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ پیدا ہی نہ کرے جیسا کہ وہ
ازل سے پیدا نہیں کر رہا تھا پھر اس نے پیدا کیا۔ سوائے اس کے کہ اس کی پناہ لی جائے کہ
باری تعالیٰ اس پر قادر نہیں ہے کہ نہ پیدا کرے تو انھوں نے اُسے مضطر و صاحبِ طبیعت غالبہ
بنا دیا۔ یہ خالص و محض کفر ہے۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

جب معتزلہ نے یہ مان لیا کہ تمام بنی آدم کے بچے مشرکین و مسلمین کے بچے
بغیر کسی عذاب کے اور بغیر کسی تکلیف کے مقرر کرنے کے جنت میں ہوں گے تو
وہ اپنے اس قول فاسد کو بھول گئے کہ عقل افضل ہے عدم عقل سے۔ بلکہ ہم تو ان کے
قول کے برعکس سلامت اور اس کا باقی رہنا اور آخرت میں بغیر تکلیف کے مقرر ہوئے دائمی نعمت کا
حاصل ہونا عدم عقل ہی میں دیکھتے ہیں۔ پھر انھوں نے اس استدلال کو کیسے ترک کر دیا۔ ۷۱

ہم لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو سعادت مند بنایا۔ انھیں کسی فتنے
کے لئے پیش نہیں کیا اور اُن کی یہ حالت اُن کے علاوہ تمام مخلوق سے بہتر و برتر ہے۔
ان کے بعد اُن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے
معصوم بنایا اور انھیں معاصی سے بخوف کر دیا۔ پھر اُن مومنین جن وانس
کا درجہ ہے جن کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہلے ہی سے نیکی کا
حکم تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دوزخ میں داخل نہ ہوں گے۔ اور وہ حورِ عین
ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ اور بات ہے
کہ سوائے حورِ عین کے مذکورہ بالا حضرات پر کل زمانہ قیام دنیا میں اور
روزِ حشر میں جن امور سے آگاہ کیا گیا ہے ان کی دہشت سے اور اس
مقامِ حشر کی خرابی سے جس سے سوائے اللہ کی سلامت کے کوئی شے نہ بچا سکے گی،
حالتِ خوف طاری تھی جس کی وجہ سے عیش ناخوشگوار تھا تاوقتیکہ اس
(حشر) سے رہائی نہ ہو جائے۔ بکثرت صالحین عقلا و فضلا نے یہ
تمنا کی ہے کہ اگر وہ دنیا ہی میں نسیاً منسیا (یعنی ختم) ہو جاتے اور ان امور
کے لئے (حشر میں) پیش نہ کئے جاتے جن کے لئے پیش کئے جائیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ
یہ حضرات اس کامل ذمہ داری (عصمت) پر ایمان رکھتے ہیں جو کسی
نظر سے بھی نہ بدلے گی۔ اُنھوں نے یہ جو کچھ کیا مناسب کیا۔ کیونکہ

سلامت کے برابر کوئی چیز نہیں ۔ مگر معتزلہ کے نزدیک (سلامت قدر کی چیز نہیں) جو اس کے قائل ہیں کہ ثواب ونعمت جنت کوڑے مارنے اور طرح طرح کے عذاب کی تنگیاں برداشت کرنے اور ہر مصیبت کیلئے پیش کئے جانے کے بعد زیادہ لذیذ اور زیادہ پاکیزہ وافضل ہے اس سالم نعمت سے جو مصیبت میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی ملجائے ۔

پھر اُن بچوں کا درجہ ہے جو بغیر تکلیف و عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے ۔ اور وہ بالغ لوگ جن کو عقل و تمیز نہیں ہے ۔ پھر اُن لوگوں کا مرتبہ ہے جو دوزخ میں داخل ہوں گے اور اس کا عذاب اُٹھانے کے بعد اُس سے نکالے جائیں گے ۔ نعوذ باللہ منہ ۔ لیکن جو لوگ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رکھے جائیں گے تو ہر صاحب حس سلیم اُس کا دل ضروری امور کی طرح اس کا بھی یقین رکھتا ہے کہ کتا کیڑا اور بندر اور تمام حشرات (زمین کے سوراخوں میں رہنے والے) اس شخص سے دنیا و آخرت میں حالت میں بہتر ہیں اور مرتبے میں اعلیٰ اور سعادت میں کمل اور صفت میں افضل اور اللہ تعالیٰ کی عنایت میں بزرگتر ہیں ۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا ہی کافی ہے جو فرماتا ہے " ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابا " (اور کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ حالت جمادیت اُس کی حالت سے بہتر ہے ۔ لہذا معتزلہ پر تعجب کرنا چاہئیے جو اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت میں اس شخص کو اپنے پاس سے بہترین عطیہ عنایت فرمایا جو قیامت میں خاک ہونے کی تمنا کرے گا ۔ اور اس کی قدرت میں کوئی ایسا عمل نہ چھوڑا جو اُس سے زیادہ بہتر ہوتا جس پر اُس نے عمل کیا ۔ اللہ کا اُسے پیدا کرنا اس کے لئے بہتر ہوتا بہ نسبت اس کے کہ اُسے پیدا نکرتا ۔ ہم لوگ تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ وہ برتاؤ کرے جو اُس نے ان لوگوں کے ساتھ کیا ۔

معتزلہ کے عجائب میں سے اُن کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی شے پیدا نہیں کی جس کا مکلفین میں سے کوئی شخص اندازہ نکر سکے ۔

ہم انھیں جواب دیتے ہیں کہ اس پر تمہاری دلیل کیا ہے حالانکہ ہم بضرورت حس جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دریاؤں کے گڑھوں اور زمین کی گہرائیوں میں بہت سی ایسی چیزیں پیدا کی ہیں جنھیں انسان نے کبھی نہیں دیکھا۔ سوائے اس کے کچھ ہی باقی رہ گیا کہ کوئی ملائکہ اور جن کے بدلے پہاڑوں کے غاروں میں اور دریاؤں کی گہرائیوں میں دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ ابھی محتاج دلیل ہے ورنہ یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" (اے نبی آپ کہدیجئے کہ اگر تم لوگ سچے ہو تو اپنی برہان و دلیل لاؤ)۔ یہ بھی انھیں امور میں سے ہے جن سے ان قائلین کا وہ دعویٰ جو انھیں نے بے علمی سے اللہ پر کیا ہے باطل ہوتا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زید کو پیدا کیا اور اس کا طول اتنا اتنا تھا تو اگر وہ اُسے اس طول سے ایک انگل کم پیدا کرتا تو اُس کے پیدا کرنے کا اندازہ واعتبار اسی کے مساوی ہوتا جیسا کہ اب ہے۔ اور اس سے زائد نہ ہوتا۔ اسی طرح مقدارات کی ہر مقدار کا یہی حال ہے۔

اگر وہ یہ دعویٰ کریں کہ عدد کی زیادت عبرت و اندازہ کی زیادت ہے تو انھیں یہ لازم آئے گا کہ وہ اپنے رب پر یہ لازم کر دیں کہ وہ اپنی تمام مخلوق کی طول کی مقدار میں زیادت کر دے اس لئے کہ یہ اعتبار و اندازہ میں زیادت ہے۔ ورنہ کمی کرے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ تقسیم ہے جس کا حصر صرف وہی کر سکتا ہے جس نے انھیں پیدا کیا۔ اور جس میں یہ لوگ مبتلا ہوئے ہم اُس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

معتزلہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ عقول اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہیں۔ ہم اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا اللہ نے اپنے اُن بندوں میں جن کو اُس نے عقول عطا فرمائیں کوئی کمی بیشی کی یا نہیں۔ اگر ان لوگوں نے کہا کہ نہیں تو انھوں نے حس کی مخالفت کی اور اس کے ساتھ ہی انھیں یہ بھی لازم آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل اور آپ کا امتیاز اور عیسیٰ و ابراہیم و موسیٰ و ایوب اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عقل و تمیز اور

مریمؑ بنت عمران کی عقل و تمیز بلکہ جبریلؑ و میکائیل اور تمام ملائکہ کی تمیز پھر ابو بکر صدیق و عمر بن الخطاب و علی بن ابی طالب کی تمیز اور ان کی عقول اور امہات المومنین و بنات نبی صلی اللہ علیہ وسلم ورضوان اللہ علیہم اجمعین کی تمیز اور ان کی عقول اس کے بعد سقراط و افلاطون وارسطوطالیس کی تمیز اور ان کی عقول میں سے کوئی بھی اُس عقل و تمیز سے افضل نہیں ہے جو اس بدمعاش مہندی لگانے والے مخنث کو اور اس زانیہ عورت کو جو بال کھولنے والی بے پردہ پھرنے والی رحمت سے دور ہونے والی ہے اور جو اس بڈھے کو دیگئی ہے جو سرایوں میں بچوں کے ساتھ گٹے کھیلتا ہے اور جب قابو پاتا ہے تو انھیں فریب دید یتا ہے۔ جو شخص اس حد تک پہنچ گیا ہو اور اس نے مذکورۂ بالا تمام اشخاص کو عقل و تمیز میں برابر کر دیا ہو تو اس نے اپنے مقابل و مناظر کی مشقت کو بچا دیا۔

محاباۃ

اگر معتزلہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو عقل و تمیز عطا فرمائی ان میں باہم کمی بیشی کی تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے سچ کہا یہی تو محاباۃ (ترجیح وتخصیص) ہے اور تمھارے اصول کے مطابق جور و ستم ہے۔ اور درحقیقت اس سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ ہمارے نزدیک حق اور اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔ وہ جو چاہے کرے اُس سے پوچھ گچھ نہیں ہو سکتی۔

ان لوگوں میں ایک اور عجیب بات ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کو وہی دیا ہے جو اُس نے اپنی تمام مخلوق کو دیا ہے۔ اگر یہ لوگ سچے ہیں تو یہ سب کے سب اپنی قوت جدال و مناظرہ و باریک بینی و دقتِ نظر میں ابراہیم نظام والبوالہذیل علاف و بشر بن المعتمر وجبائی کے مساوی کیوں نہ ہوئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز ان اشخاص کو عطا فرمائی اس میں سب کے سب مساوی ہیں۔ چونکہ اس مرتبے تک پہنچنے سے ان لوگوں کے عاجز رہنے میں کوئی شک نہیں تو اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ نے جسے جو عطا کیا ہے وہ شخص اس میں زیادہ

کرنے پر قادر نہیں ہے۔
ان لوگوں کا اس مقام پر یہ دعویٰ کرنا بھی قطعاً ناممکن ہے کہ یہ سب کے سبب ذہن کی تیزی۔ نظر کی گہرائی۔ فہم کی قوت حفظ کی خوبی اور دقیق حجت کے قطع کرنے پر قادر ہیں۔ اگرچہ اس کا ظہور نہوا جیساکہ انھوں نے اعمال صالحہ کے بارے میں دعویٰ کیا تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی جانب سے محاباۃ (ترجیح و تخصیص) یقیناً و عیاناً اس طرح ثابت ہو گئی جس سے مفر کی گنجائش نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔
اگر یہ لوگ یہ اقرار کریں کہ عقول و فہم و قبول علم و تیزی ذہن و باریک فہمی اللہ تعالیٰ کا عطیہ نہیں ہے۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ پھر اُنھیں کس نے پیدا کیا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ یہ سب طبیعت کا فعل ہے تو ہم اُن سے کہیں گے اس طبیعت کو کس نے پیدا کیا جس نے خود عقول کو اور ان تمام اشیاء کو کمی بیشی کے ساتھ پیدا کیا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اُس طبیعت کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو اُن سے کہا جائے گا کہ پھر اللہ تعالیٰ ہی محاباۃ کا موجب و باعث ہے۔ کیونکہ اُس نے طبیعت کو محاباۃ کے طریقے پر ترتیب دیا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ نہ تو اللہ نے طبیعت کو پیدا کیا نہ عقول کو تو وہ دہریوں میں شامل ہو گئے اور وہاں پہنچ گئے جہاں اُن کو پہنچانا مقصود نہ تھا۔ یہ وہ اشکال ہے جس سے اُنھیں ہرگز رہائی نہیں ہو سکتی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔
ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ جس کی قوت تمیزی مکمل ہو گی اُس کا ہدایت پانا اور گناہ سے محفوظ ہونا بھی مکمل طور پر ہو گا۔ ان کے اصول پر یہی وہ محاباۃ ہے جس کا انھوں نے انکار کیا ہے اور جس کا ظلم و جور نام رکھا ہے۔
معتزلہ کو کسی شے میں بھی جواب دینا اور بیحیائی کرنا جب ممکن ہو گیا تو اُنھیں اس میں ہرگز کوئی اعتراض ممکن نہیں کہ مسیح ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور یحییٰ بن زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

کیونکہ اُس نے عیسیٰؑ کو گہوارے میں تبھی ناطق و عاقل اور اپنی ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی رسول بنا دیا۔ یحییٰ کو بچپن ہی میں نبوت و حکومت عطا فرمائی۔ فضل بھی ایسا جو کمل و اعلیٰ درجے کا ہے اور اُس کے اُس فضل سے بہت زیادہ ہے جو اُس نے اُس شخص پر کیا جو ممالک خزر و زنج کے انتہائی بعید حصوں میں پیدا ہوا۔ جہاں اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کبھی نہیں سنا اور جو سنا تو اس طرح کہ آپ کی بدترین تکذیب کا پیرو بنکے سنا اور وہ بھی یہی خیال کرتا رہا۔ بلاشک اُس فضل سے بھی بہت زیادہ ہے جو فرعون پر تھا جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اُسے دعوت دی اور کہا کہ "ربنا انك آتیت فرعون وملأه زینة واموالا فی الحیوة الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلك ربنا اطمس علیٰ اموالھم واشدد علیٰ قلوبھم فلا یومنوا حتیٰ یروا العذاب الالیم وقال قد اجیبت دعوتکما" (اے ہمارے رب تو نے فرعون کو اور اُس کے گروہ کو دنیاوی زندگی میں آرائش و مال عطا کر دیا ہے اے ہمارے رب تاکہ یہ لوگ تیری راہ سے گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب ان کے مالوں کو فنا کر دے اور اُن کے دلوں پر گرہ لگا دے کیونکہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے تاوقتیکہ دردناک عذاب کو نہ دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اے موسیٰؑ و ہارونؑ) تم دونوں کی دعا قبول کر لیگئی)۔

جو اس کے بعد بھی بھٹکے وہ ضرور گمراہ ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و عطا جو موسیٰ و عیسیٰ و یحییٰ و محمد صلی اللہ علیہم وسلم کے لئے تھا اور اُس کا ان حضرات کو معصوم بنانا ایسا ہی تھا جیسا کہ اُس کا فضل و عطا اور معصوم بنانا فرعون اور اُس کے گروہ کے لئے تھا جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ اُس نے ان کے دلوں پر ایسی گرہ لگا دی جس نے انھیں ایمان سے روک دیا یہاں تک کہ یہ عذاب دردناک کو دیکھتے تھے اور اس وقت ان کا ایمان اُن کے کام نہ آتا تھا۔

ایسا کہنے والا بیشک ضعیف العقل و قلیل العلم ہے اور اس کا یقین

وایمان ڈانواں ڈول ہے۔ اس امر میں کوئی بیان اس آیت سے زیادہ واضح نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق کو بعض مخلوق پر فضیلت دی ہے۔ بعض مخلوق کو ہدایت و رحمت کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور بعض کو نہیں کیا ہے۔ ان میں سے جسے چاہا اُس کے ساتھ محاباۃ کی اور جسے چاہا گمراہ رہنے دیا۔

یہ لوگ اس کی استطاعت نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کثیر مخلوق پر بنی آدم کو فضیلت دی۔ فرمایا ہے۔ "تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض منھم من کلم اللہ و رفع بعضھم درجات" (انھیں رسولوں کو ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ انھیں میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند کئے) اور فرمایا "ولقد فضلنا بعض النبیین علیٰ بعض" (اور بیشک ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے)۔ اور فرمایا ہے "ولقد کرمنا بنی آدم و حملناھم فی البر والبحر و رزقناھم من الطیبٰت و فضلناھم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلا" (اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم نے انھیں خشکی و تری میں سواری دی اور ہم نے اُنھیں پاکیزہ رزق دیئے۔ اور ہم نے اُنھیں اپنی کثیر مخلوق پر فضیلت دی۔ اور کھلی ہوئی فضیلت دی)۔ بعینہ یہ وہی محاباۃ ہے جو معتزلہ کے نزدیک جور و ظلم ہے۔

اُن سے کہا جائے گا کہ تمھارے قاعدۂ فاسدہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات کو عقل کیوں نہ دی کہ اس کے سبب سے انھیں بھی ان مراتب عالیہ کے لئے پیش کرتا کہ جن کے لئے اس نے بنی آدم کو پیش کیا۔ ہم میں اور حیوانات میں اُس نے مساوات کیوں نہ کی کہ ہمیں بھی وہ ہم سب کو بھی ہلاکت کے مقامات و فتنہ و امتحان میں پیش نکرتا۔ کیا یہ خالص محاباۃ نہیں ہے اور کیا یہ اپنی خواہش کے مطابق فعل نہیں ہے کہ اُس کے حکم کی کوئی گرفت کرنیوالا نہیں ہے وہ جو چاہے کرے اُس سے باز پرس نہیں کی جا سکتی۔

بعض معتزلہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی عقول میں اُس چیز کے کھانے کو جو ان کو نہیں دی ہے اور غیر کا مال کھانے کو قبیح بنا دیا ہے۔

حیوان کی عقول میں اس کو قبیح نہیں بنایا ہے۔

اللہ نے جو پیدا کیا وہ قبیح نہیں تاہم ہم سے جو خطا ہوتی ہے وہ قبیح ہے

اس جاہل نے اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی قبیح بنانے والا اور حسن بنانے والا ہے۔ چونکہ یہ اسی طرح ہے لہٰذا کوئی قبیح نہیں سوائے اُس کے جسے اللہ نے قبیح کر دیا اور کوئی حسن نہیں سوائے اس کے کہ جسے اللہ نے حسن کر دیا۔ اور ہمارا یہی قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا اُس کا پیدا کرنا قبیح نہیں ہے۔ جو معاصی اُس نے ہمارے اندر پیدا کئے ان کا ہم سے ظاہر ہونا ہی قبیح ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ اور یہ مضمون اس سے بہت زیادہ واضح ہے۔

کیا یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے حیوان کو پیدا کیا پھر بعض کو بغیر کسی عمل کے بعض سے افضل کر دیا۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو تمام اونٹنیوں پر فضیلت دی۔ بلکہ ان تمام انبیاء کی اونٹنیوں پر فضیلت دی جو صالحؑ سے افضل ہیں۔ ہم اس مضمون کو اس لئے لائے ہیں کہ وہ یہ نہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس اونٹنی کو محض صالح علیہ السلام کی فضیلت کی وجہ سے فضیلت دی۔

اللہ تعالیٰ نے کتے کو ایسا بنایا کہ رذالت وخساست میں اُس کی مثال دی جاتی ہے۔ بندر اور سور کو ایسا بنایا کہ اُس نے اپنے بعض نافرمانوں کو ان کی صورت میں کر کے عذاب دیا۔ اگر ان کی صورت عذاب و وبال نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کی صورت میں نافرمانوں کو نہ بدلتا جو دنیا کا شدید ترین عذاب و وبال ہے۔

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

بعض حیوان کو اس طرح بنایا کہ اُن کے ذبح کرنے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب ملتا ہے۔ بعض کا ذبح کرنا حرام کر دیا۔ بعض کا ٹھکانا باغوں درختوں اور سبزہ زار کو بنایا۔ بعض کا ٹھکانا نخلستان یا کیچڑ اور دریا کے اندر کے کنکرے کو بنا دیا۔ بعض حیوان کو قوی اور بعض کو ضعیف بنایا بعض کو

وادیوں میں اس طرح بنایا کہ اُن سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور بعض کو زہر قاتل بنا دیا۔ بعض کو اس طرح بنایا کہ جو اُنھیں پکڑنا چاہے تو اُنھیں اڑکر یا بھاگ کر یا تیر کر اپنے بچانے کی قوت ہے۔ بعض کو ایسا کمزور بنایا کہ وہ ایسے وقت بچ نہیں سکتے۔ بعض حیوان کو گھوڑا بنایا جن کی پیشانیوں میں خیر ہے، جن پر سوار ہوکے دشمن سے جہاد کیا جاتا ہے۔ بعض حیوان کو درندہ بنایا جو حملہ کرنے والا۔ تمام حیوانات پر غلبہ کرنے والا۔ سب کو ڈرانے والا۔ سب کا قاتل اور سب کا کھانے والا ہے۔ بعض حیوان کو ایسا بنایا جو ان سے بچ نہیں سکتا۔ بعض کو ایسا بنایا کہ اُن کی زندگی عادت کے مطابق ہوتی ہے اور اُنھیں موت آجاتی ہے۔ بعض کو ایسا بنایا کہ وہ ہر حال میں کھائے جاتے ہیں۔

بعض حیوانات کا کونسا گناہ تھا کہ اُن پر دوسرے حیوان کو مسلط کر دیا گیا کہ اُس نے اُسے کھایا اور قتل کیا اور اُس کے ذبح کرنے کو مباح کر دیا گیا اور اگر نہ کھایا گیا تو اُس کے قتل کو مباح کر دیا گیا مثلاً جوں۔ مچھر کھٹمل چھپکلی۔ اور تمام کیڑے۔ شہد کی مکھی کے مارنے کو منع کر دیا اور اور حرمین اور حالت احرام میں شکار کے قتل کو حرام کر دیا اور غیر حرمین وغیر احرام میں مباح کر دیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن حیوانات کے قتل و ذبح کو مباح کر دیا اُنھیں عوض دے گا۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ اُس نے اس کو ان حیوانات میں کیوں نہ مباح کیا جن کے قتل کو اُس نے حرام کر دیا ہے کہ وہ اُنھیں بھی عوض دیتا۔ بلاشک یہی محاباۃ ہے۔ دستور کے مطابق عقل کے نزدیک یہ محض عبث بھی ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ ایذا رسانی سے پہلے نعمت دینے پر قادر نہیں ہے۔ تو وہ اس سے بھی اُن حیوانات کی اُن حیوانات پر محاباۃ سے نہیں چھوٹتے جن میں اللہ تعالیٰ نے اس کو مباح نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ اللہ تعالیٰ کا عاجز بنانا بھی ہے۔ ان سے یہ کہا جائے گا کہ وہ کیا چیز ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو اس سے

عاجز کر دیا اور اُن کے نعمت دینے پر قادر بنا دیا جن کو دنیا میں پہلے ایذا دی گئی آیا اُس کے اندر کوئی طبیعت ہے۔ جو اپنی فطرت کے مطابق جاری ہے یا اُس سے بالاتر کوئی اُسے اس قدرت کا عطا کرنے والا ہے؟ ان دو میں سے ایک قول ضروری ہے۔ حالانکہ یہ دونوں قول خالص کفر ہیں۔ نیز ان کا قول اللہ تعالیٰ کے ان بچوں کے نعمت دینے سے بھی باطل ہو جاتا ہے جو زندہ پیدا ہوئے اور بغیر کسی پہلی تکلیف اور عذاب کے فوراً اسی وقت مر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اصول کے مطابق تمام حیوانات کے ساتھ ایسا ہی کیوں نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ وہ ہماری غذا غیر حیوان میں رکھتا۔ نباتات اور پھلوں میں رکھتا۔ جس طرح بہت لوگ دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں جو گوشت نہیں کھاتے اور یہ اُن کی زندگی کے لئے کچھ بھی مضر نہیں ہوتا۔ بس اس مقام پر صرف یہی ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال پر اس قسم کا حکم لگانا جائز نہیں جس طرح ہمارے افعال پر لگایا جاتا ہے اس لئے کہ ہم لوگ امر و نہی کے پابند و ماتحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا آمر (حاکم) ہے نہ کہ مامور و منہی۔ (نہ اُسے کسی امر کا حکم دیا جا سکتا ہے نہ منع کیا جا سکتا ہے) لہٰذا وہ جو کچھ کرے وہ عدل وحکمت وحق ہے اور ہم جو کچھ کریں تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ہے تو وہ عدل وحق ہے اور اگر اُس کے حکم کے خلاف ہے تو ظلم و جور ہے۔

حیوان کے بارے میں ہمارا وہی قول ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ومامن دابۃ الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا اممٌ امثالکم ما فرطنا فی الکتٰب من شیٔ ثم الی ربھم یحشرون" (روئے زمین کے تمام چلنے والے اور اپنے بازوؤں سے تمام اڑنے والے تمہاری ہی طرح قومیں ہیں۔ ہم نے کسی چیز کے لکھنے میں کوتاہی نہیں کی پھر یہ سب زندہ کر کے اپنے رب کے آگے کھڑے کئے جائیں گے)۔ اور فرمایا ہے "واذا الوحوش حشرت" (اور جب وحوش کو جمع کیا جائیگا)

ہم یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے روز تمام وحوش۔ زمین کے تمام چلنے والے اور پرندے جس طرح اور جس غرض کے لئے اللہ چاہے گا اُٹھائے جائیں گے۔ لیکن یہ ہم نہیں جانتے کہ ایسا کیوں ہو گا۔ اور اللہ ہر شے کا زیادہ جاننے والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس روز بے سینگ والی بکری کا انتقام سینگ والی بکری سے لیا جائے گا۔ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور اس کا بھی کہ اُس روز بے سینگ کی بکری کا سینگ والی بکری سے انتقام لیا جائے گا۔

حیوان عذاب دوزخ سے محفوظ ہیں

ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد اُن دونوں بکریوں کے ساتھ کیا کرے گا۔ مگر یہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اُسے دوزخ کا عذاب نہ ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا یصلیٰھا الا الاشقی الذی کذب و تولیٰ (دوزخ میں صرف وہی بدبخت داخل ہوگا جس نے تکذیب کی اور منہ پھیرا) ہم یقین کیساتھ جانتے ہیں کہ یہ صفت خاص طور پر صرف جن وانس میں ہے۔ اور ہمیں اس کے سوا کوئی علم نہیں جو اللہ نے ہمیں بتایا۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ سوائے ملائکہ و حور و جن و انس کے تمام حیوان جو اس عالم میں ہیں وہ شریعت کے پیرو نہیں بنائے گئے ہیں۔

بہشت حیوانات کے لئے نہیں

جنت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت میں سوائے مسلم نفس کے کوئی نہ داخل ہوگا اور حیوان پر سوائے اُن کے جن کا ہم نے ذکر کیا ان پر مسلمین کا اسم واقع نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ مسلم وہی ہے جو دیندار اسلام ہو۔ حیوان مذکور کسی شریعت کا نہیں۔

سب بچے بہشت میں

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم کہتے ہو کہ مسلمانوں کے اور مشرکین کے بچے سب کے سب جنت میں ہوں گے تو کیا ان پر مسلمین کا اسم واقع ہوتا ہے۔ بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ ہاں بلاشک۔ یہ سب اللہ کے ارشاد کے مطابق مسلمین ہوں گے" داد۔

اخذ ربک من بنی آدم من ظهورہم ذریاتہم واشہدہم علی انفسہم الست بربکم قالوا بلیٰ" (اور جبکہ آپ کے رب نے بنی آدم سے اُن کی ذریات کو ظاہر کیا اور انھیں خود اپنے اوپر گواہ بنایا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں تو انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں) اور فرمایا ہے کہ "فاقم وجہک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ" (اور آپ اپنا رخ یکسوئی کے ساتھ دین کی طرف کیجئے جو اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ کے پیدا کرنے کو کوئی بدلنے والا نہیں)۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کل مولود یولد علی الفطرۃ، وروی علی الملۃ، فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ او یشرکانہ" (ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ ملت پر پیدا کیا جاتا ہے، پھر اُس کے والدین اُسے یہودی بنا لیتے ہیں یا نصرانی بنا لیتے ہیں یا مجوسی بنا لیتے ہیں یا مشرک بنا لیتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا کہ "انی خلقت عبادی حنفاء کلہم فاجتالتہم الشیاطین عن دینہم" (میں نے اپنے بندوں کو سب کو کفر سے یکسو پیدا کیا پھر شیاطین نے انھیں ان کے دین سے برگشتہ کر دیا)۔ لہٰذا ان سب کے لئے اسم اسلام ثابت ہو گیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تصریح فرمائی ہے کہ آپ نے مشرکین وغیرہ کے بچوں کو جنت میں ابراہیم خلیل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا۔

مجنون اور وہ لوگ جو زمانہ قبل نبوت میں مر گئے۔ انھیں کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ جن کو اسلام کا زمانہ ملا اور وہ انتہائی بوڑھے اور بہرے ہو چکے تھے جو سن نہ سکے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ان لوگوں کے لئے ایک روشن آگ بھیجی جائے گی اور انھیں اُس میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ جو اُس میں داخل ہوگا وہ آگ اس پر

سرد ہو جائے گی اور وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ یا آپ نے کوئی ایسا کلام فرمایا جس کے یہ معنی ہیں۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کا اقرار کرتے ہیں۔ ہمیں اس کے سوا کوئی علم نہیں جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بتایا۔

خلقت جسم و نفس

کلام اس مقام تک پہنچ گیا ہے لہذا ہمیں چاہیئے کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اللہ سے اجر کی خواہش کر کے بیان حق کو ملا دیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی تائید سے کہتے ہیں کہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے بنی آدم کی پشت سے ان کی ذریات کو نکالا۔ یہ اس پر نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو عہد آدم علیہ السلام سے پیدا کیا ہے اس لئے کہ اس زمانے میں اجسام بلاشک مٹی اور پانی تھے۔ نیز مکلف و مخاطب تو نفس (روح و جان) ہے نہ کہ جسم۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ بلاشک جس وقت اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا قیامت تک ہونیوالے تمام بنی آدم کے نفوس موجود تھے اور پیدا کئے جا چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کے بعد اس نے ہمیں فنا کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی تصریح فرمائی کہ اس نے اسی زمانے میں زمین اور پانی پیدا کیا۔ ارشاد ہے "انه جعل من الماء کل شئی حی" (کہ اس نے پانی سے ہر زندہ چیز کو بنایا) اور ارشاد ہے "خلق السموات والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش" (اس نے چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا)۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے ہمیں طین یعنی گارے سے پیدا کیا۔ گارہ ہی پانی اور مٹی ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے اجسام کو پیدا کیا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ہمارے اجسام کا عنصر اس وقت سے پیدا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان کا پیدا کرنا شروع کیا۔ ہماری ارواح جو ہمارے نفوس ہیں یہ اس وقت سے پیدا ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولقد خلقناکم ثم صورناکم

ثم قلنا للملئکۃ اسجدوا لآدم" (اور بیشک ہم نے تمھیں پیدا کیا پھر ہم نے تمھاری صورت بنائی پھر ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو)۔ لفظ "ثم" (یعنی پھر) اس زبان میں جس میں قرآن نازل ہوا ہے تعقیب بمہلت کا موجب ہے (یعنی جس کلمے یا جملے پر یہ داخل ہوتا ہے اس لفظ کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد کا جملہ یا کلمہ اس کے پہلے کے جملے یا کلمے کے بعد ہوا اور مہلت و مدت کے بعد ہوا) اللہ تعالیٰ گارے سے ہمارے اجسام کی صورت بناتا ہے جو گوشت اور خون اور ہڈیاں ہوتی ہیں۔ اسطور پر اجسام کو بناتا ہے کہ مٹی اور پانی کے اعراض و صفات کو بدل دیتا ہے۔ وہ سبزی اور دانہ اور پھل بن جاتا ہے جس کی غذا بنائی جاتی ہے۔ وہ ہمارے اندر گوشت۔ ہڈی۔ پٹھا۔ کھال۔ کری۔ بال۔ بھیجا۔ گودا۔ رگ۔ جھلی۔ چربی۔ اور دودھ بن جاتی ہے اسی طرح موت کے بعد ہمارے اجسام مٹی ہو جاتے ہیں اور اس کی آبی رطوبات اڑ جاتی ہیں۔

حیات اولیٰ جان اور جسم کے جدا ہونے کے بعد کہ یہ موت اول ہے دونوں کا جمع کرنا ہی حیات اولیٰ ہے۔ یہ جانیں اجسام کے ساتھ جب تک اللہ چاہے گا اسی طرح اس عالم دنیا میں رہیں گی جو عالم امتحان و ابتلاء ہے۔

برزخ پھر ہمیں اللہ تعالیٰ بذریعۂ موت ثانی جو دوبارہ جانوں کا اجسام سے جدا ہونا ہے اس برزخ کی طرف منتقل کر دے گا جس میں قیامت تک ارواح مقیم رہیں گی۔ ہمارے اجسام مٹی ہو جائیں گے جیسا کہ ہم نے کہا۔

حیات ثانیہ پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ہماری ارواح اور ہمارے ان اجسام کو جمع کر دے گا کہ جو اس کے دوبارہ بنانے سے موجود ہوں گے۔ اور انھیں قبور سے اٹھائے گا جو وہ مقامات ہیں کہ جن میں اجزائے اجسام قرار پذیر ہیں جن کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں

جانتا اور نہ اُس کے سوا کوئی ان کو اکٹھا کر سکتا ہے۔ لا الٰہ الا ہو۔ یہی وہ حیاتِ ثانیہ ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ انس وجن کے مومنین بغیر کسی حد و نہایت کے ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ ان کے کافر بغیر کسی حد و نہایت کے دوزخ میں رہیں گے۔

فرشتے اور حور

ملائکہ و حور عین۔ یہ سب کے سب جنت میں ہیں۔ اُسی میں نور سے پیدا کئے گئے اور اسی میں ہمیشہ بغیر کسی حد و نہایت کے رہیں گے۔ نہ اُس سے کبھی منتقل ہوئے اور نہ ہوں گے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے کلام کی نص ہے جو فرماتا ہے "کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم" (تم لوگ اللہ کے ساتھ کیونکر کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے پھر اس نے تمھیں زندہ کیا پھر تمھیں موت دے گا پھر تمھیں زندہ کرے گا)۔ وہ کہنے والوں کی تصدیق کے طور پر فرماتا ہے "ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین" (اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندہ کیا) اس سے کوئی نہیں چھوٹتا سوائے اس کے جس کو اللہ نے کسی معجزے کی وجہ سے جو اُس کے اندر ظاہر ہوا علیحدہ کر دیا ہو۔ مثلاً وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے معجزے کے طور پر زندہ کر دیا ہو۔ جیسے مسیح علیہ السلام کے لئے۔ وہ لوگ جو موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اُنھیں حکم دیا کہ مر جاؤ (اور وہ مر گئے) پھر انھیں زندہ کر دیا۔ یہ لوگ اور وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے سو برس تک مردہ رکھا پھر اُسے زندہ کر دیا (یعنی حضرت عزیر علیہ السلام) تو یہ سب تین موتوں سے مرے اور تین بار زندہ ہوئے۔

صاعقۃ الموت

جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ بیہوشی جو قیامت کے روز ہوگی موت ہے تو اس نے قرآن کے اس حصے میں غلطی کی جو ہم نے بیان کیا۔ اس لئے کہ اُس وقت ہر شخص کے لئے تین موتیں اور تین احیاء ہو جائیں گے اور یہ کذب و باطل اور خلافِ قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسے تصریحاً بیان کیا ہے۔ فرمایا ہے "یوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السمٰوات ومن فی الارض الا من شاء اللہ" (اور جس روز صور پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں پریشان ہو جائیں گے سوائے اُن کے کہ جنھیں اللہ چاہے گا) اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ یہ بیہوشی محض فزع و پریشانی ہے نہ کہ موت۔

اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں سورۂ زمر میں بیان فرمایا ہے۔ "ونفخ فی الصور فصعق من فی السمٰوات ومن فی الارض الا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون۔ واشرقت الارض بنور ربھا ووضع الکتاب وجیٔ بالنبیین والشھداء" (اور صور پھونکا جائے گا پھر زمین و آسمان کے سب لوگ بیہوش ہو جائیں گے سوائے ان کے کہ جنھیں اللہ چاہے۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو یہ سب لوگ یکایک کھڑے ہو کر دیکھتے ہوں گے۔ اور تمام زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھیگی اور کتاب رکھی جائے گی اور انبیاء کو اور گواہوں کو لایا جائے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ یہ بیہوشی جس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جنھیں اللہ چاہے گا اور اس کی تفسیر اُس آیت سے کر دی جو ہم نے پہلے بیان کی۔ اُس آیت نے واضح کر دیا کہ یہ فزع و پریشانی ہو گی نہ کہ موت۔

نبی علیہ السلام نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح فرمائی ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اُٹھیں گے اور دیکھیں گے وہ موسیٰ علیہ السلام ہوں گے جو کھڑے ہوں گے۔ مگر اُنھیں یہ خبر نہ ہوگی کہ آیا وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جو بیہوش ہو گئے پھر انھیں افاقہ ہوا یا اُنھیں طور کی بیہوشی کی جزا دی گئی۔ آنحضرت نے اس کا نام افاقہ رکھا۔ اگر یہ موت ہوتی تو آپ اُسے افاقہ نہ فرماتے بلکہ احیاء فرماتے۔ اسی طرح طور کے روز کی موسیٰ علیہ السلام کی بیہوشی بھی پریشانی تھی موت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وخر موسیٰ صعقا فلما افاق قال سبحانک تبت الیک" (اور موسیٰؑ بیہوش ہو کے گر پڑے

۷۶

پھر جب انھیں افاقہ ہوا تو کہا کہ تو پاک ہے میں تجھ سے توبہ کرتا ہوں)
یہ وہ آیت ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔

سات دَوْر

مذکورۂ بالا بیان سے ثابت ہو گیا کہ سات دور ہوتے ہیں اور یہی (ساتوں دور) عالم ہیں جن میں سے ہر عالم قائم بالذات ہے۔

سب سے پہلا دور دار الابتداء، اور اس کا عالم ہے۔ یہ وہ عالم ہے جس میں پروردگارِ عالم نے تمام ارواح کو ایک ہی مرتبے میں پیدا کر دیا اور ان سے (اپنی بندگی کا) عہد لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تصریح فرمائی ہے کہ وہ ارواح تھیں "واشھدھم علی انفسھم الست بربکم" (اور انھیں اپنی ارواح و نفوس پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟) یہ ایک ہی دار و مقام ہے اس لئے کہ اس مقام میں سب کے سب مسلمین ہیں۔ یہ دار سب سے آخری روح کے لئے تو بیحد طویل ہے مگر جو پہلے مخلوقین ہیں اُن کے لئے بیحد مختصر ہے۔

دورِ ثانی۔ دار الابتلاء (مقام امتحان) اور اس کا عالم ہے۔ یہ وہ عالم ہے جس میں ہم لوگ ہیں اور اللہ تعالیٰ عالم ابتداء سے اسی عالم کی طرف ارواح کو بھیجتا ہے۔ وہ اپنے اجسام و اجساد میں قیام کرتی ہیں اور جب تک مقیم رہتی ہیں بندگی کی پابند رہتی ہیں یہاں تک کہ آگے پیچھے ایک ایک گروہ اس عالم کو چھوڑتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام ارواح مخلوقہ اس عالم میں اپنی اُس سکونت کو پورا کر لیتی ہیں جو ان کے لئے مناسب قرار دی گئی ہے۔ اس کے بعد یہ عالم بھی ختم ہو جاتا ہے اور ہر روح کی ذات کے اعتبار سے یہ عالم نہایت مختصر ہے اس لئے کہ اس میں انسان کی مدت عمر قلیل ہے۔ اگرچہ اُسے ہزار برس کی عمر بھی ملے۔ چہ جائے کہ عام انسانوں کی وہ عمریں جو ایک ساعت سے سو سال کی حدود تک ہوتی ہیں۔

اس کے بعد برزخ کے دو دور یا عالم ہیں۔ یہ دونوں وہ ہیں کہ

ارواح کے اس عالم سے نکلنے اوران کے اجسام سے جدا ہونے کے وقت ارواح انھیں دونوں عالموں کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ یہ دونوں عالم (برزخ) آسمان دنیا کے پاس ہیں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے۔ آپ نے بیان فرمایا کہ شب معراج میں آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا میں دیکھا۔ اُن کے داہنی جانب کچھ گروہ تھے اور بائیں جانب کچھ گروہ تھے۔ دریافت کیا تو آدم علیہ السلام نے بتایا کہ یہ اُن کی اولاد کی ارواح ہیں۔ جو لوگ داہنی جانب ہیں وہ اہل سعادت کی ارواح ہیں اور جو لوگ اُن کی بائیں جانب ہیں وہ اہل شقاوت کی ارواح ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر تصریح فرمائی ہے" وکنتم ازواجا ثلثة فاصحاب الميمنة ما اصحاب الميمنة واصحاب المشأمة ما اصحاب المشأمة والسابقون السابقون اولئك المقربون في جنت النعيم ثلة من الاولين وقليل من الاخرين" (اور تمھاری تین قسمیں ہو جائیں گی۔ چنانچہ جو داہنی جانب والے ہوں گے تو داہنی جانب والے کیسے اچھے ہوں گے۔ اور جو بائیں جانب والے ہوں گے تو بائیں جانب والے کیسے برے ہوں گے۔ اور جو سبقت کرنے والے اور اعلیٰ درجے والے ہیں وہ تو سبقت کرنے والے ہیں ہی۔ اور یہ خاص مقرب لوگ ہیں جو جنت کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلوں میں سے ہوگا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔) اور فرمایا ہے" فاما ان كان من المقربين فروح وريحان وجنة نعيم واما ان كان من اصحاب اليمين فسلام لك من اصحاب اليمين واما ان كان من المكذبين الضالين فنزل من حميم وتصلية جحيم ٥ ان هذا لهو الحق اليقين" (پھر جو مقربین میں سے ہوگا تو اس کے لئے تو راحت اور غذائیں جنت کا آرام ہے۔ اور جو شخص داہنی جانب والوں میں سے ہوگا تو تیرے لئے امن وسلام ہے تو داہنی جانب والوں میں ہے۔ لیکن جو گمراہوں اور تکذیب کرنے والوں میں سے ہوگا تو کھولتے پانی سے اس کی ضیافت ہوگی

اور اس کو جہنم میں ڈالدیا جائے گا۔ بیشک یہ یقینی و تحقیقی ہے) اور فرمایا ہے "ثم کان من الذین آمنوا و تواصوا بالصبر و تواصوا بالمرحمہ اولئك اصحاب المیمنة والذین کفروا بآیاتنا ھم اصحاب المشأمة علیھم نار مؤصدة" (پھر وہ شخص اہل ایمان میں سے ہوگیا اور انہوں نے باہم صبر و استقلال کی فہمائش کی اور باہم رحم کی فرمائش کی۔ یہی لوگ داہنی جانب والے ہیں۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی یہ لوگ بائیں جانب والے ہیں جن پر وہ آگ ہوگی جو ان کا محاصرہ کئے ہوئے ہوگی)۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ ارواح شہدا جنت میں ہیں۔ اور اسی طرح بلاشک انبیا بھی۔ کیونکہ یہ باطل ہے کہ شہداء تو کسی فضل میں کامیاب ہوں اور انبیاء اس سے محروم رہیں۔ حالانکہ یہی وہ مقربین ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ جنت میں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنة نعیم" (لیکن جو مقربین میں ہوں گے تو ان کے لئے راحت وغذا اور آرام کی جنت ہے)۔ یہ دونوں دار (مقام و عالم) قائم ہیں جن میں بنص قرآن و حدیث ابتک ان کے اہل داخل نہیں ہوئے نہ جنت میں نہ دوزخ میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا" (صبح و شام یہ لوگ دوزخ پر پیش کئے جائیں گے) ویوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب" (اور جس روز قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں داخل کرو)۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے قول کی حکایت بیان فرمائی ہے کہ وہ قیامت میں کہیں گے کہ "یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا" (ہائے ہماری خرابی ہے۔ ہمیں کس نے ہمارے مرقد سے اٹھا دیا)۔ لہذا ثابت ہوا کہ ان لوگوں کو ابتک عذاب دوزخ نہوا ہوگا۔

اسی طرح تمام احادیث ہیں کہ سب لوگ سوائے انبیاء و شہداء کے قیامت کے روز جنت و دوزخ میں جائیں گے نہ کہ اس کے قبل۔ اور

انبیاء و شہداء کے حساب میں حاضر ہونے کے لئے نکلنے سے انکار نہیں کیا جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل ہوئے پھر اس سے نکل آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتھیٰ عندھا جنۃ المأویٰ" (آپ نے جبرئیل کو دوبارہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا ہے جس کے پاس جنۃ الماویٰ ہے) یہ دونوں دار بھی پہلی ارواح کے لئے بیحد طویل ہیں۔ سوائے آخری مخلوق کے۔ کہ ان پر بہت ہی مختصر ہیں۔ کفار نے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا محض اس لئے ان دونوں کو مختصر کہا کہ یہ لوگ اسی عالم سے عذاب دوزخ کی طرف منتقل کئے جائیں گے۔ نعوذ باللہ منہا۔ وہ اس مدت کو قلیل سمجھیں گے اگرچہ وہ طویل ہوگی۔ یہانتک کہ بعض کفار جس سختی میں جائیں گے اس کی وجہ سے اس مدت کو ایک دن یا ایک دن سے بھی کم گمان کریں گے۔ بعض تو کہیں گے کہ تم لوگ صرف دس روز رہے۔

پچاس ہزار برس کا دن۔

اس کے بعد دار پنجم ہے۔ یہ عالم حشر ہے۔ یہی قیامت کا روز ہے اور یہی عالم حساب ہے۔ اس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ فاصبر صبرا جمیلا انھم یرونہ بعیدا و نراہ قریبا۔ یوم تکون السماء کالمھل وتکون الجبال کالعھن۔ ولا یسئل حمیم حمیما۔ یبصرونھم۔ لو یفتدی من عذاب یومئذ ببنیہ" (یہ عذاب اُس روز واقع ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہوگی۔ پس آپ خوبی کے ساتھ صبر کیجئے۔ یہ لوگ اس دن کو دور سمجھتے ہیں اور ہم اُسے قریب سمجھتے ہیں۔ جس روز آسمان مثل راکھ کے ہو جائے گا اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین روئی کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی دوست دوسرے دوست کو نہ پوچھے گا۔ دوست کو دوست دکھا بھی دیئے جائیں گے (اس پر بھی ایک دوسرے کو نہ پوچھے گا)۔ اگر اُس روز کے عذاب کے بدلے وہ اپنے بیٹوں وغیرہ کو

فدیہ میں دے تب بھی عذاب سے نہ چھوٹے گا)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ (پچاس ہزار برس والا دن) قیامت کا دن ہو گا۔ اسی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث آئی ہیں۔

ہزار برس کا دن

لیکن وہ دن جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک دن ایک ہزار برس کا ہے تو یہ دوسرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون" (وہ آسمان سے زمین تک معاملات کی تدبیر کرتا ہے پھر اُس روز آسمان کی طرف متوجہ ہو گا جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار برس کی ہو گی)۔ اور فرمایا ہے" وان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون" (اور آپ کے رب کے یہاں کا ایک روز تمہارے شمار کے مطابق ایک سال کے برابر ہے) نص قرآن کے مطابق یہ دوسرے ایام ہیں۔ نص کو اُس کے ظاہر سے بدلنا بغیر دوسری نص یا اجماعِ یقینی یا ضرورت حس کے ناجائز ہے۔

اس کے بعد دار ششم وہفتم ہیں۔ یہ دونوں دار جزاء کے لئے ہیں اور یہ جنت و دوزخ ہیں۔ یہ دونوں دار ایسے ہیں جن کا خاتمہ ہے نہ فنا اور نہ ان کے باشندوں کا۔ اور ہم اللہ کی اُس ناراضی سے پناہ مانگتے ہیں جو دوزخ کا سبب ہو۔ اُس کے سے اُس کی وہ خوشنودی مانگتے ہیں کہ جنت کا موجب ہو۔ ہماری توفیق تو رحیم و کریم اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا قیامت کے دن کے بارے میں جو ارشاد ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اور اس حساب کا انتظام کرے تو وہ پچاس ہزار برس کی مقدار ہو گی۔ تو یہ قول اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والا اور مخالف قرآن اور اس روز کی درازی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مخالف ہے۔ ہم بضرورت عقل جانتے ہیں کہ اگر تمام اہل زمین کو تکلیف دیجائے کہ وہ ایک ہی

زمانے کے لوگوں کے امور کا حساب کریں جو ان لوگوں نے دل میں رکھے اور جو کئے اور ان سب کا موازنہ کریں تو وہ اس کو دس لاکھ برس میں بھی پورا نکر سکیں گے۔ لہٰذا یہ قول کاذب یقیناً باطل ہوگیا جس میں کوئی شک نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ابطال اعتزال

معتزلہ کے اس قول کو ہم باطل کر چکے ہیں جس میں انہوں نے اپنے رب پر حکم لگایا تھا، اس پر کچھ واجب کیا تھا، اور یہ سب محض اپنی بیہودہ رائے سے کیا تھا۔ جو چیز ان سے قبیح یا حسن ہے اس میں انھوں نے اس کو اپنے ساتھ تشبیہ دی تھی اور جو کچھ اس نے کیا یا حکم دیا یا مقدر کیا اس میں ان لوگوں نے جور وستم کو اس کی طرف منسوب کیا تھا۔

اب ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد وقوت سے یہ بیان کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جور وستم کے منسوب کرنے والے درحقیقت یہ لوگ ہیں نہ کہ ہم لوگ۔ پھر ہم وہ آیات بیان کریں گے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے جو ہمارے قول کی تصدیق اور ان کے قول کی تکذیب کرتی ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

خود معتزلہ اللہ کی جانب ظلم منسوب کرتے ہیں

بتوفیق الٰہی، ہم کہتے ہیں کہ یہ بالکل کھلا ہوا محال ہے جو معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف جور وستم کو منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ قطعاً جور نہیں کرے گا اور نہ کبھی اس نے جور کیا۔ اس نے جو کچھ کیا یا کرے گا خواہ وہ کچھ بھی ہو تو وہ درحقیقت عدل وحق وحکمت ہے جس میں کوئی شک نہیں جور وظلم صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جور بتایا۔ وہ وہی ہے جو اس کے جن وانس میں سے نافرمان بندوں سے ظاہر ہوا جو اس کے حکم کے مخالف ہے حالانکہ وہی ان کے اندر اپنی مشیت کے مطابق اس فعل کا پیدا کرنے والا ہے۔ بھلا جس کا یہ کلام وعقیدہ ہو وہ کس طرح اپنے رب کی طرف جور وستم کا منسوب کرنے والا ہو سکتا ہے۔

حالانکہ اپنے رب کی طرف جور وستم کا منسوب کرنے والا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہ بیان کرنے پر کہ اس نے اس شے کو پیدا کیا' یہ کہتا ہے کہ یہ ظلم وجور ہے۔ بیشک اس قول کا قائل دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں۔ کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی۔

یا تو وہ اپنے رب کی اُس خبر کی تکذیب کرتا ہے جو اُس نے قرآن میں دی ہے کہ اُسی نے تمام مصائب کو بنایا۔ پیدا کیا۔ اسی نے ہمیں اور ہمارے اعمال وافعال کو پیدا کیا اور اُس نے ہر شے کو اندازے سے پیدا کیا۔

یا وہ اپنے رب کے اُس کلام کو جو انتہائی واضح ہے اُس کے مقامات سے بدلنے والا ہے اور یہ سننے کے بعد کہ اس کی نص (یعنی موضوع ومطلب) کیا ہے اُسے بدلتا ہے۔ جو اس کی پابندی کرے یہ کفر کی سرحد ہے وجہ دوم۔ اللہ تعالیٰ کی اس خبر کے متعلق (کہ اس نے مصائب کو اور ہمارے افعال کو پیدا کیا) اُس کی تصدیق کرنا اور اُس کے اس فعل میں اُسے ظلم وجور کی طرف منسوب کرنا۔ اس کے سوا اُسے چارہ کار نہیں۔ یہ بھی اگر اُس کی پابندی کرے تو سرحد کفر ہے۔ یا حق سے منقطع ہونا اور تناقض یعنی اپنے ہی قول کی مخالفت کرنا اور بلا دلیل اعتقاد باطل پر قایم رہنا ہے جو ہوا پرستوں جیسوں اور فاسقوں کی تقلید ہے مثلاً نظام۔ علاف۔ بشر۔ نخاس الرقیق۔ اور معمر جس کے دین میں خود اُن لوگوں کے نزدیک بھی شبہ ہے۔ ثمامۃ الخلیع جو بد اطواریوں میں مشہور ہے جاحظ جو بیہودگی ہوا پرستی و آزادی میں مشہور ہے۔ یہ سب لوگ ان کے بہترین پیشوا ہیں۔ ہم تو اس قسم کے امور سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اصناف معتزلہ

اس کے بعد ان کی دو قسمیں ہو گئی ہیں۔ اصحاب اصلح۔ واصحاب لطف۔ اصحاب لطف کے متعلق اصحاب اصلح یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف جور کو منسوب کرنے والے اور اُسے جاہل ماننے والے ہیں۔

اصحاب لطف اصحاب اصلح کے متعلق یہ بیان کرتے ہیں کہ

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو عاجز ماننے والے اور اُسے اُس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے والے ہیں۔ ایک دوسرے کی ملامت کے درپے ہیں۔ حالانکہ معتزلہ کے قول کے خلاف اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ فرمایا ہے "کذالك یضل اللہ من یشاء ویھدی من یشاء" (اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دعا کرنے کا حکم دیا ہے "ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ (اے ہمارے پروردگار ہم سے مواخذہ نکرنا اگر ہم بھولجائیں یا خطا کریں۔ اے ہمارے پروردگار ہم پر بوجھ نہ لادنا جیساکہ تونے ہم سے پہلے لوگوں پر لادا اے ہمارے پروردگار۔ اور نہ ہم پر وہ بوجھ لادنا جس کی ہمیں طاقت نہو۔

تکلیف مالا یطاق یہ اس امر کا نہایت واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ حق ہے کہ وہ ہمیں ایسے امور کی تکلیف دے جن کی ہمیں طاقت نہیں۔ اگر وہ یہ چاہے تو یہ اُس کا حق ہوگا۔ اگر اسے اس کا حق نہوتا تو وہ ہمیں اس کی دعا کا حکم نہ دیتا کہ وہ اس کو ہم پر نہ لادے۔ بلاشک ان کے اصول کے مطابق اس کے متعلق یہ دعا ایسی ہی ہوتی جیسے آلہ و خالق ہونے کی دعا۔ جیساکہ ہم نے تلاوت کی اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اُس نے ہم سے قبل والوں پر "اصر" (بارگراں) لادا۔ یہ اُس ثقل وبار کو کہتے ہیں جس کی طاقت نہو۔ ہمیں اس نے یہ حکم دیا کہ ہم اُس سے دعا کریں کہ وہ ہم پر اس کو نہ لادے۔

اسی آیت میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم اُس سے یہ دعا کریں کہ وہ ہم سے ان امور میں مواخذہ نکرے جو ہماری بھول چوک سے سرزد ہوں۔ یہی تکلیف مالا یطاق ہے۔ اس لئے کہ نسیان (یعنی بھول) وہ

چیز ہے جس سے بچنے پر کوئی بھی قادر نہیں۔ نہ اُس سے محفوظ رہنا وہم ہی میں آسکتا ہے۔ نہ کسی کو اپنے سے اُس کا دور رکھنا ممکن ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اس کا حق نہ ہوتا کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نسیان کی وجہ سے مواخذہ کرے تو وہ ہمیں ہرگز اُس سے نجات کی دعا کا حکم نہ دیتا۔ ہم تو انبیاء علیہم السلام کو پاتے ہیں کہ نسیان کی وجہ سے اُن کسے مواخذہ کیا گیا ہے۔ جن میں سے ہمارے باپ آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولقد عہدنا الیٰ اٰدم من قبل فنسیٗ" (اور بیشک ہم نے پہلے سے آدم سے عہد لے لیا تھا مگر وہ بھول گئے)۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی یہ ہے کہ جس عداوت ابلیس سے انھیں اللہ تعالیٰ نے ڈرا دیا تھا وہ اسے بھول گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر مواخذہ کیا۔ اُنھیں جنت سے نکالدیا۔ پھر معاف کر دیا۔ معتزلہ کے اصول پر یہ سب ظلم وجور ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولوشاء اللہ ما اشرکوا" (اور اگر اللہ چاہتا تو لوگ شرک نہ کرتے)۔ جس لغت میں قرآن نازل ہوا ہے اُس میں "لو" وہ حرف ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایک شے اس لئے ممتنع و ناممکن ہے کہ اُس کے علاوہ ممتنع و ناممکن ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ مشرکین سے ترک شرک اس لئے ناممکن ہے کہ اُس کے ترک کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت ناممکن ہے فرمایا ہے" وما کان لنفس ان تؤمن الا باذن اللہ" (اور کسی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ بغیر اللہ کے اذن و اجازت کے ایمان لائے) اللہ کے اذن کی تفسیر اللہ کی مشیت ہی ہے فرمایا ہے" ولو اننا نزلنا الیہم الملئکۃ وکلمہم الموتی وحشرنا علیہم کل شیٔ قبلا ما کانوا لیؤمنوا الا ان یشاء اللہ" (اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو نازل کر دیتے اور مُردوں سے ان سے کلام کرا دیتے اور ہر شے کو ان کے روبرو جمع کر دیتے تو بھی یہ ایسے نہیں ہیں کہ بغیر اللہ کی مشیت کے ایمان لے آتے)۔

بدون مشیت الٰہی ایمان بھی ممکن نہیں

یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ ناممکن ہے کہ کوئی ایمان لائے بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ اُس کے ایمان کا اذن دے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ ہر شخص جو ایمان لایا تو وہ اللہ کے اذن کے بغیر ایمان نہیں لایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ جو شخص ایمان نہیں لایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان کا اذن نہیں دیا اور نہ چاہا کہ اُس سے ایمان واقع ہو۔ ان دونوں آیتوں کی یہی وہ نص ہے کہ اس کے سوا کسی اور معنی کی تاویل کا ان میں احتمال ہی نہیں۔ کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے ایمان پر مجبور کرنا اور اکراہ مراد لیا ہے اس لئے کہ نص آیت اس تاویل فاسد سے مانع ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ہر وہ شخص جو ایمان لایا تو وہ محض اللہ کے اذن سے ایمان لایا اور جو ایمان نہیں لایا تو اللہ نے نہیں چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ اس تاویل پر معتزلہ کو یہ لازم آئے گا کہ عالم میں جو مومن بھی ہے وہ ایمان پر مجبور و مکرہ ہے۔ اور یہ جہمیہ کے قول سے بھی بدتر اور سخت ہے۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ اس مقام پر اللہ کے اذن سے محض اُس کا حکم مراد ہے تو لامحالہ انہیں دو میں سے ایک وجہ لازم آئے گی جس سے چارۂ کار نہ ہوگا کہ یا تو وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو ایمان کا حکم نہیں دیا۔ اس لئے کہ نص میں وارد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ انھیں اذن دیتا تو وہ ضرور ایمان لاتے۔ اور یا یہ کہیں کہ عالم میں جس قدر لوگ ہیں وہ سب مومن ہیں کیونکہ معتزلہ کے نزدیک انھیں ایمان کا اذن دیدیا گیا ہے۔ جبکہ اذن سے بھی امر کے ہوں۔ اور یہ دونوں قول خالص کفر اور عیان و مشاہدے کے خلاف ہیں۔ ونعوذ باللہ من الضلال۔

اذن اور مشیت کے معنی

اس مقام پر اذن و مشیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مومن کے اندر ایمان کو پیدا کر دینا اور اُس کے ایمان سے اُس کا "کن" یعنی (ہو جا) کہہ دینا ہے تو وہ ہو جاتا ہے۔

اور عدم اذن ایمان و عدم مشیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اندر ایمان کو پیدا نکرے تو وہ ایمان نہ لائے گا۔ اس کے سوا قطعاً ناممکن ہے۔ چونکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہاں اذن سے مراد امر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت فمنھم من ھدی اللہ و منھم من حقت علیہ الضلالۃ" (اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور بت پرستی سے بچو۔ اُن میں سے بعض وہ تھے جنھیں اللہ نے ہدایت کر دی اور بعض وہ تھے جن پر گمراہی قائم رہی۔) اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اُس نے بعض کو ہدایت دی اور بعض کو نہیں دی۔ معتزلہ کے نزدیک یہ جور ہے۔ اور فرمایا ہے" ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس" (اور بیشک ہم نے بہت سے جن وانس کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اُس نے انھیں اس لئے پیدا کیا کہ دوزخ میں داخل کرے نعوذ باللہ من ذالک۔ اور فرمایا ہے" ولو شاء اللہ لجعلھم امۃ واحدۃ ولکن یضل من یشاء و یھدی من یشاء" (اور اگر اللہ چاہتا تو ضرور ان سب کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اُس سے دعا کریں اور کہیں کہ" ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا (اے ہمارے رب بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت کی ہمارے دلوں کو کج نکرنا)۔ تصریح کر دی کہ اللہ نے جن کو ہدایت نہیں کی اُن کے قلوب کی کجی اس طرح ہوئی کہ جب اللہ نے اُن کے قلوب کو کج کر دیا تو وہ کج ہو گئے۔ اور فرمایا ہے" کذلک حقت کلمۃ ربک علی الذین فسقوا انھم لا یؤمنون" (اسی طرح اُن لوگوں پر جنھوں نے نافرمانی کی آپ کے رب کا کلام صادق آگیا کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے) اللہ تعالیٰ نے طے کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات فاسقین پر صادق آگئے کہ یہ لوگ

ایمان نہ لائیں گے۔ جس نے اُن پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ وہ سوائے اللہ کے کون ہے۔ اور یہ معتزلہ کے نزدیک جور ہے۔

معتزلہ پر حجت

ہر آیت جو ہم نے باب استطاعت میں بیان کی ہے وہ اس باب میں بھی معتزلہ پر حجت ہے۔ ہر آیت جو انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس باب کے بعد والے باب میں بیان کریں گے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفر و فسق کے ہونے کا ارادہ کیا وہ اس باب میں بھی معتزلہ پر حجت ہے۔ اسی طرح ہر وہ آیت بھی جو انشاء اللہ تعالیٰ ہم اُن لوگوں کے قول کے ابطال میں تلاوت کریں گے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابو جہل و ابو لہب و فرعون کو جو کچھ دیا اُس کے پاس اس سے بہتر کوئی ایسی چیز نہ تھی جو ایمان کی طرف بلاتی۔ یہ آیات اس باب میں بھی معتزلہ پر حجت ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اہل اعتزال کا استدلال

معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "وما خلقنا السمٰوات والارض وما بینہما لاعبین ماخلقناھما الا بالحق" (اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے فضول پیدا نہیں کیا ہم نے ان دونوں کو حق کے مطابق ہی پیدا کیا ہے)۔ اور اس آیت سے بھی "وما ربك بظلام للعبید" (اور آپ کا رب اپنے بندوں کے لئے ظالم نہیں ہے)۔ اور اس آیت سے بھی کہ "وما ظلمناھم ولکن کانوا انفسہم یظلمون" (ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ یہ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے) اور اس آیت سے بھی کہ "وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون" (اور میں نے جن و انس کو محض اس لئے پیدا کیا تاکہ وہ میری ہی عبادت کریں)۔ اور اس آیت سے بھی "ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون ولو علم اللہ فیہم خیرا لاسمعہم ولو اسمعہم لتولوا وھم معرضون" (زمین پر چلنے والوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جو سمجھتے نہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو ان میں خیر کا

علم ہوتا تو وہ ضرور اُنھیں سناتا (اور بہرہ پن دور کرتا) اور اگر اُنھیں سناتا تو وہ ضرور منہ پھیرتے۔ اور یہ منہ پھیرنے ہی والے لوگ ہیں)۔

لنا ولاعلینا اُن کے خلاف یہ ہماری حجت ودلیل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ انھیں سنائے۔ اس مقام پر سنانے کے معنی بلاشک ہدایت کرنا ہیں۔ اس لئے کہ اُن لوگوں کے کان درست تھے۔ اور "ولو اسمعہم لتولوا وھم معرضون" کے معنی یہی ہیں کہ وہ ضرور کفر سے منہ پھیر لیتے اور وہ اُس سے اعراض کرتے۔ اس کے سوا نا ممکن ہے۔ اس لئے کہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنھیں ہدایت کرے اور اُن کے دلوں میں خیر کو جانے پھر وہ ہدایت نہ پائیں۔ یہ تو تناقض ہوا جس سے اُس کا کلام پاک ہے۔ لہٰذا یقیناً وہی ثابت ہو گیا جو ہم نے بیان کیا۔

بقیہ آیات میں بھی کسی میں ان کے لئے کوئی دلیل وحجت نہیں بلکہ وہ ان کے خلاف ہماری حجت ہے اور یہ ہمارے قول کی نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے حق کے ساتھ پیدا کیا۔ بلاشک بندوں کے افعال بھی آسمان وزمین کے درمیان ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی اُسی حق کے ساتھ پیدا کیا جو اُس کا انھیں ایجاد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا حق ہے۔ وہ جسے گمراہ کرے اُس کا اُسے گمراہ کرنا اُس کا حق ہے اور یہ اُس سے حق ہے۔ جس کو اُس نے ہدایت کی اُس کا اُسے ہدایت کرنا اللہ تعالیٰ سے حق ہے۔ اُس کی محاباۃ وترجیح وتخصیص جس کی اُس نے نبوت وطاعت سے محاباۃ وتخصیص کی یہ بھی اُس سے حق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے ان سب سے اپنی بیزاری ظاہر کرتے ہیں جو یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی شے بغیر حق کے پیدا کی یا اللہ تعالیٰ نے کوئی شے فضول پیدا کی۔ یا اُس نے کسی پر ظلم کیا۔ بلکہ اُس کا فعل عدل و صلاح ہے۔ ہر صاحب فہم کے لئے ظاہر ہو گیا کہ ہم لوگ تو ان آیات کے ان کی نص وظاہر کے مطابق قائل ہیں۔ پھر اُن کی ان نصوص۔ بیں ہم پر کونسی حجت ہے۔ کاش اُنھیں عقل ہوتی۔

معتزلہ کا قول کہ بعض چیزیں اللہ نے پیدا نہیں کیں

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے درمیان کی بہت سی چیزیں پیدا نہیں کیں۔ خاصکر ان میں سے عباد بن سلیمان جو ہشام بن عمرو القوطی کا شاگرد ہے وہ اس کا قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خشک سالی بھوک اور امراض اور کفار و فساق کو پیدا نہیں کیا۔ محمد بن عبداللہ الاسکافی شاگرد جعفر بن حرب اس کا قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چوبی باجے آلات طرب اور طنبورے پیدا نہیں کئے۔ یہ سب اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں نہیں ہیں (جو کچھ یہ ظالم کہتے ہیں اللہ اس سے بلند و برتر ہے)۔

یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ محاباۃ (ترجیح و تخصیص) کرتا تو ضرور وہ اس کے غیر کے لئے ظالم ہوتا۔ حالانکہ یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ابراہیم و یحییٰ و محمد صلوات اللہ علیہم کے ساتھ محاباۃ کی جو ان کے غیر کے ساتھ نہیں کی اور نہ ابولہب و ابوجہل اور اس فرعون کے ساتھ کی جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔ معتزلہ کے قول پر یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ظلم کیا جن کے غیر کو ان پر ترجیح دی اور محاباۃ کی۔ یہ وہ اعتراض ہے جس سے بغیر اپنا قول فاسد ترک کئے انہیں مفر نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" (میں نے جن و انس کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری ہی عبادت کریں) اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کے بندے بنیں کہ اس کا حکم ان کے اندر متصرف ہو اور وہ جو تدبیر ان کے لئے کرے اس کے وہ مطیع ہوں۔ اور عبادت کی حقیقت یہی ہے اور طاعت بھی عبادت ہے۔

عبادت بمعنی تذلل

اللہ تعالیٰ نے کہنے والوں کا قول بیان کیا ہے "انؤمن لبشرین مثلنا و قومھما لنا عابدون" (کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں یعنی موسیٰ و ہارون پر ایمان لائیں

حالانکہ ان دونوں کی قوم ہماری عبادت گذار ہے)۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ قوم موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی کبھی عبادت تدین نہیں کی۔ لیکن ان لوگوں نے عبادت تذلل کے طور پر اُس کی عبادت کی۔ وہ لوگ اُس کے عبد (غلام) اور اُس کے عابد ہو گئے۔ اسی طرح ملائکہ علیہم السلام کا یہ کہنا کہ "بل کانوا یعبدون الجن" (بلکہ یہ لوگ جن کی عبادت کیا کرتے تھے) ہر شخص جانتا ہے کہ ان لوگوں نے جن کی عبادت نہیں کی تھی۔ البتہ اس طور پر جن کی عبادت کی تھی کہ ان کے حکم و اغوا کے تصرف کے یہ پرستار تھے۔ اس کی وجہ یہ وہ اُن کے عبد و غلام ہو گئے تھے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ اور یہ بالکل واضح ہے۔

ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو اس لئے پیدا کیا کہ انھیں عبادت کا حکم دے۔ ہم اس کے قائل نہیں کیونکہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کبھی اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا۔ مثلاً بچے اور مجنون۔ پھر بغیر کسی دلیل کے آیت کی تخصیص ہو گئی۔ جو ہم نے کہا یہی وہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے اس لئے کہ وہ مشاہدے میں ہے اور یقینی ہے اور ان میں سے ہر ایک کو شامل و عام ہے۔

اس آیت میں معتزلہ کا جو گمان ہے وہ باطل ہے اُن کے اس دعوے کی تکذیب اس سے بھی ہوتی ہے کہ انھوں نے ہمارے ساتھ اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے عالم ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ اُس کی عبادت نہ کریں گے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ یہ خبر دیدے کہ اُس نے اُنھیں ایک ایسے امر کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ جانتا تھا کہ یہ امر ان سے نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ وہ اُس شخص کے قول کی طرف رجوع کریں جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شے کو نہیں جانتا تا وقتیکہ وہ ہو نہ جائے۔ تو جو اس قول کی پناہ لے گا اُس کا کفر مکمل ہو جائے گا۔ اس کے باوجود انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف عبث کی نسبت سے نجات نہ ہوگی اس لئے کہ اس نے

مخلوق سے اس امر میں دھوکا کھایا کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ اس میں ہلاک ہوں گے یا کامیاب ہوں گے۔ اور معتزلہ جو اصلح کے اور ابطال محاباۃ کے قائل ہیں وجہ عدل کو سولہ باب میں تقسیم کرنے میں متحیر ہیں۔

عدالات شانزدہ گانہ عدل کی سولہویں قسمیں حسب ذیل ہیں۔

۱. عدل عذاب کو دوامی بنانے میں۔
۲. عدل حیوان کی ایذا رسانی میں۔
۳. عدل اُس کی تبلیغ میں جس کے متعلق معلوم ہے کہ وہ کفر کرے گا۔
۴. عدل مخلوق میں۔
۵. عدل استطاعت عطا کرنے میں۔
۶. عدل ارادے میں۔
۷. عدل بدل میں۔
۸. عدل امر میں۔
۹. عدل عذاب اطفال میں۔
۱۰. عدل استحقاق عذاب میں۔
۱۱. عدل معرفت میں۔
۱۲. عدل اختلاف احوال مخلوقین میں۔
۱۳. عدل لطف میں۔
۱۴. عدل اصلح میں۔
۱۵. عدل شرائع کے منسوخ کرنے میں۔
۱۶. عدل نبوت میں۔

آیا اللہ تعالیٰ نے کفر وفسق کو چاہا یا نہیں چاہا

کافر وفاسق سے کفر وفسق سرزد ہونے کا ارادہ کیا کہ نہیں

معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا کہ کوئی کافر کفر کرے یا کوئی فاسق فسق کرے۔ نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو گالی دے نہ یہ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرے۔ انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے" ولا یرضیٰ لعبادہ الکفر" (اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کفر سے خوش نہیں ہے)۔ اور اس آیت سے کہ" اتبعوا ما اسخط اللہ وکرھوا رضوانہ فاحبط اعمالھم" (ان لوگوں نے اُن امور کی پیروی کی جنھوں نے اللہ کو ناراض کردیا اور انھوں نے اللہ کی رضامندی کو ناپسند کیا تو اس نے ان کے اعمال کو برباد کردیا)۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ جو شخص ایسا کام کرے جو اللہ نے چاہا ہو تو اُسے اجر ملے گا۔ وہ نیکوکار ہے اگر اللہ نے یہ ارادہ کیا کہ کافر کفر کرے اور فاسق فسق کرے تو ان دونوں نے وہی کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے ارادہ کیا تھا۔ لہذا یہ دونوں نیکوکار اور مستحق ثواب ہوئے۔

ارادے اور مشیت کی تحقیق

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ لفظ" شاءَ" (یعنی چاہا) "اَرَادَ" (یعنی ارادہ کیا) مشترک ہیں۔ دو معنی پر واقع ہوتے ہیں۔ ایک ان میں سے" رضاء (یعنی خوش ہونا)

اور استحسان (یعنی اچھا سمجھنا) ہے یہ معنی اللہ تعالیٰ سے منفی ونہی ہیں کہ اس نے جس چیز سے منع کیا ہو اُسی کو چاہا یا ارادہ کیا ہو۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ کہا جائے کہ "اراد وشاء" کے معنی "اراد کونہ وشاء وجودہ" (یعنی اُس نے اُس کے ہونے کا ارادہ کیا اور اُس کا وجود چاہا) ہیں۔ یہی وہ معنی ہیں کہ عالم میں جو کچھ خیر وشر موجود ہے ہم اُس سے اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر دیتے ہیں۔ معتزلہ نے توان الفاظ مشترکہ کے متعلق کرنے میں جو دو یا زائد معنی پر واقع ہوتے ہیں سفسطہ کی راہ اختیار کی اور اُس فریب کاری کی کہ جب اُس کی تفتیش کیجائے تو وہ کمزور ہو جاتی ہے اور جب اُس سے بحث کی جائے تو وہ رسوا ہو جاتی ہے۔ یہ اُن جہلاء کا طریقہ ہے جن کے ہاتھوں میں سوائے خرافات کے اور کوئی حیلہ نہو۔

اہل سنت نے کہا ہے کہ کوئی شخص اُس کام کے کرنے سے محسن و نیکوکار نہیں ہوتا جو اللہ نے چاہا یا ارادہ کیا۔ اور محسن وہی ہوتا ہے جو وہ کام کرے جس کا اللہ نے حکم دیا اور وہ اُس کام سے راضی ہے۔

باز رکھنے کی قدرت

ہم معتزلہ سے دریافت کرتے ہیں کہ ہمیں بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ کافر کو کفر سے اور فاسق کو فسق سے روکنے پر جو اسے گالی دے اُس کی زبان بند کرنے پر اُس کے دل میں گذار دینے پر، جنھوں نے اُس کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قتل کیا ان کو قتل سے روکنے پر قادر ہے یا ان امور کے روکنے سے عاجز ہے۔ اگر وہ کہیں کہ وہ ان میں سے کسی شے کے روکنے پر بھی قادر نہیں تو انھوں نے بلاشبہ اس کے لئے معنی عجز کے ثابت کر دیئے۔ اور یہ خالص کفر اور اُس کی خداوندی کا ابطال، اُس پر نقص وضعف کا فیصلہ کرنا، اس کی قوت کا محدود کرنا اور قدرت کا ناتمام ماننا ہے، ساتھ ہی یہ کھلا ہوا تناقض بھی ہے اس لئے کہ وہ لوگ اس کے مقر ہیں کہ کفار کو اللہ تعالیٰ ہی نے وہ قوت عطا فرمائی ہے جس سے کفر وفسق ہوتا ہے اور اُسے گالی دیجاتی ہے

اور اس کے انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کو قتل کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں وہ قوت عطا کرنے پر قادر نہ ہو جو اس نے انھیں عطا کی۔ یہ صفت تو مضطر ومجبور کی ہے۔

اگر یہ کہیں کہ وہ ان لوگوں کو ان تمام امور سے رد کنے پر قادر ہے تو انھوں نے بداہتہ اس کا اقرار کر لیا کہ وہ کفار کے کفر پر باقی رہنے کا ارادہ کرنے والا ہے، وہی کافر و کفر کا باقی رکھنے والا ہے اور اس زمانے کا پیدا کرنے والا ہے جس میں کافر اپنے کفر پر اور فاسق اپنے فسق پر مدت گذارنے والا ہے یہی وہ ہے جو ہمارا قول ہے کہ اس نے کفر و فسق اور اپنی گالی اور قتل انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کا ارادہ کیا اور ان میں سے کسی شے سے بھی راضی نہیں بلکہ وہ اس سے سخت ناراض اور اس کے فاعل پر غضبناک ہے۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان امور کے ہونے کا ارادہ کیا تو وہ اسی سے ناراض ہے جس کا اس نے ارادہ کیا۔

ہم اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس شے کے کسی سے سرزد ہونے کا ارادہ کیا وہ اس کے فاعل سے ناراض ہوتا ہے۔ پھر ہم بعینہ یہی سوال معتزلہ پر پلٹتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ چونکہ یہ تمھارے نزدیک منکر و ناپسندیدہ ہے اور تم اس کے مقر ہو کہ وہ اس کے روکنے پر قادر ہے تو پھر وہ تمھارے نزدیک اس شے پر ناراض ہوتا ہے جس کو اس نے برقرار رکھا اور اسی سے ناخوش ہوتا ہے جس کو برقرار رکھتا ہے اور اسے بدلتا نہیں اور اسی کو قائم رکھتا ہے جس سے راضی نہیں۔ اسی امر کو انھوں نے اللہ کے لئے برا جانا تھا۔ اور وہ اس کے جواب پر قادر نہیں ہیں خرابی اور برائی انھیں کی طرف پلٹنے والی ہے اس لئے کہ جو چیز انھیں لازم آئی اسی کو انھوں نے منکر و ناپسندیدہ جانا تھا۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ جو کسی شے کے روکنے پر قادر ہے اور اس کو نہیں کیا اور نہ اس سے روکا تو اس کے وجود کا اور

ہونے کا ارادہ کیا۔ اگر وہ کسی سے اُس کے سرزد ہونے کا ارادہ نکرتا تو ضرور اس سے روک دیتا۔ اور ہرگز اُسے کرنے نہ دیتا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ حکیم ہے اور اُس نے جو انھیں آزاد رکھا اور نہیں روکا تو اُس میں اُس کی حکمت کا کوئی راز ہے۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ بس تو پھر اسی قسم کے جواب پر اُس شخص سے بھی قناعت کرو جو تم سے یہ کہے کہ اُس نے اس کے ہونے کا اس لئے ارادہ کیا کہ وہ حکیم کریم عزیز ہے اور اس میں اُس کی حکمت کا کوئی راز ہے۔

ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب امور کے ہونے کا ارادہ کیا اور یہاں کوئی راز نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کرے وہی حکمت وحق ہے۔ اُن کا یہ قول خود اُن کے اس مقدمۂ فاسدہ کا منہدم کرنے والا ہے کہ باری تعالیٰ سے بھی وہی فعل قبیح ہے جو ہم سے اور ہمارے آپس میں قبیح ہے۔ کسی صاحبِ عقل کو ہرگز علم نہ ہوگا کہ کسی نے اپنے دشمن کے ہاتھ کو اپنے دوست و محبوب پر آزادی کے ساتھ چھوڑ دیا ہو کہ وہ اُسے قتل کرے، عذاب کرے، تھپیڑ مارے، اس کی توہین کرے۔ اسے اپنے لونڈی غلاموں پر آزاد کر دے کہ وہ غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ خوشی و ناخوشی بدکاری کرے، آقا موجود ہو، دیکھتا اور سنتا ہے، ان امور کے روکنے پر قادر ہو اور نہ روکے اور نہ صرف ان کے آزاد رکھنے ہی پر قناعت کرے بلکہ اپنے دشمن کو ان امور کے ارتکاب کی قوت اور ایسے آلات بھی عطا کرے جو اس کے مددگار ہوں۔ اور رفتہ رفتہ اُس کے قولی کو مدد بھی پہنچاتا رہے ایسا شخص نہ حکیم ہے نہ حلیم۔ بلکہ عابث (بیہودہ حرکت کرنے والا) اور ظالم اور ستم کرنے والا ہے۔ لہٰذا معتزلہ کے اپنے اُصول فاسدہ کی بنا پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اُن تمام امور کا حکم کریں۔ یہ ہمیں لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور امور مذکورۂ بالا یا اور جو کچھ وہ کرتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ سے حکمت و عدل وحق ہے۔ اُس سے اس کے

فعل کی باز پرس نہیں ہو سکتی۔ اور لوگوں سے باز پرس کی جائے گی۔ لہذا بضرورت مشاہدہ معتزلہ کا یہ قول باطل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر یا فسق یا اپنی گالی اور اپنے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قتل ہونے کا ارادہ نہیں کیا۔ اگر وہ اس کے ہونے کا ارادہ نہ کرتا تو وہ اس سے ضرور رو کر دیتا جیسا کہ اس نے ہر اس شے سے رو کر دیا جس کے ہونے کا اس نے ارادہ نہیں کیا۔

اس کی تائید میں اس مقولے پر تمام امت کا اجماع کافی ہے کہ "ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن" (جو اللہ نے چاہا ہوا اور جو اس نے نہیں چاہا نہیں ہوا)۔ (یہ حدیث بھی ہے) یہ مقولہ اپنے عموم کی بناء پر اس کا موجب ہے کہ جو کچھ عالم میں ہوا یا ہو گا خواہ وہ کوئی شے بھی ہو تو اللہ تعالیٰ نے اُسے چاہا۔ اور جو نہیں ہوا یا نہ ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے نہیں چاہا۔ یہ اس امر پر ایسی نص ہے جس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے ہونے کا ارادہ کیا۔ منجملہ اس کے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "لمن شاء منکم ان یستقیم وماتشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العلمین" (یعنی یہ قرآن اُس شخص کے لئے نصیحت ہے جو تم میں سے درست ہونا چاہے اور تم نہیں چاہو گے بغیر اس کے کہ اللہ رب العلمین چاہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر کھلی ہوئی تصریح فرمائی کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طاعت پر استقامت نہیں چاہے گا بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا مستقیم ہونا چاہے۔ اگر معتزلہ کا قول صحیح ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مکلف کا مستقیم ہونا چاہا تو بنص قرآن ہر مکلف ضرور مستقیم ہوتا۔ اس لئے کہ اُن کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اس کو چاہا ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے۔ نعوذ باللہ من مثلہ۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا جس کے ثبوت وصحت میں شک کا دخل نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے خلاف استقامت کو چاہا اور بنص قرآن اُس نے یہ نہیں چاہا کہ یہ مستقیم ہوں۔

فرمایا ہے "وماجعلنا اصحاب النار الا ملئکۃ وماجعلنا عدتھم الا فتنۃ للذین کفروا لیستیقن الذین اوتوا الکتاب

و یزداد الذین آمنوا ایمانا ولا یرتاب الذین اوتوا الکتاب والمؤمنون ولیقول الذین فی قلوبہم مرض والکافرون ماذا اراد اللہ بہذا مثلا کذلك یضل اللہ من یشاء ویہدی من یشاء" (اور ہم نے دوزخ کا منتظم صرف ملائکہ ہی کو بنایا ہے۔ اور ہم نے ان کی تعداد محض کفار کو فتنے میں ڈالنے کے لئے مقرر کی ہے (یعنی تاکہ وہ یہ اعتراض کریں کہ اس تعداد سے کم یا بیش کیوں نہیں اور اسی گستاخی سے مستحق عذاب بنیں) ۔ کہ اہل کتاب یقین کریں اور مومنین کے ایمان میں اضافہ ہو۔ اور اہل کتاب و مومنین شک نہ کریں۔ اور تاکہ جن کے دلوں میں مرض ہے وہ لوگ یعنی منافقین اور کفار یہ کہیں کہ اس مثل سے اللہ کا کیا مقصد ہے۔ اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے)۔

یہ آیت اس امر میں انتہائی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکۂ دوزخ کی تعداد کفار کے فتنے کے لئے مقرر کی ہے کہ وہ لوگ یہ کہیں کہ اللہ کا اس مثل سے کیا مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اُس نے کفّار کو فتنے میں ڈالنے اور اُن کے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا تو وہ گمراہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اضلال (گمراہ کرنے) کا ارادہ کیا اور اسی کا حکم دیا جیسا کہ اُس نے مومنین کی ہدایت کا قصد و ارادہ کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولو جعلناہ قرآنا اعجمیا لقالوا لولا فصلت آیاتہ ااعجمی وعربی۔ قل ہو للذین آمنوا ہدی وشفاء۔ والذین لا یؤمنون فی آذانہم وقر وہو علیہم عمی" (اور اگر ہم اس کو عجمی قرآن بناتے تو یہ لوگ ضرور کہتے کہ کاش اُس کی آیات کی تفصیل نہ کی جاتی کہ عجمی ہے اور عربی ہے۔ آپ کہدیجئے کہ وہ اہل ایمان کے لئے ہدایت و شفاء ہے۔ اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ٹھیٹھی ہے اور وہ (قرآن) ان پر دل کی نابینائی ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اُس نے قرآن کو مومنین کی ہدایت اور کفّار کی گمراہی و نابینائی کے لئے نازل کیا۔ ہم یقیناً

جانتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا تھا تو اُس نے جیساکہ کہا یہ کہنے کا ارادہ کر لیا تھا کہ یہ کفار کے لئے نابینائی اور مومنین کے لئے ہدایت ہے۔

فرمایا ہے " ولو شاء ربك لآمن من فی الارض کلھم جمیعا۔ افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مؤمنین۔ وما کان لنفس ان تؤمن الا باذن اللہ۔ ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون" (اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو لوگ روئے زمین پر ہیں وہ سب کے سب ضرور ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے تاکہ وہ مومن ہو جائیں۔ اور کسی شخص کو یہ ممکن نہیں کہ وہ بغیر اللہ کے اذن کے ایمان لائے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن لوگوں پر نجاست قائم رکھتا ہے جو عقل نہیں رکھتے)۔ اسی طرح یہ تمام آیت ہے کہ اُس کا ایک حصہ دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام جن وانس ایمان لے آتے۔ اور یہی سب اہل زمین ہیں۔ اور

حسب لغت عرب میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خطاب فرمایا ہے۔ کہ وہ ہمیں سمجھائے اُس میں "لَوْ" وہ حرف ہے جو ایک شئے کے ممتنع و ناممکن ہونے کی وجہ سے دوسری شے کے ممتنع و ناممکن ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا کہ اہل زمین کا ہر شخص ایمان لائے۔ چونکہ اس میں شک نہیں لہٰذا ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اس نے ان لوگوں سے خلافِ ایمان کو چاہا اور لامحالہ وہ کفر و فسق ہے۔

اگر معتزلہ کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کفار کو ایمان کا اذن دیا ہوتا تو ہر وہ شخص جو زمین پر ہے ضرور ایمان لاتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ بغیر اُس کے اذن کے کوئی ایمان نہیں لاتا۔ یہ معتزلہ کا وہ امر ہے جس کی مشاہدہ تکذیب کرتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ معتزلہ کاذب ہیں اور اللہ تعالیٰ صادق ہے۔

جو کفر کی حالت میں مر گیا اللہ تعالیٰ نے اسے ہرگز ایمان کا اذن نہیں دیا۔ اور جو اس امر سے نابینا و جاہل ہے وہ ضرور قلب کا نابینا ہے۔ وہ شخص نابینائے قلب کیونکر نہو جس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نابینا کر دیا۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول حق ہے "وما کان لنفس ان تؤمن الا باذن اللہ" (اور کسی شخص کے لئے ممکن نہیں کہ وہ بغیر اللہ کے اذن کے ایمان لائے)۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کا اذن نہیں دیا تو اُس نے یہ نہیں چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ چونکہ اُس نے یہ نہیں چاہا کہ وہ ایمان لائے لہٰذا بلاشک اُس نے یہ چاہا کہ وہ کافر رہے۔ یہ وہ دلیل ہے جس سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔

فرمایا ہے "ونذرھم فی طغیانہم یعمہون۔ ولو اننا نزلنا الیہم الملئکۃ وکلمہم الموتیٰ وحشرنا علیہم کل شئ قبلاً ماکانوا لیؤمنوا الا ان یشاء اللہ" (اور ہم انھیں ان کی سرکشی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر ہم ان کے پاس ملائکہ کو نازل کرتے اور مردوں سے ان سے بات چیت کرا دیتے اور ان کے روبرو ہر شے کو اٹھا کے کھڑا کر دیتے تب بھی یہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے سوائے اس کے کہ اللہ ہی چاہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پورے طور پر واضح کر دیا کہ نہ تو نشانیاں کافی ہوتی ہیں اور نہ ڈرانے والے یعنی رسول۔ بیشک ان امور سے کوئی ایمان نہیں لاتا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی جس کے ایمان کو چاہے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ وہی ایمان لاتا ہے جس کے ایمان کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور وہی کفر کرتا ہے جس کے کفر کو اللہ چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے قول کو بیان فرمایا ہے "والا تصرف عنی کیدھن اصب الیہن واکن من الجاھلین۔ فاستجاب لہ ربہ فصرف عنہ کیدھن" (اور اگر تو ہی مجھ سے ان

عورتوں کے مکر کو نہ پھیرے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول کر لی۔ اور اُن سے اُن عورتوں کے مکر کو پھیر دیا) ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ جس نے طفلانہ حرکت اور جہالت کی اللہ تعالیٰ نے اُس سے اُس مکر کو نہیں پھیرا جس کو اُس نے اپنی رحمت سے اُس شخص سے پھیر دیا جس نے طفلانہ حرکت و جہالت نہیں کی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بعض سے پھیرا اور بعض سے نہیں پھیرا تو اُس نے اس کے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا جس نے طفلانہ حرکت و جہالت کی۔

فرمایا ہے "وجعلنا علی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ وفی اذانھم وقرا" (اور ہم نے دلوں پر پردے ڈال دیے تاکہ اُس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ٹھیٹھی لگا دی) اے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اُس نے کافروں کے دلوں کو پردوں میں کر دیا۔ کہ قرآن نہ سمجھیں اور اُن کے کانوں میں ٹھیٹھی لگا دی تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ آیا اُس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ قرآن کو سمجھیں یا یہ ارادہ کیا کہ قرآن کو نہ سمجھیں یہ کسی کی عقل میں کیسے سما سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ خبر دے کہ اُس نے کوئی ایسی شے کی کہ اُس نے یہ ارادہ نہیں کیا کہ اُسے کرے اور نہ اُس نے اُس کے ہونے کا ارادہ کیا اور نہ اُسے موجود کرنا چاہا۔ یہ وہ بدحواسی ہے کہ جس کی کوئی شکل ذرا سی عقل رکھنے والے کی عقل میں بھی نہیں آ سکتی یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے کانوں میں ٹھیٹھی کے ہونے کا اور اُن کے دلوں پر پردوں کا ارادہ کیا۔

فرمایا ہے "ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن یضل من یشاء ویھدی من یشاء" (اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) ۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اُس نے یہ ارادہ نہیں کیا کہ ہمیں ایک امت بنا دے۔ البتہ اس نے یہ ارادہ کیا کہ

ایک قوم کو گمراہ کرے اور ایک قوم کو ہدایت کرے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ جو گمراہ ہوا اللہ نے اس کو گمراہ کرنا چاہا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کے قول کی تصدیق و ثنا کے طور پر فرمایا ہے "قد افترینا علی اللہ کذبا ان عدنا فی ملتکم بعد اذ نجانا اللہ منہا وما یکون لنا ان نعود فیہا الا ان یشاء اللہ ربنا" (اگر ہم بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی تمہارے مذہب میں واپس آجائیں تو (گویا) ہم نے اللہ پر جھوٹ موٹ افترا کیا۔ ہمارے لئے ناممکن ہے کہ ہم اس میں واپس ہوں سوائے اس کے کہ اللہ جو ہمارا رب ہے چاہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین نے وہ قول حق کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کی شہادت دی کہ یہ لوگ محض اس لئے کفر سے بچے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے نجات دی۔ اور کفار کو اس سے نجات نہیں دی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ یہ لوگ کفر میں واپس جائیں تو ضرور اس میں واپس جائیں گے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ جو کفر میں واپس گیا اللہ تعالیٰ نے اس سے یہی چاہا۔

معتزلہ نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں بتوں کی تعظیم کا حکم دے جیسا کہ اس نے ہمیں حجر اسود و کعبے کی تعظیم کا حکم دیا۔

یہ معنی انتہائی فاسد ہیں۔ اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا حکم دیتا تو یہ ملت کفر میں واپس ہونا نہ ہوتا۔ بلکہ یہ تو ایمان پر ثابت رہنا اور اس میں ترقی کرنا ہوتا۔

فرمایا ہے "فی قلوبہم مرض فزادہم اللہ مرضا" (منافقین کے دلوں میں مرض تھا۔ پھر اللہ نے ان کا مرض اور بڑھا دیا)۔ اے کاش مجھے علم ہوتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کا مرض بڑھا دیا تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس نے ان کے دلوں میں جو اضافۂ مرض کیا اور وہ شک و کفر ہے تو کیا اس نے اس کو نہیں چاہا اور اس کا ارادہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ وہ کام

کیسے کرے گا جس کے کرنے کا وہ ارادہ نکرلے۔ اور جو اس کا قائل ہو گیا یہ اُس کا الحاد خالص نہیں ہے؟۔

فرمایا ہے "ولو شاء الله ما اقتتل الذین من بعدھم من بعد ماجاءتھم البینات ولکن اختلفوا فمنھم من آمن ومنھم من کفر۔ ولو شاء الله ما اقتتلوا ولکن الله یفعل مایرید" (اور اگر اللہ چاہتا تو بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آچکیں ان کے بعد والے لوگ جنگ نکرتے۔ لیکن انھوں نے باہم اختلاف کیا۔ پھر ان میں سے بعض مومن ہو گئے اور بعض کافر اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ جنگ نکرتے۔ لیکن اللہ جو ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اگر وہ چاہتا تو یہ لوگ جنگ نکرتے۔ لہٰذا بدیہی طور پر واجب ہوا کہ اس نے چاہا اور ارادہ کیا کہ یہ لوگ جنگ کریں۔ جنگ کرنے والوں کے جنگ کرنے میں بلاشک گمراہی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی نص کے مطابق گمراہی کا ہونا اور اُس کا وجود چاہا۔

فرمایا ہے "ومن یرد الله فتنتہ فلن تملك له من الله شیئاً" (اور اللہ تعالیٰ جس کو فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو آپ ہرگز اس کیلئے اللہ پر کچھ قابو نہیں رکھتے) اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ اُس نے فتنے میں پڑنے والوں کے فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کیا۔ وہ لوگ کفار ہیں اور ان کا وہ کفر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی جانب سے اُن پر کچھ قدرت نہیں ہے یہ اس پر نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے کفر کے ہونے کا ارادہ کیا۔

فرمایا ہے "اولئك الذین لم یرد الله ان یطھر قلوبھم۔ لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم" (یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کے پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ ان کے لئے دنیا میں ذلت اور آخرت میں زبردست عذاب ہے)۔

یہ اس امر میں نہایت واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں کے پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ جس کے قلب کے پاک کرنے کا ارادہ نہ کرے تو اُس نے اس کے اُس فساد دین کا ارادہ کیا جو طہارت قلب کی ضد ہے۔

فرمایا ہے " ولو شاء اللّٰہ لجمعہم علی الھدیٰ " (اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا) یہ اس امر کا واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا۔ جب اس نے ان کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا تو اُس کفر کا ارادہ کیا جو ہدایت کی ضد ہے۔

فرمایا ہے " ولو شئنا لآتینا کل نفس ھدیٰھا ولکن حق القول منی لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین " (اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اُس کی ہدایت عطا کر دیتے۔ لیکن مجھ سے یہ قول ثابت ہو چکا ہے کہ میں ضرور بالضرور جہنم کو جن وانس دونوں سے بھروں گا)۔

یہ بھی اس امر کا واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی ہدایت نہیں چاہی لیکن اس کا یہ قول حق ہے کہ وہ لوگ لامحالہ کفر کریں گے اور جہنمی بنیں گے۔

فرمایا ہے " من یشاء اللّٰہ یضللہ ومن لم یشاء یجعلہ علیٰ صراط مستقیم " (اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو نہیں چاہتا اُسے راہ راست پر کر دیتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اُس نے جسے گمراہ کرنا چاہا گمراہ کر دیا اور جسے ہدایت کرنا چاہا اُسے راہ راست پر کر دیا۔ بلاشک یہ اُن لوگوں کے مغایر ہیں جن کو اُس نے راہ راست پر نہیں کیا اور اُنھیں فتنے میں ڈالنے کا اور ان کے دلوں کے پاک نہ کرنے کا اور اُن کے دوزخی ہونے کا ارادہ کیا۔

نعوذ باللّٰہ من ذٰلک۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے قول کی حکایت بیان فرمائی ہے " لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین " (اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ کی تو میں ضرور گمراہوں کی قوم میں ہو جاؤں گا۔ خلیل علیہ السلام نے اس کی شہادت دی کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہ کرے

وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ جو گمراہ ہے اُسے اللہ نے ہدایت نہیں کی جس کو اللہ نے ہدایت نہیں کی حالانکہ وہ اُس کی ہدایت پر قادر ہے تو بیشک اُس نے اُس کے گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کا ارادہ کیا اور اُس کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا۔

فرمایا ہے "ولو شاء اللہ ما اشرکوا" (اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نکرتے)۔ لہذا بغیر کسی اشکال کے یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ لوگ شرک کریں کیونکہ اس پر اُس نے تصریح فرمائی کہ اگر وہ چاہتا کہ یہ لوگ شرک نکریں تو وہ لوگ شرک نکرتے۔

فرمایا ہے "یوحی بعضہم الی بعض زخرف القول غرورا ولو شاء ربك ما فعلوہ" (ان میں سے بعض لوگ بعض کو آراستہ باتوں سے دھوکا دیتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ ایسا نکرتے) یہ اس پر نص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ ایسا کریں۔ کیونکہ اُس نے یہ خبر دی ہے کہ اگر وہ چاہتا کہ یہ لوگ ایسا نکریں تو وہ ایسا نکرتے۔

فرمایا ہے "وکذلك زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاؤھم لیردوھم ولیلبسوا علیہم دینہم ولو شاء اللہ ما فعلوہ" (اور اسی طرح ان مشرکین کے معبودوں نے اکثر مشرکین کے نزدیک اپنی اولاد کا قتل خوشگوار بنا دیا ہے تاکہ وہ اُنھیں تباہ کریں اور تاکہ ان کے دین کو ستیاناس کردیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نکرتے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح کردی کہ اگر وہ نہ چاہتا کہ بعض لوگ بعض سے جھوٹی باتیں دھوکا دینے کے لئے نہ بنائیں تو وہ نہ بناتے۔ اگر وہ یہ چاہتا کہ ان میں بعض بعض کے دین کو نہ بگاڑیں اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں تو نہ تو کوئی ان کے دین کو بگاڑتا اور نہ یہ اپنی اولاد کو قتل کرتے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ جس کا دین بگڑ گیا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اُس کا دین بگڑ جائے۔ اس نے ارادہ کیا کہ ان کی اولاد کا قتل ہو اور بعض لوگ بعض سے دھوکا دینے کے لئے جھوٹی باتیں بنائیں۔

فرمایا ہے "ولو شاء اللہ لسلطہم علیکم" (اور اگر اللہ چاہتا تو

اُن لوگوں کو ضرور تم پر غالب کر دیتا)۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ کفار نے جن انبیاء علیہم السلام و صالحین کو قتل کیا اللہ تعالیٰ ہی نے ان کے ہاتھوں کو قوی و غالب بنایا۔

فرمایا ہے "فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء" (پھر اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت کرنے کا ارادہ کرتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے۔ اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے سینے کو ایسا تنگ اور غیر کشادہ کر دیتا ہے کہ گویا وہ (گھبرا کر) آسمان پر چڑھا جائے گا)۔ تصریح فرمائی کہ وہ جس قوم کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے تو انھیں ہدایت کر دیتا ہے اور اُن کے دلوں کو ایمان کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جن لوگوں کی گمراہی کا ارادہ کرتا ہے تو اُنھیں اس طور پر گمراہ کرتا ہے کہ ان کے دلوں کو تنگ کر دیتا ہے۔ ان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ گویا اُنھیں آسمان پر چڑھنے کی تکلیف دیگئی ہے۔ (یعنی وہ اسلام و ایمان کا نام سنکر بھڑک اُٹھتے ہیں جیسے کسی کو آسمان پر چڑھنے کو کہا جائے تو وہ بھڑک اُٹھیگا اور ناخوش ہوگا) تو وہ کفر کرتے ہیں۔

فرمایا ہے "واصبر وما صبرک الا باللہ" (اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر محض اللہ کے وسیلے سے ہوگا)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ جس نے صبر کیا تو اللہ ہی نے اُسے صبر عطا کیا اور جس نے صبر نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے صبر عطا نہیں کیا۔

فرمایا ہے "ولا تنازعوا" (اور آپس میں جھگڑا نہ کرو)۔ اُس نے ہمیں تنازع و مجادلت سے منع فرمایا۔

فرمایا ہے "ولو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذلک خلقھم" (اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ سب لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔ اور یہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے سوائے اُس کے کہ جس پر آپ کا رب رحم کرے۔

اور اُس نے اسی کے لئے اُنھیں پیدا کیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے لوگوں کو اختلاف کے لئے پیدا کیا۔ سوائے ان میں سے جن پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ اور اگر وہ چاہتا تو یہ لوگ اختلاف نکرتے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس اختلاف سے اُنھیں منع کیا اُسی کے لئے اُنھیں پیدا کیا اور اُن میں اختلاف ہونے کا ارادہ کیا۔

فرمایا ہے "تؤتی الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير۔ انك على كل شى قدير" (توجس کو چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے۔ اور توجس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ خیر تیرے ہی قبضے میں ہے۔ بیشک تو ہر شے پر قادر ہے)

فرمایا ہے "بعثنا عليكم عبادا لنا اولى باس شديد فجاسوا خلال الديار وكان وعدا مفعولا" (ہم نے تم پر اپنے ایسے بندوں کو بھیجا جو بڑی طاقت والے اور جنگجو تھے چنانچہ وہ شہروں میں گھسے: اور یہ ایک کیا ہوا وعدہ تھا)۔

اسی مضمون کا بقیہ حصہ اس طرح ارشاد ہے "وليدخلوا المسجد كما دخلوه اول مرة" (اور تاکہ وہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوں جس طرح پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اُسی نے کفار کو ملک میں مومنین کے لوٹنے پر برانگیختہ کیا اور اُسی نے ان لوگوں کو بھیجا جو مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ حالانکہ اُس میں داخل ہونا بلاشک اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا موجب ہے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اُس کے ہونے کا ارادہ کیا۔

فرمایا ہے "الم تر الى الذى حاج ابراهيم فى ربه ان آتاه الله الملك" (کیا تم نے اُس شخص کی طرف خیال نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے اُن کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ملک عطا فرمایا)۔ یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کو

۸۵

عطا فرمایا۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ملک دینے کا فعل کیا
اور اُسے اہل ایمان پر بادشاہ بنایا۔ امت میں کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں

بیٹھے رہو۔ یہ یقینی ہے کہ یہ (بیٹھنے کا) امر الزام نہیں ہے (جس کا پورا کرنا ہر شخص کا فرض ہوتا ہے) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کو چھوڑ کے بیٹھ رہنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ جبکہ وہ بیٹھ رہے تو ان پر لعنت کی اور اُن پر غصہ کیا۔ چونکہ اس میں شک نہیں ہے لہٰذا یہ بدیہی طور پر امر تکوین ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اُن کو اُس قعود اور بیٹھنے کو پیدا کیا جو اُس کا غضبناک کرنے والا اور باعث ناراضی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہی نے ایک امر پر تصریح کر دی تو کسی کو بھی اُس پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔

فرمایا ہے "فلا تعجبك اموالهم ولا اولادهم انما يريد الله ليعذبهم بها في الدنيا وتزهق انفسهم وهم كافرون" (اے نبی آپ کو کفار کے مال واولاد کی کثرت پر تعجب نکرنا چاہیئے (اور یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اللہ ان سے راضی ہے اس لئے انہیں نوازا گیا ہے بلکہ) اللہ کا صرف یہ ارادہ ہے تاکہ ان پر اس کی وجہ سے دنیا میں عذاب کرے (یعنی اس کی وجہ سے ایمان نہ لائیں اور جہاد میں مغلوب ہوں) اور کفر کی حالت میں اُن کی جانیں نکلیں) (تاکہ آخرت میں بھی اُن پر عذاب ہو) یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ لوگ کافر ہونیکی حالت میں مریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے کفر کا ارادہ کیا۔ تزہق کا قاف مفتوح ہے جس میں قراء میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ "ان یعذبہم بھا فی الدنیا" پر (جس کا کہ اللہ نے ارادہ کیا ہے) معطوف ہے۔ "واو" معطوف کو معطوف علیہ کے حکم میں داخل کر دیتا ہے۔ اس میں بھی اُس زبان میں جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خطاب فرمایا کسی کا اختلاف نہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جانے سے بیٹھ رہے تھے یہ فرمایا ہے "لو خرجوا فيكم ما زادوكم الا خبالا ولا وضعوا خلالكم

یبغونکم الفتنۃ وفیکم سماعون لھم (اگر وہ لوگ تمہارے ساتھ روانہ ہوتے تو یہ تم میں فساد کے سوا اور کچھ نہ بڑھاتے۔ اور ضرور تمہارے درمیان میں نقصان پہنچاتے اور تمہارے درمیان میں فتنہ پردازی کرتے۔ اور تم میں ان کی بات سننے والے لوگ ہیں) اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو روک دیا۔

ہم کہیں گے کہ نہیں۔ تمہارے ذمے ہے کہ تم جواب دو کہ آیا انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ روانہ ہونے کا حکم تھا اور اگر وہ بلا عذر بیٹھ رہیں تو انھیں دوزخ کا خوف دلایا گیا تھا؟ یا ان لوگوں کو اس کا حکم نہ تھا۔ چونکہ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ مامور تھے اور انھیں حکم دیا گیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی کام سے روک دیا جس کا اس نے انھیں حکم دیا تھا اور اسی پر انھیں عذاب دیا۔ اور جس چیز کا اس نے انھیں حکم دیا تھا اس سے بیٹھ رہنے کو اسی نے پیدا کیا۔

ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا یا نہیں کہ اگر وہ اہل اسلام کے ساتھ روانہ ہوتے تو وہ انھیں اہل اسلام میں فتنہ وفساد برپا کرنے سے روک دیتا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ وہ اس پر قادر نہ تھا تو انھوں نے اپنے رب کو عاجز بنایا۔ اور اگر وہ کہیں کہ وہ اس پر قادر تھا تو انھوں نے حق کی طرف رجوع کر لیا اور اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں روک دیا اور اس چیز کا ہونا ناپسند کیا جو ان پر فرض کیا تھا۔ اور ان کے اس قعود (بیٹھ رہنے) کو پیدا کیا جس پر جیسا اس نے چاہا ان پر عذاب کیا اور ملامت کی۔ اس کے حکم کے بعد کوئی حکم دینے والا نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا تمام نصوص باہم مددگار ہو کر جس میں کسی تاویل کا بھی احتمال نہیں اس امر کے متعلق آئی ہیں کہ جو گمراہ ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کی گمراہی کا ارادہ کیا اور جس نے کفر کیا اس کے کفر کو چاہا۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس شے کی نفی کی وہ ضرور اس شے کے مغایر ہے جس کا اثبات کیا۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے جس شے کی نفی کی ہے وہ کفر پر رضا وخوشنودی کی ہے۔

اور جس چیز کو ثابت کیا ہے وہ اُس شے کے ہونے کا ارادہ اور اُس کے وجود کی مشیت ہے۔ یہ نص قرآن و حکم لغت کے مطابق یہ دونوں معنی (یعنی رضا و ارادہ) باہم متغایر ہیں۔ اگر معتزلہ اپنے رب کا کلام اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور ابراہیمؑ و یوسفؑ و شعیبؑ اور تمام انبیاء علیہم السلام کا کلام قبول کرنے سے انکار کریں اور نیز لغت کے اور اس کے قبول کرنے سے بھی انکار کریں جس کو براہین ضروریہ نے واجب کیا ہے اور جس کی عقول و حواس شہادت دیتے ہیں کہ جو کچھ موجود و ہست ہے اگر اللہ تعالیٰ اس کے وجود کا اور ہونے کا ارادہ نہ کرتا تو وہ ضرور اس کے موجود کرنے سے باز رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "الذین کذبوا شعیبا کانوا هم الخاسرین" (جن لوگوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی وہی نقصان اُٹھانے والے ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تکذیب کی شہادت دی۔

منانیہ یعنی پیروان فلسفۂ مانی ایرانی کے اس اصول کے مطابق کہ حکیم ظلم کے ہونے کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ وہ اس کو پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے اس کا عوض مانگتا یہی ہے کہ "فلبئس ما شروا به انفسهم لو کانوا یعلمون" (وہ بہت بری چیز ہے جس کے عوض ان لوگوں نے اپنے آپ کو فروخت کر دیا۔ کاش یہ لوگ جانتے) بعض معتزلہ نے اس قول کی پناہ لی ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے معنی و مراد کو ہم نہیں جانتے۔

یہ کھلا ہوا تجاہل ہماری طرف بھی رجوع کرنے والا ہے کہ ہم اُن کے مقابلے میں بالکل اسی طرح یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کے افعال پیدا کئے پھر وہ ان افعال پر اُن لوگوں پر عذاب کرے گا تو ہم بھی اس امر میں اُس کے معنی و مراد کو نہیں جانتے کوئی فرق نہیں۔ اور فرق کیسے ہو حالانکہ اس سب کے کوئی معنی نہیں۔ بلکہ تمام آیات حق ہیں۔ اپنے ظاہر پر ہیں۔ جس سے اُن کا پھیرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے " افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوبهم اقفالها " (تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے ۔ یا ان کے دلوں پر اُس کے قفل ہیں)۔ اور فرمایا ہے کہ " قرآنا عربیا " (ہم نے قرآن عربی نازل کیا جس میں کجی نہیں) اور فرمایا ہے " تبیانا لکل شیٔ " (ہر شے کا واضح بیان ہے)۔ اور فرمایا ہے " او لم یکفهم انا انزلنا علیك الکتٰب یتلی علیهم " (کیا یہ ان لوگوں کے لئے کافی نہیں ہوا کہ ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی جس کی ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے)۔ اور فرمایا ہے " وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم " (اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اُسی کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ لوگوں کے لئے واضح بیان دے) اللہ تعالیٰ نے تو یہ خبر دی کہ قرآن مجید ہر شے کا واضح بیان ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اُسے کوئی نہیں سمجھتا اور وہ واضح بیان نہیں ہے۔ ہم اللہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

آیات میں کوئی فرق نہیں

ہم نے جو آیات تلاوت کی ہیں جن میں یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفر و گمراہی کا ہونا چاہا ان میں اور ان آیات میں کوئی فرق نہیں " قل اللهم مالك الملك تؤتی الملك من تشاء و تنزع الملك ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدك الخیر " (آپ کہا کیجئے کہ اے اللہ تو ہی ملک کا مالک ہے تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے تو عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تو ذلت دیتا ہے۔ خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے) اور اس آیت میں " ان الله یفعل ما یشاء " (اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) اور فرمایا ہے " یجتبی من رسله من یشاء " (وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے)۔ اُس کا یہ قول ہے " یرزق من یشاء " (جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے)۔ اس کا یہ قول " یختص برحمته من یشاء " (وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں مخصوص کر لیتا ہے)۔ اُس کا یہ قول ہے۔

"فعال لما یرید" (وہ جو ارادہ کرتا ہے اُس کا کرنے والا ہے)۔
یہ عموم ان آیات کے معانی کا جامع ہے۔ اور اس پر قرآن کی نص اور امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جو حلف کرے اور قسم کھائے اور کہے کہ "ان شاء اللہ" (اگر اللہ چاہے) یا یہ کہے کہ "الا ان یشاء اللہ" (مگر یہ کہ اللہ چاہے) تو خواہ وہ کسی شے پر بھی حلف کرے، وہ اُس شے کو کرے جس پر اُس نے حلف کیا یا اُسے نہ کرے تو اُس پر حنث (یعنی قسم توڑنے کی ذمہ داری) نہیں اور نہ اُس پر کفارہ لازم ہے۔ اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور اس شخص کو (قسم کے مطابق) گذار دیتا۔ اور فرمایا ہے "ولا تقولن لشئ انی فاعل ذلك غدا الا ان یشاء اللہ" (اور آپ ہرگز کسی شے کے لئے نہ کہیئے کہ میں کل اس کو کرنے والا ہوں۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے)۔

معتزلہ کا اعتراض

اگر معتزلہ اس آیت سے اعتراض کریں اور کہیں کہ "لوشاء الرحمن ما عبدناھم۔ ما لھم بذلك من علم ان ھم الا یخرصون" (اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان (بتوں) کی پرستش کرتے اس کے متعلق ان کو کوئی علم نہیں۔ یہ لوگ محض اٹکل سے کہتے ہیں)۔ اس آیت میں ان لوگوں کے لئے کوئی حجت نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تناقض نہیں ہوتا بلکہ اُس کا بعض کلام بعض کی تصدیق کرتا ہے۔

اعتراض کی تحلیل

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگر وہ چاہتا کہ یہ لوگ ایمان لائیں تو یہ ضرور ایمان لاتے اور اگر وہ نہ چاہتا کہ یہ شرک کریں تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اس نے ان کا گمراہ کرنا چاہا۔ وہ ان کے دلوں کے پاک کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ لہٰذا یہ محال و ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اُس قول کی تکذیب کرے جس کے متعلق اُس نے خبر دی اور جس کی تصدیق کی۔ چونکہ اس میں کوئی شک نہیں لہٰذا اس آیت میں جو معتزلہ نے بیان کی ہے نہایت واضح برہان سے ان کے اعتراض کا صاف بیان ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ

اپنے اس قول میں کہ "اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نکرتے" جھوٹے ہیں
کہ معتزلہ کو اس آیت سے اعتراض کا کوئی موقع ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے
تو صرف بتایا کہ ان لوگوں نے یہ جو کہا تو ان کے پاس اس کا کوئی علم نہیں
ہے بلکہ انھوں نے محض اٹکل سے کہدیا ہے۔ اس آیت میں قطعاً اس کے
سوا کوئی معنی نہیں۔ یہ حق ہے اور یہ ہمارا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
اس آیت میں یا دوسری آیت میں ہرگز اُن کے اس قول کا انکار نہیں
کیا کہ "اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نکرتے" بلکہ اُس نے دوسری
آیات میں اس قول کی تصدیق کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اس کا انکار
کیا ہے اور برا بتایا ہے جو انھوں نے یہ مقولہ بغیر علم کے لیکن تخمینے اور
اٹکل سے کہدیا ہے۔

قائل حق کی تکذیب اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کو جھوٹا کہا ہے جس نے وہ حق کہا ہے کہ
کوئی حق اس سے زیادہ حق نہیں۔ کیونکہ اُس شخص نے
اس حق کو بغیر اس کے اعتقاد کے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله۔ والله يعلم
انك لرسوله۔ والله يشهد انّ المنافقين لكاذبون (اے نبی
جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم شہادت دیتے
ہیں کہ بیشک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ
بیشک آپ ضرور اس کے رسول ہیں۔ اور اللہ شہادت دیتا ہے
کہ بیشک یہ منافقین ضرور جھوٹے ہیں)۔

جب ان لوگوں نے سب سے سچا کلام کہا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے رسول ہونے کی شہادت ہے مگر اس کے معتقد ہوئے نہیں کہا تو
اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹا بتایا ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے
اس قول میں کیا کہ "اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نکرتے۔ ان لوگوں کو
اس کا علم نہیں ہے جبکہ ان لوگوں نے یہ کلام جو حق ہے بغیر اس کی
صحت کا علم رکھتے ہوئے کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر انکار کیا کہ وہ

۸۷

اس کو تخمینے اور اٹکل سے کہیں۔ برہان اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو خود اسی آیت کے بعد ہے" ام آتیناھم کتابا من قبلہ فھم بہ مستمسکون بل قالوا انا وجدنا آباءنا علی امۃ وانا علی آثارھم مھتدون" (یا ہم نے انھیں اس سے قبل کوئی کتاب دی ہے کہ جس سے وہ استدلال کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا۔ اور ہم انھیں کے نقش قدم پر چلکر ہدایت پانیوالے ہیں) اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان لوگوں نے اس کو بغیر کسی ایسی کتاب کے علم کے کہا جو ان کے پاس آئی ہو۔ انھوں نے جس بات کو معتقد ہو کر کہا وہ یہ تھا کہ یہ لوگ صرف اپنے باپ داد کے نقش قدم کی پیروی کرنے سے ہدایت پا گئے۔ یہی وہ بات تھی جس پر ان لوگوں کا اعتقاد تھا اور ان کی اسی بات کا اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا نہ کہ ان کے اس قول کا کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔ لہذا یہ تو باطل ہو گیا کہ اس آیت میں معتزلہ کے لئے کوئی بھی گنجایش ہو۔ والحمد للہ رب العلمین۔

دوسرا اعتراض

اگر وہ لوگ اس آیت سے اعتراض کریں کہ "وقال الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما عبدنا من دونہ من شیٔ نحن ولا آباؤنا ولا حرمنا من دونہ من شیٔ۔ کذلک فعل الذین من قبلھم۔ فھل علی الرسل الا البلاغ المبین" (اور جو لوگ شرک کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرتے اور نہ اس کے سوا کسی شے کا احترام کرتے۔ ایسا ہی ان لوگوں نے کیا جو ان سے قبل تھے۔ مگر کیا رسولوں کے ذمے سوائے کھلی ہوئی تبلیغ کے کچھ اور بھی ہے؟)۔

اسی کے متصل جواب ہے

اگر وہ یہیں پر خاموش ہو جائیں تو یہ قریب کاری انھیں کامیاب نہ ہونے دے گی۔ اور ہم ان سے کہیں گے کہ قراءت کو ملاؤ اور آیت کے معنی کو پورا کرو۔ کیونکہ اس کلام الٰہی کے بعد کہ "فھل علی الرسل الا البلاغ المبین"

اسی کے متصل یہ ہے "ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت۔ فمنہم من ھدی الله ومنہم من حقت علیہم الضلالة" (اور بیشک ہم نے ہر امت میں ایک رسول (یہ پیام دے کے) بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور بتوں سے بچو۔ مگر ان میں وہ بھی تھے جن کو اللہ نے ہدایت کر دی اور ان میں وہ بھی تھے جن پر گمراہی ثابت ہو گئی)۔

آخر نے اول کی توضیح کر دی

اس آیت کا آخری حصہ اس کے اول حصے کو واضح کرتا ہے وہ یہ کہ ان لوگوں نے جو کچھ کہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس میں ان کی تکذیب نہیں کی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکایت کی کہ انہوں نے یہ کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا نہ کسی کی پرستش کرتے اور نہ احترام کرتے) اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے قطعاً ان کی تکذیب نہیں کی بلکہ اس قول کی ان سے اسی طرح حکایت کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی بھی حکایت کی ہے "ولئن سالتہم من خلق السموات والارض لیقولن الله" (اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ لوگ ضرور ضرور کہیں گے کہ اللہ نے) اگر اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کا انکار کرتا تو ضرور انہیں جھوٹا کہتا۔ چونکہ اس نے انہیں جھوٹا نہیں کہا تو بیشک اس نے اس قول میں ان کی تصدیق کی۔ والحمد لله رب العلمین۔

تیسرا اعتراض

اگر وہ لوگ اس کلام الٰہی سے اعتراض کریں کہ "سیقول الذین اشرکوا لو شاء الله ما اشرکنا ولا اٰباؤنا ولا حرمنا من دونه من شیء کذلك کذب الذین من قبلهم حتیٰ ذاقوا بأسنا۔ قل هل عندکم من علم فتخرجوه لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون" قل فلله الحجة البالغة۔ فلو شاء لهدٰیکم اجمعین۔ قل هلم شهداءکم الذین یشهدون ان الله حرم هذا فان شهدوا فلا تشهد معهم ولا تتبع اهواء الذین کذبوا

بآیتنا والذین لا یؤمنون بالآخرۃ وھم بربھم یعدلون۔
قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم ان لا تشرکوا بہ شیئاً"
(عنقریب وہ لوگ کہ جو شرک کرتے ہیں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا۔ اور نہ ہم اس کے بغیر کسی شئے کو حرام کرتے۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی تکذیب کی جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ ان لوگوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ آپ کہدیجئے کہ آیا تمھارے پاس کوئی علم ہے؟ (اگر ہو) تو اسے ہمارے لئے ظاہر کرو۔ تم لوگ تو محض خیال کی پیروی کرتے ہو اور تم لوگ تو محض اٹکل کی باتیں کرتے ہو۔ آپ کہدیجئے کہ اثر کرنے والی اور حد کو پہنچنے والی حجت تو اللہ ہی کی ہے۔ چنانچہ وہ اگر چاہے تو تم سب کو ہدایت کردے۔ آپ کہدیجئے کہ تم لوگ اپنے ان گواہوں کو بلاؤ جو یہ شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کردیا ہے۔ پھر اگر وہ شہادت دیں تو آپ ان کے ساتھ شہادت نہ دیجئے اور نہ ان لوگوں کے خیالات کی پیروی کیجئے جنھوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو اپنے رب کی عدول حکمی کرتے ہیں۔ آپ کہدیجئے کہ تم لوگ آؤ۔ تاکہ میں تمھارے سامنے تلاوت کروں کہ تمھارے رب نے تم پر کیا چیز حرام کی ہے۔ وہ یہی ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو)۔

احقاق وازہاق

ہم نے اس خوف سے پوری آیت کی اس کی اسی ترتیب کے مطابق جو قرآن میں ہے اور اس کے اتصال کی تلاوت کردی ہے تاکہ کہیں معتزلہ اسی آیت سے اعتراض کریں اور "تخرصون" کے پاس سکوت کریں۔ کیونکہ جو اللہ سے نہیں ڈرتا ہمیں اس کی فریب کاری کی وجہ سے اکثر اس کی حاجت ہوئی ہے کہ ہم بجائے آیت کے بعض حصے کی تلاوت کے اور بعض کو چھوڑ دینے کے اس طریقے پر کل آیت کو بیان کردیں۔

قدریہ پر حجت

یہ آیت قدریہ پر بڑی زبردست حجت ہے اس لئے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا انکار نہیں کیا کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم لوگ شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم بغیر اس کے کچھ حرام کرتے" اگر اُن کے اس قول کا انکار کرتا تو اس میں ضرور اُن کی تکذیب کرتا۔ اور اُن کے بغیر علم کے ایسی بات کہنے کو ناپسند کیا ہے اور اس کا انکار کیا ہے۔ اگرچہ وہ لوگ اتفاق سے حق وصدق کے موافق ہو گئے ہیں جیساکہ ہم نے ابھی پہلے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت ہی میں اپنے اس قول سے اس کو واضح کر دیا ہے کہ اُس نے صرف اُن کے یہ کہنے کا انکار کیا ہے کہ تم لوگ محض گمان وخیال کی پیروی کرتے ہو اور تم لوگ محض تخمینے اور اٹکل کی باتیں کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ہم کو کسی شبہے میں نہیں چھوڑا بلکہ اسی کے بعد ایک ہی سلسلے میں اس طرح فرمایا کہ "حد کو پہنچنے والی اور اثر کرنے والی حجت اللہ ہی کی ہے۔ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت کر دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے اس قول کی تصدیق فرمائی کہ اگر وہ چاہتا تو نہ وہ لوگ شرک کرتے نہ ان کے باپ دادا اور نہ وہ اُن چیزوں کو حرام کرتے جو اُنھوں نے حرام کر لیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اگر وہ چاہتا تو انھیں ضرور ہدایت کرتا تو وہ ضرور ہدایت پاتے۔

یہ بھی واضح کر دیا کہ اس بارے میں اُن لوگوں پر اُس کی حجت ہے اور کسی کی حجت اللہ تعالیٰ پر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو ناپسند کیا ہے اور انکار فرمایا ہے کہ اگر یہ اس کو ظاہر کریں تو ان کے لئے عذر ظاہر ہو یا انبیا علیہم السلام پر حجت کا قائم ہونا ظاہر ہو۔ جیساکہ معتزلہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان کر دیا کہ اُس نے ان لوگوں کے اس کے

اپنے رسولوں کی تکذیب کو بھی ناپسند کیا ہے جس کو اس نے اپنے اس قول میں واضح کیا ہے "کذلک کذب الذین من قبلھم" (اسی طرح ان لوگوں نے تکذیب کی تھی جو ان سے پہلے تھے) "کذّب" ذال مشدد کے ساتھ ہے جس میں قراء میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔

ان کا دعوی یہ تھا کہ وہ جس چیز کی تحریم کا دعوی کرتے ہیں۔ اللہ نے اسے حرام کیا ہے حالانکہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس قول میں واضح کیا "قل ھلم شھداء کم الذین یشھدون ان اللہ حرم ھذا" (آپ کہئے کہ تم اپنے ان گواہوں کو بلاؤ جو یہ شہادت دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے)۔

اعتراض کا ابطال واضح ہوگیا

مذکورہ بالا بیان سے جاہل معتزلہ کے قول کا بطلان اور ہمارے قول کی صحت واضح ہوگئی کہ عالم میں جو کچھ شرک وایمان اور ہدایت وگمراہی ہے اس سب کا ہونا اللہ نے چاہا اور اللہ ہی نے ان سب امور کے ہونے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کا کہ "اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے" کیونکر انکار کرسکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق تصریحاً خود اسی سورۃ میں ہمیں خبر دی ہے کہ "اتبع ما اوحی الیک من ربک لا الٰہ الا ھو۔ واعرض عن المشرکین۔ ولو شاء اللہ ما اشرکوا" (اے نبی آپ اس وحی کی پیروی کیجئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کو بھیجی جاتی ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور مشرکین سے علیحدہ رہئے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے) یقیناً ہمارے قول کا صدق روشن ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تکذیب نہیں کی کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا۔ اور نہ ہم بغیر اس کے کوئی چیز حرام کرتے۔

یہ بھی ان کے اسی قول کے مثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے "انطعم من لو یشاء اللہ اطعمہ" (کیا ہم اسے کھلائیں کہ

اگر اللہ چاہے تو اُسے کھلا دے) اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو تکذیب کے لئے وارد نہیں کیا ہے۔ بلکہ بلاشک اس میں اُن کی تصدیق کی گئی ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو فقراکو اور بھوکوں کو کھلاتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ معتزلہ اُس کا انکار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے قول کو محض اس لئے وارد کیا ہے کہ اُن لوگوں نے صدقہ نہ دینے اور بھوکوں کو نہ کھلانے میں اس سے استدلال کیا ہے۔ محض اسی قول سے معتزلہ نے اپنے رب پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ اُنھوں نے کہا ہے کہ وہ ہمیں اُس چیز کی تکلیف دیتا ہے جس پر ہم قادر نہیں۔ اس کے بعد اُسی چیز پر کہ جس کے ہم سے سرزد ہونے کا اُس نے ارادہ کیا ہم پر عذاب کرتا ہے۔ یہ لوگ بھی اُنھیں کے راستے پر چلے جو کہتے ہیں کہ اس بھوکے کے کھلانے کی اللہ نے ہمیں تکلیف کیوں دی اگر وہ اُس کے کھلانے کا ارادہ کرتا تو خود اُسے کھلا سکتا تھا۔

اُس کی بربادی ہے جو اپنے رب کے حکم کی مخالفت کرے اور اُس پر حجت پیش کرے پہنچنے والی حجت تو اللہ ہی کی ہے۔ اگر وہ چاہتا تو بیشک اُسے کھلاتا جس کا کھلانا ہم پر لازم کیا۔ اگر وہ چاہتا تو کفار کو ہدایت کرتا اور وہ ایمان لے آتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کا ارادہ نہیں کیا۔ بلکہ اُس نے یہ ارادہ کیا کہ جو مسکین کو نہ کھلائے اس پر عذاب کرے اور اُن کفار پر کہ جنھیں وہ خود گمراہ کرے۔ وہ جو چاہے کرے اُس سے بازپرس نہیں ہوسکتی۔ اور ان لوگوں سے بازپرس کی جائے گی۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

بے دلیل دعوے معتزلہ نے کہا کہ اس آیت کے "ولوشاء اللہ لجمعھم علی الھدیٰ" (اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا)۔ "ولآمن من فی الارض" (اور جو لوگ زمین پر ہیں ضرور ایمان لے آتے)۔ اور اُن تمام آیات کے جو میں نے انھیں پڑھکر سنائیں یہ معنی ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایمان پر مضطر ومجبور کر دیتا تو وہ مضطر ہو کے ایمان لاتے اور جزائے جنت کے مستحق نہ ہوتے۔

تحلیل وتجزیہ

یہ وہ تاویل ہے جس میں انہوں نے بہت سی بلائیں جمع کرلی ہیں۔ اُن میں سب سے پہلے تو یہ ہے کہ یہ قول بلا برہان اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔ جو ایسا ہے وہ ساقط وغیر معتبر ہے۔ ان سے کہا جائے کہ تمہارے نزدیک اُس ایمان ضروری (اضطراری) کی صفت و تعریف کیا ہے جس پر ثواب کا مستحق نہیں ہوتا۔ تمہارے نزدیک اُس ایمان غیر ضروری (غیر اضطراری) کی صفت و تعریف کیا ہے جس پر ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ یہ لوگ قطعاً فرق بیان کرنے پر قادر نہ ہو سکیں گے۔ سوائے اس کے کہ یہ کہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ جو فرماتا ہے "یوم یأتی بعض اٰیات ربك لاینفع نفسا ایمانها لم تکن اٰمنت من قبل او کسبت فی ایمانها خیرا" (جس روز آپ کے رب کی بعض علامات (قیامت) آجائیں گی تو کسی شخص کو اُس کا ایمان مفید نہ ہو گا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو اُس نے اپنے ایمان کی حالت میں خیر نہ حاصل کی ہو)۔ مثل اس کلام الٰہی کے ہے "ویقولون متی هذا الفتح ان کنتم صادقین۔ قل یوم الفتح لاینفع الذین کفروا ایمانهم ولاهم ینظرون" (اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ فتح کب ہو گی۔ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ فتح کے روز کفار کو ایمان لانا مفید نہ ہو گا اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی)۔ یہ قریب مرگ کی اُس حالت کے مثل ہے جو عالم غیب کے معاینے کے وقت ہوتی ہے کہ اُس میں اس کا ایمان قبول نہیں کیا جاتا (یعنی مرتے وقت کسی کافر کو عذاب کے فرشتے یا دوزخ نظر آئے اور وہ اس کے خوف سے ایمان لائے تو یہ ایمان قبول نہیں)۔ جیسا کہ فرعون سے کہا گیا کہ "الاٰن وقد عصیت قبل" (تو اب ایمان لاتا ہے (جب دریا میں ڈوب رہا ہے) حالانکہ پہلے تو نافرمانی کر رہا تھا)۔

این المفر

معتزلہ سے کہا جائے گا کہ یہ تمام آیات حق ہیں اور ملائکہ نے ان آیات و احوال کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور

اس سے اُن کے ایمان کا قبول کرنا باطل نہیں ہوا۔ تو پھر تمھارے اصول کی بنا پر ان کا ایمان ایمان اضطراری کیوں نہوا جس پر وہ جزائے جنت کے مستحق نہ ہوتے یا اس پر ان کی جزا ہر مومن سے جو ان کے علاوہ ہیں افضل ہوتی۔ یہ وہ سوال ہے جس سے اُنھیں رہائی نہیں ہو سکتی۔

ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ اُن مومنین کے ایمان کے متعلق بتاؤ جن کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق مشاہدۂ معجزات سے ثابت ہے۔ مثلاً شق قمر سے۔ تھوڑے کھانے سے جماعت کثیر کے شکم سیر کرنے سے۔ انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے جاری ہونے سے۔ دریا کے پھٹنے سے اور مردوں کے زندہ کرنے سے۔ یہ سب اُس تواتر کی روایت و نقل سے ثابت ہوا ہے جس سے ہم سے پہلے کے واقعات اور بادشاہ وغیرہ ثابت ہوتے ہیں جس میں اُس شخص کی جسے یہ واقعہ پہنچے ایسی ہی حالتِ یقین ہوتی ہے کہ جیسے اُس شخص کی جو اس کا مشاہدہ کرے۔ اس کے ہونے کے صحت یقین میں کوئی فرق نہیں ہے۔

٨٩ کیا اُن کا ایمان محض ایمان یقین ہے؟ جو ان کے نزدیک ثابت ہے اور یہ حق ہے اور اس میں اُنھیں کسی شک نے خلجان میں بھی نہیں ڈالا ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق اُن کا علم ایسا ہی ہے جیسا کہ اُن کا یہ علم کہ تین دو سے زائد ہوتے ہیں۔ مثلاً اُن کا اُس چیز کا علم جس کا انھوں نے اپنے حواس سے مشاہدہ کیا ہے کہ یہ سب حق ہے اور اسے انھوں نے اضطراری و ضروری طور پر جانا ہے۔

یا اُن کا یہ ایمان یقینی نہیں کہ جس پر ایمان لائے اُس کی صحت ان کے نزدیک یقینی ہو کہ جیسے اُن کا اُس چیز کی صحت کو قطعی جاننا جس کا انھوں نے اپنے حواس سے مشاہدہ کیا ہے؟ کسی تیسری قسم کی گنجائش نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ ایمان یقین ہے۔ ان کا علم اس کے متعلق ثابت ہے کہ وہ حق ہے جس میں اُن کے نزدیک شک کو دخل نہیں جو ایسا ہی ہے

جیساکہ اُن کے نزدیک اُس چیز کی صحت کا تیقن کہ جس کا انھوں نے اپنے حواس سے مشاہدہ کیا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔ بعینہٖ یہی ایمان اضطراری ہے۔ ورنہ تم فرق بیان کرو۔ اور یہی وہ ایمان ہے جس کے متعلق تم نے یہ طمع کاری کی تھی کہ وہ اس پر اُسی طرح جزا کا مستحق نہیں جس طرح اس کے غیر پر۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہ تمھاری ہر فریب کاری کے متعلق ہے کیونکہ تم نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے معنی "لجمعہم علی الھدیٰ (اگر چاہے تو سب کو ہدایت پر جمع کر دے)" "ولاٰمن من فی الارض" (اور جو زمین پر ہیں ضرور ایمان لے آتے) یہ ہیں کہ وہ ان سب کو ایمان پر مضطر کر دیتا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ مومنین کا ایمان اس قسم کا نہیں ہے اور نہ اُن کا توحید و نبوت کی صحت کا علم یقین و ضرورت کی بناء پر ہے۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ تم نے یہ واجب کر دیا کہ مومنین اپنے ایمان میں شک پر ہیں اور اپنے اعتقاد میں عدم یقین پر ہیں۔ حالانکہ یہ ایمان نہیں ہے بلکہ جس کا دین اس قسم کا ہو یہ اُس کا خالص کفر ہے۔ اگر معتزلہ کے ایمان کی صفت یہی ہے تو وہ اپنے آپ کے زیادہ جاننے والے ہیں۔

الحمد للہ ہمارا ایمان تو ایمان ضروری و اضطراری ہے جس میں کسی شک کا گذر نہیں۔ جیساکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ تین زائد ہیں دو سے۔ بیشک ہر بنا بنائی گئی ہے۔ ہر وہ شخص جو معجزہ لائے وہ اپنی نبوت کا ثابت کرنیوالا ہے۔ ہم اس کی پروا نہیں کرتے کہ ہمارا ابتدائی علم استدلالی تھا یا حواس سے اس کا ادراک کیا گیا تھا۔ کیونکہ جس شے کی صحت کا عقیدہ کیا گیا ہے اس کے یقین کرنے میں دونوں صورتوں کا نتیجہ یکساں ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم معتزلہ سے اُن لوگوں کے متعلق سوال کرتے ہیں جو ہمارے رب کی بعض علامات دیکھیں گے جس روز کسی شخص کو اُس کا ایمان مفید نہ ہوگا کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ انھیں اسی ایمان سے نفع پہنچائے اور

انھیں اس پر اپنی جزا دے جیسی کہ اور مومنین کو دے گا۔ یا وہ اس پر قادر نہیں ہے۔

اگر وہ کہیں کہ وہ اس پر قادر ہے تو انھوں نے حق و تسلیم کی طرف رجوع کر لیا اور یہ مان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا روک لیا اور جسے چاہا عطا کر دیا۔ اُس نے بعض کے ایمان کو جو بعض آیات و علامات دیکھنے کے بعد ایمان لائے باطل کر دیا۔ اُن لوگوں کا ایمان باطل نہیں کیا جو کسی دوسری آیت و علامت دیکھنے کے وقت ایمان لائے۔ حالانکہ باب اعجاز میں دونوں مساوی ہیں۔ معتزلہ کے نزدیک یہی خالص محاباۃ اور کھلا ہوا جور ہے۔

اگر انھوں نے اپنے رب کو اس سے عاجز کہا تو وہ پھر گئے اور کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کو مضطر و صاحبِ طبیعت و محکوم علیہ بنا دیا جس سے وہ برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فلولا کانت قریۃ آمنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس۔ لما آمنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیوۃ الدنیا و متعناھم الی حین" (پھر کیوں نہ کوئی بستی ایمان لائی اور اُسے اُس کے ایمان نے نفع دیا سوائے قوم یونسؑ کے۔ کہ جب یہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے دنیاوی زندگی میں ان سے ذلت دینے والے عذاب کو ہٹا دیا اور انھیں ایک مدت تک مستفید کرتے رہے) اسی قوم یونسؑ نے جب عذاب کو دیکھا تو وہ ایمان لے آئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے اُن کے ایمان کو قبول کر لیا۔ اور فرعون اور بقیہ امم جن پر عذاب کیا گیا ہے جب انھوں نے عذاب دیکھ لیا تو وہ ایمان لائے مگر اللہ تعالیٰ نے اُن سے قبول نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے اُس کے حکم کے بعد کوئی حکم دینے والا نہیں۔

معتزلہ کے اس قول کا فساد بھی ظاہر ہو گیا کہ ایمان اضطراری پر بالکل جزا کا مستحق نہیں ہوتا۔ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ایمان کو چاہتا ہے قبول کرتا ہے اور جس کے ایمان کو چاہتا ہے نہیں قبول کرتا۔ اور اس سے زیادہ نہیں۔ بتوفیق الٰہی اُن سے کہا جائے کہ اچھا ٹھیرو۔

اگر تمھارے لئے یہ باطل و بیہودہ امر ثابت ہو جائے جس کی تمھیں ہدایت ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کہ "لجمعہم علی الھدیٰ" (انھیں ہدایت پر جمع کر دیتا) معنی یہی ہیں کہ البتہ انھیں ایمان کی طرف مضطر کر دیتا۔ تو ہمیں بتاؤ کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اس میں جن و انسان کا کونسا ضرر ہو جاتا۔ بلکہ اس میں تو پوری خیر ہوتی۔ جیساکہ تم گمان کرتے ہو بچوں کا کونسا نقصان ہوا۔ کیونکہ ان کا ایمان بھی اختیاری نہیں ہے۔ حالانکہ انھیں بہترین انعامات حاصل ہوں گے جو دوزخ سے بالکل محفوظ رہنا ہے اور جس ہول کی خبر دیگئی ہے اس سے اور حساب کی سختی سے اور ان تمام مقامات کی پریشانی سے نجات ہوگی یہ سب کے سب امن و سلامت کے ساتھ اور آرام اور چین کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے اور وہ پریشانی نہ دیکھیں گے جو دوسرے لوگ دیکھیں گے۔

ان لوگوں نے اپنے اس دعوے میں جس میں انھوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان لگایا کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی وہ مراد بیان کی جس کو اس نے نہیں کہا۔ قرآن و لغت کی بھی مخالفت کی ہے۔ اس لئے کہ ہدایت و ایمان کا اطلاق سوائے ان معنی کے جو قرآن و لغت میں مقرر ہیں اور کسی معنی پر قطعاً نہیں ہوتا۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی طاعات ہیں اور ان پر عمل کرنا اور ان کا قائل ہونا اور ان سب کی تصدیق کرنا نص قرآن کے مطابق یہ سب اللہ تعالیٰ کی رضا و جنت کے موجب ہیں۔ جمادات اور حیوان غیر ناطق اور مجنون اور بچے کو مومن نہیں کہا جاتا اور نہ مہتدی (ہدایت پانے والا) سوائے اس کے کہ محض ان معنی کے اعتبار سے مومن کہدیا جاتا ہے جن میں مجنون اور بچے پر خاص احکام جاری ہوتے ہیں۔

جو کچھ ہم نے کہا اس پر برہان اللہ تعالیٰ کا قول ہے" ولو شئنا لاٰتینا کل نفس ھدیٰھا ولکن حق القول منی لاملئن جہنم من الجنۃ

والناس اجمعین" (اور اگر ہم چاہتے تو ہم ضرور ہر نفس کو اس کی ہدایت دیدیتے لیکن میرا یہ قول سچا ہے کہ میں ضرور ضرور جن وانس دونوں سے جہنم کو بھروں گا)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ وہ ہدایت کہ اگر اللہ چاہتا تو اس پر سب لوگوں کو جمع کر دیتا۔ یہی دوزخ سے نجات دلانے والی ہے اور وہ ہدایت وہی ہے جس کے پانے والوں سے اللہ تعالیٰ جہنم کو نہ بھرے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "وما کان لنفس ان تؤمن الا باذن اللہ" (اور کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ بغیر اللہ تعالیٰ کے اذن واجازت کے ایمان لے آئے)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ہر طرح کا ایمان ایک ہی شے ہے اور وہی دوزخ سے بچانے والا اور جنت کا واجب کرنے والا ہے۔ اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "من یھدی اللہ فھوالمھتد ومن یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا" (جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کرتا ہے تو ہرگز تو اس کے لئے کسی دوست کو راہ بتانے والا نہ پائے گا)

فرماتا ہے "انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء" (آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے مگر اللہ جس کو چاہے ہدایت کر سکتا ہے)۔

فرماتا ہے "لیس علیک ھدٰیھم ولکن اللہ یھدی من یشاء" (آپ کے ذمے ان کی ہدایت نہیں ہے۔ مگر اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے)۔

یہ تمام آیات اس پر مبنی ہیں کہ ہدایت مذکورہ معتزلہ کے نزدیک اضطراری ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ "ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونوا مؤمنین" (اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور وہ سب کے سب لوگ ایمان لے آتے جو روئے زمین پر ہیں۔

تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں)۔
فرمایا ہے "لا اکراہ فی الدین" (دین میں کسی قسم کا اکراہ وزبردستی نہیں ہے)۔ یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں لجمعہم علی الھدی ولامن من فی الارض میں وہ ایمان ہرگز مراد نہیں جس میں اکراہ اور زبردستی ہو۔ لہٰذا معتزلہ کا ہذیان باطل ہو گیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

اگر معتزلہ ہم سے کہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے کفر و گمراہی کے ہونے کا ارادہ کیا تو تم لوگ بھی اُسی چیز کا ارادہ کرو جس کا ارادہ اللہ نے کیا۔ ہم بتوفیق الٰہی اُن سے کہیں گے کہ ہمیں اُس چیز کے کرنے کا حق نہیں جس کا ہمیں حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اور نہ ہمارے لئے اس چیز کا ارادہ کرنا حلال ہے جس کے ارادے کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ ہمارے ذمے صرف وہی کام ہے جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ ہم اس چیز کو مکروہ سمجھتے ہیں جس کے مکروہ سمجھنے کا ہمیں حکم دیا گیا۔ اُسی چیز کو محبوب سمجھتے ہیں جس کے محبوب سمجھنے کا ہمیں حکم دیا گیا۔ اسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں جس کے ارادے کا ہمیں حکم دیا گیا۔

ہم اُن سے سوال کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیمار ڈالنے کا ارادہ کیا یا نہیں کیا۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دینے کا ارادہ کیا یا نہیں کیا۔ آپ کے فرزند حضرت ابراہیم کی جب وفات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی وفات کا ارادہ کیا یا نہیں کیا۔ لامحالہ یہ کہنا پڑے گا ان سب امور کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا۔ تو اُنھیں لازم آئے گا کہ وہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری و وفات اور آپ کے فرزند کی وفات کا ارادہ کریں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سب امور کا ارادہ کیا۔ اگر وہ اس کو مان کر ایسا کریں تو اُنھوں نے بغیر کسی اختلاف کے بددینی کی اور اللہ و رسول کی نافرمانی کی۔ اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو جو الزام اُنھوں نے ہمیں دینے کا ارادہ کیا تھا وہ باطل ہو گیا۔ سوائے اس کے کہ

ان کے اصول فاسدہ کی بنا پر یہ انھیں کے لئے لازم ہے نہ کہ ہمارے لئے اس لئے کہ انھوں نے اس مسئلے کو صحیح مانا ہے (کہ جو اللہ ارادہ کرے وہ ہمیں بھی کرنا چاہیے) اور ہم نے اس کو صحیح نہیں مانا ہے۔ اور جو کسی شے کو صحیح مانے وہ اُسی کو لازم ہے۔

ہم انکار نہیں کرتے

بتوفیق الٰہی معتزلہ سے ہم کہتے ہیں کہ کسی حال میں بھی ہم اس کا انکار نہیں کرتے جو ہمارے لئے بعض لوگوں کے کافر رہنے کا ارادہ اور خواہش کرنے کو مباح کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرزند آدم کی اس بات کی تعریف کی ہے جو اُنھوں نے اپنے بھائی سے کہی تھی "انی ارید ان تبوأ باثمی واثمک فتکون من اصحاب النار وذٰلک جزاء الظلمین" (میں ارادہ کرتا ہوں کہ تو ہی میرا اور اپنا گناہ کمائے تاکہ تو ہی دوزخی بنے۔ اور ظلم کرنے والوں کی یہی سزا ہے) ان بزرگ فرزند آدم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ ان کا بھائی دوزخی ہو اور وہ ان کے گناہ کو اپنے گناہ کے ساتھ کمائے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ وہارون علیہما السلام کے اس قول کی تصحیح فرمائی "ربنا اطمس علیٰ اموالھم واشدد علیٰ قلوبھم فلا یؤمنوا حتیٰ یروا العذاب الالیم قال قد اجیبت دعوتکما" (اے ہمارے رب ان کے مالوں کو تباہ کر دے اور ان کے دلوں پر گرہ لگا دے کیونکہ یہ ایمان نہ لائیں گے تاوقتیکہ درد دینے والے عذاب کو نہ دیکھ لیں۔) موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے ارادہ کیا ہے اور یہ چاہا ہے کہ فرعون ایمان نہ لائے اور کافر ہونے کی حالت میں مر کے دوزخ میں جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت آئی ہے کہ آپ نے عتبہ بن ابی وقاص کے لئے یہ دعا کی کہ وہ کافر ہونے کی حالت میں مر کے دوزخ میں جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اُس نفس کی طرف سے سچ کہتا ہوں کہ وہ مجھ سے زیادہ اس کا علم رکھتا ہے کہ میرے نفس میں کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بیشک مجھے عتبہ بن ابی معیط کے کافر مرنے سے

بڑی مسرت ہے اور یہی حال ابولہب کا بھی ہے اس لئے کہ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتے تھے تاکہ ان دونوں پر کلمۂ عذاب تام ومکمل ہوجائے۔ انسان اُس شخص کی موت سے خوش ہوتا ہے جو ظلماً اس کی اذیت میں گھسا ہوا ہو کہ یہ بہت ہی بری طرح مرے۔ ہمیں بعض صالحین سے متعلق بعض ظالموں کے بارے میں یہی روایت پہنچی ہے۔ اُس شخص پر کوئی حرج نہیں جو محمدؐ و موسیٰ علیہما السلام اور اور بزرگ فرزند آدم علیہ السلام کی پیروی کرے۔ کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ کافر و ظالم پر لعنت کرنے اور اُس کے لئے عذاب دوزخ کی دعا کرنے میں اور اس کے لئے یہ دعا کرنے میں کہ یہ کافر اور بغیر بخشے ہوئے مرے اور دونوں امور پر مسرت کرنے میں کونسا فرق ہے۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولوشاء اللہ لسلطھم علیکم" (اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا) اور فرمایا ہے "وما النصر الا من عند اللہ" (اور مدد تو محض اللہ ہی کے پاس سے ہوتی ہے)۔ اور فرمایا ہے "اذھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم" (جبکہ ایک قوم نے ارادہ کرلیا تھا کہ اپنے ہاتھ تمھاری طرف دراز کریں مگر اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روکا)۔ اور فرمایا ہے "ھوالذی کف ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکۃ" (وہ ذات کہ جس نے مکے کے اندر ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمھارے ہاتھوں کو اُن سے روک دیا (یعنی فتح مکہ کے موقع پر جنگ نہیں ہونے دی)۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ جن کفار کو انبیا پر اور اہل بیر معونہ پر اور غزوۂ اُحد کے روز مسلط کیا وہ اللہ ہی نے مسلط کیا اور اس نے اُنھیں مہلت دینے کے لئے اور مومنین کو آزمانے کے لئے اُن کی مدد کی۔

جو اس کا انکار کرے اُس سے کہا جائے گا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کے روکنے سے عاجز تھا۔ پھر اگر وہ کہیں کہ ہاں۔ تو انھوں نے کفر کیا اور تناقض اختیار کیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ

جب اس نے چاہا کفار کے ہاتھوں کو مومنین سے باز رکھا اور جب چاہا اس نے ان کے ہاتھوں کو مومنین پر مسلط کر دیا اور ان کے ہاتھوں کو نہیں روکا۔

معتزلہ کے بعض مشایخ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان انبیا کا سپرد کرنا جن کو اس نے ان کے دشمنوں کے سپرد کیا پھر ان کو ان لوگوں نے مقتول و مجروح کیا اور ان بچوں کا سپرد کرنا جن کو اس نے ان کے دشمنوں کے سپرد کیا کہ وہ انھیں برانگیختہ کریں اور بدکاری کے ارتکاب سے جبکہ ہو سکے تو ان پر غلبہ کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو بہترین ثواب عطا کرے تو یہ خذلان یعنی ترک نصرت و بے یاری و مددگاری نہیں ہے۔

ہم کہیں گے کہ لفظ خذلان سے تو ہمیں بھی چھوڑو کیونکہ ہم اسے جائز نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں اس کو بیان نہیں کیا۔ لیکن ہم تم سے یہ کہتے ہیں کہ جب انبیا علیہم السلام کا قتل بڑے سے بڑا کفر و ظلم ہے اور تمھارے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو ان کے دشمنوں کے حوالے کر دیا کہ انھیں بہترین عوض دے تو تم نے اپنے گمان کے مطابق اس کا اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیا کے ان کے دشمنوں کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا اور تمھارے اقرار کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے اس کا ارادہ کیا تو تمھارے ہی اقرار کے مطابق اس نے بڑے سے بڑے کفر کے ہونے کا ارادہ کیا اور بڑی سے بڑی گمراہی کا واقع ہونا چاہا۔ اس نے اسے اپنے انبیا علیہم السلام کے لئے اسی وجہ سے پسند کیا جو تم کہتے ہو خواہ وہ کوئی وجہ بھی ہو۔ اس اعتراض سے ان کو کبھی رہائی نہیں ہو سکتی۔

ہم اسی قائل سے کہتے ہیں کہ جبکہ انبیا علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے حوالے کرنا کہ وہ انھیں قتل کریں، تمھاری اُس توجیہ و تاویل کے مطابق جو اس امر میں تمھارے اصول کی توڑنے والی ہے کہ اس نے زائد سے زائد جزا تک پہنچا دیا اس لئے وہ خذلان نہیں رہا، اسی طرح مسلمان کا

اس کے دشمن کے حوالے کر یا کہ وہ اُسے برانگیختہ کرے اور اُس کے ساتھ بدی کا ارتکاب کرے، یہ بھی تمھارے اصول کے مطابق خیر و عدل ہے، تو اس توجیہ کے مطابق تم پر لازم آتا ہے کہ تم بھی اس کی تمنا کرو، جن انبیا کیساتھ اس کام میں کفار کو کامیابی ہوئی اس پر مسرت کرو اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ حالانکہ یہ تمھارے قول کے بھی خلاف ہے اور اجماع اہل اسلام کے بھی خلاف ہے۔ اور اس اعتراض سے بھی انھیں رہائی نہیں ہو سکتی۔

ہم کو یہ لازم نہیں آتا اس لئے کہ ہم اُس کے سوا کسی چیز سے مسرور نہیں ہوتے کہ جس پر مسرور ہونے کا ہمیں اللہ نے حکم دیا۔ ہم صرف اُسی کی تمنا کرتے ہیں جس کے لئے دعا کرنا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جائز کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل اگرچہ وہ اُس سے عدل و خیر ہے مگر اسی فعل کو جو اُس کے غیر سے سرزد ہو تو اُس کا نام اُس نے ظلم رکھا ہے اور اُس نے ہم پر فرض کیا ہے کہ ہم اُسے برا جانیں۔ اُس سے بیزاری ظاہر کریں اور کسی مسلمان کے لئے اس کی تمنا نہ کریں۔ ہم تو صرف اُسی کی پیروی کرتے ہیں جو نصوص سے ثابت ہو۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

نابینائی کا الزام

معتزلہ میں سے ایک معترض نے کہا کہ جب تم نے کلام الٰہی پر عمل کیا اور اس کو سیکھا اور جانا " والذین لا یؤمنون فی أذانہم وقر، وھو علیہم عمی" (اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں ٹھیٹھی ہے اور وہی ان پر نابینائی ہے) تو تمھیں کیا معلوم کہ شاید تمھارے ہی اوپر نابینائی ہو۔

مومن نابینا نہیں ہو سکتا۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ نابینائی صرف اُن لوگوں پر ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ الحمد للہ ہم تو مومن ہیں۔ اس لئے ہم اس سے امن میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت کی ہے جو قرآن کو اُس کے ظاہر کے خلاف محمول کرتے ہیں۔ فرمایا ہے کہ

"یحرفون الکلم عن مواضعہ (کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں)۔ درحقیقت تمہاری یہی صفت ہے جو علانیہ تم میں موجود ہے۔ جو قرآن کو اس لغت عربیہ پر محمول کرے جس کے ذریعے مخاطب بنایا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی پیروی کرے تو قرآن اُس کے لئے ہدایت و شفا ہے۔ جو اس کے کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دے۔ اپنی رائے سے اس میں دعویٰ کرے۔ اس کے باطن کے راز و اسرار کا دعویٰ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس بیان سے منہ پھیرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اُسی کے حکم سے بیان کیا گیا ہے۔ منانیہ کے قول کی طرف مائل ہو، تو یہی شخص ہے جس پر قرآن نابینائی ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

معتزلہ کی "شہادت" معتزلہ کے عجائب اور ان کے بہت بڑے جہل و حماقت اور پیشقدمی میں سے یہ ہے کہ انھوں نے کہا کہ وہ شہادت جس کا اللہ تعالیٰ نے شہدا کو رشک دلایا اور جس کی وجہ سے اُن کے لئے بہترین جزا واجب کر دی اور جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اور مسلمانوں کے بزرگوں نے تمنا کی ہے وہ یہ قتل نہیں ہے جو مومن کو کافر کرتا ہے اور نہ وہ قتل ہے جو بگناہ مسلمان کو ظالم کرتا ہے۔

۹۲

معتزلہ کا جنون وجہل وہذیان سرائی و وساوس حد قیاس سے بھی زائد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہو جائے وہ اسی کا مستحق ہے۔ جو یہ کہے کہ وہ اُس چیز پر قادر ہے جس پر اُس کا رب قادر نہیں۔ اور جو یہ کہے کہ اُس کی عقل بالکل انبیا علیہم السلام کی عقول کے مثل ومساوی ہے۔ تو وہ اس کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اس قسم کے خذلان سے خاذل کرے (یعنی اس طرح کی بے یاری ومددگاری سے بے یار و مددگار کر دے اور ایسی بے توفیقی سے توفیق سے دور کر دے) ہم اللہ سے اُس کے خذلان سے پناہ مانگتے ہیں اور اس سے

پناہ وحفاظت کی دعا کرتے ہیں کیونکہ اُس کے سوا کوئی بچانیوالا نہیں ہے۔
کیا ان لوگوں نے یہ کلام الٰہی نہیں سنا کہ "اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنہ۔ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقاً" (اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کے جان ومال کو خریدا ہے بعوض اس کے کہ ان کے لئے جنت ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں پھر قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ یہ سچا وعدہ ہے جو اُس کے ذمے ہے)۔ اور فرمایا ہے "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات۔ بل احیاءٌ" (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انہیں مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں)۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنی عقول کے مطابق شہادت کی تفسیر کی ہے۔ کہا ہے کہ شہادت یہی ہے کہ اُن زخموں پر صبر کرنا جو قتل تک پہنچادیں اور جنگ کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرنا۔

اس کلام میں تین قسم کا جنون ہے۔

اول یہ کہ یہ کلام نو ایجاد ہے جسے ان کے خیر سے محروم ہونے والے متاخرین کے سے پہلے کسی نے نہیں کہا۔

دوم یہ کہ جو کچھ انہوں نے بیان کیا اگر اسے واضح کیا جائے تو لامحالہ شہادت زندگی میں ہوگی نہ کہ موت کے سبب سے۔ اس لئے کہ زخموں پر صبر اور آگے بڑھنے کا قصد تو صرف زندگی ہی میں ہوسکتا ہے۔ حالانکہ نص قرآن وصحیح احادیث واجماع امت کے مطابق شہادت فی سبیل اللہ صرف قتل سے حاصل ہوتی ہے۔

سوم یہ کہ جس چیز سے یہ لوگ بھاگے تھے بعینہٖ اُسی میں گر پڑے۔ وہ یہ ہے کہ جس شہادت کی مسلمانوں نے تمنا کی ہے اگر وہ جنگ کی طرف بڑھنے کا قصد اور قتل تک پہنچادینے والے زخموں پر صبر ہے تو یہ ان امور سے حاصل ہے مسلمانوں کو کفار کے قتل کرنے کی تمنا اور اس کی تمنا کہ وہ مسلمانوں کو اتنا مجروح کریں کہ یہ زخم قتل تک پہنچادیں اور

کفار کے کفر پر قائم رہنے کی تمنا کہ وہ اہل اسلام کو ایسے زخموں سے زخمی کریں جو قاتل ہوں ۔ حالانکہ کفار کا مسلمانوں سے جنگ کرنا اوران کا مسلمانوں کے لئے ثابت قدم رہنا اوران کا مسلمانوں کو مجروح کرنا بلاشک معصیت وکفر ہے ۔ لہذا انھوں نے معاصی کی تمنا حاصل کی ۔ حالانکہ یہ وہی چیز ہے جسے ان لوگوں نے براجانا تھا ۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق ۔

لہذا وہ تمام امور باطل ہو گئے جنھیں معتزلہ نے براجانا تھا ۔ والحمد للہ رب العلمین ۔

لطف واصلح

جمہور معتزلہ قدر (مسئلۂ تقدیر) کی ایک فصل میں بہت دور کی گمراہی میں پڑ گئے ۔ سوائے ضرار بن عمرو حفص فرد و بشر بن المعتمر اور ان کے چند متبعین کے سب نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو خواہ وہ کافر ہوں یا مومن جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کے پاس اس سے اصلح یعنی زیادہ درست و مناسب کوئی چیز نہیں ہے ۔ نہ اس کے پاس اس سے زیادہ ہدایت کرنے والی کوئی ہدایت ہے جس سے اس نے کافر و مومن کو مساوی طور پر ہدایت کر دی ہے ۔ نہ وہ کسی ایسی شے پر قادر ہے جو اس سے اصلح یعنی زائد درست و مناسب ہو جو اس نے کفار و مومنین کے ساتھ کی ہے ۔

اس کے بعد ان لوگوں میں اختلاف ہے ۔ ان کے جمہور نے تو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو صلاح و درستی کر چکا ہے اس کی غیر محدود

مثالوں پر وہ قادر ہے۔
ان کے سب سے چھوٹے گروہ نے جو عباد اور اس کے موافقین کا ہے یہ کہا ہے کہ جمہور کا قول باطل ہے۔ اس لئے کہ یہ ناجائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی اور صلاح کے کرنے کی وجہ سے کسی صلاح کو جس پر وہ قادر ہے ترک کر دے۔
اس کفر میں جس کو یہ لوگ لائے ہیں ان کی حجت یہ ہے کہ اگر اس کے پاس اس سے افضل و اصلح کوئی چیز ہوتی جو اس نے لوگوں کے ساتھ کی اور وہ اسے لوگوں سے روک لیتا تو بیشک وہ بخیل اور لوگوں کے لئے ظالم ہوتا۔ اگر وہ اپنے فضل سے کوئی چیز بعض لوگوں کو دیتا اور بعض کو نہ دیتا تو وہ محابی و ظالم ہوتا (محابی یعنی تخصیص کرنے والا) اور محاباۃ جور و ستم ہے۔ اگر اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہوتی کہ وہ اس کو کفار کو عطا کرتا تو وہ اس کے سبب سے ایمان لے آتے۔ وہ اس چیز کو کفار سے روکتا تو وہ کفار کے لئے انتہائی ظلم کرنے والا ظالم ہوتا۔
ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اگر ایک انسان بہت سے اموال کا مالک ہو جو اس کی حاجت سے زائد ہوں اور وہ ان کا محتاج نہ ہو۔ پھر اس کے ایک فقیر ہمسایے نے جس کے لئے صدقہ لینا حلال ہے اس کا قصد کیا اور اس سے ایک درہم مانگا کہ اس سے اپنی جان کو زندہ رکھے، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ یہ شخص اس کا محتاج ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ وہ اس کی جان روکنے کا تدارک کر سکتا ہے پھر بھی اس نے بغیر کسی مقصد کے اس سے روکا تو یہ شخص بخیل ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر اسے یہ معلوم ہے کہ یہ جب اسے درہم دیدے گا تو اسے وہ افعال سہل ہو جائیں گے جنھوں نے اسے تکلیف دی ہے پھر بھی اس نے اسے اس سے روکا تو یہ بخیل و ظالم ہے۔ اگر اسے یہ علم ہے کہ یہ اس کی تکلیف کا صلہ و تدارک بغیر اس درہم کے نہیں کر سکتا پھر بھی اس نے اسے روکا تو یہ بخیل و ظالم و نادان ہے۔ یہ ان کے کل دلائل ہیں جن سے

انھوں نے استدلال کیا ہے۔ اس کے سوا ان کے پاس قطعاً کوئی اور حجت نہیں ہے۔

ضرار بن عمرو وحفص الفرد وبشر بن المعتمر اور ان کے موافقین جو بہت ہی قلیل ہیں اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس الطاف کثیرہ ہیں جن کی کوئی حد نہیں ہے۔ اگر وہ یہ الطاف کفار کو عطا کر دیتا تو وہ ضرور ایمان لے آتے جو ایمانِ اختیاری ہوتا جس سے وہ ثواب جنت کے مستحق ہوتے۔ ابو علی الجبائی اور اس کے بیٹے ابو الہاشم نے بھی اسی کے قریب مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے مگر اس نے اس کو ثابت نہیں کیا ہے۔ بشر بن المعتمر اس کی تکفیر کرتا تھا جو اصلح کا قائل ہو۔ اس زمانے کے معتزلہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بشر نے لطف کے قول سے توبہ کر لی اور اصلح کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔

ان لوگوں کی حجت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ وہ کیا کہ اس کے نزدیک اگر یہ لوگ چاہتے تو ایمان لے آتے۔ اللہ کے ذمے ان لوگوں کے لئے اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ نہ اسے اس سے زیادہ کچھ لازم ہے۔ اصلح کے ماننے والوں نے ان لوگوں کی اس طرح مخالفت کی ہے کہ کہا ہے کہ اختیار یہ ہے کہ جس کا فعل بھی ممکن ہو اور ترک بھی ممکن ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ان الطاف کے عطا کرنے کے بعد کفار کو ایمان کا اختیار تھا تو ضرور انھیں اس کے کرنے کا بھی امکان تھا اور اس کے نہ کرنے کا بھی۔ لہٰذا جو حالت تھی وہی باقی رہی۔ سوائے اس کے کہ یہ لوگ یہ کہیں کہ یہ لوگ لامحالہ مومن ہو جاتے تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لئے ایمان پر اضطرار ہے نہ کہ اختیار۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہم لوگ اس کا انکار نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ انھیں ایمان پر مضطر کر دے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے "یوم یاتی بعض اٰیات ربک لا ینفع نفسا ایمانھا لم تکن اٰمنت من قبل" (جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو

کسی شخص کو اُس کا ایمان مفید نہ ہوگا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو۔) ان لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان لوگوں کے ساتھ کیا وہی افضل و اصلح ہے۔

پس اس شخص کے لئے لازم ہے جو یہ نہ کہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ایسا لازم ہے جس سے اسے رہائی نہیں ہو سکتی۔ ہم لوگوں کو یہ لازم نہیں۔ ہم نے ان لوگوں سے یہی سوال کیا تھا کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ کفار کو ایسے الطاف عطا کر دے جن کے بعد لامحالہ انھیں ایمان اختیاری حاصل ہو جائے اس ایمان پر انھیں وہ ثواب عطا کرے جو اپنے کسی اور بندے کو عطا کرے یا اس پر قادر نہیں؟۔ ان لوگوں نے کہا کہ قادر نہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اصلح کے ماننے والے یا تو اس عالم سے غائب ہیں، یا اس میں حاضر ہیں تو گویا اُن کی عقول سلب کر لیگئی ہیں اور اُن کے حواس مٹا دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ اس نے اس قسم کی باتوں پر آگاہ کیا کیونکہ وہ فرماتا ہے "لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم آذان لا يسمعون بها" (ان کے ایسے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کے ایسے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ ان لوگوں نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو اموال سے محروم رکھا اور وہی مال دوسروں کو عطا کر دیا۔ ایک قوم کو نبی بنا کر اپنے بندوں کی طرف بھیجا اور ایک دوسری قوم کو زنگیوں کے ملک کے دور و دراز مقامات میں پیدا کیا جو بت پرستی کرتے رہے۔ اُس نے اپنے دوستوں اور دشمنوں کی ایک جماعت کو پیاسا مار دیا حالانکہ اُس کے پاس آسمانوں کی جھڑیاں تھیں۔ اور دوسروں کو شیریں پانی سے سیراب کیا۔ تو کیا یہ کھلی ہوئی محاباۃ نہیں ہے۔

اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ اُس نے یہ جو کچھ بھی کیا اُس نے جس کے ساتھ

اس کو کیا وہی اس کے لئے اصلح تھا۔ تو ہم اُن سے یہ دریافت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کفار کو موت دی اور وہ دوزخ کی طرف جاتے ہیں اور اُس نے ایک قوم کو مال و ریاست دی تو وہ اترا گئے اور ہلاک ہوئے۔ حالانکہ وہ کمی مال اور کمزوری کے ساتھ صالح و نیک تھے۔ ایک قوم کو محتاج بنا دیا تو انھوں نے چوری کی اور قتل کئے گئے۔ حالانکہ وہ تونگری کی حالت میں نیک و صالح تھے۔ ایک قوم کو تندرست کیا اور خوبصورت بنایا تو یہ ان سے معاصی سرزد ہونے کا سبب بن گیا۔ جب ان کو مجبور کر دیا گیا تو انھوں نے معاصی کو ترک کر دیا۔ چند قوموں کو بیمار کر دیا تو انھوں نے دیدہ و دانستہ نماز ترک کر دی اور رنجیدہ ہو گئے اور برا بھلا کہنے لگے اور وہ باتیں کہیں جو کفر یا قریب کفر تھیں۔ حالانکہ یہ لوگ اپنی صحت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے شکر گذار اور صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ کیا یہی سب جو اللہ نے ان کے ساتھ کیا ان لوگوں کے لئے اصلح و مناسب تھا؟ اگر وہ کہیں کہ ہاں۔ تو انھوں نے حس و مشاہدے کی مخالفت کی۔ اور اگر یہ کہیں کہ اگر وہ زندہ رہتے تو اور زیادہ کرتے۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ پھر تو اُن کے لئے اصلح و انسب یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ انھیں بالغ ہونے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا یا کفر کی حالت میں اُن کی عمروں کو طویل کر دیتا اور انھیں لشکروں کا مالک بنا دیتا تاکہ وہ اُن کے ذریعے سے ملک اسلام کو ہلاک کرتے اور ان کے جسموں اور دماغوں کو قوی کر دیتا کہ ان کے ذریعے سے ایک جماعت کو گمراہ کرتا۔ جیسا کہ اُس نے سعید الفیومی یہودی اور اباریط الیعقوبی النصرانی اور یہود و نصاریٰ و مجوس و مثانیہ و دہریے کے محققین علم کلام کے لئے کیا۔ کیا ان لوگوں کے لئے اور جو ان سے گمراہ ہوئے ان کے لئے یہ اصلح نہ تھا کہ وہ انھیں بچپن ہی میں مار ڈالتا۔

وہ لاجواب ہو گئے۔ اور بعض نے اس قول کی پناہ لی کہ شاید اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہو کہ اگر وہ انھیں بچپن میں مار ڈالے گا تو مومنین میں سے ایک مخلوق کافر ہو جائے گی۔

اس جواب میں حماقت و نادانی کے بہت سے وجوہ ہیں۔
اول یہ کہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔
دوم یہ کہ یہ لوگ اس جواب سے اُس الزام سے بری نہیں ہو سکتے جو ہم نے ان کو دیا ہے۔ ہم اُن سے کہتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ انھیں موت دیدیتا اور اُن کی موت کو کسی کے کفر کا موجب نہ بناتا۔ اگر وہ کہیں کہ قادر نہ تھا تو اُنھوں نے اپنے رب کو عاجز بنایا۔ اگر وہ کہیں کہ بلکہ وہ اس پر قادر تھا تو انھوں نے اپنے اصول کے مطابق اُس پر ظلم و جور کا الزام لگا دیا۔ اور دو میں سے ایک امر ضروری ہے۔
سوم یہ کہ دنیا میں اس کے قول سے زیادہ احمقانہ بات نہ سنی جائے گی جو یہ کہے کہ کوئی انسان مومن اُس بچے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا جو مر جائے۔ یہ وہ امر ہے جس کا کبھی عالم میں مشاہدہ نہیں کیا گیا اور نہ اُس کا وہم کیا گیا اور نہ یہ امکان میں داخل ہے نہ عقل میں۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا پیدا کی ہے کتنے ہی بچے قیامت تک مرتے رہیں گے تو آیا اُس بچے کی موت کی وجہ سے کبھی کسی نے کفر کیا ہے ہم تو محض ان وجوہ سے لوگوں کو کفر کرتے دیکھتے ہیں ایک تو جب وہ اُس غصے و غضب میں آجاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کی طبائع میں پیدا کر دیا ہے اُس تعصب کی وجہ سے جس کے اسباب اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا کئے ہیں۔ اُس سلطنت کی وجہ سے کہ جو اللہ نے انھیں عطا کی ہے جبکہ اس میں کوئی عارض ان کا معارضہ و مقابلہ کرے۔
چہارم یہ کہ جور۔ عبث۔ ظلم اور محاباۃ میں اس سے زیادہ اور کیا ہو گا کہ بچے کو باقی رکھا جائے تاکہ وہ کفر کے دوامی دوزخ کا مستحق بنے اور صلاح قوم اور جماعت کی مصلحت کے لئے اُسے بچپن میں موت نہ دیجائے کہ وہ دوزخ سے بچے۔ اگر اس منحوس کا کفر نہ ہوتا تو یہ لوگ ضرور کفر کرتے۔ اس سے بدتر ظلم و محاباۃ نہ ہوگی کیا یہ ایسا ہی نہیں ہے کہ جیسے کسی نے ایک انسان کو قتل کے لئے ٹھیرایا پھر اُس نے بیچ راستے سے

ایک دوسرے شخص کو پکڑ لیا پھر اس کے بجائے اُسے قتل کر دیا۔ اس ملعون اور مہمل قول کا فساد ظاہر ہو گیا۔

بعض معتزلہ نے کہا کہ اُس کی پشت سے مومنین ظاہر ہوں گے۔ کبھی کافر بغیر پس ماندہ چھوڑے مرجاتا ہے۔ کبھی کافر کے یہاں ایسے کفار پیدا ہوتے ہیں جو اُس سے زیادہ اسلام کے لئے مضر ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ اس جواب کے لئے بھی لازم ہے۔ کبھی مومن کی پشت سے بھی کافر سرکش ظالم باغی ظاہر ہوتا ہے جو کھیتی اور نسل کو تباہ کر دیتا ہے، ظلم کو ابھارتا ہے حق کو مٹاتا ہے، جنگوں اور منکرات یعنی شریعت کے ناپسندیدہ امور کی بنیاد ڈالتا ہے جن سے ایک خلق کثیر گمراہ ہوتی ہے یہانتک کہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہی حق و سنت ہے۔ معتزلہ کے گمراہ کن اصول کے مطابق ان لوگوں کے پیدا کرنے میں کونسی وجہ و مصلحت ہے۔ اور کونسا مقصد اور کونسی مصلحت ابلیس اور سرکش شیاطین کے پیدا کرنے میں ہے ہمارے یہاں حکمت کا جو دستور ہے اُس کے مطابق ان شیاطین کو انسانوں کے گمراہ کرنے کی قوت عطا کرنے میں کونسی حکمت ہے۔ ہم ضروری طور پر جانتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کے لئے آلات شکار راہوں پر نصب کرے اور اُن کے گذرگاہ میں کانٹے ڈالدے تو وہ ہم لوگوں میں عیب دار اور احمق ہے۔ حالانکہ معتزلہ کے اقرار کے مطابق ان تمام مذکورۂ بالا اشخاص و اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور وہ حکیم و علیم ہے۔

ہم پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے جنھوں نے ایک خاص درخت کے نیچے (حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) بیعت کی تھی شہادت دی ہے کہ جو کچھ ان کے دلوں میں تھا وہ اُسے معلوم تھا، اُس نے اُن پر سکینہ (تسکین) نازل فرمائی۔ اس کے بعد اُس نے ان میں سے اُن لوگوں کو بہت جلد موت دیدی جو مسلمانوں کے امور کے منتظم و والی تھے اور ان میں سے بعض کے قوی کمزور کر دیے۔

ان پر زیاد اور حجاج اور خوارج کے باغیوں کو مسلط کر دیا۔ اس میں حجاج اور قطری اور بقیہ مسلمانوں کے لئے کونسی مصلحت تھی۔ کاش معتزلہ کو عقل ہوتی۔ لیکن حق وہی ہے جو ہمارا قول ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ سے عدل و حق و حکمت ہے۔ اور غلبہ کرنے والے حجاج و قطری اور ان کے ہم جنسوں کے لئے ہلاک و تباہی اور گمراہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس سے آخرت میں ان کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

ہم معتزلہ سے سوال کرتے ہیں کہ تم لوگ کیا کہتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے حُرّہ کو زنا میں سو تازیانے مارنے کا حکم دیا اور کنیز کو اس کے نصف مارنے کا۔ کیا یہ کنیز کے لئے محاباۃ نہیں ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو کثیر اموال عطا فرمائے کہ اس میں انھوں نے اسراف کیا۔ اور دوسروں کو اس نے محروم کر دیا۔ کیا یہ ان کے اس قاعدۂ فاسدہ کی بنا پر جو انھوں نے اُس شخص کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اپنے فقیر ہمسایے سے مال کو روکے عین محاباۃ اور جور نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ اپنے قول کو ترک کر دیں اور اُس کے قول کی طرف چلے جائیں جس نے بیان کیا ہے کہ بیشک یعنی اللہ تعالیٰ مساوات کے ساتھ عورتوں اور مالوں میں لوگوں کی غمخواری کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے وہ جو نفی تشبیہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کو اُس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے اُس کی تکفیر کرتے ہیں۔ ہم اس قوم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو اُس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے والا کسی کو نہیں جانتے۔ یہ لوگ اُس پر حکم لازم کرتے ہیں اور اس پر امر و نہی جاری کرتے ہیں اور جو چیز مخلوق سے حسن و قبیح ہے اُس میں اللہ تعالیٰ کو اُس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے اصول کو توڑ ڈالا۔ کیونکہ اُن کا قول ہے کہ جو امور کسی وجہ سے ہمارے درمیان مصلحت ہیں تو ہم انھیں باری تعالیٰ سے نہیں رد کرتے۔

ہم لوگ اپنے آپس میں ایسے لوگ پاتے ہیں جو اپنے ایک غلام کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے اور محاباۃ کرتا ہے۔ اُن میں سے ایک کو اپنے مال وعیال کا محافظ بناتا ہے اور اپنے بچوں کا ضامن مقرر کرتا ہے۔ اس کے لیے اُسے اُس کے بچپن ہی سے منتخب کر لیتا ہے کہ اُسے حساب کتاب سکھاتا ہے۔ دوسرے غلام کو اپنے گھوڑوں کا چابک سوار اور اپنے باغ کے لئے گوبر جمع کرنے والا اور اُس کی گھاس کا صاف کرنے والا بناتا ہے اور اُس کے بچپن ہی سے اُسے اس کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ اسی طرح کنیزوں کو بھی کہ ان میں سے ایک کو اپنا محرم راز اور اپنی اولاد کی امید گاہ بنا لیتا ہے۔ دوسری کنیز کو پکانے اور نہلانے میں اسی کنیز کا خادم بنا دیتا ہے۔ یہ تمام مسلمانوں کے اجماع کے مطابق عدل ہے۔ یہ لوگ اس کا کیوں انکار کرتے ہیں جو باری تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے ساتھ چاہے اور جس تفضیل کے ساتھ چاہے محاباۃ کرے۔ حالانکہ یہ لوگ مشاہدے میں ایسا شخص پاتے ہیں جو محتاجوں کو اپنا مال دیتا ہے کسی کو تو اتنا دیتا ہے جو اُسے فقر سے نکال دیتا ہے اور اُسے غنی بنا دیتا ہے اور یہ تقریباً ایک ہزار دینار ہوتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے کو بھی اسی کی طرح ایک ہزار دینار دیتا ہے اور اُسے ایک ہزار دینار زائد دیتا ہے۔ تو یہ شخص اگرچہ اس نے محاباۃ کی مگر یہ محسن ہے قابل ملامت نہیں ہے۔ پھر کیوں یہ لوگ اپنے رب کو اس سے روکتے ہیں اور جب وہ اس کو کرے تو اُسے ظالم بتاتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہم سے زیادہ اُن تمام اشیا کا مالک کامل ہے جو عالم میں ہیں اور جن املاک کو وہ عطا کرتا ہے۔ ۹۵

انھوں نے اپنے اس قاعدے کو توڑ دیا کہ جو کچھ کسی وجہ سے ظاہر میں حسن ہے تو باری تعالیٰ اسے اُس کے واقع ہونے کو ان لوگوں نے نہیں روکا۔ انھوں نے ظاہر میں ایسا شخص پایا جو بڑے بڑے مالوں کا ذخیرہ کرتا ہے اور اس کے تمام ضروری حقوق ادا کرتا ہے

یہاں تک کہ اُس کے سامنے کوئی محتاج باقی نہیں رہتا۔
اس کے بعد اس سب کو روک دیتا ہے مگر اُسے بخیل نہیں کہا جاتا۔ پھر کس لئے
انھوں نے اپنے رب کو اس قسم کے افعال سے روکا اور اسے ظالم
و بخیل بنایا جبکہ اُس نے اپنے پاس سے بہترین شے نہیں دی۔ یہ سب
واضح ہے جس میں کوئی اشکال و دشواری نہیں ہے۔

ہم ان سے ان کے ایک عجیب قول کے متعلق دریافت کرتے
ہیں، وہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ جائز رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اضعف تر
شے کو پیدا کرتا ہے، اس کے بعد اُس سے ضعیف پر قادر نہیں ہوتا۔
اسی طرح وہ قادر اور صالح تر شے کا فاعل ہے اس کے بعد وہ اس سے
بھی صالح تر شے پر قادر نہیں ہوتا۔ وہ صغیر تر شے پر قادر ہے اور وہ جزلا یتجزیٰ
(وہ حصہ کہ پھر جس کا حصہ نہ ہو سکے) ہے۔ اور اُس سے صغیر تر پر قادر نہیں ہے۔

یہ ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محدود و متناہی ثابت کرنا
اور اُسے عاجز بنانا ہے۔ اُس کے حدوث کا ثابت کرنا اور اُس کی
الوہیت کا باطل کرنا ہے۔ کیونکہ قوت میں متناہی و محدود ہونا یہ حادث
کی صفت ہے جو مخلوق ہوتا ہے نہ کہ اُس خالق کی صفت جو ازلی ہے۔
یہ قرآن و اجماع مسلمین کے خلاف ہے اور مخلوق کی قدرت کے محدود
و متناہی ہونے میں اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔
یہی ہر اُس شخص کو بھی لازم ہے جو جزولا یتجزیٰ کا قائل ہے اور
ایسا صحیح لازم ہے جس سے رہائی نہیں ہو سکتی ہم ایسے ہلاکت میں
ڈالنے والے مقالات سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ البتہ ہم کہتے ہیں کہ
اللہ تعالیٰ نے جو شے بھی پیدا کی خواہ وہ صغیر ہو یا ضعیف یا کبیر ہو یا قوی
یا باعث مصلحت ہو تو وہ ہمیشہ بلا حد و نہایت اس پر قادر ہے کہ اُس سے
صغیر تر۔ ضعیف تر۔ اور قوی تر اور اصلح یعنی زائد باعث مصلحت پیدا کرے۔

ہم معتزلہ سے سوال کرتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ ایسی چیز پر قادر ہے کہ
اگر وہ اُسے کرتا تو تمام لوگ کافر ہو جاتے۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں تو وہ

علی الاسواری کے ساتھ شامل ہوگئے اور وہ لوگ اس کے قائل بھی نہیں ہیں۔ اگر اس کے قائل بھی ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں جھوٹا بنا دیا ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے" ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض" (اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے رزق کو کشادہ کر دیتا تو یہ ضرور ملک بھر میں بغاوت کرتے)۔ اور فرمایا ہے" ولولا ان یکون الناس امة واحدة لجعلنا لمن یکفر بالرحمٰن لبیوتهم سقفا من فضة" (اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی امت ہو جائیں گے تو جو لوگ رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ضرور ان کے مکانوں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے)

اگر وہ کہیں کہ ہاں وہ اس پر قادر ہے تو تم نے فیصلہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ شر پر قادر ہے اور خیر پر قادر نہیں۔ یہ اُن کے اصول کے مطابق ایک مصیبت ہے۔ نیز اُن کے اس قاعدے کا فساد بھی لازم آئے گا جو وہ کہتے ہیں کہ جو شخص کسی شے پر قادر ہوتا ہے وہ اُس کی ضد پر بھی قادر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی چیز پر قادر ہے کہ اُس کے ہونے پر سب لوگ کافر ہو جائیں اور ایسی چیز پر قادر نہیں ہے کہ اس کے ہونے پر سب لوگ مومن ہو جائیں۔

معتزلہ میں سے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو صلاح (درستی) کر چکا بغیر کسی حد و انتہا کے اُس کی سی صلاح پر قادر ہے نہ کہ اس سے زائد پر۔ ہم ان سے سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ اپنے اصول کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ظالم و جابر بنانے سے بچ نہیں سکتے اس لئے کہ ہم بضرورت حس جانتے ہیں کہ جب مصالح آپس میں ایک دوسری کے ساتھ شامل ہو جاتی ہیں تو یہ زیادہ باعث مصلحت و اصلح اُس سے ہوتی ہیں کہ ایک مصلحت دوسری مصلحت سے جداجدا ہے۔ جب تمھارے نزدیک وہ اس پر قادر ہے اور اس نے اپنے بندوں کے ساتھ اس کو نہیں کیا تو اُسے وہ لازم آگیا جو الزام تم نے اُسے دیا کہ اگر وہ اُس سے زائد باعث مصلحت و اصلح پر قادر ہوتا جو اُس نے کر دیا اور اس نے اُسے نہیں کیا تو وہ ظالم ہوتا۔

ان لوگوں نے کہا کہ یہ مثل دوا اور کھانے پینے کے ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی ایک مقدار ہوتی ہے جو اس کے لئے مصلحت ہوتی ہے جس کو وہ دیجاتی ہے جب اُس کے ساتھ اُس کے برابر اور شامل ہو جاتی ہے تو وہ مضر ہوجاتی ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ہرگز کسی صاحب عقل اور حقائق امور کے جاننے والے نے نہیں کہا کہ فلاں خال ہر حال میں مصلحت ہے۔ نہ یہ کہ کھانا بالکل اور ہمیشہ مصلحت ہے اور پینا ہر طرح اور ہمیشہ مصلحت ہے۔ حق یہی ہے کہ دوا کی ایک مقدار صرف فلاں بیماری کے لئے مصلحت ہے۔ اگر وہ مقدار بڑھے یا گھٹے یا اُس کی وجہ سے وہ بیماری بڑھے تو ضرر ہوگا۔ اسی طرح کھانا پینا ہے کہ یہ دونوں کسی حال اور کسی مقدار میں مصلحت ہیں۔ جو بڑھے یا اُس کی وجہ سے اس کا وقت بڑھے تو ضرر ہوگا۔ جو بقدر کفایت سے کم رہے تو ضرر ہوگا۔ ان میں سے کسی پر بھی صلاح کے نام کا اطلاق کرنا ضرر کے نام کے اطلاق کرنے سے اولی و بہتر نہیں ہے۔ اس لئے کہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ان میں دونوں امر (یعنی صلاح و ضرر) موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندے کے لئے جو صلاح ہے اور اس کے لئے ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو خیر ہے وہ ایسی نہیں ہے۔ بلکہ وہ علی الاطلاق اور بالکل اور ہر حال میں (صلاح و ہدایت و خیر ہی) ہے۔ جب کبھی صلاح زائد و کثیر ہو اور ہدایت زائد و کبیر ہو اور خیر زائد و کبیر ہو تو وہ افضل ہے۔

اگر معتزلہ یہ کہیں کہ ہم تو نماز و روزے کی بھی یہ کیفیت پاتے ہیں کہ یہ دونوں ایک وقت میں گناہ ہوتے ہیں اور دوسرے وقت میں باعث اجر و ثواب۔ تو ہم کہیں گے کہ ان امور میں سے جو منہی عنہ یا ممنوع ہو وہ قطعاً صلاح نہیں اور نہ وہ ہدایت و خیر ہے۔ بلکہ وہ گناہ و خذلان و گمراہی ہے۔ ہم نے اس کے بارے میں تم سے کلام نہیں کیا ہے بلکہ اُس کے بارے میں کیا ہے جو حقیقۃً صلاح اور فی الواقع ہدایت اور در اصل خیر ہو۔ یہ وہ سوال ہے جس سے انھیں خلاص نہیں ہو سکتا۔

اصلح کے ماننے والوں میں سے بعض نے کہا ہے کہ جس بچے کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر وہ زندہ رہے گا تو ایمان لائے گا اور جس کافر کو وہ جانتا ہے کہ اگر وہ زندہ رہے گا تو ایمان لائے گا اور جس فاسق کو وہ جانتا ہے کہ اگر زندہ رہے گا تو توبہ کرے گا تو یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے اس سے قبل موت دے۔ اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ اگر زندہ رہے گا تو خیر کرے گا تو یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے اس کے کرنے سے پہلے موت دے۔ اللہ تعالیٰ جس کو موت دیتا ہے یہ جان کر موت دیتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے پلک جھپکنے تک یا اس سے بھی کم زندہ رکھیگا تو یہ قطعاً کوئی خیر نہ کرے گا بلکہ ضرور کفر یا فسق کرے گا۔

یہ ان کے اُن مصائب عظیمہ میں سے ہے جنھوں نے کفر و ہلاکت کو جمع کر لیا ہے۔ جس چیز سے باری تعالیٰ کو ظالم ماننا پڑتا تھا یہ اس سے بھاگے تھے مگر یہ اس سے بچ نہ سکے۔ مگر کفر تو یہ انھیں اس طرح لازم آتا ہے کہ ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر بالغ ہوتے تو کافر یا فاسق ہو جاتے۔ کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ جب تمھارے نزدیک یہ ایسا ہے جیسا کہ تم نے دعوی کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض بچوں کو ولادت کے بعد ہی کیوں موت دی پھر کسی کو ایک گھنٹے کے بعد کسی کو ایک دن کے بعد کسی کو دو دن کے بعد اور کسی کو ماہ بماہ اور کسی کو سال بسال یہاں تک کہ ان میں سے بعض کو بلوغ سے کچھ ہی قبل موت دی۔ حالانکہ معتزلہ کے نزدیک یہ سب کے سب اس امر میں مساوی تھے کہ اگر زندہ رہتے تو سب کے سب کفر یا فسق کرتے جب اُس نے اُن کے ساتھ یہ عنایت کی تو بعض بچوں کو جن کو وہ جانتا تھا کہ وہ کفر یا فسق کریں گے کیوں زندہ رکھا۔ اُنھیں قوی اور ذہن و فہم کی باریک بینی بھی دیتا رہا۔ مثلاً الفیومی سعید بن یوسف اور المقمس داؤد بن قروان اور ابراہیم البغدادی اور ابو کثیر الطبرانی کو جو یہود کے متکلمین میں سے تھے اور ابو رابطہ الیعقوبی اور مقر ونیش الملکی کو جو نصاریٰ کے متکلمین میں سے تھے اور قردان بخت المنانی کو۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے اپنے شبہات۔

فریب کاری وخرافات سے بہتوں کو گمراہ کیا۔ کسی فرق کے وجود کی ہرگز کوئی گنجایش نہیں۔ ان کے اصول پر یہ محاباۃ وجور ہے۔

اس کے بعد ہم یہ پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بعض بچوں پر یتیمی اور جوؤں اور برہنگی اور سردی اور بھوک اور خوابگاہ کی خرابی اور نابینائی اور دردوں اور تباہی کا عذاب کرتا ہے یہاں تک کہ یہ اسی حالت میں مر جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض خوشحال۔ مخدوم اور صاحب آرام ہوتے ہیں یہاں تک وہ اسی حالت میں مر جاتے ہیں۔ شائد یہ دونوں لڑکے ایک ہی ماں باپ کے بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح انھیں یہ بھی لازم آئے گا کہ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وموسیٰ وعیسیٰ وابراہیم اور تمام رسول علیہم الصلوۃ والسلام میں سے ہر ایک جس وقت پر مرا ہے اس سے پلک جھپکنے تک بھی اگر زندہ رہتا تو (نعوذ باللہ) ضرور کفر یا فسق کرتا۔ انھیں اسی طرح جبریل ومیکائیل وحاملان عرش علیہم السلام کے بارے میں بھی لازم آئے گا۔ بشرطیکہ یہ اس کے قائل ہوں کہ یہ بھی مریں گے۔ اگر وہ اس پر اڑے رہے تو انھوں نے کفر کیا۔ ان میں سے بعض نے علانیہ اس کی تصریح کی ہے۔ اگر انکار کیا تو تناقض واختلاف بیانی اختیار کی۔ اور انھیں یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اسے مارتا ہے جس کو وہ جانتا ہے کہ خیر میں ترقی کرے گا، اور اسے زندہ رکھتا ہے جسے جانتا ہے کہ وہ کفر کرے گا۔ ان کے نزدیک ان کے اصول کے مطابق عین ظلم وعبث ہے۔

ان میں سے بعض معتزلہ نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی محنت میں ڈالا اور امتحان لیا کہ اس میں آپ کی طاعت کی بنا پر اس کا ثواب اس مقدار کو پہنچ گیا کہ اگر آپ قیامت تک زندہ رہتے اور آپ سے وہ طاعت ہوتی رہتی تو اس کا اتنا ہی ثواب ہوتا۔

یہ وہ جنون ہے جو تمھیں کافی ہے۔ جس کی چند وجوہ ہیں۔

۹۷

اول یہ کہ یہ اوروں کے مقابلے میں آپ کی خالص محاباۃ ہے۔ یہ اس نے آپ کے غیر کے ساتھ کیوں نہ کیا اور کیوں نہ انھیں دنیا اور اس کی مصائب سے فور اً راحت دیدی۔

دوم یہ کہ یہ قول کذب خالص ہے اس لئے کہ دنیا میں امتحانات مقرر ہیں۔ وہ یا تو جسم میں بیماریوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یا مال ہی تلف ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یا جانوں کے خوف و ذلت سے ہوتا ہے۔ اہل و عیال و احباب کی فکر و غم سے ہوتا ہے اور امید کے منقطع ہونے سے ہوتا ہے۔ عالم میں کوئی امتحان ایسا نہیں جو ان وجوہ سے خارج ہو سوائے امتحان دین کے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

لیکن آپ کا جسم میں امتحان۔ تو معتزلہ جھوٹے ہیں۔ آپ کی وفات کے وقت آپ کے سب اعضا بالکل صحیح و سالم تھے اور آپ تمام اہل مصیبت اور ایوب علیہ السلام کے سے امتحان سے معاف کر دیا گیا تھا۔ نعوذ باللہ منہ۔

رہا آپ کا امتحان مال میں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنے مال ہی میں مشغول ہی نہیں کیا جس کا زائد حصہ آپ کے امتحان کا مقتضی ہوتا۔ نہ آپ کو کسی اور کا محتاج کیا۔ بلکہ بقدر حاجت دیکر حد تونگری و غنا پر قائم رکھا زائد کو اس میں خرچ کرنے کی توفیق دیدی جو آپ کو آپ کے رب سے قریب کرے۔

جان کا امتحان تو بھلا اس کا کیا امتحان ہو سکتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرمائے "واللہ یعصمك من الناس" (اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا) جس کے لئے اس کے ذکر کو بلند کرے جس کے دین کو تمام دینوں پر غالب کرنے کا ذمہ لے اگرچہ آپ کے دشمن ناخوش ہوں۔ آپ کے غصہ دلانے والے دشمن کو بے اولاد کرکے مارے، آپ کو نصرت سے ہر دشمن پر غالب کرے تو بھلا کس خوف یا کمزوری کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوتا۔

لیکن آپ کے اہل وعیال واحباب تو بعض کو اللہ تعالیٰ نے موت دیدی اور ان کے بارے میں آپ کو اجر دیا۔ مثلاً آپ کے فرزند ابراہیم اور خدیجہ وحمزہ وجعفر وزینب وام کلثوم ورقیہ جو آپ کی صاحبزادیاں تھیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان میں سے بعض کو باقی رکھکر صلاح وبہتری سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔ مثلاً حضرت عایشہ اور تمام امہات المومنین۔ اور آپ کی دختر حضرت فاطمہ اور علی وعباس وحسن وحسین واولاد عباس وعبداللہ بن جعفر وابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہاں بھی آپ کا کونسا امتحان ہوا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قسم کے امتحان سے پناہ نہیں دی جو امتحان حبیب بن عدی کا لیا گیا رضی اللہ عنہم۔ کیا وہ انبیا علیہم السلام نہیں ہوئے جو قتل کئے گئے۔ جو آرے سے چیرے گئے جو جو آگ سے جلائے گئے، کیسا عظیم الشان امتحان تھا۔ کیا وہ انبیا نہیں ہوئے جن کی مخالفت اُن کی قوم نے کی اور اُن میں سے معدودے چند کے سوا کسی نے ان کی پیروی نہیں کی۔ اکثر پر اُس نے عذاب کیا۔ مثل ہود وصالح ولوط وشعیب وغیرہم کا کیسا عظیم الشان امتحان ہوا۔ یہ محض مکابرہ (مشاہدے کی مخالفت) اور حماقت وبے شرمی ہے۔

اُس کا کونسا امتحان ہو سکتا ہے جن وانس پر جس کی طاعت کو اللہ نے واجب کر دیا ہو۔ اپنی رسالت سے جسے سرفراز کیا ہو۔ جسے تمام انسانوں سے بیخوف کر دیا ہو۔ جس کے دشمن کو اُس کے آگے سرنگوں کر دیا ہو اور جس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہوں۔ کیا یہ محض انعامات وخصائص وفضائل وکرامات اور تمام جن وانس کے مقابلے میں خالص محاباۃ نہیں ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب پر اس کا حق رکھتے تھے کہ اُس نے اس عظیم الشان نعمت کی آپ کے ساتھ ابتدا کی حالانکہ آپ کے قبل زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ العدوی اور قیس بن ساعدۃ الایادی وغیرہما نے بت پرستی ترک کر دی تھی مگر ان میں سے کسی نعمت سے بھی یہ لوگ سرفراز نہیں کئے گئے۔ مگر معتزلہ کی حماقت پر

قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

جو سوال ان لوگوں سے کیا جائے اُن سے یہ کہا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو علم نہ تھا کہ فرعون اور کفار کو اگر وہ زندہ رکھے گا تو یہ کفر کریں گے۔ اگر وہ ہاں کہیں تو اُن سے کہا جائے کہ اُنھیں اس نے کیوں زندہ رکھا جو انھوں نے کفر کیا۔ حالانکہ اس نے ان کے قول کے مطابق اس کو موت دیدی جسے اُس نے یہ جانا کہ یہ اگر زندہ رہا تو کفر کرے گا۔ یہ وہ بدحواسی ہے کہ جو عقل میں نہیں سماتی۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ آیا سب کے لئے اصلح یہی تھا اور خاصکر اہل دوزخ کے لئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت ہی میں پیدا کرتا جیسا کہ اس نے ملائکہ و حور عین کے ساتھ کیا یا یہ اصلح تھا جو اُس نے ہمیں دنیا میں پیدا کیا اور اس میں ہمیں بلا اور دوامی دوزخ کے لئے پیش کیا۔

اس سوال کے وقت وہ خاموش ہو گئے اُن میں سے بعض نے کہا کہ اُس نے ابتک جنت پیدا نہیں کی۔ تو ہم نے اُن سے کہا کہ اچھا ٹھیرو اگر بات یہی ہے جیسا تم نے کہا تو سب کے لئے اصلح یہی تھا کہ پہلے اللہ تعالیٰ جنت کو پیدا کرتا پھر اُس میں ہمیں پیدا کرتا یا ہمارے پیدا کرنے میں اتنی تاخیر کرتا کہ اُسے پیدا کر دیتا پھر اُس میں ہمیں پیدا کر دیتا۔ یا جب ہی اُسے پیدا کرتا جب ہمیں پیدا کیا تھا۔ اگر انھوں نے اپنے رب کو عاجز بنایا اور اُسے صاحب طبیعت اور محدود و قدرت والا اور اپنی مخلوق کے مشابہ بنایا تو اُنھوں نے اس کی الٰہیت کا ابطال کر دیا اور اُسے حیز و مکان والا اور ضعیف بنا دیا اور یہ خالص کفر ہے۔ اس کے ساتھ ہی سوال کی نفی اس کے مطابق اس میں بھی ہو جائے گی کہ وہ ہم سب کو مثل ملائکہ کے بناتا یا ہم سب کو انبیا بنا دیتا جیسا کہ اُس نے عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کے ساتھ اور تمام انبیا علیہم السلام کے ساتھ کیا۔

بعض معتزلہ نے کہا کہ ہم اس بارے میں اُس وجہ مصلحت سے ناواقف نہیں ہیں جو اس امر کو حکمت سے خارج کر دے۔ ہم نے اُن سے کہا کہ بعینہ اسی قسم کے جواب پر تم لوگ بھی قناعت کرو کہ جو یہ کہتا ہے کہ

ہم اُس وجہ مصلحت وحکمت سے ناواقف نہیں ہیں جو اس میں ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے افعال کو پیدا کیا۔ اور کافر وفاسق کو اس چیز کی تکلیف دی جس کی انھیں طاقت نہیں۔ اس کے بعد اسی پر ان دونوں پر عذاب کرے گا جو اس امر کو حکمت سے خارج کر دیتے ہیں۔ یہ وہ سوال ہے جس سے انھیں رہائی نہیں ہو سکتی۔

ہم لوگ اس جواب سے راضی نہیں ہیں۔ ہم اس سے ناواقف نہیں ہیں۔ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا وہی عین حکمت وعدل ہے۔ لیکن جس نے اللہ تعالیٰ کے افعال کو اُس حکمت وعدل کے مطابق جاری کرنے کا ارادہ کیا جو ہم لوگوں میں مقرر ہے تو اُس نے الحاد کیا اور خطا کی اور گمراہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کو اُس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی۔ اس لئے کہ ہمارے یہاں عدل وحکمت صرف اللہ تعالیٰ کی طاعت ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی عدل ہے نہ حکمت۔ سوائے اس کے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ جس شے کا حکم دے۔ خواہ وہ کوئی سے بھی ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ پر کسی کی بھی طاعت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ باطل ہو گیا کہ اُس کے افعال بندوں کے احکام پر جاری ہوں جو مامور ومحکوم ہیں اور جن کی پرورش کی جاتی ہے اور جن سے وہ جو کچھ کریں گے اُس کی بازپرس کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے افعال عزت وقدرت وجبروت کبریا کی بنا پر جاری ہیں، جس کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ وہ جو چاہے کرے اُس سے بازپرس نہیں ہو سکتی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی مخالفت کی وہ نقصان میں رہا۔ اس سب کے باوجود بھی یہ لوگ اپنے اصول کے مطابق اپنے رب پر ظالم ہونے اور عبث کام کرنے کے الزام لگانے سے بچ نہیں سکتے جس سے اللہ بری وبرتر ہے۔

ان کے متکلمین نے کہا کہ اگر وہ ہمیں جنت میں پیدا کرتا تو اس صورت میں ہمیں یہ نہ معلوم ہوتا کہ ہم پر کسقدر نعمت ہے نیز ہم بغیر کسی عمل کے کئے ہوئے اس نعمت کے مستحق۔

نہوتے جنت کے استحقاق کے بعد ہمارا اُس میں داخل کیا جانا کامل تر نعمت اور بیش از بیش لذت کا باعث ہے اگر وہ ہمیں جنت میں پیدا کرتا تو جو چیز ہم پر حرام کی جاتی اُس پر سزا کی دھمکی بھی ضروری تھی اور جنت دھمکی کا مقام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان میں سے بعض کفر کریں گے تو اُس جنت سے نکلنا واجب ہوتا۔

یہ سب جس پر انھیں نے اندازہ کیا ہے نادانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد قوت و قدرت سے یہ سب ہماری طرف سے اُن پر عائد ہوتا ہے۔

ہم بتوفیق الہٰی کہتے ہیں کہ اُن کا یہ کہنا کہ وہ اگر ہمیں جنت میں پیدا کرتا تو ہم اس میں نعمت کی مقدار نہ جانتے جو ہم پر ہوتی۔ ہم بتائید الہٰی کہتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ وہ ہمیں جنت میں پیدا کرتا اور ہم میں ایسی قوت وطبیعت پیدا کرتا جس سے ہم اس میں اپنے اوپر نعمت کی قدر اُس سے زیادہ جانتے جتنا کہ ہم قیامت کے روز اُس میں دخول کے بعد جانیں گے یا جیسا کہ ہم اُسے جانتے ہیں یا وہ اس پر قادر نہ تھا۔

اگر وہ کہیں کہ خدا اس پر قادر نہ تھا تو انھوں نے اپنے رب کو عاجز بنایا اور اُس کی قوت کو محدود کر دیا کہ وہ ہمارے ایک امر پر قادر ہے اور دوسرے پر قادر نہیں۔ یہ یا تو محض کسی عارض کی وجہ سے ہوتا ہے جو اندر ہو یا کسی ایسی طبیعت کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی قوت محدود ہو۔ اور یہ خالص کفر ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا تو انھوں نے اس کا اقرار کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وہ نہیں کیا جو اُس کے پاس سب سے اصلح و بہتر تھا اور جو کچھ اُس نے اُن کے ساتھ کیا اُس کے پاس اس سے اصلح و بہتر تھا۔ نیز اگر ان کی مراد اس سے یہ ہو کہ بلا و تعب کے بعد لذت میں نہایت مسرت ہوتی ہے تو انھیں یہ لازم آئے گا کہ جنت کی تمام نعمتوں کی باطل کر دیں اس لئے کہ اُس کی کسی نعمت میں قطعاً کسی درد و مصیبت کی آمیزش نہیں ہے اور درد و تکلیف کا جب زمانہ گذر چکتا ہے تو اس کے بعد وہ فراموش ہو جاتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

"کان الفتی لم یعر یوما اذا اکتسی، ولم یفتقر یوما اذا ما تمولا"
(پوشاک پہن لی تو گویا اس سے پہلے کسی دن برہنہ تن تھے ہی نہیں + متموّل ہو گئے تو ایسا سمجھنے لگے کہ کبھی محتاج ہی نہ تھے)۔

اس قاعدے پر یہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کے لئے جنت میں کچھ آلام و مصائب قائم کر دے کہ اس کی وجہ سے اُن کے لئے وجودِ لذت تازہ ہوتا رہے، اور یہ اسلام سے باہر ہونا ہے۔ انہیں یہ بھی لازم آئے گا کہ انبیا و صلحا کو پہلے دوزخ میں داخل کیا جائے پھر نکال کر جنت میں داخل کیا جائے کہ اس کی وجہ سے لذت و سرور دوچند ہو جائے۔

اُن سے کہا جائے گا کہ ہم لوگ بھی مثل ملائکہ و حور عین کے ہوتے اگر ملائکہ و حور عین کو یہ علم ہوتا کہ جس لذت و نعمت میں وہ ہیں اُس کی مقدار کیا ہے تو ہم لوگ بھی ایسے ہی ہوتے۔ اگر وہ لوگ جس نعمت و لذت میں ہیں اُس کی مقدار سے ناواقف ہیں تو اللہ نے یہ مصلحت و خوبی اُنھیں کیوں نہ عطا فرمائی اور اس فضیلت کو جو اُس نے ہمیں عطا فرمائی اُن سے کیوں روکا حالانکہ وہ تو اُس کے ایسے فرمانبردار ہیں جن کی فرمانبرداری میں کبھی کسی نافرمانی کی آمیزش نہیں ہوئی۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ملائکہ و حور عین نے کفار پر عذاب دوزخ کا مشاہدہ کر لیا ہے یہ اُن کے لئے ترہیب (خوف دلانے) کا قائم مقام ہو گیا ہے تو ہم اُن سے کہیں گے کہ کیا محاباۃ و جور اس کے سوا ہے کہ ایک قوم کو ہلاکت گاہوں کے لئے پیش کیا جائے اور اُنھیں زندہ رکھا جائے کہ وہ کفر کریں اور ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جائیں کہ ان کے ذریعے سے ایک دوسری قوم کو نصیحت کی جائے جو جنت اور ابدی و سرمدی راحت میں پیدا کی گئی ہے۔ کیا یہ اصول معتزلہ کے مطابق ہماری معاشرت میں عین ظلم نہیں ہے۔

کیا یہ ایسا ہی نہیں ہے جیسے کوئی سرکش کہے کہ دوثلث کی

۹۹

صلاح و مصلحت کے لئے ایک ثلث کا قتل کرنا صلاح و مصلحت ہے۔ کیا حاضر و موجودہ حالت میں اس سے بڑھکر کوئی حماقت و لغویت ہوگی کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ آ، میں تجھے تازیانے ماروں، پہاڑ سے گراؤں، چپتیں لگاؤں، مونچھیں اکھاڑوں، تجھے خار دار راستے میں چلاؤں جس میں نہ کوئی راحت ہے نہ کوئی نفع۔ لیکن اس کے بعد میں تجھے بہت بڑی سلطنت دونگا۔ شاید کہ اس دوران میں کہ میں تجھے مار رہا ہوں تجھے تکلیف پہنچے اور تو کسی گندے کنوئیں میں گر پڑے جس سے کبھی کوئی نکل نہیں سکتا۔ تو اس حال میں صاحب عقل کے نزدیک بھلا کونسی مصلحت ہے، خاصکر جب وہ شخص اس پر قادر بھی ہو کہ بغیر اس مصیبت میں ڈالے ہوئے یہ سلطنت اسے عطا کر سکتا ہے۔ معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی یہ صفت ہوئی۔ جس عدل و حکمت کے ساتھ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو موصوف کرتے ہیں یہ خود اس کے مستحق ہیں کہ اپنے آپ کو اس کے ساتھ موصوف کریں۔ ابو محمد کہتے ہیں کہ اور ہم لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں یہ خبر دیتا کہ وہ بعینہ یہی سب کرے گا تو ہم اُس کا انکار نہ کرتے اور ضرور یہ یقین کرتے کہ یہ سب اُس سے عدل و حکمت و حق ہے۔

عجیب بات ہے کہ ایسا ہو کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی مخلوق کی حالت میں پیدا کرے کہ نہ تو ہمیں کبھی بھوک لگے نہ پیاس، نہ پیشاب آئے، نہ ہم بیمار پڑیں، نہ مریں، جو کینہ ہمارے دلوں میں ہو اُسے بھی وہ دور کر دے پھر وہ اس پر قادر نہ ہو کہ ہمیں جنت میں پیدا کرے اور نہ اس پر قادر ہو کہ ہمیں ایسی مخلوق بنا کے پیدا کرے کہ ہم اس خلقت کے ساتھ اپنی ابتدائے آفرینش ہی سے اُس میں لذت حاصل کر سکیں جیسا کہ طویل تنگ حالی کے بعد اس میں داخل ہونے پر لذت حاصل کریں گے۔ آیا اس میں کوئی شخص فرق کر سکتا ہے۔ سوائے اُس کے جسے عقل نہ ہو یا جو باری تعالیٰ اور دین کے ساتھ تمسخر کرتا ہو۔

معتزلہ کا یہ کہنا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جنت ہی میں پیدا کرتا تو ہم لوگ

اُس نعمت کے مستحق نہ ہوتے تو ہم اُن سے کہتے ہیں کہ بتاؤ کہ وہ اعمال جن کی وجہ سے تم اپنے نزدیک اپنے کو جنت کا مستحق سمجھتے ہو آیا تم نے بضرورت عقل جانا ہے کہ جو شخص ان اعمال کو کرے گا وہ اللہ تعالیٰ پر بطور دین واجب کے جنت کا مستحق ہوگا، یا تم نے اس کو نہیں جانا اور نہ یہ واجب ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں آگاہ کرے کہ وہ ایسا کرے گا اور جنت کو ان اعمال کی جزا قرار دے گا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہم نے ان اعمال پر جنت کا استحقاق عقل سے جانا ہے تو انھوں نے مکابرہ کیا (یعنی مشاہدے کی مخالفت کی) اور عقل پر بہتان لگایا اور کفر کیا۔ اس لئے کہ یہ لوگ اس قول سے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بے نیازی کو واجب کر رہے ہیں۔ انھیں لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو ان اعمال کی جزا نہیں بنایا بلکہ یہ اس پر ضروری طور پر بغیر اُس کے اختیار کے واجب ہوگیا۔ اگر وہ اس کے خلاف کرنا چاہے تو اُسے اس کا حق نہیں۔ اور یہ خالص کفر ہے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں یوم سبت (شنبہ) کی تعظیم اور چربی حرام ہے اور اس کے علاوہ امور بھی ہیں۔ اسی شریعت پر عمل کرنے کی جزا میں جنت ہوگی۔ اب اُسی پر عمل کرنے پر جہنم جزا ہوگی۔ تو کیا یہاں اس کے سوا کوئی اور امر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کے ارادہ کیا۔ اگر وہ اس کا ارادہ نہ کرتا تو اس میں سے کچھ بھی واجب نہ ہوتا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہم نے ان اعمال پر جنت کا استحقاق محض اللہ تعالیٰ کے خبر دینے ہی سے جانا کہ اُسی نے اس کا حکم دیا ہے۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر تھا کہ وہ ہمیں یہ خبر دیتا کہ اُس نے جنت کو ہمارا حق بنایا اُسی میں وہ ہمیں پیدا کرتا جیسا کہ اُس نے ملائکہ و حور عین کے ساتھ کیا۔ ان کا یہ دعویٰ بھی جھوٹا ہے کہ یہ اپنے اعمال کی وجہ سے جنت کے مستحق ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی ایسا نہیں جسے اُس کا عمل نجات دلائے یا جنت میں داخل کرائے۔ عرض کیا گیا کہ اور

نہ آپ۔ یارسول اللہ۔ تو آپ نے فرمایا کہ اور نہ میں۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی مجھے اپنی رحمت میں چھپالے۔ (یا آپ نے ایسا کلام فرمایا جس کے معنی یہی ہیں)۔

نیز بضرورت عقل ہم جانتے ہیں کہ ہم لوگوں میں جزا میں مساوات وہمسری سے جو کچھ زیادہ ہو تو وہ نیکی واحسان کی صورت میں تو محض فضل ہے اور اساءت وبدی کی صورت میں جور ہے۔ عقل میں یہی حکم دستور کے مطابق ہے۔ مگر معتزلہ کے اصول پر انھیں لازم آئے گا کہ ہم میں سے کسی کا جنت یا دوزخ میں اس کی نیکی یا بدی سے زائد اس کے گذشتہ اعمال کی جزا کے طور پر رہنا خالص فضل اور مقدار جرم سے زائد عذاب ہے۔ حالانکہ بلاشک اللہ تعالیٰ یہی کرے گا اور وہ عدل وحکمت وحق ہے۔ ۱۰۰

معتزلہ کا یہ کہنا کہ بطور جزائے عمل کے جنت میں داخل ہونا اعلیٰ درجے اور بہت بڑے رتبے کی بات ہے بہ نسبت اس کے کہ محض فضل سے دخول ہو۔ تو ہم بتوفیق الٰہی اُن سے کہتے ہیں کہ یہ محض غلط ہے اس لئے کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ حکم محض برابر والوں اور ہم جنسوں میں واقع ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا تو کوئی بھی ہمسر نہیں ہے۔ جو دوسرے کا غلام ہو تو اُس پر اس کے آقا کا احسان وفضل واختصاص ومحاباۃ کے ساتھ متوجہ ہونا اُس کے لئے مبارک تر اور اُس کے رتبے کے لئے اعلیٰ واشرف اور اُس کے درجے کے لئے ارفع اور بلند کرنے والا ہے بہ نسبت اس کے کہ اُسے جو کچھ دے وہ اُتنا ہی ہو جتنا وہ اپنی خدمت کے مطابق مستحق ہے۔ سوائے دیدہ دلیر کے اس کا کوئی انکار نہ کرے گا چہ جائیکہ کسی کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق بھی نہ ہو۔ اُس وقت جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے انبیا وملائکہ علیہم السلام میں سے کسی کو کچھ عطا کرے اور وہ بھی جو اُس نے بتایا ہے کہ اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا اور لکھ لیا ہے اور اُسے اپنے بندوں کا حق بنا دیا ہے تو یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور بغیر کسی سبب کے اختصاص ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ انعام نہ عطا کرے تو اس میں سے اس پر کچھ بھی

واجب نہیں۔ اس کے سوا کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا سوائے بددین یا فاسد العقل کے۔

ملائکہ انبیا سے افضل ہیں

معتزلہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ ملائکہ انبیا علیہم السلام سے افضل ہیں اور وہ اس میں سچے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے اس قاعدے کو اپنے اس بیہودہ قاعدے سے توڑ دیا کہ انھوں نے کہا ہے کہ جو شخص امتحان میں پیش کئے جانے کے بعد جنت میں داخل ہوگا تو وہ اُس سے افضل ہے جس کو شروع ہی سے نعمت دی جائے اور مقرب بنایا جائے۔ ان کے اس قول کے مطابق ہم سب لوگ ملائکہ علیہم السلام سے افضل ہیں اُنھوں نے کہا ہے کہ ملائکہ انبیا سے افضل ہیں تو اس تقریب کی بنا پر اور اس حساب سے یہ ہوگا کہ ہم ملائکہ سے ایک درجہ افضل ہوں گے اور انبیا سے دو درجے افضل ہوں گے۔ اور یہ خالص کفر اور کھلا ہوا تناقض ہے۔

اُن کا یہ کہنا کہ اگر ہم جنت میں پیدا کئے جاتے تو ہمارے لئے ڈرانے دھمکانے کی ضرورت ہوتی۔ ہم بتوفیق الٰہی اُن سے کہتے ہیں کہ کہ اگر یہی ہوتا جو یہ لوگ کہتے ہیں تو یہ امر بھی ہرگز اس سے مانع نہ تھا کہ یہ لوگ جنت ہی میں پیدا کئے جاتے پھر انھیں اُس سے جھنکایا جاتا (یا جھانکنے کا حکم دیا جاتا) کہ یہ دوزخ کو دیکھتے اور اُس کی وحشت وہول وخرابی اور لوگوں کے اُس سے بھاگنے کا معائنہ کر لیتے اُس شخص کی طرح جو غیر کے جاننے پر ہمارے لئے پیش کیا جاتا ہے کہ اندھا کنواں تاریک ہے۔ اگرچہ ہم اس میں قطعاً نہیں پڑے اور نہ اُس کا مشاہدہ کیا جو اس میں پڑا ہو۔ بلکہ بغیر دکھائے صرف اُس کا حال بیان کرنے سے خوف دلانے میں یہ زیادہ موثر ہوتا۔ لیکن جیسا ملائکہ وحور عین کے ساتھ کیا گیا تو ان کے لئے یہ زیادہ باعث شکر وحمد ہوتا اور اُن کے مرتبے پر زیادہ رشک دلانے کا سبب ہوتا۔ اور جو پا چکتے اُس کے چھن جانے کے خوف سے جو کچھ انھیں منع کیا جاتا یہ اُس سے بچنے کے لئے زیادہ موثر ہوتا۔

ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ آیا دخول جنت کے بعد ان کے لئے

یہ مباح ہو گا کہ کفر کریں یا آپس میں مار پیٹ اور گالی گلوج کریں یا ان پر حرام و ممنوع ہو گا۔ اگر ممنوع ہو گا تو انھیں لازم ہو گا کہ وہاں پر بھی ہمیشہ ڈرانے دھمکانے کی ضرورت رہے گی۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ہم اس میں پیدا کئے جاتے تو ہم اسی حال پر ہوتے جس حال پر قیامت کے روز ہوں گے۔ اور کوئی فرق نہ ہوتا۔ ہم سب کے لئے بلاشک اصلح یہی ہوتا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ دنیا ہی کے لئے طاعت کا حکم ہو چکا تھا تو ان سے کہا جائے گا اسی طرح جو لوگ ان میں سے جنت میں ہیں ان کے لئے بھی پہلے سے حکم ہو چکا ہے جیسے ملائکہ۔ اور بالکل یکساں ہے۔ یہ لوگ اس کے قائل نہیں ہیں کہ جنت میں معاصی اور آپس میں مار پیٹ۔ تھپڑ۔ لات۔ اور گالی گلوچ ان کے لئے مباح ہو گی۔ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے کہ اس قول کے رد کی ضرورت ہو۔

اگر وہ ابوالہذیل کے قول کی طرف پناہ لیں کہ اہل جنت مجبور و مضطر ہوں گے مختار نہ ہوں گے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ ہم لوگ بھی اس میں اسی طرح ہوتے۔ جیسا کہ ہم قیامت کے روز اس میں ہوں گے تو بلاشک سب کے لئے یہی اصلح تھا۔ یہ وہ اعتراض ہے جس سے انھیں رہائی نہیں ہو سکتی۔

یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ کفر کریں گے اور ان پر جنت سے نکلنا واجب ہو گا۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ آیا اللہ تعالیٰ کو جو علم ہے وہ اس کے خلاف پر قادر ہے یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں قادر ہے مگر کرے گا نہیں تو انھوں نے اقرار کر لیا کہ اس نے شروع ہی سے جو ہمیں جنت میں پیدا کرنا ترک کیا وہ محض اپنے علم سابق کے جاری کرنے کے لئے تھا جو بلاشک ہمارے لئے اصلح نہ تھا۔ انھوں نے اس حق کی طرف رجوع کر لیا جو ہمارا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سابق کے مطابق تکلیف مالا یطاق دی اور کفر و ظلم کو پیدا کیا اور اس وحدہ لاشریک لہ نے جس پر چاہا انعام کیا۔ اور ان لوگوں نے اپنا قول جو اصلح کے بارے میں ہے

١٠١

ترک کر دیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ اُس کے خلاف کرنے پر قادر نہیں ہے جو اُسے علم ہے تو انھوں نے اُسے متحیز (مکانی) مضطر و عاجز محدود القوۃ ضعیف القدرۃ حادث بنا دیا اور اپنے سے بھی زیادہ بری حالت میں کر دیا۔ اور یہ کفر ہے اور قرآن و اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔ نعوذ باللہ من الخذلان۔

ہم معتزلہ سے دریافت کرتے ہیں کہ زمین کے کیڑے مکوڑے درندے کتے بلی کھٹمل کیڑوں میں کونسی مصلحت تھی جو انھیں حشرات پیدا کیا، انسان پیدا نہیں کیا کہ مکلف ہوتے اور دخول جنت کے لئے پیش کئے جاتے۔ اگر وہ کہیں کہ اُنھیں آدمی بناتا تو وہ کفر کرتے تو اُن سے کہا جائے گا کہ اُس نے کفار کو تو آدمی بنایا ہے اور انھوں نے کفر کیا۔ ان کے لئے اُس نے کیوں نہ غور کر لیا جیسا کہ کیڑوں مکوڑوں کے لئے غور کر کے اُنھیں کیڑا مکوڑا بنایا تاکہ وہ کفر نکریں۔ تمھارے قول کے مطابق ان کے لئے اصلح ہوتا۔ اور اس سے بھی رہائی نہیں ہو سکتی۔

ہم معتزلہ سے دریافت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تم نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لطف (مہربانی) پر قادر نہیں کہ اگر وہ اُسے کفار پر کر دے تو وہ سب ایسا ایمان لے آئیں کہ اُس سے جنت کے مستحق ہو جائیں۔ لیکن وہ اس پر قادر ہے کہ اُنھیں ایمان پر مضطر و مجبور کر دے۔ تو اپنے اُس ایمان کے متعلق خبر دو کہ جس کی وجہ سے تم ثواب کے مستحق ہو تو آیا تمھارے نزدیک اُس میں شک کی آمیزش ہے یا کسی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ وہ تمھارے نزدیک باطل ہو؟ اگر وہ کہیں کہ ہاں اُس میں شک کی آمیزش ہے اور ممکن ہے کہ وہ باطل ہو، تو انھوں نے خود اپنے اوپر کفر کا اقرار کر لیا۔ اور ہمیں اپنی مشقت سے بے نیاز کر دیا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ نہ تو اُس میں شک کی آمیزش ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ باطل ہو، تو ہم اُن سے کہیں گے کہ بعینہٖ یہی تو اضطرار ہے۔ عالم میں ضرورت اس کے سوا کوئی چیز نہیں۔ جو صرف ایسی معرفت ہے

جس میں شک کی آمیزش نہ ہو، جس چیز کو اس کے ذریعے سے پہچانا ہے
اُس میں اختلاف ممکن نہ ہو۔ علم ضرورت خود یہی ہے۔ اور جو اس کے علاوہ ہے
وہ ظن وشک ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ضروری تو وہ ہے جو حواس سے معلوم ہو یا
اول عقل سے معلوم ہو، جو اس کے علاوہ ہے وہ استدلال سے معلوم
ہوتا ہے۔ ہم کہیں گے کہ یہ دعویٰ فاسد ہے۔ اس لئے کہ بغیر برہان کے
ہے اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔ ہماری تقسیم تو وہ حق ہے جو ضرورۃً معلوم
ہوتی ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم معتزلہ سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا عالم کے لئے کیا اصلح تھا
کہ وہ درندوں، سانپوں اور موذی جانوروں سے بری رہے یا یہ کہ یہ اس میں
رہیں جیساکہ وہ اب لوگوں جانوروں اور بچوں پر مسلط ہیں؟ اگر وہ کہیں کہ
اللہ تعالیٰ نے سانپوں اور درندوں کو ایسا ہی پیدا کیا ہے جیسے کنواں اور
کھیت۔ اور یہ کفار کو تنبیہ کرنے والے ہیں۔

یہ عجیب جنون ہے جس کے پیدا ہونے سے نامراد اور مخذولین کی
جماعت جو معتزلہ کے نقش قدم پر چلتی ہے اس امر میں گمراہ ہوگئی کہ ان لوگوں
نے اللہ تعالیٰ کے فعل کی اسی طرح گرفت کی ہے جس طرح اُن منانیہ ومجوس
نے کی ہے جنہوں نے معبود و خالق کو غیر حکیم اور غیر عادل بنایا ہے۔

ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ جیساکہ تم کہتے ہو اگر یہی مصلحت تھی تو مصلحت
کا بکثرت ہونا ہی اصلح اور زجر وتخویف میں زیادہ مؤثر ہے۔ معتزلہ کے
یہ سب دعوے حماقت ومکابرہ ہیں جو بغیر برہان کے ہیں۔ اس کے
بارے میں ان لوگوں کے جوابات منانیہ ومجوس واصحاب تناسخ سے زیادہ
صحیح نہیں ہیں۔ بلکہ سب کے سب ایک ہی میدان میں جاری ہیں کہ
سب کے سب فاسد دعوے ہیں جو بغیر برہان کے ہیں بلکہ برہان سے
ٹوٹ جاتے ہیں سب کے سب ایک ہی اصل کی طرف راجع ہیں اور وہ
اللہ تعالیٰ کے افعال کی علت بیان کرنا ہے جن کے لئے کوئی بھی علت
نہیں اور اُس پر اسی طرح حکم لگانا ہے جس طرح اُس کی مخلوق پر نیک وبد کا

حکم لگایا جاتا ہے۔ اللہ اس سے برتر ہے۔

خاص طور پر اصلح کے ماننے والوں سے کہا جائے گا کہ تم جو عصمت کی دعا کرتے ہو تو اس کے کیا معنی ہیں۔ تم یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو بھی اسی طرح محفوظ کیا جس طرح مومنین کو محفوظ کیا۔ مگر کفار نہ بچے۔

تم جو خذلان و نامرادی سے بچانے کی اور رغبت و توفیق کی دعا کرتے ہو تو اس کے کیا معنی ہیں حالانکہ تم کہتے ہو کہ اللہ نے جو کچھ تمہیں عطا کر دیا اب اس سے بہتر اس کے پاس نہیں ہے اور جو کچھ وہ تمہارے ساتھ کر چکا اب اس پر اضافہ کرنا اس کی قدرت سے باہر ہے۔

تم جو توبہ کی دعا کرتے ہو تو اس کے کیا معنی ہیں حالانکہ تم اس پر یقین رکھتے ہو کہ اس بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ عطا کر دیا ہے اس سے ایک بال بھر زائد تمہاری اعانت کرنے پر وہ قادر نہیں ہے تو کیا اس معاملے میں تمہاری دعا ضلال (رائیگاں) اور ہزل (بیہودہ) اور ہذیان نہیں ہے۔ جس طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ وہ اسے اولاد آدم میں کر دے (حالانکہ وہ پہلے ہی سے اولاد آدم میں ہے) یا نبی کو نبی کر دے یا پتھر کو پتھر کر دے۔ کیا ان دونوں امور میں۔ کوئی فرق ہے؟

اگر وہ کہیں کہ دعا تو وہ عمل ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام بھی بلاشک اس کے افعال کے منجملہ ہیں۔ تمہارے نزدیک اس کے افعال اسی قاعدے پر جاری ہیں جو عقل کے نزدیک حسب دستور ہم لوگوں میں اچھا برا ہے اور اس پر جاری ہیں جو تمہارے نزدیک حکمت ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ بظاہر یہ کسی طور پر بھی اچھا نہیں ہے کہ کوئی کسی کو یہ حکم دے کہ وہ اس سے اس چیز کی خواہش کرے جو اس کے قبضے میں نہیں ہے یا جو چیز وہ اسے دے چکا ہے۔ یہ دونوں صورتیں عبث و حماقت ہیں۔ حالانکہ وہ متفقہ طور پر اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا حکم دیا ہے۔

۱۰۲

اور اُس کا فعل یعنی اُس کا انھیں اپنے سے دعا کا حکم دینا یا تو اُس چیز کے متعلق ہے جس میں ان کے نزدیک اُسے قادر نہ کہا جائے گا یا اُس چیز کے متعلق ہے جو وہ انھیں دیچکا ہے۔ یہ حکم ان کے نزدیک عدل وحکمت ہے انھوں نے بلاشک اپنے قاعدۂ فاسدہ کو توڑ ڈالا۔ ہم لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ دعا وہ عمل ہے جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جو اُسی چیز کا حکم ہے جس پر وہ قادر ہے۔ اگر وہ چاہے ہمیں عطا کردے، اگر چاہے تو ہم سے اُسے روک لے، اُس کے حکم کے بعد کوئی حکم دینے والا نہیں، نہ اُس سے اُس کے فعل کی باز پرس ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اُس کتاب میں جو اُس نے ہم پر نازل کی ہے، اپنے اس قول سے ابتدا کی ہے، اُس میں ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم یہ کہیں جس سے وہ ہم سے راضی ہوگا کہ "اهدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیهم۔ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین" (اے اللہ راہ راست کی ہدایت کر۔ جو اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تو نے فضل وانعام کیا ہے۔ جو اُن کی راہ نہیں ہے جن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ ان کی ہے جو گمراہ ہیں۔) اُس نے اپنی کتاب کو اسی طرح ختم کیا ہے کہ ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم یہ کہیں جس سے وہ راضی ہوگا۔ قل اعوذ برب الناس ملك الناس اله الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس" (کہو کہ میں انسانوں کے رب سے پناہ مانگتا ہوں جو لوگوں کا بادشاہ ہے لوگوں کا معبود ہے شیطان کے بہکانے کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے یہ جن وانس کے بہکانے سے)۔ یہ بیان ان کہنے والوں کی تکذیب میں نہایت واضح ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کر دیا اُس کے پاس اُس سے اصلح وبہتر نہیں ہے اور وہ شیطان کا وسوسہ روکنے پر اور کفار کی اُس ہدایت پر قادر نہیں ہے جس سے یہ ایسے ثواب کے مستحق ہوسکیں جیسا کہ اس نے ہدایت یافتہ لوگوں سے وعدہ کیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ

وہ خود چاہتا ہے کہ ہماری مدد کرے اور اُس راہ کی ہدایت کرے جو ان لوگوں کی ہے جن کو اُس نے اپنی نعمت سے مخصوص کیا ہے اور وہ گمراہ نہیں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہدایت مذکورہ پر قادر نہ ہوتا اور اُس کے پاس اس کے لئے ایسی مدد نہ ہوتی جو وہ اُسی کو عطا کرتا جس کو چاہتا نہ کہ اُس شخص کو جسے نہ چاہتا، اُس نے ایک قوم پر بذریعہ ہدایت انعام نہ کیا ہوتا اور دوسروں کو انعام سے محروم نہ کیا ہوتا تو وہ ہرگز ہمیں حکم نہ دیتا کہ اس سے وہ چیز مانگیں کہ جس پر وہ قادر نہیں ہے یا جو عطا کر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وہ وسوسۂ شیطان کے پھیر دینے پر قادر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اُسے جس سے چاہے نہ پھیر سکتا تو ہرگز ہمیں یہ حکم نہ دیتا کہ ہم اُس سے ایسی چیز سے پناہ مانگیں جس پر وہ قادر نہیں ہے یا جس سے وہ ہمیں اب تک پناہ دے چکا ہے۔

اس سے انھیں ہرگز رہائی نہیں ہو سکتی۔ ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ گنہگاروں کے لئے اس میں کونسی مصلحت ہے کہ اُس نے ان کی بعض حرکات وسکون کو تو کبائر قرار دیا ہے جس پر وہ دوزخ کے مستحق ہوں گے اور ان کے بعض حرکات وسکون کو صغائر قرار دیا ہے جو معاف کر دیئے جائیں گے۔ حالانکہ اصلح یہی تھا کہ سب کو صغائر قرار دیتا تاکہ وہ معاف کر دیئے جاتے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ یہ زیادہ معاصی سے روکنے اور ڈرانے والا ہے اور اصلح ہے۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ جب یہ ایسا ہے جیسا تم کہتے ہو تو پھر سب کو کیوں نہ کبائر قرار دیا جو روکنے اور ڈرانے والے ہوتے اور یہ زجر و خوف میں زیادہ مؤثر ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آیات کثیرہ کی تصریح فرمائی ہے جن میں کسی تاویل کا احتمال نہیں ہے جو اُن لوگوں کی تکذیب میں ہیں جو اپنے رب کو عاجز بنانے والے ہیں۔ انھیں ہرگز کوئی ایسی آیت یا حدیث نہیں مل سکتی جس سے وہ استدلال کر سکیں۔ منجملہ اُن کے یہ آیت ہے۔ "ان ھی الا فتنتك تضل بھا من تشاء و تھدی من تشاء" یہ محض

تیرا فتنہ (امتحان) ہے کہ اس سے تو جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) کیا اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے فتنے سے اصلح و بہتر کوئی چیز نہ تھی جس سے وہ اپنی بعض مخلوق کو گمراہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کفر اور عاجز بنانے سے بری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین جن کے قول کی حکایت فرمائی اور ان کی تعریف فرمائی ہے کہ انہوں نے کہا کہ "وانا لا ندری اشر ارید بمن فی الارض ام اراد بھم ربھم رشداً" (اور ہم یہ نہیں جانتے کہ روئے زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا یا ان کے رب نے ان کے ساتھ نیکی و ہدایت کا ارادہ کیا ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں جن کی تصدیق فرمائی کیونکہ اگر وہ اس کا انکار کرتا تو اُن کے اس قول کو اُن کی تعریف کے ساتھ نہ بیان کرتا۔ یہ ایسی انتہائی صراحت میں ہے کہ جو اس کی مخالفت کرے گا ہلاک ہوگا۔ اس سے ان گمراہ ملحدین کا قول باطل ہوگیا جو اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون و ابلیس کی ہدایت و رشد کا ارادہ کیا۔ اور یہ کہ اس کے پاس اصلح و بہتر نہیں ہے۔ اور وہ ان دونوں کی ہدایت پر ہرگز قادر نہیں ہے۔

فرمایا ہے" ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس" (اور بیشک ہم نے بہت سے جن و انس کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے)۔ اے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ ان لوگوں کے لئے کونسی مصلحت تھی کہ اس نے انھیں جہنم کے لئے پیدا کیا۔ ایسی مصلحت سے اللہ کی پناہ۔ ۱۰۳

فرمایا ہے۔ وقھم السیئات ومن تق السیئات فقد رحمتہ (اور انھیں بدیوں سے بچانا۔ اور اس روز جسے تو بدیوں سے بچائے گا تو تو اس پر رحم کرے گا)۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سیئات (بدیوں) سے بچاتا ہے۔ اور جس پر اس نے رحم کیا وہ وہی ہے۔ جسے اُس نے بدیوں سے بچایا۔ اس لئے کہ جس کو اس نے سیئات سے نہیں بچایا تو اس پر اس نے رحم نہیں کیا۔ بلاشک جس کو اس نے سیئات سے بچایا تو اس نے اس کے ساتھ بہ نسبت اس کے اصلح و بہتر کیا کہ جسے اس نے

اُن سے نہیں بچایا۔
یہ اُس کے اس قول کے ساتھ ہے "ولو شئنا لآتینا کل نفس ھدیٰھا" (اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ضرور اس کی ہدایت دید یتے) "ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا" (اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ضرور ایمان لے آتے) جس شخص کے دماغ میں تھوڑی سی بھی سلامت ہے یا اُس کے چہرے پر ذراسی بھی حیا کی چادر ہے وہ اس میں شک نکرے گا کہ کفار کے لئے یہی اصلح وبہتر تھا اس سے کہ اُنھیں اس ہدایت کے عطا نکرنے سے دوزخ میں داخل کیا جائے اگرچہ جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں وہ جنت میں بلا استحقاق ہی داخل ہو جاتے۔
فرمایا ہے "وحبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔ اولئک ھم الراشدون۔ فضلا من اللہ ونعمۃ۔ واللہ علیم حکیم" (اور اُس نے تمھارے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دیا اور تمھارے دلوں میں اُسے آراستہ بنا دیا۔ اور تمھیں کفر وفسق ونافرمانی سے متنفر بنا دیا۔ یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔ ان پر اللہ کا فضل وانعام ہے۔ اور اللہ علم وحکمت والا ہے)۔ اے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ کجا اللہ تعالیٰ کا فعل ان لوگوں کے ساتھ کہ ہم بھی اُس سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں بھی اُنھیں میں کر دے۔ کجا اُس کا فعل ان لوگوں کے ساتھ جن کے بارے میں اُس نے فرمایا کہ اُس نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، ان کے نزدیک اُن کے اعمال بد کو آراستہ بنا دیا اور اُن کے دلوں کو تنگ وتاریک بنا دیا۔ جو شخص ان دونوں امور کو برابر کرے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان لوگوں کو دیا وہی اُن لوگوں کو دیا۔ اُس نے جو ہدایت واختصاص محمدؐ وابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ ویحییٰ وملائکہ علیہم السلام کو عطا فرمائی وہی ابلیس وفرعون وابوجہل وابولہب کو اور اس کو جس نے ابراہیمؑ سے اُن کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا اور یہود ونصاریٰ ومجوس ومتقبلین وشرط وبغائیین وعوہر کو، اور اُن ثمود کو جنھوں نے وادی میں پتھروں کی چٹانیں کاٹیں اور

اُس فرعون کو اور اُس کی قوم کو بھی عطا فرمائی جنھوں نے مومنین کے ہاتھوں میں میخیں ٹھونکیں جنھوں نے شہروں میں سرکشی و نافرمانی پھیلائی اور ان میں کثیر فساد برپا کیا۔ بلکہ ان سب میں توفیق کے بارے میں مساوات کا برتاؤ کیا اور ان کے لئے اس سے زائد صلاح پر قادر نہ تھا، تو ایسا شخص بے حیا و بددین ہے اور اُس کا جواب صرف یہی آیت ہے "ان ربك لبالمرصاد" (بیشک آپ کا رب گھات میں ہے)۔

فرمایا ہے "کان الناس امة واحدة فبعث الله النبیین مبشرین ومنذرین" (سب لوگ ایک ہی قوم تھے۔ پھر اللہ نے نبیوں کو ڈرانے اور خوشخبری سنانے والا بنا کے بھیجا)۔

کیا چیز اُن کفار کے لئے جو دائمی عذاب دوزخ میں رہیں گے اصلح ومناسب تھی، آیا یہ کہ وہ مومنین کے ساتھ ایک ہی امت رہیں، جن پر کوئی عذاب نہو۔ یا اُن کی طرف رسولوں کا مبعوث کرنا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔ یہ اُن کے ہمیشہ دوزخ میں رکھے جانے کا سبب ہوگا۔

فرمایا ہے "واملی لهم ان کیدی متین" (اور میں انھیں مہلت دیتا ہوں اور بیشک میرا کید و تدبیر بہت پختہ ہے)۔

فرمایا ہے "ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لهم خیر لانفسهم۔ انما نملی لهم لیزدادوا اثما ولهم عذاب مهین" (اور وہ لوگ کہ جنھیں ہم مہلت دیتے ہیں ہرگز یہ گمان نکریں کہ یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ ہم تو محض اس لئے اُنھیں مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ گناہ میں ترقی کریں اور اُن کے لئے توہین کرنے والا عذاب ہے۔)۔

فرمایا ہے "سنستدرجهم من حیث لا یعلمون" (ہم اُنھیں اس طرح مہلت دیتے ہیں کہ وہ جانتے بھی نہیں)۔

یہ نہایت واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اس چیز کا ارادہ کیا اور وہ فعل کیا جس میں ان کے دینوں کی بربادی اور ان کی وہ ہلاکت تھی

جو صلاح کی ضد ہے۔ ورنہ ان کے لئے اس میں کونسی مصلحت تھی کہ انھیں شہروں میں اس طرح مہلت دیدیجاتی کہ انھیں علم بھی نہوتا اور اس میں کونسی مصلحت تھی کہ انھیں مہلت دیجاتی کہ وہ گناہ میں ترقی کریں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ یہ سب کچھ جو اس نے ان کے ساتھ کیا تو اس میں ان کے ساتھ فوری نیکی نہیں ہے۔ لہٰذا ان سب آفت زدہ لوگوں کا قول باطل ہوگیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

فرمایا ہے "واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا" (اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ اس بستی میں نافرمانی کرتے ہیں پھر وہ بستی حکم عذاب کی مستحق ہوجاتی ہے پھر ہم اسے ایسا تباہ کردیتے ہیں جیسا تباہ کرنا چاہیئے) کیا اس کے بعد اس امر کا کوئی اور بیان ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت و بربادی کا ارادہ کیا اور اس نے ان کی صلاح کا ارادہ نہیں کیا پھر اس نے اس کے خوشحال لوگوں کو کچھ احکام دیے جن کی انھوں نے مخالفت کی اور نافرمانی کی پھر جیسا تباہ کرنا چاہیئے۔ تباہ کردیے گئے۔ تو ان کے لئے کون چیز اصلح و مناسب تھی۔ آیا یہ کہ انھیں حکم ہی نہ دیا جائے کہ یہ سلامت رہیں یا یہ کہ انھیں حکم دیا جائے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ حکم کو نہ مانیں گے۔ اور دوزخ میں جائیں گے۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ "امرنا مترفيها" (اسی بستی کے خوشحال لوگوں کو ہم نے حکم دیا) کو اس کے ظاہر پر محمول کرو۔ تو ہم کہیں گے کہ اچھا۔ ہم یہی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس نے انھیں فسق و نافرمانی کرانے کا حکم دیا تھا۔ بلکہ اس نے صرف یہی فرمایا کہ ہم نے انھیں حکم دیا تھا (اور غالباً یہ حکم طاعت و فرمانبرداری کا تھا)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وہ بیہودہ باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ لہٰذا ہمارا ہی قول ثابت ہوگیا۔

فرمایا ہے "وان تتولوا يستبدل قوما غيركم ثم لا يكونوا امثالكم" (اور اگر تم لوگ پشت پھیروگے تو وہ ایک دوسری قوم سے

بدلدے گا جو تمھارے سوا ہوں گے پھر وہ لوگ تمھاری طرح سے نہ ہوں گے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اگر اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پشت پھیریں گے تو ضرور ایک دوسری قوم کو وہ بدلدے گا جو ان کے سوا ہوگی جو ان جیسے نہوں گے۔ ہم ضرورۃً جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے بہتر اشخاص کو مراد لیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے اصلح و بہتر لوگ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

فرمایا ہے "انا لقادرون علی ان نبدل خیرا منہم" (بیشک ہم اس پر قادر ہیں کہ ان سے بہتر لوگوں سے بدلدیں)۔ اور اتنا ہی کافی ہے۔

فرمایا ہے "عسی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن" (اگر ہمارے نبی تمھیں طلاق دیں گے تو اُن کا رب اُن کو ایسی ازواج بدلدیگا جو تم بیویوں سے بہتر ہوں گی)۔ کیا اس امر میں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ جو کچھ کر چکا اس سے اصلح و بہتر کرے اور یہ کہ اُس نے جو کچھ اپنی مخلوق کو عطا کیا اُس کے پاس اُس سے اصلح و بہتر موجود ہے۔ کوئی اور بیان اللہ تعالیٰ کے اس خبر دینے سے زیادہ واضح صریح اور صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ اپنے اُن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اُسے اپنی تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں اُن ازواج سے بہتر ازواج عطا کر سکتا ہے جو اُس نے انھیں عطا کیں۔ حالانکہ وہ ازواج بھی انبیا علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے بہتر ہیں۔

بطلان قول اصلح

اصلح کے ماننے والے بھٹکے ہوئے بیلوں کا یہ قول باطل ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ جو کچھ کردیا وہ اُس سے اصلح و بہتر پر قادر نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس بلا میں انھیں مبتلا کیا ہم اُس سے عافیت کی دعا کرتے ہیں اور اُس سے وہ ہدایت مانگتے ہیں جس سے اُس نے انھیں محروم کردیا۔ حالانکہ وہ اس پر قادر ہے کہ اُن پر بھی اسی ہدایت سے فضل کرے مگر اُس نے ارادہ نہیں کیا۔ اور ہماری توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔

وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

ہماری مذکورۂ بالا اشیا میں سے کسی میں بھی کسی نے اللہ کی قدرت کو روکا تو اُس کے کفر میں کوئی شک نہیں اس لئے کہ اُس نے اپنے رب کو عاجز بنایا اور تمام اہل اسلام کی مخالفت کی۔

کیا خدا ایسا جسم ہے کہ مخلوق کے مشابہ نہیں

معتزلہ نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے پاس اُس سے اصلح وبہتر ہے جو اُس نے ہمارے ساتھ کیا مگر اُس نے وہ ہمیں عطا نہیں کیا۔ وہ بخیل نہیں ہے اُس نے اپنے بندوں کے افعال پیدا کئے۔ ان افعال پر وہ اُن پر عذاب کرے گا اور ظالم نہ ہوگا۔ تو پھر اُس پر انکار واعتراض نکرو جو کہتا ہے کہ وہ جسم ہے اور اپنی مخلوق کے مشابہ نہیں۔ اور وہ خلاف حق کہتا ہے اور کاذب نہیں ہوتا۔

نہیں، یہ مغالطہ ہے

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ وہ جسم ہے۔ اگر وہ اسے کہتا تو ہم بھی اُسے ضرور کہتے۔ یہ اُس کی مخلوق کے ساتھ اُسے تشبیہ دینا نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ وہ خلاف حق کہتا ہے بلکہ اُس نے اسے باطل کیا ہے اور یقین دلایا ہے کہ اُس کا قول حق ہوتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہے جو اُس نے نہیں کہی تو وہ ملحد ہے اور اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانے والا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے پیدا کی اور ہمیں اور ہمارے عمل کو بھی پیدا کیا۔ اگر وہ چاہے تو ہر کافر کو ہدایت کر دے۔ وہ نہ ظالم ہے نہ بخیل اور نہ ممسک۔ ان امور میں جو اُس نے کہا وہی ہم کہتے ہیں ہم وہ نہیں کہتے جو اُس نے نہیں کہا۔ ہم وہی کہتے ہیں جس پر برہان عقلی قایم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے سوا ہر موجود کا خالق ہے اور اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگا جائے وہ اُس پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی کسی صفت کا بھی موصوف نہیں ہے نہ ظلم کا نہ بخل وغیرہ کا۔ ہم وہ نہیں کہتے جس پر برہان عقلی قائم ہے کہ وہ باطل ہے یعنی یہ کہ وہ جسم ہے یا خلاف حق کہتا ہے۔

عقیدۂ اصلح کے ماننے والے ابن بد الغزال شاگرد محمد بن شبیب

شاگرد نظام نے کہا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے الطاف (مہربانیاں) ہیں کہ اگر وہ انھیں کفار کے پاس لے آئے تو وہ اس کے ساتھ ہی ایسا ایمان لے آئیں جس سے ثواب کے مستحق ہو جائیں۔ مگر وہ ثواب جس کے وہ اس پر مستحق ہوں گے جو اُن کے ساتھ کر دیا وہ بہت بڑا اور بہت بہتر ہے اس لئے اس نے انھیں ان الطاف سے محروم رکھا۔

یہ ایک کمزور ملمع کاری و فریب ہے۔ اس لئے کہ ہم نے تو ان سے صرف یہ سوال کیا تھا کہ آیا اللہ تعالیٰ اُن الطاف پر قادر ہے کہ جب اُنھیں کفار کے پاس لے آئے تو وہ ایسا ایمان لے آئیں جس کے سبب سے وہ اس قسم کے ثواب کے مستحق ہو جائیں جس قسم کا ثواب وہ اُن لوگوں کو دیگا جو اب ایمان پر ہیں یا اس سے بھی زائد ثواب کے مستحق ہو جائیں۔ تو لا محالہ یا تو انھیں اپنا قول ترک کرنا پڑے گا یا اپنے رب کو عاجز کہنا پڑے گا۔

ہم بتوفیق الٰہی تمام اصلح کے ماننے والوں سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں یہ بتاؤ کہ ایسے شخص جس نے براہین انبیا کا مشاہدہ کیا اور ایمان نہیں لایا اور جس کے نزدیک یہ براہین تواتر کے نقل کرنے سے ثابت ہوئیں تو آیا معتزلہ کے نزدیک یہ ایسے ثبوت وصحت سے ثابت ہوئیں جن میں شک کی مجال نہیں کہ یہ ایسے شواہد ہیں جو ان حضرات کی نبوت کے صدق کو واجب کرنے والے ہیں۔ یا اُن کے نزدیک یہ صرف ظن غالب اور ایسی صفت سے ثابت ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ تخییل یا سحر ہو یا روایت میں کوئی خرابی ہوئی ہو۔ دو میں سے ایک وجہ ضروری ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ اُن کے نزدیک ایسی صحت سے ثابت ہیں جن میں شک کی مجال نہیں اور یہ اُن کی عقول میں بغیر کسی شک کے ثابت ہیں۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ خود یہی وہ اضطرار ہے کہ عالم میں اس کے سوا اضطرار اور کچھ نہیں۔ اور ہر ایسے شخص کی یہی صفت ہوتی ہے جس کے نزدیک کوئی شے یقینی ثبوت سے ثابت ہو مثلاً وہ شخص جو ایسی خبر پر یقین کرتا ہے جو موتِ فلاں کا علم واجب کر دیتی ہے۔ مثلاً جمل وصفین کا ہونا۔

۱۰۵

اسی طرح عالم کی وہ تمام اشیا جن کا انسان نے اپنے حواس سے مشاہدہ نہیں کیا۔ لہذا یہ سب لوگ اسی بنا پر ایمان پر مضطر ہوئے۔ اس کے مختار نہ ہوئے۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ ان کے نزدیک اُن میں سے کوئی شے بھی صحت کے اس درجے کو نہیں پہنچی۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ پھر ان لوگوں پر حجت نبوت ہرگز قائم نہیں ہوئی اور نہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حجت ان پر ثابت ہوئی۔ اور جو اس حالت میں ہو اُس کا ایمان کو اختیار کرنا محض مستحب ہے اور اُس کی تقلید و اتباع ہے جس کی طرف اُس کا نفس مائل ہو گیا۔ اور جس پر اُس کا گمان غالب ہو گیا۔ اس صورت میں تمام شرائع کا بطلان اور اللہ تعالیٰ کی حجت کا ساقط ہونا ہے۔ اور یہ خالص کفر ہے۔

کفار پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے یا نہیں

اس مسئلے میں متکلمین کا اختلاف ہے۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دین و دنیا کی نعمتیں کفار پر بھی ایسی ہی ہیں جیسی کہ مومنین پر۔ کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ قول فاسد ہے۔ اور بحمد اللہ ہم اس کو ابھی رد کر چکے ہیں۔

ایک دوسرے گروہ نے کہا ہے کہ کفار پر اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت نہیں ہے نہ دین کی نہ دنیا کی۔

ایک اور گروہ نے کہا ہے کہ کفار پر دنیا میں تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے مگر دین کی کوئی نعمت ان پر نہیں ہے۔

اصل الاصول اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر"

(پھر اگر تم لوگ آپس میں کسی شے میں اختلاف کرو تو (فیصلے کے لئے) اُسے اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو بشرطیکہ تم لوگ اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو)۔

انعام الٰہی عام ہے ہم نے یہ پایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اللہ الذی جعل لکم اللیل لتسکنوا فیہ والنہار مبصرا۔ ان اللہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون" (اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اُس میں آرام کرو اور دن کو روشن۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر صاحبِ فضل ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے)۔ اور فرمایا ہے "الذی جعل لکم الارض قرارا والسماء بناء وصورکم فاحسن صورکم ورزقکم من الطیبات ذلکم اللہ ربکم" (جس نے تمہارے لئے زمین کو سکون و قرار دیا اور آسمان کو تعمیر بنایا اور تمھیں صورت عطا کی اور تمھیں کیسا خوبصورت بنایا اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ یہی ہے اللہ جو تمہارا رب ہے)۔

خطاب میں عموم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انعام اُس کی ہر مخلوق پر ہے۔ اور بلا شک اُن لوگوں کے لئے عموم ہے جو لوگ اُس کا شکر کرتے ہیں اور جو کفار ہیں کہ یہ سب منجملۂ مخلوق الٰہی ہیں۔ لیکن اسلام تو سب کے سب اُس کا اقرار کر کے اُس کے شکر گذار ہیں۔ اِس کے بعد شکر گذاری میں ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے ہیں (یعنی کوئی کم شکر گذار ہے کوئی زیادہ)۔

مخلوق میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے شکر کی اُس حد تک پہنچ جائے جو اُس پر واجب ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ دنیا میں کفار پر اللہ تعالیٰ کی ایسی ہی نعمتیں ہیں جیسی کفار پر اور اکثر بعض کفار پر بعض اوقات مومنین سے بھی زیادہ نعمت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "بدلو نعمۃ اللہ کفرا واحلوا قومھم دار البوار جھنم یصلونھا وبئس القرار" (انہوں نے کفر کر کے اللہ کی نعمت کو بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں اتار دیا جس میں وہ خود جائیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے)۔ یہ اُس پر

نص جلی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کفار پر نعمت ہے اور اُنھوں نے کفر کر کے اُسے بدل دیا۔ لہٰذا کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی رائے فاسد سے کلام الٰہی کا مقابلہ کرے۔

لیکن دین میں اللہ تعالیٰ کی نعمت تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس رسول بھیجے جو اُنھیں اللہ کی مرضی کی طرف ہدایت کرنے والے تھے۔ یہ نعمت بھی بلاشک عام ہے۔ جب ان لوگوں نے کفر کیا اور اس بارے میں اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا تو اُنھیں اُس نے زوال نعمت و مصیبت کی سزا دی جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے " لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیر وا ما بانفسھم " (بیشک اللہ تعالیٰ اُس چیز کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کے ساتھ ہوتی ہے یہاں تک کہ وہی اُسے بدل دیتے ہیں جو اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے اور وہی ہمیں کافی ہے۔ اور کیسا اچھا کارساز ہے۔

ایمان وکفر وطاعت ومعاصی ووعدو وعید

ایمان کی ماہیت ماہیت ایمان میں لوگوں کا اختلاف ہے۔

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ ایمان صرف اللہ تعالیٰ کا قلب سے پہچاننا ہے۔ فقط اگرچہ وہ یہودیت و نصرانیت اور تمام قسم کے کفر اپنی زبان اور اپنی عبادت سے ظاہر کرے۔ مگر جب وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے قلب سے پہچان لے تو وہ مسلم ہے اور جنتی ہے۔ یہ قول ابو محرز الجہم بن صفوان و ابوالحسن الاشعری البصری اور ان دونوں کے اصحاب کا ہے۔ ۱۰۶

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ ایمان۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنا ہے

اگرچہ وہ اپنے دل میں کفر کا اعتقاد رکھے۔ جب اُس نے ایسا کیا تو وہ مومن اور جنتی ہے۔ یہ قول محمد بن کرام السجستانی اور ان کے اصحاب کا ہے۔

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ ایمان۔ دل سے پہچاننا اور ساتھ ہی ساتھ زبان سے بھی اقرار کرنا ہے۔ جب کسی شخص نے دین کو اپنے قلب سے پہچان لیا اور اپنی زبان سے اقرار کر لیا تو وہ کامل ایمان واسلام والا مسلم ہے۔ اعمال کا نام ایمان نہیں ہے۔ وہ شرائع ایمان ہیں یہ قول ابو حنیفہ نعمان بن ثابت فقیہ اور فقہا کی ایک جماعت کا ہے۔

بقیہ فقہا واصحاب حدیث اور معتزلہ وشیعہ اور تمام خوارج کا مذہب یہ ہے کہ ایمان قلب سے دین کا پہچاننا اور زبان سے اُس کا اقرار کرنا اور اعضا سے عمل کرنا ہے۔ ہر طاعت وعمل خیر خواہ فرض ہو یا نفل وہ ایمان ہے۔ انسان جسقدر خیر میں ترقی کرے گا اُسی قدر اُس کے ایمان میں ترقی ہو گی۔ جب معصیت کرے گا اُس کا ایمان کم ہو جائے گا۔

محمد بن زیاد الحریری الکوفی نے کہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرے تو نہ وہ علی الاطلاق مومن ہے اور نہ علی الاطلاق کافر۔ لیکن وہ ساتھ ساتھ مومن بھی ہے اور کافر بھی۔ مومن اس لئے کہ وہ اللہ پر ایمان لایا۔ اور کافر اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے۔

ایمان صرف تصدیق ہے

جہمیہ اور کرامیہ اور اشعریہ اور جن کا مذہب ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق ہے ان سب کی ایک ہی حجت ودلیل ہے اور وہ یہ کہ ان لوگوں نے کہا ہے کہ قرآن بالکل واضح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے اور لغتِ عرب ہی میں ہمیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کیا ہے۔ لغت میں ایمان صرف تصدیق ہے۔ اعضا سے عمل کرنے کا نام لغت میں تصدیق نہیں ہے لہذا وہ ایمان نہیں ہے۔ ایمان توحید ہے۔ اعمال کا نام توحید نہیں ہے۔ لہذا وہ ایمان نہیں ہیں۔ اور اگر اعمال توحید وایمان ہوتے تو جو شخص ان میں سے کچھ بھی ترک کرتا تو وہ ایمان کو ترک کرتا۔ ایمان سے جدا ہو جاتا اور لازم آتا کہ وہ

مومن نہ ہو۔ یہ حجت خاص طور پر اصحابؓ حدیث کو لازم آتی ہے۔ خوارج و معتزلہ کو لازم نہیں آتی اس لئے کہ یہ لوگ اعمال کے ضائع کرنے سے بالکل ایمان چلے جانے کے قائل ہیں۔

سوائے دلیل مذکورۂ بالا کے ان کے لئے اور کوئی حجت نہیں ہے۔ ان لوگوں نے جو کچھ بیان کیا اس میں ان کے لئے قطعاً کوئی حجت نہیں اس لئے کہ ہم انشاء اللہ بیان کرتے ہیں۔

تصدیق کی تکذیب لغت میں ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں۔ یہ اشعریہ و جہمیہ و کرامیہ پر حجت ہے جو پورے طور پر ان کے اقوال کی باطل کرنے والی اور کافی ہے کہ اس کے ساتھ کسی اور دلیل کی حاجت نہیں۔ اُن کا یہ قول کہ جس لغت میں قرآن نازل ہوا اُس میں ایمان تصدیق ہے مگر جیسا انھوں نے کہا علی الاطلاق ایسا نہیں ہے اور بغیر تصدیق زبان کے تصدیق قلب کا نام لغت عرب میں ہرگز ایمان نہیں رکھا گیا۔ اور کبھی کسی عربی نے نہیں کہا کہ جو شخص اپنے قلب سے کسی چیز کی تصدیق کرے اور اپنی زبان سے اُسی کی تکذیب کرے تو ہرگز اُسے اُس چیز کا تصدیق کرنے والا اور اُس پر ایمان رکھنے والا نہ کہا جائے گا۔ اور نہ علی الاطلاق صرف تصدیق زبان کا نام بغیر تصدیق قلب کے لغت عرب میں ایمان رکھا گیا۔ لغت عرب میں تصدیق و ایمان مطلقاً اُسی کا نام رکھا جائے گا جو کسی چیز کی تصدیق اپنے دل و زبان دونوں سے کرے۔ لہٰذا اشعریہ و جہمیہ کا جو تعلق لغت عرب سے تھا وہ بالکل باطل ہو گیا۔

جو ابو حنیفہ کے اس مذہب پر چلتے ہیں کہ ایمان صرف زبان و دل دونوں سے تصدیق کرنا ہے اور اس میں لغت سے استدلال کیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ تمہارا لغت سے جو استدلال ہے اس میں تمہارے لئے ہرگز کوئی حجت نہیں۔ اس لئے کہ لغت میں تو بداہتہً یہ واجب ہے کہ جو شخص کسی شے کی تصدیق کرے تو وہ اُس پر ایمان لانے والا ہے۔ تم اور اشعریہ اور جہمیہ اور کرامیہ سب کے سب ایمان کا نام ہر اُس شخص پر واقع کرتے

اور اطلاق کرتے ہو جو کسی شے کی بھی تصدیق کرے۔ اُس کا اطلاق تمام صفات کو چھوڑ کر صرف صفت محدودہ پر کرتے ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ہر اُس چیز کی جسے قرآن نے بیان کیا ہے اور دوبارہ زندہ ہونے کی اور جنت دوزخ کی اور نماز وزکوۃ وغیرہ کی جس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ جو ان سب کی تصدیق نکرے وہ مومن نہیں۔ حالانکہ یہ لغت کے بالکل خلاف ہے۔

۱۰۷ اگر وہ یہ کہیں کہ اس کو شریعت نے ہم پر واجب کیا ہے تو ہم کہیں گے کہ تم نے سچ کہا۔ اس جگہ لغت سے استدلال نکرو جہاں شریعت نے کسی اسم کو اُس کے لغت کے موضوع سے منتقل کرلیا ہے۔ جیسا کہ تم نے ابھی کیا بالکل اسی طرح اور کوئی فرق نہیں۔

ان لوگوں نے جو کہا اگر یہ صحیح ہوتا تو لازم آتا کہ اسم ایمان کا اطلاق ہر اُس شخص پر کیا جائے جو کسی شے کی بھی تصدیق کرے اور جنہوں نے الوہیت ابن منصور حلاج کی اور الوہیت مسیح کی اور الوہیت اصنام کی تصدیق کی وہ سب ضرور مومن ہوتے۔ اس لئے کہ یہ سب لوگ اُس چیز کے تصدیق کرنے والے ہیں جس کی انہوں نے تصدیق کی ہے۔ یہ وہ امر ہے جس کا کوئی ایسا شخص قائل نہیں جو اسلام کی طرف منسوب ہے بلکہ اس کا قائل سب کے نزدیک کافر ہے اور قرآن نے اس شخص کے کفر پر تصریح کی ہے جو اس کا قائل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ویریدون ان یفرقوا بین اللّٰہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا۔ اولئک ہم الکافرون حقا۔" (اور یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان میں فرق کریں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار و کفر کرتے ہیں۔ اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان میں راستہ اختیار کریں۔ یہ لوگ حقیقی کافر ہیں) اللہ تعالیٰ نے یہ شہادت دی کہ ایک قوم کے لوگ بعض رسولوں پر اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

لہذا اس کے ہوتے ہوئے اُن پر اسم ایمان کا اطلاق کرنا بالکل جائز نہیں بلکہ قرآن کی تصریح کے مطابق ان کے لئے اسم کفر واجب کر دیا ہے۔

محمد بن زیاد الحریری کا قول ان تمام جماعتوں کو بمقتضائے لغت و بموجب لغت لازم آتا ہے جس سے یہ لوگ بچ نہیں سکتے۔ حالانکہ یہ وہ قول ہے جس کے کفر خالص ہونے اور خلاف قرآن ہونے میں دو مسلمانوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ ان تمام گروہوں کا لغت سے جو استدلال تھا وہ بالکل باطل ہو گیا۔ لیکن اُن کا یہ کہنا کہ اگر عمل کا نام ایمان رکھا جائے تو جو شخص اُس میں سے کچھ بھی ترک کرے گا تو وہ ایمان کو ضائع کرے گا۔ اور لازم آئے گا کہ وہ مومن نہ ہو۔

ان میں سے بعض سے جنھوں نے مجھے یہ الزام دیا تھا میں نے ایک بات کہی جس کی تفسیر و تفصیل یہ ہے کہ ہم لوگ شریعت کی کسی چیز کا نام نہیں رکھتے بجز اس کے کہ یا تو اللہ تعالیٰ ہی ہمیں اُس کا نام رکھنے کا حکم دے یا بذریعۂ نص ہمارے لئے اُس کا نام رکھنا مباح کر دے۔ اس لئے کہ ہم بغیر اُس وحی کے جو اُس پاس سے وارد ہوئی یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جو شخص شریعت کی کسی شے کا نام بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے رکھے اُس کے قول کے انکار کے طور پر فرماتا ہے "ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم وآباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطان۔ ان یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس۔ ولقد جاءھم من ربھم الھدی۔ ام للانسان ما تمنی" (یہ تو محض وہ نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔ یہ لوگ محض اپنے خیال و ہوائے نفسانی کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔ انسان کے لئے وہ چیز (لازمی) نہیں ہے جس کی وہ تمنا کرے)۔ اور فرمایا ہے "وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملئکۃ فقال انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صادقین۔ قالوا سبحانک لا علم لنا

الاما علمتنا" (اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام نام تعلیم فرما دیئے پھر ان کو ملائکہ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ان اشیا کے نام بتاؤ۔ ملائکہ نے کہا کہ تو پاک ہے ہمیں اس کے سوا کوئی علم نہیں جس کی تجھی نے ہمیں تعلیم دی) ۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ تو کسی فرشتے کو نام مقرر کرنا جائز ہے نہ کسی انسان کو ۔ اور جو اس کی مخالفت کرے تو اُس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اور جھوٹ کہا اور قرآن کی مخالفت کی۔ چنانچہ ہم لوگ تو صرف اُسی کو مومن کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مومن بتایا۔ اور ایمان کے ثابت ہونے کے بعد ہم اس کو صرف اُسی سے ساقط کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے ساقط کیا۔ اور ہم پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن بعض اعمال کا نام ایمان رکھا ہے اُن کے تارک سے اسم ایمان کو ساقط نہیں کیا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی جائز نہیں کہ ہم اس کی وجہ سے اس کو اسے ساقط کریں۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اس نے بعض ایمان ضائع کر دیا اور کل ایمان ضائع نہیں کیا۔ جیسا کہ نص آئی ہے جس کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔ ابو محمد کہتے ہیں کہ ان گروہوں نے جو فریب کاری کی تھی جب وہ بالکل ساقط ہو گئی اور ان کے لئے قطعاً کوئی حجت نہیں رہی تو اب ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد و تائید سے اُس قول صحیح کی حجت کو تفصیل سے بیان کرنا چاہیئے جو جمہور اہل اسلام کا اور اہل سنت کا اور اصحاب آثار کا مذہب ہے کہ ایمان عقد (اعتقاد) و قول و عمل ہے۔ اور اس اجمال کی وہی تفصیل ہے جس سے ہم نے مرجیۂ کے قول کی تنقید کی ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ ابو محمد کہتے ہیں کہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ایمان کی اصل لغت میں یہ ہے کہ کسی شے کی دل و زبان دونوں سے تصدیق کرنا۔ خواہ یہ تصدیق کرنے والا کسی شے کی بھی تصدیق کرے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر لفظ ایمان کو اس پر واقع کیا ہے۔ دل سے محدود و مخصوص و معروف اشیاء کا اعتقاد ہے نہ کہ ہر شے کا اعتقاد۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو خاص ان اشیا کے زبان سے اقرار کرنے پر بھی

واقع کیا ہے ۔ نہ کہ ان کے ماسوا پر۔ اور نیز اعضا کے اعمال پر بھی اسے
واقع کیا ہے جو صرف اُس کی طاعت سے متعلق ہوں ۔ لہذا کسی کو یہ جائز نہیں
کہ وہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے اور جو حکم دیا ہے اس میں اُس کے
خلاف کرے ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ لغت واہل لغت کا خالق ہے اور وہی
اُس کے بدلنے پر اور اُس کے اسما کو جس پر چاہے واقع کرنے پر پورے
طور پر مختار و مالک ہے ۔ اور اُس شخص سے زیادہ عجیب کوئی نہیں جو امرالقیس
یا زہیر یا جریر یا حطیئہ یا طرماح کا یا کسی اسدی یا سلمی یا تمیمی اعرابی کا یا بقیہ
اہل عرب میں سے کسی ایسے شخص کا جو اپنے پس پشت موتنے والا ہے
کوئی لفظ کسی شعر یا نثر میں پاتا ہے تو اُسے لغت میں داخل کر لیتا ہے اور
اُس کا یقین کر لیتا ہے اور اُس میں کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ
کا جو خالق لغات واہل لغات ہے کوئی کلام پاتا ہے تو اُس کی طرف التفات
نہیں کرتا اور نہ اُسے حجت قرار دیتا ہے ۔ اور اُسے اُس کے ظاہر سے
پھیرنے لگتا ہے اور اُس کے مقامات سے بدل دیتا ہے اور جس چیز پر
اللہ تعالیٰ نے اُسے واقع کیا ہے اُس سے اُسے بدلنے میں حیلے کرتا ہے
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کلام پاتا ہے تو اس کے ساتھ بھی
یہی کرتا ہے ۔ حالانکہ خدا کی قسم ۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم
قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نبوت سے سرفراز کرے مکے میں اپنی
نوجوانی کے زمانے میں بلاشک ہر تھوڑی سی بھی عقل رکھنے والے کے
نزدیک بھی اپنی قوم کی لغت کے سب سے زیادہ عالم اور اُس لغت میں
سب سے زیادہ فصیح تھے ۔ اور اس کے زیادہ مستحق تھے کہ آپ اس
لغت کے متعلق جو کچھ بھی کلام کریں وہ ہر خندفی وقیسی وربیعی وایادی وتیمی
وقضاعی وحمیری سے زیادہ حجت ہو ۔ چہ جائیکہ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ
نے آپ کو ڈرانے کے لئے مخصوص فرمایا۔ اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان
میں واسطہ ہونے کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ کی زبان پر اپنا کلام جاری
فرمایا اور اُس کی اور جو کچھ آپ بتائیں سب کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ پھر اُس کی

گمراہی سے زیادہ کس کی گمراہی ہوگی جو لبید بن ربیعہ بن مالک بن جعفر بن کلاب کو یہ کہتے سنے۔

فعلت فروع الایھقان واطفلت ، بالجلھتین ظباؤھا ونعامھا

(ایھقان کی شاخیں کام کر کے ہٹ گئیں۔ اب وہاں جانوران صحرائی پھر رہے ہیں)۔

اور اس کو حجت قرار دے ۔حالانکہ ابوزیاد الکلابی کہتا ہے کہ میں نے کبھی نہیں جانا کہ عرب نے "الایھقان" کہا ہو۔حالانکہ یہ وہی "اللھق" ہے جو مشہور مکان ہے۔ اور ابن احمر کا قول سنے کہ کناہ نقلق عن ماموسته الحجر (ہم پتھر کی آگ ۔ماموسہ ۔سے اُسے نکالتے تھے) حالانکہ علمائے لغت کہتے ہیں کہ عرب میں سوائے ابن احمر کے کوئی بھی ایسا شخص نہ معلوم ہوسکا جس نے آگ کو ماموسہ کہا ہو۔ مگر یہ شخص اسے حجت قرار دیتا ہے اعراب میں سے اُس شخص کے قول کو جو یہ کہے کہ "ھذا جحر من خرب" اور تمام وہ الفاظ جو لغات معہودہ و مقررہ میں شاذ و نادر ہیں اُن کو جائز رکھتا ہے۔ اگر ہم ان کے ذکر کی تکلیف گوارا کریں اور ان میں سے ہر ایک سے استدلال کریں تو ایسے لغات بہت ہوں گے۔ پھر یہ شخص لفظ ایمان کے اس پر واقع کرنے سے باز رہتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن عبداللہ القرشی نے واقع کیا جن کی رضاعت بنی سعد بن بکر میں ہوئی۔ اس میں ہر باطل اور ہر حماقت اور ہر مخالف مشاہدہ امر سے مکابرہ کرتا ہے ۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

ایمان بمعنی اعمال دیانت وامانت

اُن آیات میں سے کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اسم ایمان کو اعمال دیانت وعبادت پر واقع کیا ہے ایک یہ آیت ہے "ھوالذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم" (اللہ وہی ہے جس نے مومنین کے قلوب میں سکینہ اور اطمینان نازل کیا تاکہ اُن کے ایمان کے ساتھ ایمان زیادہ ہو)۔

ایمان میں کمی وبیشی ممکن نہیں

کسی شے کی تصدیق میں خواہ وہ کوئی شے بھی ہو،

کمی بیشی کا واقع ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ اسی طرح توحید ونبوت کی تصدیق ہے کہ اس میں بھی کمی بیشی ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ اس لئے کہ ہر وہ شخص جو اپنے قلب میں کسی شے کا معتقد ہے یا اپنی زبان سے اُس کا مقر ہے خواہ کسی شے کا بھی اعتقاد ہو اور خواہ کسی شے کا بھی اقرار ہو اُس کی تین صورتیں ہیں جس کے لئے چوتھی صورت ناممکن ہے۔ یا تو وہ جس کا معتقد ہے اُس کی تصدیق کرتا ہے یا اُس کی تکذیب کرتا ہے۔ یا ان دونوں کی درمیانی حالت میں ہے جس کا نام شک ہے۔

یہ محال ہے کہ انسان اُس چیز کی تکذیب کرے جس کی وہ تصدیق کرتا ہے۔ یہ بھی محال ہے کہ کوئی شخص اُسی میں شک کرے جس کی وہ تصدیق کرتا ہے۔ لہٰذا صرف یہی ایک صورت رہ گئی کہ وہ بلا شک اُس چیز کا تصدیق کرنے والا ہے جس کا وہ معتقد ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک کی تصدیق دوسرے کی تصدیق سے زیادہ ہو۔ اس لئے کہ دو میں سے کسی ایک تصدیق میں جب کوئی خلل آجائے گا تو ہر صحیح الحواس یہ جانتا ہے کہ وہ تصدیق کی حد سے نکل جائے گی اور شک ہو جائے گی۔ اس لئے کہ تصدیق کے یہی معنی ہیں کہ اُس شے کے وجود کی صحت وثبوت کا یقین کرے اور قطعی جانے جس کی اُس نے تصدیق کی ہے۔ اس صفت میں ایک کے دوسرے سے بڑھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اگر وہ اُس صحت کو قطعی ویقینی نہ جانے تو اُس نے اس میں شک کیا اور وہ اُس کا تصدیق کرنے والا نہوا۔ پھر وہ اُس کا مومن نہیں ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان میں جس زیادت وبیشی کا ذکر کیا ہے وہ زیادت وبیشی ہرگز ایمان میں نہیں ہے۔ اور نہ وہ قطعاً اعتقاد میں ہے۔ بس وہ لامحالہ غیر تصدیق میں ہے۔ اور یہاں اعمال کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ اعمال نیک بھی بنصِ قرآن ایمان ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "فاما الذین آمنوا فزادتھم ایماناً" (لیکن جو لوگ ایمان لائے ہیں قرآن ان کے ایمان میں بیشی وزیادت کرتا ہے)

اور یہ قول ہے " الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوهم فزادهم ایمانا " (غزوۂ اُحد کی شکست کے بعد) جن لوگوں نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ (کافر) لوگ تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں تو تم اُن سے ڈرو۔ مگر اس سے اُن کا ایمان بڑھ گیا)۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ یہاں زیادتِ ایمان کے یہی معنی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان لوگوں نے اس کی تصدیق کی لہذا اس کے نزول نے ان کے ایمان کو زیادہ کیا جو ایک ایسی آنے والی شے کی تصدیق ہے کہ ان کے پاس نہ تھی ۔ بتوفیق الہی ان سے کہا جائے گا کہ یہ محال ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں نے اپنے ابتدائے اسلام ہی میں یہ اعتقاد کر لیا تھا کہ وہ ہر اُس شے کی تصدیق کرنے والے ہیں جو اُن کے پاس اُن کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام لائیں گے ۔ لہذا نزولِ آیت نے اُن میں کسی ایسی تصدیق کی زیادت نہیں کی جس کے وہ معتقد نہ تھے ۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ان کا وہ ایمان جسے آیات نے بڑھایا ان آیات پر وہ عمل ہے جس کو اُنھوں نے کبھی نہیں کیا تھا اور نہ اسے جانا تھا اور نہ اس کی تصدیق کی تھی ۔ نہ یہ ان کے لئے جائز تھا کہ اس کا اعتقاد کریں اور اُس پر عمل کریں بلکہ ان پر فرض تھا کہ اُسے ترک کریں اور اُس کے وجوب کی تکذیب کریں ۔ زیادت تو صرف کمیتِ (مقدار) عدد میں ہوتی ہے نہ کہ کسی اور شے میں ۔ اعتقاد کے لئے نہ کمیت ہے نہ عدد (ہاں اُس کے لئے کیفیت ہے) کمیت وعدد صرف اعمال واقوال میں ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ تمھارا ان آیات کی تلاوت کرنا ہی زیادتِ ایمان ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ تم نے سچ کہا اور یہی ہمارا قول ہے ۔ تلاوت تو عضوِ زبان کا عمل ہے ۔ جس کا اعتقاد کیا گیا ہے اُس کا اقرار نہیں ہے۔ لیکن یہ ایک قسم کا ذکر ہے جو تسبیح وتہلیل کے ذریعے سے ہے۔
فرماتا ہے " وما کان الله لیضیع ایمانکم " (اور اللہ ایسا نہیں ہے جو تمھارے ایمان کو ضائع کر دے) ۔ جہمیہ واشعریہ وکرامیہ اور تمام مرجیہ سے

پہلے تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے ان کی وہ نماز مراد لی ہے جو پہلے بیت المقدس کی طرف تھی اور کعبے کی طرف والی نماز سے منسوخ نہ ہوئی تھی۔

فرمایا ہے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" (آج میں نے تمھارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام ومکمل کر دی اور تمھارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا)۔

فرمایا ہے "وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوۃ ویؤتوا الزکوۃ وذلک دین القیمۃ" (اور انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ دین کو خالص اللہ کے لئے کر کے یکسوئی کے ساتھ (کہ جس میں بت پرستی کی آمیزش نہ ہو) اسی کی عبادت کریں اور نماز کو قائم کریں اور زکوۃ دیا کریں اور یہی سچا دین ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جو دین کو اس کے لئے خالص کرنے کی حالت میں ہو اور نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا جو دونوں شریعت میں وارد ہیں یہ سب دین قیم ہیں۔

فرمایا ہے "ان الدین عند اللہ الاسلام" (دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے)۔

فرمایا ہے "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین" (اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ دین اسلام ہی ہے۔ اس کے قبل اس پر تصریح فرمائی کہ تمام عبادت اور نماز وزکوۃ ہی دین ہے لہٰذا اس سے یقیناً یہ نتیجہ نکلا کہ عبادات ہی دین ہیں اور دین ہی اسلام ہے۔ لہٰذا عبادات ہی اسلام ہوئیں۔

فرمایا ہے "یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم

بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صادقین" (یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ۔ بلکہ اللہ تم پر احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم (اپنے دعوے) میں سچے ہو)۔

فرمایا ہے "فاخرجنا من کان فیھا من المومنین فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین" (چنانچہ اُس بستی میں جو مومنین تھے ہم نے انھیں (عذابِ امت لوط کے وقت) نکال دیا مگر ہم نے اس میں مسلمانوں کے سوائے ایک گھر کے نہیں پایا)۔ یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ اسلام ہی ایمان ہے۔ پہلے ہم نے جو ذکر کیا اُس سے ثابت ہو چکا ہے کہ تمام اعمالِ نیک اسلام ہیں اور اسلام ہی ایمان ہے۔ لہذا تمام اعمالِ نیک ایمان ہوئے۔ یہ وہ بدیہی برہان ہے جس سے انحراف نہیں ہو سکتا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

فرمایا ہے "فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما" (قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ یہ لوگ ان امور میں آپ کو حَکَم نہ بنائیں جن میں یہ آپس میں جھگڑا کریں۔ اور اس کے بعد یہ لوگ آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں میں تنگی و ناخوشی نہ محسوس کریں اور ماننے کے طور پر مان لیں)۔ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی اور اپنی ذات کی قسم کھائی کہ بجز اس کے کوئی مومن نہ ہوگا کہ وہ ہر جھگڑے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنائے پھر اسے اپنے دل سے مان لے۔ اور اپنے دل میں آپ کے فیصلے سے تنگی نہ محسوس کرے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ تحکیم (حکم بنانا) اور شے ہے اور تسلیم بالقلب (دل سے مان لینا) اور شے ہے۔ یہی تسلیم وہ ایمان ہے کہ جو اس پر عمل نہ کرے اُس کا ایمان نہیں ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ اسم ایمان اُن تمام اعمال پر واقع ہوتا ہے جو شریعت میں ہوں۔

فرمایا ہے " ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون

ان یتخذ وا بین ذلك سبیلا۔ اولئك ھم الکافرون حقا (اور یہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان میں راستہ اختیار کریں۔ یہ لوگ حقیقی کافر ہیں)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ مطلقاً تصدیق ایمان نہیں ہے تاوقتیکہ اُس کے ساتھ وہ چیز نہ شامل ہو جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کفر کلام میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "ودخل جنۃ وھو ظالم لنفسہ قال ما اظن ان تبید ھذہ ابدا۔ وما اظن الساعۃ قائمۃ ولئن رددت الی ربی لاجدن خیرا منھا منقلبا۔ قال لہ صاحبہ وھو یحاورہ اکفرت بالذی خلقك من تراب ثم من نطفۃ ثم سواك رجلا۔ لکنا ھو اللہ ربی ولا اشرك بربی احدا۔ ولولا اذ دخلت جنتك قلت ماشاء اللہ۔ لاقوۃ الا باللہ۔ ان ترن انا اقل منك مالا وولدا۔ فعسی ربی ان یؤتین خیرا من جنتك ویرسل علیھا حسبانا من السماء فتصبح صعیدا زلقا۔ او یصبح ماؤھا غورا فلن تستطیع لہ طلبا۔ واحیط بثمرہ فاصبح یقلب کفیہ علی ما انفق فیھا وھی خاویۃ علی عروشھا ویقول یلیتنی لم اشرك بربی احدا" (کہف رکوع ۵ پ ۱۵)۔ (اور وہ شخص جو اپنے اوپر ظلم کرنے والا تھا۔ (یعنی مشرک) وہ اپنے باغ میں داخل ہوا۔ کہنے لگا کہ میرے خیال میں تو یہ باغ کبھی بھی فنا نہ ہوگا۔ اور نہ میرے خیال میں قیامت قائم ہوگی۔ اور بالفرض مجھے اپنے رب کے پاس لوٹنا ہی پڑا تو مجھے ضرور اس سے بہتر جگہ ملے گی۔ اس سے اس کے ساتھی نے کہا جو اس سے گفتگو کر رہا تھا کہ تو اُس ذات کا کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا اس کے بعد نطفہ اس کے بعد تجھے آدمی بنا دیا۔ مگر میرے نزدیک وہی اللہ ہے جو میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ "ماشاء اللہ" (جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے)۔

بغیر اللہ کی مدد کے قوت نہیں ہوتی۔ اگر تیرا خیال یہ ہے کہ میں مال واولاد میں تجھ سے کمتر ہوں تو (یقین رکھ کہ) عنقریب میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کرے گا۔ اور (جس باغ پر تو اترا تا ہے) اس پر آسمان سے اولا اور بجلی کی آفت بھیجے گا تو وہ چٹ پر میدان بن کے رہ جائے گا۔ یا اس کا پانی اتنی گہرائی میں چلا جائے گا کہ تو ہرگز اُسے طلب نکر سکے گا۔ اور اس شخص کے پھل کو گھیر لیا گیا۔ پھر اس نے جو کچھ اس باغ میں صرف کیا تھا اس پر کف افسوس مل رہا تھا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر اوندھا پڑا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ اے کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نکرتا۔ (تو یہ سزا کیوں پاتا)۔ اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کے اپنے رب کے اقرار کے باوجود اُس کے کفر و شرک کو ثابت کیا کیونکہ اُس نے دوبارہ زندگی اور قیامت میں شک کیا تھا۔

فرمایا ہے" أفتؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض" (تو کیا تم لوگ کتاب کے بعض حصے پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا کفر کرتے ہو)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جو بعض دین پر ایمان رکھے اور اُس کے کسی حصے کا بھی کفر کرے تو وہ کافر ہے باوجودیکہ اُس نے جتنے دین کی تصدیق کی ہے وہ تصدیق صحیح ہے۔

اصطلاحات شرعیہ

اکثر اسمائے شرعیہ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے مسمیات کے لئے وضع کئے گئے ہیں جن کو عرب ہرگز نہیں جانتے۔ یہ وہ امر ہے جس سے روئے زمین کا کوئی ایسا شخص ناواقف نہیں جو لغت عربیہ کو بھی جانتا ہے اور اسمائے شرعیہ کو بھی جانتا ہے۔ مثلاً صلوٰۃ۔ کہ یہ لفظ لغت عرب میں صرف دعا کے لئے موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرکات محدودہ ومعدودہ پر اور خاص قسم کے قیام پر جو خاص جہت کی طرف ہو جس سے تجاوز نہ ہو۔ اسی طرح خاص طور کے رکوع وسجود پر اور اسی طرح خاص طریقے کے قعود وقراءت وذکر پر واقع کیا ہے جو اوقات محدودہ میں ہو اور طہارت محدودہ اور لباس محدودہ

کے ساتھ ہو کہ جب اس طریقے پر کوئی چیز نہ ہو گی تو نماز نہ ہو گی اور وہ باطل ہو جائے گی۔ عرب ان تمام امور میں سے ایک کو بھی نہ جانتے تھے بھلا اس کا نام رکھنا تو بڑی چیز ہے یہاں تک کہ ان تمام امور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس لائے تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ یہ ہے۔

صلوٰۃ بعض معتزلہ نے کہا ہے کہ صلوٰۃ (نماز) میں دعا ہے اس لئے اس کی وجہ سے اُس کا نام موضوع لغت سے نہیں نکلا۔

یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ اس امت کے کسی شخص کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ جو رکعات کی پوری تعداد ادا کرے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ مع قرآن کے پڑھے اور اس کے بعد رکوع سجود جلوس قیام و تشہد کو ادا کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور دو سلام پھیرے تو اس نے اسی طرح نماز پڑھ لی جس طرح اُسے حکم دیا گیا تھا اگرچہ اس نے قطعاً کوئی دعا نہیں کی۔ حالانکہ بعض فقہا یہ بھی کہتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے پھر وہ نہ تو قطعاً قرأت کرے نہ تشہد پڑھے اور نہ قطعاً دعا کرے تو اُس نے اسی طرح نماز ادا کی جس طرح اُسے حکم دیا گیا تھا۔

نیز یہ دعا جو نماز میں ہوتی ہے امت کے کسی شخص کو اس میں اختلاف نہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں اور نہ اہل اسلام کے نزدیک اس کا نام صلوٰۃ ہے۔ سب پر اللہ تعالیٰ نے اسم صلوٰۃ واقع کیا ہے جو ایسے اعمال پر ہے کہ سوائے دعا کے ہیں۔ اور جو دعائے محدود پر ہے جس کو عرب ہرگز نہ جانتے تھے اور نہ وہ کسی معین دعا پر لبقیہ دعاؤں کے علاوہ لفظ صلوٰۃ واقع کرنے کو جانتے تھے۔

زکاۃ منجملہ اُن کے زکوٰۃ ہے۔ یہ لغت میں بڑھنے اور زیادہ ہونے کے لئے موضوع ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مال محدود معدود کے دینے پر واقع کیا ہے جو کسی ایسے مال میں سے ہو جس کی صفت بتا دی گئی ہے اور جو محدود معدود معین ہے نہ کہ تمام اموال میں سے۔ جو ایسی قوم کے لئے محدود ہیں کے

دینے کے اوقات بھی محدود ہیں کہ اگر وہ شخص اس سے بڑھے گا تو اُس کے اس فعل پر اسم زکوٰۃ واقع نہ ہو گا۔ عرب ہرگز یہ صفات نہ جانتے تھے۔

صیام لغت عرب میں وقوف (یعنی ٹھیرنے) کو صیام کہتے ہیں۔ جب دن طویل ہو جائے تو "صام النہار" کہا جاتا ہے۔ کہ گویا وہ اپنے طول و درازی کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے جیسے ٹھیرنے اور کھڑا ہونے والا۔ امرؤ القیس کہتا ہے۔ اذا صام النہار وھجرا" اور نابغۃ الذبیانی کہتا ہے۔

خیل صیام وخیل غیر صائمۃ ؛ تحت العجاج وخیل تعلك اللجما

(کچھ گھوڑے کھڑے ہیں اور کچھ گھوڑے نہیں کھڑے ہیں + جو غبار کے نیچے ہیں۔ اور کچھ گھوڑے باگیں چباتے ہیں۔)۔

مگر اللہ تعالیٰ نے اسم صیام وقت محدود پر کھانے پینے جماع کرنے اور عمداً قے کرنے سے باز رہنے پر واقع کیا ہے۔ وہ وقت محدود۔ فجر ثانی کے ظاہر ہونے سے غروب آفتاب تک سال کے محدود زمانے میں ہے۔ اگر کوئی اس سے بڑھائے گا تو اُس کا نام صیام نہیں رکھا جائے گا۔ یہ وہ امر ہے جسے عرب ہرگز نہیں جانتے تھے۔ لہٰذا اُس شخص کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جس نے کہا ہے کہ شریعت میں اسما کو ان کے موضوع لغت سے منتقل نہیں کیا جاتا۔ اور ثابت ہو گیا کہ ان کا قول بدترین حماقت کا اعلان ہے۔

ایمان میں نقص جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق ہے اُن کے قول کے خلاف یہ واضح ہو چکا ہے کہ ایمان میں زیادت کا وجود ہے تو ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ لامحالہ زیادت نقص کی مقتضی ہے اس لئے کہ زیادت کے یہی معنی ہیں کہ وہ ایک عدد ہے جو دوسرے عدد کی طرف مضاف و منسوب ہے اور جب ایسا ہے تو وہ عدد جس کی طرف یہ مضاف ہے اُس میں زیادت نہ ہونے کی حالت میں وہ یقیناً ناقص (کم) ہے۔

نقص کا ذکر نص میں آیا ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور قول ہے جس کو بڑی بڑی جماعتوں نے نقل کیا ہے کہ آپ نے عورتوں سے فرمایا کہ میں نے عقل و دین میں نقص والیوں میں تم سے زیادہ مرد ہشیار کا لوٹنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ عورتوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہمارے دین کا نقصان کیا ہے آپ نے فرمایا کہ کیا چند شانہ روز عورت اس طرح نہیں رہتی کہ نہ وہ روزہ رکھتی ہے نہ نماز پڑھتی ہے یہی اُس کے دین کا نقصان ہے۔

تصدیق کے اجزا نہیں ہوتے

اگر تصدیق میں کچھ کمی ہو تو اُس کا تصدیق ہونا ہی باطل ہو جائے اس لئے کہ تصدیق کے اجزا نہیں ہوتے۔ اور وہ شک ہو جائے گی و باللہ تعالیٰ التوفیق۔ حالانکہ یہ لوگ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قرآن کی کسی آیت یا اس کی کسی سورۃ کی تصدیق نہ کرے اور بقیہ سب کی تصدیق کرے تو اس کا ایمان باطل ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ہرگز تصدیق کے اجزا نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ وہ آپ کو اپنے یہاں توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے "ولکن الظلمین بآیت اللہ یجحدون" (بلکہ یہ ظالم اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ "ولئن سالتھم من خلقھم لیقولن اللہ" (اور اگر آپ ان سے یہ دریافت کریں کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے)۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ لوگ آپ کے صدق کو جانتے ہیں اور آپ کو کاذب نہیں کہتے۔ یہ لوگ یہود و نصاریٰ ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ امت میں بغیر کسی کے اختلاف کے کافر ہیں۔ جو شخص ان کے کفر کا انکار کرے تو اُس کے کفر و خروج اسلام میں کسی کا اختلاف نہیں۔

۱۱۱

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے متعلق تصریح فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اور اس کے ملائکہ کا رسولوں کا اور قیامت کا جاننے والا ہے۔ اور اس نے درخواست کی ہے کہ "رب فانظرنی الی یوم یبعثون" (اے میرے رب مجھے اس روز تک کی مہلت دے جس روز یہ لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے) اسی نے کہا ہے کہ "خلقتنی من نار وخلقته من طین" (تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو گارے سے)۔ اور کہا ہے کہ "لم اکن لاسجد لبشر خلقته من صلصال من حمأ مسنون" (میں ایسے بشر کو سجدہ کرنیوالا نہیں ہوں جسے تو نے بدبودار کیچڑ کی خشک مٹی سے پیدا کیا)۔ بھلا وہ کیوں نہ ان تمام اشیا کی تصدیق کرنے والا ہوتا۔ حالانکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کی ابتدا کا مشاہدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بکثرت اس سے کلام کیا ہے۔ اور اس سے دریافت کیا ہے کہ تجھے سجدہ کرنے سے کون امر مانع ہوا۔ اسے جنت سے نکلنے کا حکم دیا ہے۔ اسے خبر دی ہے کہ اسے روز جزا تک کی مہلت دی گئی اسے ان لوگوں کے بہکانے سے روک دیا گیا ہے جن کے لئے پہلے سے ہدایت کا حکم ہو چکا ہے۔ وہ ان تمام امور کے باوجود بغیر کسی اختلاف کے کافر ہے۔ یا تو اس وجہ سے کہ اس نے آدمؑ کے متعلق یہ کہا کہ میں ان سے بہتر ہوں۔ یا اس وجہ سے کہ وہ سجدہ کرنے سے باز رہا۔ کہ ان میں کسی کو بھی شک نہیں۔

اگر ایمان محض تصدیق و اقرار سے ہو جاتا تو تمام دائمی دوزخ والے کفار و یہود و نصاریٰ سب کے سب مومن ہوتے۔ اس لئے کہ یہ سب لوگ ان تمام امور کی تصدیق کریں گے جن کی انھوں نے دنیا میں تکذیب کی تھی اور ان سب کا اقرار کریں گے۔ ابلیس و یہود و نصاریٰ تو دنیا میں بھی مومن ہوتے۔ جو اسے جائز رکھے یہ اس کا خالص کفر ہے۔ اور اہل دوزخ محض اعمال سے باز رہنے کی وجہ سے کافر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "یوم یدعون الی السجود فلا یستطیعون"

(جس روز انھیں سجدہ کرنے کو کہا جائے گا تو یہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ (یعنی قیامت میں)
ان نامرادوں نے اس امر کی پناہ لی کہ یہود و نصاریٰ نے ہرگز نہیں جانا
کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور اس آیت کے معنی کہ "یعرفونہ
کما یعرفون ابنائہم" (یہ لوگ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو)
کہ وہ آپ کی صورت پہچانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب
الہاشمی ہیں۔ اور اس آیت کے معنی کہ "یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ
والانجیل" (وہ آپ کو اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں)
یہی ہیں کہ وہ (کاغذ کی) سفیدی میں (روشنائی کی) ایک سیاہی پاتے ہیں کہ
یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا چیز ہے اور نہ اُس کے معنی سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
جو کچھ بیان کیا کہ ابلیس نے یہ کہا ہے تو اس نے ان میں سے کوئی بات بھی
جد اور واقعے کے طور پر نہیں کہی بلکہ اُس نے اسے ہزل و خلاف واقعہ کے
طور پر کہا ہے۔

ان لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ روئے زمین پر نہ کوئی کافر اب ہے
اور نہ کبھی ہوا جو یہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ حق و موجود ہے اور فرعون کو موسیٰ
علیہ السلام کے معجزات سے ہرگز واضح نہیں ہوا کہ وہ نبی ہیں۔

ان لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جب کافر اس کی تصدیق کرتا ہو کہ اللہ حق
ہے اور تصدیق ہی لغت میں ایمان ہے تو وہ مومن ہوا یا اُس میں ایسا ایمان
ہوا جس کی وجہ سے وہ مومن نہیں ہے۔ اور یہ دونو قول محال ہیں۔

یہی ان کے اقوال کی وہ تصریحات ہیں جو ہم نے ان کی کتابوں میں
دیکھیں اور ان سے سنیں۔ منجملہ ان دلائل کے جن سے انھوں نے اس
کفر خالص پر استدلال کیا ہے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورۂ بالا اشخاص
کو کافر و مشرک نامزد کیا ہے۔ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اُس سے یہ
معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کے قلوب میں کفر و شرک و انکار ہے۔ ان لوگوں نے
یہ بھی کہا ہے کہ اللہ و رسولؐ کو برا کہنا کفر نہیں مگر یہ اس کی دلیل ہے کہ اس
شخص کے دل میں کفر ہے۔

ان لوگوں کا قول جو اللہ تعالیٰ کی یہود کے متعلق خبر میں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو۔ اور ان کا قول جو یہود و نصاریٰ کے متعلق خبر میں ہے کہ وہ لوگ آپ کو اپنے یہاں توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں تو ان کا قول محض باطل اور ایسا اعلان ہے جس کے ساتھ حیا نہیں۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا جیسا ان لوگوں نے بیان کیا تو اس میں ان لوگوں پر ہرگز اللہ تعالیٰ کی کوئی حجت نہ ہوتی۔ اس کے کیا معنی اور اس میں کیا فائدہ ہوتا کہ وہ لوگ آپ کی صورت کو پہچانتے اور یہ جانتے کہ آپ صرف محمدؐ بن عبداللہ بن المطلب ہیں۔ یا اس میں کونسا فائدہ تھا کہ وہ لوگ ایک ایسا نوشتہ پاتے جس کے معنی نہ سمجھتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ خود نص آیت ان لوگوں کی تکذیب کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "الذین آتیناھم الکتٰب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم وان فریقا منھم یکتمون الحق وھم یعلمون" (وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی آپ کو ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو۔ اور بیشک ان میں سے ایک فریق حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ یہ لوگ اُس حق کو جانتے ہیں جو آپ کی نبوت کے بارے میں ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا ہے "یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم" (وہ آپ کو اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ آپ اُنھیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے منع کرتے ہیں اور ان کے لئے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں اُن پر حرام کرتے ہیں اور اُن سے اُس بارگراں کو اور اُن گردن کے طوقوں کو ہٹاتے ہیں جو اُن پر تھے)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اس لئے وارد کیا ہے کہ اس سے ان پر حجت قائم کرے۔ نہ یہ کہ وہ اس میں سے

ایسے کلام کو لایا ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ہزل شیطانی

ان لوگوں کا جو قول ابلیس کے بارے میں ہے تو یہ وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی اور قرآن مجید کی توہین میں داخل ہے۔ اس کے سوا اس کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ عقل و امکان میں محال اور ممتنع ہے کہ ابلیس اپنی ہزل میں عین حقیقت کے موافق ہو جائے جو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اُس پر برتری دی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سجدے کا حکم دیا اور وہ باز رہا۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو گارے سے پیدا کیا اور اُسے آگ سے۔ اللہ تعالیٰ کی اس خبر میں بھی اُس کی ہزل حقیقت کے مطابق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو ایک خاص درخت سے منع کیا۔ اُس کے جنت میں داخل ہونے اور نکلنے میں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُسے اُس سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ سے اُس کی مہلت کی دعا کرنے میں۔ اس کے اس دن کے ذکر کرنے میں کہ جس دن بندے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اُس کے اس خبر دینے میں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا اور ذریت آدمؑ کو اُن کے ہونے سے پہلے اُس کے دھمکی دینے میں (اُس کی ہزل حقیقت کے مطابق ہے)۔ اُس نے ملائکہ اور جنت اور ابتدائے آفرینش آدمؑ کا مشاہدہ کیا ہے۔ ہزل کرنے والے کو تو دو صحیح معنی کے جن کو وہ جانتا نہ ہو موافق ہونے کی گنجائش نہیں۔ چہ جائیکہ ایسے امور عظیمہ میں ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے کہ وہ کسی ہازل کی دعا اس شکل میں قبول کرے جس کے مقتضی اُس کی ہزل کے معنی ہوں۔ پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے سجدہ کرنے کا حکم دیا پھر اُس سے دریافت کیا کہ اُسے سجدہ کرنے سے کس نے روکا۔ پھر اس نے اُس کی اُس مہلت کو قبول کر لیا جس کی اُس نے دعا کی تھی۔ پھر اُسے جنت سے نکالدیا اور خبر دیدی کہ ذریت آدمؑ میں سے جس کو خدا چاہے گا اُس کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ یہ تمام وہ معانی ہیں کہ جو ان کا انکار کرے گا وہ تکذیب اسلام کی وجہ سے اسلام سے خارج ہو جائے گا اور ان محالات کو

جائز رکھنے کی وجہ سے معقول سے الگ ہو جائے گا۔ اور بیچیا مجنونوں میں شامل ہو جائے گا۔

ان کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ خبر دی ہے کہ یہ سب کے سب کفار ہیں۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ ان کے قلوب میں کفر تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کو برا کہنا کفر نہیں۔ لیکن اس پر دلیل ہے کہ اس کے قلب میں کفر ہے۔ کافر نے ہرگز اللہ تعالیٰ کو نہیں جانا۔

یہ سب ان لوگوں کے جھوٹے اور گھڑے ہوئے دعوے ہیں جن پر نہ کوئی دلیل ہے نہ برہان۔ نہ قرآن سے نہ حدیث صحیح یا ضعیف سے نہ حجت عقل سے نہ اجماع سے نہ قیاس سے اور نہ ملعون جہم بن صفوان سے قبل کے سلف میں سے کسی سے۔ اور جو ایسا ہو تو وہ باطل تہمت اور جھوٹ ہے۔ لہٰذا ان کا یہ قول تو نزدیک ہی سے ساقط ہو گیا۔ والحمد اللہ رب العلمین۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ قرآن وحدیث واجماع ومعقول وحس ومشاہدہ ضروریہ اس دعوے کے باطل کرنے پر قائم ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ولئن سألتهم من خلق السمٰوات والارض وسخر الشمس والقمر ليقولن الله" (اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ زمین وآسمان کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے مطیع کیا تو یہ ضرور ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے)۔

اور فرمایا ہے" وما يؤمن اكثرهم بالله الا وهم مشركون" (اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر یہ کہ وہ مشرک ہوتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ اس کے باوجود مشرک ہیں۔

اور فرمایا ہے" وان الذين اوتوا الكتٰب ليعلمون انه الحق من ربهم" (اور جن لوگوں کو کتاب دیگئی ہے وہ ضرور جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے)۔

یہ اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے جو ان گمراہوں کے قول کی تکذیب کرتی ہے جس کو ہرگز کوئی مسلم رد نہیں کر سکتا۔

ان میں سے بعض کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ اس نے اس آیت کے بارے میں کہ "یعرفونه کما یعرفون ابناءھم (وہ آپ کو ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو) کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کیجانب سے اس امر کا انکار ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو صحیح طور پر جانتے تھے۔ اس لئے کہ مرد درحقیقت اپنے بیٹوں کی صحت کو نہیں جانتے اور یہ محض اُن کا ایک گمان ہوتا ہے۔

یہ کفر ہے اور کلمات کا اُن کے مقامات سے بدلنا ہے۔ اس کو امور ذیل رد کرتے ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب اہل کتاب کے مردوں اور عورتوں کے لئے عام ہے۔ یہ جائز نہیں کہ اس میں عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کو مخصوص کر لیا جائے۔ جو یہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانے والا ہو گا۔ ہر مسلم یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح عورتوں کی طرف بھی بھیجا گیا ہے جس طرح آپ مردوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ جو خطاب جمع مذکر سے ہوتا ہے اس میں بغیر اختلاف اہل لغت کے عورتیں اور مرد دونوں شامل ہوتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ عورتیں درحقیقت اپنے بیٹوں کو یقین کے ساتھ پہچانتی ہیں۔

وجہ دوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ آپ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اُن کو پہچانتے ہیں جن کو ہم نے اُن کے نطفے سے پیدا کیا ہے۔ کہ اس وقت اس جاہل کے لئے باوجود مکروہ سمجھنے کے بھی اس فریب کاری کی گنجائش ہوتی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ جیسا کہ یہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ بنوت یعنی فرزندی کو ان کی طرف منسوب کیا۔ جو شخص اس کے بعد بھی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کا بیٹا قرار دیا یہ نہ کہے کہ وہ ان کے بیٹے ہیں تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی

۱۱۳

تکذیب کی۔ ہم جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی کے نطفے سے پیدا ہو وہ اُس کا بیٹا ہی ہو۔ ولد الزنا جس انسان کے نطفے سے پیدا ہوتا ہے شرعاً وہ انسان اس کا باپ نہیں ہوتا ہمارے بیٹے تو صرف وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا بیٹا قرار دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو مومنین کی ماں قرار دیا ہے۔ جو ہماری مائیں ہیں اگرچہ انھوں نے ہمیں نہیں جنا۔ اور ہم اُن کے بیٹے ہیں اگرچہ ہم ان کے شکم سے نہیں نکلے چاہے اس کا کوئی انکار کرے مگر ہم تو اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس وقت مومن نہ ہوگا تو نہ وہ اس کی مائیں ہوں گی اور نہ یہ ان کا بیٹا ہوگا۔

وجہ ثالث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اہل کتاب کے ساکت کرنے کے لئے نازل فرمایا ہے نہ کہ اُن کا عذر قبول کرنے کے لئے لیکن یہ خبر دیتے ہوئے کہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت کو آپ کے معجزات سے اور اُس مضمون سے جو یہ توریت وانجیل میں پاتے ہیں قطعی ویقینی طور پر پہچانتے ہیں جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ جیسا کہ یہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اسی کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ یہ لوگ حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ یہ اُس کا علم رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس جاہل نامراد کا ہذیان باطل ہوگیا۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

فرمایا ہے "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" (دین میں کوئی جبر واکراہ نہیں ہے گمراہی وہدایت واضح ہو چکی ہے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ گمراہی وہدایت عام طور پر واضح ہو چکی ہے۔

فرمایا ہے "ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ" (اور جس نے رسول کو ستایا بعد اس کے کہ اُس کے لئے ہدایت واضح ہوگئی اور اُس نے مومنین کی راہ کے خلاف راہ کی پیروی کی تو ہم اُسے اُدھر ہی پھیریں گے جدھر وہ پھر گیا)

فرمایا ہے "الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ وشاقوا الرسول من بعد ما تبین لھم الھدیٰ لن یضروا اللہ شئیا" (جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور رسول کو ستایا بعد اس کے کہ ان کے لئے ہدایت واضح ہوگئی تو وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نقصان نہ کر سکیں گے) یہ اس امر میں ایک نصِ جلی ہے۔ جو اس کی مخالفت کرے گا کافر ہوگا کہ کفار کے لئے وہ حق وہدایت جو توحید و نبوت کے بارے میں ہے واضح ہو چکی تھی ہر صاحب حس سلیم یقیناً جانتا ہے کہ جس کے لئے حق واضح ہو جائے گا تو بلاشک وہ اپنے قلب سے اس کا تصدیق کرنیوالا ہوگا۔

فرمایا ہے "فلما جاءتھم آیاتنا مبصرۃ قالوا ھذا سحر مبین۔ وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلما وعلوا" (پھر جب ہماری نشانیاں اُن کے پاس نظر میں آگئیں تو انھوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا سحر ہے۔ اور انھوں نے ظلم و تکبر سے ان کا انکار کیا حالانکہ ان کے دل ان کو یقین کر رہے تھے)۔ یہ بھی اس امر پر نصّ جلی ہے جس میں کسی تاویل کا بھی احتمال نہیں کہ کفار نے ان معجزات کا جو انبیا علیھم الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس لائے تھے اپنی زبانوں سے انکار کیا اور اپنے دلوں میں انھوں نے یقین کر لیا تھا کہ وہ حق ہیں۔ اُنھوں نے ان کے وجود کا ہرگز انکار نہیں کیا۔ انکار صرف اس کا کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ انھوں نے اُنھیں معجزات کا انکار کیا تھا کہ جن کو انھوں نے یقین کر لیا تھا۔ یہ اس گروہ کے قول کو باطل کرتا ہے جو کہتا ہے کہ ان لوگوں نے ان معجزات کے وجود کا یقین نہیں کیا تھا اور یہ ان کے نزدیک حیلے اور شعبدے تھے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول غلط ہوتا۔ جس سے اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے ان کے وجود کا انکار نہیں کیا۔ انکار صرف اس کا کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ بہ تصریح آیت جس چیز کا اُنھوں نے انکار کیا تھا وہی چیز تھی کہ جس کا انھوں نے یقین کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی حکایت فرمائی ہے کہ انھوں نے فرعون سے کہا کہ "لقد علمت ما انزل ھؤلاء الا رب السموات والارض بصائر" (تو جانتا ہے کہ ان معجزات کو آسمان و زمین کے ہی رب نے بصیرت و نصیحت کے لیے نازل کیا ہے)۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ فرعون کو یہ علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور نہ اُسے یہ علم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات حق ہیں اللہ تعالیٰ کیجانب سے ہیں۔ تو یہ شخص اپنے رب کی تکذیب کرتا ہے اور یہ خالص کفر ہے۔

بعض لوگوں نے اس طرح دیدہ دلیری کی ہے کہ اس آیت میں "لقد علمت" میں تاء کو ضمہ ہے۔ (یعنی تجھے بتا یا گیا ہے کہ یہ معجزات الخ) یہ دونوں قرأتیں حق ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ یہ جائز نہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی رد کیا جائے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس کا علم تھا اور فرعون کو بھی اس کا علم تھا (کہ یہ معجزات الخ)۔

یہ تو قرآن کی نصوص و تصریحات ہوئیں۔ لیکن بطریق معقول و مشاہدہ و نظر و فکر تو ہم ان سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی براہین کے کفار کے لئے واضح ہو جانے سے کفار پر بھی اللہ تعالیٰ کی حجت اسی طرح قائم ہوئی جس طرح وہ مومنین پر قائم ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی کوئی حجت کبھی ان پر قائم نہیں ہوئی کیونکہ حق کسی کافر کے لئے کبھی واضح ہی نہیں ہوا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حجت کبھی کسی کافر پر قایم نہیں ہوئی کیونکہ کفار کے لئے حق واضح ہی نہیں ہوا۔ تو بدون کسی اختلاف کے یہ خود کافر ہو گئے۔ انھوں نے کفار کو معذور جانا اور اجماع کی مخالفت کی۔ اگر انھوں نے مان لیا کہ اللہ تعالیٰ کی حجت کفار پر اس طور پر قائم ہو چکی کہ ان کے لئے حق واضح ہو گیا تو انھوں نے سچ کہا اور انھوں نے حق اور قول اہل اسلام کی طرف رجوع کر لیا۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص جب سے ہمیں عقل آئی ہے ہم برابر یہود و نصاریٰ کا مشاہدہ کر رہے ہیں کسی نے بھی ان سے سوائے اس کے نہیں سنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اور نبوت موسیٰ علیہ السلام کا اور

اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر ہفتے کے روز عمل اور چربیاں حرام کر دی ہیں۔ لہٰذا یہ باطل ہے کہ مشرق سے مغرب تک کے تمام یہود نے بلا کسی سبب کے جو انھیں اس کی دعوت دے اپنے عقیدے کے خلاف اعلان کرنے پر اتفاق کر لیا ہے۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ ہم نے یہود و نصاریٰ کے بہت سے گروہوں کا مشاہدہ کیا ہے جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ اسلام لائے اور ان کا اسلام بھی خالص تھا۔ کہ یہ لوگ اول سے آخر تک اپنی زندگی بھر ہر اُس شخص کو بتاتے رہے جو ان سے پوچھتا تھا کہ یہ لوگ اپنے اسلام میں اسی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور نبوت موسیٰ و ہارون حق ہے۔ جیسا کہ یہ لوگ اس کو اپنے زمانہ کفر میں جانتے تھے اور کوئی فرق نہیں ہے۔ جو اس کا انکار کرے اُس نے اپنی عقل و حس کی مخالفت کی اور اُن لوگوں میں شامل ہو گیا جو بات کے جاننے کے اہل نہیں۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ یہ لوگ اس میں اختلاف نہیں کرتے کہ نقل تواتر علم ضروری کو واجب کرتی ہے۔ لہٰذا اس حکم سے یہ لازم ہو گیا کہ وہ یہود و نصاریٰ کہ جن سے وہ تمام معجزات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے نقل تواتر سے نقل کئے گئے تو اس سے اُن کے لئے ان معجزات کے سبب سے آپ کی صحت نبوت کا علم ضروری واقع ہو گیا۔ اس برہان سے گریز کی اُن لوگوں کو قطعاً گنجایش نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

یہ قول کہ اللہ تعالیٰ کو برا کہنا کفر نہیں اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہنا بھی کفر نہیں تو یہ ایک دعویٰ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "یحلفون باللہ ما قالوا ولقد قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم" (یہ لوگ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے نہیں کہا۔ حالانکہ انھوں نے کلمہ کفر ضرور کہا۔ اور اپنے اسلام کے بعد کفر کیا) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ بعض کلام وہ ہے جو کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "واذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا

ویستہزأ بہا فلا تقعدوا معہم حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ۔ انکم اذاً مثلہم" (اور جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور اُن کے ساتھ تمسخر کیا جاتا ہے تو تم ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ کیونکہ اُس وقت تم اُنھیں جیسے ہو گے) ۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ بعض کلام ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں سنے جائیں تو وہ بعینہٖ کفر ہیں۔

فرمایا ہے" قل اباللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستہزؤن۔ لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم ان نعف عن طائفۃ منکم نعذب طائفۃ" (آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم لوگ اللہ اور اس کی آیات اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ استہزا کیا کرتے تھے۔ عذر نکرو تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم تمہارے ایک گروہ سے درگذر کریں گے تو دوسرے گروہ پر عذاب کریں گے) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا اُس کی آیات کے ساتھ یا اُس کے کسی رسولؐ کے ساتھ استہزا و تمسخر کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور ایمان سے خارج ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اُس کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تمھارے دلوں میں کفر ہے بلکہ اس نے صرف استہزا کی وجہ سے اُنھیں کافر قرار دیا۔ جو اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی بات منسوب کرتا ہے جو اُس نے نہیں کہی۔ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا ہے۔

فرمایا ہے" انما النسیئ زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ عاما ویحرمونہ عاما لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ" (بیشک نسئی یعنی تاخیر (یعنی لوند کا مہینہ) کفر میں زیادت و ترقی ہے جس کے سبب سے وہ لوگ گمراہ کئے جاتے ہیں جنھوں نے کفر کیا۔ ایک سال اس کو حلال کر لیتے ہیں اور وہ ایک سال اُسے حرام کر دیتے ہیں تاکہ اُس میعاد پر متفق ہو جائیں جس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے)۔

اُس زبان کے حکم کے مطابق جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔

یہ ہے کہ کسی شے میں جو زیادت ہوتی ہے وہ اسی شے سے ہوتی ہے نہ کہ کسی اور شے سے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ کسی (ناخیر یا لونڈ کا ہھینہ) کفر ہے جو اعمال میں سے ایک عمل ہے۔ یہ اُس چیز کا حلال کر لینا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔ جو شخص کسی چیز کو حلال سمجھے جس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور اُسے یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کر دیا ہے تو وہ خود اس فعل سے کافر ہے۔ جس شخص نے کسی چیز کو حرام سمجھا جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا ہے تو اس نے بھی اس چیز کو حلال سمجھا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر حرام کر دیا ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کو حرام سمجھیں جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا ہے۔

رہی مخالفت اجماع۔ تو تمام اہل اسلام اس میں اختلاف نہیں کرتے کہ جو شخص اللہ کے انکار کا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کا اعلان کرے تو قطعاً اس کے لئے حکم کفر کے مطابق حکم دیا جائے گا۔ یا قتل کرنا۔ یا جزیہ لینا۔ اور بقیہ احکام کفر۔ ہرگز کبھی کسی نے اس میں شک نہیں کیا کہ آیا ان لوگوں کی باطنی حالت کیا ہے۔ یہ لوگ مومن ہیں یا کافر۔ نہ کبھی لوگوں نے اس میں غور کیا۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ نہ آپ کے اصحابؓ میں سے کسی نے اور نہ اُن کے بعد والوں میں سے کسی نے۔

یہ قول کہ جب کفار اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے ہیں اور جس لغت میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں تصدیق ہی ایمان ہے تو بلاشک ان لوگوں میں ایمان ہے۔ لہٰذا یہ لازم ہے کہ وہ لوگ اپنے اس ایمان کی وجہ سے مومن ہوں۔ یا اُن میں وہ ایمان ہو کہ جس کے اُن میں ہونے سے وہ مومن نہ ہوں۔ ان دو میں سے ایک امر ضروری ہے۔

یہ ملمع کاری فاسد ہے۔ اس لئے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نام رکھنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے نہ کہ اُس کے سوا کسی اور کا ہم اس امر پر براہین کو واضح کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسم ایمان کو شریعت میں اس کے موضوع لغت سے ایک دوسرے معنیٰ کی طرف منتقل کر لیا ہے۔ اس نے شریعت میں اسم ایمان

کو مطلق تصدیق پر واقع کرنے کو حرام کر دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے لفظ ایمان کو منتقل نہ کر لیا ہوتا جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو البتہ یہ لازم آتا کہ روئے زمین کے ہر کافر کا نام مومن رکھا جائے۔ اور ان کے متعلق یہ بیان کیا جائے کہ ان میں ایمان ہے اس لئے کہ وہ مومن ہیں۔ لامحالہ عالم میں ایسی اشیا بکثرت ہیں جن کی وہ تصدیق کرتے ہیں۔ یہ وہ امر ہے کہ ایک تھوڑی سی عقل رکھنے والا بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ جب اس امر پر ہمارا اجماع اور ان کا اجماع اور ان تمام لوگوں کا اجماع جو اسلام کی طرف منسوب ہیں ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ اگرچہ بہت سی اشیا کی تصدیق کرتے ہیں مگر کسی کو بھی یہ جائز نہیں کہ وہ ان کو علی الاطلاق مومن کہے یا یہ کہے کہ ان کے لئے مطلقاً ایمان ہے۔ اور نہ کسی کو اس کافر کے بارے میں یہ کہنا جائز ہے کہ وہ مومن ہے یا اس میں ایمان ہے جو دل و زبان سے تصدیق کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ حق ہو اور صرف دل سے تصدیق کرتا ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ سوائے اس کے کہ تا وقتیکہ وہ وہی نہ ادا کرے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسم ایمان کو منتقل کر لیا ہے جو دل و زبان سے اس کی تصدیق ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ۔ وان محمداً رسول اللہ"

اور یہ کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ سب حق ہے اور میں سوائے آپ کے دین کے ہر دین سے بری ہوں۔ پھر برابر ان امور کا اقرار کرتا رہے جن کے اقرار کے بغیر ایمان تام و کامل نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ مر جائے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ کافر میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنے والا ہے۔ اس کی وجہ سے نہ وہ مومن ہے اور نہ اس میں ایمان ہے۔ جیسا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جیسا کہ جہم و اشعری نے حکم دیا ہے۔

یہ قول جس کے قائل کی تکفیر متفق علیہ ہے باطل ہو گیا۔ ابو عبید القاسم نے اپنی ایک کتاب میں جو رسالۃ الایمان کے نام سے مشہور ہے ان لوگوں کی تکفیر پر تصریح کی ہے اور دوسروں نے بھی کی ہے۔ ہماری ایک

بڑی کتاب ہے جس میں ہم نے اسی مقالۂ فاسدہ والوں کی سی بات کو رد کیا ہے جو ہم نے انھیں میں کے ایک شخص کو لکھکر بھیجی تھی جس کا نام عطاف بن دوناس تھا اور جو افریقیہ کے قیروان کا باشندہ تھا۔ وباللہ التوفیق۔

جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کرنا ہے تو انھوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والے سب لوگوں کا اجماع اس امر پر ثابت ہے کہ جو شخص اپنی زبان سے شہادت اسلام کا اعلان کرے گا تو وہ ان کے نزدیک مسلم ہے۔ اُس کے لئے حکم اسلام کے مطابق حکم کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ جو سوداؓ کے بارے میں تھا کہ انھیں آزاد کردو کیونکہ یہ مومنہ ہیں۔ اور اس سے استدلال کرتے ہیں جو آپ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا کہ تم ایک کلمہ کہدو جس کی وجہ سے میں تمھارے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں حجت کروں گا۔

ان تمام امور میں ان لوگوں کے لئے کوئی بھی دلیل وحجت نہیں ہے۔ اجماع مذکور صحیح ہے۔ ہم بھی ان لوگوں کے لئے ظاہر میں حکم ایمان ہی کے مطابق حکم دیتے ہیں اور یہ یقین نہیں کرتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مومن ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مجھے جن امور کا رسول بنایا گیا ہے ان پر ایمان لائیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اپنی جان ومال کو محفوظ کرلیں گے سوائے اس کے کہ جان ومال میں جو حق ہو گا (وہ دینا ہو گا۔ مثلاً قصاص وزکوٰۃ) ان سب کا حساب (کہ یہ باطن میں بھی مومن ہیں یا محض ظاہر میں) اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو اپنے قلب کے اخلاص سے لاالہ الا اللہ کہے گا۔ وہ مومن ہو گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سوداء کے بارے میں فرمانا کہ یہ

مومن ہیں۔ تو جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظاہر حال ایسا ہی تھا۔ کیونکہ خالد بن الولید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی کہ بہت سے نمازی اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس لئے مبعوث نہیں ہوا ہوں کہ لوگوں کے دل چیر دوں۔

آپ کا اپنے چچا سے فرمانا کہ میں اس کلمے کی وجہ سے اپنے رب کے یہاں تمہارے لئے حجت کروں گا۔ تو آپ ظاہر حال کے مطابق اس کلمے کی وجہ سے حجت کرتے اور اُن کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوتا۔ لہٰذا وہ سب باطل ہو گیا جس سے ان لوگوں نے ملمع کاری کی تھی۔

اب انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان کے قول کا بطلان واضح کرتے ہیں۔ اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ان لوگوں کے قول کے بطلان کو واضح کرتا ہے "ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الآخر وما ھم بمؤمنین۔ یخادعون اللہ والذین آمنوا۔ وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون۔ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا۔ ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون" (اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔ یہ لوگ اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں فریب دیتے ہیں حالانکہ یہ لوگ خود اپنے آپ ہی کو دھوکا دے رہے ہیں اور سمجھتے نہیں ہیں۔ ان کے دلوں میں مرض ہے۔ اور اللہ نے بھی ان کے مرض میں اضافہ کر دیا۔ اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب سے ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہی ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "یا ایھا الرسول لا یحزنك الذین یسارعون فی الکفر من الذین قالوا آمنا بافواھھم ولم تؤمن قلوبھم" (اے رسول آپ کو اُن لوگوں سے رنجیدہ نہ ہونا چاہئے جو کفر میں تیزی کرتے ہیں جو اُن لوگوں میں سے ہیں جو اپنے منہوں سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ حالانکہ اُن کے قلوب ایمان نہیں لائے)۔

116 اور یہ قول ہے "قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم" (اعرابی کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ آپ کہدیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ لیکن یہ کہو کہ ہم اسلام لائے۔ اور ایمان ابتک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا)۔

اور فرمایا ہے "انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیاتہ زادتھم ایمانا۔ وعلی ربھم یتوکلون۔ الذین یقیمون الصلوۃ ومما رزقناھم ینفقون۔ اولئک ھم المؤمنون حقا" (مومن تو صرف وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل ڈر جائیں۔ اور جب اُس کی آیات تلاوت کر کے اُنھیں سنائی جائیں تو یہ اُن کے ایمان میں اضافہ کریں۔ اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنھیں عطا کیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں یہی حقیقی مومن ہیں)۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ آیت تو صرف ان معنی میں ہے کہ یہ افعال اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ دل میں ایمان ہے۔ تو ہم ان سے کہیں گے کہ اگر یہی ہوتا جو تم نے کہا تو لامحالہ یہ لازم آتا کہ جو شخص اِن افعال میں سے کچھ ترک کر دے تو اس کا یہ ترک اس امر کی دلیل ہو کہ اُس کے قلب میں ایمان نہیں ہے۔ حالانکہ تم لوگ قطعاً اس کے قائل نہیں ہو۔ اس کے باوجود آیت کا اپنے ظاہر سے بدلنا ہے اور یہ بغیر کسی برہان کے جائز نہیں۔ اُن کا یہ قول ایک دعویٰ ہے جو بغیر کسی برہان کے ہے۔

اور فرمایا ہے "انما المومنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون" (مومن تو صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے اور اُنھوں نے اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں)۔

اور فرمایا ہے " والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شئ حتی یھاجروا " (اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت نہیں کی تو تا وقتیکہ وہ ہجرت نکریں تمہیں اُن کی دوستی کا کوئی حق نہیں ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کے لئے وہ ایمان ثابت کیا جو تصدیق ہے۔ پھر ہم سے اُن کی دوستی کو ساقط کر دیا کیونکہ اُنھوں نے ہجرت نہیں کی۔ اس سے اُن کے ایمان مطلق کو باطل کر دیا۔

فرمایا ہے " والذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولئك ھم المومنون حقا " (اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اُنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقی مومن ہیں (یعنی مہاجرین وانصار)۔ لہذا یقینا ثابت ہو گیا کہ یہ اعمال حقیقی ایمان ہیں اور ان اعمال کا معدوم ہونا ایمان نہیں ہے۔ اور یہ نہایت واضح ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اور فرمایا ہے۔ " اذا جاءك المنافقون قالوا نشھد انك لرسول اللہ ۔ واللہ یعلم انك لرسولہ ۔ واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون " (جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ بیشک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تو جانتا ہی ہے کہ بیشک آپ اُس کے رسول ضرور ہیں۔ اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پر تصریح فرمائی کہ جو شخص اپنی زبان سے ایمان لائے اور اپنے قلب میں ایمان کا معتقد نہو وہ کافر ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ مومنین کون لوگ ہیں۔ وہ وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اپنی زبان ودل دونوں سے یقین کیا اور اللہ کی راہ میں اپنی جان ومال سے جہاد کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ یہی لوگ سچے (مومن) ہیں۔ ان لوگوں کو یہ لازم آتا ہے کہ منافقین بھی اپنی زبان سے

ایمان کا اقرار کرنے کی وجہ سے مومن ہوں۔ یہ وہ قول ہے جو اسلام سے خارج کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان اللہ جامع المنافقین والکافرین فی جھنم جمیعا" (بیشک اللہ تعالیٰ منافقین و کافرین کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے)۔ اور فرمایا ہے "اذا جاءک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ۔ واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون" (یہاں تک ترجمہ اوپر گزر چکا) اتخذوا ایمانھم جنۃ فصدوا عن سبیل اللہ انھم ساء ما کانوا یعملون۔ ذلک بانھم آمنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون" (انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا اور اللہ کی راہ سے باز رہے۔ بیشک یہ جو کچھ کر رہے ہیں بہت برا کر رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ ایمان لائے اس کے بعد انھوں نے کفر کیا پھر وہ ان کے دلوں پر ختم کر دیا گیا چنانچہ وہ نہیں سمجھتے)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ اس لئے کہ انھوں نے باطن میں کفر رکھا۔

برہان ثانی یہ ہے کہ بغیر اعتقاد قلب کے زبان سے اقرار کرنے کا کوئی حکم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہمیں سے کوئی شخص بطور حکایت کے یا قرآن کی قراءت کے طور پر کفر کے الفاظ کہتا ہے تاوقتیکہ وہ یہ اقرار نہ کرے کہ اس کا یہی عقیدہ ہے وہ کافر نہیں ہوتا۔

اگر اس سے مقالۂ اولیٰ والے استدلال کریں اور کہیں کہ یہ اس امر کی شہادت ہے کہ اعلان کفر کفر نہیں ہے۔ تو ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہیں گے کہ نام رکھنے کا ہمیں حق نہیں۔ اس کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں تلاوت قرآن کا حکم دیا اور اس میں اس نے ہم سے اہل کفر کے قول کی حکایت بیان کی اور اس نے ہمیں یہ بھی بتا دیا کہ وہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے قاری قرآن کفر سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی رضا و ایمان کی طرف آگیا اس لئے کہ اس نے اسی کی حکایت کی جس کی تصریح اللہ تعالیٰ نے کی اس لئے کہ

اس نے شہادت کا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "الا من شهد بالحق وهم يعلمون" (مگر جو لوگ سچی شہادت دیں اور وہ جانتے ہوں) ۔ اس سے وہ شاہد (گواہ) جو کافر کے کفر کی خبر دے رہا ہے کافر ہونے سے نکلکر اللہ تعالیٰ کی رضا و ایمان کی طرف آگیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "الا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان۔ ولکن من شرح بالکفر صدرا" (مگر وہ شخص جس پر جبر و اکراہ کیا جائے اور اُس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو (تو وہ کافر نہیں) مگر (وہ کافر ہے) جو کفر سے اپنا سینہ کشادہ کرلے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کا مجبور و مکرہ ہونا ثابت ہوا ہے اس سے نکالدیا کہ وہ اظہار کفر سے کافر ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رخصت و اجازت وثبات ایمان پر ہے۔ جو کفر کو اس طرح ظاہر کرے کہ نہ تو وہ قاری ہو۔ نہ شاہد ہو۔ نہ حاکی (حکایت بیان کرنے والا) ۔ نہ مکرہ و مجبور ہو۔ تو اُسے کفر لازم ہوگا۔ اجماع امت کے مطابق اُس کے کفر کا حکم ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق بھی اُس کے کفر کا حکم ہوگا۔ قرآن نے بھی تصریح کی ہے کہ جو کلمۂ کفر کہے وہ کافر ہے۔ جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام "ولکن من شرح بالکفر صدرا" صرف اعتقاد کفر کے متعلق نہیں ہے بلکہ جو شخص وہ کلام کہے کہ اہل اسلام کے نزدیک جس کے کہنے والے کے کفر کا حکم دیا جائے گا۔ جو نہ قاری ہو نہ شاہد ہو نہ حاکی ہو نہ مکرہ ہو تو اُس نے کفر سے سینہ کھول لیا۔ یعنی اُس نے اپنا سینہ اُس کفر کے قبول کرنے کے لئے کشادہ کرلیا جس کا قائل ہونا اہل اسلام واہل کفر دونوں پر حرام کیا گیا ہے۔ خواہ وہ اس کا اعتقاد کرے یا نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ اعلان کفر کا عمل جو اُن وجوہ کے مطابق نہ ہو جن میں کفر کے بیان کرنے کو مباح کر دیا گیا ہے تو یہ کفر سے سینہ کھولنا اور اُس کے ساتھ شرح صدر ہے۔ لہٰذا اس آیت کے ذریعے سے ان لوگوں کی جو فریب کاری تھی وہ بتوفیق الٰہی باطل ہوگئی۔

ایک اور برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "انما المؤمنون الذین

آمنوا باللہ و رسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون" (مومن صرف وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے پھر اُنھوں نے شک نہیں کیا اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ ایمان وہ شے ہے جو شک نہونے سے پہلے ہے۔ شک نہونے کا وجود محض قلب ہی سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ ایمان چونکہ شک نہونے سے پہلے ہے اس لئے وہ کوئی دوسری ہی شے ہے جو شک نہونے کے سوا ہے۔ وہ چیز جو شک نہونے سے پہلے ہے وہ زبان سے کہنا ہے۔ پھر دل سے تصدیق کرنا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی بدن اور جان و مال سے جہاد کرنا ہے۔ لہٰذا حسب تصریح کلام اللہ ایمان بغیر ان تمام اقسام کے مکمل و تام نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس نص سے اُس کا قول باطل ہوگیا جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایمان صرف دل سے تصدیق کرنا ہے۔ یا صرف زبان سے کہنا ہے۔ یا صرف دونوں باتیں ہیں بغیر بدن کے عمل کے۔

ایک اور برہان یہ ہے کہ ہم اُن سے کہتے ہیں کہ ہمیں ان اہل دوزخ کے متعلق بتاؤ جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے جن کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے کہ آیا یہ لوگ جس وقت دوزخ میں ہوں گے تو یہ لوگ اپنے دلوں میں اُس توحید و نبوت کی صحت کو پہچانتے ہوں گے کہ جن کا انکار کرنے کی وجہ سے یہ لوگ دوزخ میں ڈالے گئے اور آیا اُس وقت یہ لوگ اپنی زبانوں سے ان امور کا اقرار کرتے ہوں گے یا نہیں۔ دو میں سے ایک بات ضروری ہے

اگر کہیں کہ وہ لوگ ان سب امور کو دل سے پہچانتے اور زبان سے انکا اقرار کرتے ہوں گے تو ہم کہیں گے کہ تو کیا وہ مومن ہوں گے یا غیر مومن ہوں گے۔

اگر وہ کہیں کہ غیر مومن ہوں گے تو ہم کہیں گے کہ تم نے اپنا قول ترک کر دیا کہ ایمان معرفت قلب ہے یا اقرار زبان ہے یا دونوں ہیں۔

اگر وہ کہیں کہ یہ آخرت کا حکم ہے۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ چونکہ تم نے اسما کو ان کے موضوع لغت سے آخرت میں منتقل کرنے کو جائز رکھا ہے تو پھر دنیا میں تم اسے کہاں سے منع کرتے ہو اور تم نے آخرت میں اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے کیوں تجویز کیا۔ حالانکہ اس سے زیادہ حماقت نہ ہوگی۔

اگر وہ کہیں کہ وہ مومن ہوں گے۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ تب تو دوزخ مومنین کے لئے تیار کی گئی نہ کہ کافرین کے لئے۔ اور وہ مومنین کا مقام ہوئی۔ یہ خلاف قرآن واحادیث ہے اور متفق اہل اسلام کے اجماع کے خلاف ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ دوزخ میں ہونے کی حالت میں نہ توحید کو جانتے ہوں گے نہ صحت نبوت کو تو قرآن کی تصریحات اُن کی تکذیب کرتی ہیں۔ انہوں نے اپنے رب کی اس خبر کی تکذیب کی کہ یہ سب کے سب ان تمام امور کو پہچانیں گے۔ اس کو اپنی زبانوں سے ادا کریں گے۔ اس کی خواہش کریں گے کہ انھیں پھر دنیا میں بھیجدیا جائے اور واپس کر دیا جائے اور اپنے گذشتہ اعمال پر شرمندہ ہوں گے۔ ان لوگوں نے معقول کی تصریحات کی بھی تکذیب کی اور علی الاعلان محال بات کہی۔ کیونکہ انہوں نے اُس شخص کو جو قیامت و جزاو حساب کا مشاہدہ کرے گا اسے اس کے وجود کا نہ جاننے والا قرار دیا۔ لہذا اس سے ثابت ہو گیا کہ ایمان و کفر و شرک وہی ہے اللہ تعالیٰ جس کا نام کفر و شرک وایمان رکھدے اللہ کے نام رکھے بغیر کوئی مومن یا مشرک یا کافر نہیں۔ یہ یا تو قرآن میں ہو گا یا حدیث میں۔

جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان اعتقاد قلب واقرار زبان بغیر عمل اعضا کے ہے۔ تو اس مقالے کے کہنے والے کی ہم تکفیر نہیں کرتے۔ اگرچہ یہ خطا و بدعت ہے۔ ان لوگوں نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ ہمیں اُس کے متعلق بتاؤ جو "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہتا ہے۔ اسلام کے سوا ہر دین سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ اُن تمام امور کی تصدیق کرتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لائے ہیں۔ ان سب کا دل سے اعتقاد کرتا ہے اور اس کے بعد ہی وہ مرجاتا ہے تو آیا یہ مومن ہے یا نہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ بلاشک وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور ہمارے نزدیک مومن ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں بتاؤ کہ آیا وہ ناقص الایمان ہے یا کامل الایمان۔ اگر تم کہو کہ وہ کامل الایمان ہے تو یہ ہمارا قول ہے۔ اور اگر کہو کہ وہ ناقص الایمان ہے تو ہم تم سے سوال کریں گے کہ اُس کے ایمان کو کس نے ناقص کیا اور کتنا ایمان اُس کے ساتھ ہے۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ وہ اُس شخص کی طرف اضافت و نسبت کرنے سے ناقص الایمان ہے جس کا ایمان اُن اعمال کی وجہ سے زائد ہے جو اس شخص نے نہیں کئے ہر شخص اس شخص کی طرف نسبت و اضافت کرنے سے ناقص الایمان ہے جو اُس سے اعمال میں افضل ہے۔ یہاں تک کہ یہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے گا کہ کوئی شخص بھی آپ سے زیادہ تام و کامل ایمان والا نہیں ہے۔ یعنی آپ سے زیادہ اچھے عمل والا کوئی نہیں۔ ان کا یہ سوال کہ اُس کے ایمان کو کس نے ناقص کیا ہے۔ تو اُسے اُن اعمال نے ناقص کیا ہے جو اُس کے غیر نے کئے ہیں اور جن کی مقدار کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔

کفر کے معنی

جس چیز سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اسم ایمان و کفر شریعت میں ان کے موضوع لغت سے منتقل کر لئے گئے ہیں۔ یہ ہے کہ لغت میں کفر ڈھانکنے اور چھپانے کو کہتے ہیں۔ کاشتکار کو اسی لئے کافر کہا جاتا ہے کہ وہ غلّے کو چھپاتا ہے۔ رات کو اسی لئے کافر کہا جاتا ہے کہ وہ ہر شے کو چھپا لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع" (پھر وہ درخت موٹا ہو گیا اور اپنے تنے پر قائم ہو گیا جو کاشتکاروں کو بھلا لگنے لگا)۔ اور فرمایا ہے "کزرع اعجب الکفار نباتہ" (مثل اُس کھیتی کے جس کا اُگنا کفار یعنی کاشتکاروں کو خوش کرتا ہے)۔ لبید بن ربیعہ کہتا ہے کہ "یمینھا القت زکاۃ فی کافر" یعنی فی اللیل۔ (محبوبہ کے داہنے ہاتھ نے زکاۃ کافر میں یعنی رات میں ڈال دی) اللہ تعالیٰ نے

اسم کفر کو شریعت میں ربوبیت کے انکار اور کسی بھی نبی کی نبوت کے انکار کے لئے نقل کر لیا ہے جس کی نبوت قرآن میں ثابت ہو اور کسی ایسی شے کے انکار کے لئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جو منکر کے نزدیک بھی بڑی بڑی جماعتوں کے نقل کرنے سے ثابت ہے یا کسی ایسے عمل کے لئے جس پر برہان قائم ہے کہ اس پر عمل کرنا کفر ہے جس کو الحمد للہ ہم نے اپنی کتاب الایصال میں بیان کیا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کافر ہیں۔ اور یہ کہکر سکوت کرے اور مراد اس کی یہ ہو کہ یہ لوگ طاغوت و بت کے کافر و منکر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا" (پھر جو شخص طاغوت یعنی بت کے ساتھ کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایک ایسے مستحکم کڑے کو پکڑ لیا جو چھوٹ نہیں سکتا) تو اہل اسلام میں سے کسی کو بھی اس سے اختلاف نہ ہوگا کہ اس قول کے کہنے والے کے کفر کا حکم دیا جائے گا اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ابلیس و فرعون و ابوجہل مومن ہیں۔ تو اہل اسلام میں سے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہ ہوگا کہ اس قول کے کہنے والے پر بھی کفر کا حکم دیا جائے گا حالانکہ اس کی مراد یہ ہے کہ یہ لوگ دین کفر کے مومنین یعنی ماننے والے ہیں۔

ہر صاحب فہم کے نزدیک بھی یہ ثابت ہو گیا کہ یقیناً اسم ایمان و کفر شریعت میں اپنے موضوع لغت سے منتقل کر لئے گئے ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔ اسم ایمان مطلق کا ایسی تصدیق کے معنی پر واقع کرنا جائز نہیں کہ انسان خواہ کسی شے کی بھی تصدیق کرے۔ نہ اسم کفر کا ڈھانکنے کے معنی پر واقع کرنا جائز ہے خواہ انسان کسی شے کو بھی ڈھانکے۔ اسی شے پر اسم ایمان وکفر واقع کرنا جائز ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے واقع کیا۔ اور اس سے زائد نہیں یقیناً ثابت ہو گیا کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ گمراہی ہے اور قرآن وحدیث

اور اول سے آخر تک کے اہل اسلام کے اجماع کے خلاف ہے۔
وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

تصدیق کا حکم اسی حال پر باقی رہا جو لغت میں ہے کہ اس میں نہ کسی انسان کو اختلاف ہے نہ جن کو۔ نہ کافر کو نہ مومن کو۔ جو کسی شے کی تصدیق کرے تو وہ اس کا مُصدّق ہے۔ جو شخص اللہ و رسول کی تصدیق کرے اور اس کی تصدیق نہ کرے جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا تو وہ اللہ و رسول کا مُصدِّق یعنی تصدیق کرنے والا ہے اور نہ مومن ہے نہ مسلم۔ لیکن وہ بوجوہ مذکورۂ بالا کافر و مشرک ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ والحمد للہ رب العلمین۔

مُرجیہ کے تینوں طبقات کے اعتراضات
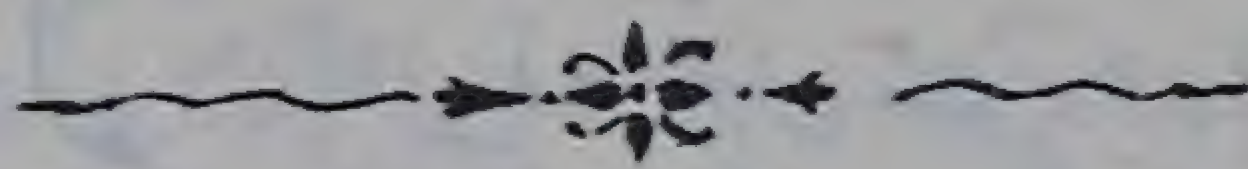
اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا کفر ایمان کی ضد نہیں ہے۔ تو ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ ہاں۔ اس قول کا اطلاق خطا ہے اس لئے کہ ایمان اسم مشترک ہے جو چند معنی پر واقع ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ ان معانی میں سے کوئی شے ایسی ہوگی کہ کفر اس کی ضد ہوگا۔ کوئی شے ایسی ہوگی کہ فسق اس کی ضد ہوگا نہ کہ کفر۔ کوئی شے ایسی ہوگی کہ اس کا ترک اس کی ضد ہوگا نہ کفر نہ فسق۔

وہ ایمان جس کی ضد کفر ہے وہ اعتقاد قلب و اقرار زبان ہے۔ کیونکہ کفر اسی ایمان کی ضد ہے۔

وہ ایمان جس کی ضد فسق ہے نہ کہ کفر تو وہ فرض اعمال کے متعلق ہے کیونکہ اس کا ترک اس کے عمل کی ضد ہے۔ اور وہ فسق ہے نہ کہ کفر۔

وہ ایمان کہ ترک جس کی ضد ہے وہ نفل اعمال ہیں کیونکہ اس کا ترک اس پر عمل کرنے کی ضد ہے اور یہ نہ فسق ہے نہ کفر۔ برہان وہی نصوص ہیں جن میں یہ وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

تمام اعمال نیک کو ایمان نامزد کیا ہے ۔ کسی کو کفر کسی کو فسق اور کسی کو مباح اور کسی کو معصیت نامزد کیا ہے اور اُس کو بھی نامزد کیا ہے جو نہ کفر ہے نہ ایمان ہم کہہ چکے ہیں کہ نامزد کرنے کا حق صرف اللہ کو ہے نہ کسی اور کو۔ اگر ان میں سے کوئی معترض یہ کہے کہ کیا اللہ کا انکار جو زبان سے نہ ہو صرف دل ہی سے ہو کفر نہیں ہے تو لامحالہ ہاں کہنا پڑے گا۔ تو اس پر لازم آئے گا کہ صرف زبان سے تصدیق کرنا ہی ایمان ہو۔ ہمارا جواب بتوفیق الٰہی یہ ہے کہ اگر تصدیق صرف قلب سے ہو یا صرف زبان سے ہو تو یہ تمہارے نزدیک ایمان ہو جائے گی۔ حالانکہ ہم ابھی واضح کر چکے ہیں کہ ان میں سے کوئی شے جدا گانہ ایمان نہیں ہے اور ایمان و کفر صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایمان و کفر بتایا۔

گروہ سوم میں سے کوئی معترض اگر یہ کہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا انکار دل وزبان دونوں سے کفر نہیں ہے۔ تو اسی طرح لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اقرار جو دل وزبان دونوں سے ہو وہ ایمان ہو۔ تو ہم بتائید الٰہی کہیں گے کہ جو کچھ تم نے کہا یہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ کسی ایسی شے کا انکار کفر ہے جو برہان سے ثابت ہو کہ بغیر اُس کی تصدیق کے ایمان نہیں ہوتا۔ کسی ایسی بات کا کہنا کفر ہے جس پر برہان قائم ہو کہ اس کا کہنا کفر ہے۔ کوئی ایسا عمل کرنا کفر ہے جس پر برہان قائم ہو کہ یہ عمل کرنا کفر ہے۔ کفر زائد ہوتا ہے اور جو چیز اس میں زائد ہوتی ہے وہ بھی کفر ہوتی ہے۔ کفر کم ہوتا ہے اور اس کے باوجود جو کچھ اُس میں کم ہو جاتا اور بقیہ رہ جاتا ہے وہ سب کفر ہوتا ہے۔ اور بعض کفر دوسرے بعض کفر سے بڑا اور شدید اور برا ہوتا ہے اور سب کفر ہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بعض کفر کے متعلق خبر دی ہے کہ "تکاد السمٰوات یتفطرن منہ و تنشق الارض وتخر الجبال ھدا" (یعنی کفار کے اللہ کے لئے بیٹے کا دعویٰ کرنے سے) ممکن ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں

اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ اڑ اڑا کے گر پڑیں) ۔ اور فرمایا ہے " ھل تجزون الا ما کنتم تعملون " (تمہیں صرف اسی کی جزا دیجائے گی جو تم کیا کرتے تھے) پھر فرمایا ہے " ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار " (بیشک منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہوں گے۔) ۔ اور فرمایا ہے۔ " ادخلوا ال فرعون اشد العذاب (فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ایک قوم پر دو چند عذاب کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہے اور اس کا قول حق ہے ۔ لہٰذا اجزا نص کے مطابق بقدر کفر ہو گی ۔ اور نصوص کے مطابق بعض جزا بعض سے سخت تر ہو گی ۔ ایمان بھی ان صحیح نصوص کے مطابق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے وارد ہیں کم وبیش ہوتا ہے ۔ اور بغیر کسی اختلاف کے اُس کی جزائے جنت میں بھی کمی بیش ہو گی ۔

اگر طبقہ اول و دوم میں سے کوئی اعتراض کرے کہ کیا یہ تمھارا قول نہیں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانے اور صرف دل سے دونوں کا اقرار کرے مگر وہ اپنی زبان سے ان دونوں کا یا کسی ایک کا انکار کرے تو وہ کافر ہے ۔ اسی طرح کیا تمھارا یہ قول نہیں ہے کہ جو شخص اللہ و رسول کا صرف زبان سے اقرار کرے مگر دل سے دونوں کا یا کسی ایک کا منکر ہو تو وہ کافر ہے ۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ ہاں ہم اسی طرح کہتے ہیں ۔ ان لوگوں نے کہا کہ تو پھر تمھارے قول سے لازم آئے گا کہ جو شخص اس سبب سے جو ہم نے بیان کیا کافر ہو تو لامحالہ اُس کا یہ فعل بھی کفر ہو ۔ کیونکہ کافر تو محض اپنے کفر ہی کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ لہٰذا تمھارے قول کی بنا پر لازم آئے گا کہ اللہ و رسول کا دل سے اقرار کفر ہو ۔ اور نیز اللہ و رسول کا زبان سے اقرار بھی کفر ہو ۔ حالانکہ تم کہتے ہو کہ یہ دونوں ایمان ہیں ۔ لہٰذا تمھارے قول کی بنا پر لازم آیا کہ کفر اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہوں اور ان کا مرتکب کافر و مومن ساتھ ساتھ ہو ۔

اور یہ جیسا کچھ ہے تم خود سمجھ سکتے ہو۔
بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ ایک کمزور فریب دہی اور جھوٹا الزام ہے جس کو تم نے نامزد کیا ہے۔ اس لئے کہ ہم نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ جو شخص صرف دل سے اللہ و رسول کی تصدیق کرے اور زبان دونوں کا یا ایک کا انکار کرے تو اس کا یہ اعتقاد اس تصدیق کی وجہ سے کفر ہے اور وہ شخص اس کی وجہ سے کافر ہے۔ ہم نے صرف یہی کہا ہے کہ اس نے زبان سے اس کا اقرار ترک کرکے کفر کیا۔ یہی کفر ہے اور اسی کی وجہ سے وہ کافر ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ نے اس کا خون یا اس سے جزیہ لینا حلال کر دیا ہے۔ اس میں ہمارے ساتھ تمہارا اور تمام اہل اسلام کا اجماع ہے۔ محض قلب سے تصدیق لغو اور اکارت اور رائیگان ہے اور ایسی ہے کہ گویا نہیں ہوئی۔ کہ نہ ایمان ہے نہ کفر۔ نہ طاعت نہ معصیت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لئن اشرکت لیحبطن عملك" (اگر تو شرک کرے گا تو ضرور ضرور تیرا عمل رائیگان ہو جائے گا)۔ اور فرمایا ہے "یا ایها الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهروا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون" (اے ایمان والو۔ اپنی آوازیں نبی کی آواز پر بلند نکرو۔ اور نہ آپ سے اس طرح پکار کے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ (اس گستاخی سے) تمہارے اعمال رائیگاں ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔) ہر مسلمان بدیہی طور پر جانتا ہے کہ جس کا عمل رائیگاں اور باطل ہو جائے تو اس عمل کا حکم اور اس کی تاثیر ساقط ہو جائے گی اور اس کا کوئی نشان نہ رہے گا۔

١٢٠

اسی طرح ہم یہ نہیں کہتے کہ جو شخص صرف اپنے قلب سے اللہ و رسولؐ کا اقرار کرے اور اپنی زبان سے اس کا انکار کرے تو اس کے متعلق اس کا زبان سے اقرار کرنا کفر ہے۔ اور وہ اس کی وجہ سے کافر ہے۔ لیکن اس نے ان امور کا جو دل سے انکار کیا ہے وہ اپنے اس انکار کی وجہ سے کافر ہے۔ اس کا ان امور کا اقرارِ زبان لغو اور رائگاں ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ نہ

ایمان ہے نہ کفر۔ نہ طاعت ہے نہ معصیت وباللہ التوفیق۔لہٰذا یہ ایہام فاسد بھی ختم ہو گیا۔

اگر کوئی معترض انھیں میں سے یہ کہے کہ کیا بعض ایمان ایمان نہیں ہے اور بعض کفر کفر نہیں ہے اور اس سے ہمیں الزام دینا چاہے کہ اعتقاد قلب واقرار زبان وعمل اعضا جب یہ کل ایمان ہے تو اس کے اجزا جب جداگانہ ہوں گے تو وہ بھی ایمان ہوں گے۔ یا ہم یہ کہدیں کہ اجزائے ایمان ایمان نہیں ہیں تاکہ وہ اس سے فریب دہی کرے۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ ایمان کا بعض حصہ ہرگز ایمان نہیں۔ بلکہ ایمان چند اشیا سے ترکیب پاتا ہے کہ جب وہ جمع ہوتی ہیں تو ایمان ہوتا ہے۔ مثلاً رنگ ابلق۔ کہ نہ تو صرف سیاہی ابلق ہے نہ صرف سفیدی ابلق ہے۔ جب سیاہی وسفیدی جمع ہوں گی تو ابلق ہو جائے گا۔ مثلاً دروازہ۔ کہ نہ تو صرف لکڑی دروازہ ہے نہ صرف کیلیں دروازہ ہیں۔ جب یہ دونوں چیزیں ایک خاص شکل پر جمع ہوں گی تو اُس وقت دروازہ کہلائے گا۔ مثلاً نماز۔ کہ نہ صرف قیام نماز ہے اور نہ صرف رکوع نماز ہے اور نہ صرف جلوس نماز ہے اور نہ صرف قرأت نماز ہے اور نہ صرف ذکر نماز ہے اور نہ صرف قبلے کا رخ کرنا نماز ہے۔ مگر جب یہ سب چیزیں جمع ہوں گی تو اُس وقت اس مجموعے کا نام نماز رکھا جائے گا۔ ایسا ہی روزۂ فرض و مستحب۔ کہ دن کی ہر ساعت کا روزہ جداگانہ۔ روزہ نہیں ہے۔ جب دن کی تمام ساعتوں کے روزے جمع ہوں گے تو ان سب کا نام روزہ رکھا جائے گا۔ کبھی بھولے سے دن میں کھانا پینا اور جماع واقع ہو جاتا ہے تو یہ اُس کے روزے کے صحیح ہونے سے مانع نہیں ہے۔ نام رکھنے کا حق جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں صرف اللہ تعالیٰ کو ہے نہ کہ اُس کے علاوہ کسی اور کو۔ ایمان میں سے وہ شے ہے کہ جب وہ جدا ہو تو کفر ہو جائے مثلاً کوئی شخص اپنے قلب کی تصدیق کے ساتھ یہ کہے کہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" تو یہ ایمان ہے۔ مگر جب تنہا "لا الٰہ" کہے اور

سکوت کرے تو بغیر کسی اختلاف کے کفر کا فیصلہ کیا جائے گا۔
اس کے بعد ہم ان لوگوں سے دریافت کرتے ہیں کہ جب کسی کا روزہ یا نماز تنہا ہو' بغیر ایمان کے ہو تو کیا یہ طاعت ہے۔ اگر یہ کہیں کہ نہیں تو یہ اُسی میں چلے جائیں گے جس سے انھوں نے ہمارے خلاف فریب دینا چاہا تھا کہ اجزائے طاعات جب جداگانہ ہوں تو وہ طاعت نہیں بلکہ معصیت ہیں اور جب وہ اکٹھا ہوں تو طاعت ہوتے ہیں۔
اگر وہ یہ کہیں کہ جب زبان سے کہنا تمہارے نزدیک ایمان ہے تو لازم ہے کہ جب کہنا نہ ہو کہ آدمی اپنے اقرار کے بعد خاموش ہو جائے تو اس کا یہ سکوت کفر ہو۔ اور وہ اپنے سکوت کی وجہ سے کافر ہو۔ ہم کہیں گے کہ بیشک تمہارے نزدیک ہمیں یہ لازم آتا ہے۔ مگر تم کیا کہو گے اگر محمد بن کرام کے اصحاب تم سے دریافت کریں کہ جب تمہارے نزدیک اعتقاد قلب ہی ایمان ہے تو واجب ہے کہ جب وہ اعتقاد کو بھول جائے یا اس کی یاد کو حاضر رکھنے سے غفلت ہو جائے' جیسا تو اُس حالت میں ہو کہ یہ کسی اور سے بات کرنے میں مشغول ہو' یا اس کی فکر کی حالت میں ہو' یا اس کے سونے کی حالت میں ہو' تو یہ کافر ہو' اور یہ سہو کفر ہو۔ ان کا جواب یہ ہے کہ یہ سہو اسی اقرار زبان پر محمول ہو گا جو اس سے ثابت ہو چکا ہے۔
ہم جہمیہ و اشعریہ سے کہتے ہیں کہ اللہ و رسولؐ کا انکار اور ان کا برا کہنا جب کہ یہ سب زبان سے ہو تو کفر نہیں ہے مگر یہ اس کی دلیل ہے کہ دل میں کفر ہے۔ ہمیں اس دلیل کے متعلق جو تم نے بیان کی ہے بتاؤ کہ کیا تم اس کو قطعی و یقینی جانتے ہو اور اس کو ثابت مانتے ہو اور اس میں شک نہیں کرتے کہ اُس کے دل میں ربوبیت و نبوت کا انکار ہے' یا یہ ایسی دلیل ہے جو جائز ہے (یعنی اس کی جانب مخالف کا ہونا ضروری نہیں) اور اس میں شک کا دخل ہے۔ اور ممکن ہے کہ اُس کے قلب میں کفر نہ ہو۔ دو میں سے ایک امر ضروری ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ یہ ایسی دلیل ہے کہ ہم اسے قطعی نہیں سمجھتے اور نہ ہم اسے یقینی مانتے ہیں۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ تمہارا

کیا حال ہے کہ تم اُس گمان سے استدلال کرتے ہو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا" (یہ لوگ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ گمان حق سے قطعاً بے نیاز نہیں کرتا)۔ اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ تم صرف یہ کہتے ہو کہ ہم نے اعلان کفر کو اس وجہ سے کہا ہے کہ یہ اس کی دلیل ہے کہ قلب میں کفر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا نام کفار رکھا۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی شہادت کا نہ ماننا ناممکن ہے۔ تو یہی مصیبت تم پر رجوع کرے گی۔ اس لئے کہ تم نے قطعی سمجھ لیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے۔ اس کے بعد تم نے اللہ تعالیٰ کی شہادت کی تصدیق نہیں کی اور نہ اس کو یقینی جانا بلکہ تم نے اس میں شک کیا۔ اور یہ تکذیب ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔

ہم لوگ معاذ اللہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں یا اعتقاد رکھ سکتے ہیں کہ کبھی اللہ تعالیٰ نے اس کی شہادت دی۔ جو یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ شہادت دی ہے کہ جو شخص کفر کا اعلان کرے تو وہ اپنے قلب سے بھی منکر ہے۔ تو اس شخص نے اللہ پر بہتان باندھا اور افترا کیا۔ یہ تو اُس شیطان کی شہادت ہے جس نے اس کے ذریعے سے اپنے احباب کو گمراہ کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس کی ضد کی شہادت دی ہے۔ کہ یہ لوگ حق کو پہچانتے ہیں اور اس کو چھپاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کا رسول ہونا حق ہے۔ اور اپنی زبانوں سے اس کے خلاف ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں صرف اُسی کی وجہ سے کافر بنایا ہے جو اُن کی زبانوں یا ان کے افعال سے ظاہر ہوا جیسا کہ اس نے ابلیس و اہل کتاب وغیرہ کے ساتھ کیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے اور ہم اس کو قطعی جانتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ جو شخص ایسی چیز کا اعلان کرے جو اس کی موجب ہو کہ شریعت میں اس پر اسم کفر کا اطلاق کیا جائے تو بیشک وہ اپنے قلب میں بھی منکر ہے۔ ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہیں گے کہ یہ بچند وجوہ باطل ہے۔

اول یہ کہ یہ بغیر کسی برہان کے دعویٰ ہے۔

دوم یہ کہ یہ علم غیب ہے جسے اور اس کو کہ جسے وہ اپنے دل میں پوشیدہ رکھتا ہے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے اس لئے مبعوث نہیں کیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے دل چیر کے دیکھوں۔ لہٰذا جو اس کا مدعی ہے وہ علم غیب کا مدعی ہے۔ اور جو علم غیب کا مدعی ہے وہ کاذب ہے۔

سوم یہ کہ قرآن واحادیث جیسا کہ ہم نے بیان کیا ان میں جو نصوص آئی ہیں وہ اس کے خلاف ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے تلاوت کی ہے۔

چہارم یہ کہ اگر واقعہ یونہی ہوتا جیسا تم کہتے ہو تو پھر کہاں سے تم نے ایمان کو صرف اعتقاد قلب تک مختصر کر دیا اور تم نے اقرار زبان کی رعایت نہیں کی حالانکہ تمہارے نزدیک ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح وابستہ ہے کہ دونوں کا جدا ہونا غیر ممکن ہے۔ یہ تمہارے اس قول کو باطل کرتا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے دل میں ایمان کا اعتقاد کر لے تو وہ اپنے اعلان کفر کی وجہ سے کافر نہ ہوگا۔ تم نے یہ جائز رکھا کہ جو شخص باطن میں ایمان رکھتا ہے وہ ظاہر میں کفر کر سکتا ہے لہٰذا تمہارے مذہب کا تناقض وفساد عظیم ظاہر ہو گیا۔

پنجم یہ کہ ان لوگوں کو یہ لازم آرہا تھا کہ جب زبان سے کفر کرنے کا اعلان انکار قلب کی اور کفر قلب کی دلیل ہے تو زبان سے اعلان ایمان سے بھی لازم آئے گا کہ یہ بھی دلیل قطعی ویقینی اس امر کی ہو کہ دل میں ایمان وتصدیق ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مومنین کہا جس طرح اُس نے اُن لوگوں کو کفار بتایا اور دونوں شہادتوں میں کوئی فرق نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن منافقین کے متعلق خبر دی ہے جو ایمان کا اعلان کرتے تھے اور کفر وانکار کو دل میں چھپاتے تھے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ کیا اور ہمیں خبر دی کہ ابلیس واہل کتاب ومنکرین نبوت کفر کا اعلان کرتے ہیں اور تصدیق کو دل میں چھپاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور اُس کا رسول حق ہے اُسے ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو۔ اور کوئی فرق نہیں۔ جس کذب و باطل سے تم نے ان لوگوں کے بارے میں فریب دہی کی گراہی کے لئے منافقین کے بارے میں بالکل ایسا ہی اور اسی کے مساوی ممکن ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ یہ لوگ اپنے دل میں کفر کے پوشیدہ کرنے کی وجہ سے ہرگز کافر نہیں ہوئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں اس طرح بتایا کہ یہ ایمان لائے پھر انھوں نے کفر کیا تو ہمیں اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی شہادت سے معلوم ہوا کہ اس کے بعد ان لوگوں نے کفر و انکار کو زبان سے ادا کیا۔ جیسا کہ تم نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت اُس پر ہے جو کفار کے دلوں میں ہے اور کوئی فرق نہیں۔

یہ دونوں شہادتیں جو ان دونوں گروہوں کی طرف سے ہیں اللہ تعالیٰ پر بہتان و افترا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس و اہل کتاب کے متعلق صرف اُسی کفر و توہین نبوت و آدم و نبی صلی اللہ علیہما وسلم کی شہادت دی ہے جس کا ان لوگوں نے اعلان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اُسی کفر کی شہادت دی ہے جو ان لوگوں نے دلوں میں چھپایا۔ یہ تو کلمات کو اُن کے مقامات سے بدلنا ہے اور بہتان و افترا ہے۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

اُن لوگوں نے اپنے قول پر غور کیا اور کہا کہ یہ اسی کے مثل ہے کہ ہم یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آج اس گھر میں کافر ہی داخل ہوگا۔ یا یہ کہ جو آج اس گھر میں داخل ہوگا وہ کافر ہوگا۔ تو اس مکان میں داخل ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ شخص کفر کا معتقد ہے کیونکہ گھر میں داخل ہونا کفر ہے۔

یہ کذب اور کفر و فریب دہی ہے گیا اس روز اس گھر میں داخل ہونا خالص و محض کفر ہے کبھی ممکن ہے کہ آجاتا جو اس گھر میں داخل ہو وہ اللہ و رسول کی تصدیق کرنے والا ہو۔ سوائے اس کے کہ اس کی یہ تصدیق اس گھر میں داخل ہونے کی وجہ سے رائیگاں ہوگئی ہے۔ برہان یہ ہے کہ

دو اہل اسلام کا بھی اس میں اختلاف نہیں ہے کہ اس مکان میں داخل ہونا نہ عائشہؓ کے لئے حلال ہے، نہ ابو بکرؓ کے لئے، نہ علیؓ کے لئے، نہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کے لئے، نہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کے لئے (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ ان کے دلوں میں جو کچھ ہے خدا کو اس کا علم ہے اور اللہ نے ان پر سکینہ و اطمینان نازل فرمایا۔ چونکہ یہ ایسا ہے لہذا بدیہی طور پر واجب ہے کہ یہ تمام حضرات رضی اللہ عنہم اس مکان میں داخل ہوتے تو محض اپنے اس میں داخل ہونے ہی سے بلا شک کافر ہو جاتے اور ان کا ایمان رائیگاں ہو جاتا ہے۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ اگر یہ حضرات اس میں داخل ہوتے تو کافر نہ ہوتے۔ تو خود وہی لوگ کافر ہو جائیں گے اس لئے کہ اس قول سے وہ اس کا یقین کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول غلط ہے کہ اس مکان میں وہی داخل ہوگا جو کافر ہوگا۔

بعض مُرجیہ نے اس مقام پر اخطل نصرانی ملعون کے قول سے استدلال کیا ہے جو کہتا ہے ؎

ان الکلام لفی الفؤاد وانما ⁂ جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا

(بیشک کلام تو دل ہی میں ہوتا ہے۔ اور زبان کو صرف دل پر دلیل بنایا گیا ہے)

اس استدلال پر ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس شعر کا کہنے والا ملعون ہے، ملعون ہے۔ جس نے اللہ کے دین میں اس کو حجت قرار دیا وہ بھی ملعون ہے، ملعون ہے۔ یہ مسئلہ لغت کا نہیں ہے جس میں عربی سے استدلال کیا جائے گا اگرچہ وہ کافر ہو۔ یہ تو محض قضیۂ عقلیہ ہے اور عقل و حس تکذیب کرتی ہیں کہ یہ بیت قضیۂ شرعیہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ملعون نصرانی سے زیادہ سچا ہے جو فرماتا ہے "یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم" (یہ لوگ اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں

نہیں ہے) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بعض لوگ زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہوتی جو خطل ملعون کے اس قول کے خلاف ہے کہ کلام دل میں ہوتا ہے اور زبان دل پر دلیل ہے۔ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے ہیں اور خطل کی اور اس ملعون کی تکذیب کرتے ہیں جو اللہ کے دین میں اخطل کو حجت قرار دے۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "ولتعرفنہم فی لحن القول" (اور آپ ضرور ضرور ان کو لہجۂ کلام میں پہچان لیں گے) تو ہم کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان لوگوں کو نہ پہچنوایا اور آپ کو ان کا لہجۂ کلام نہ بتایا ہوتا تو اُن کا لہجۂ کلام اُن لوگوں پر دلیل نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا اطلاق ہر شخص پر نہیں کیا بلکہ ان خاص لوگوں پر۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ پر اس کے خلاف تصریح کی ہے۔ فرماتا ہے "وممن حولکم من الاعراب منافقون ومن اهل المدینة مردوا علی النفاق لاتعلمهم نحن نعلمهم" (اور جو تم لوگوں کے اطراف میں اعراب ہیں اُن میں منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق میں مبتلا ہیں جنھیں آپ نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں)۔ یہ منافقین جو اہل مدینہ میں سے نفاق میں مبتلا تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کے لہجۂ کلام سے ہرگز نہیں جانا۔ اگر لوگ اپنے رب کے کلام کے بعض حصے کو بعض پر نہ مارتے اور اس کے کل کو اس کے مقتضا کے مطابق لیتے تو ضرور ہدایت پاتے۔ لیکن "من یهده اللہ فهو المهتد ومن یضلله فلن تجد له ولیا مرشدا" (اللہ جس کو ہدایت کرتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے اور وہ جسے گمراہ کرے تو تو ہرگز اس کے لئے کسی دوست کو راستہ بتانے والا نہ پائے گا)۔

فرمایا ہے "ان الذین ارتدوا علی ادبارهم من بعد ما تبین لهم الهدی الشیطان سول لهم واملی لهم۔ ذلک بانهم قالوا للذین کرهوا ما انزل اللہ سنطیعکم فی بعض الامر واللہ یعلم اسرارهم۔ فکیف اذا توفتهم الملئکة یضربون وجوههم وادبارهم۔

ذلک بانہم اتبعوا ما اسخط اللہ وکرھوا رضوانہ فاحبط اعمالھم" (جو لوگ کہ ہدایت اُن کے لئے واضح ہو چکنے کے بعد اپنے پس پشت پلٹ گئے شیطان نے اُنھیں بہکایا ہے اور دھوکا دیا ہے۔ یہ اس لئے کہ انھوں نے ان لوگوں سے کہا جنھوں نے اُسے ناپسند کیا جسے اللہ نے نازل کیا کہ ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت کریں گے۔ اور اللہ ان کے راز کو جانتا ہے۔ پھر اُس وقت کیا کیفیت ہوگی جب ملائکہ ان کی روح قبض کریں گے تو ان کے چہروں اور پشتوں پر ماریں گے۔ یہ اس لئے کہ انھوں نے اُس امر کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اُس کی رضامندی کو ناپسند کیا تو اُس نے ان کے اعمال کو رایگان کر دیا)۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں صرف ان کے کفار سے کچھ کہنے کی وجہ سے جو انھوں نے حق کا علم ہونے اور ہدایت کے ان کے پاس آجانے کے بعد کیا مرتد و کافر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ وہ اُن کے راز کو جانتا ہے۔ اُس نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ راز انکار ہے یا تصدیق۔ بلکہ یہ ثابت ہو گیا کہ ان کے باطن میں تصدیق تھی۔ اس لئے کہ ہدایت اُن کے لئے واضح ہو چکی تھی۔ جس کے لئے کوئی چیز واضح ہو جائے تو یہ قطعاً ناممکن ہے کہ وہ دل میں اُس کا منکر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اُس نے ان کے اعمال کو اس لئے رایگاں کر دیا ہے کہ انھوں نے ان امور کی پابندی کی جنھوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اُس کی رضامندی کو ناپسند کیا۔

12 فرمایا ہے " یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون" (اے ایمان والو اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اور نہ اُن سے اس طرح چیخ کے بات کرو جس طرح تم آپس میں چیخ کر بولتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمھارے اعمال رائگاں ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو)۔ اس نصِّ جلی میں مومنین کو خطاب ہے کہ ان کا ایمان بالکل باطل ہو جائے گا اور ان کے اعمال رایگاں ہو جائیں گے اگر وہ

اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند کریں گے۔ (یہ بلند آوازی اُن کی طرف سے بطور انکار نبوت کے قطعاً نہ تھی۔ اگر اُن سے بطور انکار کے ہوتی تو وہ اسے ضرور جانتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ یہ بلند آوازی اس طرح سرزد ہوتی ہے کہ وہ جانتے بھی نہیں۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ بعض اعمال جسمانی ایسے ہوتے ہیں جو کفر اور فاعل کے ایمان کے باطل کرنے والے ہوتے ہیں۔ بعض وہ ہوتے ہیں جو کفر نہیں ہوتے لیکن دونوں صورتوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر ہوتا ہے اور اس سے زیادہ نہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم کہاں سے کہتے ہو کہ تصدیق میں کمی و بیشی نہیں ہوتی۔ حالانکہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ ایک سبزی دوسری سبزی سے زیادہ تیز ہوتی ہے اور ایک شجاعت دوسری شجاعت سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ خاصکر شجاعت و تصدیق کہ یہ دونوں چیزیں صفات نفس کی کیفیات میں سے ہیں۔

توفیق الٰہی جواب یہ ہے کہ جو چیز کیفیتِ شدت وضعف کو قبول کرتی ہے تو وہ صرف اُس مزاج کی وجہ سے ان دونوں کو قبول کرتی ہے جو ایک دوسری کیفیت سے اُس میں شامل ہو جاتا ہے۔

یہ صرف اُسی چیز میں ہوتا ہے جس کے اور اس کی ضد کے درمیان میں اُسی چیز کے وسائط ہوتے ہیں کہ ضدین میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ ملجاتا ہے۔

یا صرف اُسی چیز میں ہوتا ہے جس میں ضدین کی آمیزش جائز ہے۔ جیساکہ ہم سبزی و سفیدی کے درمیان سرخی و زردی کے وسائط پاتے ہیں جو ان دونوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور اُس وقت آمیزش کی وجہ سے شدت وضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ صحت کہ تندرست آدمی کے مزاج کا اعتدال ہے۔ جب اُس اعتدال میں کچھ زائد شامل ہو جائے جو اس تندرست کا مرض ہو کہ شدت وضعف بھی اُس میں شامل رہے۔

شجاعت نفس کا ثبات و استقلال ہے کہ مقابلے کے وقت باہم ملنے میں پیش قدمی کو سہل جانتا ہے۔ جب دو شخص ثابت قدم رہیں۔ دونوں یکساں ثابت قدم رہیں اور یکساں پیش قدمی کریں تو یہ دونوں شجاعت میں برابر ہیں جب ان میں سے ایک ثابت قدم رہا اور دوسرے کی ثابت قدمی اور پیش قدمی سے زیادہ اس نے پیش قدمی کی تو یہ اس سے زائد شجاع ہے۔ دوسرے کی ثابت قدمی و پیش قدمی میں بزدلی شامل ہوگئی ہے۔ لیکن کیفیات میں سے وہ چیز جو مزاج کو قطعاً قبول نہ کرے تو اس میں قطعاً کمی و بیشی کی گنجائش نہیں۔ یہ تمام اشیا بالکل اسی کے مطابق رہیں گی جیسا اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ مثلاً لَون یعنی رنگ۔ کہ اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ رنگ رنگ ہونے میں دوسرے رنگ سے زیادہ شامل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اگر صدق میں کسی اور چیز کی آمیزش ہو جائے تو وہ لامحالہ اسی وقت کذب ہو جائے۔ اگر تصدیق میں کچھ اور ملجائے تو وہ اسی وقت شک بن جائے اور تصدیق بالکل باطل ہو جائے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق نہیں ہے بلکہ تصدیق کے ساتھ بہت سی اشیا ہیں۔ کمی و بیشی جو داخل ہوتی ہے وہ صرف ان اشیا کی کثرت و قلت میں اور ان کے وارد کرنے کی کیفیت میں داخل ہوتی ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص دوزخ سے نکال لیا جائے گا جس کے قلب میں جو کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ پھر وہ شخص جس کے قلب میں گیہوں کے برابر ایمان ہوگا۔ پھر وہ شخص جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہو گا۔ پھر اس سے کم اور اس سے کم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ جس کسی شے کے عمل کا قصد کیا یا اس کی ہمت کی اور اُس پر عمل نہیں کیا۔ اور وہ پہلے سے اپنے دل میں اسلام کی تصدیق کرتا تھا اور زبان سے اُس کا اقرار کرتا تھا۔ جیسا کہ حدیث مذکور میں ہے کہ جس نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا اور اُس کے دل میں فلاں فلاں چیز کے برابر ایمان ہے۔

اُن نصوص میں سے جو اعمال کے ایمان ہونے پر دلالت کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "فلا وربك لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لایجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیماً (قسم ہے آپ کے رب کی۔ کہ یہ لوگ مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ یہ آپ کو اپنے آپس کے اختلافات میں حکم نہ بنائیں۔ پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اُس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ محسوس کریں۔ اور اُسے تسلیم کر لیں جیسا تسلیم کرنے کا حق ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایسی صاف تصریح فرمائی جس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھائی کہ کوئی شخص بغیر اس کے مومن نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ اپنے باہمی اختلافات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم وثالث نہ بنائے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں اُسے تسلیم کرے اور آپ کے فیصلے سے اپنے دل میں تنگی وناگواری نہ محسوس کرے۔ اور یہ تمام اعمال ہیں جو زبان واعضا سے ادا ہوتے ہیں جو بلاشک تصدیق کے مغایر ہیں اور یہ عاقل کے لئے کافی ہے۔

ان لوگوں کا یہ کہنا بھی عجیب ہے کہ نماز روزہ اور زکوۃ ایمان نہیں ہے۔ لیکن یہ شرائع ایمان ہیں۔ (یعنی ایمان کے احکام)۔

۱۲۴

یہ وہ نام مقرر کرنا ہے جس کی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجازت نہیں دی۔ بلکہ اسلام ایمان ہے۔ اور ایمان شرائع ہیں اور شرائع ایمان واسلام ہیں۔ وباللہ تعالی التوفیق

کفر و شرک میں اختلاف

لوگوں نے کفر و شرک کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ نے کہا ہے کہ یہ دو اسم ہیں جو دو معنی پر واقع ہوتے ہیں ہر شرک کفر ہے اور ہر کفر شرک نہیں ہے۔ صرف اُس شخص کا قول شرک ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے شریک بنائے۔ اور یہود ونصاریٰ کفار ہیں مشرک نہیں ہیں۔ بقیہ مذہب والے کفار ومشرکین ہیں۔ یہی قول ابوحنیفہ وغیرہ کا ہے۔ دوسروں نے کہا ہے کہ کفر وشرک یکساں ہیں اور ہر کافر مشرک ہے اور ہر مشرک کافر

یہ قول شافعی وغیرہ کا ہے۔
پہلے گروہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے "لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین منفکین" (وہ لوگ جو اہل کتاب ومشرکین میں سے کافر ہیں وہ باز آنے والے نہ تھے الخ) اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین میں فرق کیا ہے۔
اور شرک شریک سے لیا گیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے لئے شریک نہ بنائے تو یہ شرک نہ ہوگا۔
یہ ان کی قابل اعتماد وبہترین حجت ودلیل ہے۔ ان دو کے سوا ہمیں ان کی کسی اور دلیل کا علم نہیں۔
"لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین" سے استدلال روا ہوتا اگر اسی معنی میں کوئی اور آیت نہ آئی ہوتی۔ بیشک ان کی یہ حجت ظاہر ہوتی۔ لیکن جس نے یہ آیت نازل فرمائی وہی یہ فرماتا ہے "اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم۔ وما امروا الا لیعبدوا الٰھا واحدا" (انھوں نے اللہ کے سوا اپنے علما وعابدین کو اور مسیح ابن مریم کو رب بنالیا۔ حالانکہ انھیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ الٰہ واحد ہی کی عبادت کریں)۔ اور فرمایا ہے "یاعیسیٰ بن مرایم انت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ" (اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو الٰہ بنالینا) اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا کہ "ان اللہ ثالث ثلثۃ" (اللہ تین الٰہ میں سے تیسرا ہے) یہ سب ایسی ظاہر تشریک ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔ چونکہ قرآن میں یہود ونصاریٰ کا شرک وتشریک ثابت ہے تو ثابت ہوگیا کہ یہ لوگ مشرکین ہیں۔ اور شرک وکفر ایک معنی کے لئے دو اسم ہیں۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ نام رکھنے کا حق اللہ تعالیٰ کو ہے نہ کہ ہمیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کا یہ قول "الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین" ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول "ان اللہ جامع المنافقین والکافرین

فی جہنم جمیعاً (بیشک اللہ تعالیٰ منافقین وکفار سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے)۔
اہل اسلام میں سے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ منافقین کفار ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "قل من کان عدو اللہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکائیل فان اللہ عدو للکافرین" (آپ کہہ دیجئے کہ جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریلؑ ومیکائیلؑ کا دشمن ہے تو بیشک اللہ تعالیٰ کافرین کا دشمن ہے) اس میں بھی اختلاف نہیں کہ جبریلؑ ومیکائیلؑ منجملہ ملائکہ ہیں۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ "فیھما فاکھۃ ونخل ورمان" (جنت میں میوہ کھجور کا درخت اور انار ہوگا) حالانکہ انار میوہ ہی ہے۔ قرآن عرب کے اہل بلاغت پر نازل کیا گیا ہے۔ عرب ایک شے کا اس کے نام سے اس کی شان کی تاکید کے لئے اعادہ کرتے ہیں اگرچہ اجمالی طور پر اس شے کا ذکر ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے کفار ومشرکین کے لفظ میں فرق کرنے سے استدلال کرنے والے کا جو استدلال تھا وہ باطل ہوگیا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔
یہ استدلال کہ لفظ شرک شریک سے لیا گیا ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ نام رکھنے کا حق اللہ تعالیٰ کو ہے نہ کہ اس کے سوا کسی اور کو۔ اُسے یہ حق ہے کہ جس اسم کو جس مسمیٰ پر چاہے واقع کرے۔ برہان یہ ہے کہ جو شخص اپنے دو غلاموں میں کسی عمل میں شرک کرے یا دو شخصوں کو کوئی چیز ہبہ کرے اور اس میں دونوں کو شریک کرے تو اس شخص پر اسم مشرک اطلاق نہ کیا جائے گا اور نہ یہ کہنا جائز ہے کہ فلاں شخص نے شرک کیا یا اس کے عمل میں شرک ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ یہ لفظ بھی اپنے موضوع لغت سے منتقل کر لیا گیا ہے جیسا کہ لفظ کفر کو بھی اللہ تعالیٰ نے جن معنی پر واقع کیا اُن کی طرف اسے اس کے موضوع لغت سے منتقل کر لیا ہے۔
اس مقالے والوں پر اور ان کے اس قول پر تعجب ہے کہ نصاریٰ

مشرکین نہیں ہیں۔ حالانکہ ان کا شرک اس سے زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے کہ کوئی اس سے ناواقف ہو اس لئے کہ یہ سب کے سب باپ بیٹے اور روح القدس کی عبادت کے قائل ہیں اور مسیح کو الٰہ حق مانتے ہیں۔ یہ لوگ برہمنوں کو مشرک قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ لوگ سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں مانتے۔ اس مقالے والوں کو یہ لازم آتا ہے کہ وہ اُس کے سوا کسی کو کافر قرار نہ دیں جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے۔

۱۲۵ اگر کوئی معترض یہ کہے کہ یہود و نصاریٰ نے کس طرح رب بنا لئے حالانکہ وہ لوگ اس کے منکر ہیں۔ ہم توفیق الٰہی کہیں گے نام رکھنا اللہ ہی کا حق ہے۔ جب یہود و نصاریٰ اُسی کو حرام سمجھتے ہیں جس کو ان کے علما و عابدین نے حرام کر دیا اور اُسی کو حلال سمجھتے ہیں جس کو ان لوگوں نے حلال کر دیا۔ تو یہی ربوبیت صحیحہ و عبادت صحیحہ ہے جسے انھوں نے دین بنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی عمل کا نام اللہ کے سوا رب بنانا اور ان کی عبادت کرنا رکھا ہے۔ بغیر کسی اختلاف کے یہی ہے جو شرک ہے۔ (یعنی کسی اور کو رب بنانا اور اُس کی عبادت کرنا شرک ہے) جس طرح اُس نے ان کے کفر کا اس طرح نام رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس دین کے ناسخ (یعنی منسوخ کرنے والے) ہیں جس دین پر یہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کفر ہے۔ اگرچہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق کو رائیگاں کر دیا تو اُس کا حکم بالکل ساقط ہو گیا۔

اگر معترضین یہ کہیں کہ تم کیسے کہتے ہو کہ کفار اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنے والے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لا یصلٰھا الا الاشقی الذی کذب وتولیٰ" (جہنم میں وہی گرے گا جو بڑا بدبخت ہو گا جس نے تکذیب کی اور منہ پھیرا)۔ اور فرمایا ہے "واما ان کان من المکذبین الضالین فنزل من حمیم و تصلیۃ جحیم" (لیکن جو تکذیب کرنے والے گمراہوں میں ہو گا تو کھولتے پانی سے اُس کی ضیافت ہو گی اور جہنم میں گرنا پڑے گا)۔

ہم کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ہمارا مددگار ہے کہ جو شخص کسی طور پر بھی

کفر کی طرف نکل آے گا تو لامحالہ اُس کے لئے ضروری ہے کہ یا تو وہ کسی ایسی شے کی تکذیب کرے گا جس کے بغیر اسلام صحیح نہیں ہوتا۔ یا وہ اللہ کے امور میں سے کسی ایسے امر کو رد کرے گا جس کے بغیر اسلام صحیح نہیں ہوتا۔ تو یہ شخص اُس چیز کا کہ جسے اس نے رد کیا ہے یا تکذیب کی ہے مکذب یعنی تکذیب کرنے والا اور جھٹلانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی۔ بلکہ یہ فرمایا کہ جس نے تکذیب کی اور منہ پھیرا۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والے گمراہوں میں صرف یہی فرمایا کہ جو تکذیب کرنے والے گمراہوں میں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے امور میں سے کسی امر کی بھی تکذیب کرے جس کے بغیر اسلام صحیح نہ ہوتا ہو تو وہ علی الاطلاق مُکَذِّب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے بتایا۔ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی اور بعض امور کی تصدیق ہی کرتا ہو۔

اگر وہ کہیں کہ تم کیونکر کہتے ہو کہ یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب " (اور اُن اہل کتاب سے جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ قیامت پر۔ اور نہ اُس چیز کو حرام سمجھتے ہیں جس کو اللہ و رسولؐ نے حرام کیا۔ اور نہ دین حق قبول کرتے ہیں)۔ بتوفیق الٰہی ہم کہہ چکے ہیں کہ نام رکھنا اللہ ہی کے سپرد ہے۔ نہ کہ اُس کے سوا کسی اور کے۔ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ لفظ ایمان اپنے موضوع لغت بمعنی تصدیق خالص سے ایک دوسرے معنی کی طرف منتقل کر لیا گیا ہے جو تصدیق کے ساتھ ایک شے زائد ہے۔ جب ان لوگوں نے اُن معانی کو پورا نہ کیا تو ان کی تصدیق بالکل باطل ہو گئی۔ یہ اُس کے بطلان کی وجہ سے اس کے مستحق ہو گئے کہ ان کا نام غیر مومنین۔ اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہ رکھنے والا رکھا جائے۔

اگر کہا جائے کیا وہ اللہ اور قیامت کی تصدیق کرنے والے ہیں؟ ہم کہیں گے کہ ہاں۔

اگر کہا جائے کہ ان میں تو اللہ تعالیٰ کے واحد جاننے والے بھی ہیں تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔

اگر کہا جائے کہ ان میں اللہ و رسولؐ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے ہیں تو ہم کہیں گے کہ نہیں۔ اس لئے کہ جو کچھ ہم نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ لوگ اللہ کو پہچانتے ہیں، اُس کا اقرار کرتے ہیں۔ اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے ہیں اور یہ بھی کہ آپ نبی ہیں۔ ہم اس کو مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سے اسم ایمان کو ساقط کر دیا ہے اس لئے ہم نے بھی ساقط کر دیا ہے۔ جو اس طریقے سے تجاوز کرے گا تو وہ اپنے پروردگار کی تکذیب اور قرآن کی مخالفت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد کرے گا۔ اہل اسلام کے اجماع کو توڑے گا اور اس کے ساتھ اپنی حس و عقل کی بھی مخالفت کرے گا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اسی طرح ہم اُس شخص کے بارے میں کہتے ہیں جو مسلم ہو پھر اُس نے اس چیز کا اطلاق و اعتقاد کیا جو اسلام سے خارج ہونے کی موجب ہے۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی انسان کی نبوت کا قائل ہونا۔ یا شراب کا حلال سمجھنا وغیرہ۔ یہ شخص اللہ و رسولؐ کی تصدیق کرنے والا موحّد ہے۔ ان سب امور کا جاننے والا ہے۔ یہ نہ مطلق مومن ہے اور نہ اللہ و رسول اور قیامت پر ایمان رکھنے والا ہے جس کی وجہ ہم نے ابھی بیان کی ہے۔ پوری امت کے اجماع کے لئے اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جس شخص کا ہم نے ذکر کیا یہ اسم کفر کا مستحق ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وسلم تسلیما۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

مومن و مسلم

اسلام و ایمان کیا ایک معنی کے دو اسم ہیں یا دو اسم اور دو معنی کے لئے ہیں؟

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ اسلام و ایمان دو اسم ہیں جو دو معنی پر

واقع ہوتے ہیں۔ کبھی مسلم غیر مومن ہوتا ہے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے
اس قول سے استدلال کیا ہے "قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا
ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم" (اعراب نے
کہا کہ ہم ایمان لائے آپ کہدیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ مگر یہ کہو کہ ہم
اسلام لائے۔ ایمان ابھی تک تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے)۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے کہ جب آپ سے سعد نے
کہا کہ "ھل لك یارسول اللہ فی فلان فانہ مؤمن فقال لہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اومسلم" (یارسول اللہ کیا آپ کو علم ہے کہ فلاں شخص
مومن ہے تو آپ نے فرمایا کہ یا مسلم ہے)۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی اس حدیث سے کہ جس وقت آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام ایسے شخص کی
شکل میں آئے جسے کوئی نہیں پہچانتا تھا پھر انھوں نے آپ سے اسلام کو
پوچھا تو آپ نے جواب میں چند اشیا بتائیں جن میں نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ
ادا کرنا اور دوسرے وہ اعمال تھے جو اسی حدیث میں مذکور ہیں۔ انھوں نے
آپ سے ایمان کو دریافت کیا تو آپ نے جواب میں انھیں چند اشیا
بتائیں جن میں یہ بھی تھا کہ تم اللہ پر اور اس کے ملائکہ پر ایمان لاؤ۔ اور ایک
ایسی حدیث سے جو صحیح نہیں ہے کہ آدمی ایمان سے نکلکر اسلام کی طرف
آجاتا ہے۔

دوسرے لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ ایمان و اسلام دو مترادف الفاظ ہیں
جو ایک ہی معنی پر واقع ہوتے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اس
قول سے استدلال کیا ہے "فاخرجنا من کان فیھا من المومنین
فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین" (پھر ہم نے اس بستی سے
انھیں نکالدیا جو مومن تھے اور ہم نے اسی بستی میں سوائے ایک گھر کے
مسلمین کا کوئی گھر نہیں پایا)۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے "یمنون علیك
ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان

هدٰیکم للایمان ان کنتم صادقین" (یہ لوگ آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہدیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ۔ بلکہ اللہ تم پر احسان جتاتا ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو)۔

اسلام سے کیا مراد ہے

بتوفیق الٰہی جو بات ہم کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اصل ایمان لغت میں اُس خاص طریقے کی تصدیق ہے جو ہم نے پہلے بیان کی پھر اللہ تعالیٰ نے شریعت میں اس کو تمام طاعات پر اور معاصی سے بچنے پر واقع کیا جبکہ ان سب کے عمل و ترک عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قصد کرے۔ اور اسلام کی اصل لغت میں بری ہونا ہے۔ کہا جاتا ہے" اسلمت امر کذا الی فلان۔ اذا تبرأت منہ الیہ" (یعنی میں نے فلاں کام فلاں کے سپرد کر دیا۔ یہ جب کہا جائے گا جب تم اُس کے سپرد کر کے خود بری الذمہ ہو جاؤ۔ مسلم کا نام مسلم اسی لئے رکھا گیا کہ وہ ہر شے سے بری ہو کے اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسم اسلام کو تمام طاعات کی طرف بھی منتقل کر دیا۔ ہر شے سے بری ہو کے اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو جانا ہی معنی تصدیق کے بھی ہیں۔ اس لئے تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق نکرے اس وقت تک کوئی بھی ہر شے سے بری ہو کر اللہ تعالیٰ کے سپرد نہ ہو گا۔ جب اسلام سے وہ معنی مراد لئے جائیں جو کفر و فسق کے خلاف ہیں تو اسلام اور ایمان ایک ہی شے ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" لاتمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰیکم للایمان" (مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان جتاتا ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی)۔

کبھی اسلام سے استسلام (فرمانبرداری) مراد لیتے ہیں۔ یعنی ایک شخص قتل کے خوف سے مذہب کا مستسلم اور مطیع ہو گیا حالانکہ وہ اُس کا معتقد نہیں ہے۔ جب اسلام سے یہ معنی مراد کہوں گے تو یہ ایمان کے

مغایر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے یہی معنی مراد لئے ہیں "لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم" (تم ایمان نہیں لائے مگر یہ کہو کہ ہم اسلام لائے یعنی فرمانبردار بن گئے۔ اور ایمان ابتک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا)۔ قرآن وحدیث کی نصوص مذکورۂ بالا اسی معنی سے بھری ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ" (اور جو غیر اسلام کو بطور دین حاصل کرے گا تو وہ ہرگز اُس سے قبول نہ کیا جائے گا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سوائے نفس مسلمہ کے جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا۔ یہی اسلام وہ ہے جو ایمان ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ اسلام لفظ مشترک ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

برہان کہ لفظ اسلام اپنے موضوع لغت سے منتقل کر لیا گیا ہے یہ ہے کہ اسلام لغت میں بری ہونا ہے۔ آدمی جس شے سے بھی براءت ظاہر کرے تو اس نے اس شے سے اسلام کیا اور وہ مسلم ہے جس طرح کسی شخص نے کسی شے کی بھی تصدیق کی تو وہ اُس پر ایمان لایا اور وہ اُس کا مومن ہے۔ اسے یقین کے ساتھ ہر شخص جانتا ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کافر جو روئے زمین پر ہے وہ اپنی دنیا کے بہت سے امور کا مصدّق یعنی تصدیق کرنے والا ہے اور بہت سی اشیا سے براءت ظاہر کرنے والا ہے۔ دو اہل اسلام کا بھی اس میں اختلاف نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے کافر پر اس کا اطلاق جائز نہیں کہ وہ مومن و مسلم ہے۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ لفظ ایمان واسلام اپنے موضوع لغت سے معانی معدودہ ومشہورہ کی طرف منتقل کر لئے گئے ہیں جن کو عرب ہرگز نہ جانتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی کہ جو ان کو ادا کرے گا وہ اسم ایمان واسلام کا مستحق ہوگا۔ اور مومن و مسلم کہلائے گا اور جو ان کو نہ ادا کرے گا اُس کا نام نہ مومن رکھا جائے گا نہ مسلم اگرچہ وہ ان کے سوا ہر شے کی تصدیق کرے اور اُس کے سوا جس سے شریعت نے براوت ظاہر کرنا

واجب کیا ہے ہر شے سے برات ظاہر کرے۔

اسی طرح کفر و شرک بھی دو لفظ ہیں جو اپنے موضوع لغت سے منتقل کر لئے گئے ہیں۔ کیونکہ کفر لغت میں "ڈھانکنا" ہے اور شرک یہ ہے کہ تم کسی شے کو دوسری کے ساتھ شریک کرو خواہ کسی معنی میں بھی دونوں کو جمع کیا جائے۔ اہل تمیز میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں کہ روئے زمین کا ہر مومن بہت سی اشیا کو ڈھانکتا ہے۔ اہل اسلام میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں کہ اس کی وجہ سے اس پر کفر و شرک کا اطلاق کرنا اور اس کو کافر و مشرک بنانا جائز نہیں۔ یقیناً ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسم کفر و شرک کو ان اشیا کے انکار کی طرف جنھیں عرب نہیں جانتے تھے اور ان اعمال کی طرف جنھیں عرب ہرگز نہیں جانتے تھے منتقل کر لیا ہے۔ مثلاً جو شخص نماز یا صوم رمضان یا اور ایسی شرائع کا انکار کرے جنھیں عرب ہرگز نہ جانتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق اپنی وحی نازل کی۔ یا اس شخص کی طرح جو بت پرستی کرے کہ جو شخص ان میں سے کسی شے کا ارتکاب کریگا اسے کافر یا مشرک کہا جائے گا۔ جو شخص ان میں سے کسی شے کا ارتکاب نکرے تو اسے کافر یا مشرک نہ کہا جائے گا۔ جو اس کی مخالفت کرے تو اس نے حس کی مخالفت کی اور معانی کا انکار کیا اور اللہ و رسولؐ و قرآن و حدیث و اجماع مسلمین کی مخالفت کی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

لوگوں نے مسلم کے یہ کہنے میں کہ میں مومن ہوں اختلاف کیا ہے۔ ابن مسعود اور ان کے فاضل شاگردوں سے اور ان کے بعد والے فقہا سے مروی ہے کہ ابن مسعود نے اس کو مکروہ سمجھا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ میں مومن ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ میں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتا ہوں۔ یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ جو یہ کہے کہ میں مومن ہوں تو اسے یہ بھی کہنا چاہئے کہ وہ اہل جنت میں سے ہے۔

ابن مسعود اور ان کے اصحاب لغت میں بھی حجت ہیں۔ جاہل مرجیہ کی کیا حقیقت ہے جو اپنی بدعت کی تائید میں فریب وہی کیا کرتے ہیں۔

اَنَا مُؤمِنٌ حَقّاً ہمارے نزدیک اس مسئلے میں قول یہ ہے کہ یہ وہ صفت ہے جسے آدمی اپنے دل کے متعلق جانتا ہے۔ اگر وہ جانتا ہے کہ وہ اللہ و رسولؐ کی اور رسولؐ کی لائی ہوئی ہر چیز کی تصدیق کرتا ہے اور اپنی زبان سے ان سب کا اقرار کرتا ہے تو اُس پر واجب ہے کہ اس کا اعتراف کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے "واما بنعمة ربك فحدث" (اپنے رب کی نعمت کو بیان کیا کیجئے) کوئی نعمت نعمت اسلام سے زیادہ مستحکم ہے نہ افضل ہے نہ شکر کی مستحق ہے۔ لہٰذا اُس پر واجب ہے کہ یہ کہے کہ میں اپنے اسی وقت میں قطعاً اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن و مسلم ہوں۔

یہ کہنے میں کہ میں مومن و مسلم ہوں اور اس کہنے میں کہ میں سیاہ یا سفید ہوں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح اُس کی وہ تمام صفات جن میں اُسے شک نہ ہو (وہ بیان کر سکتا ہے)۔ یہ باب مدح سرائی و خود پسندی میں سے نہیں ہے۔ اس لئے کہ اُس پر فرض ہے کہ وہ توحید کی شہادت سے اپنے خون کی حفاظت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون" (تم لوگ کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب و خاندان یعقوب پر نازل کیا گیا اور موسیٰ و عیسیٰ کو دیا گیا اور جو انبیا کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا کہ ہم کسی نبی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے مسلم و مطیع ہیں)۔

ہمارے نزدیک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول صحیح ہے۔ کیونکہ اسلام و ایمان اپنے موضوع لغت سے تمام نیکی و طاعات کی طرف منتقل کر لئے گئے ہیں۔ ابن مسعود نے جو مومن و مسلم کہنے سے منع کیا وہ اسی معنی میں منع کیا کہ

یہ شخص تمام طاعات کا پورا کرنے والا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ جو اپنے لئے اس کا دعوی کرے گا وہ بلاشک کاذب ہے۔ اُنھوں نے مومن بمعنی مُصدِّق (تصدیق کرنے والا) کہنے سے منع نہیں کیا اور وہ کیسے منع کرتے حالانکہ وہ خود فرماتے تھے کہ کہو کہ آمنت باللہ ورسلہ (میں ایمان لاتا ہوں یعنی تصدیق کرتا ہوں اللہ کی اور اس کے رسولوں کی)۔

جنھوں نے یہ کہا کہ یہ کہو کہ تم جنت میں ہوگے۔ تو جواب یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اس وقت ہم جس دین پر ہیں اگر ہمارا خاتمہ اسی پر ہو تو بلاشک ہمارے لئے جنت ضروری ہے۔ برہان یہ ہے کہ یہ تو نصوص قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت ہے کہ جو شخص اللہ پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس پر جو آپ لائے اور جو بوجہ کفر ہونے کے آپ نہیں لائے ایمان لائے تو وہ جنت میں ہوگا۔ سوائے اس کے کہ ہم یہ نہیں جانتے کہ دنیا میں ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ نہ ہم اللہ تعالیٰ کے اضلال سے اور کید شیطان سے بےخوف ہیں۔ اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم کل کیا حاصل کریں گے۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

گناہ گار ہمارے اہل مذہب کو مذنب (گناہگار) کہنے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ مُرجیہ نے کہا ہے کہ وہ کامل ایمان والا مومن ہے۔ اگرچہ اُس نے کبھی کوئی عمل خیر نہ کیا ہو اور نہ کبھی کسی شر سے باز رہا ہو۔

بکر بن اخت عبدالواحد بن زید نے کہا ہے کہ وہ ایسا ہی کافر و مشرک ہے جیسے بت پرست۔ خواہ کوئی گناہ اُس سے سرزد ہو۔ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔ اگرچہ وہ اُسے مزاح و خوش طبعی ہی کے طور پر کرے۔

صفریہ نے کہا ہے کہ گناہ اگر کبائر میں سے ہو تو وہ بت پرست کی طرح مشرک ہے۔ اگر وہ گناہ صغیرہ ہو تو وہ کافر نہیں ہے۔

اباضیہ نے کہا ہے کہ اگر وہ گناہ کبائر میں سے ہے تو وہ کافر نعمت (یعنی نعمت کی ناشکری کرنے والا) ہے اور اُس کو وارث بنانا اور اس کا وارث بننا اور اُس سے نکاح کرنا حلال ہے اور اُس کا ذبیحہ کھایا جائے گا۔

اور وہ علی الاطلاق نہ مومن ہے نہ کافر ہے۔
حسن بصری و قتادہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مرتکب کبیرہ منافق ہے۔
معتزلہ نے کہا ہے کہ اگر وہ گناہ کبائر میں سے ہے تو وہ فاسق ہے۔
نہ وہ مومن ہے نہ کافر اور نہ منافق۔ انھوں نے اس کی موارثت و مناکحت کو اور اُس کا ذبیحہ کھانے کو جائز بتایا ہے۔ اگر وہ گناہ صغائر میں سے ہے تو وہ مومن ہے اس میں اُس پر کوئی گناہ نہیں۔
اہل سنت کے فقہا و اصحاب حدیث کا مذہب یہ ہے کہ وہ مومن ہے فاسق ہے، ناقص الایمان ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان اُس کے عقیدے کا اور اُس کے اقرار کا اور اس کے عمل صالح کا نام ہے۔ اور فسق اُس کے عملِ بد کا نام ہے۔ سوائے اس کے کہ ان کے سلف و خلف میں اس میں اختلاف ہے کہ جو دیدہ و دانستہ نماز کو ترک کرے یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے۔ اور اسی طرح اگر روزہ ترک کرے اور وقت گذر جائے۔ اور اسی طرح حج کو ترک کرے اور جو مسلمان کو دیدہ و دانستہ قتل کرے۔ اور جو شراب پیے۔ اور جو کسی نبی کو برا کہے۔ اور جو کسی حدیث کو رد کرے جو اُس کے نزدیک بھی نبی علیہ السلام سے ثابت ہے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و معاذ بن جبل و ابن مسعود و جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور ابن المبارک و احمد بن حنبل و اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم سے اور تمام ستر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ہمیں روایت پہنچی ہے کہ جس نے فرض نماز کو دیدہ و دانستہ اور یاد رکھتے ہوئے ترک کر دیا یہاں تک کہ اس کا وقت نکل گیا تو وہ کافر و مرتد ہے۔ مالک کے شاگرد عبداللہ بن الماجشون بھی اسی کے قائل تھے۔ عبدالملک بن حبیب الاندلسی وغیرہ بھی اسی کے قائل تھے۔ تارک حج کے بارے میں بھی ہمیں عمر رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت پہنچی ہے۔ ابن عباس وغیرہ سے تارک زکوٰۃ و صیام و قاتل مسلم عمداً کے بارے میں بھی ایسی ہی روایت پہنچی ہے۔ ابو موسیٰ الاشعری و عبداللہ بن عمرو بن العاص سے میخوار کے بارے میں ایسی ہی روایت پہنچی ہے۔ اسحاق بن راہویہ سے مروی ہے کہ جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی حدیث کو

رد کرے جو اس کے نزدیک بھی صحیح ہے تو یہ کافر ہے۔
جو لوگ گناہگاروں کی تکفیر کرتے ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الکافرون" (اور جس نے اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیا تو یہی لوگ کافر ہیں)۔ اور اس آیت سے "فانذرتکم نارا تلظی لا یصلٰها الا الاشقی الذی کذب وتولیٰ (میں نے تمھیں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا جس میں سوائے اُس بدبخت کے کوئی نہ گرے گا جس نے تکذیب کی اور منہ پھیرا)۔ یہ سب کے سب وہی ہیں جنہوں نے تکذیب کی اور منہ پھیرا اور مکذب (تکذیب کرنے والا) اور متولی (منہ پھیرنے والا) کافر ہے تو یہ لوگ بھی کافر ہوئے۔
تعجب تو یہ ہے کہ اُن مُرجیۂ نے بھی جنھوں نے مسلمانوں سے وعید کو بالکل ساقط کر دیا ہے خود اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ دوزخ میں وہی بدبخت گرے گا جو تکذیب کرے اور منہ پھیرے۔ لہذا ثابت ہوا کہ جو تکذیب نکرے اور منہ نہ پھیرے وہ اُس میں نگرے گا۔ اور ہم ان سب کو دیکھتے ہیں کہ انھوں نے نہ تکذیب کی نہ منہ پھیرا۔ بلکہ یہ سب کے سب تصدیق کرنے والے اور ایمان کا اعتراف کرنے والے ہیں لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ اس میں نہ گریں گے۔ آیات منصوصہ میں وعید مذکور سے مراد صرف یہ ہے کہ ان افعال کا کرنا کفار کا خاصہ ہے۔
مذکورۂ بالا اشخاص کی جن لوگوں نے تکفیر کی ہے اُنھوں نے احادیث کثیرہ سے بھی استدلال کیا ہے جن میں سے یہ ہے کہ مسلم کو گالی دینا برا بھلا کہنا فسق ہے اور اُس سے جنگ کرنا کفر ہے۔ اور زانی جس وقت زنا کرتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور چور جس وقت چوری کرتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور میخوار جس وقت شراب پیتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور شہر والی لوٹ کا لوٹنے والا جس وقت لوٹتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور ترک نماز شرک ہے اور اپنے ماں باپ سے بے اعتنائی نکرو کیونکہ یہ تمھارے لئے

کفر ہے ۔ اور اسی طرح بہت سی نصوص ہیں ۔
جو لوگ اُسے منافق کہتے ہیں ہمیں ان کی کسی دلیل کا علم نہیں ۔ نہ ان کی دلیل کا جو کہتے ہیں کہ وہ کافر نعمت ہے ۔ سوائے اس کے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی کھینچ تان کریں "الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا و احلوا قومھم دار البوار جھنم ۔ یصلونھا وبئس القرار" کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت (اسلام) کو کفر سے بدلدیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے مقام یعنی جہنم میں اتار دیا۔ جس میں وہ خود داخل ہوں گے ۔ اور بُرا ابرا ٹھکانا ہے ۔

اس میں ان کے لئے کوئی بھی دلیل نہیں ۔ اس لئے کہ کفران نعمت ایک عمل ہے جو مومن و کافر دونوں سے واقع ہوتا ہے اور وہ نہ کوئی ملت ہے نہ کسی دین کا نام جو یہ دعویٰ کرے کہ کسی دین و ملت کا نام غیر ایمان مطلق اور غیر کفر مطلق ہے تو وہ ایسی چیز لایا جس پر کوئی دلیل نہیں ہے ۔
جو کہتے ہیں کہ وہ فاسق ہے ۔ نہ مومن نہ کافر ۔ تو ان کے لئے بھی قطعاً کوئی دلیل نہیں ۔ سوائے اس کے کہ انھوں نے یہ کہا کہ اُس کے فاسق ہونے پر اجماع ثابت ہے ۔ اس لئے کہ خوارج نے کہا ہے کہ وہ کافر فاسق ہے اور غیر خوارج نے کہا ہے کہ وہ مومن فاسق ہے ۔ فسق پر یہ سب متفق ہیں ۔ لہٰذا اسی کا قائل ہونا واجب ہے ۔ اُس کے کفر یا ایمان پر یہ لوگ متفق نہیں ہیں لہٰذا اس کا قائل ہونا جائز نہیں ۔
جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ اُن کے اجماع کے خلاف ہے اس لئے کہ اُن میں سے کسی نے بھی اُس کے دین کا نام فسق نہیں رکھا ۔ انھوں نے صرف اُس کے عمل کو اس نام سے نامزد کیا ہے ۔ اجماع و نصوص سب سے یہی ثابت ہے کہ دین صرف اسلام یا کفر ہے ۔ جو ان دو میں سے کسی سے نکلیگا وہ دوسرے میں داخل ہو جائے گا ۔ اس لئے کہ ان دونوں یعنی کفر و اسلام کے درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے ۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نہ مسلم کافر کا وارث ہے نہ کافر مسلم کا ۔ یہ وہ حدیث ہے

جس کی صحت پر اور اس کے مطابق قائل ہونے پر وہ تمام فرقے متفق ہیں جو اپنے کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر و اسلام کے سوا کوئی اور دین قرار نہیں دیا اور آپ نے یہاں قطعاً کوئی تیسرا دین نہیں مقرر کیا۔

معتزلہ نے بھی اس طرح اس آیت سے استدلال کیا ہے "افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا۔ لا یستوون" (کیا جو مومن ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا فاسق۔ دونوں برابر نہیں ہیں)۔

اس میں ان کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون" (تو کیا ہم مسلمین کو مثل مجرمین کے کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ جن کا اللہ تعالیٰ نے مجرمین و فساق نام رکھا اور انھیں تصریحاً مومنین سے خارج کیا تو یہ لوگ دین اسلام پر نہیں ہیں جب یہ دین اسلام پر نہوئے تو بلاشک یہ کفار ہوئے۔ کیونکہ یہاں ان دو کے سوا قطعاً کوئی اور دین نہیں ہے۔ برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "فانذرتکم نارا تلظی لا یصلیٰها الا الاشقی الذی کذب وتولیٰ" (ہم یقیناً جانتے ہیں کہ سوائے جنت یا دوزخ کے اور کوئی مقام نہیں ہے جنت میں صرف مومنین و مسلمین داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ دوزخ میں سوائے مکذب و متولیٰ (تکذیب کرنے والے اور منہ پھیرنے والے) کے کوئی داخل نہوگا۔ مکذب و متولیٰ بلا کسی اختلاف کے کافر ہے۔ سوائے کافر کے کوئی بھی ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اور سوائے مومن کے جنت میں کوئی نہ داخل ہوگا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ سوائے ایمان و کفر کے اور کوئی دین نہیں ہے۔ یہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے مجرمین و فاسقین کے نام سے نامزد کیا ہے اور انھیں مومنین سے خارج کیا ہے تو یہ کفار مشرکین ہوئے۔ اس کے سوا اور کچھ جائز نہیں۔

کہا ہے کہ مومن محمود (قابل ستائش) محسن (نیکوکار) اللہ تعالیٰ کا

ولی و دوست ہے۔ اور مُذنِب (گناہگار) مذموم (قابل مذمت) مُسِیئی (بدکار) اور اللہ تعالیٰ کا عدو یعنی دشمن ہے۔ یہ محال ہے کہ ایک ہی انسان بیک وقت محمود و مذموم۔ محسن و مسیئی۔ اور اللہ کا ولی و عدو ہو۔

یہ چیز جس کا ان لوگوں نے انکار کیا ہے اس میں کوئی بات قابلِ انکار نہیں۔ یہ امر تو موجود ہے اور مشاہدے میں ہے۔ جو شخص ایک صورت سے نیکی کرے اور دوسری صورت سے بدی کرے۔ مثلاً جو نماز پڑھے پھر زنا کرے تو اُس نے جو نماز کی نیکی کی ہے اس میں وہ محسن و محمود اور اللہ کا ولی ہے اور اس نے جو زنا کی بدکاری کی ہے اس میں وہ مذموم و مسیئی اور اللہ کا عدو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" وآخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملاً صالحاً واخر سيئاً" (اور دوسرے لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ جنہوں نے عمل صالح و عمل بد کو ملا دیا) ہم ضرور جانتے ہیں کہ وہ عمل جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ وہ بد اور سیئی ہے۔ بیشک اُس کا عامل اس عمل میں مذموم و مسیئی اور اللہ تعالیٰ کا عاصی و نافرمان ہے

ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم کیا کہو گے اگر مُرجیہ خود تمہارے ہی کلام سے تمہارا معارضہ و مقابلہ کریں اور کہیں کہ یہ محال ہے کہ بیک وقت ایک ہی انسان محسن و مسیئی۔ محمود و مذموم۔ اللہ تعالیٰ کا عدو و ولی ہو۔ اس کے بعد وہ حمد و احسان و ولایت کو غالب کرنا چاہیں اور ذم و اساءت و عداوت کو ساقط کرنا چاہیں جیسا کہ خود تم نے اسی قضیے سے ذم و اساءت و عداوت کو غالب کرنا چاہا اور حمد و احسان و ولایت کو ساقط کرنا چاہا تو یہ لوگ ان سے کیونکر بری ہوں گے۔

اگر معتزلہ یہ کہیں کہ اُس کی حمد و احسان و ولایت میں شرط یہ ہے کہ کبائر سے پرہیز کیا جائے تو ہم ان سے کہیں گے کہ۔ اگر مُرجیہ تمہارے معارضے و مقابلے میں کہہ سکتے ہیں کہ اس کی ذم و اساءت و لعنت و عداوت میں شرط یہ ہے کہ وہ شہادت توحید کو ترک کر دے۔

اگر معتزلہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاصی کی مذمت کی ہے۔ اور ان پر

وعید سنائی ہے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ مرجیہ تم سے کہیں گے کہ اللہ تعالی نے حسنات کی حمد کی ہے اور ان پر ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ اور اس سے اس نے حمد کو غالب کرنا چاہا ہے جیسا کہ تم نے ذم کو غالب کرنا چاہا ہے۔ اگر تم آیاتِ وعید (عذاب) بیان کرو گے تو وہ آیات رحمت بیان کریں گے۔

اس سے نہ معتزلہ کو رہائی ہو سکتی ہے نہ مرجیہ کو۔ لہٰذا اسی سے واضح ہو گیا کہ یہ دونوں گروہ خطاکار ہیں۔ حق یہی ہے کہ ان دونوں گروہوں نے قرآن وحدیث کی جن نصوص سے استدلال کیا ہے انھیں جمع کیا جائے۔ اور ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے" انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ" (میں تمہارے مرد و عورت میں سے کسی عمل کرنیوالے کا کوئی عمل ضائع نکروں گا) اور یہ قول کہ" الیوم تجزی کل نفس بما کسبت" (آج ہر نفس کو اس کی جزا دیجائے گی جو اس نے حاصل کیا اور یہ قول کہ" فمن یعمل مثقال خیرۃ خیرا یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (جس نے ذرہ بھر بھی خیر کی وہ اسے دیکھیگا اور جس نے ذرہ بھر بھی شر کیا وہ اسے دیکھیگا) اور یہ فرمایا ہے" من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا" (جو ایک نیکی کرے گا تو اسے اس جیسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو بدی کرے گا تو اسے اسی کے برابر جزا دیجائیگی)۔ اور فرمایا ہے" ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ فلا تظلم نفس شیئا۔ وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بھا وکفی بنا حاسبین" (اور ہم قیامت کے روز انصاف کی ترازوئیں قایم کریں گے۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہو گا تو ہم اسے لائیں گے۔ اور حساب کے لئے ہم کافی ہیں) اس سب سے ثابت ہو گیا کہ اسم ایمان سے صرف کفر ہی خارج کرتا ہے اور اسم کفر سے ایمان ہی خارج کرتا ہے۔ اعمال حسنہ حسن و ایمان ہیں۔ جو اعمال قبیحہ ہیں وہ قبیح ہیں اور ایمان نہیں ہیں۔ موازنہ اور باہم مقابلہ کرنا ان سب کا فیصلہ کرتا ہے۔ صرف شرک ہی اعمال کو رائیگان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" لئن اشرکت

لیحبطن عملك (اگر تو شرک کرے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور تیرا عمل رائگاں کر دے گا)

معتزلہ نے کہا ہے کہ جب تم اس کا اقرار کرتے ہو کہ تمام اعمال حسنہ ایمان ہیں اور معاصی ایمان نہیں ہیں تو وہ تمھارے نزدیک مومن غیر مومن ہوا۔ ہم کہیں گے کہ ہاں۔ اس میں کوئی عیب نہیں کہ وہ عمل صالح کی وجہ سے مومن ہو اور عمل بد کی وجہ سے غیر مومن ہو۔ جیسا کہ ہم کہتے ہیں اُس نے جو عمل حسن کیا اُس میں وہ محسن ہے اور جو عمل بد اُس نے کیا اُس کی وجہ سے وہ مسیئی و بدکار ہے تو وہ بیک وقت محسن و مسیئی (نیکوکار و بدکار) ہوا۔ ہمارے نزدیک ایمان صرف تصدیق ہی نہیں ہے کہ ہمیں تناقض لازم آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے یہی معنی ہیں کہ زانی جس وقت زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔ یعنی وہ اپنے اس زنا میں مطیع نہیں ہے (بلکہ عاصی ہے) اور وہ اپنے بقیہ حسنات میں مومن ہے۔

معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ "وکذلك حقت کلمة ربك علی الذین فسقوا انہم لا یؤمنون" (اور اسی طرح آپ کے رب کا کلمہ اُن لوگوں پر ثابت ہو گیا جنھوں نے فسق کیا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے)۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فسق و ایمان میں فرق کیا ہے۔

ہاں۔ اور ہم واضح کر چکے ہیں کہ ایمان کل عمل صالح ہے۔ فسق کو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں ہے۔ جس نے فسق کیا تو وہ اُس عمل فسق میں مومن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اپنے تمام اعمال میں بالکل مومن نہیں۔ یہ فرمایا ہے "انما المومنین الذین آمنوا باللہ و رسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم" (صرف وہ لوگ مومنین ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان لائے اس کے بعد انھوں نے شک نہیں کیا۔ اور اپنے جان و مال سے جہاد کیا)۔ چنانچہ یہ لوگ ہیں کہ جن کے ایمان کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے۔ جب ان سے فسق واقع ہوگا تو وہ ایمان نہ ہوگا۔ یہ محال ہے کہ اُس کا فسق اُس کے تمام اعمال کے ایمان کو باطل کر دے اور

اُس کا ایمان اُس کے تمام اعمال کے فسق کو باطل کر دے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی جہاد کے متعلق اُس کے ایمان کی شہادت حق ہے اور یہ شہادت بھی حق ہے کہ وہ اپنے فسق میں مومن نہیں ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الکافرون۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الفاسقون۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الظالمون" (جنھوں نے اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیا تو وہ کافر ہیں۔ فاسق ہیں ظالم ہیں) لہذا معتزلہ کو لازم ہے کہ وہ ہر عاصی و فاسق و ظالم کے کفر کی تصریح کریں۔ اس لئے کہ جو عاملِ معصیت ہے اُس نے اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کیا۔

ہم لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ جس نے کفر کیا تو وہ فاسق و ظالم و عاصی ہے۔ ہر فاسق ظالم عاصی۔ کافر نہیں ہے بلکہ وہ کبھی مومن ہوتا ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وان ربك لذو مغفرۃ للناس علیٰ ظلمهم" (اور بیشک آپ کا رب لوگوں کے ظلم پر صاحبِ مغفرت ہے)۔ بنص قرآن بعض ظلم قابل مغفرت ہیں۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ فساق و ظالمین پر لعنت کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "الا لعنۃ اللہ علی الظالمین" (خبردار۔ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے) مومن سے محبت کرنا اور اُس کے لئے دعائے رحمت کرنا واجب ہے۔ ۱۳۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور پر اور جو اپنے باپ کو برا کہے اس پر اور جو زمین کے نشان کو بدلے اُس پر لعنت فرمائی ہے۔ لہذا تمھیں لازم آتا ہے۔ کہ تم ایک ہی شخص کے لئے بیک وقت لعنت و مغفرت کی دعا کرو۔

ہم کہتے ہیں کہ مومن فاسق کے دین و ملت و اعتقاد و اقرار کو دوست رکھا جاتا ہے اور اُس کے عمل فسق سے براءت و بیزاری ظاہر کی جاتی ہے۔ براءت و ولایت (بیزاری و محبت) محض ذات انسان سے نہیں۔ یہ اس کے عمل صالح یا فاسد کی وجہ سے اس کی لئے یا اس سے ہے۔ ہم یقین کے ساتھ

جانتے ہیں کہ جو مومن اپنے بعض افعال میں محسن ونیکوکار ہے تو ہم اُس سے اُس کے ان افعال کی وجہ سے محبت کرتے ہیں جن میں وہ محسن ونیکوکار ہے۔ اور اُس کے عمل بد سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو جو اُس کے نزدیک عمل صالح ہے اُس سے محبت کرتا ہے اور اس کے عمل فاسد سے نفرت کرتا ہے۔

بیک وقت دعائے لعنت ورحمت سے ہم منکر نہیں ہیں بلکہ اس کے صحیح معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کی ممانعت نہیں آئی کہ عاصی کی معصیت پر لعنت کیجائے اور اُس کی نیکوکاری کی وجہ سے اُس کے لئے رحمت کی دعا کی جائے۔ اور اگر کوئی آدمی زنا کرے یا چوری کرے اور اُس کے مال پر ایک سال گذر جائے اور وہ جہاد کرے تو اُسے زنا اور چوری کی سزا دیجائے گی اور اگر اس پر لعنت کی جائے گی تو اس کا لعنت کرنے والا اچھا کرے گا اور اس شخص کو (جس نے ایسے بدکام کئے) مال غنیمت سے اس کا حصہ دیا جائے گا۔ ہم اس کے مال کی زکوٰۃ لیں گے اور ہم اس پر اُس کے لئے دعا کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلوتك سکن لھم" اے نبی آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لیجئے تاکہ آپ اس کے سبب سے اُنھیں پاک وصاف کردیں۔ اور ان کے لئے دعا کیجئے کیونکہ آپ کی دعا ان کے لئے سکون ہے) ہم یقیناً جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کے صدقات لیتے تھے اور ان کے لئے دعا کرتے تھے اُن لوگوں میں گناہگار و نافرمان بھی تھے۔ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ سارا جزیرۂ عرب عاصی وگناہگار سے خالی ہو۔ اسی طرح جو شخص آنحضرت علیہ السلام کے زمانے میں مرگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ہمراہ مسلمانوں نے اُس کی نماز جنازہ پڑھی اور جو آپ کے بعد مرگیا۔ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اُن میں بھی بلاشک گناہگار تھے۔ جب آپ نے اُس کی نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے دعائے رحمت کی۔

اُس کے عمل قبیح کو یاد کیا تو لعنت و مذمت کی۔

ہم خود اسی سوال کو مرتکبین صغائر کے بارے میں معتزلہ پر پلٹتے ہیں جن پر معتزلہ اسمِ ایمان واقع کرتے ہیں۔ یہ تمام سوالات معتزلہ کو بھی لازم آتے ہیں۔ کیونکہ صغائر بھی بلاشک ذنوب ومعاصی (گناہ) ہیں۔ سوائے اس کے کہ جب یہ کبائر سے علیٰحدہ رہیں تو ہم ان پر اسم فسق وظلم واقع نہیں کرتے۔ اس لئے کہ جو شخص کبائر سے بچے اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کی ذمہ داری فرمائی ہے۔ جس کے گناہ کی مغفرت کی جائے اس پر اسم فاسق وظالم واقع کرنا محال ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں اسم قبول شہادت کو ساقط کر دیتے ہیں کبائر سے بچنے والا اگرچہ صغائر کو چھپائے ہوئے ہو تو اُس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ اس لئے کہ اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

معتزلہ پر ہمارے اور بھی الزامات ہیں جو انہیں اور تکفیر کرنے والے خوارج دونوں کو شامل ہیں جن پر ہم انشاء اللہ تعالیٰ تکفیر کرنے والوں کے اقوال کے رد کرنے کے وقت تنبیہ کریں گے۔ اور اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔

جو کہتا ہے کہ صاحب کبیرہ کافر ہے اُس سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ فمن عفی لہ من اخیہ شیٔ فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان۔ ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ۔ فمن اعتدی بعد ذلک فلہ عذاب الیمؔ (اے ایمان والو تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص وانتقام فرض کیا گیا ہے۔ آزاد آزاد کے بدلے اور غلام غلام کے بدلے اور عورت عورت کے بدلے۔ پھر جسے اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو دستور کے مطابق اس پر عمل کرنا چاہئے اور خوبی ونیکی کے ساتھ اُسے ادا کرنا چاہئے۔ یہ تمھارے رب کی طرف سے تخفیف ورحمت ہے۔ پھر جو شخص اس کے بعد زبردستی وسرکشی کرے گا تو اُس کے لئے دردناک عذاب ہے)۔ ان میں جو قاتل یا مقتول ہے اللہ تعالیٰ نے اُسے اہل ایمان کے خطاب سے شروع کیا ہے۔

تصریح فرمائی ہے کہ قتل عمد کا مرتکب اور مقتول کا وارث دونوں بھائی بھائی ہیں۔ فرمایا ہے۔ "انما المؤمنون اخوۃ" (صرف مومنین ہی بھائی بھائی ہیں) ثابت ہو گیا کہ نص قرآن کے مطابق مرتکب قتل عمد مومن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اُخوّت ایمان (برادری ایمانی) کا حکم دیا۔ کافر کی مومن کے ساتھ یہ اخوت نہیں ہوتی۔ فرمایا ہے "وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر اللہ۔ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین۔ انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ" (اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں پھر ایک گروہ دوسرے پر ظلم کرے تو جو ظلم کرتا ہے اُس سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پھر اگر وہ رجوع کرے تو دونوں میں عدل کے ساتھ صلح کرادو اور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے مومنین تو بھائی ہی بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان میں صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرو۔) (یعنی جب دو فریق لڑتے ہیں تو بسا اوقات اُن میں ایک غالب اور ایک مغلوب ہوتا ہے اور غالب کے ساتھی بہت سے ہو جاتے ہیں اور اُس کے خوف سے صلح کرانے میں بھی اُسی کی رعایت کرتے ہیں اور مغلوب کو دباتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اُس غالب سے نہ ڈرو۔) یہ آیت اللہ تعالیٰ کی اُس شک کو پورے طور پر رفع کرنے والی ہے جو اس آیت میں تھا کہ وہ "باغی گروہ" جو مومنین کے دوسرے گروہ پر چڑھائی کرتا ہے اور بقیہ مومنین کو جس سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم (یعنی صلح) کی طرف رجوع کرے" جنگ کرنے والے مومنین کے بھائی ہیں۔ یہ وہ امر ہے جس سے سوائے گمراہ کے کوئی نہیں بھٹک سکتا۔ یہ دونوں آیتیں معتزلہ پر حجت قاطعہ ہیں جو قاتل سے اسم ایمان کو ساقط کرتے ہیں اور ان سب پر بھی جو صاحب کبائر سے اسم ایمان ساقط کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ کہنے کی

۱۳۲

ہرگز گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اُس صورت میں ہمارا بھائی قرار دیا ہے جب وہ توبہ کرلیں اس لئے کہ نص آیت یہی ہے کہ وہ لوگ حالت بغی وسرکشی میں اور حق کی طرف رجوع کرنے سے پہلے ہی بھائی ہیں۔

ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ جنگ باہم مارپیٹ کرنا ہے (نہ کہ قتل کرنا)۔

یہ کئی وجوہ سے خطائے فاحش ہے۔اوّل اس لئے کہ یہ بغیر کسی برہان کے دعویٰ ہے۔اور بلا دلیل کے آیت کی تخصیص ہے۔اور جو اس طرح ہو وہ بلاشک باطل ہے۔ثانی اس لئے کہ مسلمان مسلمان کا ظلم وبغی وسرکشی سے مارنا فسق ومعصیت ہے۔ثالث اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے قتال معہود مراد نہ لیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اُس شخص کے قتال کا ہرگز حکم نہ دیتا جو طمانچہ بازی سے زائد نہ کرے۔اللہ تعالیٰ نے اس میں بغی کے نام سے ہر بغی کو عام کردیا ہے وہ اس حکم کے تحت میں داخل ہے۔

ان لوگوں نے یہ آیت بھی پیش کی ہے" وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطأً (اور مومن کو مومن کے قتل کرنے کا حق نہیں۔سوائے خطا کے)۔

یہ آیت اپنے ظاہر کے اعتبار سے بغیر کسی تاویل کے ہمارے لئے ان لوگوں پر حجت ہے۔اس لئے کہ اس میں یہ نہیں ہے کہ عمداً قتل کرنے والا مومن نہیں ہے۔اس میں مومن کے مومن کو عمداً قتل کرنے کی صرف ممانعت ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" الا خطاء" (اللہ تعالیٰ نے مومن کے مومن کو قتل کرنے کو جو حرام کیا ہے اُس میں سے قتل خطا کو مستثنیٰ فرما دیا۔ اُس چیز کی نہی ناممکن ہے جس سے باز رہنا ممکن نہ ہو اور نہ اُس پر قدرت ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اُس چیز کی تکلیف دینے سے امن دیدیا ہے جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔جو فعل خطا سے ہوا سے اُس نے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا" لیس علیکم جناح فیما اخطاء تم به ولکن ما تعمدت قلوبکم" (اُس میں تم پر کوئی گناہ نہیں جو تم خطا سے کرو لیکن گناہ اُس میں ہے جو

تمہارے دل عمداً کریں)۔ لہذا اس آیت سے ان لوگوں کا استدلال باطل ہو گیا۔
اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "لاترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض" (میرے بعد تم لوگ کفار بنکے آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنا)۔ یہ بھی اپنے ظاہر پر ہے۔ اس لفظ میں صرف اس کی ممانعت ہے کہ آپ کے بعد کفر کی طرف پلٹکر کفر کے بارے میں باہم جنگ نکریں۔ یہ نہیں ہے کہ قاتل کافر ہے۔ نہ اس میں محض قتل کی ممانعت ہے۔ اس کی ممانعت قرآن وحدیث کی دوسری نصوص میں ہے جیسا کہ اس لفظ میں زنا اور چوری کی بھی ممانعت نہیں ہے۔ ہر حدیث میں پوری شریعت کا حکم نہیں ہوتا۔ لہذا اس حدیث سے بھی ان کا استدلال باطل ہو گیا۔

اسی طرح آنحضرت علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ "سباب المومن فسوق وقتالہ کفر" (مومن کو گالی دنیا برا کہنا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر) یہ بھی اپنے عموم پر ہے۔ اس لئے کہ یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلم (مومن) فرمانا جنس کے لئے عموم ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو شخص تمام مسلمانوں کو ان کے اسلام کی وجہ سے برا کہے اور ان سے جنگ کرے وہ کافر ہے۔ برہان وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نص قرآن میں ہے کہ قاتل و مُقاتل (جنگ کرنے والا) دونوں مومن ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تناقض واختلاف نہیں ہوتا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ "لاترغبوا عن آبائکم فانہ کفر لکم ان ترغبوا عن آبائکم" (اپنے والدین سے بے اعتنائی نکرو کیونکہ یہ تمہارے لئے کفر ہے کہ تم اپنے والدین سے بے اعتنائی کرو) کیونکہ آنحضرت علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ "کفر منکم" (تم سے کفر ہے یا تمہارا کفر ہے)۔ نہ یہ فرمایا کہ "انہ کفر باللہ تعالیٰ" (یہ اللہ تعالیٰ کیساتھ کفر ہے)۔ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں کہ جس نے اپنے باپ سے بے اعتنائی کی تو اس نے اپنے باپ کے ساتھ کفر کیا اور اس کا انکار کیا۔

جو کہتا ہے کہ صاحب کبیرہ مومن نہیں ہے بلکہ کافر یا فاسق ہے

اس سے کہا جائے گا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا "ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ولامۃ مومنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم۔ ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا ولعبد مومن خیر من مشرك ولو اعجبکم" (اور مشرک عورتوں سے نکاح نکرو تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں اور بیشک مومن کنیز بہتر ہے مشرک عورت سے۔ اگرچہ وہ تمہیں اچھی ہی لگے۔ اور مشرکین سے نکاح نکرو تاوقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں۔ اور مومن غلام بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ تمہیں اچھا ہی لگے۔) اور فرمایا ہے "فان علمتموھن مومنات فلا ترجعوھن الی الکفار لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن" (پھر اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ ہجرت کرنے والی عورتیں مومن ہیں تو انھیں کفار کے پاس واپس نکرو۔ نہ یہ اُن کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں)۔ اور فرمایا ہے "ولا تمسکوا بعصم الکوافر" (اور کافروں کی عورتوں کو نہ روکو)۔ اور فرمایا ہے "الیوم احل لکم الطیبٰت وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم والمحصنٰت من المؤمنٰت والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذا آتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین" (آج تمھارے لئے پاک چیزیں حلال کردی گئیں اور اہل کتاب کا طعام یعنی ذبیحہ تمھارے لئے حلال ہے اور تمھارا طعام یعنی ذبیحہ اُن کے لئے حلال ہے۔ اور پاکدامن مومنہ عورتیں اور وہ پاکدامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب عطا کی گئی ہے جبکہ تم ان کے مہر ادا کردو (تمھارے لئے حلال ہیں) پاکدامنی کے ساتھ نہ کہ آشنائی کے ساتھ) اور سورۂ نساء میں ہے "محصنٰت غیر مسافحات" (پاکدامن عورتیں ہوں جو آشنائی کرنے والی نہ ہوں) یہ آیات اس امر میں نہایت واضح ہیں کہ روئے زمین پر سوائے مومن یا کافر یا مومنہ یا کافرہ کے کوئی تیسرا دین موجود نہیں ہے اور مومنہ کا نکاح مومن سے حلال اور کافر سے حرام ہے۔ اور کتابیہ مومن کے لئے نکاح سے اور کافر کے لئے حلال ہے۔

بتاؤ کہ جب عورت زنا کرے اور وہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ ہے

یا جب وہ چوری کرے یا شراب پیے یا اُسے زنا کی تہمت لگانے کی سزا دیجائے یا وہ یتیم کا مال کھا جائے یا وہ عمداً غسل کو ترک کرے یہاں تک کہ نماز کا وقت نکل جائے اور وہ اسے جانتی ہو یا وہ اپنے مال کی زکواۃ نہ نکالے تو وہ تمھارے نزدیک ان امور کی وجہ سے کافرہ ہے یا اسلام سے بری ہے یا ایمان سے خارج ہے یا مومنین کی جماعت سے خارج ہے۔ تو کیا بزرگ مومن کے لئے اُس سے نکاح کرنا یا اُس کے ساتھ زوجیت پر باقی رہنا اگر اُس نے اس سے پہلے نکاح کر لیا ہے حلال ہے یا اُس کے بزرگ باپ یا نیک بھائی پر اس کا ولیِ نکاح بننا حرام ہے۔

بتاؤ کہ جب مرد زنا کرے یا چوری کرے یا اُسے تہمت زنا کی سزا دیجائے یا وہ مال یتیم کھا جائے یا میدان جہاد سے بھاگے یا عمداً نماز ترک کرے یہاں تک کہ اُس کا وقت نکل جائے یا اپنے مال کی زکواۃ نہ نکالے تو ان وجوہ سے تمھارے نزدیک وہ کافر یا اسلام سے بری اور ایمان اور مومنین کی جماعت سے خارج ہو جائے گا تو کیا اُس پر شروع ہی سے مومنہ عورت کا نکاح یا مومنہ کنیز سے جماع حرام ہو جائے گا یا اُس پر اُس کی وہ مومنہ بیوی حرام ہو جائے گی جو اس کی حفاظت میں ہے۔ اس عورت کا نکاح اس مرد سے فسخ ہو جائے گا یا اُس پر اپنی مومنہ بیٹی یا مومنہ بہن کا ولی نکاح بننا حرام ہو جائے گا۔ کیا مذکورۂ بالا عورت اور مذکورۂ بالا مرد پر اپنے اپنے ولی مومن کی میراث حرام ہو جائے گی اور کیا ان دونوں کی میراث ان کے ولی مومن پر حرام ہو جائے گی یا اس مرد کا ذبیحہ حرام ہو جائے گا اس لئے کہ یہ تمھارے گمان کے مطابق اسلام کو چھوڑ چکا ہے۔ اور جماعت مومنین سے خارج ہو چکا ہے۔

یہ لوگ ان میں سے کسی امر کے بھی قائل نہیں۔ ان کا اختلاف محض اللہ تعالیٰ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنہ کو اس شخص پر حرام کرتا ہے جو مومن نہیں مگر یہ لوگ اسے حلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غیر مومنہ و غیر کتابیہ عورت کو مومن پر حرام کرتا ہے مگر یہ لوگ اُسے حلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مومن

وغیر مومن کے درمیان میں ولایتِ نکاح کو منقطع کرتا ہے مگر یہ لوگ اُسے باقی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غیر مومن وغیر کتابی کے ذبیحہ کو حرام کرتا ہے مگر یہ لوگ اُسے حلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مومن وغیر مومن کے درمیان میراث کو منقطع کرتا ہے مگر یہ لوگ اس کو قائم کرتے ہیں۔ جو شخص قرآن کی مخالفت کرے اور اس پر حجت قائم ہو جانے کے بعد بھی اُسی پر قائم رہے تو ہم تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسے شخص سے اپنی براءت ظاہر کرتے ہیں۔

اکثر امور مذکورۂ بالا میں نہ تو اہل اسلام میں سے کسی میں اختلاف ہے اور نہ کسی ایسے فرقے میں ہے جو اپنے کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور بعض امور مذکورۂ بالا میں اختلاف ہے جس کی طرف ہم اشارہ کریں گے تاکہ کوئی یہ بدگمانی نکرے کہ ہم نے اُس سے غفلت برتی۔

من جملہ اختلافات کے زانی وزانیہ کے بارے میں اختلاف ہے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نزدیک زوجین میں سے کسی سے بھی زنا صادر ہو تو وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے جس میں دخول یا رخصتی کی نوبت نہیں آئی۔ حسن بصری اور دوسرے سلف زانی یا زانیہ کا نکاح مسلمہ یا مسلم سے جائز نہیں بتاتے سوائے اس کے کہ یہ دونوں توبہ کرلیں۔ اسی کے ہم بھی قائل ہیں۔ نہ اس وجہ سے کہ یہ دونوں مسلم نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں مسلم ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شریعت یہی ہے جو اس کے بارے میں قرآن میں وارد ہوئی۔ جیسا کہ صاحبِ احرام پر جب تک کہ وہ احرام میں ہے نکاح کرنا حرام ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

وہ شریعت اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "الزانی لاینکح الا زانیۃ او مشرکۃ والزانیۃ لاینکحھا الا زان او مشرك وحرم ذلك علی المؤمنین" (زانی زانیہ یا مشرکہ ہی سے نکاح کرے گا۔ اور زانیہ زانی یا مشرک ہی سے نکاح کرے گی۔ اور مومنین پر یہ حرام کر دیا گیا ہے)۔ اس آیت میں اس پر بھی نص جلی ہے کہ زانی وزانیہ مشرک نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں ایسا فرق کیا ہے جس میں ہرگز اس کا

احتمال نہیں کہ وہ بطور تاکید کے ہو۔ بلکہ اس بنا بر فرق کیا ہے کہ یہ دو مختلف صفتیں ہیں۔ جب یہ دونوں مشرک نہ ہوئے تو لامحالہ مسلم ہوئے اس لئے کہ ہم اس کے قبل بیان کر چکے ہیں کہ ہر کافر مشرک اور ہر مشرک کافر ہے اور جو کافر و مشرک نہ ہو تو وہ مومن ہے کیونکہ کسی تیسرے دین کی گنجائش نہیں وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

بعض مذکورۂ بالا امور کے اختلاف میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و ابراہیم النخعی کا قول ہے کہ مسلم جب مرتد ہو جائے اور مسلمہ جب اُس کا شوہر اسلام نہ لائے تو یہ اُسی طرح اُس کی بیوی رہے گی جیسی کہ تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ اس سے جماع نکر سکیگا۔ حضرت عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس عورت کو اختیار ہے کہ خواہ اس کے ساتھ رہے یا اس سے جدا ہو جائے۔ ان روایات میں کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔ حجت و دلیل تو صرف نص قرآن میں ہے یا اُس حدیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وارد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمام مشرکین کے قتل کا حکم دیا ہے۔ اُن میں سے بچوں کے ساتھ صرف اس کتابی کو مستثنیٰ کیا ہے کہ جزیہ برداشت کرے یا قاصد ہو یہاں تک کہ وہ پیام رسانی سے فارغ ہو جائے اور اپنی امن کی جگہ تک پہنچ جائے۔ یا وہ امن و پناہ حاصل کرنے والا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنے اس کے بعد اپنے امن کے مقام تک پہنچ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے قتل کا حکم دیا ہے جو اپنا دین بدل دے۔ جو اس کے قائل ہیں کہ صاحبِ کبیرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور اُس کا اسلام باطل ہو جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے دین میں داخل ہو جاتا ہے جو کفر ہے یا فسق ہے۔ ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ جب زانی۔ قاتل عمد۔ سارق۔ میخوار۔ زنا کی تہمت لگانے والا۔ میدان جہاد سے بھاگنے والا اور مال یتیم کا کھا جانے والا اسلام سے خارج ہو گیا اور اس نے اپنا دین ترک کر دیا تو کیا یہ لوگ اس شخص کو قتل کریں گے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیا ہے یا اُسے قتل نکریں گے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں گے۔ یہ سب کے سب معتزلہ وخوارج دونوں اسی کے قائل ہیں کہ اُسے قتل نکریں گے۔ لیکن ان میں سے بعض کی سزائیں تو مقرر ہیں مثلاً ہاتھ کاٹنا یا سَو یا اسّی کوڑے مارنا۔ اور بعض میں صرف ادب وتنبیہ ہے۔ ان میں سے کسی پر بھی سزائے موت حلال نہیں ہے۔ اور یہ کھلم کھلا اپنے اصول سے ہٹنا اور اپنے قول کا باطل کرنا ہے۔ جس میں کوئی خفا نہیں۔

یہ اجماع یقینی اور قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئك هم الفسقون۔ الا الذین تابوا" (اور وہ لوگ جو پاکدامن بیویوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو انھیں اسّی کوڑے مارو اور کبھی ان کی شہادت قبول نکرو۔ اور بدکار تو یہی لوگ ہیں مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا قتل حرام کر دیا ہے۔ باوجود ان کے اصرار کے ان کا زندہ رکھنا فرض کر دیا ہے اور صرف ان کی شہادت کا رد مقرر کر دیا ہے۔ اگر ان کا قتل جائز ہوتا تو وہ کس طرح ایسی شہادت دیتے جو ان کے قتل کے بعد قبول نہ کیجاتی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یؤمن باللہ فقد استمسك بالعروة الوثقى لا انفصام لها" (دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں ہے کیونکہ ہدایت وگمراہی واضح ہو چکی ہیں۔ پھر جو بت پرستی کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے ایک مستحکم کڑے کو پکڑ لیا جو ٹوٹ نہیں سکتا۔)۔

ہم میں اور ان لوگوں میں۔ نہ امت کے کسی اور شخص میں۔ اس میں اختلاف نہیں ہے کہ جو بت پرستی کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اور ایسی مستحکم کڑی کو پکڑے جو ٹوٹ نہ سکے تو وہ مومن ومسلم ہے۔ اگر وہ فاسق غیر مومن ہوتا تو لامحالہ کافر ہوتا۔ اگر کافر ہوتا تو لامحالہ مرتد ہوتا جس کا

قتل واجب ہوتا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ما کان للمشرکین ان یعمر وامساجد اللہ شاھدین علی انفسہم بالکفر اولئک حبطت اعمالھم" (مشرکین کا کام نہیں ہے کہ وہ اپنے کفر کے شاہد ہوتے ہوئے اللہ کی مساجد کو آباد کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال رائگان ہیں)۔
اور فرمایا ہے "انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوۃ وآتی الزکوۃ ولم یخش الا اللہ فعسی اولئک ان یکونوا من المھتدین" (اللہ کی مساجد کو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اور نماز قائم کرتا ہے اور زکوۃ دیتا ہے اور سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ تو قریب ہے کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں)۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یقیناً لازم آیا کہ صرف مومنین ہی کو اللہ کی مساجد کو بذریعۂ نماز آباد کرنے دیا جائے گا۔ یہ سب لوگ ہمارے ساتھ اس پر متفق ہیں کہ صاحب کبائر کو بذریعۂ نماز مسجد کے آباد کرنے کی دعوت دیجائے گی اور اس پر لازم کیا جائیگا اور اُسے اس پر مجبور کیا جائے گا۔ اس امر پر تمام امت کے اجماع میں اور ان لوگوں کو ہمارے ساتھ نماز پڑھنے دینے میں اور انھیں ادائے زکوٰۃ کا پابند کرنے اور ان سے زکوۃ لینے میں اور انھیں صوم رمضان وحج بیت اللہ کا پابند کرتے ہیں اس امر پر برہان واضح ہے جس میں کوئی بھی اشکال نہیں کہ وہ دین مومنین سے خارج نہیں ہوا اور وہ مومن ومسلم ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "یا ایھا الذین آمنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشھر الحرام ولا الھدی ولا القلائد ولا آمین البیت الحرام یبتغون فضلاً من ربھم ورضوانا۔ واذا حللتم فاصطادوا۔ ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا۔ وتعاونوا علی البر والتقوی۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ واتقوا اللہ۔ ان اللہ شدید العقاب۔ حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ

والمتردية والنطيحة وما اكل السبع الاما ذكيتم ـ وما ذبح على النصب وان تستقسموا بالازلام ـ ذلكم فسق ـ اليوم يئس الذين كفروا من دينكم فلا تخشوهم واخشون"۔ (سورۂ مائدہ رکوع ۱ پارہ ۶)۔
(اے ایمان والو ـ بے حرمتی نکرو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی اور محترم مہینے کی اور حرم میں ہونے والی قربانی کی اور ان قربانیوں کی جن کے گلے میں نشانیاں پڑی ہوں کہ یہ حرم کی قربانیاں ہیں ـ اور نہ بیت الحرام کا قصد رکھنے والوں کی جو اپنے رب کے فضل ورضامندی کے طالب ہوں ـ اور جب تم احرام کھولدو تو شکار کر سکتے ہو ـ اور تمھیں کسی قوم کی یہ بدخلقی وعداوت کہ اس نے تمھیں مسجد حرام سے روکا تھا اس پر ہرگز نہ آمادہ کرے کہ تم بھی حد انصاف سے نکل جاؤ ـ اور باہم نیکی وتقویٰ میں مدد کیا کرو ـ اور گناہ اور زبردستی میں باہم مدد نہ کیا کرو ـ اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ـ تم پر حرام کیا گیا مردار ـ اور خون اور سور کا گوشت ـ اور جس کو غیر اللہ کے نامزد کردیا جائے اور گلا گھونٹا جانور اور چوٹ سے مرا ہوا اور بلندی سے گر کے مرا ہوا اور صدمہ اور ٹکر سے مرا ہوا اور جس کو درندے نے کھایا ہو ـ مگر وہ جانور کہ جس کو تم نے ذبح کرلیا ہو ـ اور جس جانور کو بتوں کی عبادت گاہوں پر ذبح کیا جائے ـ اور جس کو تیر اندازی کے قرعوں سے تقسیم کرو ـ یہ سب فسق وگناہ ہے ـ آج سے کافر تمھارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں ـ لہٰذا ان سے نہ ڈرو اور مجھسے ڈرو)
اللہ تعالیٰ نے مومنیں کو خطاب کر کے بتایا کہ کفار ان کے دین سے مایوس ہو گئے ہیں ـ اور کسی تیسرے دین کی کوئی گنجائش نہیں ـ
اور فرمایا ہے "ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه"
(اور جو شخص غیر اسلام کو دین بنائے گا تو ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا)۔
لہٰذا ثابت ہو گیا کہ سوائے دین اسلام کے کوئی دین نہیں ہے ـ اور جو اس کے سوا ہے وہ غیر مقبول شے ہے اور اس کا ماننے والا قیامت میں نقصان اٹھانے والا ہے ـ وباللہ تعالیٰ التوفیق ـ
اور فرمایا ہے "المؤمنون والمومنات بعضهم اولياء بعض"

(مومنین و مومنات بعض بعض کے دوست ہیں)
اور فرمایا ہے "والذین کفروا بعضہم اولیاء بعض" (اور جو کافر ہیں وہ بعض بعض کے دوست ہیں)۔
اور فرمایا ہے "ومن یتولھم منکم فانہ منہم" (اور تم میں سے جو ان سے دوستی کرے گا وہ انھیں میں سے ہے)۔
اور فرمایا ہے "ھوالذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن۔ واللہ بما تعملون بصیر" (اللہ وہ ہے جس نے تمھیں پیدا کیا پھر تم میں سے بعض کافر ہو گئے اور تم میں سے بعض مومن۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو سب اللہ دیکھتا ہے)۔ لہذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ جن والنس میں صرف مومن ہیں یا کافر جو ان میں سے ایک سے نکلیگا وہ دوسرے میں داخل ہو جائے گا۔ ہم ان لوگوں سے اس مسلمان کے متعلق دریافت کرتے ہیں جو فسق کرے۔ علی الاعلان کبائر کا ارتکاب کرے۔ اُس کی دو بہنیں ہوں۔ اُن میں سے ایک نصرانیہ ہو اور دوسری صاحبِ فضل مسلمہ۔ یہ فاسق مسلمان ان دونوں عورتوں میں سے کس کا ولیِ نکاح و وارث ہو گا۔ اور اس عورت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں جو چوری کرے۔ زنا کرے اس کے دو چچا زاد بھائی ہوں جن میں ایک یہودی ہو اور دوسرا مسلم فاضل۔ ان دونوں میں سے کس کے لئے اس عورت سے نکاح حلال ہو گا۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس میں نہ کوئی خفا ہے نہ اختلاف۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ صاحبِ کبائر مومن ہے۔

۱۳۵

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا" (بیشک نماز مومنین پر لکھدی گئی ہے اور وقت مقرر کر دیا گیا ہے)۔
اور فرمایا ہے "انما یتقبل اللہ من المتقین" (اللہ تعالیٰ متقین ہی کا عمل قبول کرتا ہے)۔
ہمیں بتاؤ کہ کیا تم زانی و سارق کو اور زنا کی تہمت لگانے والے اور قاتل کو نماز کا حکم دو گے اور اگر وہ نہ پڑھے تو اُسے تنبیہ کرو گے یا نہیں؟۔

اگر وہ کہیں نہیں ۔ تو اجماع یقینی کی مخالفت کریں گے ۔ ہم اُن سے کہیں گے کہ آیا تم اُسے اُس چیز کا حکم دیتے ہو جو اُس پر فرض ہے یا اُس چیز کا جو اُس پر فرض نہیں اور اُس چیز کا حکم دیتے ہو جسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول کرلے یا اُس چیز کا کہ جس کے متعلق یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے قبول نہ کرے گا ۔ اگر وہ کہیں کہ ہم اُسے ایسی چیز کا حکم دیتے ہیں جو اُس پر فرض نہیں تو ان کا تناقض ظاہر ہو جائے گا ۔ کیونکہ یہ ناجائز ہے کہ کسی کو اُس چیز کا پابند کیا جائے جو اُس پر لازم نہیں ۔

اگر یہ کہیں کہ ہم اُسے چیز کا اسے حکم دیتے ہیں جو اُس پر فرض ہے تو انھوں نے فیصلہ کر دیا کہ وہ مومن ہے ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ نماز وقت مقررہ پر مومنین پر فرض کی گئی ہے ۔

اگر یہ کہیں کہ ہم اُسے ایسی چیز کا حکم دیتے ہیں جس کا اُس سے قبول ہونا ناممکن ہے تو انھوں نے بدل دیا ۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ کسی کو ایسے عمل کا حکم دیا جائے جو یقیناً اُس سے قبول نہ کیا جائے گا ۔

اگر یہ کہیں کہ ہم اسے ایسے عمل کا حکم دیتے ہیں جس کے متعلق امید ہے کہ وہ اُس سے قبول کر لیا جائے گا ۔ تو ہم کہیں گے کہ تم نے سچ کہا اسی سے ثابت ہو گیا کہ فاسق کا اپنے عمل صالح میں متقین میں شمار ہے اور اپنے عمل معاصی میں فاسقین میں شمار ہے ۔

ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا مرتکب کبیرہ ، اگر بیوی کو طلاق دے تو اس سے متمتع ہونے کا حکم دیں گے یا نہیں ۔ اگر وہ کہیں کہ ہم اُسے اُس کا حکم دیں گے تو لازم آئے گا کہ وہ محسنین و متقین میں سے ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمتع میں "حقا علی المحسنین ۔ حقا علی المتقین ۔" فرمایا ہے ۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جو عمل صالح کرے اس میں محسن ہے اور جو عمل بد کرے اُس میں مسیئی و بدکار ۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اُس پر نماز اسی طرح فرض ہے جس طرح تمہارے نزدیک تمام کفار پر فرض ہے ۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ مساوی نہیں ہے ۔ اس لئے کہ

اگرچہ کافر اور بے وضو اور بے غسل شخص کو نماز کا حکم ہے اور اس کے ترک پر انھیں عذاب ہوگا مگر ہم انھیں بالکل نماز نہ پڑھنے دیں گے بلکہ اس سے روکینگے تاوقتیکہ کافر اسلام نہ لے آئے اور بے وضو وضو نہ کرلے اور بے غسل غسل نہ کرلے اور وضو یا تیمم نہ کرلے۔ فاسق ایسا نہیں ہے۔ ہم اُسے نماز قائم کرنے پر مجبور کریں گے۔

اس مسئلے میں سوائے جبائی معتزلی اور محمد بن طیب باقلانی کے اور کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ تمام امت میں سے صرف انھیں دونوں کا یہ مذہب ہے اور اس میں ایک قلیل جماعت نے ان کی پیروی کرلی ہے کہ جس شخص کے گناہ ہوں تو اُس شخص کی توبہ بعض گناہوں کے متعلق قبول نہ کی جائے گی تاوقتیکہ سب گناہوں سے توبہ نکرے۔ ہم نے ان میں بعض سے اس مسئلے میں مناظرہ کیا ہے اور اُنھیں یہ الزام دیا ہے کہ وہ ہر گناہگار پر جو ایک بھی گناہ کرے یہ واجب کردیں کہ وہ فرض نماز۔ زکوٰۃ۔ صوم رمضان۔ جمعہ۔ حج و جہاد ترک کردے۔ اس لئے کہ ان سب امور کا قائم کرنا ان کے ترک سے اللہ کے آگے توبہ کرنا ہے۔ جب اُس کی توبہ ذرا بھی قبول نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ اپنے ہر گناہ سے توبہ نکرے تو پھر اُس کی ترک نماز و ترک صوم و ترک زکوٰۃ کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی تاوقتیکہ اپنے ہر گناہ سے توبہ نکرے اگر وہ اس کے قائل ہوں تو یہ تمام امت کے خلاف ہے۔ اور اگر قائل نہ ہوں تو تناقض ہے۔

یہ وہ قول ہے جس کی تصحیح پر ان کے پاس قطعاً کوئی دلیل نہیں۔ اور جو ایسا ہو تو وہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" (آپ کہدیجئے کہ اپنی برہان لاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔) اور فرمایا ہے "واشھدوا ذوی عدل منکم" (اور اپنے میں سے دو صاحبِ عدل کو گواہ بنالو۔) اور فرمایا ہے "وصالح المؤمنین" (اور مومنین میں سے صالح ہمارے نبی کے مددگار ہوں گے)۔ لہٰذا اس لفظ سے یقیناً ثابت ہوگیا کہ ہم میں غیر عادل و غیر صالح بھی ہیں اور وہ ہمیں میں سے ہیں۔ ہم مومن ہیں تو

بلاشک وہ بھی مومن ہیں۔ اور فرمایا ہے "فان تابوا" (یعنی پھر اگر وہ شرک سے توبہ کریں) "واقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین" (اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں) یہ اس امر پر نص جلی ہے کہ جو شہادت اسلام کا ادا کرنے والا شخص نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے تو وہ دین میں ہمارا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کبیرہ کا ارتکاب نکرے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ وہ ہم میں سے ہے اگرچہ وہ کبائر کا ارتکاب کرے۔

اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کریں "مذبذبین بین ذٰلک لاالیٰ ھؤلاء و لاالیٰ ھؤلاء" (یہ لوگ اس کے درمیان میں متردد ہیں نہ اِن کی طرف ہیں نہ اُن کی طرف)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول "الم تر الی الذین تولوا قوما غضب اللہ علیہم ماھم منکم ولا منہم" (کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اُس قوم سے دوستی کی جن پر اللہ کا غضب ہے۔ نہ تو یہ لوگ تم لوگوں میں ہیں اور نہ اُن لوگوں میں)۔ اس سے اس امر کے ثابت کرنے کا قصد کریں کہ وہ نہ مومن ہے نہ کافر تو اس میں بھی ان لوگوں کے لئے کوئی حجت و دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اُن منافقین کا حال بیان کیا ہے جو کفر کو پوشیدہ کرنے والے اور اسلام کے ظاہر کرنے والے تھے۔ وہ نہ تو کفار کے ساتھ تھے۔ نہ اُن میں تھے اور نہ ان لوگوں کی طرف تھے۔ یہ لوگ اسلام ظاہر کرتے تھے اور وہ لوگ اسلام ظاہر نہیں کرتے تھے۔ یہ لوگ نہ مسلمانوں کے ساتھ تھے اور نہ ان میں سے تھے۔ یہ کفر کو اپنے اندر چھپائے ہوئے تھے۔ ان دونوں آیتوں میں یہ تو نہیں ہے کہ یہ کافر نہ تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ومن یتولھم منکم فانہ منہم" (تم میں سے جو شخص کفار سے دوستی کرے گا تو وہ اُنھیں میں سے ہے)۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ یہ کفار تھے مومنین نہ تھے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

جو کہتا ہے کہ صاحبِ کبیرہ منافق ہے اُس سے کہا جائے گا کہ اس

۱۳۶

کلمے کے کیا معنی ہیں۔ ان کا یہ جواب ہو گا جو اس مسئلے میں کسی کا اس کے سوا کوئی جواب نہیں ہو سکتا کہ منافق وہ ہے جس کی صفت نفاق ہو۔ شریعت میں نفاق کے معنی ہیں ایمان کا ظاہر کرنا اور کفر کا چھپانا۔ بتوفیق الٰہی اس سے کہا جائے گا کہ جو دل میں ہوا سے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اس دل کو بھی سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا جس میں یہ شے ہے۔ یہ ناجائز ہے کہ ہم کسی کے معتقد کفر ہونے کا بغیر اس کے کہ وہ کفر کا اپنی زبان سے اقرار کرے یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی آئے فیصلہ کر دیں۔ جسے دلوں کی بات کا علم حاصل ہو گیا تو اسے علم غیب حاصل ہو گیا۔ یہ یقینی خطا ہے جو بداہتہً معلوم ہوتی ہے۔ تمھیں کسی قول کے ساقط و غیر معتبر ہونے کو یہی کافی ہے کہ وہ یقینی محال تک پہنچا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ بہت سے نمازی اپنی زبان سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس لئے مبعوث نہیں ہوا ہوں کہ لوگوں کے دل چیر کر دیکھا کروں۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کا ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ " وممن حولکم من الاعراب منافقون لا تعلمہم نحن نعلمہم " (اور جو اعراب تمھارے اطراف میں ہیں ان میں منافقین بھی ہیں جن کو اے نبی آپ نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں)۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کو نہیں پہچانتے تھے حالانکہ وہ لوگ آپ کے ساتھ تھے اور آپ انھیں دیکھتے تھے اور ان کے افعال کا مشاہدہ فرماتے تھے تو آپ کے بعد اور کون ہے جو اس کے لائق ہو کہ وہ انھیں جان لے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زانی بھی تھے۔ چور بھی تھے۔ مےخوار بھی تھے۔ فرض نماز کی جماعت کے کھونے والے بھی تھے۔ قاتل عمد بھی تھے۔ اور زنا کی تہمت لگانے والے بھی تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کبھی کسی کو منافق نہیں فرمایا بلکہ ان امور پر سزائیں دیں۔ مکانات کے جلا دینے کی دھمکی دی۔ خوں بہا اور

معافی کا حکم دیا۔ ان سب کو مومنین کی جماعت میں باقی رکھا اور ان پر ایمان کا حکم و اسم رہنے دیا۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ شریعت میں نام رکھنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے نہ کہ اور کسی کو۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے صاحب کبیرہ کو منافق کہنے کا کبھی کوئی حکم نہیں آیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث ہے کہ آپ نے چند خصلتیں بیان فرمائیں کہ جس شخص میں یہ ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور یہ کہے کہ میں مسلم ہوں۔ آپ نے یہ خصلتیں بیان فرمائیں۔ کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب اُسے امانت دیجائے تو خیانت کرے اور جب معاہدہ کرے تو اُسے توڑ ڈالے اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ فرمایا کہ ان میں کی ایک خصلت بھی جس میں ہوگی تو اُس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی تاوقتیکہ وہ اُسے ترک نکر دے۔

ہم بتوفیق الٰہی ان سے کہیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ ہم تمھیں بتا چکے ہیں کہ منافق وہ ہے جو ایک شے کو ظاہر کرے اور اُس کے خلاف باطن میں رکھے۔ یہ اصل لغت میں نافقاء الیربوع (خرگوش کے سوراخ) سے ماخوذ ہے۔ یہ اُس کے سوراخ اور بل کا ایک کھلا ہوا دروازہ ہے جسے اس نے مٹی یا اور کسی چیز سے ڈھانک دیا ہو۔ یہ تمام خصائل جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا یہ سب ان خصلت والے کا باطن ہیں کہ جن کے خلاف وہ ظاہر کرتا ہے تو وہ اس قسم نفاق کا منافق ہے اور یہ وہ نفاق نہیں ہے جس کا رکھنے والا اللہ تعالیٰ کے کفر کو باطن میں رکھتا ہے۔

برہان وہی ہے جو ہم نے ابھی ان امور پر اجماع امت کا ذکر کیا کہ ہر ایسے شخص کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق سے موصوف فرمایا مال کی زکوٰۃ لیجائے گی۔ اُس مرد سے اور اُس عورت سے نکاح کیا جائیگا۔ اُس سے اور اُس کو میراث لی اور دیجائے گی۔ اُس کا ذبیحہ کھایا جائے گا۔

اُسے مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے دی جائے گی اور اُس کی جان و مال کا احترام کیا جائے گا۔ اگر ہمیں یقین ہو جائے گا کہ یہ دل میں کفر رکھتا ہے تو اُس کا قتل واجب ہے۔ اُس مرد و عورت کا نکاح کرنا حرام ہے۔ اُس کی موارثت اور اُس کے ذبیحہ کا کھانا حرام ہے۔ اور ہم اُسے مسلمان کے ساتھ نماز نہ پڑھنے دیں گے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو منافق بیان کیا تو آپ کا نام رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا کاشتکاروں کا نام کفار رکھنا (یعنی چھپانیوالے)۔ جو فرماتا ہے "کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ" (مثل اُس بارش جس کا اُگانا کفار یعنی کاشتکاروں کو اچھا لگتا ہے)۔ اس لئے کہ لغت میں کفر کے اصل معنی ڈھانکنا ہیں۔ جو کسی شے کو بھی پوشیدہ کرے گا تو وہ اُسی شے کا کافر ہو گا۔ نفاق کی اصل لغت میں یہ ہے کہ ایک شے کا پوشیدہ کرنا اور اُس کے خلاف کا ظاہر کرنا۔ جو کسی شے کو پوشیدہ کرے اور اس کے خلاف کو ظاہر کرے تو وہ اُس شے میں منافق ہے۔ یہ دونوں، نہ کفر دینی ہیں نہ نفاق شرعی۔ اس سے تمام آیات واحادیث بھری پڑی ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جو شخص اس قول کا قائل ہے ہم اُس سے کہتے ہیں کہ آیا تم نے کبھی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اگر وہ کہے کہ نہیں۔ تو اُس سے کہا جائے گا کہ یہی کہنا کبیرہ ہے۔ اس لئے کہ یہ تزکیہ ہے (یعنی اپنے آپ کو پاک صاف کہنا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے "فلا تزکوا انفسکم" (اپنے کو پاک صاف بے گناہ نہ کہو)۔ ہم جانتے ہیں کہ سوائے انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کے کوئی شخص بھی گناہ سے خالی نہیں۔ جو لوگ ان کے سوا ہیں وہ غیر معصوم ہیں۔ بلکہ لوگوں نے تو ملائکہ و انبیاء علیہم السلام کی معصومیت میں بھی اختلاف کیا ہے۔ اگر ہم اُس شخص کی خطا کو یقین کر کے کہیں جو ملائکہ یا انبیاء کے لئے گناہ صغیرہ یا کبیرہ عمداً یا خطاءً کو ممکن کہے۔ ہم نے یہ بات بتادی کہ وہ اس مسئلے میں ہمارے ساتھ ہرگز متفق نہیں ہے۔

اگر وہ کہے کہ ہاں بیشک مجھ سے گناہ کبیرہ ہوا ہے تو اس سے

کہا جائے گا کہ آیا اُس حالت میں جب تم سے گناہ کبیرہ صادر ہو رہا تھا تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شک تھا یا تمہیں ان دونوں کا انکار تھا۔ یا تمہیں اللہ و رسولؐ کا اور آپ کی لائی ہوئی ہر شے کا یقین تھا اور اس کا بھی یقین تھا کہ تم اپنے گناہ کی وجہ سے خطاوار و بدکار ہو۔ اگر وہ کہے کہ وہ منکر یا شک کرنیوالا تھا تو وہ اپنے دل کا زیادہ علم رکھتا ہے۔ اُس سے یہ لازم آئے گا کہ وہ اپنی زوجہ و کنیز مسلمہ کو جدا کر دے اور جو مسلمان مریں اُن کا وارث نہ بنے۔ اس کے بعد اس کے لئے یہ ناجائز ہے کہ وہ دوسرے گنہگاروں کے متعلق اپنے جیسے اعتقاد کفر سے فیصلہ کرے ہم تو یقیناً اُس کے دعوے کا جھوٹ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ جس زمانے میں ہم سے کوئی گناہ ہوتا ہے ہم اللہ و رسولؐ کے مومن ہوتے ہیں۔

اگر وہ یہ کہے کہ میں اپنے گناہ کی حالت میں بھی اللہ و رسولؐ کا مومن تھا۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ یہ تو خود تمہاری ہی طرف اس کا ابطال ہے جو تم نے گناہگاروں کے نفاق کا فیصلہ کیا تھا۔

بغیر کسی کے اختلاف کے پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ صاحبِ کبیرہ کو مسلمانوں کے ساتھ نماز کا۔ رمضان کے روزے کا۔ اس کے مال سے زکوٰۃ لینے کا۔ حج کا۔ اُس سے نکاح کے مباح ہونے کا میراث کا۔ اس کا ذبیحہ کھانے کا اس سے نیک مسلمان عورت سے نکاح کرنے دینے کا۔ نیک مسلمان کنیز کے بغرض جماع خریدنے کا اور اُس کے جان و مال کے احترام کا حکم ہے۔ اس پر بھی اجماع ہے کہ نہ اُس سے جزیہ لیا جائے گا اور نہ اُسے ذلیل کر کے رکھا جائے گا۔ یہ اجماع برہان صحیح ہے کہ وہ مسلم و مومن ہے۔ اس پر پوری امت کا بغیر کسی کے اختلاف کے اجماع ہے کہ اس کی شہادت و خبر کا قبول کرنا حرام ہے اور یہ اجماع برہان ہے کہ وہ فاسق ہے۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ وہ مومن ہے۔ فاسق ہے اہل مومن کے مقابلے میں ناقص الایمان ہے جو فاسق نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "یاایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما

بجہالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (اے ایمان والو۔ اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم ناواقفی سے کسی قوم پر مصیبت نازل کر دو پھر تمھیں اپنے فعل پر نادم ہونا پڑے)۔

جو یہ کہتا ہے کہ وہ کافر نعمت ہے تو کوئی بھی دلیل نہیں۔ سوائے اس کے کہ ان میں سے بعض نے اس آیت میں کھینچ تان کی ہے "الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا و احلوا قومہم دار البوار جہنم۔ یصلونھا وبئس القرار" (جن لوگوں نے کفر کر کے اللہ کی نعمت کو بدل دیا۔ اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم میں ڈالدیا۔ وہ لوگ اُسی میں گریں گے اور بہت برا ٹھکانا ہے)۔

اس میں ان لوگوں کی کوئی دلیل یا حجت نہیں۔ نص آیت ان کے قول کی باطل کرنے والی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسی کلام کے متصل فرماتا ہے " وبئس القرار۔ وجعلوا للہ اندادا لیضلوا عن سبیلہ" (اور بہت برا ٹھکانا ہے۔ اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنائے تاکہ اُس کی راہ سے گمراہ کریں)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ آیت بلاشک مشرکین کے بارے میں ہے۔ نیز انسان کبھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا کفر (کفران) کرتا ہے اور وہ کافر نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا مومن اور اپنے معاصی کی وجہ سے اُس کی نعمتوں کا کافر ہوتا ہے نہ کہ علی الاطلاق کافر۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

کس کی تکفیر کیجائیگی اور کس کی تکفیر نہیں کیجائیگی

کافر کون ہے اس باب میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ جو مسائل اعتقاد میں یا مسائل فتویٰ میں سے کسی میں بھی ان کی مخالفت کرے تو وہ کافر ہے۔

ایک۴ گروہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ بعض مسائل میں فاسق ہے کافر نہیں اور بعض مسائل میں کافر ہے جیسا کہ انھیں ان کی عقلوں اور گمانوں نے پہنچایا یا انھوں نے اس کے مطابق فیصلہ کر دیا۔

ایک۵ گروہ کا مذہب یہ ہے کہ جو مسائل اعتقاد میں ان کا مخالف ہے وہ کافر ہے اور جو مسائل احکام و عبادات میں مخالف ہے وہ نہ کافر ہے نہ فاسق بلکہ وہ مجتہد ہے معذور ہے۔ اگر خطا کرے تو اُسے اس کی نیت کا اجر و ثواب ہے۔

ایک۶ گروہ نے جو مسائل عبادات میں ان کا مخالف ہو اُس کے بارے میں یہی کہا ہے۔ اور جو مسائل اعتقادات میں ان کا مخالف ہو تو اگر اختلاف اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہے تو وہ کافر ہے اور اگر اس کے ماسوا میں ہو تو وہ فاسق ہے۔ ۱۳۸

ایک۷ گروہ کا مذہب یہ ہے کہ کسی مسلم کی اُس کے کسی قول کی وجہ سے جو وہ اعتقاد کے بارے میں کہے یا فتوے کے بارے میں تکفیر نہ کیجائیگی اور نہ اُسے فاسق کہا جائے گا۔ ان امور میں سے جس میں وہ اجتہاد کرے اور جو حق سمجھے اُس کے مطابق مذہب اختیار کرے تو اُسے ہر حال میں ثواب ملیگا۔ اگر وہ حق تک پہنچ گیا تو اُسے دو اجر ہیں اور اگر اُس نے غلطی کی تو اُسے ایک اجر ہے۔ یہ قول ابن ابی لیلیٰ اور ابو حنیفہ اور شافعی اور سفیان الثوری اور داؤد بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے اس مسئلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق جہاں تک معلوم ہوا ہے ان کا بھی یہی قول ہے، ہمیں ان حضرات کے کسی اختلاف کا علم نہیں ہوا سوائے اُس کے جو ہم نے اُس شخص کی تکفیر کے بارے میں بیان کیا ہے کہ عمداً نماز کو ترک کرے یہاں تک کہ اُس کا وقت نکل جائے یا ادائے زکوٰۃ کو ترک کرے یا حج کو ترک کرے یا صیام رمضان کو ترک کرے یا شراب پیے۔ جنھوں نے اعتقادات میں اختلاف کی وجہ سے تکفیر کی ہے انھوں نے چند اشیا سے استدلال کیا ہے جنھیں انشاء اللہ ہم بیان کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی ہے کہ قدریہ و مُرجیہ اس امت کے مجوس ہیں۔ اور ایک اور حدیث بیان کی ہے کہ اس امت کے ستر سے زیادہ فرقے ہوجائیں گے یہ سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک فرقے کے کہ جنت میں جائے گا۔

یہ دونوں حدیثیں سند کے اعتبار سے قطعاً صحیح نہیں ہیں۔ جو روایت ایسی ہو وہ اُس شخص کے نزدیک بھی حجت نہیں جو خبر واحد کا قائل ہو چہ جائیکہ جو اس کا بھی قائل نہو (اس کے نزدیک تو یہ محض بیکار ہے)۔ انھوں نے ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس نے اپنے بھائی سے کہا کہ اے کافر۔ تو اُس نے دو میں سے ایک کے لئے کفر کا اقرار کرلیا۔

اس میں ان کے لئے کوئی حجت نہیں ہے اس لئے کہ اس کے لفظ کا مقتضا یہ ہے کہ وہ اپنے کفر کی نسبت کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ اس کی وجہ سے کافر ہے۔

اس حدیث سے استدلال کرنے والوں میں سے اکثر اور جمہور کسی مسلم کی تکفیر نہیں کرتے جو آپس کی گالی گلوچ میں کسی مسلم کو کافر کہدے۔ اس قول سے انھوں نے اُس حدیث کی مخالفت کی جس سے انھوں نے استدلال کیا تھا۔

حق یہ ہے کہ جس کا معتقد اسلام ہونا ثابت ہو وہ اُس سے بغیر نص یا اجماع کے زائل نہ ہوگا۔ مگر دعویٰ وافتراء سے زائل نہ ہوگا۔ لہذا واجب ہے کہ کسی شخص کی اُس کے کسی قول کی وجہ سے تکفیر نہ کیجائے۔ سوائے اس کے کہ وہ اس قول سے اللہ و رسولؐ کے اُن اقوال کی مخالفت کرے جو اس کے نزدیک بھی ثابت ہیں اور اللہ و رسولؐ کی مخالفت کو جائز سمجھے۔ خواہ یہ مخالفت عقیدہ دینی میں ہو یا ملت میں یا فتوے میں اور خواہ اُس حدیث میں ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجماع و تواتر سے منقول ہے یا اخبار آحاد کے طور پر منقول ہے۔ مگر جو شخص اُس اجماع یقینی کی مخالفت کرے جس کی صحت قطعی ہو تو وہ اپنی حجت و دلیل کے منقطع ہونے میں اور اُس کی تکفیر کے

واجب ہونے میں زیادہ ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اجماع کے ماننے پر اور اُس کی مخالفت کی تکفیر پر سب کا اتفاق ہے۔ ہمارے قول کی صحت کا شاہد اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے " ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم۔ وساءت مصیرا " (اور جس نے اس کے بعد بھی رسولؐ کو ستایا کہ اس کے لئے ہدایت واضح ہو چکی تھی اور مومنین کی راہ کے خلاف راستہ اختیار کیا تو ہم اُسے اُسی طرف پھیریں گے جدھر وہ پھرا ہے اور اُسے جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے)۔

یہ آیت اُس شخص کی تکفیر میں نص ہے جو ایسا کرے۔ اگر کوئی معترض یہ کہے کہ جس نے مومنین کے خلاف راہ اختیار کی وہ تو مومنین میں سے نہیں ہے۔ تو ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ ہر وہ شخص جو مومنین کے خلافِ راہ اختیار کرے کافر نہیں ہے۔ اس لئے کہ زنا وشرابخواری اور ناحق یتیم کا مال کھا جانا مومنین کی راہ نہیں ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ جو اس راہ پر چلے گا وہ مومنین کے خلاف راہ پر چلے گا اور وہ اس کے باوجود کافر نہیں ہے۔ برہان۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم۔ ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما " (قسم ہے آپ کے رب کی۔ یہ لوگ مومنین نہ ہوں گے تاوقتیکہ یہ آپ کو ان امور میں حکم نہ بنائیں جن میں یہ آپس میں جھگڑا کریں۔ پھر جو کچھ آپ فیصلہ کر دیں اُس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ محسوس کریں۔ اور مان لیں جس طرح ماننا چاہیئے۔

۱۳۹ یہ وہ نص ہے جس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں۔ نہ کوئی اور نص آئی ہے جو اسے اس کے ظاہر سے نکالدے اور نہ بعض وجوہ ایمان میں اس کی تخصیص کے بارے میں کوئی برہان وارد ہے۔

کوئی حجت مخالفِ حق۔ کے خلاف خواہ وہ کسی شے میں بھی ہو قائم نہیں ہوئی لہذا وہ کافر نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ اُس کی تکفیر کے متعلق کوئی

نص آئی ہو تو اسے مانا جائے گا مثلاً کسی شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پہنچے اور وہ زنج وحبشے کے انتہائی دور مقامات میں ہو اور وہ آپ کی خبر کی تفتیش سے باز رہے تو وہ کافر ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو جو کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور میں یہ نہیں جانتا کہ وہ قرشی ہیں یا تمیمی یا فارسی۔ نہ یہ جانتا ہوں کہ آیا وہ حجاز میں ہوئے یا خراسان میں۔ نہ یہ جانتا ہوں کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے۔ اور نہ یہ جانتا ہوں کہ شائد وہی شخص حاضر ہوں یا اور کوئی۔

جواب میں کہا جائے گا کہ اگر یہ شخص جاہل ہے جسے اخبار و سیر کا بالکل علم نہیں تو یہ اُس کے لئے بالکل مضر نہیں۔ اور اُس کو بتانا واجب ہے جب اُسے علم ہو جائے اور اُس کے نزدیک حق ثابت ہو جائے پھر اگر وہ مخالفت کرے تو وہ کافر ہے اور اس کا خون و مال حلال ہے اور اُس پر مرتد کا حکم لگایا جائے گا۔ ہمیں ایسے بہت سے لوگوں کا علم ہے جنسے اللہ تعالیٰ کے دین میں فتویٰ لیا جاتا ہے۔ بہت سے صالحین ہیں جنھیں یہ نہیں معلوم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو کتنا زمانہ گذرا اور نہ یہ معلوم کہ آپ کی وفات کہاں اور کس شہر میں ہوئی۔ ان سب میں اُن کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے دل و زبان سے اس کا اقرار کریں کہ ایک شخص جن کا نام محمد ہے اللہ تعالیٰ نے انھیں اس دین کے ساتھ ہمارے طرف رسول بنا کے بھیجا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

اسی طرح وہ شخص جو یہ کہے کہ اس کا رب جسم والا ہے۔ اگر وہ شخص جاہل ہے یا تاویل کرتا ہے۔ تو وہ معذور ہے۔ اس پر کچھ گناہ نہیں اور اُسے تعلیم دینا واجب ہے اگر اُس پر قرآن و حدیث کی حجت قائم ہو جائے پھر وہ سرکشی سے ان دونوں کی مخالفت کرے تو وہ کافر ہے اُس پر مرتد کا حکم لگایا جائے گا۔ لیکن جو شخص یہ کہے کہ فلاں انسان اللہ تعالیٰ ہے، یا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے جسم میں حلول کرتا ہے، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے عیسیٰ بن مریم کے کوئی اور نبی ہے، تو اس کی تکفیر میں دو

آدمیوں میں بھی اختلاف نہیں۔ اس لئے کہ ہر شخص پر ان تمام امور سے متعلق حجت ثابت ہے۔ اگر ممکن ہے کہ کوئی ایسا شخص پایا جائے جو اس کو دین بنا لے اور اسے اُس کے خلاف نہ معلوم ہوا ہو تو تا وقتیکہ اُس پر حجت نہ قائم ہو جائے اُس کی تکفیر واجب نہیں۔

تکفیر میں بہت احتیاط لازم ہے

جو لوگ ان اقوال پر لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں جو اقوال کفر کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ غلطی ہے۔ اس لئے کہ یہ مقابل پر بہتان اور اُس پر ایسی بات بنانا ہے جو اُس نے نہیں کہی ہے۔ اگرچہ اُسے لازم آجائے۔ تو صرف اُسے تناقض لازم آگیا۔ اور تناقض کفر نہیں۔ بلکہ اُس نے اچھا کیا اگر کفر سے بچ گیا۔ لوگوں کا کوئی قول ایسا نہیں ہے کہ اُس قول کا مخالف اپنے قول کے فاسد ہو جانے اور رد ہو جانے کی صورت میں اپنے مقابل پر کفر نہ لازم کرتا ہو معتزلہ ہماری طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ظالم وجابر مانتے ہیں اور اُسے اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ بالکل اسی کے مساوی ہم اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اُن پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز مانتے ہیں۔ یہ لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ بھی اُسی طرح پیدا کرتے ہیں جس طرح اللہ پیدا کرتا ہے۔ اور پیدا کرنے میں اللہ کے شرکا ہیں۔ اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہیں۔

جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو ثابت کرتا ہے وہ ان کی نفی کرنے والے کو باقیہ کہتا ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے کہا ہے کہ تم لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور تم اُس کی عبادت کرتے ہو جس کی کوئی صفت نہ ہو۔

جو صفت کی نفی کرتے ہیں وہ صفت کے ثابت کرنے والوں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اشیا کو بھی ازلی قرار دیتے ہو۔ اور اُس کے ساتھ اس کے غیر کو شریک کرتے ہو۔ اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے اور نہ کوئی شے ازل میں

اُس کے ہمراہ تھی۔ تم لوگ اُس چیز کی عبادت کرتے ہو جو چند ازلی چیزوں میں سے ہے۔

اسی طرح ہر مختلف مسئلے میں ہے یہاں تک کہ کون (وجود) وجزء میں بھی۔ حتیٰ کہ مسائل احکام وعبادات میں بھی۔ اصحاب قیاس ہم پر خلاف اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور ہمارے اصحاب اُن پر اجماع کی مخالفت اور اُن شرائع کا پیدا کرنا ثابت کرتے ہیں جن کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی۔ ہر فرقہ اُس کی نفی کرتا ہے جس سے دوسرا فرقہ اُسے نامزد کرتا ہے اور جو اس میں سے کسی چیز کا قائل ہو اُس کی تکفیر کرتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ کسی شخص کی تکفیر بجز اس کے نہ کیجائے گی کہ جو اُسی کا قول ہو یا اُس کے عقیدے کی تصریح ہو۔ کوئی شخص اس سے فائدہ نہ اٹھائے گا کہ وہ اپنے عقیدے کو ایسے لفظ سے تعبیر کرے جو اُس کی قباحت کو اچھا ظاہر کرے۔ حکم اُسی پر لگایا جائے گا جو اُس کے قول کا مقتضا ہوگا۔

ترک صلاۃ کی حدیثیں

وہ احادیث جو ترک نماز کے شرک ہونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں تو بطور اسناد کے وہ صحیح نہیں ہیں۔

کلمۂ طیبہ کس طرح موجب دخول جنت ہے

وہ احادیث جن میں یہ ہے کہ جس نے "لا الہ الا اللہ" کہا وہ جنت میں جائے گا۔ تو دوسری احادیث بھی آئی ہیں جن میں اس حدیث پر اضافہ ہے اور اُس اضافے کا چھوڑنا جائز نہیں۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ کہیں کہ "لا الہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ" اور اُس پر ایمان لائیں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے"۔ یہی وہ چیز ہے کہ بغیر اس کے کسی کا ایمان پورا نہیں ہوسکتا۔

۱۴۰

سبّ صحابہ پر تکفیر

صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے کی جو لوگ تکفیر کرتے ہیں اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے استدلال کیا ہے۔

"محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم تراھم

رکعاً سجداً۔ یبتغون فضلاً من اللہ ورضواناً۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل۔ کزرع اخرج شطأہ فآزرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار۔ (محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے ہمراہ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں آپس میں ہیں سب رحمدل۔ دیکھنے والے تو انھیں دیکھیگا تو رکوع وسجدے میں پائے گا۔ وہ لوگ اللہ کے فضل ورضا کی جستجو میں رہتے ہیں۔ ان کے چہروں میں سجدے کے نشان ہیں جو ان کی پہچان ہیں۔ ان کی یہ علامت توریت میں ہے۔ اور ان کی علامت انجیل میں یہ ہے کہ یہ مثل اُس کھیتی کے ہیں جس نے اپنا اکھوا نکالا پھر اس نے اسے قوی کر دیا پھر وہ اور موٹی ہو گئی پھر اپنے تنے پر قائم ہو گئی۔ جو کاشتکاروں کو اچھی لگنے لگی۔ تاکہ اس سے کفار کا جی جلائے)۔ اس استدلال کرنے والے نے کہا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے غیظ و غصے میں آئے وہ کافر ہے (گالی سے بھی غیظ ہوتا ہے اس لئے گالی غیظ کا سبب اور کفر ہوئی)۔

باایں ہمہ تکفیر نہ چاہیے

جس نے اس آیت کو اس پر محمول کیا اُس نے غلطی کی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ جس کا کسی صحابی پر غیظ ہو گا تو وہ کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں محض یہ خبر دی ہے کہ وہ صحابہ کے ذریعے سے کفار کو غیظ دلائے گا۔ اور ان کا جی جلائے گا یہ حق ہے۔ اس کا کسی مسلمان کو انکار نہیں۔ جو مسلمان ہے وہ کفار کو غیظ دلاتا ہے۔ کسی صاحب حس سلیم کو اس میں شک نہ ہو گا کہ علیؓ نے معاویہؓ کو غیظ دلایا۔ معاویہؓ و عمرو بن العاص نے علیؓ کو غیظ دلایا۔ عمار نے ابوالعادیہ کو غیظ دلایا۔ اور یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے جنھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو غیظ دلایا۔ تو اس بنا پر مذکورہ بالا حضرات کی تکفیر لازم آئے گی جس سے اللہ کی پناہ۔

جو شخص کسی انسان کی محض اُس کی گفتگو پر تکفیر کرتا ہے بغیر اس کے کہ

اُس پر کوئی حجت قائم ہو اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور بغیر اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا ہے اُس سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے۔ ہم اُس سے پوچھتے ہیں کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی کوئی ایسی بات چھوڑی ہے کہ اگر اُس کا کوئی قائل نہ ہو تو اس کی تکفیر کیجائے گی جسے آپ نے واضع طور پر بیان نکر دیا ہو اور تمام مخلوق کو اُس کی دعوت نہ دیدی ہو۔ لامحالہ ہاں کہنا پڑے گا۔ اور جو اس کا انکار کریگا۔ وہ بغیر کسی کے اختلاف کے کافر ہے۔

جب وہ اس کا اقرار کر لیگا تو اس سے دریافت کیا جائے گا کہ آیا کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کوئی ایسی حدیث آئی ہے کہ آپ نے کسی بستی یا محلے والے یا کسی انسان کا جو آزاد ہو یا غلام ہو یا عورت ہو اور جو آپ کے پاس آیا ہو بجز اس کے اس کا ایمان نہ قبول کیا ہو تا وقتیکہ اُس نے یہ اقرار نہ کر لیا ہو کہ استطاعت قبل فعل ہوتی ہے یا فعل کے ساتھ ہوتی ہے۔ یا قرآن مخلوق ہے۔ یا اللہ تعالی کا دیدار ہوگا یا دیدار نہ ہوگا۔ یا اس کے لئے سمع وبصر وحیات ہے یا اس کے علاوہ متکلمین کی اور فضول باتیں جو شیطان نے اُن کے درمیان ڈالیں کہ ان میں آپس میں بغض وعداوت ڈلوا دے۔

اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اسلام نہ لانے دیا تا وقتیکہ آپ نے اُسے ان معانی سے آگاہ نکر دیا تو وہ روئے زمین کے تمام مسلمانوں کے اجماع کے مطابق جھوٹ بولتا ہے۔ اور وہ بات کہتا ہے جس میں وہ خود بھی جانتا ہے کہ جھوٹا ہے۔ اور اس امر کا دعوٰی کرتا ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان معانی کے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کیا چھپانے پر اتفاق کر لیا۔ اور یہ محال اور طبیعت کے نزدیک ناممکن ہے۔ اس میں ان حضرات کی طرف کفر کی نسبت بھی ہے کیونکہ انھوں نے وہ چیز چھپائی جس کے بغیر کسی کا اسلام مکمل نہیں ہوتا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز کسی کو ان امور کی دعوت نہیں دی۔ آپ نے صرف قرآن کی دعوت دی تھی۔ تو اس سے

کہا جائے گا کہ تم نے سچ کہا۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اگر ان تمام امور سے ناواقف رہنا کفر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز اس کے بیان کو آزاد۔ غلام اور بیوی اور کنیز سے ترک نہ فرماتے۔ جو اس کو تجویز کرے تو وہ یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا آپ کو حکم ہوا تھا اس کے مطابق تبلیغ نہیں فرمائی۔ اور جو یہ جائز رکھے گا یہ اُس کا خالص کفر ہوگا۔ ضرور ثابت ہو گیا کہ ان تمام امور سے ناواقف رہنا مضر نہیں۔ ان کے متعلق اُس وقت ضروری ہے جب لوگ ان میں گھسنے لگیں۔ اُس وقت قرآن وحدیث سے حق کا واضح کر دینا ضروری ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط" (اللہ کے لئے کارگزار بنو اور انصاف کے ساتھ گواہ بنو) اور فرمایا ہے "لتبیننه للناس ولا تکتمونه" (لوگوں کے لئے ضرور ضرور واضح طور پر بیان کر دو اور اس کو چھپاؤ نہیں)۔ اس وقت بیان حق کے بعد جو مخالفت کرے وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہیں بنایا اور نہ آپ کے فیصلے کو تسلیم کیا۔

خوف خدا کا انجام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے کبھی کوئی عمل خیر نہیں کیا تھا۔ جب اُس کی موت کا وقت آیا تو اُس نے اپنے متعلقین سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا ڈالنا۔ جس روز آندھی چلے تو میری راکھ آدھی دریا میں چھوڑ دینا اور آدھی خشکی میں۔ کیونکہ اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قابو پا جائے گا تو مجھ پر ایسا سخت عذاب کرے گا جو اُس نے اپنی مخلوق میں سے کبھی کسی پر نہ کیا ہوگا۔ (چنانچہ وہ مر گیا اور اُس کے متعلقین نے اُس کی وصیت پر عمل کیا) اور اللہ تعالیٰ نے اُس کی راکھ کو جمع کیا۔ پھر اُسے زندہ کیا اور اُس سے دریافت کیا کہ تجھے اس حرکت پر کس نے آمادہ کیا۔ اس نے کہا یا رب تیرے خوف نے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی قول کی وجہ سے اُس کی مغفرت کر دی۔

یہ وہ انسان ہے جو اپنے مرنے تک اس سے ناواقف رہا کہ اللہ تعالیٰ

اس کی راکھ جمع کرنے اور اس کے زندہ کرنے پر قادر ہے اور اس کے اقرار و خوف و جہل کی وجہ سے اس کی مغفرت ہو گئی۔

ان لوگوں میں سے جو کلمات کو ان کے مقامات سے بدلتے ہیں بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی کہ "لئن قدر اللہ علی" یہی ہیں کہ وہ مجھے تنگ کرے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "واما اذا ما ابتلاہ فقدر علیہ رزقہ" (لیکن جب انسان کو آزماتا ہے تو اس کے رزق کو تنگ کر دیتا ہے)۔

۱۴۱ یہ تاویل باطل و ناممکن ہے اس لئے کہ اس وقت اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر تنگی کرے گا تو وہ ضرور ضرور مجھ پر تنگی کریگا۔ اگر یہ ہوتا تو اس کی اس وصیت کے کوئی معنی نہ ہوتے کہ اس کو جلا دیا جائے اور اس کی راکھ پھینکدی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے یہ وصیت محض اس لئے کی کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائے۔

اس مسئلے میں سب سے زیادہ واضح بیان اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے "واذ قال الحواریون یا عیسیٰ بن مریم ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدۃ من السماء" (اور جبکہ حوارین نے کہا کہ اے عیسیٰؑ بن مریم کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے خوان نازل کر سکتا ہے؟ (یعنی اسے اس کی استطاعت و طاقت و قدرت ہے) "قال اتقوا اللہ ان کنتم صادقین" (عیسیٰؑ نے کہا کہ خدا سے ڈرو اگر تم سچے ہو) "قالوا نرید ان ناکل منھا وتطمئن قلوبنا و نعلم ان قد صدقتنا ونکون علیھا من الشھدین" (حوارین نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے۔ اور ہم اس کے گواہ ہو جائیں)۔ یہ وہی حوارین ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے جنھوں نے جہالت سے عیسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ آیا آپ کے باپ کو اس کی استطاعت ہے کہ وہ ہم پر آسمان سے خوان نازل کرے۔ اس سے ان کا ایمان زائل نہیں ہوا۔ یہ وہ دلیل ہے

جس سے مفر نہیں ۔ وہ لوگ کافر تو جب ہو جاتے کہ قیام حجت کے بعد اور اس کے ان سے واضح طور پر بیان کر دینے کے بعد بھی یہی کہتے ۔

ایک برہان ضروری جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے یہ ہے کہ تمام امت کا بغیر کسی ایک کے اختلاف کے اس پر اجماع ہے کہ جو شخص عمداً قرآن کی کوئی آیت بدل دے اور وہ جانتا ہو کہ قرآن میں اس کے خلاف ہے ۔ یا اسی طرح عمداً کسی کلمے کو نکال ڈالے ۔ یا عمداً اس میں کسی کلمے کا اضافہ کر دے ۔ تو وہ باجماع امت کافر ہے ۔ اس کے بعد آدمی تلاوت میں غلطی کرتا ہے کبھی کوئی کلمہ بڑھا دیتا ہے ۔ کبھی گھٹا دیتا ہے ۔ جہالت سے اپنے کلام کو دوہراتا ہے اور یہ اندازہ کرتا ہے کہ وہ درستی پر ہے حالانکہ اس میں وہ مکابرہ و دیدہ دلیری کرتا ہے قبل اس کے کہ اسے حق واضح ہو وہ مناظرہ کرتا ہے ۔ ان امور سے وہ امت میں سے کسی کے نزدیک بھی نہ کافر ہوتا ہے نہ فاسق اور نہ گناہگار ۔ جب وہ قرآن سے واقف ہو جائے یا اس کے متعلق اسے کوئی ایسا قاری خبر دے جس کی خبر سے حجت قائم ہو جائے اس پر اگر غلطی پر اصرار کرے تو وہ لامحالہ اس کی وجہ سے تمام امت کے نزدیک کافر ہے ۔ اور یہی حکم پوری دیانت و مذہب میں جاری ہے ۔

بعض نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "قل ھل انبئکم بالاخسرین اعمالا ۔ الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا" (آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں بتا دوں کہ اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارہ و نقصان میں کون ہے؟ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش دنیاوی زندگی میں برباد ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ وہ بڑا اچھا کام کر رہے ہیں ۔

اس آیت کا آخری حصہ ان کی تاویل کا باطل کرنے والا ہے ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام "یحسنون صنعا" کو اپنے اس کلام سے ملا دیا ہے "اولئک الذین کفروا بآیات ربھم ولقائہ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا ۔ ذلک جزاؤھم جھنم ۔ واتخذوا آیاتی ورسلی ھزوا" (یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ

اور (قیامت میں) اُس کی ملاقات کا کفر کیا تو ان کے اعمال رائیگان ہو گئے۔ اور ہم قیامت کے روز ان کے لئے وزن قائم نکریں گے۔ ان کی جزا جہنم ہے۔ اور انھوں نے میری آیات اور میرے رسولوں سے تمسخر کیا) یہ امر کو واضح کرتا ہے کہ آیت کا اول حصہ اُن کفار کے بارے میں ہے جو بالکل اسلام کے مخالف ہیں۔ یہ آیت اُن تاویل کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوتی جو اہل اسلام ہیں جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو تو البتہ اس کے کلیے میں ہر وہ تاویل کرنے والا داخل ہو جاتا جو اپنے فتوے کی تاویل میں غلطی کرتا ہے۔ جس کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر لازم ہوتی۔ کیونکہ انھوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص کبھی صواب کو پہنچتا تھا اور کبھی غلطی کرتا تھا۔ بلکہ اُسے تمام امت کی تکفیر لازم ہے کیونکہ ان میں سے بھی ہر شخص کے لئے ضروری ہے کبھی صواب کو پہنچے اور کبھی غلطی کرے۔ بلکہ اسے خود اپنی تکفیر بھی لازم ہے اس لئے کہ جو شخص دین کے متعلق جو بات کہے تو اُسے لازم ہے کہ جب ایسا قول واضح ہو جائے جو زیادہ صحیح ہو تو وہ اپنے پہلے قول سے دوسرے قول کی طرف رجوع کر لے۔ سوائے اس کے کہ وہ مقلد ہو اور یہ بہت برا ہے اس لئے کہ تقلید بالکل خطا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ جو اس حد تک پہنچ گیا ہو تو اُس کے قول کی جہالتیں واضح ہو گئیں۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اقرار کیا ہے کہ انھوں نے آیت کلالہ نہیں سمجھی (یعنی وہ آیت جس میں لا ولد مرنے والے کی میراث کا بیان ہے۔) مگر اس سے آپ نے نہ ان کی تکفیر فرمائی۔ نہ انھیں فاسق فرمایا۔ اور نہ انھیں یہ بتایا کہ وہ اس کی وجہ سے گنا ہگار ہو گئے۔ البتہ اس کے متعلق اُن کے بار بار سوال کرنے پر آپ نے سختی فرمائی۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے فتوے میں غلطی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی مگر آپ نے اس کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہیں فرمائی۔ نہ فاسق فرمایا اور نہ اس کی وجہ سے آپ نے کسی کو گنا ہگار قرار دیا۔ اس لئے کہ اُن میں سے کسی نے بھی

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کی۔
اس کی مثال ابوالسنابل بن بعلک کا وہ فتویٰ ہے جو دو مدتوں میں سے ایک کے بارے میں تھا۔ وہ لوگ جنھوں نے غیر شادی شدہ زانی کے سنگسار کرنے کا فتویٰ دیا تھا۔ اور ہم نے اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں اس کی بحث کی ہے۔ آیت مذکورہ بغیر حذف کے ہمارے مخالفین کے قول پر دلالت نہ کرے گی اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ "الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا" میں "الذین" مبتدائے مضمر کی خبر ہے۔ اور یہ جب ہی ہو گا۔ جب مبتدا کو محذوف مانا جائے۔ گویا یہ فرمایا ہے "ھم الذین" اور کسی شخص کو جائز نہیں کہ وہ قرآن میں حذف کا قائل ہو بغیر اس کے کہ اس کے متعلق کوئی دوسری نص جلی ہو یا اس پر اجماع ہو یا ضرورت حس ہو لہٰذا ان کا قول باطل ہو گیا۔ اور بلا دلیل دعویٰ رہ گیا۔ ہمارے نزدیک "الذین" بغیر کسی حذف کے اپنے موضوع پر ہے۔ یہ "للاخسرین" کی صفت ہے۔ اور یہ خبر ہو گی اس مبتدا کی جو "اولئک الذین کفروا" ہے اسی طرح یہ کلام الٰہی ہے "ویحسبون انھم علی شئ الا انھم ھم الکاذبون" (یہ گمان کرتے ہیں یہ کسی چیز پر ہیں خبردار بیشک یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ یہ اس قوم کی صفت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اول آیت میں اس کے ساتھ موصوف کیا اور ضمیر کو ان کی طرف پھیرا ہے۔ یہ اول آیت کی نص کے مطابق کفار ہیں۔
ایک معترض نے یہ بھی کہا جب مجتہدین خطا کریں تو تم انھیں معذور سمجھتے ہو تو یہود و نصاریٰ و مجوس اور تمام اہل ادیان کو معذور سمجھو۔ کیونکہ یہ لوگ بھی مجتہد (تلاش حق کی کوشش کرنے والے) اور طالب خیر ہیں۔
بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم نے جن کو معذور سمجھا انھیں اپنی رائے سے معذور نہیں سمجھا اور نہ ہم نے جن کی تکفیر کی اپنے گمان سے اور اپنے خیال سے کی۔ یہ وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی کو نہیں دیا۔ نہ کوئی کسی کو جنت و دوزخ میں داخل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا اُس میں داخل کرے گا۔ ہم کسی کو بھی اسم ایمان سے نامزد نہیں کرتے

سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ ہی اس سے نامزد کر دے اور یہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ہے۔ اور روئے زمین کے دو آدمی بھی اس میں اختلاف نہیں کرتے۔ ہم مسلمان ہی اسے نہیں کہتے بلکہ ہر مذہب والا کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اہل مذہب پر کفر کا فیصلہ کیا سوائے اسلام کے جس کے ماننے والے ہر ملت سے بری ہیں سوائے اس کے جس کا انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ اس وقت ہم واقف ہو گئے۔

اس میں بھی دو شخص ابھی اختلاف نکریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسم ایمان کا ہر اس شخص پر فیصلہ کیا جس نے آپ کی پیروی کی اور جو کچھ آپ لائے اس کی تصدیق کی اور اس کے سوا ہر دین سے بری ہو گیا۔ اسی وقت ہم اس سے بھی واقف ہوئے اور اس سے زیادہ نہیں کہ جس شخص کو اسم اسلام حاصل ہونے کے بعد کوئی نص اس کے اسلام سے خارج کرنے کے بارے میں آئی تو ہم نے اسے اس سے خارج کروایا۔ خواہ اس کے خارج ہونے پر اجماع ہو یا اجماع نہ ہو۔ اسی طرح جس کے خروج اسلام پر اہل اسلام نے اجماع کر لیا ہو تو اس معاملے میں اجماع کا اتباع واجب ہے۔ لیکن جس کا اسلام ثابت ہونے کے بعد اس کے خروج اسلام پر نہ کوئی نص ہو اور نہ اجماع تو اسلام سے اس کا خارج کرنا جائز نہیں جس کا حصول اس کے اندر ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے " ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وھو فی الآخرۃ من الخاسرین " (اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی دین حاصل کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا)۔ اور فرمایا ہے ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسله ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض۔ ویریدون ان یتخذوا بین ذلك سبیلا۔ اولئك ھم الکافرون حقا" (اور لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان میں فرق کریں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا کفر کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان میں راستہ اختیار کریں۔ یہی لوگ ہیں جو

واقعی کافر ہیں۔)

اور فرمایا ہے "قل أباالله وآياته ورسله كنتم تستهزؤن۔ لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم" (آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کے ساتھ اور اس کی آیات کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا کرتے تھے۔ معذرت نکرو۔ تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے) ۔ یہ سب لوگ نص کے مطابق کافر ہیں اور اس پر اجماع ثابت ہے کہ جو کسی ایسی شے کا انکار کرے جو ہمارے نزدیک اجماع سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لائے ہیں تو وہ کافر ہے۔ نص سے ثابت ہے کہ حجت پہنچ جانے کے بعد جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا کسی فرشتے یا نبی کے ساتھ یا قرآن کی کسی آیت کے ساتھ یا کسی فریضۂ دینی کے ساتھ کہ یہ سب فرائض اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں تمسخر کرے تو وہ کافر ہے۔ جو شخص نبی علیہ السلام کے بعد کسی نبی کا قائل ہو یا کسی ایسی چیز کا انکار کرے جو اس کے نزدیک ثابت ہو کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ اس نے اپنے اور اپنے مقابل کے جھگڑے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہیں بنایا۔

اصحاب کلام نے تشقیق کی ہے (یعنی شقیں اور شاخیں نکالی ہیں) اور کہا ہے کہ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ اٹھو نماز پڑھو۔ اور وہ کہے کہ میں نہیں پڑھتا۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے یہ فرمائیں کہ مجھے یہ تلوار دیدو کہ میں اس سے اپنی جان کی حفاظت کروں اور وہ آپ سے کہے کہ میں نہیں دیتا۔

یہ وہ امر ہے جس کے واقع ہونے سے یہ لوگ بے فکر ہیں اور اس سے زیادہ فضول کوئی شے نہ ہوگی کہ جو ایسی شے میں مشغول ہو کہ اسے یقین ہو کہ یہ کبھی نہ ہوگی لیکن یہ وہ شے ہے جو ہو گئی اور واقع ہو چکی۔ ہم اس میں کلام کرتے ہیں۔ ولاحول ولا قوة الا بالله العلي العظيم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین کے بزرگترین افراد کو جو اہل حدیبیہ تھے حکم دیا کہ وہ سر منڈادیں اور قربانی کردیں ان لوگوں نے

توقف کیا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تین مرتبہ حکم دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور آپ نے ام سلمہؓ سے اس کی شکایت کی۔ مگر یہ لوگ اس کی وجہ سے کافر نہیں ہوئے۔ یہ ایک معصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ سے اس کا تدارک کر دیا۔ ہرگز کسی مسلمان نے یہ نہیں کہا کہ وہ لوگ اس کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے نہ آپ کی مخالفت کی نہ تکذیب کی۔ سعد بن عبادہ نے کہا کہ یا رسول اللہ واللہ اگر کوئی فاحشہ اس طرح پائی جائے کہ کوئی مرد اس کی ران پر ران رکھے ہو تو میں ان دونوں کو چھوڑ دوں یہاں تک کہ چار گواہ لاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ انھوں نے کہا کہ تب تو واللہ وہ اپنی حاجت پوری کر لے گا۔ واللہ میں تو ان دونوں پر تلوار سے غلبہ حاصل کروں گا۔ مگر وہ اس کی وجہ سے کافر نہ ہوئے کیونکہ وہ نہ مخالف تھے اور نہ مُکذّب (تکذیب کرنیوالے)۔ بلکہ انھوں نے اقرار کیا کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف حکم دیا ہے۔

ان لوگوں نے اس شخص کے متعلق سوال کیا ہے جو یہ کہے کہ میں یہ تو جانتا ہوں کہ مکے کا حج فرض ہے مگر میں یہ نہیں جانتا کہ مکہ حجاز میں ہے یا خراسان میں یا اندلس میں۔ اور میں یہ تو جانتا ہوں کہ سور حرام ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آیا وہی ہے جس کے دو سینگ بیان کئے جاتے ہیں یا وہ ہے جس سے کھیتی کیجاتی ہے۔

ہمارا جواب یہی ہے کہ جس نے یہ کہا ہے اگر وہ جاہل ہے اُسے تعلیم دیجائے گی اور اس پر کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ شروع کرنے والے جب اسلام لاتے ہیں تو وہ اسے نہیں جانتے تاوقتیکہ اُنھیں بتایا نہ جائے۔

اگر وہ عالم اور جاننے والا ہے تو بیہودہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ تمسخر کرتا ہے تو وہ کافر و مرتد ہے۔ اس کی جان و مال حلال ہے۔ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگائے وہ تکذیب قرآن کی وجہ سے کافر ہے۔ حالانکہ اُن پر مسطح و حمنہ نے بہتان لگایا تھا مگر یہ دونوں کافر نہیں ہوئے۔

اس لئے کہ یہ دونوں اُس وقت اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والے نہ تھے۔ جو آیت نازل ہونے کے بعد اُن پر بہتان لگائے گا وہ کافر ہے۔ لیکن جو شخص کسی صحابی کو بُرا کہے گا تو اگر وہ جاہل ہے تو وہ معذور ہے۔ اگر اس پر حجت قائم ہو چکی ہے پھر اگر وہ بغیر عناد و مخالفت کے اس پر قائم رہے تو وہ اسی طرح فاسق ہے جس طرح زانی و سارق۔ اگر وہ اس میں اللہ و رسول کی مخالفت و عناد کرے تو وہ کافر ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاطب رضؓ کے متعلق کہا حالانکہ حاطب مہاجر و بدری تھے کہ مجھے اس منافق کی گردن مار دینے دیجئے مگر عمر رضؓ حاطب کی تکفیر کی وجہ سے کافر نہیں ہوئے بلکہ وہ غلطی و خطا کرنے والے اور تاویل کرنے والے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انصار سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ اور علی رضؓ سے فرمایا کہ جو منافق ہو گا وہی تم سے بغض کرے گا۔

جو شخص انصار سے اس لئے بغض کرے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی تھی تو وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ اللہ و رسول نے ان حضرات کے ہاتھوں سے دین کے غالب کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا اس فیصلے سے یہ شخص اپنے دل میں تنگی محسوس کرتا ہے۔ جو ایسی ہی وجوہ سے علی رضؓ سے عداوت کرے تو وہ بھی کافر ہے۔ اسی طرح جو شخص اُس شخص سے عداوت کرے جو اسلام کی مدد کرتا ہے اُس کی نصرت اسلام کی وجہ سے نہ کہ اور کسی وجہ سے۔ تو وہ بھی کافر ہے۔

ان میں سے بعض نے اختلاف فتویٰ و اختلاف اعتقاد میں یہ فرق کیا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہم فتوے میں اختلاف کیا ہے مگر ان میں سے بعض نے بعض کی نہ تکفیر کی نہ فاسق کہا۔

یہ کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ صحابہ ہی کے زمانے میں انکار قدر (تقدیر) پیدا ہوا مگر اکثر صحابہ نے ان لوگوں کی تکفیر نہیں کی۔ حالانکہ انھوں نے فتوے میں اختلاف کیا اور اس پر باہم جنگ کی اور خونریزی ہوئی۔ مثلاً قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو ڈھیل دینے انہیں علی رضؓ کی بیعت کے مقدم کرنے پر ان کا اختلاف۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جو چاہے میں اُس سے حجر اسود کے پاس مباہلہ کروں گا کہ جس ذات نے جمع کرنے والے کی ریت کا شمار کر لیا ہے اُس نے ایک فریضے میں نصف و نصف اور ثلث نہیں مقرر کیا۔

یہاں بہت سے عجیب اقوال ہیں جو فاسد ہیں۔ جن میں سے یہ ہے کہ خوارج کی چند جماعتوں نے کہا ہے کہ جس معصیت میں حد ہو تو وہ کفر نہیں ہے اور جس معصیت میں کوئی حد نہ ہو وہ کفر ہے۔

۴۴ یہ بغیر کسی برہان کے حکم اور بغیر کسی دلیل کے دعویٰ ہے۔ اور جو ایسا ہو وہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" (آپ کہدیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی برہان لاؤ)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جس کے قول پر برہان نہ ہو تو وہ اُس قول میں سچا نہیں ہے۔

ہم نے جو کچھ کہا اُس سے ثابت ہو گیا کہ جو شخص غیر اسلام پر ہے اور اُسے امر اسلام پہنچ گیا ہے تو وہ کافر ہے۔

اہل اسلام میں سے جو شخص تاویل کرے پھر خطا کرے تو اگر اُس پر حجت قائم نہیں ہوئی اور نہ اُس کے لئے حق واضح ہوا تو وہ معذور ہے اور طلب حق و تلاش حق کی وجہ سے اُسے ایک ثواب ہے۔ اور اُس کی خطا معاف ہے کیونکہ اُس نے عمداً اس کو نہیں کیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولیس علیکم جناح فیما اخطأتم بہ ولکن ما تعمدت قلوبکم" (اور اُس میں تم پر کوئی گناہ نہیں جو تم خطا سے کرو۔ مگر وہ جو تمہارے دل عمداً کریں)۔

اگر وہ تاویل کرنے میں صواب کو پہنچے تو اس کے لئے دو اجر ہیں ایک اجر اصابت اور صواب کو پہنچنے کا اور دوسرا اجر حق کے تلاش کرنے کا۔ اگر اس پر حجت قائم ہو گئی اور حق واضح ہو گیا پھر اس نے حق سے اختلاف کیا اور اللہ و رسول کی مخالفت نہیں کی تو وہ فاسق ہے اس لئے کہ اس نے فعل حرام پر اصرار کر کے اللہ تعالیٰ پر جرأت کی ہے اگر اُس نے حق سے اختلاف کیا اور اللہ و رسول کا مقابلہ و معارضہ کیا تو وہ کافر و مرتد ہے اور

اس کی جان و مال حلال ہے۔ خطا خواہ شریعت کے کسی اعتقاد میں بھی ہو یا کسی فتوے میں بھی ہو تو ان احکام میں کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

ان شاء اللہ ہم اس مقام پر اسے مختصر و واضح کرتے ہیں جس میں ہم نے طول دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا" (ہم عذاب نہیں کرتے تھے تا وقتیکہ کوئی رسول نہیں بھیج دیتے تھے)۔ اور فرمایا ہے "لانذرکم بہ ومن بلغ" (تمہیں اس نے اس سے ضرور ڈرایا اور جس کو یہ پہنچا)۔ اور فرمایا ہے "فلا وربك لا یؤمنون حتیٰ یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما" (قسم ہے آپ کے رب کی کہ یہ لوگ مومن نہ ہوں گے تا وقتیکہ اپنے اختلافات میں یہ آپ کو حکم نہ بنائیں۔ پھر آپ جو فیصلہ کر دیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ محسوس کریں۔ اور مان لیں جیسا ماننا چاہیئے) ان آیات میں ان تمام صورتوں کا بیان ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ کوئی شخص کافر نہ ہوگا تا وقتیکہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حال نہ پہنچے اگر اسے پہنچے اور وہ آپ پر ایمان نہ لائے تو وہ کافر ہے۔ اگر وہ آپ پر ایمان لے آیا پھر اس نے وہی اعتقاد رکھا جو مذہب و فتوے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے چاہا اور وہی عمل کیا جو عمل کرنا اللہ نے چاہا بغیر اس کے کہ اسے اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم پہنچے جو اس کے خلاف ہو جو اس نے اعتقاد کیا یا کیا یا عمل کیا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں تا وقتیکہ اسے حکم نہ پہنچے۔ پھر اگر اسے حکم پہنچ گیا اور وہ اس کے نزدیک ثابت ہو گیا پھر بھی اگر اس نے اس کی مخالفت اس طور پر کی کہ اس میں جو وجہ حق اس کے لئے ظاہر نہیں ہوئی یہ اس میں اجتہاد کر رہا تھا۔ تو یہ خطا وار ہے۔ معذور ہے۔ اور اسے ایک بار اجر ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب حاکم اجتہاد کرے۔ اگر وہ صواب کو پہنچے تو اسے دو ثواب ہیں اور اگر

خطا کرے تو اُسے ایک ثواب ہے۔ ہر معتقد یا قائل یا عامل اس شے میں حاکم ہے۔ اگر وہ اپنے عمل سے اُس کی مخالفت کرے۔ حق کی مخالفت کرے۔ اعتقاد اُس کے خلاف رکھے جو عمل کر رہا ہے۔ تو وہ مومن ہے۔ فاسق ہے۔ اگر وہ حق سے اختلاف کرے اور اُس کا مخالف ہو جائے خواہ قلب سے یا اپنی زبان سے تو وہ کافر و مشرک ہے۔ اس میں اعتقاد و فتویٰ دونوں برابر ہیں اُن نصوص کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیں۔ یہی اسحاق بن راہویہ کا قول ہے اور ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

ملائکہ و حور و مخلوق جدید کی عبادت

کیا کوئی فرشتہ بھی گناہ کرتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ ملائکہ عبادت کرتے ہیں۔ "ویفعلون ما یؤمرون" (ملائکہ وہی کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے فرشتوں کو سجدۂ آدمؑ کا حکم دیا تھا۔ اور فرمایا ہے "وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا سبحانہ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون" (اور لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو بیٹا بنا لیا۔ سبحان اللہ۔ بلکہ وہ بزرگ بندے ہیں جو اللہ کے پہلے بات نہیں کرتے۔ اور وہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں) "یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ وھم من خشیتہ مشفقون۔ ومن یقل منھم انی الٰہ من دونہ فذلک نجزیہ جھنم۔ کذلک نجزی الظلمین" (اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس کے کہ

جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو۔ اور اگر ان میں سے کوئی یہ کہدے کہ اللہ کے علاوہ میں خدا ہوں تو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے۔ اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔)۔ اور فرمایا ہے" وللہ یسجد ما فی السمٰوات وما فی الارض من دابۃ والملئکۃ وھم لایستکبرون۔ یخافون ربھم من فوقھم ویفعلون ما یؤمرون" (اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں چلنے والے اور ملائکہ ہیں۔ اور ملائکہ تکبر نہیں کرتے۔ اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں۔ اور وہی کرتے ہیں جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ ملائکہ مامور بھی ہیں۔ یعنی انھیں کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور منہی بھی ہیں۔ یعنی روکا اور منع کیا جاتا ہے۔ انھیں دھمکی اور خوف بھی دلایا جاتا ہے اور ان کا اکرام و مدارات بھی ہوتی ہے۔ ان سے ہمیشہ کرامت پہنچتی رہنے کا وعدہ کیا جاتا ہے اور یہ اعمال کے لکھنے میں ارواح کے قبض کرنے میں اور انبیاء علیہم السلام تک پیام پہنچانے میں مشغول کئے جاتے ہیں۔ عالم اعلیٰ و ادنیٰ میں جو کچھ ہے وہ انھیں کے سپرد ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی جس کو ان کا خالق جانتا ہے۔ اور فرمایا ہے" انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین" (بیشک یہ ایک بزرگ قاصد اور صاحب قوت کا کلام ہے جو مالک عرش کے نزدیک صاحب مرتبہ ہے۔ وہاں اس کی اطاعت کی جاتی ہے وہ صاحب امانت ہے (یعنی جبریل علیہ السلام)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جبریل علیہ السلام کی آسمانوں میں اطاعت کیجاتی ہے وہاں وہ امین ہیں۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ وہاں اوامر احکام وتدبیر وانتظام و امانت وطاعت و مراتب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پر تصریح فرمائی ہے کہ یہ سب کے سب معصوم ہیں" عباد مکرمون لایسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون" (بزرگ ومکرم بندے ہیں۔ یعنی اس کے آگے کلام میں سبقت نہیں کرتے اور یہ لوگ اس کے حکم پر

پرعمل کرتے ہیں)۔ اور اس قول میں "ومن عندہ لایستکبرون عن عبادتہ ولایستحسرون۔ یسبحون اللیل والنہار ولایفترون" (اور جو فرشتے اس کے پاس ہیں اللہ کی عبادت سے انکار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔ رات دن تسبیح کیا کرتے ہیں اور کوتاہی نہیں کرتے) اور اس قول میں "فالذین عند ربک یسبحون لہ باللیل والنہار وھم لایسأمون" (جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ اکتاتے نہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ وہ سب کے سب کسی ساعت اور کسی وقت بھی عبادت سے نہیں اکتاتے اور نہ تسبیح و طاعت میں کوتاہی کرتے ہیں اور نہ اس سے تھکتے ہیں۔ اور یہ ہمیشگی و دوام کے متعلق خبر ہے جو کبھی نہ بدلے گی۔ واجب ہے کہ اس کے سبب سے ان کو نعمتیں دی جائیں ان کا اکرام کیا جائے اور ان پر فضل کیا جائے کہ وہ اس حال سے اور ان نعمتوں سے لذت اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ یہ سب کے سب معصوم ہیں جن کے لئے ان کے پروردگار کی ولایت ہمیشہ کے لئے اور غیر متناہی مدت کے لئے ثابت ہے۔ فرمایا ہے "من کان عدوا للہ وملٰئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکائیل فان اللہ عدو للکفرین" (جو اللہ کا اور اس کے ملائکہ کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ ان کافروں کا دشمن ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تکفیر کی ہے جو ان میں سے کسی سے بھی عداوت کرے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ وہ نافرمانی کیوں نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ومن یقل منھم انی الٰہ من دونہ فذلک نجزیہ جھنم" (اور ملائکہ میں سے جو یہ کہے کہ اللہ کے علاوہ میں خدا ہوں تو ہم اسے جزائے جہنم دیں گے) تو ہم کہیں گے کہ ہاں انھیں گناہوں پر دھمکی دی گئی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی دی گئی ہے کہ لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین" (اگر آپ

شرک کریں تو آپ کا عمل رائگاں ہو جائے اور آپ نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں)۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی شرک نہ کریں گے اور ملائکہ میں سے کوئی کبھی نہ کہے گا کہ میں اللہ کے علاوہ خدا ہوں۔

ایسا ہی اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "یا نساء النبی من یأت منکن بفاحشة مبینة یضاعف لها العذاب ضعفین" (اے نبی کی بیویو۔ تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بے حیائی کریگی تو اسے دوچند عذاب کیا جائے گا)۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی نے انھیں اس آیت سے بری کیا ہے اور اسے علم ہے کہ ان میں سے کبھی کوئی بے حیائی نہ کریگی۔ "والطیبٰت للطیبین والطیبون للطیبٰت اولئك مبرؤن مما یقولون" (پاک بیویاں پاک مردوں کے لئے ہیں اور پاک مرد پاک بیویوں کے لئے ہیں۔ یہ لوگ اس سے بری ہیں جو یہ لوگ کہتے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے کہے اور جو چاہے حکم دے اور جو چاہے کرے اس کے حکم کے بعد کوئی حکم دینے والا نہیں۔ نہ اس سے اس کے فعل کی باز پرس ہو سکتی ہے۔ اور ان لوگوں سے باز پرس کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان امور کے حکم کی اگر یہ سرزد ہوں خبر دیدی حالانکہ اسے علم ہے کہ یہ امور نہ ہوں گے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے۔ "لو اردنا ان نتخذ لهوا لاتخذناه من لدنا ان کنا فاعلین" (اگر ہم چاہتے کہ کھیل بنائیں تو ہم ضرور اپنے پاس بناتے۔ بیشک ہم کرنے والے تھے) اور جیسا فرمایا ہے "لو اراد الله ان یتخذ ولدا لاصطفی مما یخلق ما یشاء" (اگر اللہ بیٹا بنانا چاہتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا انتخاب کر لیتا)۔ اور جس طرح فرمایا ہے "ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه" (اور اگر انھیں واپس کر دیا جائے تو یہ دوبارہ بھی وہی کریں جس سے انھیں منع کیا گیا ہے)۔ اور جس طرح فرمایا ہے "قل لو کان فی الارض ملٰئکة یمشون مطمئنین لنزلنا علیهم من السماء ملکا رسولا" (آپ کہدیجے کہ اگر زمین میں ملائکہ اطمینان کے ساتھ چلتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کے نازل کرتے)۔ ان سب امور کو

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ کبھی نہوں گے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔
اگر کوئی معترض یہ کہے کہ ملائکہ مامور ہیں اور منہی نہیں ہیں۔ (یعنی انھیں کرنے کے احکام تو ہیں مگر نکرنے کا کوئی حکم نہیں) تو ہم کہیں گے کہ یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ جو کسی شئے کے کرنے پر مامور ہے وہ اس کے ترک سے منہی بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "ویخافون ربہم من فوقھم (اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے) اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چند اشیا سے روکے گئے ہیں جن کے کرنے سے وہ ڈرتے ہیں اور فرمایا ہے" ومانتزل الملئکۃ الا بالحق وما کانوا اذا منظرین" (اور ہم ملائکہ کو حق ہی کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور اس وقت لوگوں کو مہلت نہیں دیجاتی)۔

ہاروت وماروت

یہ آیت ان لوگوں کے گمان کی باطل کرنے والی ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہاروت ماروت دو فرشتے تھے۔ اُنھوں نے شراب خواری وزنا وقتل سے نافرمانی کی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اس قسم کی صفت سے پناہ دیدی ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور وہی کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان کے متعلق یہ خبر دینے سے کہ وہ اس کی طاعت سے اکتاتے نہیں۔ کوتاہی نہیں کرتے۔ تھکتے نہیں۔ یقیناً یہ واجب ہے کہ ملائکہ میں ہرگز کوئی ایسا نہیں ہے جو عمداً یا خطا سے یا بھولے سے بھی نافرمانی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "جاعل الملئکۃ رسلا اولی اجنحۃ مثنیٰ وثلاث ورباع" (ملائکہ کا رسول بنانے والا ہے جو دو دو۔ تین تین اور چار چار بازو والے ہیں)۔ بنص قرآن تمام ملائکہ رسول ہیں اور رسول معصوم ہوتے ہیں۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ وہ ہاروت وماروت جن کا ذکر قرآن میں ہے ان کا حال دو وجہ سے خالی نہیں جن کے لئے کوئی تیسری وجہ نہیں ہے۔
یا تو وہ زندہ جن میں سے دو جن تھے جیسا کہ ہمیں خالد بن ابی عمران وغیرہ سے روایت پہنچی ہے۔ اُس وقت ان دونوں کا مقام جو دفضاد خلا

میں ہوگا اور یہ "من الشیاطین" سے "بدل" ہوگا۔ گویا اسطرح فرمایا "لکن الشیاطین کفروا ہاروت وماروت" (لیکن شیطانوں نے ہاروت وماروت کا کفر کیا) اور وقف اس قول پر ہوگا "ما انزل علی الملکین ببابل" اور یہیں پر کلام تمام ہو جائے گا۔

یا وہ دونوں فرشتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر شریعت حقہ نازل کی ہو پھر اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا ہو پھر وہ کفر بن گئی ہو۔ جیسا کہ اس نے شریعت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ کیا۔ شیاطین اسی شریعت کی تعلیم پر قائم ہوں جواب کفر ہو چکی تھی گویا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا "ولکن الشیاطین کفروا یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت" (لیکن شیاطین نے کفر کیا جو لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ اور وہ بابل میں دونوں فرشتوں ہاروت وماروت پر نہیں نازل کیا گیا تھا)۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ بیان کیا ہے جو یہ دونوں فرشتے کیا کرتے تھے "وما یعلمان من احد حتی یقولا انما نحن فتنۃ فلا تکفر۔ فیتعلمون منھما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ۔ وما ھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ۔ ویتعلمون ما یضرھم ولا ینفعھم۔ ولقد علموا لمن اشتراہ مالہ فی الاخرۃ من خلاق" (اور وہ کسی کو تعلیم نہ دیتے تھے تا وقتیکہ یہ نہ کہدیں کہ ہم تو محض فتنہ ہیں تو کفر نکر۔ مگر لوگ ان دونوں سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے میاں اور بیوی کے درمیان میں تفریق کر دیں۔ اور یہ لوگ اس کے ذریعے سے بھی بغیر اللہ کی اجازت کے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اور وہ چیز سیکھتے تھے جو ان کے لئے مضر ہو اور مفید نہ ہو۔ اور وہ لوگ جانتے تھے کہ جس نے اس کو خریدا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں)۔

دونوں فرشتوں کا یہ کہنا کہ ہم فتنہ ہیں تو کفر نکر۔ قول صحیح ہے اور نہی عن المنکر ہے۔ لیکن فتنہ۔ تو کبھی گمراہی ہوتی ہے اور کبھی ہدایت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا کہ "اتھلکنا بما فعل السفھاء منا۔ ان ھی الا فتنتک۔ تضل بھا

۱۴۶

من تشاء وتھدی من تشاءً (کیا ہمارے کمینوں کے کرتوت پر تو ہمیں ہلاک کر دے گا۔ یہ محض تیرا فتنہ ہے کہ اس کے ذریعے سے تو جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق فرمائی۔ اور ثابت ہو گیا کہ وہ فتنے سے جس کی چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ اور فرمایا ہے "انما اموالکم واولادکم فتنۃً (تمہارے اموال و اولاد تو فتنہ ہی ہیں)۔ حالانکہ ہر شخص اپنے مال و اولاد سے گمراہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی مال و اولاد تھی۔ اور اسی طرح بہت سے رسولوں کے لئے۔ اور فرمایا ہے "وماجعلنا اصحاب النار الا ملئکۃ وماجعلنا عدتہم الا فتنۃ للذین کفروا۔ لیستیقن الذین اوتوا الکتاب ویزداد الذین آمنوا ایمانا" (اور ہم نے ملائکہ ہی کو دوزخ کا منتظم بنایا ہے اور ہم نے ان کی تعداد کو محض فتنہ بنایا ہے اُن لوگوں کے لئے جنھوں نے کفر کیا۔ تاکہ اہل کتاب یقین کریں اور اہل ایمان کے ایمان میں ترقی ہو)۔ اور فرمایا ہے "وان لو استقاموا علی الطریقۃ لاسقیناھم ماءً غدقا لنفتنہم فیہ" (اور یہ کہ اگر یہ لوگ خاص طریقے پر ثابت قدم رہتے تو ہم ضرور ان کو بافراط شیریں پانی سے سیراب کرتے تاکہ ہم اس میں انھیں فتنے میں ڈالیں) یہ پانی کی سیرابی جو استقامت و ثابت قدمی کی جزا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام بھی فتنہ رکھا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ فتنہ خیر و ہدایت بھی ہوتا ہے اور گمراہی و کفر بھی۔ مذکورہ بالا دونوں فرشتے بھی اسی طرح فتنہ تھے کہ جو ان کے اس حکم کی پیروی کرتا تھا کہ کفر نہ کرنا وہ ہدایت پاتا تھا اور جو اس میں ان کی نافرمانی کرتا تھا وہ گمراہ ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دیں" حق ہے۔ اس لئے کہ رسولوں کی پیروی کا یہی حال ہوتا ہے کہ شوہر ایمان لاتا ہے اور اس کا ایمان اُس کے اور اس کی اُس بیوی کے درمیان تفریق کر دیتا ہے جو ایمان نہ لائی ہو۔ زوجہ ایمان لائی ہے اور اُس کا ایمان اُس کے اور اُس کے اُس شوہر کے درمیان دنیا میں بھی

آخرت میں بھی اور ولایت میں بھی تفریق کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتا۔ اللہ تعالیٰ نے شیاطین کی خبر کی طرف رجوع فرمایا کہ "وہ کسی کو بھی اس کے ذریعے سے بغیر اللہ کی اجازت کے ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے" یہ حق ہے۔ اس لئے کہ شیاطین اُس شریعت کی تعلیم دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے منسوخ و باطل کر دیا تھا اسی کو ضرر پہنچاتے تھے جس کے ضرر پہنچانے کی اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی تھی۔ اسی طرح آخر آیت تک۔ اللہ تعالیٰ نے ہرگز نہیں فرمایا کہ ہاروت و ماروت نے سحر و کفر کی تعلیم دی۔ یا ان دونوں نے نافرمانی کی۔ یہ سب محض خرافات و موضوعات میں بیان کیا گیا ہے جو از روئے سند صحیح نہیں۔ اس کے باوجود بھی ان کی روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں پر موقوف ہیں جو آپ کے پیچھے ہیں۔ لہذا ان سے استدلال ساقط ہو گیا۔ اور وہی ثابت ہو گیا جو ہم نے کہا۔ والحمد للہ رب العلمین

یہ تفسیر اخیر نص آیت ہے جس میں نہ کسی تاویل کا تکلف ہے نہ تقدیم و تاخیر کا۔ نہ آیت میں یا آیت سے زیادت و نقص کا۔ بلکہ یہی آیت کا ظاہر ہے۔ اور یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی یہی حق ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

اگر کہا جائے کہ یہ ترجمہ یا تفسیر اخیر کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔ حالانکہ تم کہتے ہو کہ ملائکہ کو اور شیاطین کو سوائے نبی کے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ تو پھر ملائکہ نے کیونکر انسانوں کو تعلیم دی۔ یا جن نے کیونکر انسانوں کو تعلیم دی۔

بتوفیق الٰہی ہم کہیں گے کہ ملائکہ تو خاص طور پر صرف انبیا کے پاس بھیجے جاتے ہیں اور انھیں کفر سے منع کر دیتے ہیں جیسا کہ نص قرآن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفر سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن شیاطین لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالکر اور باطل کو مزین و آراستہ کر کے لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں یا انسان کی شکل بدل لیتے ہیں جس طرح غزوۂ بدر کے روز وہ سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "واذ زین لھم الشیطان اعمالھم وقال لا غالب لکم الیوم من الناس وانی جار لکم فلما تراءت الفئتان نکص علی عقبیہ وقال انی بریٔ منکم انی اریٰ ما لا ترون انی اخاف اللہ"

(اور جبکہ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے آرستہ بنا دیا تھا اور کہا کہ آج کوئی آدمی تمہارے لئے غالب آنیوالا نہیں۔ اور میں تمہارا ساتھی ہوں۔ پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو وہ پچھلے پیروں پلٹ گیا اور کہا کہ میں تم لوگوں سے بری ہوں۔ میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

حُورِعین

یہ بزرگ عورتیں ہیں کہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ عاقلہ اور صاحبِ تمیز ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار ہیں۔ جنت ہی میں پیدا کی گئی ہیں اور ہمیشہ بیحد زمانے کے لئے اسی میں رہیں گی۔ ہرگز نافرمانی نہیں کرتیں۔ جنت میں جب اہل جنت ہمیشہ کے لئے داخل کئے جائیں گے تو وہ معصیت کا مقام نہ ہوگی۔ اسی طرح اہل جنت بھی قطعاً اس میں نافرمانی نکریں گے۔ بلکہ وہ نعمت میں اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ذکر میں اور کھانے پینے اور لباس و جماع کی لذت میں ہوں گے۔ اس میں اہل اسلام کے دو شخصوں کا بھی اختلاف نہیں۔ اور اسی کو قرآن لایا ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

غِلمان

وِلدان مخلدین (وہ بچے جو ہمیشہ رہیں گے) یہ انسانوں کی وہ اولاد ہیں جو بلوغ سے پہلے مر گئے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کو پیدا کرے گا جن سے جنت کو بھرے گا۔ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ عبادت وطاعت کرنے والے ہوں گے یا شروع ہی سے جنت میں پیدا کر دیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے پیدا کرے اور اختیار کرے اور لوگوں کو کوئی اختیار نہیں۔

جِن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام کے ساتھ قوم جن کی طرف بھی بھیجا گیا ہے۔ اس میں امت میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ جو ان کے کافر ہوں گے وہ ہمارے کافر کے ساتھ دوزخ میں ہوں گے اور جو ان کے مومن ہوں گے ان کے بارے میں لوگوں میں

اختلاف ہے۔ ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ ان کے لئے کوئی ثواب نہ ہو گا۔ ابن ابی لیلیٰ اور ابو یوسف اور اکثر لوگوں نے کہا ہے کہ یہ جنت میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کی وجہ سے ہم بھی اسی کے قائل ہیں "اعدت للمتقین" (کہ وہ متقی لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے)۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے جو اس نے جنوں میں سے کسی کہنے والے کی تصدیق کے طور پر فرمایا ہے۔ "انا لما سمعنا الھدیٰ اٰمنا بہ" (جب ہم نے ہدایت سنی تو ہم اس پر ایمان لائے) اللہ تعالیٰ نے انھیں کے قول کی حکایت بیان فرمائی ہے "قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فاٰمنا بہ" (آپ کہہ دیجیے کہ مجھے یہ وحی کی گئی ہے کہ جن کی ایک جماعت نے سنا تو کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا جو نیکی کی ہدایت کرتا ہے پھر ہم اس پر ایمان لائے) اور اس قول کی وجہ سے کہ "ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت اولئک ھم خیر البریۃ۔ جزاؤھم عند ربھم جنت عدن تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذلک لمن خشی ربہ" (بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہی لوگ بہترین مخلوق ہیں۔ ان کی جزا ان کے رب کے یہاں عدن کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ یہ انعام اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے)۔ یہ وہ صفت ہے کہ جن وانس دونوں کو عام ہے۔ یہ ناجائز ہے کہ اس میں دو نوعوں میں سے ایک کو خاص کر دیا جائے۔ اس کا فاعل اللہ پر اس چیز کا کہنے والا ہو جائے جس کا اسے علم نہیں۔ یہ حرام ہے اور محال و ممتنع ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک خبر عام کی خبر دے اور اس کی مراد اس میں سے صرف بعض ہوں۔ پھر وہ اس کو ہم سے بیان بھی نکرے۔ حالانکہ یہ اس بیان کی ضد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اپنے ذمے لیا ہے۔ چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وہ ایمان لائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ بھی انھیں مومنین میں سے ہوں جو جنت میں داخل ہوں گے۔

جن بھی عبادت گذار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے
چھ امور میں انبیا پر فضیلت دیگئی ہے۔ ان میں آپ نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ مجھے
اسود واحمر (سیاہ و سرخ) کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور آپ کے قبل جو
انبیا ہوئے وہ صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ اور آپ نے
اس پر بھی تصریح فرمائی کہ آپ کو جن کی طرف بھی مبعوث کیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے کہ " قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا
قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فآمنا بہ۔ ولن نشرك بربنا احدا۔
وانہ تعالیٰ جد ربنا ما اتخذ صاحبۃ ولا ولدا۔ وانہ کان یقول سفیھنا
علی اللہ شططا وانا ظننا ان لن تقول الانس والجن علی اللہ کذبا۔
وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوھم
رھقا۔ وانھم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث اللہ احدا وانا لمسنا السماء
فوجدنھا ملئت حرسا شدیدا وشھبا۔ وانا کنا نقعد منھا مقاعد
للسمع۔ فمن یستمع الآن یجد لہ شھابا رصدا۔ وانا لا ندری اشر ارید
بمن فی الارض ام اراد بھم ربھم رشدا۔ وانا منا الصلحون ومنا دون
ذلك کنا طرائق قددا۔ وانا ظننا ان لن نعجز اللہ فی الارض ولن
نعجزہ ھربا۔ وانا لما سمعنا الھدیٰ آمنا بہ۔ فمن یومن بربہ فلا یخاف
بخسا ولا رھقا۔ وانا منا المسلمون ومنا القاسطون۔ فمن اسلم
فاولئك تحروا رشدا۔ واما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا" (آپ کہیے کہ
مجھے وحی کی گئی ہے کہ جن میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا اور کہا کہ ہم نے
عجیب قرآن سنا جو نیکی کی ہدایت کرتا ہے پھر ہم اُس پر ایمان لائے۔ اور ہم ہرگز
اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اور ہمارے رب کی شان بہت
بلند و برتر ہے اُس نے بیوی اور بیٹا نہیں اختیار کیا۔ اور ہمارے نادان لوگ
اللہ تعالیٰ پر حد سے زائد بڑھی ہوئی باتیں کہا کرتے تھے۔ اور ہم خیال کرتے تھے
نہ جن و انس ہرگز اللہ پر جھوٹ نہ بولیں گے۔ اور انسانوں کے کچھ لوگ جنوں کے
آدمیوں کی پناہ مانگا کرتے تھے پھر انھوں نے ان جنوں کی بد دماغی بڑھا دی

اور تمہاری طرح ان کا بھی خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا۔ اور ہم نے آسمان کی جانچ کی تو ہم نے اس کو سخت پہرہ اور شعلوں سے بھرا پایا۔ اور ہم آسمان کے سننے کے مقامات پر بیٹھا کرتے تھے۔ مگر اب جو سننا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک شعلہ تیار پاتا ہے۔ اور ہم نہیں جانتے کہ اہل زمین کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا اُن کے رب نے ان کی ہدایت کا ارادہ کیا ہے اور ہم میں بعض نیک ہیں اور بعض اس کے سوا ہیں اور ہم مختلف طریقوں پر تھے۔ اور ہمارا خیال تھا کہ ہم زمین میں ہرگز اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور ہم ہرگز اُسے بھاگ کر عاجز نہیں کر سکتے۔ اور ہم نے جب ہدایت سنی تو ہم اُس پر ایمان لائے۔ اور جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اُسے کمی و بیشی کا خوف نہ ہوگا۔ اور ہم میں بعض مسلمان ہیں اور بعض کوتاہی کرنے والے۔ پھر جو اسلام لے آیا اُس نے نیکی کی راہ تلاش کر لی۔ لیکن جو کوتاہی کرنے والے ہیں وہ دوزخ کا ایندھن ہیں)۔

جبکہ معاملہ یہ ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تو ہرگز کبھی کوئی انسان نبی جن کی طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث نہیں کیا گیا اس لئے کہ جن قوم انس میں سے نہیں ہیں۔ اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ انھیں بھی عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اُن کے پاس جو انبیا آئے وہ انھیں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "یا معشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم" (اے گروہ جن و انس کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے)۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جزو رابع

کیا انبیا علیہم السلام معصیت کرتے ہیں؟

لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا انبیا علیہ السلام معصیت و نافرمانی کرتے ہیں یا نہیں۔

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسول سوائے تبلیغ میں جھوٹ بولنے کے بقیہ تمام صغائر و کبائر میں عمداً اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کرتے ہیں۔ یہ قول مرجیہ میں سے کرامیہ کا اور اشعریہ میں سے ابن الطیب الباقلانی اور اس کے متبعین کا ہے۔ اور یہی قول یہود و نصاریٰ کا ہے۔ میں نے بعض کرامیہ کے متعلق یہ بھی بیان کرتے کسی کو سنا ہے کہ وہ لوگ تبلیغ میں جھوٹ بولنے کو بھی رسولوں کے لئے جائز تجویز کرتے ہیں۔ لیکن یہ باقلانی تو ہم نے اس کے ایک شاگرد ابو جعفر السمنانی قاضی موصل کی کتاب میں دیکھا ہے کہ یہ کہا کرتا تھا کہ ہر گناہ خواہ خفی ہو یا جلی وہ رسولوں سے ممکن ہے سوائے کذب تبلیغ کے۔ اور ان کا کافر ہونا بھی

ممکن ہے۔ جب نبی علیہ السلام کو ایک شے سے منع کیا گیا اس کے بعد انھوں نے اس شے کو کیا تو یہ اس پر دلیل نہیں ہے کہ وہ نہی وممانعت منسوخ ہوگئی۔ اس لئے کہ کبھی اُسے اللہ تعالیٰ کا عاصی ونافرمانی کرنا ہے۔ اور اُس کے ساتھیوں کو اس کا حق نہیں ہوتا کہ وہ اس کے اس فعل پر اعتراض کریں۔ اس نے یہ بھی جائز رکھا ہے کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے شخص ہو سکتے ہیں جو آپ کی بعثت سے اور وفات تک کے حالات میں آپ سے افضل ہوں۔

یہ سب خالص کفر اور محض شرک اور اسلام سے ردّت اور دوستی کو ختم کرنے والا اور اس مذہب والے کے خون اور مال کو حلال کرنیوالا ہے اور اس کا موجب ہے کہ دنیا میں بھی اس سے علیحدگی وبیزاری اختیار کی جائے اور اُس روز بھی جس روز شاہد قائم ہوں گے (یعنی قیامت)۔

ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ کے رسولوں سے کسی کبیرہ گناہ کا صادر ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ ان سے صغائر کا عمداً صادر ہونا ممکن ہے۔ یہ ابن فورک الاشعری کا قول ہے۔ اہل اسلام میں سے سب اہل سنت و معتزلہ ونجاریہ وخوارج وشیعہ کا مذہب یہ ہے کہ کسی نبی سے قطعاً عمداً کسی معصیت کا صادر خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ناممکن ہے۔ یہی قول ابن مجاہد الاشعری کا ہے جو مذکورۂ بالا ابن فورک وباقلانی کے استاد تھے۔

یہ قول جس کو ہم اللہ تعالیٰ کا دین مانتے ہیں کسی کو اس کے خلاف عقیدہ رکھنا جائز نہیں۔ ہم اس کے قائل ہیں کہ انبیا سے بغیر قصد کے سہو واقع ہوتا ہے۔ ان سے یہ بھی واقع ہوتا ہے کہ وہ ایک شے کا قصد کرتے ہیں اور اُس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی وتقرب کا ارادہ کرتے ہیں مگر وہ اتفاق سے اللہ تعالیٰ کی مراد کے خلاف ہو جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو ان دونوں وجوہ پر قطعاً باقی نہیں رکھتا اور انھیں اس سے آگاہ کر دیتا ہے اور اس کے دوبارہ اُن سے صادر ہونے کا موقع نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے بندوں کے لئے ظاہر کر دیتا ہے اور ان کے لئے خوب واضح کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے سلام وقیام کے بارے میں کیا۔ کبھی اس کے بارے میں کلام میں ان پر عتاب کرتا ہے جیسا کہ اس نے نبی علیہ السلام کے ساتھ ام المومنین زینب اور زید کے انھیں طلاق دینے کے معاملے میں کیا (رضی اللہ عنہما)۔ اور ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کے قصے میں کیا۔ کبھی ناگوار چیز سے دنیا میں عوض دیدیتا ہے۔ جیسا کہ اس نے آدم و یونس علیہما السلام کو مصیبت پہنچائی۔ اس معاملے میں انبیا علیہم السلام ہم سے مختلف ہیں کیونکہ ہم لوگوں سے جس امر میں سہو ہو جائے اس میں ہم سے مواخذہ نہیں ہے اور نہ اس امر میں ہم سے مواخذہ ہے کہ ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قصد کریں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی مراد تک نہ پہنچے۔ بلکہ ہمیں اس صورت میں ایک اجر بھی ملے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے شیطان کے مقابلے میں آپ کی مدد کی ہے تو وہ اسلام لے آیا اور اب وہ آپ کو صرف خیر ہی کا مشورہ دیتا ہے۔

ملائکہ

ان تمام امور (صغیرہ کبیرہ۔ سہو و نسیان و خطا) سے بری ہیں اس لئے کہ وہ خالص نور سے پیدا کئے گئے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں ہے۔ اور نور خیر محض ہے جس میں ذرا سی بھی کدورت نہیں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ نور سے پیدا کئے گئے اور جن آگ کے شعلے سے اور آدمؑ اس سے جسے بیان کیا گیا ہے (یعنی گارے سے)۔

پہلے گروہ نے قرآن کی چند آیات و احادیث واردہ سے استدلال کیا ہے۔ ہم انشاءاللہ ان کا ذکر کریں گے اور براہین ضروریہ و واضحہ سے ان میں ان کے غلط کو واضح کریں گے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

آدم علیہ السلام کے متعلق کلام

ان لوگوں نے جن امور سے استدلال کیا ہے اُن میں سے یہ آیت ہے "وعصی آدم ربہ فغوی" (اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بہک گئے) اور یہ آیت ہے "ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین" (اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا تاکہ ظالم نہو جاؤ)۔ آدم اُس کے نزدیک گئے اور ظالم ہو گئے اور نافرمانی کی اور گمراہ ہو گئے۔ اور فرمایا ہے "فتاب علیہ" (پھر اللہ نے ان سے رجوع کرلیا) جس سے رجوع کیا جاتا ہے وہ شخص وہی ہوتا ہے جو گناہ کرے۔ اور فرمایا ہے "فازلھما الشیطان" (پھر شیطان نے ان دونوں کو پھسلا دیا) شیطان کا پھسلا دینا معصیت ہے۔ اور ان لوگوں نے یہ آیت بھی بیان کی ہے "فلما آتاھما صالحا جعلا لہ شرکاء فیما آتاھما" (پھر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں یعنی والدین کو پسندیدہ و صالح عطا کر دیا تو ان دونوں نے اُس چیز میں اُس کے لئے شرکا تجویز کئے جو اُس نے ان دونوں کو عطا کیا تھا)۔ ان لوگوں نے جو کچھ آدم علیہ السلام کے بارے میں بیان کیا ہے سب یہی ہے یہ سب ان کے دعویٰ و گمان کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "عصی آدم ربہ فغوی" (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گمراہ ہو گئے)۔ تو ہمیں معلوم ہے کہ حاکم کے حکم کی ہر مخالفت کی صورت معصیت و نافرمانی کی صورت ہوتی ہے اور اسی لئے اُس کا نام معصیت و غوایت ہوتا ہے۔

بعض معصیت قصد و یاد سے ہوتی ہے اور درحقیقت معصیت

ہی ہے۔ اس لئے کہ اس کے فاعل کا معصیت کا قصد ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ یہ معصیت ہے اور یہی وہ معصیت ہے جس سے ہم انبیا علیہم السلام کو پاک سمجھتے ہیں۔

بعض معصیت وہ ہوتی ہے جو مامور بہ کے خلاف قصد کرنے کیلئے ہوتی ہے اور وہ اس میں خیر کی تاویل کرتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ وہ اس سے عاصی ہو جائے گا بلکہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہے یا یہ اُن کے لئے مباح ہے۔ اس لئے کہ وہ یہ تاویل کرتا ہے کہ اس پر جو امر وارد ہے وہ نہ ایجاب (واجب کرنے) کے معنی میں ہے نہ تحریم (حرام کرنے) کے معنی میں۔ بلکہ وہ اگر بصیغۂ امر ہے تو مستحب کے معنی میں ہے اور اگر بلفظ نہی ہے تو مکروہ کے معنی میں ہے۔ یہ وہ شے ہے جس میں علما و فقہا و افاضل بکثرت مبتلا ہیں۔ یہی وہ شے ہے جو انبیا علیہم السلام سے بھی واقع ہوتی ہے اور جب اُن سے واقع ہوتی ہے تو اُن سے اُس کا مواخذہ کیا جاتا ہے۔ آدم نے اسی طریقے پر درخت میں سے کھایا۔ فتکونا من الظلمین (پھر تم دونوں ظالم ہو جاؤ گے) کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے لئے ظالم ہو جاؤ گے۔ ظلم کے معنی لغت میں کسی شے کا اس کے غیر مقام میں رکھ دینے کے ہیں۔ جس نے امر یا نہی کو مقام مستحب و مکروہ میں رکھ دیا تو اُس نے شے کو اُس کے غیر مقام میں رکھ دیا۔ یہ ظلم جو اس نوع کا ظلم ہے بغیر قصد کے واقع ہوتا ہے اور یہ معصیت نہیں ہے۔ نہ کہ وہ ظلم جو معصیت کا قصد ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ معصیت ہے۔ برہان وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ آدم علیہ السلام نے اُس درخت سے اسی وقت کھایا جب ابلیس نے اُن سے قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کو اُس درخت کے کھانے سے منع کیا ہے وہ بطور تحریم کے نہیں ہے اور یہ اس کی وجہ سے کسی سزا کے مستحق نہ ہوں گے بلکہ جزائے خیر اور دوامی کامیابی کے مستحق ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے قول کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے "قال لھما

ما نهاکما ربکما عن هذه الشجرة الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین ۔ و قاسمهما انی لکما لمن الناصحین ۔ فدلاهما بغرور" (ابلیس نے آدم و حوا سے کہا کہ تم کو تمہارے رب نے اس درخت سے محض اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ ہو جاؤ یا دونوں ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جاؤ۔ اور ان دونوں سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ۔ پھر اس نے ان دونوں کو دھوکے میں ڈال دیا) ۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" ولقد عهدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد له عزما" (اور ہم نے پہلے سے آدمؑ سے عہد لیا تھا مگر وہ بھول گئے۔ اور ہم نے ان کا عزم و ارادہ نہیں پایا) ۔

جب آدم علیہ السلام اس عہد کو بھول گئے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے ابلیس کے بارے میں لیا تھا کہ وہ ان کا دشمن ہے تو انھوں نے اس کی قسم کی وجہ سے اس کے ساتھ حسن ظن قائم کر لیا۔

قصدِ معصیت سے سلامت رہنا اور بری ہونا اور گناہوں پر جرأت و دلیری سے دور رہنا اس کے حال سے بڑھ کر نہیں ہے جو کسی شخص کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹی قسم نہیں کھاتا ۔ آدم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا بنص قرآن انھوں نے جو اس درخت سے کھایا جس کو اللہ تعالیٰ نے انھیں منع کر دیا تھا تو محض بھول کر اور تاویل کر کے اور خیر کا ارادہ کر کے کھایا ہے ۔ اس لئے کہ انھوں نے یہ اندازہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی قدر و منزلت بڑھ جائے گی۔ اور وہ فرشتہ مقرب یا جس نعمت میں ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو جائیں گے ۔ اس خیال نے انھیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت تک پہنچا دیا ۔ حالانکہ ان پر واجب یہ تھا کہ وہ اپنے رب کے حکم کو اس کے ظاہر پر محمول کرتے لیکن انھوں نے تاویل کی اور خیر کا ارادہ کیا مگر خیر تک دسترس نہ ہو سکی ۔ اگر یہی فعل علمائے مسلمین میں سے کوئی کرتا تو اسے ضرور اجر ملتا ۔ لیکن جب آدم علیہ السلام سے اس کا وقوع ہوا اور اس کے باعث وسعت آباد بہشت سے تنگنائی زمین پر لائے گئے تو اس کی وجہ سے

وہ خود اپنی ہی ذات پر ظالم بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے خطا سے قتل کرنیوالے کا نام بھی قاتل ہی رکھا ہے جیساکہ اس نے عمداً قتل کرنے والے کا نام قاتل رکھا ہے۔ قتل خطا کرنے والے نے کسی معصیت کا ارادہ نہیں کیا۔ خطا میں یہ کفارہ مقرر کردیا۔ کہ غلام آزاد کرے اور جسے یہ ممکن نہو پے در پے دو مہینے تک روزے رکھے۔ اُس نے کسی گناہ کا قصد نہیں کیا۔

آدمؑ کی تکفیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "لئن آتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین۔ فلما آتاھما صالحا جعلا لہ شرکاء فیما آتاھما" (اگر تو ہمیں صالح عطا کردے گا تو ہم تیرے شکر گذار ہوں گے۔ پھر جب اُس نے ان دونوں (والدین) کو صالح عطا کردیا توان دونوں نے اسی میں اس کے شریک بنائے جو اس نے انھیں عطا کیا تھا)۔ یہ تو آدم علیہ السلام کی تکفیر ہے اور جو آدم علیہ السلام کی طرف کفر و شرک منسوب کرے یہ اُس کا خالص کفر ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ اور ہم تو اُس پر اعتراض کرتے ہیں جو مسلمانوں کے گناہگاروں، محصول لینے والوں قتل کرنے والوں، بدمعاشوں اور فاسقوں کی تکفیر کرتا ہے۔ بھلا اس کا کیا ٹھکانا ہے جو انبیا علیہم السلام کی تکفیر کرے۔

عبدالحارث کی کہانی یہ وہی ہے جو آدم علیہ السلام کی طرف لوگوں نے منسوب کردیا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا ہو محض بیہودہ، موضوع، غلط اور ان لوگوں کی بنائی ہوئی بات ہے جن کے پاس نہ دین ہے نہ حیا اور نہ اس کی سند قطعاً صحیح ہے۔

آدم سے کچھ علاقہ نہیں یہ آیت صرف مشرکین کے بارے میں ہے جیساکہ ظاہر آیت سے واضح ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتا کہ یہ آدم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ ہرگز صحیح نہیں ہے تو بھی اس میں مخالف کے لئے کوئی دلیل نہ ہوتی۔ اس لئے کہ یہ شرک اور شرکاء جن کا آیت میں ذکر ہے اُس وقت اس شرک کے مغایر ہوتا جو کفر ہے۔ یعنی یہ ہوتے کہ ان دونوں نے اپنے توکل کے ساتھ اُس کی حفاظت کو

شریک کیا۔ ایسے ہی جیسے یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا کہ "یا بنی لا تدخلوا من باب واحد وادخلوا من ابواب متفرقة وما اغنی عنکم من اللہ من شیئ ان الحکم الا للہ علیه توکلت وعلیه فلیتوکل المتوکلون۔ ولما دخلوا من حیث امرهم ابوهم ما کان یغنی عنهم من اللہ من شیئ الا حاجة فی نفس یعقوب قضاها وانه لذو علم لما علمناه ولکن اکثر الناس لا یعلمون" (اے میرے بیٹو۔ تم ایک دروازے سے نہ داخل ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا۔ اور میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز سے تمھیں بے نیاز نہیں کر سکتا۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے۔ اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور بس اسی پر سب کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور جب یہ لوگ اُس طرح داخل ہوئے جس طرح اُن کے والد نے اُنھیں حکم دیا تھا۔ وہ اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو اُن لوگوں سے ٹال نہ سکتے تھے سوائے اس کے کہ یعقوب کے جی کا ایک ارمان تھا جسے اُنھوں نے پورا کر لیا۔ اور بیشک وہ صاحب علم تھے اس لئے کہ ہم نے اُنھیں علم دیا تھا۔ لیکن اکثر لوگ صاحب علم نہیں ہوتے)۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ یعقوب علیہ السلام نے اُنھیں محض اُن پر شفقت کے طور پر یہ حکم دیا تھا کہ وہ متفرق دروازوں سے مصر میں داخل ہوں۔ یہ حکم یا تو نظر لگنے کے خیال سے تھا یا دشمن کے روک ٹوک سے بچنے کے لئے تھا یا اُن کے متفق ہو جانے کے شک سے تھا۔ یا اور کسی ایسے سبب سے تھا جس کا آنجناب علیہ السلام کو اندیشہ تھا۔ حضرت اس کے معترف تھے کہ اُن کا یہ فعل اور اُن کا ان لوگوں کو اس امر کا حکم دینا اللہ تعالیٰ کے ارادے کو جو اس نے ان کے ساتھ کیا ہو ٹال نہیں سکتا۔ لیکن طبیعت بشریہ یعقوب علیہ السلام اور تمام انبیا میں جاری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کا قول بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ "ان نحن الا بشر مثلکم" (ہم لوگ تو محض تمھارے ہی طرح بشر ہیں) اس نے اُنھیں قدرے غور و فکر پر آمادہ کیا جو نفس کی حاجت، خواہش کی اور نفس کے اصرار و نزاع کی اور اس کی محبوب کی

سلامت کی رغبت کی تخفیف کرنے والی ہے۔ اگرچہ یہ امر کسی چیز سے بے نیاز نہیں کرتا۔ جیساکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فال نیک کو پسند فرماتے تھے۔ اس بناپر معنی شرک و شرکا کے یہی ہوئے کہ وہ حفاظت اور تعویذ بنے یا اور اسی قسم کا خیال۔ چہ جائے کہ آیت ہی صرف کفار کے بارے میں ہو اور اس کا کوئی تعلق آدم علیہ السلام سے نہ ہو۔

نوح علیہ السلام

ان لوگوں نے نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ آیت بیان کی ہے:
فلا تسألن ما ليس لك به علم انی اعظك ان تكون من الجاهلين"
(مجھ سے وہ چیز نہ مانگو جس کا تمھیں علم نہیں۔ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہل نہ بنو)۔ 5

اس میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے کہ نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے وعدے میں کہ وہ انھیں اور ان کے اہل کو نجات دیگا۔ تاویل کی اور ظاہری قرابت کی بناپر یہ گمان کیا کہ ان کا بیٹا بھی ان کے اہل میں ہے۔ یہ وہ امر ہے جو اور کوئی کرتا تو اسے ثواب ہوتا۔ نوح علیہ السلام نے ان کی رہائی کی درخواست نہیں کی جن کے متعلق انھیں یقین تھا کہ وہ ان کے اہل میں سے نہیں ہے۔ اسی پر یہ نہی وارد ہوئی کہ وہ جاہل نہ بنیں۔ نوح علیہ السلام اس سے نادم ہوئے اور باز آگئے۔ یہاں معصیت کا ارادہ ہرگز نہیں ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ابراہیم علیہ السلام
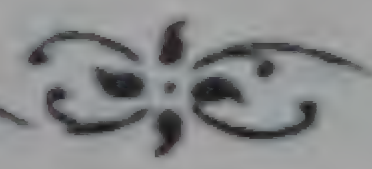
دروغ گوئی

ان لوگوں نے وہ روایات بیان کی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام تین بار جھوٹ بولے۔ ستاروں میں نظر کر کے فرمایا کہ میں بیمار ہونیوالا ہوں۔ ستاروں اور شمس وقمر کے بارے میں یہ فرمایا کہ یہ میرے رب ہیں۔ اپنی زوجہ سارہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ میری بہن ہیں۔ جب بتوں کو توڑ ڈالا تو یہ فرمایا کہ ان کے بڑے بت نے انھیں توڑا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ سے مردے زندہ کرنے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم ایمان نہیں رکھتے تو عرض کیا کیوں نہیں رکھتا۔ لیکن یہ درخواست محض اس لئے ہے کہ میرے قلب کو اطمینان ہو جائے۔

یہ سب جیسا کہ انھوں نے گمان کیا ہے ایسا نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہماری ہی دلیل وحجت ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

دروغ کا احتیاطی فروغ

آنحضرت علیہ السلام کی یہ حدیث کہ حضرت ابراہیم تین جھوٹ بولے۔ تو ہر جھوٹ معصیت نہیں۔ بلکہ بعض جھوٹ تو طاعت و فرض و واجب ہوتا ہے کہ جو اسے ترک کرے گا گنہگار ہو گا۔ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص کذاب (جھوٹا) نہیں ہے جو لوگوں میں صلح کرانا چاہے اور خیر کو منسوب کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور میں شوہر کے کذب کو جائز فرمایا ہے جن میں وہ اپنی زوجہ کی محبت کا طالب ہو اسی طرح جنگ میں کذب روا ہے۔ اہل اسلام کا اجماع ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ سنا کہ ایک مظلوم پر بادشاہ نے ظلم کیا ہے اور تلاش کر رہا ہے کہ

ناحق قتل کر کے اُس کا مال غصب کر لے۔ یہ مظلوم اس شخص کے پاس چھپ گیا۔ اور اس نے سنا کہ بادشاہ اس مظلوم کو اس ارادے سے تلاش کر رہا ہے۔ بادشاہ نے اس شخص سے مظلوم اور اُس کے مقام کو دریافت کیا۔ اس نے جو کچھ سنا اگر اُسے چھپایا اور اس کی خبر سننے سے انکار کیا۔ حالانکہ یہ اُس اور اُس کے مال کا ٹھکانا جانتا ہے۔ تو یہ محسن اور نیکو کار اور مستحق ثواب اور اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے۔ اگر سچ بولا اور جو کچھ اُس کے متعلق سنا وہ بھی اور اُس کے مال کا اور اُس کا ٹھکانا بتا دیا تو یہ فاسق ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا عاصی و گناہگار اور مرتکب کبیرہ اور قابل مذمت اور چغلخور ہوگا۔ خوف کے وقت بھی اظہار کفر میں کذب کو مباح کیا گیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام سے جو یہ جھوٹ روایت کئے گئے ہیں تو یہ قابل ستائش صفت میں داخل ہیں نہ کہ اُس کذب میں جس سے منع کیا گیا ہے۔

بیوی کو بہن کہنا

سارہ کے بارے میں یہ فرمانا کہ یہ میری بہن ہیں تو آپ نے سچ فرمایا۔ وہ دو وجہ سے آپ کی بہن تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "انما المومنون اخوۃ" (مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص اپنے بھائی کے پیام نکاح پر پیام نکاح نہ دے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ آپ کی قوم کی تھیں اور آپ کی دعوت و رسالت کے قبول کرنے والوں میں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "والی مدین اخاھم شعیبا" (اور ہم نے شعیب کو ان کے بھائیوں کے پاس مدین بھیجا)۔ جو شخص اس کو ابراہیم علیہ السلام کا کذب مذموم شمار کرے تو وہ اسے اپنے رب کا بھی کذب شمار کرے۔ اور یہ خالص کفر ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ابراہیم علیہ السلام سارہ کو اپنی بہن کہنے میں سچے ہیں۔

تاثیرات نجوم

معترض کا یہ کہنا کہ آپ نے ستاروں میں نظر ڈالی اور یہ فرمایا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ تو یہ بھی کذب نہیں۔ اور ہم ستاروں کے صحت و مرض کے اور بعض حوادث عالم کے دلائل ہونے

منکر نہیں ہیں۔ جس طرح برق دریا میں جوش آنے پر دلالت کرتی ہے۔ رعد یعنی بادل کی گرج کماۃ کے پیدا ہونے پر دلالت کرتی ہے جس طرح مد وجزر کا پیدا ہونا (سمندر کا چڑھنا اترنا) طلوع وغروب قمر پر اور اُس کے ارتفاع وامتلا ونقص پر دلالت کرتا ہے۔ قابل اعتراض اُس شخص کا قول ہے جو یہ کہے کہ ستارے ہی اس کے فاعل ومُدبّر ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ۔ یا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کام میں شریک ہیں جو اس کا قائل ہو یہ اُس کا کفر ہے۔ آنجناب علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ بلکہ یہ فعل بڑے بت نے کیا ہے تو یہ محض اُن لوگوں کی سرزنش و ملامت کے طور پر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (اہل جہنم سے کہا جائے گا) "ذق انك انت العزیز الکریم" (نوش فرمائیے آپ تو بڑے معزز ومکرم ہیں) حالانکہ درحقیقت وہ شخص قابل توہین، ذلیل، کمینہ اور دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ دونوں قول اس شخص کی سرزنش و ملامت کے لئے ہیں جس سے وہ کہے جائیں۔ یہ اُن لوگوں کے گمان کے خلاف ہے کہ خیر وشر بُت کرتے ہیں۔ مبتلائے عذاب کے اس خیال کے خلاف ہے جو وہ دنیا میں اپنے دل میں سمجھتا تھا کہ وہ معزز ومکرم ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس طور پر نہیں فرمایا کہ وہ اسے صحیح جانکر فرما رہے ہیں اور اسے ثابت کر رہے ہیں کہ بڑے بت نے یہ فعل کیا ہے کہ وہ کذب ہوتا۔ یہ تو محض ایک شے کے متعلق جس طور پر وہ ہے اُس کے خلاف خبر دینا ہے جس سے اُس شے کی تحقیق کا قصد ہے۔

۶ **ربوبیت شمس وقمر** چاند سورج کو دیکھکر یہ فرمانا کہ یہ میرا رب ہے۔ تو ایک جماعت نے تو یہ کہا کہ ابراہیم علیہ السلام نے غار سے نکلتے ہی اسے بطور تحقیق فرمایا۔ یہ محض خرافات۔ موضوع۔ جھوٹ اور صاف بہتان ہے۔ محال وممتنع ہے کہ جو شخص تمیز اور اس قسم کے کلام کی حد تک پہنچ جائے اس نے کبھی سورج اور چاند اور ستاروں کو نہ دیکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط گمان کو اپنے اس قول صادق سے جھوٹا بنایا ہے

ولقد آتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین ‘‘ (اور ہم نے ابراہیم کو پہلے سے رشد و تمیز عطا کر دیا تھا اور ہمیں اُن کے متعلق علم تھا)۔ یہ محال ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے رشد و تمیز عطا کردے۔ اس کے عقل میں یہ آئے کہ ستارے اُس کے رب ہیں یا آفتاب اس کا رب ہے اس لئے کہ اُس کا جسم چاند سے بڑا ہے۔ یہ گمان تو محض وہی کرے گا جس کی عقل میں جنون پیدا ہو گیا ہو۔ جس کی عقل صحیح ہوگی وہ تو یہی سمجھے گا کہ آپ نے محض اپنی قوم کو سرزنش و ملامت کے لئے یہ فرمایا جس طرح آپ نے بڑے بت کے متعلق فرمایا تھا۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

وہ لوگ صابئین کے دین پر تھے جو ستارہ پرستی کرتے تھے۔ اپنی عبادتگاہوں میں بتوں کو ستاروں کی صورت پر بناتے تھے۔ انھیں کے نام پر اُن کا نام رکھتے تھے۔ ان کی عیدیں کرتے تھے۔ اُن کے لئے جانور ذبح کرتے تھے۔ چڑھاوے۔ چڑھاتے۔ قربانیاں کرتے اور دھونی دیتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ سمجھتے ہیں۔ تدبیر کرتے ہیں اور نفع و نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ستارے کے لئے ایک محدود شریعت قائم کرتے تھے۔ خلیل علیہ السلام نے اس پر انھیں توبیخ و ملامت کی۔ تمسخر کیا۔ اور انھیں آفتاب کا جسم بڑا ہونے کی وجہ سے اس کی تعظیم کا مشورہ دینے لگے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ’’فالیوم الذین آمنوا من الکفار یضحکون‘‘ (آج (قیامت میں) مومنین کفار سے ہنسی کریں گے) حضرت خلیل نے ستاروں کی تعظیم میں جو اجسام جمادیہ اور تابع ہیں جو ان کی عقول کی کمزوری تھی وہ انھیں دکھادی۔ واضح کر دیا کہ وہ غلطی پر ہیں۔ یہ ستارے غروب ہونے والے اور مختلف مقامات میں منتقل ہونے والے ہیں۔ معاذ اللہ حضرت خلیلؑ ایسے کیوں ہوتے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرتے یا فلک کے اور اس کے اندر کی تمام اشیا کے مخلوق ہونے میں شک کرتے۔

برہان یہ ہے کہ جو کچھ انہوں نے بیان کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس پر ان پر نہ عتاب فرمایا اور نہ سختی فرمائی۔ بلکہ اپنے کلام میں ان کی تصدیق فرمائی " وتلك حجتنا آتيناها ابراهيم على قومه نرفع درجات من نشاء" (اور یہ ہماری حجت و دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں)۔ ثابت ہوگیا کہ یہ واقعات اس کے خلاف ہیں جو حضرت آدمؑ وغیرہ سے سرزد ہوئے۔ انہوں نے ان امور کے متعلق جو کچھ کہا اور کیا وہ سب اللہ تعالیٰ کی مراد کے مطابق ہوا۔

کیفیت احیاء اموات آپ کا یہ کہنا کہ اے رب مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "کیا تم ایمان نہیں رکھتے"۔ انہوں نے عرض کیا کہ "کیوں نہیں رکھتا۔ غرض اس لئے ہے کہ میرے دل کو اطمینان ہو" ہمارے رب نے اس کی تقریر اس طرح نہیں فرمائی کہ اسے اپنے بندہ خلیل و رسول ابراہیم علیہ السلام کے ایمان میں شک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے۔ ان کے قلب میں ایمان کا ثابت کرنا مقصود ہے۔ اگرچہ انہوں نے مردے زندہ کرنے کی کیفیت نہیں دیکھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے متعلق خبر دی کہ وہ مومن و مصدق ہیں۔ ان کا مقصد صرف زندہ کرنے کی کیفیت کا دیکھنا اور اس سے عبرت حاصل کرنا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مردے زندہ کرنے میں ہرگز شک نہیں کیا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ زندہ کرنے کی ہیئت کو دیکھیں۔ مثلاً جس طرح ہمیں ہاتھی۔ مگرمچھ۔ چاند گہن۔ نہر زیادہ اور خلیفہ کے وجود میں شک نہیں۔ اس کے بعد بھی ہم میں سے جس نے ان امور کو نہیں دیکھا وہ ان کے دیکھنے کی خواہش کرتا ہے۔ حالانکہ اسے ان کے وجود میں شک نہیں ہوتا۔ کہ وہ اس عجیب چیز کی شکل دیکھے جس پر کبھی اس کی نگاہ نہیں پڑی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ روایت کی گئی ہے کہ ہم ابراہیمؑ سے

زیادہ شک کے مستحق ہیں۔ تو جو یہ گمان کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے پروردگار کے مردے زندہ کرنے کی قدرت میں شک کیا تو اس نے کفر کیا۔ یہی حدیث ہماری حجت ہے جس سے ابراہیم علیہ السلام کے شک کی نفی ہوتی ہے یعنی اگر ابراہیم علیہ السلام کا کلام بطور شک ہوتا تو جس شخص نے اس قدرت کا مشاہدہ نہیں کیا جس کا ابراہیمؑ نے کیا تھا تو وہ شک کا زیادہ مستحق ہوتا جب وہ شخص جس نے اس قدرت کا مشاہدہ نہیں کیا جس کا ابراہیم السلام نے کیا۔ شک کرنے والا نہیں ہے تو ابراہیم علیہ السلام بھی شک سے دور ہیں

اس مقام پر جو شخص خلیل علیہ السلام کی طرف شک منسوب کرے تو اس نے ان کی طرف کفر کو منسوب کیا۔ جس نے کسی نبی کی طرف کفر کو منسوب کیا تو اس نے کفر کیا۔ اگر یہ ابراہیم علیہ السلام کا شک ہوتا تو ہم لوگ تو آپ سے زیادہ شک کے مستحق تھے۔ اُس وقت ہم لوگ شک کرنے والے۔ منکر۔ اور کافر ہوتے۔ یہ وہ کلام ہے کہ الحمد للہ ہم اپنے متعلق اس کے بطلان کو جانتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے ہم لوگ مومن ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کی ہر شے پر قدرت کی کہ جیسے سائل دریافت کرے تصدیق کرنے والے ہیں۔

کافر کے لئے استغفار ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کا قول اپنے والد کے بارے میں اور اُن کے لئے اُن کی استغفار کو بیان کیا ہے۔ حالانکہ اس میں کوئی حجت و دلیل نہیں۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ کو اس سے منع نہیں کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فلما تبین له انه عدو لله تبرأ منه" (پھر جب انھیں واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اُس سے علیحدہ ہو گئے) اللہ تعالیٰ نے اس پر اُن کی مدح کی۔ ثابت ہو گیا کہ ابراہیمؑ کا استغفار کرنا اپنے والد کے لئے اس کی مدت حیات میں اس کے ایمان کی امید پر تھا۔ جب وہ کافر مر گیا تو اس سے بری ہو گئے اور اس کے بعد اُس کے لئے استغفار سے قطعاً باز رہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے

بارے میں کلام تمام ہوا۔

لوط علیہ السلام

دیوار کی پناہ سے خدا کی پناہ

ان لوگوں نے لوط علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کلام بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ "لو ان لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید" (اے کاش مجھے تم لوگوں پر قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط دیوار کی پناہ لیتا)۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوط پر رحمت کرے جو مضبوط دیوار کی پناہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ گمان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لوط علیہ السلام پر اعتراض ہے۔

دعوۃ الی البنات

یہ قول بھی ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ "هٰؤلاء بناتی هن اطهر لكم" (یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمھارے لئے نہایت پاکیزہ ہیں)۔

اس میں بھی ان لوگوں کے لئے کوئی حجت نہیں۔ لوط علیہ السلام کا فرمانا کہ اے کاش مجھے تم لوگوں پر قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط دیوار کی پناہ لے لیتا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مخالف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ لوط پر رحمت کرے کہ وہ مضبوط دیوار کی پناہ لیا کرتے تھے۔ دونوں حضرات کے دونوں قول حق و متفق علیہ ہیں۔ اس لئے کہ لوط علیہ السلام نے ایسی فوری قوت جو قرابت داری اور کنبے سے یا مومنین کے اتباع سے حاصل ہوتی ہے مراد لی ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنی قوم کو ان بدکاریوں سے روک سکیں جن میں وہ مبتلا تھے۔ لوط علیہ السلام اس سے ناواقف نہ تھے کہ وہ اپنے رب کی پناہ لے سکتے ہیں جو سب سے زبردست قوت والا اور سب سے مضبوط دیوار والا ہے۔ لوط علیہ السلام نے

جو لوگوں کی قوت طلب کی اس سے اُن پر کوئی گناہ نہیں ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لفسدت الارض" (اگر اللہ تعالیٰ کا بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے سے دفع کرنا نہ ہوتا تو تمام زمین میں فساد برپا ہو جاتا) یہی قوت جو لوط علیہ السلام نے طلب کی یہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین سے طلب کی تھی کہ آپ اپنے رب کے کلام کی تبلیغ کر سکیں۔ لوط علیہ السلام پر اس امر کی وجہ سے کیسے اعتراض کیا جا سکتا ہے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے۔ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو برا نہیں جانا۔ آپ نے یہی خبر دی کہ لوط علیہ السلام مضبوط دیوار کی پناہ لیا کرتے تھے جو بذریعہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی نصرت و مدد تھی لوط کو اس کا علم نہ ہوتا تھا۔ جس کا یہ اعتقاد ہو کہ لوط علیہ السلام کا یہ عقیدہ ہے کہ اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکن شدید اور مضبوط دیوار نہیں ہے تو وہ خود کافر ہے کیونکہ اس نے اس کفر کو ایک نبی کی طرف منسوب کیا۔ یہ بھی ایک بیہودہ گمان ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ جس شخص کو اس کا رب معجزات دکھائے اور وہ شخص ہمیشہ اسی کی طرف دعوت دیتا ہو اور وہ اپنے رب کے ساتھ یہ گمان رکھے۔

تزویج مراد تھی لوط علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ یہ میری بیٹیاں زیادہ پاکیزہ ہیں۔ اس سے اُن کا مطلب نکاح کر دینے کا اور محل مباح میں جماع کرنے کا ہے۔ لہذا جو ہم نے کہا وہ ثابت ہو گیا۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ وہ جس منکر و فعل بد سے اُنھیں منع کریں اُسی کی اُنھیں دعوت دیں۔ لوط علیہ السلام کے بارے میں کلام ختم ہوا۔

برادران یوسف علیہ السلام

ان لوگوں نے برادران یوسف علیہم السلام کے فعل سے اور ان کے

اپنے بھائی کے فروخت کرنے سے اور ان کے اپنے والد سے جھوٹ بولنے سے استدلال کیا ہے۔ حالانکہ اس میں بھی ان لوگوں کے لئے کوئی حجت نہیں ہے۔

برادران یوسف علیہ السلام انبیاء نہ تھے

اس بارے میں کہ یہ لوگ انبیاء تھے۔ نہ کوئی نص قرآن ہے نہ حدیث۔ نہ اجماع۔ نہ کسی صحابی کا قول۔ یوسف صلی اللہ علیہ وسلم بیشک بنص قرآن اللہ کے رسول تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینٰت فما زلتم فی شك مما جاءکم به۔ حتیٰ اذا هلك قلتم لن یبعث الله من بعده رسولا" (اور اس کے قبل یوسف علیہ السلام تم لوگوں کے پاس معجزات لیکر آ چکے ہیں۔ وہ جو کچھ لائے تھے تم لوگ برابر اس میں شک کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم لوگ کہنے لگے کہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ ہرگز کسی رسول کو نہ بھیجے گا۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے افعال اس کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ کبائر سے بچتے نہ تھے تو پھر وہ انبیاء کیسے ہو سکتے ہیں۔ دونوں رسولوں نے یعنی اُن کے باپ اور بھائی نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی تھی اور اُن سے ملامت ترک کردی تھی۔

جو یہ دعوی کرتا ہے کہ یہ لوگ انبیاء تھے اور ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ جھوٹ ہے برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے جو اس نے ان کے بھائی رسول علیہ السلام کے قول کی حکایت کے طور پر بیان کیا ہے کہ انھوں نے ان لوگوں سے فرمایا کہ "انتم شر مکانا" (تم لوگ بدترین درجے کے ہو)۔ یہ جائز نہیں کہ وہ ایسے انبیاء میں سے کسی نبی سے کہتے۔ نہ صالحین کی جماعت سے یہ کہنا جائز ہے۔ کیونکہ انبیاء کی توقیر اور تعظیم تمام انسانوں پر فرض ہے اور اس لئے کہ صالحین بھی بدترین درجے کے لوگ نہیں ہوتے۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے نے اپنے والد کی جتنی نافرمانی کی وہ اُس سے بہت زیادہ ہے جو برادران یوسف نے اپنے

والد کی نافرمانی کی۔ مگر برادران یوسف نے کفر نہیں کیا۔ کسی مسلم کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو انبیا میں داخل کرے جس کی صحت نبوت کے متعلق کوئی نص یا اجماع یا جماعت عامہ کی روایت نہ ہو۔ جس کی نبوت ثابت نہ ہو اس کی نبوت کی تصدیق میں اور جس کی نبوت ثابت ہو اس کی نبوت کی تکذیب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر یہ لوگ اس بارے میں وہ روایت بیان کریں جو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے آئی ہے کہ ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات محض اس لئے ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہونیوالا نہ تھا اور انبیاء کے بیٹے بھی انبیا ہوتے ہیں۔ تو یہ شدید غفلت اور عالم کی زلت ولغزش ہے۔ جس کے چند وجوہ ہیں۔

اولاً۔ یہ وہ دعویٰ ہے جس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں۔

دوم۔ اگر ایسا ہوتا جو انہوں نے بیان کیا تو ضرور یہ ممکن تھا کہ ابراہیم بھی گہوارے ہی میں نبی بنا دیے جاتے۔ جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی بنا دیے گئے۔ اور جیسا کہ حضرت یحییٰؑ کو طفلی ہی میں حکم عطا کر دیا گیا۔ اس قول کی بنا پر تو ممکن ہے کہ ابراہیم نبی ہی ہوں۔ اور وہ دو ماہ کم دو برس زندہ رہے۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

سوم۔ فرزند نوحؑ کافر تھا۔ قرآن میں تصریح ہے کہ اس کے عمل صالح نہ تھے۔ اگر انبیا کے بیٹے انبیا ہی ہوتے تو یہ کافر بھی جس پر اللہ تعالیٰ کا غصہ تھا نبی ہوتا۔ معاذ اللہ منہا۔

چہارم۔ اگر ایسا ہوتا تو لامحالہ یہ لازم آتا کہ آج تک کے تمام یہود انبیا ہوں۔ بلکہ روئے زمین کے تمام انسان انبیا ہوں۔ اس لئے کہ لازم آتا ہے کہ تمام اولاد آدمؑ ان کی صلب کی وجہ سے انبیا ہوں اس لئے کہ ان سب کے باپ نبی تھے۔ اور آدمؑ کی اولاد کی اولاد بھی انبیا ہوں اس لئے کہ ان لوگوں کے باپ انبیا تھے اور یہ لوگ انبیا کی اولاد ہیں اور اسی طرح ہمیشہ ہو۔ یہانتک کہ معاملہ ہم تک پہنچ جائے گا۔ اس میں وہ کفر ہے

جس پر حجت و دلیل قائم ہے۔ اور اس پر وہ چیز ثابت ہوتی ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

ازالۂ اشتباہ

جو جاہل ہے شاید دو مرتبہ وہ ہمارے متعلق یہ کہے کہ یہ براوران یوسف کی نبوت سے تو منکر ہیں اور مجوس کے نبی کی اور والدۂ موسیٰ و والدۂ عیسیٰ و والدۂ اسحاق علیہم السلام کی نبوت کو ثابت کرتے ہیں۔ بتوفیق الہٰی ہم کہتے ہیں اور اسی کا دامن پکڑتے ہیں کہ ہم اُس کی نبوت کا اقرار نہیں کرتے جس کی نبوت کی اللہ تعالیٰ نے خبر نہ دی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی نبوت پر تصریح نہ فرمائی ہو اور جماعت عامہ نے جماعت عامہ سے علی الاتصال جس کے معجزات نبوت ہم سے نقل نہ کئے ہوں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہوا ہو۔ بلکہ ہم اُس کی نبوت کو رد کرتے ہیں جس کی نبوت کے بطلان پر برہان قائم ہو۔ اس لئے کہ جس کی یہ صفت ہو اُس کی نبوت کی تصدیق کرنا اللہ تعالیٰ پر افتراء و بہتان ہے جس پر کوئی مسلم پیشقدمی نہیں کر سکتا۔ ہم اُس شخص کی نبوت کو رد نہیں کرتے جس کے متعلق قرآن میں آیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے نبی بنایا۔

والدات موسیٰ و عیسیٰ و اسحاق کی نبوت

والدۂ موسیٰ و عیسیٰ و اسحاق علیہم السلام کے متعلق قرآن میں آیا ہے کہ ان میں بعض سے تو نذریعۂ وحی خطاب کیا گیا اور بعض کو اللہ تعالےٰ کی جانب سے ہونے والی بات کی پہلے سے خبر دیدی گئی۔ یہی نبوت ہے جس کے سوا نبوت اور کوئی چیز نہیں۔ لہذا ان بیویوں کی نبوت نص قرآن سے ثابت ہوگئی۔

نبی مجوس

یہ تو ثابت ہے کہ مجوسی بھی اہل کتاب ہیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جزیہ لیا ہے اللہ تعالیٰ نے سوائے اہل کتاب کے آپ کو اور کسی سے جزیہ لینے کی اجازت نہیں دی۔ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ منسوب کرے کہ آپ نے غیر اہل کتاب سے جزیہ لیا تو اس نے یہ منسوب کر دیا کہ آپ نے

اپنے رب کی مخالفت کی۔ اور ایسے بڑے کام کی طرف پیشقدمی فرمائی جس سے مومنین کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ چونکہ ہم اس یقین پر ہیں کہ وہ لوگ اہل کتاب ہیں لہذا یہ تو قطعاً ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب غیر نبی پر نازل ہوئی ہو کہ وہ اُس کتاب کی تبلیغ کرے۔ لہذا برہان ضروری سے ثابت ہو گیا کہ ان لوگوں کے لئے بھی یقیناً کوئی نبی مرسل تھا اور اس کے باوجود بھی اُس رسول سے بڑی بڑی عام جماعتوں نے معجزات انبیا نقل کئے ہیں۔

جو چیز جماعت عامہ اس شرط پر بیان کرے کہ اُس چیز پر اُن کا متفق ہونا ممکن نہ ہو تو اُس نقل وبیان کا قبول کرنا واجب ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں جو امور کفار کی جماعتیں نقل کریں جو مسلمین کی جماعتیں نقل کریں جن کا ان کے حواس نے مشاہدہ کیا ہے۔

جو یہ کہے کہ ہم تو صرف اُسی کی تصدیق کریں گے جن کو مسلمین کی جماعتیں نقل کریں۔ تو ہم اس سے دریافت کریں گے کہ اس کے نزدیک بادشاہان روم کی موت کیسے صحیح ہے جن کے پاس ایک بھی مسلم موجود نہ تھا۔ اس کو صرف یہود نے نصاریٰ سے نقل کیا ہے۔ اس قسم کے واقعات بہت ہیں۔ اگر وہ اس کی تکذیب کرے گا تو خود اپنے آپ کو اور اپنی عقل کو مغالطہ دے گا اور اپنے حواس کی مخالفت کرے گا۔

ہمیں معلوم ہے کہ مسلمین بھی جماعت عامہ کی نقل وروایت کو ان کے ہاتھوں میں جو دین ہے اُس کی صحت کی تحقیق کو ثابت مانتے ہیں ہم نے جماعت عامہ کے نقل کرنے سے مسلمین کا ہدایت پر ہونا معلوم کیا۔ ہم اسلام کے سبب سے جماعت عامہ کی نقل وروایت کی صحت کو نہیں جانتے بلکہ یہ تو دلیل واضطرار عقل سے معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگلوں نے لکھا ہے۔ اور فرمایا ہے" ورسلا قد قصصنا ھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک (اور اے نبی ہم نے کچھ رسولوں کے حالات آپ سے بیان کئے ہیں اور کچھ رسولوں کے حالات

آپ سے بیان نہیں کئے ہیں۔) اور یہی کافی ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

یوسف علیہ السلام

ان لوگوں نے یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائی کو پکڑ لینا اور اُس کی وجہ سے اپنے والد علیہ السلام کو پریشانی و وحشت میں ڈالنا بھی بیان کیا ہے۔ کہ وہ ایک ایسی مدت تک مقیم رہے جس میں انھیں اس کی قدرت تھی کہ وہ اپنے والد کو اپنی خبر سے آگاہ کر دیتے۔ جانتے تھے کہ ان کے والد کو ان کا کسقدر شدید صدمہ ہے۔ مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ حالانکہ ان کے اور ان کے درمیان صرف دس رات کے سفر کی مسافت تھی۔ انھوں نے بادشاہ کا پیمانہ اپنے بھائی کے بیگ میں رکھوا دیا اور ان کے دوسرے بھائیوں کو اس کا علم نہیں ہوا کسی کو حکم دیا کہ وہ یہ پکارے کہ اے قافلے والو تم لوگ چور ہو۔ حالانکہ ان لوگوں نے کچھ بھی نہیں چرایا تھا۔

اللہ تعالی نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ "ولقد همت به وهم بها لولا ان رای برهان ربه" (اور بیشک زلیخا ان کے ساتھ ارادہ کر چکی تھیں۔ اور اگر یوسف اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو یہ بھی ضرور ان کے ساتھ ارادہ کر لیتے)

انھوں نے فرعون کی خدمت کی۔ اور جو شخص قید خانہ میں ان کے ساتھ تھا اُس سے کہا کہ اپنے رب کے یہاں ہمارا ذکر کرنا۔

ان تمام امور میں سے کسی میں بھی ان کے لئے کوئی حجت و دلیل نہیں۔ ہم اس کو اللہ تعالی کی مدد و قوت سے بیان کرتے ہیں چنانچہ ہم کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالی ہی ہماری مدد کرتا ہے۔

بھائی کو روک لینا یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائی کو پکڑ لینا اور اس کے سبب سے اپنے والد کو پریشانی میں ڈالنا تو اس میں

کوئی شک نہیں کہ یہ محض اس لئے تھا کہ اپنے بھائی کے ساتھ مہربانی کریں اور تاکہ اُن کے بھائی اُن کے پاس واپس آئیں۔ اور شاید یہ لوگ اگر برادر یوسفؑ کو لے جاتے تو دوبارہ یوسفؑ کے پاس نہ آتے۔ یہ ایک دوسری سلطنت میں رہتے تھے جہاں یوسف علیہ السلام کی اور بادشاہ مصر کی حکومت نہ تھی۔ غرض یہ تھی کہ یہ طریقہ حضرت یوسفؑ کے اور ان سب کے اکٹھا ہونے کا سبب بنے۔

جس کو علم ومعرفت تاویل دیگئی ہے اُسے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوائے بہترین وجوہ کے کوئی اور گمان کرے۔ اور ہمارے مخالف کے پاس ہمارے مذکورہ بالا بیان کے خلاف کوئی نص نہیں ہے۔ کسی بزرگ مسلمان کے متعلق اپنے والد کی نافرمانی کا گمان کرنا جائز نہیں۔ بھلا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

دلیل بے خبری

یہ گمان کہ حضرت یوسفؑ اتنی مدت تک مقیم رہے جس میں انھیں اپنے والد کو اپنی خبر سے آگاہ کرنے کا پورا موقع تھا۔ اور انھوں نے یہ نہیں کیا۔ تو یہ اس گمان کرنے والے کا شدید جہل ہے اس لئے کہ حضرت یعقوب شہر کنعان میں تھے جو فلسطین کا علاقہ تھا اور ایک ایسی قوم میں رہتے تھے جو کجاوہ بنانے والوں اور جھونپڑیوں میں رہنے والوں کی تھی۔ جہاں کی زبان بھی دوسری تھی۔ حکومت بھی دوسری تھی۔ دین بھی دوسرا تھا۔ اور قوم وامت بھی دوسری تھی۔ جس طرح اس زمانے میں ہمارے درمیان اور اُن لوگوں کے درمیان جو ہمارے مضافات میں نصاریٰ کے شہروں میں رہتے ہیں۔ مثلاً فالیش وغیرہ۔ یا مثلاً صحرائے بربر۔

یوسف علیہ السلام کو اپنے والد سے جدا ہونے کے بعد اس کا علم نہ تھا کہ اُن کے والد کیا ہوئے۔ نہ یہ معلوم تھا کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے۔ زائد سے زائد انھیں اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بھائیوں کو ان کے اُس برتاؤ سے آگاہ کرے گا جو انھوں نے

حضرت یوسفؑ کے ساتھ کیا ہے۔ حضرت یوسفؑ کو کوئی ایسا معتبر شخص نہ ملا جسے وہ مذکورۂ بالا اختلاف کی وجہ سے والد کے پاس بھیجتے۔ وہی شخص اسے آسان سمجھتا ہے جو اس زمانے میں دیکھتا ہے کہ ملک شام و مصر ایک ہی امیر اور ایک ہی مذہب اور ایک ہی قوم و امت اور ایک ہی زبان رکھتا ہے۔ راستہ بھی ایسا ہے جس میں لوگ بکثرت چلتے ہیں۔ تجار کی آمد و رفت رہتی ہے اور ہمسفر جاتے آتے رہتے ہیں۔ اس زمانے میں حالت ایسی نہ تھی۔

دلیل یہ ہے کہ جیسے ہی امکان کی سبیل نظر آئی انھوں نے اس میں تاخیر نہیں کی۔ جس وقت لوگوں کو اُن کی ضرورت ہوئی۔ اُس قحط کی وجہ سے لوگ اُن کے مطیع ہو گئے جو ملک میں پھیل گیا تھا اور اُن کے پاس سے غلہ لیجاتے تھے تو انھوں نے اپنے والد کو اور اپنے تمام خاندان کو بلوالیا۔ وہ اپنے رب کے اُس وعدے کے منتظر رہے جو اُس وقت کیا تھا جب ان لوگوں نے انھیں کنویں میں ڈالا تھا۔ یہ لوگ حضرت یوسفؑ کے پاس عاجزی و رغبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کے مطابق آئے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کے خواب میں ان لوگوں کے آنے سے پہلے کیا تھا ہم نے بشاکس و افرنج کے اکثر رئیسوں کا مشاہدہ کیا ہے کہ اگر اسے اپنے والدین کے بلانے کی قدرت ہوئی تو اُس نے اس میں سب سے زائد عجلت کی۔ لیکن جب انھیں کوئی ایسی دشواری پیش آگئی جو ممکن سے ممتنع کی طرف لے گئی تو باز رہے۔ یہی حالت یوسف علیہ السلام کی بھی تھی۔

پیمانے کی چوری

یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں سے یہ فرمانا کہ بیشک تم لوگ چور ہو۔ حالانکہ انھوں نے پیمانہ نہیں چرایا تھا۔ بلکہ خود حضرت یوسف ہی نے اُسے ان لوگوں کو چھوڑ کے اپنے بھائی کے بنگ میں رکھوا دیا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے سچ فرمایا اس لئے کہ ان لوگوں نے حضرت یوسفؑ کو اُن کے والد سے چرا کے فروخت کر ڈالا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ تم لوگوں نے پیمانہ چرایا۔ صرف یہی فرمایا کہ ہمیں بادشاہ کا پیمانہ نہیں ملتا۔ وہ یہ کہنے میں سچے تھے۔

اس لئے کہ وہ اُس کے پانے والے نہ تھے۔ اور وہ پیمانہ ان کے پاس موجود نہ تھا۔ لہٰذا بلاشک وہ اُس کے گم کرنے والے اور نہ پانے والے تھے۔

خدمت فرعون

حضرت کا فرعون کی خدمت کرنا تو آپ نے محض خوف سے اُس کی خدمت کی اور اُس حق کے سبب سے کی جو اللہ تعالیٰ نے ان کی حسن تدبیر سے آزاد کرا دیا۔ ممکن ہے کہ بادشاہ یا اُس کے بعض خاص ارکان اُن پر ایمان لے آئے ہوں۔ سوائے اس کے کہ آپ کا اُس کی خدمت کرنا ہر حال میں بہتر اور فعل خیر اور باپ کے اکھٹا کرنے کا اور عدل و انصاف کا اور جانوں کی زندگی کا ذریعہ تھا۔ اس لئے کہ حضرت یوسف کو باہمی مقابلے میں اُس پر غالب آنے کا امکان نہ تھا۔ اور نہ اس خدمت کے سوا اور کوئی چیز ممکن تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری شریعت کے برخلاف یہ ان کی شریعت میں مباح تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا" (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور طریقہ مقرر کر دیا ہے)۔

سجدۂ والدین

اُن کے والدین کا سجدہ کرنا تو یہ بھی ان دونوں حضرات کی شریعت میں ممنوع نہ تھا۔ بلکہ یہ کار نیک تھا اور ان کے سچے خواب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت کرنا تھا۔ شاید یہ سجدہ کرنا بطور تحیت و سلام کے ہو۔ جیسا کہ ملائکہ کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا۔ جس امر میں کوئی شک نہیں وہ یہ ہے کہ یہ عبادت و تذلل کا سجدہ نہ تھا۔ اور بلاشک محض کرامت و مدارات کا سجدہ تھا۔

غیر رب سے توسل اور اس کو رب کہنا

یوسف علیہ السلام کا اپنے قید خانے والے ہمراہی سے یہ فرمانا کہ اپنے رب کے یہاں میرا ذکر کرنا۔ تو ہمیں تو معلوم نہ ہوا کہ قید سے رہائی کی خواہش کرنا کسی پر بھی حرام ہے۔ آپ کے اس قول میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے میں غفلت کی۔ اپنے قید خانے والے ہمراہی کو ایک فعل خیر کی ترغیب دی اور اُسے اس پر آمادہ کیا۔ یہ دو وجہ سے فرض تھا۔ ایک تو

۱۰

اس وجہ سے کہ اپنے سے ظلم کے روکنے کی سعی کرنا واجب ہے۔
دوم اس لئے کہ اُسے خیر و حسنات کی دعوت دینا تھی۔
اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ " فانساہ الشیطان ذکر ربہ " (پھر شیطان نے اس قیدی کو اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا) تو وہ ضمیر جو " انساہ " میں ہے اور وہ " ھا " ہے وہ اس نوجوان کی طرف راجع ہے جو حضرت یوسف کے ساتھ قید خانے میں تھا۔ یعنی شیطان نے اُسے یہ بھلا دیا کہ وہ یوسف علیہ السلام کے حال کا اپنے رب سے ذکر کرتا۔ اس کا احتمال بھی ہے کہ شیطان نے اُسے اللہ کا ذکر بھلا دیا ہو۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا تو یوسف علیہ السلام کی حاجت بھی ضرور یاد کرتا۔ برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے " وادکر بعد امۃ " (اور اس نوجوان نے ایک زمانے کے بعد یاد کیا) لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ جو چیز ایک زمانے کے بعد یاد آئی وہ وہی چیز تھی جس کو اُس کے رب سے ذکر کرنے کو شیطان نے بھلا دیا تھا یہاں تک کہ اس نے یاد کیا۔
اگر " انساہ " کی ضمیر یوسف علیہ السلام ہی کی طرف راجع ہو تو اس میں نہ کوئی نقص ہے نہ گناہ۔ اس لئے کہ جو نسیان سے ہوتا ہے وہ انبیاء سے بعید نہیں ہے۔

یوسفؑ و زلیخا کے ارادے

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ " زلیخا نے یوسفؑ کے ساتھ ارادہ کر لیا تھا اور وہ بھی زلیخا کے ساتھ ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی برہان کو نہ دیکھتے "۔

ایسا نہیں ہے جیسا گہری نظر نہ ڈالنے والے نے گمان کیا ہے۔ یہاں تک کہ متاخرین میں سے ایک شخص نے کہہ دیا کہ وہ زلیخا کے اُس مقام پر بیٹھ گئے جو مقام مرد کے عورت کے پاس بیٹھنے کا ہے۔ معاذ اللہ۔ یہ گمان تو مسلمانوں کے مرد صالح یا مستور الحال کے متعلق بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیسے کیا جا سکتا ہے۔

تحقیق اثر ابن عباسؓ

اگر کہا جائے کہ اس کو تو نہایت صحیح اور عمدہ سند سے

حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا گیا ہے تو ہم کہیں گے کہ ہاں۔ سوائے اس کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور کسی کے قول میں حجت نہیں اس روایت میں جو شخص ابن عباسؓ سے نیچے ہے بلاشک اس کا وہم ہے۔ شاید ابن عباس نے بھی اس کا یقین نہ کیا ہو۔ کیونکہ انہوں نے بھی اسے اس شخص سے لیا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ وہ چیز ہے جس کو ابن عباسؓ نے سنکر بیان کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس واقعے کے وقت موجود نہ تھے۔ انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان نہیں کیا ہے۔ یہ محال ہے کہ ابن عباسؓ اس چیز کا یقین کر لیں جس کا انھیں علم نہ ہو۔ آیت کے معنی دو میں سے ایک وجہ سے آیت کے معنی تجاوز نہیں کر سکتے، یا تو انہوں نے زلیخا کے گرادینے اور مارنے کا ارادہ کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وھمت کل امۃ برسولھم لیاخذوہ" (ہر امت نے اپنے رسول کے متعلق ارادہ کیا کہ اسے پکڑ لیں)۔ جس طرح کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ارادہ کر چکا ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس وجہ سے اس سے باز رہے جو انھیں اللہ تعالیٰ نے دکھادی تھی جس کے باعث وہ زلیخا کو مارنے سے بے نیاز ہو گئے۔ انہوں نے جان لیا کہ بھاگنا ان کے لئے زیادہ مناسب اور ان کی براءت کو زیادہ ظاہر کرنے والا ہے۔ جیسا کہ بعد کو شاہد کے قمیص پھٹنے کی حالت سے فیصلہ کرنے سے ظاہر ہوا۔

وجہ ثانی یہ ہے کہ "ولقد ھمت بہ" پر کلام تام ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری خبر شروع کی اور فرمایا "وھم بھا لولا ان راٰی برھان ربہ" (اور اگر یوسف برہان ربانی نہ دیکھتے تو وہ بھی زلیخا کے ساتھ ارادہ کر لیتے)۔ یہ بلا تکلف تاویل ظاہر آیت ہے اور ہم اسی کے قائل ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

یہ آیت پڑھی "ذلك ليعلم انى لم اخنه بالغيب" (یہ اس لئے ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی غیبت میں خیانت نہیں کی ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یوسف علیہ السلام نے یہ کہا تو جبریل نے ان سے کہا کہ اپنے قصد اور ارادے کو یاد کرو یوسف نے کہا کہ "وما ابرئ نفسي ان النفس لامارة بالسوء" (اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا۔ کیونکہ نفس تو برائی ہی کا حکم دینے والا ہے)۔ ۱۱

اس حدیث میں کسی معنی کے طور پر بھی بدکاری کے قصد کا ثبوت نہیں ہے۔ اس میں یہ ہے کہ انھوں نے کسی امر کا قصد کیا تھا۔ اور یہ صحیح ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ لہذا یہ اعتراض بھی رد ہو گیا۔ اور وجہ اول وثانی دونوں ثابت ہو گئیں سوائے اس کے کہ بدکاری کا قصد باطل ہے جو ہر حال میں قطعی ہے۔

یہ ثابت ہو گیا کہ یہ قصد اپنے آقا اور رسیدہ کا مارنا تھا۔ یہ بھی اپنے آقا و مولیٰ کی خیانت تھی۔ کیونکہ اس کی بیوی کے مارنے کا قصد تھا۔ یہاں برہان رب نبوت اور اللہ تعالیٰ کا انھیں بچانا ہے۔ اگر یہ برہان نہ ہوتو وہ بھی ضرور بدکاری کا قصد کرتے۔ یہ وہ امر ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ شاید جو شخص نبی مقدس یوسفؑ کی طرف اسے منسوب کرتا ہے وہ اپنے رذیل نفس کو اس قسم کے مقام سے پاک بتائے اور ہلاک ہو جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی ہلاکت کا اندیشہ کیا ہے جو آپ کی نسبت اس قسم کا گمان کرے۔ کیونکہ جب آپ کو دو انصاری ملے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ صفیہؓ ہیں۔

ارادۂ زنا یہ باطل و ممتنع ہے کہ کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کرے کہ یوسف علیہ السلام نے زنا کا قصد کیا تھا۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سنتا ہے کہ "كذلك لنصرف عنه السوء والفحشاء" (اسی طرح تاکہ ہم بدی و فحش سے یوسفؑ کو دور رکھیں) ہم اس سے دریافت کرتے ہیں جو قصد زنا کے متعلق ہمارا مخالف ہے کہ یہ بدی ہے یا بدی نہیں ہے۔ بدی کہنا ضروری ہے۔ اور اگر یہ کہے کہ بدی نہیں ہے تو وہ

اجماع کا مخالف ہے۔ چونکہ یہ بدی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے بدی کو دور رکھا تو اُس نے یقیناً اس قصد کو دور رکھا۔

زلیخا نے کہا تھا کہ جو تیری بیوی کے ساتھ بدی کا ارادہ کرے اُس کی کیا سزا ہے؟ یوسف نے اس کا انکار کیا۔ پھر ایک سچے اور سچا بتانیوالے نے شہادت دی کہ اگر یوسفؑ کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے تو زلیخا جھوٹی اور اور وہ سچے ہیں۔ لہذا نص قرآن سے ثابت ہو گیا کہ زلیخا جھوٹی تھیں۔ اور جب بنص قرآن وہ جھوٹی ہوئیں تو ہرگز یوسفؑ نے ان کے ساتھ بدی کا ارادہ نہیں کیا۔ لہذا اُنھوں نے ہرگز زنا کا ارادہ نہیں کیا۔ اگر وہ زلیخا کیساتھ زنا کا ارادہ کرتے تو وہ سچی ہوتیں۔ یہ بہت ہی واضح ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یوسف علیہ السلام کی طرف سے یہ فرمانا کہ اُنھوں نے کہا کہ "والا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن واکن من الجاھلین۔ فاستجاب لہ ربہ فصرف عنہ کیدھن" (اور اگر تو ان عورتوں کے مکر کو مجھ سے دور نہ کرے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں ہو جاؤں گا۔ پھر اُن کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی اور اُن سے اُن عورتوں کے مکر کو دور کر دیا)۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ کبھی زلیخا کی طرف مایل نہیں ہوئے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ یوسف علیہ السلام کے بارے میں کلام تمام ہوا۔

موسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ

فارغدلی کے معنی

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا قول بیان کیا ہے "واصبح فواد ام موسیٰ فارغا۔ ان کادت لتبدی بہ لولا ان ربطنا علیٰ قلبھا" (اور والدۂ موسیٰ کا دل فارغ و بیفکر ہو گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے

ان کے قلب کو مطمین نہ کر دیا ہوتا تو قریب تھا کہ وہ (مارے خوشی کے) اس کو ظاہر کر دیتیں (کہ موسیٰؑ دریا میں غرق نہ ہوں گے بلکہ فرعون انھیں نکالکے ان کی پرورش کرے گا)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ موسیٰ کی فکر سے فارغ ہو گیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ موسیٰ کو ان کے پاس واپس کر دے گا۔ فرمایا تھا کہ" انا رادوہ الیك وجاعلوہ من المرسلین" (بیشک ہم موسیٰ کو تمھارے پاس واپس کر دیں گے اور انھیں رسُول بنائیں گے)۔ یہ محض باطل ہے کہ جس بیوی سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے ان کے پاس واپس کر دینے کا ذمہ لیا ہو اس کے بعد وہ اُن بیوی کے قلب کو موسیٰؑ کے حال کی فکر میں مشغول کرے۔ یہ بات تو کسی صاحبِ عقل کے گمان میں بھی نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے معنی یہی ہیں کہ وہ خوشی کے مارے اُسے ظاہر کر دیتیں جو اللہ نے اپنے فضل سے اُنھیں عطا فرمایا تھا۔ اُن کا موسیٰؑ کی بہن سے یہ کہنا کہ موسیٰؑ کے قریب جاؤ۔ یہ محض اس لئے تھا کہ وہ اُن کی بہن کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وہ کیفیت دکھائیں جو موسیٰ علیہ السلام کے اپنے دشمن فرعون کے ہاتھ لگنے کے بعد اس کے ہاتھوں سے اُن کے رہا کرانے میں ظاہر ہوتی ہے۔ کہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہو جو اُس نے موسیٰ کے ان کے پاس واپس کرنے کا کیا تھا۔ والدہ موسیٰ نے موسیٰ کی بہن کو وحی کی وجہ سے بھیجا کہ وہ موسیٰ کو واپس لائیں۔

حضرت ہارُون پر غیظ و غضب

ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول بیان کیا ہے کہ موسیٰ نے اپنے بھائی کے سر کو پکڑ کے اپنی طرف گھسیٹا تو ہارونؑ نے کہا کہ اُے میری ماں کے بیٹے میری داڑھی اور سر کو نہ پکڑو۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ اپنے بھائی کی داڑھی اور ان کے بال پکڑنا معصیت ہے۔ حالانکہ وہ بھی انھیں کی طرح نبیؑ تھے۔ عمر میں بھی ان سے بڑے تھے اور اُن کی کوئی خطا بھی نہ تھی۔

یہ ایسا نہیں ہے جیسا ان لوگوں نے گمان کیا ہے۔ یہ دو وجوہ سے

خارج نہیں۔

اولاً موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بھائی کے سر کو پکڑنا اس لیے تھا کہ وہ ان کے چہرے کو اپنے سامنے کریں۔ اور ان پر عتاب کریں کیوں کہ لوگوں کو جب دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پیچھے جانے اور انھیں تلاش کرنے سے باز رہے۔ موسیٰؑ نے اپنے بھائی کے بال کبھی نہیں پکڑے کیوں کہ آیت میں یہ ہرگز نہیں ہے۔ جو آیت میں اس کا اضافہ کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا۔

ہارون علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا غصہ بڑھتا ہی جاتا ہے تو انھیں موسیٰ علیہ السلام کی سبقت اور غلبے کا اندیشہ ہوا اور انھوں نے اس کلام کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کو اس امر سے واقف کرنا چاہا جس کا انھیں موسیٰؑ سے خوف تھا کہ وہ آگے یہ نہ کہیں کہ تم نے میرا انتظار کیوں نہ کیا اور بنی اسرائیل میں نااتفاقی پیدا کرا دی) اس آیت میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے ہمارے بیان مذکورۂ بالا کے خلاف ثابت ہوتا ہو۔ اور نہ موسیٰؑ نے کبھی اپنے بھائی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

وجہ ثانی یہ ہے کہ جب ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دیکھا کہ یہ گمراہ ہو گئے تو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے طور پر جا کے ملنے میں تاخیر کی جس کی وجہ سے وہ موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں قابل اعتراض تھے تو انھوں نے اعتراض کے طور پر اُن کا سر پکڑا۔ اگر ایسا ہوا تو اس لیے ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اپنے رب کی ناراضی کی وجہ سے اور اسی فعل سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قصد کر کے کیا۔ ہم اس کو انبیا علیہم السلام سے بعید نہیں جانتے ہم محض اس قصد معصیت کو بعید جانتے ہیں جس کو وہ حضرات جانتے ہوں کہ یہ معصیت ہے۔ یہ وہی معنی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ "والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین (اور اللہ کی وہ ذات ہے جس سے میں آرزو کرتا ہوں کہ وہ روزِ جزا میری خطاؤں کی مغفرت کر دے گا) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "لیغفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر (تاکہ آپ سے جو خطا پہلے یا بعد میں ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے) خطائے مذکور اور وہ گناہ

جو معاف کر دیے گئے صرف وہی ہیں جو نسیان اور بھول سے واقع ہوئے یا اللہ تعالیٰ کی طرف اراد ۂ خیر سے ہوئے مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے موافق نہ ہوئے۔

خضرؑ پر اعتراض قتل ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام نے جو حضرت خضرؑ سے کہا تھا اسے بیان کیا ہے "اقتلت نفس ذکیۃ بغیر نفس (کیا آپ نے ایک بے گناہ جان کو بغیر جان کے قتل کر دیا) موسیٰ علیہ السلام نے ایک شے پر اعتراض کر دیا جسے وہ جانتے نہ تھے حالاں کہ خضر ان سے عہد لے چکے تھے کہ کوئی بات نہ دریافت کریں گے تا وقتیکہ خضرؑ خود ہی ان سے اس کا ذکر نہ کریں۔

اس واقعے میں بھی ان لوگوں کے لیے کوئی حجت نہیں ہے اس لیے کہ یہ بطور نسیان کے ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے خود ہی اپنے قول میں بیان کیا ہے کہ لاتواخذنی بما نسیت ولاترھقنی من امری عسرا" (جو میں بھول گیا اس پر میری گرفت نہ کیجیے اور میرے ساتھ تنگی و دشواری نہ برتیے) موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضرؑ سے یہ خواہش کی کہ وہ ان کے نسیان پر ان سے مواخذہ نہ کریں۔ خضرؑ کا نسیان پر موسیٰؑ سے مواخذہ کرنا ہمارے قول کی صحت کی دلیل ہے کہ انبیا علیہم السلام سے نسیان پر بھی مواخذہ کیا جاتا ہے اور اس پر بھی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کا قصد کرتے ہیں مگر وہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد تک نہیں پہنچے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ظاہر حال کی بنا پر گفتگو فرمائی۔ انھوں نے یہ اندازہ کیا کہ لڑکا بے گناہ ہے کیوں کہ انھیں اس کے کسی گناہ کا علم نہ تھا۔ خضر کے پاس اس لڑکے کے کفر اور اس کے استحقاق قتل کا علم جلی تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس معاملے میں اپنے کلام سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی و رحمت کا اور اس امر پر اعتراض کا قصد کیا جس کی وجہ کا انھیں علم نہ تھا۔

ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بیان کیا ہے کہ "فعلتہا وانا من الضالین" (میں نے اس کو کیا (یعنی ایک قبطی کو قتل کیا) اور میں گمراہوں میں تھا) یہ قول صحیح ہے۔ ان کا یہ حال قبل نبوت کا ہے۔ کیوں کہ وہ ان امور سے گمراہ تھے جن کی انھیں بعد نبوت ہدایت کی گئی۔

ضلالت کس کو کہتے ہیں ضلال کے معنی علم سے غائب رہنا ہیں۔ جیسا کہ تم کہو کہ "اضللت بعیری" (میں نے اپنا اونٹ گمراہ کر دیا یعنی وہ میرے علم سے غائب ہے)۔ نہ کہ ضلال کے معنی گناہ کا قصد کرنا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے" ووجدک ضالا فھدیٰ" (یعنی آپ کو ضال وناواقف پایا پھر آپ کو اس نے ہدایت کی) یعنی معرفت سے ضال وناواقف پایا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

خدا بینی کی خواہش ان لوگوں نے بنی اسرائیل کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول بیان کیا ہے کہ "فقد سألوا موسیٰ اکبر من ذلک فقالوا ارنا اللہ جھرۃ فاخذتھم الصاعقۃ بظلمھم" (بنی اسرائیل نے موسیٰ سے اس سے بھی بڑھ کر درخواست کی۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں کھلم کھلا اللہ کو دکھا دیجیے۔ پھر ان کے ظلم کی وجہ سے انھیں ایک کوندے نے گھیر لیا) موسیٰؑ نے بھی اپنے رب سے اسی قسم کا سوال کیا تھا کہ " رب ارنی انظر الیک۔ قال لن ترانی" (اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ میں تجھے دیکھوں، اللہ نے فرمایا کہ تم ہرگز مجھے نہ دیکھ سکو گے) موسیٰؑ نے بھی اس امر کی درخواست کی جس پر ان سے پہلے اسی امر کے خواستگاروں کو سزا دی جا چکی تھی اس میں بھی ان کے لیے حجت نہیں۔ اس لیے کہ یہ بھی دو وجہ کی بنا پر خارج ہے۔

اولاً موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی دیدار الٰہی کی درخواست سے پہلے درخواست کی اور انھیں پہلے سے یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی درخواست جایز نہیں۔ لہٰذا اس میں کوئی خرابی نہیں۔ اس لیے کہ انھوں نے ایک بڑی فضیلت کی درخواست کی تھی جس سے وہ اپنے رب کے یہاں اپنے مرتبے کی بلندی کے خواہاں تھے۔

وجہ ثانی یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے تو طعن کے طور پر اور اللہ تعالیٰ کے وجود میں شک کر کے اس کی درخواست کی تھی اور موسیٰؑ نے اس بہتر وجہ کی بنا پر درخواست کی تھی جس کو ہم نے ابھی بیان کیا۔

یونس علیہ السلام

ان لوگوں نے یونس علیہ السلام کا حال اور ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا

باندھے گا اور اور قرآن میں وہ اضافہ کرے گا جو قرآن میں نہیں ہے۔ یہ حلال نہیں ہے جس کو ادنیٰ سی بھی عقل ہے اس کے متعلق یہ گمان کرنا جایز نہیں کہ وہ اپنے رب کو ناخوش کرے گا۔ چہ جائے کہ انبیاء میں سے کوئی نبیؑ ایسا کرے۔ لہٰذا ہمیں یقیناً معلوم ہو گیا کہ انھوں نے اپنی قوم کو ناخوش کیا اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد کے موافق نہ ہوئے اس لیے اس پر انھیں سزا دی گئی۔ اگرچہ اس سے یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کا قصد کیا تھا۔

کیا یہ بدگمانی نہیں کہ نبی پر خدا قدرت نہ پائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "فظن ان لن نقدر علیہ" (کہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے) تو جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے یہ وہ بیہودہ گمان ہے جو کسی بوڑھیا بوڑھے کے ساتھ کرنا بھی جائز نہیں سوائے اس شخص کے جو انتہائی جہالت کو پہنچا ہوا ہو۔ بھلا یہ گمان ایسے نبیؑ کے ساتھ کیسے جایز ہو سکتا ہے جو علم میں لوگوں پر فضیلت رکھتے ہوں۔ محال ہے کہ کوئی نبیؑ ایسا ہو جو یہ گمان کرے کہ جس اللہ نے اُسے اپنے دین کا رسول بنایا ہو وہ اس پر قادر نہ ہو گا۔ حالاں کہ وہ اپنے ہی جیسے آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ اس پر قادر ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اس کو ایک نبی فاضل صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہے اگر یہی چیز اس کی یا اُس کے بیٹے کی طرف منسوب کی جائے تو وہ بارے غصے کے بھڑک اُٹھے گا۔ پھر ایسی بات یونس علیہ السلام کی طرف کیسے منسوب کرتا ہے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "لا تفضلونی علی یونسؑ بن متیؑ" (مجھے یونسؑ بن متیؑ سے افضل نہ کہو)۔

اصل معنیٰ کیا ہیں

بیشک ان لوگوں کا گمان باطل ہوا اور ثابت ہو گیا کہ اس قول کے معنیٰ "فظن ان لن نقدر علیہ" یہ ہیں کہ "لن نضیق علیہ" (یعنی انھوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "واما اذا ما ابتلاہ فقدر علیہ رزقہ" (لیکن جب انسان کی آزمایش کرتا ہے اور اس پر اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے) اُن ضیق علیہ رزقہ۔ یونس علیہ السلام نے بھی یہ گمان کیا کہ ان کے اپنی قوم کے ناخوش کرنے پر اللہ تعالیٰ

قول بیان کیا ہے" وذاالنون اذ ذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ فنادیٰ فی الظلمٰت ان لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین" (اور مچھلی والے یعنی یونسؑ کو یاد کرو جب کہ وہ ناخوش کرکے گئے اور انھوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے۔ پھر انھوں نے مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں ندا دی کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ بیشک میں ظالم تھا)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کیا ہے" فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون" (پھر اگر وہ تسبیح نہ کرتے ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے) اور اپنے نبی علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول" فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت۔ اذ نادیٰ وھو مکظوم۔ لولا ان تدارکہ نعمۃ من ربہ لنبذ بالعراء وھو مذموم" (آپ اپنے رب کے حکم کی وجہ سے صبر کیجیے۔ اور مچھلی والے کی طرح نہ ہوجیے۔ جب کہ انھوں نے ندا دی اور وہ تھکے ہوئے تھے اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت ان کی دستگیری نہ کرتی تو وہ ایک ایسے میدان میں ڈال دیے جاتے جہاں پناہ کی کوئی جگہ نہ ہوتی اور اس وقت وہ قابل مذمت ہوتے)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول" فالتقمہ الحوت وھو ملیم" (پھر انھیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ قابل ملامت حالت میں تھے) ان لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناخوش کرنے سے بڑھ کر کونسا گناہ ہوگا۔ اس سے بڑا کون گناہگار ہوگا جو یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ مذمت کے مستحق تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمت ان کی دستگیری نہ کرتی۔ اور وہ ملامت کے مستحق تھے۔ انھوں نے خود اپنے متعلق اقرار کیا ہے کہ وہ ظالم تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے مثل ہونے سے منع کیا ہے۔

ان تمام باتوں میں ان کے لیے کوئی حجت نہیں۔ بلکہ وہ تو ہمارے ہی قول کی صحت کی اور ہماری حجت ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

یونسؑ کا غضب

اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا کہ یونسؑ ناخوش کرکے گئے تو انھوں نے اپنے رب کو ہرگز ناخوش نہیں کیا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھوں نے اپنے رب کو ناخوش کیا جو اس اضافے کو بڑھائے گا وہ اللہ پر بہتان

ان پر تنگی نہ کرے گا۔ کیوں کہ ان کا گمان یہ تھا کہ وہ اپنے اس فعل میں نیکوکار و محسن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مچھلی والے کے مثل ہونے سے منع کیا تو آپ کو اپنی قوم کے ناخوش کرنے سے منع فرمایا اور ان کی ایذا رسانی پر صبر کرنے اور ان کے ساتھ مہربانی کرنے کا حکم دیا۔

استحقاق مذمت و ملامت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وہ مذمت و ملامت کے مستحق تھے اگر اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت نہ ہوتی جس سے اس نے ان کی دستگیری کی تو وہ سزا کی حالت میں مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے۔ یہی تو ہم کہتے ہیں کہ انبیا علیہم السلام پر دنیا میں ان امور پر مواخذہ ہوتا ہے جن کو وہ خیر اور اللہ تعالیٰ کی قربت سمجھ کے کرتے ہیں مگر وہ ان کے رب کی مراد کے موافق نہیں ہوتے۔ اسی بنا پر یونس نے اپنے متعلق اقرار کیا کہ وہ ظالم تھے ظلم کسی شے کا اس کے غیر مقام میں رکھنا ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخوش کرنے کو اس کے غیر مقام میں رکھ دیا تو انھوں نے اس کے بارے میں ظلم کا اعتراف کیا نہ کہ اس پر کہ انھوں نے ایک چیز کا یہ جان کر ارادہ کیا کہ وہ ظلم ہے حضرت یونس کے بارے میں کلام ختم ہوا۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

داؤد علیہ السلام

لا یلزمہم الزام ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا وہ قول بیان کیا ہے جو داؤد علیہ السلام کی حکایت کے طور پر ہے "وھل اتاک نبأ الخصم اذ تسوروا المحراب اذ دخلوا علی داؤد ففزع منھم قالوا لا تخف خصمٰن بغیٰ بعضنا علیٰ بعض فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط واھدنا الیٰ سواء الصراط۔ ان ھذا اخی لہ تسع وتسعون نعجۃ ولی نعجۃ واحدۃ۔ فقال اکفلنیھا وعزنی فی الخطاب۔ قال لقد ظلمک بسؤال نعجتک الیٰ نعاجہ۔ وان کثیرًا من الخلطاء لیبغی بعضھم علیٰ بعض الا الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت وقلیل ماھم

وظن داؤد انما فتنٰہ فاستغفر ربہ وخر راکعا واناب۔ فغفرنا لہ ذلک وان لہ عندنا لزلفیٰ وحسن مآب۔ (اور کیا آپ کے پاس اہل مقدمہ کی خبر آئی ہے۔ جو دیوار پھاند کر محراب مسجد میں داخل ہوئے۔ جب وہ داؤدؑ کے پاس پہنچے تو وہ اُن لوگوں سے گھبرا گئے۔ اُن لوگوں نے کہا کہ آپ خوف نہ کیجیے۔ ہم دونوں اہل مقدمہ ہیں۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر ظلم کیا ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کا فیصلہ حق کے ساتھ کر دیجیے، اور بے انصافی نہ کیجیے گا۔ اور ہمیں راہ راست کی ہدایت فرمائیے۔ یہ جو میرا بھائی ہے اس کی ننانوے بھیڑیں ہیں اور میری ایک ہی بھیڑ ہے۔ اس نے کہا کہ یہ ایک بھی مجھی کو دے دو۔ اور میرے ساتھ اس نے سخت کلامی کی۔ داؤدؑ نے کہا کہ اس نے تمھاری ایک بھیڑ کو اپنی بھیڑوں میں ملانے کی درخواست سے تم پر ظلم کیا۔ اور اکثر شرکا آپس میں ظلم کرتے ہیں۔ سوائے اُن کے جو ایمان لائے اور انھوں نے اعمال صالحہ کیے۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور داؤدؑ کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان کیا ہے۔ انھوں نے اپنے رب سے استغفار کی اور سجدے میں گر پڑے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ تو ہم نے انھیں معاف کر دیا۔ اور ہمارے یہاں اُن کے لیے تقرب اور حسن خاتمہ ہے)۔

ہمسائی سے تعشق کی تحقیق

اللہ کا قول صحیح وصادق ہے۔ اس میں کسی چیز پر دلالت نہیں جو تمسخر کرنے والوں جھوٹوں اور خرافات سے استدلال کرنے والوں نے کہا ہے جن کو یہود نے پیدا کیا ہے۔ حالاں کہ بلاشک یہ اہل مقدمہ بنی آدم ہی کی ایک قوم تھی آیت کی نص کے مطابق دو جھگڑنے والے تھے جو درحقیقت آپس میں بھیڑوں کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے۔ جن میں سے ایک نے دوسرے پر ظلم کیا تھا۔ اور جس نے یہ کہا کہ یہ لوگ ملائکہ تھے جو عورتوں کے معاملے سے ناپسندیدگی ظاہر کرتے تھے۔ اُس نے اللہ تعالیٰ پر ایسے قول کا افترا کیا جو اُس نے نہیں کہا۔ قرآن میں وہ چیز بڑھا دی جو اُس میں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی۔ اپنے نفس خبیث پر یہ مان لیا کہ ملائکہ جھوٹ بولے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "کیا آپ کے پاس اہل مقدمہ

کی خبر آئی ہے" تو یہ کہتا ہے کہ یہ لوگ ہرگز دو جھگڑنے والے نہ تھے۔ نہ ان میں سے کسی نے کسی پر ظلم کیا تھا۔ نہ کبھی ان میں سے کسی ایک کی ننانوے بھیڑیں تھیں اور دوسرے کی ایک بھیڑ۔ نہ اُس نے اُس سے یہ کہا کہ یہ ایک بھی مجھے دے دو۔ اس سے تعجب کرنا چاہیے جس میں اہل باطل اپنے کو ڈالتے ہیں۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔ یہ سب بلا دلیل ہے۔ محض دعویٰ ہے۔ بخدا ہم میں سے ہر شخص اپنے آپ کو اور اپنے پوشیدہ ہمسایے کو اس سے بچاتا ہے کہ اپنے ہمسایے کی بیوی سے عشق کرے پھر اُس کے شوہر کو عمداً قتل کے لیے پیش کرے کہ اُس کی بیوی سے شادی کر لے۔ اسی سے بھی بچاتا ہے کہ ایک پرندہ دیکھ کر اس کے لیے اپنی نماز ترک کر دے۔ یہ افعال تو بیوقوفوں اور بے پروا لوگوں، فاسقوں اور سرکشوں کے ہیں نہ کہ اہل نیکی و تقویٰ کے افعال۔ بھلا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ افعال کیسے سرزد ہو سکتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی وحی کی اور اُن کی زبان پر اپنا کلام جاری کیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے انھیں اتنا پاک و صاف بنایا تھا کہ اس قسم کے شخص خیالات اُن کے دل میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔ ایسے افعال کی طرف کیسے منسوب ہو سکتے ہیں۔

استغفار و سجود داؤدؑ کا استغفار کرنا اور سجدے میں گرنا اور اللہ تعالیٰ کا اُن کی مغفرت کر دینا تو انبیا علیہم السلام تو سب سے زیادہ ان بزرگ افعال کے مستحق ہیں۔ استغفار تو وہ فعل خیر ہے جو نہ کسی فرشتے سے غیر مانوس و قابل اعتراض ہے نہ کسی نبی سے نہ کسی گنہگار سے نہ بے گناہ سے۔ نبی اور ملائکہ تو اہل زمین کے گنہگاروں کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ویستغفرون للذین آمنوا ربنا وسعت کل شیئ رحمة وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقھم عذاب الجحیم" (اور ملائکہ مومنین کے لیے استغفار کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تیری رحمت و علم ہر شے سے وسیع ہے تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنھوں نے توبہ کی اور تیری راہ کی پیروی کی اور ان کو عذاب دوزخ سے بچا)۔

امتحان کا گمان اللہ تعالیٰ کا داؤد علیہ السلام کے متعلق یہ فرمانا کہ داؤدؑ نے

یہ خیال کیا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے" اور یہ فرمانا کہ "پھر ہم نے انھیں اس پر معاف کر دیا"، تو داؤد علیہ السلام نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو انھیں سلطنت عظیم کی وسعت عطا فرمائی ہے تو یہ فتنہ ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قلب کو اپنے دین پر قایم رکھے۔ حضرت داؤد جب اس گمان سے برسر استغفار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس گمان کو معاف کر دیا۔ کیوں کہ یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمایا تھا یہ فتنہ نہ تھا۔

سلیمان علیہ السلام

فتنۂ سلیمانؑ سلیمان علیہ السلام کے متعلق ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے قول کا ذکر کیا ہے "ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیه جسدا ثم اناب" (اور بیشک ہم نے سلیمانؑ کو فتنے میں ڈالا تھا اور ان کی کرسی پر ایک بدن ڈال دیا۔ پھر انھوں نے رجوع کیا)۔

ان لوگوں کے لیے اس میں کوئی حجت نہیں۔ کیوں کہ "فتنا سلیمانؑ" کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہم نے انھیں سلطنت دی جس سے ہم نے ان کی طاعت کا اندازہ کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا "ان هی الا فتنتک تضل بها من تشاء وتهدی من تشاء" (یہ محض تیرا فتنہ ہے کہ اس سے جسے چاہتا ہے تو گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) بعض فتنہ وہ ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

فرمایا ہے "الم۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وهم لا یفتنون۔ ولقد فتنا الذین من قبلهم فلیعلمن الله الذین صدقوا ولیعلمن الکذبین" (کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انھیں "ہم مومن ہیں" کہنے سے چھوڑ دیا جائے گا اور وہ فتنہ و امتحان میں نہ ڈالے جائیں گے۔ اور بیشک ہم نے اُن لوگوں کو بھی فتنے میں ڈالا ہے جو ان سے پہلے تھے۔ پس ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو معلوم کرے گا جو

سچے ہیں اور ضرور بالضرور انھیں معلوم کرے گا جو کاذب ہیں)۔

فتنہ بمعنی اندازہ

یہ فتنہ اندازہ کرنا ہے کہ ہدایت یافتہ وگمراہ ظاہر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی فتنہ سلیمان علیہ السلام کے لیے جو تھا تو یہ محض اُن کا اندازہ کرنا اور معلوم کرنا تھا یہاں تک کہ اُن کا فضل ظاہر ہو گیا۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ خرافات ہیں جن کو یہود کے بد دینوں نے اور اُن کے ہمجنسوں نے پیدا کیا ہے۔

کرسی پر جسم

وہ جسد و بدن جو اُن کی کرسی پر ڈال دیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ کی اس سے جو بھی مراد ہو وہ صحیح و درست ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں وہ جیسا کچھ بھی ہو۔ اور ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا سب ہمارے رب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگر کوئی نص صحیح اس جسد کی تفسیر کے بارے میں کہ یہ کیا تھا قرآن میں آئی ہوتی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتی تو ہم اُس کے قائل ہوتے مگر چوں کہ اس کی تفسیر میں کہ یہ کیا تھا نہ کوئی نص ہے نہ حدیث صحیح۔ لہٰذا کسی کے لیے بھی اس گمان سے کہنا جایز نہیں جو اس میں جھوٹی روایت ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانے والا ہو جائے گا۔

"جن" کی روایت جھوٹی ہے

ہمیں اس شخص کے قول کے باطل ہونے میں مطلق شک نہیں جس نے یہ کہا ہے کہ وہ جسد ایک جن تھا جو حضرت سلیمانؑ کی شکل میں ہو گیا تھا۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ یہ کذب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح کی پردہ دری نہیں کرتا۔

ابر میں لڑکے کی پرورش

اسی طرح ہم اس کے قول کو بھی بعید جانتے ہیں جس نے کہا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا ایک لڑکا تھا جس کو انھوں نے ابر میں بھیج دیا تاکہ وہ اُس کی تربیت کرے۔

سلیمان علیہ السلام اس سے زیادہ جانتے تھے کہ وہ دودھ اور کھانے کو ترک کر کے ایسی چیز سے پرورش کرتے جس پر اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی کو پیدا نہیں کیا یہ سب خرافات ہیں جو موضوع اور جھوٹی ہیں جن کی اسناد قطعاً صحیح نہیں۔

گھوڑوں پر دست شفقت

ان لوگوں نے سلیمان علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کیا ہے "انی احببت حب الخیر

عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب - ردّوھا علی فطفق مسحا بالسوق والاعناق"
(میں نے اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے حب خیر کو پسند کیا یہاں تک کہ وہ گھوڑے حجاب میں (یعنی اصطبل وغیرہ میں) چھپ گئے۔ ان کو میرے پاس واپس لاؤ۔ پھر وہ پنڈلیوں اور گردنوں کو مالش کرنے لگے)۔

یعنی جہاد کے گھوڑے حضرت سلیمانؑ نے ملاحظے کے لیے منگائے اور اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔ خدام انھیں واپس لے گئے اور اصطبل میں باندھ دیا۔ فارغ ہو کے واپس بلوایا اور از راہ شفقت و قدر دانی ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ آیت کا بالکل صاف و صریح یہی ترجمہ اور یہی مطلب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ پہلے حضرت سلیمانؑ کی مدح میں "نعم العبد۔ انہ اواب۔ فرمایا گیا ہے۔ یعنی وہ بڑے اچھے بندے اور اللہ کی طرف بڑے رجوع کرنے والے تھے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ خدا کے ذکر سے غافل ہو گئے تھے تو پہلی آیت کی تکذیب لازم آئے گی۔

۱۲ اس آیت کی ان لوگوں نے وہ تاویل کی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک ذرا سی عقل رکھنے والے کو بھی خواہ وہ ہمارے زمانے کا ہو یا کوئی اور ہو پاک رکھا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک نبی معصوم جو صاحب فضیلت ہو وہ گھوڑوں کو قتل کرے جب کہ وہ ان کی وجہ سے نماز سے غافل ہو جائے۔

یہ خرافات موضوع جھوٹی بیہودہ ہیں جن میں کلام کے مختلف اقسام اکٹھا ہیں ظاہر ہے کہ بلاشک یہ کسی بددین کی ایجاد ہے۔ اس لیے کہ اس میں ان گھوڑوں کو سزا دینا اور مثلہ کرنا (یعنی ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹنا) ہے جن کا کوئی گناہ نہیں اور فضول مفید مال کا ضایع کرنا ہے۔ نماز کے ضایع کرنے کو ایک نبی مرسل کی طرف منسوب کرنا ہے جو اپنی خطا پر گھوڑوں کو سزا دیتے ہیں نہ کہ گھوڑوں کی خطا پر۔ یہ وہ امر ہے جسے ایک سات برس کا بچہ بھی جایز نہ سمجھے گا چہ جائے کہ جو نبی مرسل ہو۔

اس آیت کے معنیٰ ظاہر و واضح ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے کہ انھیں حبّ خیر سے اپنے رب کے ذکر کی بنا پر محبت تھی یہاں تک کہ آفتاب حجاب میں چھپ گیا یا وہ اصیل گھوڑے اپنے حجاب (یعنی اصطبل) میں چھپ گئے۔ اس کے بعد حضرت نے ان کے واپس لانے کا حکم دیا پھر ان کی مدارات اور ان کے ساتھ

نیکی کرنے کے لیے اپنے ہاتھ سے اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں کی مالش کرنے لگے آیت کا یہی وہ ظاہر ہے جس کے ماسوا کا احتمال بھی نہیں۔ اس میں ان لوگوں کی بیان کی ہوئی ترک نماز اور گھوڑوں کے قتل کا اشارہ تک نہیں۔ حالاں کہ ان تمام باتوں کو مسلمانوں کے ثقہ لوگوں نے کہا ہے مگر کیا کیا جائے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کے قول میں حجت نہیں۔

عورتوں میں شب گشت

ان لوگوں نے ایک حدیث بھی بیان کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آج شب کو بیوی کے پاس گشت کروں گا کہ ان میں سے ہر عورت کے یہاں ایک شہسوار پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ اور انشاء اللہ نہیں کہا۔

اس میں بھی اُن لوگوں کے لیے کوئی حجت نہیں۔ اس لیے کہ جو اُن مومنین کے بڑھانے کی کوشش کرے جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں تو اُس نے کار خیر کیا حضرت سلیمانؑ کے متعلق یہ گمان جائز نہیں کہ وہ اس سے ناواقف تھے کہ یہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے نہیں ہو سکتا اور نص حدیث مذکور میں آیا ہے کہ انھوں نے "انشاء اللہ" محض نسیان سے ترک کر دیا۔ اس معاملے میں نسیان کی وجہ سے اُن سے مواخذہ کیا گیا۔ اور اُن کا قصد خیر کا تھا۔ یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

سلیمان علیہ السلام کے بارے میں کلام تمام ہوا۔

خدا کی آیت کے بعد غوایت

ان لوگوں نے یہ آیت بھی بیان کی ہے "واتل علیہم نبأ الذی آتیناہ آیٰتنا فانسلخ منہا فاتبعہ الشیطان فکان من الغاوین" (آپ انھیں اُس شخص کی خبر سنائیے کہ جسے ہم نے اپنی نشانیاں عطا کیں مگر وہ اُن سے علیحدہ ہو گیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ پھر وہ گمراہ ہو گیا)۔

اس میں بھی اُن لوگوں کی کوئی حجت نہیں اس لیے کہ نہ تو نص آیت میں ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ یہ شخص مذکور کوئی نبی تھے شخص مذکور کو اللہ تعالیٰ کا اپنی آیات کی خبر دینا اس طرح ہوا ہوگا کہ اس نے اپنے کسی رسول کی معرفت اپنی آیات بھیجی ہوں گی جیسا کہ اُس نے فرعون وغیرہ کے ساتھ کیا۔ پھر یہ شخص تکذیب کے سبب سے

ان آیات سے خارج ہوگیا۔ اور گمراہ ہوگیا جب یہ ثابت ہوگیا کہ کوئی نبی اللہ تعالیٰ کی معصیت نہیں کرتا تو یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل پر اُسے سزا دے جو اُس نے نہ کیا ہو۔ نبوت سے ہٹا دینے سے زیادہ کوئی سزا نہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ نبی کو اس پر سزا دی جائے۔ اس لیے کہ اُس سے وہ چیز ہوتی ہی نہیں جس پر وہ اس عذاب کا مستحق ہو۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ یہ خارج ہونے والا ہرگز نبی نہ تھا۔

ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی ہے جو یہی ہے یا اُس کے معنی یہی ہیں کہ "سوائے یحییٰؑ بن زکریا کے کوئی شخص ایسا نہیں جسے خطا پر ایذا نہ دی گئی ہو یا قریب ایذا کے نہ ہوگیا ہو"

۱۷ یہ صحیح ہے اور ہمارے قول کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے نسیان اور ایک شے کا قصد واقع ہوتا ہے جسے وہ اللہ کے تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس سے سوائے یحییٰ بن زکریا علیہم السلام کے کوئی نہ بچا۔ آپ فرماتے تھے کہ یحییٰؑ کبھی کسی ایسی چیز کو نہیں بھولے جو اُن پر واجب ہو اور نہ اُنھوں نے کوئی فعل ایسا کیا جس میں وہ اپنے رب کی مراد کے موافق نہ ہوئے ہوں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے یہ اقوال بیان کیے ہیں "لولا کتاب اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم" (اگر اللہ کی طرف سے پہلے سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لے لیا ہے اس میں تم لوگ عذاب عظیم میں گرفتار ہوتے)

"عبس وتولی ان جاءہ الاعمیٰ وما یدریک لعلہ یزکی او یذکر فتنفعہ الذکریٰ اما من استغنیٰ فانت لہ تصدیٰ وما علیک الا یزکی۔ واما من جاءک یسعیٰ وھو یخشیٰ فانت عنہ تلھیٰ" (ایک نابینا کے آجانے سے آپ چیں بجبیں ہوئے اور بے رخی کی۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔ یا نصیحت قبول کرتا اور نصیحت سے اُس کو فایدہ ہوتا۔ لیکن جو پروا نہیں کرتا آپ اُس کے درپے ہیں۔ حالاں کہ آپ اس کے پاکیزہ نہ بننے کے ذمہ دار

نہیں ہیں۔ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑ کے آتا ہے اور وہ خوف رکھتا ہے آپ اُس سے بے التفاتی کرتے ہیں)۔

وہ جھوٹی حدیث بیان کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی "والنجم اذا ھوی" کی قراءت میں ہرگز ثابت نہیں ہے۔ اُن لوگوں نے اس میں اس بنائے ہوئے اضافے کا ذکر کیا ہے جو اپنے وضع کرنے والے ہی کے مشابہ ہے اور وہ یہ ہے "وانھا لھی الغرانیق العلی وان شفاعتھا لترتجی (اور بیشک یہ بڑے بلند مرتبہ بت ہیں اور بیشک ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے) (ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ والنجم کی تلاوت میں ان الفاظ کو شریک فرما دیا جس کی وجہ سے آپ کے ساتھ روسائے مشرکین بھی سجدے میں گر پڑے)۔

ان لوگوں نے یہ آیت بیان کی ہے "وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ۔ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ" (اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی نبی و رسول ایسا نہیں بھیجا کہ جب اُس نے کوئی آرزو کی ہو تو شیطان نے اُس کی آرزو میں آمیزش نہ کر دی ہو۔ پھر شیطان جو آمیزش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے منسوخ کر دیتا ہے پھر وہ اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے)۔

یہ آیت پیش کی ہے "ولا تقولن لشیئ انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ" (اور ہرگز کسی شے کے لیے نہ کہیے گا کہ میں اس کو کل کروں گا بغیر اس کے کہ انشاء اللہ) اور یہ بیان کیا ہے کہ جب یہود نے آپ سے روح و ذو القرنین و اصحاب کہف کو دریافت کیا ہے تو آپ سے انشاء اللہ ترک ہو جانے کے باعث وحی رک گئی تھی۔

یہ آیت بھی پیش کی ہے کہ "وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ" (اور آپ اپنے دل میں وہ چیز چھپاتے ہیں اللہ جس کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اور آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ آپ اُس سے ڈریں)۔

اس روایت سے بحث کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غزوۂ بدر کے قیدیوں کا قتل ترک فرما دیا اور فدیہ قبول فرمایا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا عذاب میرے سامنے پیش کر دیا گیا تھا جو اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا۔ آپ نے فرمایا اگر عذاب نازل ہوتا تو اُس سے سوائے عمرؓ کے کوئی نہ بچتا اس لیے کہ عمرؓ نے ان قیدیوں کے قتل کا مشورہ

دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فدیہ قبول فرمانے اور اُن لوگوں کے زندہ رکھنے میں حضرت ابو بکرؓ کی رائے کی طرف مائل ہو گئے۔

اور اس آیت سے "لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر" (تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اُس خطا کو معاف کر دے جو پہلے ہوئی یا بعد کو) تو اگر آپ کی کوئی خطا نہ تھی تو پھر آپ کی کون شے معاف کی گئی۔ اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر کس بات کا احسان جتایا۔

اور اس حدیث سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوسف کو جس چیز کی دعوت دی گئی اگر مجھے دی جاتی تو میں تو ضرور قبول کر لیتا۔ یہ وہی دعوت ہے جو یوسف کو قید خانے سے نکلنے کی دی گئی تھی مگر اُنھوں نے نکلنے کو منظور نہ کیا۔ یہاں تک کہ قاصد سے کہا کہ اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ اور اُن سے دریافت کرو کہ "ما بال النسوۃ اللاتی قطعن ایدیھن ان ربی بکیدھن علیم" (اُن عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ بیشک میرا رب اُن کے مکر سے خوب واقف ہے) وہ قید خانے سے نکلنے سے رُکے حالاں کہ اُنھیں اُس سے نکلنے کی دعوت دی گئی تھی کہ وہ عورتیں اپنے گناہ کا اور اُن کی براءت کا اعتراف کریں۔ اُنھیں اس کا یقین تھا۔ اس میں کچھ بھی شک نہ تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اگر آپ کو قید خانے سے نکلنے کی دعوت دی جاتی تو آپ ضرور قبول کر لیتے۔ یہ تفسیر خود حدیث ہی میں منصوص ہے جیسا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بیان کیا ہے کہ اگر میں قید خانے میں رہتا جتنا یوسف علیہ السلام رہے پھر مجھے دعوت دی جاتی تو میں ضرور داعی کی دعوت کو قبول کر لیتا۔ یا آپ نے جو کچھ فرمایا اُس کے معنیٰ یہی ہیں۔

غفران ذنوب

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر" تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ذنوب وگناہ وہی ہوتے ہیں جو نسیان سے اُن سے واقع ہوں یا وہ اپنے گمان کے مطابق خیر کا ارادہ کرتے ہیں اور وہ بعض وقت اللہ تعالیٰ کی مراد کے موافق نہیں ہوتے۔ یہی دونوں وجوہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف فرما دیا۔ لیکن یہ آیت کہ

مَسّ عذاب

آیت "لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم" میں صرف مسلمین کو خطاب ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

یہ جب ہوا ہے کہ ان لوگوں نے غنایم بدر میں باہم جھگڑا کیا۔ خطا وار یہی لوگ تھے جو آپ کے مقابلے میں اختلاف کر رہے تھے۔ اس کو یہ آیت واضح کرتی ہے "یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم" (یہ لوگ آپ سے غنایم کا حکم دریافت کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ غنایم اللہ ورسول کے ہیں پس اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔) اللہ تعالیٰ کا یہ قول جو خود اسی سورۃ میں ہے جو اس معنی میں نازل ہوئی ہے "یجادلونک فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت وھو ینظرون" (حق کے واضح ہو جانے کے بعد آپ سے اس طرح جھگڑا کرتے ہیں کہ گویا یہ موت کی طرف لے جائے جا رہے ہیں اور یہ اُسے دیکھ رہے ہیں) اللہ تعالیٰ کا یہ قول جو اُس نے اس وعید عذاب سے پہلے بیان کیا ہے جس سے ہمارے مخالفین نے استدلال کیا ہے "تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ" (تم لوگ سامانِ دنیا چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت چاہتا ہے) (یعنی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام آیات عتاب کے مومنین ہی مخاطب ہیں جنھوں نے غنایم کی تقسیم میں اختلاف کیا تھا) یہی نص قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حاصل کیے ہوئے مال غنیمت کا معاملہ اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرما دیا تھا۔

حدیث مذکورۂ بالا جس میں یہ ہے کہ "تمھارا عذاب میرے سامنے پیش کر دیا گیا تھا جو اس درخت سے بھی زیادہ نزدیک تھا۔ اور اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمرؓ کے کوئی نہ بچتا" یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو شخص اپنی روایت میں تنہا ہے وہ وہی عکرمہ ابن عمار الیمامی ہے کہ اُن لوگوں میں سے ہے جن پر حدیث کا وضع کرنا یا حافظے کی خرابی یا وہ غلطی ثابت ہے کہ ان دونوں امور کے ساتھ اُس شخص سے روایت کرنا ہی جایز نہیں۔ اگر صحیح بھی ہوتی تو اس میں بھی وہی کلام ہوتا جو ہم نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لینے میں بھی خیر ہی کا ارادہ فرمایا تھا۔

اعمیٰ سے بے التفاتی یہ آیات "عبس وتولیٰ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کا ایک بہت بڑا آدمی بیٹھا ہوا تھا اور آپ کو اُس کے اسلام لانے کی امید تھی آپ جانتے تھے کہ اگر یہ اسلام لے آیا تو اس کے اسلام کی وجہ سے بہت لوگ اسلام لے آئیں گے اور دین کو غلبہ ہو جائے گا۔ اور آپ جانتے تھے کہ یہ نابینا جو آپ سے

چند امور دین دریافت کر رہا ہے یہ اُس سے فوت نہ ہوں گے کیوں کہ وہ آپ کے پاس حاضر رہتا ہے۔ آپ نے اُس نابینا سے بے التفاتی فرمائی۔ اور ایک ایسی چیز میں مشغول ہو گئے جو بہت بڑی خیر تھی اور جس کے فوت ہونے کا اندیشہ تھا اور اُس چیز کو ترک کر دیا جس کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔ یہ دین کے لیے انتہائی غور و فکر ہے اور لبظاہر قرآن کی مدد کرنے میں انتہائی جد و جہد ہے اور اللہ تعالیٰ کے انتہائی تقرب کا باعث جسے آج ہم میں سے کوئی کرتا تو وہ ضرور ثواب پاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس امر پر آپ پر عتاب فرمایا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولیٰ یہی تھا کہ آپ اُس بزرگ فاضل نیکوکار متقی نابینا کی طرف متوجہ ہوتے۔ اور یہ وہی ہے جو ہم نے کہا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو اور تین رکعتوں سے سہو ہوا۔ آپ دو رکعتوں سے کھڑے ہو گئے۔ اور یہ قطعاً ناممکن تھا کہ آپ اُن میں سے کوئی فعل عمداً کرتے۔ ہاں ہم میں سے کوئی ایسا انسان بھی عمداً نہ کرتا جس میں خیر ہوتی۔

غرانیق علیٰ وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ "وانھن الغرانیق العلی وان شفاعتھا لترتجی" یہ تو خالص کذب اور بالکل موضوع ہے۔ اس لیے کہ یہ طریق روایت کے اعتبار سے قطعاً صحیح نہیں ہے۔ اور نہ اس میں مشغول ہونے کے کوئی معنیٰ ہیں۔ کیوں کہ کذب کے وضع کرنے سے تو کوئی بھی عاجز نہیں۔

القائے شیطان اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ۔ الآیۃ" اس آیت میں بھی ان لوگوں کی کوئی حجت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو آرزوئیں دل میں پیدا ہوتی ہیں اُن کے کوئی معنیٰ نہیں ہوتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے اسلام کی آرزو کی اور اللہ تعالیٰ نے اُس کے ہونے کا ارادہ نہیں کیا۔ وہ آرزوئیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے وہ اس کے سوا نہیں ہیں۔ معاذ اللہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی نبی کسی معصیت کی تمنا کرے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ یہ جو ہم نے کہا بغیر کسی مزید تکلف کے یہی ظاہر آیت ہے۔ اور بغیر کسی دوسرے ظاہر کے ایک ظاہر کے خلاف مراد لینا جائز نہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

حوالت بر مشیت و ذکر الٰہی یہ آیت کہ "ولا تقولن لشیئ انی فاعل ذلک

غدا الا ان یشاء اللہ - واذکر ربک اذا نسیت" (اور آپ بغیر انشاء اللہ کے کسی شے کے لیے ہرگز نہ کہا کیجیے کہ میں اس کو کل کروں گا - اور جب بھول جائیے تو اپنے رب کو یاد کیجیے) اللہ تعالیٰ نے آخر آیت میں یہ جو بیان کردیا کہ یہ آپ کا نسیان تھا اس بیان نے ہمیں اس میں کلام کرنے سے بے نیاز کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی نسیان کے بارے میں عتاب کیا گیا۔

اخفا و خشیت یہ آیت کہ "وتخفی فی نفسک واللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ" تو ہم اس سے برأت ظاہر کر چکے ہیں - کیوں کہ اس میں ہرگز کوئی معصیت نہ تھی - جس چیز کا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دے اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا - یہ یہی تھا کہ آپ نے ایک ایسے نکاح کا ارادہ کیا تھا جس کا کرنا بھی آپ کے لیے مباح تھا اور نہ کرنا بھی مباح تھا - اس کا پوشیدہ رکھنا بھی مباح تھا اور ظاہر کرنا بھی مباح تھا - نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس معاملے میں لوگوں سے خوف کیا وہ یہی خوف تھا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ کچھ کہیں اور کوئی گمان کریں پھر ہلاک ہوں - جیسا کہ آپ نے دونوں انصاریوں سے فرمایا تھا کہ یہ صفیہ ہیں - تو ان دونوں نے اس کو بہت بڑا سمجھا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں شیطان تمھارے دلوں میں (میری طرف سے) کوئی بات نہ ڈال دے - یہی وہ چیز تھی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈرے کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ کوئی بدگمانی کر کے کہیں اپنے دین کو ہلاک نہ کردیں - یہی وہ چیز ہے کہ جو بدنصیب اس معاملے میں ہمارے مخالف ہیں اسے ثابت کر رہے ہیں - جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عمداً ارتکاب معاصی کو منسوب کیا اور ان کے دین تباہ ہوگئے اور یہ گمراہ ہوگئے - ونعوذ باللہ من الخذلان - اللہ تعالیٰ کی مراد یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جو کچھ ہے وہ اسے ظاہر کردیں اس لیے کہ ہماری ماں زینب رضی اللہ عنہا کے لیے یہ سعادت اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے تھی۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم لوگ بکثرت ان آیات سے استدلال کیا کرتے ہو "وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" (اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات

اپنے دل سے نہیں کہتے۔ وہ ایک وحی ہی ہوتی ہے جو آپ کے پاس بھیجی جاتی ہے)۔
"فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم۔ ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما" (آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ اپنے آپس کے جھگڑوں میں یہ آپ کو حکم نہ بنائیں۔ پھر آپ جو کچھ فیصلہ کریں اُس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ محسوس کریں۔ اور مان لیں جیسا ماننا چاہیے۔

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا" (بیشک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بہترین نمونہ ہے۔ اُس شخص کے لیے جو اللہ سے اور قیامت سے ڈرتا ہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہو۔)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے کہ آپ نے فرمایا کہ بیشک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور میں جو (احکام) لاتا ہوں انھیں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں تم لوگ انھیں نصوص کی وجہ سے کہتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہی سے فرمایا۔ اور آپ نے جو عمل کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم ورضامندی سے کیا۔ تو اب ہمیں بتاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو دو اور تین رکعت پر سلام تھا اور دو رکعت پر قیام تھا اور آپ نے جو ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھی تھیں اور آپ نے یہ خبر جو دی تھی کہ آپ بظاہر حق کے مطابق حکم دیتے ہیں لیکن اُس شخص کے لیے اس پر عمل کرنا جائز نہیں جو یہ جانتا ہو کہ باطن کا معاملہ اس کے خلاف ہے جو آپ نے حکم دیا ہے۔ تو آیا یہ تمام امور آپ نے اللہ کی وحی ورضامندی سے کیے یا تم لوگ کیا کہتے ہو۔ اور کیا مدعی و مدعا علیہ پر آپ کے اس حکم کا ماننا ضروری ہے حالاں کہ وہ دونوں یہ جانتے ہیں کہ حقیقت امر آپ کے فیصلے کے خلاف ہے۔ یا نہیں لازم ہے۔

قول فیصل یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی وحی سے آپ نے کیا۔ ہر شخص جو یہ اندازہ کرے اور اس میں شک نہ کرے کہ اُس نے اپنی نماز پوری کرلی ہے تو اللہ تعالیٰ کا اُسے حکم ہے کہ وہ سلام پھیر دے جب اس کے بعد

یہ معلوم ہو کہ اُسے سہو ہوا تو اتمام کی شریعت (یعنی پورا کرنے کا شرعی حکم) اور سجدہ سہو لازم ہے۔ برہان یہ ہے کہ اگر وہ اسی پر قایم رہے اور سلام نہ پھیرے اور یہ اندازہ کرتے ہوئے کہ وہ اپنی نماز پوری کر چکا ہے نماز میں اضافے کا قصد کرے تو اُس کی پوری نماز بلاشک ظاہر و باطن میں باطل ہو جائے گی اور وہ اسم فسق و معصیت کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح جو یہ اندازہ کرے کہ اس نے صرف ایک ہی رکعت پڑھی ہے اور اس نے اپنی نماز پوری نہیں کی ہے تو اللہ تعالیٰ کا اُسے حکم ہے کہ وہ یقیناً اپنی نماز میں اضافہ کرے یہاں تک کہ مکمل ہونے میں اُسے کوئی شک نہ رہے اور اُس رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے جو اُس کے نزدیک دوسری ہے۔ جب اُسے یہ معلوم ہو کہ معاملہ اُس کے خلاف تھا تو اُس کی نماز پوری ہو گئی اور اُس وقت اُسے سجدہ سہو کی شریعت لازم ہے۔ برہان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک ہی رکعت پر جو اُس کے نزدیک بھی ایک ہی ہے دیدہ و دانستہ تمسخر کے طور پر بیٹھ جائے یا دیدہ و دانستہ تین رکعت پر جو اُس کے نزدیک تین ہیں سلام پھیر دے تو اُس کی نماز بالکل باطل ہو جائے گی۔ اور وہ اسم فسق و معصیت کا مستحق ہو گیا۔ اس لیے کہ اُس نے اس کے خلاف کیا جو اللہ تعالیٰ نے اُسے حکم دیا تھا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ہمیں ایسی شہادت پر جو ہمارے نزدیک صاحب عدل ہے اور مدعا علیہ کے حلف اور مُقر کے اقرار پر فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے اگرچہ وہ شہادت ہمارے علم کے خلاف دیدہ و دانستہ جھوٹی ہی ہو۔ اور حلف و اقرار بھی باطن میں جھوٹا ہو۔ اور اسی شہادت وغیرہ سے ہم پر وہ خوں ریزی فرض کر دی ہے کہ اگر ہمیں باطن کا علم ہوتا تو وہ ہم پر حرام ہوتی۔ اور اسی طرح طلاق و نکاح اور مال و جایداد وغیرہ میں بھی۔ برہان یہ ہے کہ اگر کسی حاکم کے یہاں ایسی شہادت گزری جو اُس کے نزدیک عادل ہے مگر اُس نے اُس کے مطابق فیصلہ نہ کیا اور قسم سے مدعا علیہ کے خلاف جس کے ذمے شہادت نہیں ہے فیصلہ کر دیا۔ پھر اُس نے قسم کھائی پھر اُس کے خلاف فیصلہ کیا تو بغیر کسی اختلاف کے یہ قاضی فاسق اور اللہ تعالیٰ کا عاصی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا تھا اُس نے اُس کے خلاف کیا۔ اگرچہ وہ اُس حق کے موافق ہو جس کا اُسے علم نہیں۔ مدعی و مدعا علیہ پر فرض ہے کہ وہ اُسی فیصلے کو قبول کریں جو شہادت و قسم کے مطابق ہے۔ اگرچہ وہ حق کے لینے دینے میں اپنے دلوں میں اپنے

صحیح علم تک پہنچ جائیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

نصرت الٰہی ناامیدی کے بعد

ان لوگوں نے یہ آیت بھی بیان کی ہے "حتی اذا استیأس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاءھم نصرنا" (یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہو گئے اور انھیں یہ گمان ہو گیا کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا تو ہماری مدد ان کے پاس آگئی) یہ اس طور پر نہیں ہے جیسا جہلا نے بیان کیا ہے اس کے معنیٰ یہی ہیں کہ رسل علیہم السلام کی قوم نے اُن سے جو نصرت ومدد کا وعدہ کیا تھا انھیں گمان ہو گیا کہ ان لوگوں نے اُن سے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ اور یہ کھلا ہوا محال ہے کہ ایک ذرے سے بھی کم عقل والے کو یہ خیال آئے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے۔ چہ جائے کہ وہ لوگ یہ خیال کریں جو اللہ کی مخلوق میں اس کے برگزیدہ ہوں اور علم میں سب سے مکمل اور اللہ کی معرفت میں سب سے زاید ہوں۔ اور جو اُسے کسی نبی کی طرف منسوب کرے تو اُس نے اُس کی طرف منسوب کیا۔ اور جس نے کسی نبی کی طرف کفر کو منسوب کیا تو بلاشک وہ خود کافر ومرتد ہے۔ ہم نے جو کہا یہی ظاہر آیت ہے اور اس میں یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے جھوٹ کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

یہود ونصاریٰ کا اعتراض

ان لوگوں نے یہ آیت بھی بیان کی ہے "فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فاسئل الذین یقرأون الکتٰب من قبلک لقد جاءک الحق من ربک" (پھر جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا اگر اُس سے آپ شک میں ہوں تو ان لوگوں سے دریافت کیجیے جو آپ کے پہلے سے کتاب پڑھتے ہیں۔ بیشک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق آیا ہے)۔

امر حق ہم نے صرف اہل کتاب سے اس اعتراض کو پایا ہے۔ کسی ایسے شخص سے نہیں پایا جو مسلم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ نہ یہ کسی طرح ممکن ہے کہ کوئی مسلمان ہو سکے یہ گمان کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وحی میں شک تھا جو آپ کے پاس بھیجی جاتی تھی۔ اس آیت کے بارے میں ہمارا ایک مشہور رسالہ ہے۔ اس شک کا اجمالی حل یہ ہے کہ اس آیت میں "اِنْ" اس "ما" کے معنیٰ میں ہے جو نفی وانکار

کے لیے ہوتا ہے جس کے معنٰی یہ ہیں "وما کنت فی شک مما انزلنا الیک" (جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا اُس سے آپ شک میں نہیں ہیں)۔ یہ جو آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اہل کتاب سے دریافت کریں تو یہ اس بنا پر اہل کتاب کو یقین دلانا ہے کہ وہ جانتے تھے کہ آپ وہی نبی مرسل ہیں کہ اُن کے نزدیک جن کا ذکر توریت و انجیل میں ہے۔ وباللہ تعالٰی التوفیق۔

یہی امور ہیں جن سے ان لوگوں نے ملمع کاری کی ہے، جن کو ہم نے اکھٹا اور واضح کر دیا اور دکھا دیا کہ یہ سب ہمارے قول کے موافق ہیں۔ ان میں سے ایک چیز بھی ہمارے مخالف کے لیے شہادت نہیں دیتی۔ وباللہ تعالٰی التوفیق۔ اب ہم اللہ تعالٰی کی مدد و قوت سے اپنے قول کی صحت اور اپنے مخالف کے قول کے بطلان پر براہین ضروریۂ واضحہ لانا شروع کرتے ہیں۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے "وماکان لنبی ان یغل۔ ومن یغلل یأت بما غل یوم القیٰمۃ" (نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کوئی چیز چھپا کے لے لے اور جو چھپا کے کچھ لے گا تو قیامت کے روز اُسے لائے گا جو اُس نے چھپا کے لیا ہے)۔ اور فرمایا ہے "وماکان لبشر ان یؤتیہ الکتٰب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادالی من دون اللہ" (اور کسی بشر کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ تعالٰی اُسے کتاب و حکومت و نبوت عطا کرے پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کے میرے بندے ہو جاؤ)۔ اللہ تعالٰی جو سب سچوں سے زیادہ سچا ہے اُس نے انبیا علیہم السلام سے غلول (چھپا کے لے لینے اور خیانت کرنے) کی اور کفر کی اور جبراً اپنا محکوم بنانے کی نفی کی ہے۔

امت میں سے اس امر میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ غلول و خیانت کا حکم ایسا ہی ہے جیسا اور تمام گناہوں کا۔ اس کے متعلق اجماع ثابت ہے جو انبیا علیہم السلام پر عمداً ارتکاب گناہ کو تجویز کرے تو اُس نے اُن پر غلول کو تجویز کیا اور جس نے اُن سے غلول کی نفی کی اُس نے اُن سے تمام گناہوں کی نفی کر دی۔ غلول کی نفی اللہ تعالٰی کے کلام سے ثابت ہے لہٰذا ان سے عمداً ارتکاب گناہ کی نفی بھی لازم ہو گئی اس لیے کہ اس پر اجماع ثابت ہے کہ یہ سب غلول کے مساوی ہیں۔

۲۱ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین آمنوا وعملوا الصٰلحت سواء محیاھم ومماتھم ساء مایحکمون" (کیا وہ لوگ جو بدکاریوں کا ارتکاب کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انھیں اُن لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے اور انھوں نے اعمال صالحہ کیے۔ اُن کا جینا اور اُن کا مرنا برابر ہے۔ یہ لوگ بہت ہی برا فیصلہ کرتے ہیں)۔

ہمارے وہ مخالفین جو یہ جایز رکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے سیئات (بدکاریوں) کا ارتکاب کیا ہے وہ دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں۔ کوئی تیسری وجہ نہیں ہے۔

یا تو وہ یہ کہے کہ تمام لوگوں میں وہ بھی ہیں جنھوں نے نہ معصیت کی اور نہ کسی بدی کا ارتکاب کیا۔ اس سے کہا جائے گا کہ پھر وہ کون لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی کی ہے کہ وہ اُن جیسے ہوں جنھوں نے بدی کا ارتکاب کیا ہے جب کہ یہ لوگ عالم میں موجود نہ تھے تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ کلام اللہ فضول و بے معنیٰ ہے اور جو اس کا قایل ہو یہ اُس کا کفر ہے۔

یا یہ کہے کہ وہ ملائکہ ہیں۔ اگر وہ یہ کہے گا تو اُس کے قول کو اللہ تعالیٰ کا یہ قول رد کر دے گا جو خود اسی آیت میں ہے سواء محیاھم ومماتھم ساء مایحکمون (اُن کا جینا اور اُن کا مرنا برابر ہے یہ کیسا بُرا فیصلہ کرتے ہیں) اس پر نہ کوئی نص ہے نہ اجماع کہ ملائکہ مریں گے۔ اگر اس کے متعلق کوئی نص آئی ہوتی تو ہم ضرور اس کے قایل ہوتے۔ برہان سے بداہتہً یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہیں مریں گے۔ اس لیے کہ جنت وہ مقام ہے جس میں موت نہیں ہے۔ اور ملائکہ جنتوں کے باشندے ہیں، وہ اسی میں پیدا کیے گئے اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے اور اسی طرح حور عین بھی۔

موت تو روح کا جسم مرکب سے جدا ہونا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ ان میں کوئی چیز بھی نہیں جو کسی چیز سے جدا ہو اور اُس کو موت کہا جائے۔

اگر کوئی معترض اس آیت سے اعتراض کرے کہ کل نفس ذائقۃ الموت (ہر جان موت چکھنے والی ہے) تو اگر وہ اس آیت کو اس کے عموم پر محمول کرے تو لازم آئے گا کہ حور عین بھی

مریں گی۔ پھر وہ جنت کو مقام موت قرار دے۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو موت سے دور رکھا ہے۔ فرماتا ہے "ان الدار الاخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون (اور بیشک دار آخرت ہی صاحب حیات ہے، کاش یہ لوگ جانتے) ہمیں اس نص سے یہ معلوم ہوا کہ "کل نفس ذائقۃ الموت" سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ جو جنت میں نہیں ہیں، اور انس و جن اور وہ حیوان ہیں جو مرکب ہیں۔ جن کی روح اُن کے بدن سے جدا ہو جاتی ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

اگر وہ اس کا قایل ہو تو اُس کے قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی رد کرتی ہے" ما من احد الا وقد الوا وکاد الا یحیی بن زکریا" (کوئی ایسا نہیں جسے ورد دیا گیا ہو قریب درد کے ہوا ہو سوائے یحییٰ بن زکریا کے)۔

یا یہ کہے کہ لوگوں میں وہ بھی ہیں جنھوں نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور جنھوں نے بدی کا ارتکاب نہیں کیا وہ ان لوگوں کے مساوی نہیں ہیں جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اگر وہ یہ کہے تو انبیا علیہم السلام تو اُن کے نزدیک بدی کا ارتکاب کرتے ہیں اور لوگوں میں ایسے لوگ ہیں جو بدی کا ارتکاب نہیں کرتے تو لازم آئے گا کہ لوگوں میں ایسے لوگ ہوں جو انبیا علیہم السلام سے افضل ہوں۔ اور یہ کفر ہے۔

ہم یہی سمجھتے تھے کہ جو شخص اپنے کو اہل اسلام یا اہل کتاب کی طرف منسوب کرے اُس کی زبان سے یہ مضمون جاری نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ ہم نے ابن الباقلانی کے متعلق اُس کے شاگرد ابو جعفر السمنانی قاضی موصل سے سنا کہ لوگوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کبھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو آپ کی بعثت سے وفات تک آپ سے افضل ہوتے ہیں۔ ہم نے اس کو بہت بڑا بول سمجھا۔ یہ خالص شرک اور نبوت میں عیب لگاتا ہے جس میں کوئی خفاء نہیں ہے۔

صوفیہ کی ایک جماعت کے متعلق سنتے تھے کہ وہ کہتے ہیں کہ ولی بنی سے افضل ہوتا ہے۔ ہم اس کو کسی ایسے شخص کے متعلق یقین نہ کرتے تھے جو دین اسلام کو مانتا ہو یہاں تک کہ ہم نے اس کلام کو پایا جس کو ہم نے بیان کیا۔ فنعوذ باللہ من الارتداد۔

اگر یہ گمراہ و گمراہ کن جانتا ہوتا کہ لفظ افضل کے کیا معنی ہیں، اور فضیلت نبوت کو جانتا ہوتا تو اس کفر پر اور بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تکذیب پر زبان نہ چلتی۔ کیوں کہ

آپ فرماتے ہیں کہ بیشک میں ضرور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور بیشک میں تمھاری ہیئت کی طرح نہیں ہوں اور بیشک میں تمھارے مثل نہیں ہوں۔ چوں کہ یہ نص سے ثابت ہے کہ لوگوں میں وہ بھی ہیں جنھوں نے بدی کا ارتکاب نہیں کیا اور جنھوں نے بدی کا ارتکاب کیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُن لوگوں کے مساوی نہیں ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق اہل اسلام میں سے بغیر کسی کے اختلاف کے انبیا علیہم السلام اس درجے اور فضیلت کے سب سے زیادہ مستحق ہوئے" اللہ یصطفی من الملٰئکۃ رسلا ومن الناس" (اللہ تعالیٰ ملائکہ اور انسانوں میں سے رسول منتخب کر لیتا ہے) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ رسول اُس کی مخلوق کے بہترین و منتخب لوگ ہوتے ہیں۔

بعض مخالفین نے ہم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو کہ جو بالغ ہوا، ایمان لایا، بار بار اُس نے اللہ کو یاد کیا اور اس کے بعد ہی مر گیا۔ یا اُس کافر کے بارے میں کیا کہتے ہو جو اسلام لایا اور اُس نے جہاد کیا اور قتل کر دیا گیا۔

بتوفیق الٰہی ہمارا جواب یہ ہے کہ جو کافر تھا پھر اسلام لایا اُس نے تو اپنے کفر کے سبب سے ایسے سیئات کا ارتکاب کیا ہے جو آسمان و زمین سے بھی بڑے ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے ایمان کے سبب سے اُس کی مغفرت کر دی ہے لیکن بلاشک وہ منجملہ اُن کے ہے جنھوں نے سیئات کا ارتکاب کیا۔ لیکن جو بالغ ہوا، ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کو یاد کیا پھر مر گیا۔ تو یہ طبیعت عالم اور اُس کی فطرت میں ممکن تھا اگر یہ ارشاد نہ ہوتا کہ "کیا وہ جنھوں نے بدکاریوں کا ارتکاب کیا ہے وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انھیں اُن لوگوں کے مثل کر دیں گے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے۔ اُن کا مرنا جینا برابر ہے۔ یہ لوگ کیا برا فیصلہ کرتے ہیں" اللہ تعالیٰ نے اس کا ایسا قطعی فیصلہ کر دیا جس کا سوائے کافر کے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ وہ مرتکبین سیئات کو غیر مرتکبین کے مثل نہ کرے گا ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو انبیا علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں اُن میں بھی کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے کسی نہ کسی بدی کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ اس معترض کے قول پر یہ لازم آئے گا کہ جو شخص اپنے بلوغ کے بعد ہی اسلام لایا اور مر گیا وہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہو۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے

خلاف ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص کوہ اُحُد کے برابر سونا بھی خیرات کرے تو وہ کسی صحابی کے ایک مُد (یعنی تقریبًا آدھ سیر) جو کے بلکہ نصف مُد کے برابر بھی نہیں پہنچتا۔ جب یہ ایسا ہے جیسا کہ ہم نے کہا تو اللہ تعالیٰ کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول زیادہ مستحق تصدیق ہے خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے ساتھ کہ "ما من احد الا الم یذنب او کاد الا یحیٰی بن زکریا" (کوئی ایسا نہیں جو کسی گناہ پر ور ونہ دیا گیا ہو یا در د کے قریب نہ ہو گیا ہو سوائے یحیٰی بن زکریا کے) امور مذکورہ بالا کی وجہ سے ہم یقین کرتے ہیں کہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص حد تکلیف تک پہنچ جائے (یعنی بالغ ہو جائے) اور وہ ارتکاب سیئات سے بچا رہے جن کو اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

انبیا معصیت نہیں کرتے

یہ برہان کہ کوئی نبی ہرگز معصیت نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ "کسی نبی کے لیے یہ نہیں ہوتا کہ اُس کی آنکھ خیانت کرے"۔ یہ آپ نے اُس وقت فرمایا جب عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے قصے میں ایک انصاری نے کہا کہ آپ نے آنکھ سے میری طرف اشارہ کیوں نہ کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیا سے دزدیدہ نگاہی کی نفی فرما دی جو باطن ظاہر کے خلاف ہوتا ہے اور جو گناہ ہوتے ہیں دزدیدہ نگاہی اُن میں بہت خفیف گناہ ہے۔ اس لیے اس میں تمام گناہ داخل ہو گئے خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ باطن ہوں یا ظاہر۔

امر بہ اقتدائے انبیا

ہم لوگ انبیا علیہم السلام کی اقتداء کے اور اُن کے تمام افعال میں اُن کی پیروی کے لیے مامور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر" (بیشک تمھارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہترین نمونہ ہے اُس کے لیے جو اللہ سے اور قیامت سے ڈرتا ہے) اور فرمایا ہے "اولئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ" (یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت کی۔ بس آپ انھیں کی ہدایت کی پیروی کیجیے) ثابت ہو گیا کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کسی نبی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ صادر ہو سکتا تو یہ ہوتا کہ اللہ نے ہمیں معاصی پر برانگیختہ کیا اور ہمیں گناہوں کی دعوت دی جو اُسے جائز رکھے تو یہ اُس کا خالص کفر ہو گا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ انبیا جو افعال قصداً

۲۳

کرتے ہیں وہ خیر وحق ہی ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالخویصرہ پر (اللہ اُس پر اور اُس جیسوں پر لعنت کرے) انکار عظیم ثابت ہے۔ جب کہ اُس کافر نے کہا کہ "اے محمدؐ عدل کیجیے کیوں کہ یہ تو وہ تقسیم ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قصد نہیں کیا گیا ہے"، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا کہ "تجھ پر افسوس ہے۔ میں عدل نہ کروں گا تو پھر کون عدل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تو مجھ پر بھروسا کرتا ہے اور تم لوگ مجھ پر بھروسا نہیں کرتے"۔

یا آپ کا ام المومنین ام سلمہؓ سے فرمانا (جب ام سلمہؓ نے آپ سے اُس شخص کے متعلق دریافت کیا جو رمضان میں اپنی بیوی کا بوسہ لے) "کیا میں نے یہ خبر نہیں دی کہ میں نے یہ کیا ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض ہوئے جس نے آپ سے کہا کہ آپ ہمارے مثل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناگوار ہوا کیوں کہ اُس شخص نے اس کو آپ کے لیے قصد وارادے سے گناہ قرار دیا اگرچہ صغیرہ ہی سہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک بخدا میں تم سب سے زیادہ اللہ کا جاننے والا۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم نے اسی دلیل سے انبیا علیہم السلام سے سہو کی نفی کیوں نہیں کی کہ اُن کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ بتوفیق الٰہی ہم کہیں گے کہ جو ثابت ہے اُس کا انکار اور جو ثابت نہیں اُس کی اجازت دونوں برابر ہیں اور کوئی فرق نہیں۔ اُن حضرات سے سہو یقیناً ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہمیں اُن کی اقتدا اور پیروی کا حکم دینا اس سے مانع نہیں ہے کہ اُن سے سہو واقع نہ ہو۔ اس لیے کہ سہو میں پیروی کرنا جبھی ممکن ہے کہ ہم سے بھی سہو ہی سرزد ہو۔ اور یہ محال ہے کہ ہمیں سہو کی دعوت دی جائے یا ہم سہو کے مکلف بنائے جائیں۔ اگر ہم اس کا قصد کریں گے تو اُس وقت وہ سہو نہ ہوگا۔ نہ یہ ممکن ہے کہ ہمیں سہو سے منع کیا جائے اس لیے کہ سہو سے باز رہنا ہماری فطرت میں نہیں ہے اور نہ ہماری وسعت میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا" (اللہ تعالیٰ کسی کو سوائے اُس کی وسعت کے مکلف نہیں کرتا)۔

ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے کہ جب ہم سے سہو ہو تو ہم وہی کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

سہو میں کیا۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو سہو پر قایم نہیں رکھتا بلکہ اُسی وقت اُنھیں آگاہ کردیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرتا تو یہ ہوتا کہ اُس نے ہمارے لیے واضح نہیں کیا کہ وہ دین میں ہم سے کیا چاہتا ہے' اور یہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب ہے کیوں کہ وہ تو فرماتا ہے کہ "تبیانا لکل شئی" (قرآن ہر شے کا واضح بیان ہے) اور فرماتا ہے "والیوم اکملت لکم دینکم" (آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا) اور فرماتا ہے "وقد فصل لکم ماحرم علیکم (اُس نے تم پر جو حرام کیا اُس کی تفصیل بیان کر دی)

اس شخص کا قول ساقط ہو گیا جو انبیاء علیہم السلام کی طرف عمداً کسی قسم کا گناہ بھی منسوب کرتا ہے صغیرہ ہو یا کبیرہ۔ جب کہ ان لوگوں کا کوئی شبہہ باقی نہ رہا جس سے وہ فریب دہی کر سکیں۔ اور چوں کہ اُس کے بطلان پر براہین قایم ہیں لہذا یہ لوگ ذوانحویصرہ کے ساتھ مل گئے۔

اگر انبیاء علیہم السلام سے کسی معصیت کا ہونا ممکن ہوتا اور ہمیں ان کی اور اُن کے افعال کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ تو گویا ہمارے لیے معاصی مباح کر دیے گئے تھے اور ہم نہیں جان سکتے تھے کہ شاید ہمارا سارا دین ہی گمراہی و کفر ہو اور شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہر عمل معصیت ہو (نعوذ باللہ منہ)۔

ایک دن میں نے ایک شخص سے جو انبیا سے عمداً صغائر کے صدور کو ممکن کہتا تھا کہا کہ کیا غیر عورت کا بوسہ لینا اور اُس کے چٹکی لینا گناہ صغیرہ نہیں ہے۔ اُس نے کہا کہ ہاں ہے۔ تو میں نے کہا کہ تو تم جایز سمجھتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہ گمان ہو سکتا ہے کہ آپ نے عمداً غیر عورت کا بوسہ لیا ہو۔ تو اُس نے کہا معاذ اللہ۔ اُس نے اُسی وقت حق کی طرف رجوع کر لیا والحمد للہ رب العلمین۔

۴۴ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "انا فتحنا لک فتحا مبینا۔ لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر و تیم نعمتہ علیک ویہدیک صراطا مستقیما" (بیشک ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح دی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی لغزش معاف کرے اور آپ پر اپنی نعمت کو مکمل کرے اور آپ کو راہ راست کی ہدایت فرمائے)۔

یہ باطل و محال ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندے پر مکمل انعام کرے وہ اللہ تعالیٰ کا صغیرہ و کبیرہ گناہ کرے۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو اُس پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہر گز تام نہ ہوتا بلکہ ناقص ہوتا۔

لتعزروہ وتوقروہ" (بیشک ہم نے آپ کو شاہد اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے وا
بنا کے بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کی مدد کرو
اور تعظیم کرو۔

فرمایا ہے "قل اباللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستہزؤن لاتعتذروا قد
کفرتم بعد ایمانکم" (آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کے اور اُس کی آیات کے اور اس کے رسول
کے ساتھ تمسخر کیا کرتے تھے ۔ معذرت نہ کرو تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے)۔

ایسے شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم نہ کی اور وہ اللہ کے
رسولوں کے ساتھ تمسخر اور استہزا کی آخری حد کو پہنچ گیا جس نے یہ تجویز کی کہ انبیا علیہم السلا
چور، زانی، لوطی اور باغی ہو سکتے ہیں۔ واللہ اس سے بڑا کوئی کفر ہمارے علم میں نہیں
اور نہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں اور اُس کے دین کے ساتھ کوئی تمسخر اس
قول والوں کے کفر سے زاید ہے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ پھر کیسے یہ اطمینان ہوگا کہ یہ حضر
تبلیغ میں کذب نہیں اختیار کرتے۔ اس لیے کہ ہم تو نہیں جانتے کہ انھوں نے شاید اللہ تعا
کے نام سے ہم تک جھوٹ کی تبلیغ کر دی ہو۔

ہم اُن لوگوں سے کہتے ہیں کہ شاید اُن کے وہ افعال جن کی ہم اقتدا کرتے ہیں
بھی دین کا تبدیل کرنا اور اللہ تعالیٰ کے معاصی ہوں، اور کوئی فرق نہیں۔

ہم نے روافض سے اور اس قول والوں سے زیادہ کسی کو اسلام کے تباہ کر
میں ساعی نہیں پایا۔ ان دونوں ملعون فرقوں نے دین کے بدل جانے اور تحریف ہو جا
کو ممکن کہا۔ اس گروہ نے تو انبیا علیہم السلام پر معاصی کا اطلاق کرنے کے ساتھ ہی اس
بھی تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف ہمارے گمان کے مطابق فرماں بردار بن
ہے۔ اور وہی اللہ کا حکم ہے جو ہم میں سے کسی کا گمان غالب ہو اگرچہ وہ مختلف و متناقض
ہو۔ ہمیں اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ اُن ناواقف مسلمانوں کے تباہ کرنے کے در
ہیں جو اُن سے حسن ظن رکھتے ہیں۔ ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

انبیا سے مواخذہ	اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ انبیا علیہم السلام سے اس کا

مواخذہ کیا جاتا ہے جو وہ بطور سہو کے کریں یا خیر کے قصد سے کریں مگر اس میں اللہ کی مراد کے موافق نہ ہوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی نماز میں سہو ہونے سے مواخذہ کیوں نہیں کیا گیا۔

بتوفیق الٰہی ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی ہیں اور یہ وہ فضیلت ہے جس میں آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اسی طرح حدیث شفاعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ قیامت کے روز لوگ ہر نبی کے پاس جائیں گے اور ہر ایک اپنی خطا بیان کرے گا یا خاموش رہے گا۔ جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کریں گے تو اُن میں کوئی شخص کہے گا کہ وہ ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی ہیں۔ چنانچہ یہ باطل ہے کہ جو معاف کر دیا گیا اس پر مواخذہ کیا جائے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی نبی اپنے نبی بنائے جانے سے پہلے کسی معصیت کا ارتکاب کرے۔ ہم کہیں گے کہ یہ دو وجہ سے خالی نہیں اور کوئی تیسری صورت نہیں ہو سکتی۔ کہ یا تو وہ نبی کسی ایسے نبی کی شریعت کا پرستار ہو گا جو اُس سے پہلے ہو گا جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ اور یا وہ ایسی قوم میں پیدا ہو گا کہ جن کی شریعت برباد ہو چکی اور مٹ چکی اور فراموش ہو چکی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے کہ جو ایسی قوم میں ہوئی جو اسماعیل و ابراہیم علیہما السلام کی شریعت کو فراموش کر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ووجدک ضالا فھدیٰ" (اور ہم نے آپ کو ناواقف پایا پھر ہم نے آپ کو ہدایت کی) اور فرمایا ہے "لتنذر قوما ما انذر اباؤھم" (تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے باپ دادا انہیں ڈرائے گئے)

چنانچہ اگر نبی کسی شریعت کا پرستار ہے تو ہم ابھی یہ باطل کر چکے ہیں کہ کوئی نبی اپنے رب کی کبھی معصیت کرے۔ اور اگر وہ ایسی قوم میں پیدا ہوا ہے کہ جن کی شریعت مٹ چکی ہے تو نہ وہ پرستار ہے اور نہ وہ ایسی چیز پر مامور ہے جس کو اب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں لایا ہے۔ لہٰذا وہ جو کچھ بھی کرے یا نہ کرے اسمیں اللہ تعالیٰ کا عاصی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو پاک کیا ہے اور انھیں ہر ایسی چیز سے بچایا ہے جس پر لوگوں پر عیب گیری کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ عیب گیری بھی اذیت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ایذا دینے کو حرام کر دیا ہے "ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ و اعدلھم عذابا مھینا" (جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن پر دُنیا و آخرت میں لعنت کی ہے اور اُن کے لیے ذلت والا عذاب تیار کیا ہے) ابو محمد کہتے ہیں کہ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو اس سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ کسی زانیہ کے ہوں یا زانی یا زانیہ کی اولاد سے ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اُن کی قوم کے حسب و نسب میں مبعوث کیا ہے پھر چوں کہ اس میں کوئی شک نہیں

لہٰذا ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوت سے پہلے ہی ان امور سے محفوظ رکھا
جن سے بعد نبوت انھیں ایذا دی جاتی۔ چنانچہ اس میں چوری اور ظلم اور سنگدلی اور زنا اور اغلام اور لوگوں
کو ان کی عورتوں مالوں اور جانوں میں ایذا دینا بھی داخل ہے۔ اور وہ بھی داخل ہے جو انسان کے لیے
معیوب ہو اور قابل شکایت ہو اور اس کے ذکر سے اذیت ہوتی ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس
حدیث میں ثابت ہے جو ہم سے بیان کی گئی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اہل جاہلیت جو بری باتیں کیا کرتے تھے
عمر بھر میں میں نے صرف دو مرتبہ اُن کا ارادہ کیا اور دونوں مرتبہ مجھے اللہ تعالیٰ نے
اس سے محفوظ رکھا۔ ایک نوجوان اعلیٰ مکے میں میرے ساتھ تھا وہ اپنی بکریوں کے ساتھ
تھا جو چر رہی تھیں میں نے اُس سے کہا کہ مجھے اپنی کوئی بکری دکھاؤ تاکہ میں آج کی رات
مکے میں اسی طرح باتیں کروں جس طرح نوجوان کیا کرتے ہیں تو اُس نے کہا اچھا۔ جب میں
نکلا اور مکے کے سب سے قریب کے مکان تک آیا تو مجھے گانے اور باجوں کی آواز سنائی
دی۔ میں نے کہا یہ کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ فلاں نے قریش کے فلاں شخص کی بیٹی سے
شادی کی ہے۔ میں اس گانے اور آواز میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ میری آنکھ لگ گئی
جب دھوپ لگی تو آنکھ کھلی۔ میں اپنے ساتھی کے پاس واپس آیا تو اُس نے مجھ سے کہا کہ
تم کیا کرتے رہے۔ میں نے اُسے واقعہ بتایا۔ میں نے اُس سے دوسری رات کو بھی اسی طرح
کہا، اُس نے منظور کر لیا۔ میں نکلا اور میں نے اُسی طرح کی آواز سُنی اور مجھ سے اُسی طرح
کہا گیا جو کہا گیا تھا۔ پھر میں نے جو سنا تھا اُسی میں مشغول ہو گیا۔ یہاں تک کہ میری
آنکھ لگ گئی اور میں دھوپ لگنے سے بیدار ہوا۔ پھر میں اپنے ساتھی کے پاس واپس
آیا تو اُس نے کہا کہ تم کیا کرتے رہے۔ میں نے کہا کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر واللہ
اس کے بعد میں نے کبھی کسی ایسی بدی کا ارادہ نہیں کیا جو اہل جاہلیت کیا کرتے تھے۔
یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت سے سرفراز کیا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا نہ صغیرہ نہ کبیرہ۔ نہ قبل نبوت نہ بعد نبوت، اور نہ کبھی کسی
گناہ صغیرہ یا کبیرہ کا قبل نبوت یا بعد نبوت ارادہ کیا۔ البتہ آپ نے دو مرتبہ شب کو کہانی
سنی ہے جو نہ گیا اُس وقت تک ممنوع بھی نہ تھی۔ اور اُس وقت کہانی سے بدی مقصود
نہ تھی بلکہ اُس چیز کا قصد تھا جس سے مخلوق کی طبیعت خوبصورتی سے حظ اُٹھاتی ہے۔
و باللہ تعالیٰ التوفیق۔ انبیا علیہم السلام کے بارے میں کلام تمام ہوا۔

ملائکہ علیہم السلام

اس کے قبل ہم ہاروت وماروت کا حال بیان کرچکے ہیں اور بتوفیق الٰہی ہم یہاں اُسی میں ایک بیان کا اضافہ کرتے ہیں۔ کہ ایک قوم نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ایسی چیز کو منسوب کر دیا ہے جو کسی ایسی روایت میں نہیں ہے جس کو قبول کرنا ضروری ہو۔ اور وہ محض کذب وافترا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر دو فرشتوں کو اُتارا اور وہ دونوں ہاروت وماروت تھے اور اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ شراب پی جھوٹا فیصلہ کیا۔ خون کیا، زنا کیا اور زانیہ کو اللہ کا اسم اعظم بتا دیا جو اُس کی وجہ سے آسمان پر اُڑ گئی اور ستارے کی شکل میں تبدیل کر دی گئی۔ وہی زہرہ ہے۔ اور ان دونوں فرشتوں کو بابل کے ایک غار میں عذاب میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ یہ دونوں لوگوں کو سحر سکھایا کرتے ہیں۔

قصۂ ہاروت وماروت کی دلیل

یہ لوگ ایک روایت پیش کرتے ہیں جو بطریق عُمیر ابن سعید ہم کو پہنچی ہے۔ یہ شخص مجہول ہے۔ کبھی تو اُس کو نخعی کہا جاتا ہے اور کبھی حنفی۔ ہمیں سوائے اس جھوٹ کے اُس کی اور کسی روایت کا علم نہیں۔ یہ روایت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ اُس نے اسے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ شراب کی سزا (حد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے بلکہ یہ وہ چیز ہے جسے صحابہ رضی نے کیا ہے۔ حالاں کہ وہ حضرات اس سے بری ہیں۔

ان سب کے بطلان میں اللہ تعالیٰ کا وہ قول ہے کہ "لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید" (جس میں باطل کا نہ آگے سے گزر ہے نہ پیچھے سے یہ حکیم وحمید کا نازل کیا ہوا ہے) "ما ننزل الملئكة الا بالحق وما كانوا اذا منظرين" (ہم ملائکہ کو حق ہی کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور اُس وقت لوگوں کو مہلت نہیں دی جاتی)۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ ملائکہ حق ہی کے ساتھ نازل کیے جاتے ہیں

اور شراب خواری و زنا و قتل بے گناہ اور فاحشہ عورتوں کو اسم اعظم سکھانا جس کی وجہ سے وہ آسمان پر اُٹھ جائیں۔ اور سحر کی تعلیم دینا حق نہیں ہے بلکہ یہ سب کے سب باطل ہیں۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ ملائکہ کبھی کسی بدکاری و باطل کے لیے نازل نہیں کیے گئے۔ جب وہ اس کے لیے نازل نہیں کیے گئے تو یہ باطل ہے کہ وہ اُس کو کریں۔ اس لیے کہ وہ اگر اس کو زمین میں کرتے تو وہ اس کے لیے نازل ہوتے اور یہ باطل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے کہ اگر وہ ہم پر ملائکہ نازل کرتا تو ہمیں مہلت نہ دی جاتی۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ ہرگز کوئی فرشتہ ظاہر ہو کے نہیں نازل ہوا۔ سوائے اس کے کہ وہ کسی نبی کی وحی لے کے آیا ہو۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

ظہور ملائکہ

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا" (اگر ہم فرشتے کو رسول بناتے تو ہم لامحالہ اُسے بھی مرد ہی بناتے) اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے سامنے فرشتے کے ظاہر ہونے کے امکان کو باطل کر دیا۔ اور فرمایا ہے "ولو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون" (اور اگر ہم کسی فرشتے کو نازل کرتے تو بات ختم کر دی جاتی پھر لوگوں کو مہلت نہ دی جاتی) اللہ تعالیٰ نے اس کی تکذیب کر دی جو یہ کہے کہ کبھی ظاہر میں کوئی فرشتہ آسمان سے نازل ہوا سوائے انبیا علیہم السلام کے کہ اُن پر حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کو نازل کیا گیا۔ اور فرمایا ہے "وقال الذین لا یرجون لقاءنا لولا انزل علینا الملئکۃ او نری ربنا لقد استکبروا فی انفسہم وعتوا عتوا کبیرا۔ یوم یرون الملئکۃ لا بشری یومئذ للمجرمین" (اور اُن لوگوں نے کہا کہ جنھیں ہم سے ملنے کا ڈر نہیں ہے کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا ہم کیوں نہیں اپنے رب کو دیکھتے۔ ان لوگوں نے اپنے جی میں اپنے کو بڑا سمجھا اور حد سے بڑھ گئے جس روز یہ ملائکہ کو دیکھیں گے۔ اس روز مجرمین کے لیے خوشخبری نہ ہو گی)۔ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے میں اشکال کو رفع کر دیا۔ دُنیا میں نزول ملائکہ کو اپنے دیدار کے ساتھ ملا دیا۔ لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ دُنیا میں غیر انبیا کے پاس ملائکہ کا اُترنا ممتنع و ناجائز ہے۔ جو اس کا قائل ہو وہ ممتنع اور محال کا قائل ہوا۔ اسی سے اس کا کذب ظاہر ہو گیا جو یہ دعوٰی کرتا ہے کہ دو فرشتے لوگوں کے پاس نازل کیے گئے جنھوں نے لوگوں کو سحر سکھایا۔ حالاں کہ جن لوگوں نے ملائکہ نازل کرنے کی خواہش کی اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت بڑا سمجھا اور اس فعل کا نام "استکبار" و "عتوا" رکھا (یعنی تکبر اور حد سے بڑھنا) اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ہم لوگ قیامت تک کبھی فرشتوں کو نہیں دیکھیں گے۔

اور اُس روز مجرمین کے لیے خوشخبری نہ ہوگی۔

چونکہ ان تمام امور میں کوئی شک نہیں ہے تو ہمیں بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ یہ دو میں سے ایک وجہ سے خالی نہیں اور کوئی تیسری وجہ نہیں ہو سکتی۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یا تو ہاروت و ماروت فرشتے نہ تھے۔ اور "وما انزل علی الملکین" میں "ما" اس امر کی نفی ہے کہ فرشتوں پر کچھ نازل کیا جائے۔ اور اُس وقت "ہاروت و ماروت" "الشیاطین" سے بدل ہوگا۔ گویا یہ فرمایا کہ "لکن الشیاطین ھاروت وماروت" (لیکن شیاطین ہاروت و ماروت ہیں)۔

ہاروت و ماروت قبائل جن کے دو قبیلے ہوں گے۔ جو لوگوں کو سحر سکھایا کرتے تھے۔ یہ قول خالد بن ابی عمران وغیرہ سے روایت کیا گیا ہے۔

حسن بصری سے روایت ہے کہ وہ "عَلَی الْمَلِکَیْنِ" لام کے کسرے سے پڑھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہاروت و ماروت دو غیر عربی کافر بابل کے باشندے تھے۔ اس قول کی بنا پر اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں فرشتے نہ تھے۔

بعض جہلا نے اعتراض کیا کہ یہ تو شیطان کی انتہائی مہربانی ہے کہ جو سحر سیکھے اُس سے کہے کہ کفر نہ کرنا۔

میں نے اُس سے کہا کہ یہ اعتراض تین وجوہ سے باطل ہے۔

اول ہم تم سے کہتے ہیں کہ شیطان کے یہ کہنے سے کون مانع ہے۔ یا تو اُس نے تمسخر سے کہا ہو یا اُس سے کہا ہو جس کے لیے اللہ نے چاہا ہو۔ مگر تمھیں کوئی ایسی دلیل پیش کرنا ضروری ہے جو اس سے مانع ہو۔

دوم اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ شیطان نے کہا ہے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "واذ زین لھم الشیطن اعمالھم وقال لاغالب لکم الیوم من الناس وانی جار لکم۔ فلما تراءت الفئتان نکص علی عقبیہ وقال انی بریٔ منکم انی اریٰ مالا ترون انی اخاف اللہ۔ واللہ شدید العقاب" (اور جب کہ شیطان نے اُن کے اعمال کو اُن کی نظر میں پسندیدہ بنا دیا اور کہا کہ آج تم پر کوئی بھی غالب نہیں آسکتا اور میں تمھارے ساتھ ہوں۔ پھر جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تو وہ پچھلے پیر بھاگا اور کہا کہ میں تم سے الگ ہوں۔ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔

میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے)۔ اور فرمایا ہے۔ کمثل الشیطٰن اذ قال للانسان اکفر۔ فلما کفر قال انی برئ منک انی اخاف اللہ رب العلمین (شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کہ کفر کر۔ پھر جب اُس نے کفر کیا تو اُس نے کہا کہ میں تجھ سے الگ ہوں۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام عالموں کا رب ہے) شیطان نے انسان کو کفر کرنے کا حکم دیا پھر اُس سے الگ ہو گیا۔ اور اُسے خبر دی کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے۔ پہلے تو کفار کو دھوکا دیا پھر اُن سے الگ ہو گیا اور کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ شیطان انسان سے کہے کہ کفر کر اور اُسے دھوکا دے پھر اُس سے الگ ہو جائے اور کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اُسے سحر کی تعلیم دے اور اُس سے کہے کہ کفر نہ کرنا۔ ان دونوں صورتوں میں کیا فرق ہے۔

سوم بنص آیت سحر سکھانے والے نے سحر سیکھنے والے سے کہا کہ کفر نہ کرنا۔ خواہ وہ فرشتہ ہو یا شیطان۔ تمہارے قول کی بنا پر اس نے وہ چیز سکھائی جو حلال نہ تھی۔ اور اُس سے کہا کہ کفر نہ کرنا۔ مگر تم اُس کے شیطان سے منکر نہیں اور نہ اپنے دعوے کے مطابق فرشتے سے اس کے منکر ہو۔ تم اُس کی طرف یہ منسوب کرتے ہو کہ وہ وہی سحر سکھاتا تھا جو تمہارے نزدیک گمراہی و کفر ہے۔

یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے ہوں جو شریعت حقہ کے ساتھ نازل ہوئے ہوں، لوگوں کو دین کی تعلیم دی ہو اور تاکید کی ہو کہ کفر نہ کرنا۔ اور واقعی کفر سے منع کرنا ہی مقصود بھی ہو۔ اور انھیں بتا دیا ہو کہ وہ فتنہ ہیں۔ اُن کے ذریعے سے اور جو چیز دونوں لائے ہیں اُس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو گمراہ کرے گا جو کفر کرے گا اور ان دونوں کے ذریعے سے اُسے ہدایت کرے گا، جو اُس پر ایمان لائے گا۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کا قول بیان کیا ہے کہ "ان ھی الا فتنتک۔ تضل بہا من تشاء وتہدی من تشاء" (یہ محض تیرا فتنہ ہے کہ اس سے جسے تو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "الم۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لایفتنون" (الم۔ کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ "ہم ایمان لائے" کہنے سے چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کو فتنے میں (یعنی امتحان میں) نہ ڈالا جائیگا۔ وہ دین جو ان دونوں فرشتوں پر نازل ہوا تھا منسوخ ہو گیا ہو اور وہ ایمان ہونے کے بعد کفر بن گیا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے توریت و انجیل کی شرائع منسوخ کر دیں۔ اور جن اُسی منسوخ کی تعلیم پر باقی رہے ہوں۔

خلاصہ یہ کہ نہ تو اس آیت میں کوئی نص ہے اور نہ اور کوئی اس کی دلیل ہے کہ ان دونوں فرشتوں نے سحر کی تعلیم دی۔ بلکہ یہ تو کذب وبہتان کو زبردستی آیت کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ اس آیت میں بیان ہے کہ وہ سحر نہ تھا ”ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت وماروت“ (لیکن شیاطین نے کفر کیا جو لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ اور وہ سکھاتے تھے جو بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر نازل کیا گیا) یہ جائز نہیں کہ بغیر برہانِ نص یا اجماع یا ضرورت کے معطوف اور معطوف علیہ کو شئے واحد کر دیا جائے۔

بابل تو یہی کوفہ ہے جو مشہور شہر ہے۔ اُس کے نزدیک بھی جو کچھ ہے وہ محدود و معلوم ہے۔ اس میں کوئی غار ایسا نہیں جس میں کوئی فرشتہ ہو۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ محض خرافات اور موضوعات ہیں کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو ان دونوں کا مقام اہل کوفہ سے پوشیدہ نہ ہوتا۔ لہذا ہاروت وماروت سے جو استدلال تھا وہ باطل ہو گیا۔ والحمد للہ رب العلمین

ابلیس کون تھا

ایک قوم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابلیس فرشتہ تھا۔ پھر اُس نے نافرمانی کی اس سے اللہ کی پناہ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس قول کی تکذیب کیا ہے ”الا ابلیس کان من الجن“ (مگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا جو جن میں سے تھا)۔ اور اس آیت میں ”افتتخذونہ وذریتہ اولیاء من دونی“ (تو کیا تم مجھے چھوڑ کے شیطان کو اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو) اور ملائکہ کی کوئی ذریت نہیں۔ اور اس آیت میں ”انہ یرٰکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونہم“ (وہ اور اس کی جماعت تمھیں اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح تم انھیں نہیں دیکھتے) اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اُس نے اُسے جلتی ہوئی آگ سے پیدا کیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور بلاشک نور اور ہے، نار اور ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ جن اور ہیں ملائکہ اور ہیں۔ بنص قرآن ملائکہ سب کے سب بزرگ و بہتر ہیں۔ جن وانس میں اچھے برے دونوں ہیں۔

اگر معترض یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ ملائکہ نے کہا تھا کہ ”اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک“ (کیا تو زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد وخوں ریزی برپا کرے۔ حالاں کہ ہم لوگ تیری

حمد کی تسبیح کرتے اور تیری پاکی بیان کیا کرتے ہیں)۔ اور یہ اپنے نفس کا پاک صاف بتانا ہے۔
حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "فلا تزکوا انفسکم" (اپنے آپ کو پاک صاف نہ کہو)۔

تزکیۂ نفس کی شکلیں

اللہ کی توفیق سے ہم کہیں گے کہ انسان کی خود اپنی مدح کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس سے آدمی اپنے افتخار کا اور دوسرے کے گھٹانے کا قصد کرے تو یہی وہ تزکیہ ہے جو بیحد مذموم ہے۔ دوسری شکل وہ ہے جو سچی خبر اور حق کے اظہار کے طور پر جاری ہوئی ہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ "میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں ہے" "اور مجھے تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی" اور جیسے یوسف علیہ السلام کا فرمانا کہ "اجعلنی علیٰ خزائن الارض انی حفیظ علیم" (مجھے ملک کے خزانوں پر مامور کر دیجیے۔ بیشک میں محافظ ہوں اور جاننے والا ہوں)۔ اس کا نام تزکیہ نہیں ہے۔
یہاں پر ملائکہ کا قول بھی اسی باب سے ہے۔

برہان یہ ہے کہ اگر ملائکہ کا قول مذموم ہوتا تو اللہ تعالیٰ اُن پر ضرور اعتراض کرتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو ناپسند نہیں کیا تو وہ سچائی ہے۔ اسی باب سے ہمارا یہ کہنا بھی ہے کہ ہم مسلمین ہیں۔ ہم بہترین امت ہیں جو لوگوں کے لیے ظاہر کیے گئے ہیں۔ اور جیسے حواریین کا قول کہ "نحن انصار اللہ" (ہم لوگ اللہ کے مددگار ہیں)۔ ان تمام امور سے جب خیر پر برانگیختہ کرنا مقصود ہو اور فخر مقصود نہ ہو تو یہ خیر ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو یہ جواب دیا کہ "انی اعلم ما لا تعلمون" (میں وہ امور جانتا ہوں جو تم لوگ نہیں جانتے)۔ ہم کہیں گے کہ ہاں۔ ملائکہ کو بھی اس میں ہرگز شک نہ تھا کہ جو اللہ جانتا ہے وہ نہیں جانتے۔ یہ انکار و اعتراض ناپسندیدگی کا اظہار نہیں ہے۔ جن تو اسلام کے پرستار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ لید اور ہڈیاں ہمارے جن بھائیوں کی غذا ہے۔ اور یہ ہمارے حکم کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ایسے احکام کے ساتھ مخصوص کیا ہے جو ہمارے احکام کے خلاف ہیں، جیسا کہ عورتوں کے لیے حیض و ترک نماز وغیرہ کے جو احکام ہیں وہ مردوں کے لیے نہیں ہیں۔ اور جیسا کہ قریش کے لیے امامت و سلطنت ہے اور دوسروں کے لیے نہیں ہے حالاں کہ یہ سب دین اسلام ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

جو اسلام کا بغیر استدلال کے معتقد ہو کیا وہ مومن ہے
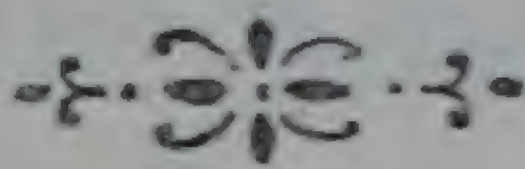
کیا مومن و مسلم وہی ہو سکتا ہے جو استدلال کرے
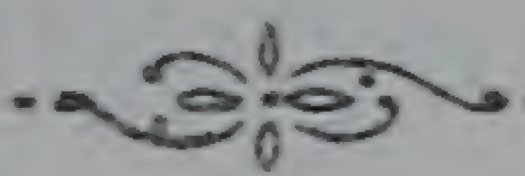
محمد بن جریر الطبری اور سوائے سمنانی کے تمام اشعریہ کا مذہب یہ ہے کہ جو استدلال کرے گا وہی مسلم ہوگا اور جو نہ کرے گا وہ مسلم نہ ہوگا۔ طبری نے کہا ہے کہ جو احتلام یا موئے زیر ناف کی حد کو پہنچ گیا خواہ مرد ہو یا عورت۔ یا عورت حیض کی حد تک پہنچ گئی اور اس نے اللہ تعالیٰ کو اس کے تمام اسماء و صفات کو استدلال کے طریقے سے نہ پہچانا تو وہ کافر ہے۔ اس کی جان و مال حلال ہے۔ جب لڑکا یا لڑکی سات برس کے ہو جائیں تو ان کو ان امور کی تعلیم و تلقین بہ طور استدلال کے واجب ہے۔ اشعریہ نے کہا کہ ان دونوں کو بلوغ سے پہلے اس پر استدلال لازم نہیں۔

تمام اہل اسلام نے کہا ہے کہ جو شخص دل سے دین اسلام کا ایسے طور پر معتقد ہو جس میں شک نہ کرے، زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ " کہے، جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اسے حق جانے اور سوائے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دین سے بری ہو تو وہ مسلم و مومن ہے، اس پر اس کے سوا اور کچھ ضروری نہیں۔ ۲۹

پہلے گروہ نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ اس پر سب متفق ہیں کہ تقلید مذموم ہے۔ اور جو چیز استدلال سے نہ پہچانی جائے تو وہ تقلید ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ انھوں نے یہ آیات پیش کی ہیں۔ "انا وجدنا آباءنا علی امۃ وانا علی آثارھم مقتدون "

(ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا۔ اور ہم انھیں کے نشانوں کے پیروکار رہے) "قل اولو جئتکم باھدی مما وجدتم علیہ آباءکم" (آپ کہہ دیجیے کہ کیا (جب بھی نہ مانو گے) اگر میں تمھارے پاس اس سے زیادہ ہدایت کرنے والا دین لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے)۔ "اولو کان آباؤھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون" (تو کیا (جب بھی وہ نہ مانیں گے) اگر ان کے باپ دادا کسی بات کی بھی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں)۔ "وقالوا ربنا انا اطعنا سادتنا وکبرائنا فاضلونا السبیلا" (اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی تو ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کر دیا)۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باپ دادا اور رؤسا کی پیروی کرنے کی مذمت کی ہے ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ بغیر دلیل کے کوئی شخص نہیں جانتا کہ دو میں سے کونسا امر زیادہ ہدایت ہے اور آیا اُس کے باپ دادا کچھ جانتے ہیں یا نہیں۔ جو چیز دلیل سے ثابت نہ ہو تو وہ دعویٰ ہے۔ اور صادق و کاذب میں محض دونوں کے قول سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دلیل سے دونوں میں فرق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" (تم لوگ اگر سچے ہو تو اپنی برہان لاؤ) جس کے پاس کوئی برہان نہ ہو تو وہ اپنے قول میں صادق نہیں ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ جو چیز علم نہ ہو تو وہ ظن و شک ہے اور کسی شے کا استدلال سے یا ضرورت جس سے اس طور پر اعتقاد کرنا کہ جس طور پر وہ شے ہے۔ علم ہے۔

یہ کہتے ہیں کہ دیانات میں صحیح کی صحت اور باطل کا بطلان جو اس سے قطعاً معلوم نہیں ہو سکتا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ استدلال ہی کے طریقے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جب استدلال نہ ہو گا تو آدمی اُس چیز کا عالم بھی نہ ہو گا جس پر اُس نے استدلال نہیں کیا ہے۔ جب وہ عالم (جاننے اور یقین کرنے والا) نہ ہو گا تو شاک (شک کرنے والا) اور گمراہ ہو گا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول بیان کیا ہے کہ فرشتہ قبر میں سوال کرے گا کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ مومن یا موقن (یقین کرنے والا) کہے گا کہ یہ محمد ہیں اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) لیکن منافق یا شک کرنے والا کہے گا کہ میں نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں کو جو کہتے سنا وہی میں نے بھی کہہ دیا۔ ان لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے متعدد

مقامات پر ربوبیت و نبوت پر استدلال بیان کیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے اور اُس کے علم کو واجب کیا ہے اور علم بغیر دلیل کے نہیں ہوتا جیسا کہ ہم نے کہا۔

ان لوگوں نے جن دلائل سے ملمع کاری کی ہے وہ کُل یہی ہیں جن کو ہم نے انتہائی جستجو سے جمع کردیا ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی ان لوگوں کی کوئی حجت نہیں جیسا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ لا الٰہ الا ھو۔ اللہ کی مدد و قوت سے بیان کریں گے۔

قبل اس کے کہ بیان کریں ہم ایک بات کہتے ہیں جیسے مشاہدہ ثابت کرتا ہے کہ اس فرقے کے اکثر لوگ ہر اُس چیز سے بہت دور ہیں جو اُس بحث و استدلال کی طرف منسوب ہے کہ دلایل کی صحت معلوم کرنے کے لیے ہو۔ لہٰذا اس پر تعجب کرنا چاہیے۔ یہ لوگ اپنے اوپر خود ہی گواہ ہیں کہ یہ سب کافر ہیں۔

ان کا یہ کہنا کہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ تقلید مذموم ہے اور جو چیز استدلال سے نہیں جانی جاتی تو یہی تقلید کا اختیار کرنا ہے۔ کیوں کہ ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔ تو ان لوگوں نے اس امکان میں فریب دہی اور عجلت کی ہے تقسیم صحیح کو ترک کردیا ہے۔

تقلید کیا ہے ہم مانتے ہیں کہ تقلید قطعاً جائز نہیں۔ اور تقلید صرف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی ایسے شخص کے قول کو اختیار کرنا جس کی پیروی کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہرگز حکم نہیں دیا ہے اور نہ اُس کے قول کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ ہم پر اُسے حرام کردیا ہے اور ہمیں اس سے منع کردیا ہے۔ انسان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو اختیار کرنا جن کی طاعت ہم پر فرض کردی گئی ہے، جن کا اتباع و تصدیق ہم پر لازم کردیا گیا ہے۔ جن کے حکم کی مخالفت سے ہم کو ڈرایا گیا ہے اور جس پر ہمیں نہایت سخت وعید سنائی گئی ہے، تو یہ تقلید نہیں ہے بلکہ یہ ایمان و تصدیق و اتباع حق و طاعت اللہ و ادائے فرض ہے۔ اس گروہ نے یہ فریب دیا کہ اُس حق پر جو اتباع حق ہے اُس تقلید کے نام کا اطلاق کیا جو باطل ہے۔

برہان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی شخص کے قول کا اس لیے اتباع کرے کہ فلاں نے اُس کو کہا ہے اور اُس کا اعتقاد یہ ہو کہ اگر فلاں شخص نے یہ قول نہ بیان کیا ہوتا تو یہ بھی اُس کا قایل نہ ہوتا، تو اس قول کا کہنے والا مقلّد

خطاوار اور اللہ ورسول کا عاصی وظالم وآثم ہے۔ خواہ اُس کا یہ قول اللہ ورسول کے موافق ہو یا مخالف۔ یہ شخص فاسق ہے اس لیے کہ اُس نے ایسے شخص کی پیروی کی جس کی پیروی کا حکم نہیں دیا گیا ہے اور اُس نے اُس کے خلاف کیا جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ اگر کوئی شخص اللہ ورسول کے قول کی پیروی کرے تو وہ محسن و مطیع وماجور وغیر مقلد ہوگا خواہ وہ حق کے موافق ہو یا وہم کر کے خطا کرے۔

یہ ہم نے محض اس لیے بیان کر دیا ہے تاکہ یہ واضح کر دیں کہ ہمیں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور جو چیز ہم پر فرض کی گئی ہے وہ صرف اُس چیز کی پیروی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ اور جو چیز ہم پر حرام کی گئی ہے وہ آپ کے علاوہ کسی اور کا اتباع ہے یا کسی ایسے عقیدے کی ایجاد ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے کبھی اجازت نہیں دی۔ یہ ثابت ہے کہ تقلید باطل ہے ناجایز ہے۔ لہٰذا یہ ممتنع و باطل ہے کہ وہ حق و باطل دونوں ہو۔ اور ایک ہی وجہ واعتبار سے محسن و مسیئی (نیکوکار و بدکار) دونوں ہو۔ چونکہ یہ ایسا ہے تو جو شخص اس کا متبع ہے جس کے اتباع کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ مقلد نہیں ہے اور نہ اُس کا یہ فعل تقلید ہے۔ مقلد صرف وہ ہے جو اس کا اتباع کرے جس کے اتباع کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا ہے لہٰذا مذمت تقلید کے متعلق ان لوگوں کی جو فریب کاری تھی وہ ساقط ہوگئی۔ اور ثابت ہوگیا کہ اُنھوں نے اس کو دوسرے مقام میں رکھ دیا اور اُس چیز پر تقلید کا نام دھرا جو تقلید نہیں ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

اللہ تعالیٰ نے جو آبا و اجداد اور بزرگوں کے اتباع کی مذمت فرمائی ہے اس سے جو اُن کا استدلال ہے تو ہم اس کے متعلق ابھی جو کچھ کہہ چکے ہیں یہ وہی ہے اس لیے کہ باپ دادا اور بزرگوں کا اور اُس کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہے۔ اتباع وہی تقلید ہے جو حرام ہے اور اُس کا فاعل قابل مذمت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء" (اس کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس نازل کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ دوستوں کی پیروی نہ کرو)۔ یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ وللہ الحمد۔

یہ استدلال کہ بغیر دلیل کے معلوم نہیں ہو سکتا کہ دو میں سے کونسا امر زیادہ ہدایت کا ہے اور آیا باپ دادا کچھ جانتے تھے یا نہیں۔ اور جو چیز دلیل سے ثابت نہ ہو تو

وہ دعویٰ ہے۔ اور صادق و کاذب میں محض اُن کے قول سے فرق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" (آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی برہان لاؤ۔

اس کی دو قسمیں ہیں۔

جو ایسا ہو کہ اُس کا نفس اُس سے برہان کے لیے جھگڑتا ہو اور اس کا نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لائے ہیں اُس کی تصدیق پر قائم نہ رہتا ہو تا وقتے کہ دلائل نہ سُن لے تو اُس شخص پر دلائل کا تلاش کرنا فرض ہے۔ اس لیے کہ یہ اگر اس برہان کے سننے سے پہلے جو اُس کے دل کو ٹھنڈا کرے شک یا انکار کی حالت میں مرگیا تو یہ کافر مرا اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، یہ اُسی شخص کے درجے میں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کر کے بھی ایمان نہیں لایا تا وقتے کہ اس نے معجزات نہ دیکھ لیے۔ یہ بھی اگر مرجائے تو کافر مرا۔ اس میں اہل اسلام میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

جس کی یہ حالت ہو ہم نے اُس پر برہان کا طلب کرنا اس لیے واجب کیا ہے کہ اُس پر اُس چیز کا طلب کرنا واجب ہے جس سے اُسے کفر سے نجات ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ" (اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر فرض کر دیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچائے۔ ایک قسم یہ ہے۔ اور اس قسم کے بہت کم لوگ ہیں۔

قسم ثانی یہ ہے کہ نفس جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اُس کی تصدیق پر قائم ہو، قلب ایمان سے مطمئن ہو، طبیعت طلب دلیل پر اُس سے جھگڑتی نہ ہو، یہ اللہ کی طرف سے اُس کے لیے بطور توفیق کے ہو اور جو خیر و نیکی اُس نے اُس کے لیے پیدا کر دی ہے اُسے اُس کے لیے سہل کرنے کے طور پر ہو۔ یہ لوگ نہ کسی برہان کے محتاج ہیں نہ کسی استدلال کی تکلیف کے۔ یہ لوگ اکثر ہیں جو عام لوگوں میں سے اور عورتوں اور تاجروں اور کاریگروں اور کاشتکاروں اور غلاموں میں سے ہیں اور اور وہ اصحاب حدیث ائمہ ہیں جو دین میں شک و گفتگو و مناظرے کی مذمت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولکن حبب

۴۱

الیکم الایمان وزینه فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان ۔ اولئک هم الراشدون ۔ فضلا من اللہ ونعمۃ ۔ واللہ علیم حکیم" (لیکن اللہ تعالیٰ تمہارے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دیا اور اُسے تمہارے دلوں میں پسندیدہ و آراستہ بنا دیا۔ اور تمھیں کفر و فسق و معصیت کی نفرت دے دی۔ یہی لوگ راشدین و ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ اللہ کا فضل و انعام ہے۔ اور اللہ بڑا حکمت والا علم والا ہے)۔ اور فرمایا ہے "فمن یرد اللہ ان یھدیه یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضله یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء" (پھر جس کو اللہ چاہتا ہے کہ اُسے ہدایت کرے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اُس کا سینہ ایسا تنگ و تاریک کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ جائے گا)۔

اللہ تعالیٰ نے اُس قوم کا نام راشدین رکھا جن کے قلوب میں اُس نے ایمان کو آراستہ بنا دیا، اُن کے نزدیک اُسے محبوب کر دیا۔ کفر و معاصی سے انھیں متنفر کر دیا اور یہ سب اپنے فضل و انعام سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ابتداءً دلوں میں اور زبان پر ایمان کا پیدا کرنا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں استدلال کا ذرا بھی ذکر نہیں کیا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

یہ لوگ اپنے باپ دادا اور بزرگوں کی تقلید کرنے والے نہیں ہیں اس لیے کہ یہ لوگ اپنی زبانوں سے اقرار کرنے والے اور اپنے دلوں میں ثابت کرنے والے ہیں کہ اگر ان کے باپ دادا اور رؤسا کفر کرتے تو یہ ہرگز کفر نہ کرتے۔ بلکہ یہ لوگ اپنے باپ دادا اور رؤسا کا قتل کرنا اور اُن سے الگ رہنا حلال سمجھتے۔ یہ لوگ جو کچھ خلاف شریعت امور سنتے ہیں اُس سے اپنے دلوں میں زبردست نفرت محسوس کرتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ان کے نزدیک آگ میں جلنا مخالفت اسلام سے سہل ہے۔ یہ وہ امر ہے جسے ہم خود اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اور یقیناً اپنے اندر اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

ہم سالہا سال اس طور پر رہے کہ استدلال اور اُس کے وجوہ کو جانتے تک نہ تھے۔ اور بحمد اللہ ہم دین اسلام کے متعلق انتہائی یقین میں تھے۔ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اُس میں ہم اپنا انتہائی اطمینان و سکون محسوس کرتے تھے۔

اور اس میں جو شک پیش کیا جاتا تھا اُس سے انتہائی نفرت کرتے تھے۔ اس درمیان میں اگر ہمارے دلوں میں بُرے خیالات پیدا ہوتے تھے جنھیں شیطان ڈال دیتا تھا تو ہم اُن سے سخت نفرت کی وجہ سے اپنے قلوب کے خفقان کے باوجود اس کی ناگواری کے سننے کے قریب ہوتے تھے جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے خبر دی ہے کہ جب ان امور کے متعلق کوئی سوال کرے تو اُس سے یہ کہو کہ ہم میں سے کسی کے دل میں کوئی ایسی بات پیدا ہو اور وہ اُس کا اقدام بھی کرے تو اُس کی گردن ماری جائے، تو اس سے یہ بات بہتر ہے اس سے کہ وہ اس میں کلام کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ یہ خالص ایمان ہے، آپ نے یہ بتایا کہ وہ شیطانی وسوسہ ہے۔ اس کے بارے میں آپ نے ہمیں تعوذ (اعوذ باللہ) اور قرأت اور بائیں جانب سے منتقل ہونے کا حکم دیا ہے۔

اس کے بعد ہم نے استدلال کے طریقے سیکھے اور انھیں پختہ کیا۔ وللہ الحمد۔ مگر ہمیں جو یقین پہلے تھا اس سے اُس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ بلکہ معلوم ہوا کہ حق ہمارے لیے آسان کر دیا گیا تھا اور ہم ایسے ہی ہو گئے جیسے وہ شخص جو سُن کر جانتا اور یقین کرتا ہو کہ ہاتھی موجود ہے اور اُس نے اُسے دیکھا نہ ہو۔ اس کے بعد اُسے دیکھے تو اُس کے صحت وجود کے یقین میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوگا۔ لیکن اس نے ہمیں استدلال صحیح کا راستہ بتا دیا جس نے ہماری اُن بعض غلط رایوں کو توڑ دیا جن پر ہم نے نشو و نما پایا تھا۔ مثلاً قیاس سے دین میں عقیدہ اختیار کرنا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ ہم اس معاملے میں خطا کے مقتدی و پیرو کار تھے۔ وللہ تعالیٰ الحمد۔

ہمارے مخالفین جیساکہ ہم نے بیان کیا خود ہی جانتے ہیں، مگر لامحالہ انھیں یہ لازم آئے گا کہ وہ اپنے خلاف اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ اپنے استدلال سے پہلے کفر پر تھے۔ لہٰذا جو کچھ ہم نے کہا اُس سے ثابت ہو گیا کہ جو شخص خلوص قلب سے حق کا اعتقاد کرے اور اُسے زبان سے بھی کہے تو یہ لوگ مومن اور حق کے ماننے والے ہیں اور مقلد نہیں ہیں۔ مقلد جب ہوتے کہ یہ کہتے اور عقیدہ رکھتے کہ ہم تو دین میں اپنے باپ دادا اور بڑوں ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر ہمارے باپ دادا اور بزرگ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کر دیتے تو ہم بھی اُسے ترک کر دیتے۔ اگر وہ یہی کہیں اور اسی کا اعتقاد کریں تو بیشک وہ مقلد کافر و غیر مومن ہوں گے۔ اس لیے کہ انھوں نے انھیں باپ دادا اور اپنے بزرگوں کی پیروی کی

۳۲

جن کے اتباع سے انھیں منع کیا گیا تھا۔ اور اُن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کیا جن کے اتباع کا انھیں حکم دیا گیا تھا۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں برہان لانے کی تکلیف دی اگر یہ سچے ہوں، تو اس سے مراد وہ کفار ہیں جو اس کے مخالف تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ یہ نص آیت ہے۔ مسلمین کو ہرگز برہان لانے کا حکم نہیں دیا۔ ورنہ برہان لانے تک اُن کا اتباع ہی ساقط ہوتا۔ دونوں امور میں فرق واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہے اُس کے لیے ہرگز کوئی برہان نہیں ہے۔ اس لیے انھیں خاموش اور عاجز کرنے کے لیے برہان لانے کی تکلیف دی گئی اگر وہ سچے ہیں۔ اور وہ بغیر برہان کے سچے نہیں ہیں۔

جس نے اُن امور کی پیروی کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں تو اُس نے اُس حق کی پیروی کی جس کی صحت پر براہین قایم ہیں اور اُس نے اُس سچے دین کو اختیار کیا جس کے وجوب پر حجت بالغہ قایم ہے۔ خواہ وہ اس برہان کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ اُسے یہی کافی ہے کہ وہ اُس حق پر ہے جو برہان سے ثابت ہے، اور جو اس دین کے سوا ہے اُس پر کوئی برہان نہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

یہ کہنا کہ جو علم نہ ہو وہ شک ہے اور ظن ہے، علم یہ ہے کہ شے کا اُس حالت پر اعتقاد کریں جس پر وہ ہے، یہ اعتقاد خواہ ضرورت حس سے ہو یا استدلال سے۔ امور دینی کی صحت بغیر استدلال کے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اگر آدمی استدلال نہ کرے تو وہ عالم نہ ہوگا، اور جب عالم نہ ہوگا تو وہ جاہل شک یا گمان کرنے والا ہوگا۔ اور جب دین کا اُسے علم نہ ہوگا تو وہ کافر ہوگا۔

یہ واقعہ ایسا نہیں ہے جیسا یہ سمجھے۔ اس لیے کہ انھوں نے ایک قضیۂ باطلۂ فاسدہ سے مدد لی جس پر استدلال کی بنیاد رکھی۔ وہ قضیۂ علم کی تعریف میں استدلال سے یا ضرورت حس سے داخل کرنا ہے۔ اس اضافۂ فاسدہ میں ہمیں اُن سے اتفاق نہیں ہے۔ نہ اس کی صحت پر قرآن آیا، نہ حدیث، نہ اجماع، نہ لغت، نہ طبیعت، نہ کسی صحابی کا قول۔

درحقیقت علم کی تعریف یہ ہے کہ شے کا اُسی حالت پر اعتقاد کرنا جس پر وہ ہے۔ جس نے کسی شے کا اعتقاد کیا کہ وہ شے اُس حالت پر ہے اور اس میں شک کی وجہ سے اُسے خلجان نہ ہو تو وہ اُس کا عالم ہے۔ خواہ یہ ضرورت حس سے ہو، خواہ بداہت عقل سے، یا برہان استدلالی سے۔

یا اللہ تعالیٰ کے اس کے لیے سہل کرنے سے، اور اس کے اس معتقد کے دل میں پیدا کرنے سے ہو، اور اس سے زیادہ نہیں۔ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کوئی شخص کسی شے کو اسی حالت میں اپنے اعتقاد میں حق جانتا ہو کہ جس حالت میں وہ شے ہے اور وہ اس کا عالم اور یقین کرنے والا نہ ہو۔ یہ تناقض و فساد و تعارض ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں جو فرشتے کے سوال کے بارے میں ہے ان کی کوئی حجت نہیں۔ بلکہ وہ ان کے خلاف حجت ہے۔ جیسا کہ مجرد حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں یہی فرمایا کہ مومن یا موقن تو کہے گا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مستدل (استدلال کرنے والا یہ کہے گا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں) یہیں مومن و موقن فرما دینا کافی ہے۔ موقن کا ایمان و یقین خواہ کیسا ہی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”لیکن منافق یا مرتاب“ (یعنی شک کرنے والا) آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ”غیر مستدل“ یہ کہے گا کہ میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا وہی میں بھی کہتا ہوں۔ یہی ہمارا قول ہے۔ اس لیے کہ منافق و مرتاب نہ موقن (یقین کرنے والے) ہیں نہ مومن ہیں۔ یہ صفت اس کی ہے جو انسانوں کا مقلد ہوتا ہے اور محقق نہیں ہوتا۔ لہذا ظاہر ہو گیا کہ یہ حدیث ان لوگوں پر کافی حجت ہے۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے بہت سے مقامات میں استدلال کا ذکر کیا ہے۔ ہمیں اس کا حکم دیا ہے، اس کا علم حاصل کرنا واجب کیا ہے۔ اور علم بغیر استدلال کے نہیں ہوتا۔ یہ بھی اضافہ و زیادت ہے جس کو انھوں نے داخل کر دیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ”اور اس کا حکم دیا ہے“ تو اس کو یہ لوگ کبھی نہ پائیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے استدلال کا ذکر کیا ہے اور اس پر ابھارا ہے۔ ہم استدلال کا انکار نہیں کرتے بلکہ یہ فعل حسن ہے جس کی دعوت دی گئی ہے اور جس پر ابھارا گیا ہے۔ جس کو اس کی طاقت ہو۔ اس لیے کہ یہ زاد راہ خیر ہے اور ہر ایسے شخص پر فرض ہے جس کا نفس تصدیق پر مطمئن نہ ہو۔ ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ بلائیں نہ ڈالے۔ ہم صرف اس دعوے کا انکار کرتے ہیں کہ ”استدلال ہر شخص پر فرض ہے کہ بغیر اس کے کسی کا اسلام ہی صحیح نہ ہو“ یہ محض باطل ہے۔

یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم حاصل کرنا واجب کر دیا ہے تو ہاں درست ہے۔

لیکن یہ کہنا کہ علم بغیر استدلال کے نہیں ہوتا تو یہ وہ جھوٹا دعویٰ ہے جس کو ہم نے ابھی باطل کر دیا ہے۔ اور اُس کا سب سے پہلا بطلان یہ ہے کہ یہ دعویٰ بغیر برہان کے ہے اور اللہ تعالیٰ عزیز حکیم ہی ہمارا مددگار ہے۔

بس کل یہی تھا جس سے اُنھوں نے خرابی پیدا کی تھی کہ جسے ہم نے رد کر دیا۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔ لہذا اُن کا قول ساقط ہو گیا کیوں کہ یہ برہان سے خالی ہے۔ یہ اُن کا دعویٰ ہے جو اُنھیں کا افترا کیا ہوا ہے جس کو نہ کوئی نص لائی نہ اجماع۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اب ہم انشاء اللہ، اللہ کی مدد و توفیق و تائید سے اُن کے قول کے بطلان پر براہین کا ذکر کرتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جو یہ کہتا ہے کہ مسلم وہی ہو سکتا ہے جو استدلال کرے، اُس سے کہا جائے گا کہ ہمیں بتاؤ کہ اس پر استدلال کا فرض کب واجب ہوتا ہے۔ آیا قبل بلوغ یا بعد بلوغ۔ دو میں سے ایک امر ضروری ہے۔ طبری کا جواب تو یہ ہے کہ یہ قبل بلوغ واجب ہے۔

یہ غلط ہے، کیوں کہ جو بالغ نہ ہو نہ وہ مکلف ہے نہ مخاطب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تین آدمیوں سے قلم اُٹھا لیا گیا ہے" (یعنی اُن پر کچھ فرض نہیں) آپ نے بیان کیا کہ "بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو"۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ کا جواب باطل ہو گیا۔

اشعریہ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن سے اہل اسلام کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کان کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ان امور کے قایل کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ دلایل کا حاصل کرنا بلوغ کے بعد ہی واجب ہوتا ہے۔ اسی جملے پر اُنھوں نے قناعت نہیں کی کہ ہمیں مشقت کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اُس چیز کی تصریح کر دی جس کا الزام ہم اُن کو دینا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے علانیہ یہ کہا کہ کسی کا اسلام صحیح نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے بلوغ کے بعد شک کرنے والا اور تصدیق نہ کرنے والا رہتا ہے۔

ہم نے کفر میں اور اسلام سے خارج ہونے میں اس قوم کے قول سے زیادہ بدتر قول کبھی نہیں سنا کہ کوئی شخص مسلم نہیں ہوتا تا وقتے کہ وہ اللہ تعالیٰ میں اور صحت نبوت میں اور اس میں شک نہ کرے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق ہیں یا کاذب ہو اسی

وتناقض اور حقایق کی توہین میں کسی سننے والے نے ان لوگوں کے قول سے بدتر قول نہ سنا ہوگا کہ بغیر کفر کے ایمان صحیح نہیں ہوتا اور بغیر انکار کے تصدیق صحیح نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا تک رسائی جب ہی ہوسکتی ہے کہ جب اللہ میں شک کرے۔ جو شخص اپنے دلی یقین کے ساتھ اعتقاد کرے اور اپنی زبان سے کہے "اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دین اسلام وہ دین ہے جس کے سوا کوئی دین نہیں" تو وہ کافر و مشرک ہے۔ اے اللہ ہم تجھی سے بے توفیقی سے پناہ مانگتے ہیں۔ واللہ اگر اللہ تعالیٰ کا وہ خذلان و بے توفیقی جو اُس کے حال پر غالب ہے نہ ہوتی تو کسی صاحب ہوش کی زبان اس بڑی بات پر نہ چلتی۔ اور اس ملعون مقالے کے رد کے تکلف سے یہی کافی ہے۔ اور جو اس حد تک پہنچ گیا ہو اُس سے خاموش ہی رہنا اچھا ہے۔ اور ہم گمراہی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس کے بعد ہم اُن لوگوں سے کہتے ہیں کہ اُس کے متعلق بتاؤ جس پر تم نے فرض میں شک یا صحت نبوت و رسالت میں شک واجب کیا ہے کہ وہ مدت کتنی ہوگی جس میں تم نے اُس پر اُس کا صاحب شک و صاحب استدلال و طالب دلایل رہنا واجب کیا ہے۔ اور کیا ہوگا اگر وہ اپنے گاؤں یا اپنے شہر یا اپنے ملک میں دلایل کا اچھا جاننے والا نہ پائے گا تو وہ دلایل کی تلاش میں سفر کرے گا پھر اُسے پریشانیاں اور خوفناک امور پیش آئیں گے اور وہ دریا یا مرض کی وجہ سے معذور ہوگا۔ پھر یہی حالت اُس کے لیے گھنٹوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں اور برسوں برابر رہی تو اُس کے بارے میں تمھارا کیا قول ہے۔

اگر انھوں نے کوئی مدت مقرر کی ایک یا دو یا تین دن کی یا اس سے زیادہ کی تو یہ بلا دلیل فیصلہ کرنے والے اور بغیر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے قایل ہونے والے ہوں گے۔ اس سے تو کوئی بھی عاجز نہیں کہ وہ اس مدت کی حد مقرر کرنے میں زیادہ کہے یا کم کہے۔ اور جو یہاں تک پہنچ گیا اُس کے قول کا فساد ظاہر ہوگیا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہم اس کے بارے میں کوئی حد نہیں مقرر کرتے تو ہم اُن سے کہیں گے کہ پھر اگر وہ مدت اس طور طویل ہو جائے یہاں تک کہ اُس کی عمر ختم ہو جائے اور وہ اپنے استدلال کی اُسی مدت کے اندر مر جائے جو تم نے اُس کے لیے محدود کی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اور نبوت کے بارے میں شک ہی کرتا ہو تو آیا وہ مومن مرے گا اور اُس کے لیے جنت واجب

ہو گی یا کافر مرے گا اور اُس کے لیے دوزخ واجب ہو گی۔

اگر وہ یہ کہیں کہ مومن مرے گا اور اُس کے لیے جنت واجب ہو گی تو یہ بہت بڑی مصیبت لے آئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اُن شک کرنے والوں کو جو اُن کے نزدیک بھی شک کرنے والے ہیں مومن وجنتی قرار دیا۔ اور یہ خالص کفر اور وہ تناقض ہے جس میں کوئی خفا نہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ سن چکے ہیں کہ انسان عمر بھر اسی حال میں رہ سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور نبوت ورسالت کے بارے میں شک کرتا ہے۔

اگر وہ کہیں کہ وہ کافر مرے گا اور اُس کے لیے دوزخ واجب ہو گی۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ تم نے ایسی چیز کا حکم دیا ہے جس میں اُس کی ہلاکت ہے اور تم نے وہ چیز اس پر واجب کی ہے جس میں اس کی بربادی ہے۔ شیطان بھی اُس کے معاملے میں یہی کرتا ہے جو اسے دوامی دوزخ تک پہنچا دے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ وہ اہل فترت کے حکم میں ہے (فترت وہ زمانہ ہے جو ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کے آنے تک خالی گزرتا ہے)۔ تو ہم اُن سے کہیں گے کہ یہ باطل ہے اس لیے کہ اہل فترت کے پاس تو رسالت نہیں پہنچی اور نہ انھیں نبوت کی خبر پہنچی نص صرف اہل فترت کے بارے میں آئی ہے۔ جو شخص خبر میں ایسی چیز کا اضافہ کرے جو اُس میں نہ ہو تو اُس نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا۔

ہم بتوفیق الٰہی اُن سے کہتے ہیں کہ تمھارے نزدیک اُس استدلال کی کیا تعریف ہے جس سے آدمی کو مومن کہا جا سکے۔ وہ ایک دلیل سنتا ہے جس پر کوئی اعتراض ہے تو آیا یہ دلیل اُسے کافی ہے یا نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اُسے کافی ہے۔ تو اُن سے کہیں گے کہ یہ کہاں سے لازم آیا کہ وہ اُسے کافی ہے حالاں کہ وہ ایسی دلیل ہے جس میں اعتراض کیا گیا ہے۔ ان دلایل کی یہ صفت نہیں ہوتی جو جہل سے نکال کر علم میں لے آتی ہیں۔ بلکہ یہ اُسی جہل تک پہنچانے والی ہیں جن پر وہ قبل استدلال تھا۔

اگر وہ یہ کہیں کہ یہ اُسے کافی نہیں تا وقتے کہ اُسے یقین نہ ہو جائے کہ ایسی دلیل مل گئی ہے جس میں اعتراض ممکن نہیں۔ تو اُنھوں نے ایسی چیز کا تکلف کیا جو اکثر لوگوں کی وسعت میں نہیں ہے۔ یہ وہ چیز ہے جہاں تک بہت کم لوگ اور بہت طویل زمانہ اور

کثیر بحث سے پہنچ سکیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اُس ناپاک و ملعون مقالے والے اس کے علم سے بالکل خالی ہیں۔

اس مقالۂ خبیثہ کے بطلان پر برہان یہ ہے کہ مسلمین و یہود و نصاریٰ و مجوس و مانیہ و دہریے میں سے جو شخص تاریخ و سیر سے کچھ بھی واقف ہے وہ اس میں شک نہ کرے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مبعوث ہوئے برابر لوگوں کی بڑی سے بڑی جماعتوں کو اللہ تعالیٰ پر اور اُس پر جو آپ خود لائے ایمان لانے کی دعوت دیتے رہے۔ روئے زمین کے جو مخالفین آپ سے جنگ کرتے تھے آپ اُن سے جنگ کرتے رہے، آپ ان کی خون ریزی اُن کی عورتوں اور بچوں کے قید کرنے اور اُن کے مال ضبط کرنے کو حلال اور تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے رہے اور ذلت کے ساتھ اُن سے جزیہ لیتے رہے۔ جو ایمان لاتا تھا اس کے ایمان کو قبول فرماتے تھے اور اُس کی جان و مال اور بیوی بچوں کو حرام کر دیتے تھے اور اس پر اسلام کا حکم لگاتے تھے۔ ان لوگوں میں دیہاتی عورتیں اور بکریوں کے چرانے والے مرد و عورت اور جنگلی و دشتی غلام حبشی اور قیدی اور مال غنیمت کی حبشی عورت اور رومی و رومیہ اور احمق و جاہل اور کم فہم سبھی ہوتے تھے۔ آپ نے کبھی ان لوگوں سے اور نہ دوسروں سے یہ نہیں فرمایا کہ میں تمہارا اسلام قبول نہیں کرتا اور تمہارا دین صحیح نہ ہوگا تا وقتیکہ میں جس امر کی تمہیں دعوت دیتا ہوں اُس کی صحت پر تم استدلال نہ کرو گے۔

ہم یہی نہیں کہتے کہ ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کسی سے فرمائی ہو، بلکہ ہم اور تمام اہل زمین یقین کرتے ہیں اور یقین بھی ایسا کہ جس یقین سے ہم آپ کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے کبھی کسی سے یہ نہیں فرمایا اور آپ نے کسی کے اسلام کو تا وقتیکہ وہ استدلال نہ کرے رد نہیں فرمایا۔ اول سے آخر تک تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسی طریقے پر چلے۔ اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ پھر تمام اہل زمین ہمارے زمانے تک اسی طریقے پر رہے۔ اہل اسلام کے نزدیک یہ محال و ممتنع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ایسی چیز کے بیان کرنے میں غفلت فرمائیں جس کے بغیر کسی کا بھی اسلام صحیح نہیں ہوتا ہو۔ اس کے بعد اس سے غافل رہنے پر یا ہمارا اُس کے ذکر نہ کرنے پر تمام اہل اسلام متفق ہو جائیں اور یہ بدبخت لوگ اُس کو لوگوں سے بیان کریں۔ اور جو یہ گمان کرے کہ اسے دین کا وہ حصہ مل گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

حاصل نہ تھا تو وہ بلا اختلاف کے کافر ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ مقالہ اجماع کے اور اللہ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور تمام اہل اسلام کے بالکل خلاف ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ لوگوں کو نشانیوں کی اور معجزات کی اور اللہ تعالی کے ان پر قرآن میں حجت قایم کرنے کی اور قرآن کے اعجاز کی اور یہود کو تمنائے موت کی دعوت کی اور نصاریٰ کو مباہلے کی دعوت کی اور شق قمر کی کیا حاجت تھی۔

بتوفیق الہٰی ہم کہیں گے کہ لوگوں کی دو قسمیں تھیں۔

ایک وہ کہ اُن کے قلوب کو اسلام سے تسکین نہ ہوئی اور اُن کے دلوں میں تصدیق داخل نہیں ہوئی۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہین طلب کیں تو آپ نے اُنھیں معجزات دکھائے۔ ان کی بھی دو قسمیں ہو گئیں ایک گروہ تو وہ تھا جو ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے مخالفت کی اور علانیہ کی اور کفر پر قایم رہا۔ اس صفت کے لوگوں کو آج بھی استدلال کا تلاش کرنا فرض اور ضروری ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔

ایک دوسری قسم وہ ہے جنھیں اللہ تعالی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی توفیق دی۔ اور اللہ تعالی نے اُن کے دلوں میں ایمان پیدا کر دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے" بل اللہ یمن علیکم ان ھدیٰکم للایمان ان کنتم صادقین" (بلکہ اللہ تم پر احسان جتاتا ہے کہ اُس نے تمھیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو)۔ یہ لوگ بغیر کسی تکلیف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

اس مقالے والوں کو یہ بھی لازم آتا ہے کہ سوائے چند کے تمام روئے زمین کے لوگ کافر ہوں ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ وہ استدلال کرنے والے لوگ ہیں۔

یہ وہ علانیہ جہالت ہے کہ یہ شخص جانتا ہے کہ وہ اس میں کاذب ہے اور جو سنے گا وہ بھی جانے گا کہ یہ اس میں کاذب ہے اس لیے کہ شہری و دیہاتی عوام میں سے اکثر یہ بھی نہیں جانتے کہ استدلال کے کیا معنی ہیں۔ بھلا وہ اسے استعمال کیسے کر سکتے ہیں۔

جو اس مقالے کا قایل ہو اُسے لازم ہے کہ وہی گوشت کھائے جسے وہ خود ذبح کرے یا وہ ذبح کرے جسے یہ جانتا ہو کہ یہ مستدل (استدلال کرنے والا) ہے۔ اور اسی عورت سے نکاح کرے جسے یہ جانتا ہو کہ یہ مستدلہ ہے۔ اُسے یہ بھی لازم ہے کہ وہ قبل استدلال و مدت استدلال کے زمانے کے متعلق اپنے اوپر کفر کی شہادت دے۔ اور اس بیوی کو چھوڑ دے جس سے اُس

مدت میں نکاح کیا ہے۔ اپنے ماں باپ اور بھائی کا وارث نہ بنے اگر وہ لوگ متبدل نہ ہوں۔ اُن باغیوں کا سا عمل کرے جو دھوکے سے قتل کر دیتے ہیں جس کو پائے اُس کے قتل کرنے میں وہی عمل کرے جو وہ لوگ کرتے ہیں جن کو خون بہا دیا جاتا ہے اور اُن کی مدد کی جاتی ہے۔ تمام روئے زمین کے مال کو حلال سمجھیں۔ ان میں سے کسی شے سے باز رہنا انھیں جایز نہیں اس لیے کہ کفار سے جہاد فرض ہے۔

یہ سب اس وقت ہے کہ یہ اپنے اصول کو جاری رکھنے کا التزام کریں اور اپنی تکفیر کریں۔ اگر وہ ان امور کے قایل نہ ہوں تو انھوں نے تناقض و اختلاف بیانی اختیار کی۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ جو اپنے دل سے اسلام کا اعتقاد کرے اور اُس کی زبان بھی اُسی کو ادا کرے تو وہ اللہ کے نزدیک مومن ہے اور جنتی ہے خواہ یہ اسلام اُس کا قبول کردہ ہو یا وہ اُسی میں پیدا ہوا ہو یا استدلال سے ہو۔ و باللہ تعالی التوفیق۔

ہم اُن سے کہتے ہیں کہ تم اپنے جن اقوال کو اپنا دین سمجھتے ہو اُن میں جو تمہارے مخالفین ہیں تمہارے سوا اُن مخالفین میں سے کبھی کسی نے استدلال کیا یا نہیں کیا۔ لامحالہ اقرار کریں گے کہ اُن کے مخالفین نے بھی استدلال کیا ہے۔ حالاں کہ وہ لوگ اُن کے نزدیک ایسے ہی غلطی کرنے والے ہیں جیسے وہ لوگ جنھوں نے استدلال نہیں کیا۔ تم لوگ بھی اُن کے نزدیک غلط کار و خطادار ہو۔

اگر وہ کہیں کہ ہمیں دلائل نے مطمئن کر دیا ہے کہ ہم غلطی پر نہیں ہیں تو ہم ان سے کہیں گے کہ بعینہٖ یہی قول تمہارے مخالفین کا بھی ہے۔ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کے دلایل اُن کے قول کے درست ہونے پر اور تمہارے قول کے غلط ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ لوگ جب سے ہیں برابر ہمارے زمانے تک اسی دعوے پر قایم ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اپنے استدلال سے سوائے اُس کے کیا پایا جو اس نے پایا جس نے استدلال نہیں کیا۔ دونوں برابر سرابر ہیں۔ کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر یہ کہیں کہ تمہارے اس قول پر تو استدلال بھی بالکل باطل ہو جاتا ہے اور دلیل بھی کُل کی کُل باطل ہو جاتی ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ اس سے اللہ کی پناہ ہم نے تمھیں یہ دکھا دیا کہ کبھی استدلال وہ شخص کرتا ہے جو خطا پر ہوتا ہے اور کبھی استدلال وہ کرتا ہے جو توفیق الٰہی صواب پر ہوتا ہے۔ کبھی وہ استدلال نہیں کرتا جو خطا پر ہوتا ہے، کبھی وہ استدلال نہیں کرتا جو

بتوفیق الٰہی صواب پر ہوتا ہے اور جس پر اُس صواب کو سہل کر دیا جاتا ہے جس کے لیے اُسے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اُس برہان اور دلایل صحیحہ کو جن میں کسی مغالطے کی آمیزش نہیں ہے آسان کر دیا جاتا ہے جو اُس حق کے موافق ہو جس کی صحت پر اُس کے غیر کے نزدیک براہین صحیحہ قایم ہوں تو وہ مصیب (یعنی صواب پر ہے) و محق (حق پر ہے) و مومن ہے۔ خواہ استدلال کرے یا استدلال نہ کرے۔ جس کے لیے اُس باطل کو سہل کر دیا گیا ہے جس کے بطلان پر اُس کے غیر کے نزدیک تو وہ اہل باطل و خطاوار یا کافر ہے خواہ وہ استدلال کرے یا استدلال نہ کرے۔ یہ وہ امر ہے جس کی صحت پر برہان قایم ہے۔ والحمد للّٰہ رب العٰلمین وباللّٰہ تعالیٰ التوفیق

وعد و وعید
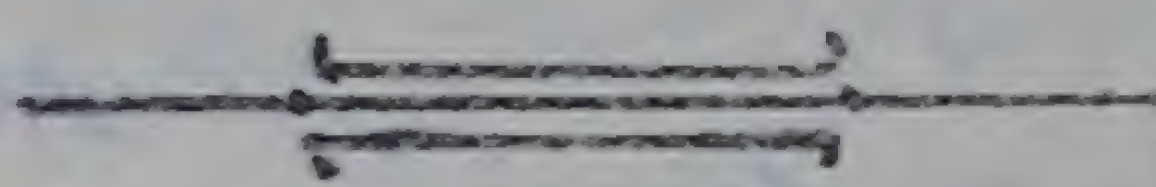
وعد و وعید میں لوگوں کو اختلاف ہے۔ ہر گروہ کا مذہب ایک قول ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ صاحب کبیرہ نہ مومن ہے نہ کافر۔ بلکہ فاسق ہے۔ جو کسی کبیرہ گناہ پر اصرار کرتا ہوا مر گیا تو وہ مسلم نہیں مرا۔ جب مسلم نہیں مرا تو وہ دوامی دوزخ میں ہے مگر جو اس حالت میں مرا کہ اُس کا کوئی کبیرہ گناہ نہیں۔ یا اُس نے مرنے سے پہلے کبائر سے توبہ کر لی تو وہ مومن و جنتی ہے وہ کبھی دوزخ میں نہ جائے گا۔

بعض نے کہا ہے کہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ وہ ایمان و اسلام سے خارج کرنے والا ہے۔ اگر کوئی اس پر مر جائے تو وہ غیر مسلم ہے۔ اور غیر مسلم ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ یہ مقالات خوارج و معتزلہ کے ہیں۔ سوائے اس کے کہ ابن بکر ابن اخت عبدالواحد بن زید نے طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہا ہے کہ یہ دونوں کافر ہیں اور جنتی ہیں اس لیے کہ یہ دونوں اہل بدر میں سے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے لیے فرمایا کہ تم لوگ جو چاہو کرو میں نے تمھاری مغفرت کر دی ہے۔ اس لیے اہل بدر اگر کفر بھی کریں تو اُن کی مغفرت ہو جائے گی۔ برخلاف دوسروں کے۔

بعض مرجیہ نے کہا ہے کہ اسلام کے ہوتے ہوئے کوئی بدکاری مضر نہیں جیسا کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی مفید نہیں۔ یہ کہا ہے کسی معصیت کو پہنچے اہل جنت میں سے ہے۔

دوزخ کو نہیں دیکھے گا۔ دوزخ صرف کفار کے لیے ہے۔ یہ دونوں گروہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ کوئی شخص دوزخ میں اس طرح داخل نہ ہوگا کہ پھر اُس سے نکالا جائے۔ جو اس میں داخل ہوگا وہ ہمیشہ کے لیے اُس میں داخل ہوگا اور جو جنتی ہوگا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔

۳۸

اہل سنت اور حسین نجار اور ان کے اصحاب اور بشر بن غیاث المریسی اور ابو بکر ابن عبدالرحمٰن بن کیسان الاصم البصری اور غیلان بن مروان الدمشقی القدری اور محمد بن شبیب اور یونس بن عمران اور ابوالعباس الناشی اور اشعری اور اُن کے اصحاب اور محمد بن کرام اور اُن کے اصحاب نے کہا ہے کہ کفار ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھے جائیں گے اور مومنین سب کے سب جنت میں ہوں گے۔ اگرچہ وہ صاحب کبائر ہوں اور اُن پر اصرار کرنے کی حالت میں مر گئے ہوں۔

ان کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔

ایک گروہ تو وہ ہے جو دوزخ میں داخل کرتے ہیں پھر اُس سے نکال کے جنت میں لے جاتے ہیں۔

ایک گروہ سوائے مذکورہ بالا اشخاص کے کسی کو دوزخ میں داخل نہیں کرتا۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ کبیرہ کے مرتکب مومنین میں سے جس کو چاہے دوزخ کا عذاب کرے پھر انھیں جنت میں داخل کرے۔ اُسے اختیار ہے کہ وہ اُن کی مغفرت کردے اور بدون عذاب کیے انھیں جنت میں داخل کردے۔

اس کے بعد ان کے فرقے ہو گئے ہیں۔ ان میں سے ایک فرقے نے کہا ہے اور وہ محمد ابن شبیب و یونس و ناشی کا فرقہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اہل کبائر میں سے کسی ایک پر بھی عذاب کرے گا تو لامحالہ وہ سب پر عذاب کرے گا پھر انھیں جنت میں داخل کرے گا اور اگر اُن میں سے کسی ایک کی مغفرت کرے گا تو لامحالہ سب کی مغفرت کرے گا۔

ایک فرقے نے کہا ہے کہ وہ جس پر چاہے گا عذاب کرے گا اور جس کی چاہے گا مغفرت کردے گا اگرچہ اُن کے گناہ بہت ہوں برابر ہوں۔ کبھی وہ بہت بڑے گناہ والے کو بخش دے گا اور اُس سے چھوٹے گناہ والے پر عذاب کرے گا۔ ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ سوائے عمداً قاتل کے کہ یہ تو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھا جائے گا اس کے علاوہ وہ جس مرتکب کبیرہ کی چاہے گا مغفرت کردے گا اور چاہے گا تو عذاب کرے گا۔

ایک فرقے نے کہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ مسلم ہو اور ہر کبیرہ سے تائب ہو یا اس نے کبھی کبیرہ کیا ہی نہ ہو تو اس کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے، وہ جنتی ہوگا اور دوزخ میں نہ جائے گا۔ اگرچہ اس کے گناہ اس حد تک پہنچ گئے ہوں جہاں تک اللہ چاہے کہ وہ پہنچیں۔ جس نے ایک یا زیادہ کبیرہ گناہ کیے اور اُن سے توبہ نہیں کی اور اسی حالت میں وہ اللہ سے ملا تو حکم یہ ہے کہ مواخذہ ہوگا۔ جس کے حسنات اُس کے کبائر و سیئات پر غالب ہوں گے اُس کے تمام کبائر ساقط ہو جائیں گے اور وہ جنتی ہوگا دوزخ میں نہ جائے گا۔ اگر اس کے حسنات اُس کے کبائر و سیئات کے مساوی ہوں گے تو یہ لوگ اہل اعراف ہوں گے اور انھیں ٹھیرایا جائے گا۔ یہ دوزخ میں نہ جائیں گے۔ اس کے بعد یہ جنت میں داخل ہوں گے۔ جس کے کبائر و سیئات اُس کے حسنات پر غالب ہوں گے تو ان لوگوں کو بقدر اُن گناہوں کے سزا دی جائے گی جو حسنات سے غالب ہوں گے۔ یہ سزا دوزخ کے ایک شعلے سے لے کر اُس کے پچاس ہزار برس کے قیام تک ہوگی۔ اس کے بعد یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیے جائیں گے مذکورۂ بالا اشخاص کو جنت میں اُس کے فاضل حسنات کے مطابق جزا دی جائے گی۔ جن کے حسنات فاضل نہ ہوں گے جو اہل اعراف اور اُن سے کمتر ہوں گے اور جو دوزخ سے شفاعت و رحمت سے نکلیں گے تو یہ سب جنت میں اُن لوگوں کے مساوی ہوں گے جن کی ایک یا زیادہ نیکی غالب ہے۔

جو یہ کہتے ہیں کہ صاحب کبیرہ اور اسی طرح گناہگار کبھی ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہے گا تو اُن کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون" (خبردار جو لوگ اللہ کے دوست ہیں اُن پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ پریشان ہوں گے)۔ اور یہ کلام الٰہی ہے "ومن جاء بالحسنۃ فلہ خیر منھا وھم من فزع یومئذ امنون۔ ومن جاء بالسیئۃ فکبت وجوھھم فی النار" (جو نیکی کرے گا اس کے لیے اس سے بہتر ہے۔ اور یہ لوگ اُس روز کی پریشانی سے محفوظ ہوں گے۔ اور جو بدی کرے گا تو انھیں اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا)

اور یہ کلام الٰہی ہے " والذین کسبوا السیئات جزاء سیئۃ بمثلھا وترھقھم ذلۃ ۔ مالھم من اللہ من عاصم ۔ کانما اغشیت وجوھھم قطعا من اللیل مظلما ۔ اولئک اصحاب النار ھم فیھا خلدون " (جو لوگ برائیاں کریں گے تو ہر بدی کا بدلہ اسی کے مثل ہوگا اور ان پر ذلت چھا جائے گی ۔ ان کو اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا ۔ گویا ان کے چہروں کو شب تاریک کے ایک ٹکڑے سے ڈھانک دیا گیا ہے ۔ یہ لوگ دوزخ والے ہیں ۔ جو اس میں ہمیشہ رہیں گے) ۔ اور یہ کلام الٰہی ہے " ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارًا خالدًا فیھا " (اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی حدود سے بڑھے گا تو وہ اسے ایسی آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا) ۔ اور یہ کلام الٰہی ہے " ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہٗ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما " (اور جو عمداً کسی مومن کو قتل کرے گا تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس پر اس کی لعنت ہے ۔ اور اس نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے) ۔ اور یہ کلام الٰہی ہے " ولا یزنون ومن یفعل ذلک یلق اثاما ۔ یضاعف لہ العذاب یوم القیمۃ ویخلد فیھا مھانا ۔ الا من تاب وامن " (اور جو لوگ زنا نہیں کرتے ۔ اور جو اس کو کرے گا وہ گناہ کا مرتکب ہوگا ۔ قیامت کے روز اسے دوچند عذاب ہوگا ۔ اور ذلت کے ساتھ اس میں ہمیشہ رہے گا ۔ مگر وہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے) اور یہ کلام الٰہی ہے " ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا ۔ وسیصلون سعیرا " (بیشک جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں ۔ اور وہ عنقریب دوزخ میں جائیں گے) ۔ اور یہ کلام الٰہی ہے " ان الذین یرمون المحصنت الغفلت المومنت لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم " (بیشک جو لوگ پاک دامن ایسی باتوں سے ناواقف مومنہ عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں لعنت اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے) ۔ اور اس کلام الٰہی سے " ومن یولھم یومئذ دبرہٗ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جھنم وبئس المصیر " (اور جو بروز جنگ کفار سے پشت

۳۹

پھیرے گا بجز اس کے کہ وہ پینترا بدل رہا ہو یا اپنی جماعت کی پناہ میں آ رہا ہو تو اُس نے اللہ کا غضب حاصل کیا اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے)۔

اور اس کلام الٰہی سے "انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض۔ ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم" (جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرتے پھرتے ہیں اُن کی یہی سزا ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا انھیں سولی دی جائے یا اُن کے ہاتھ پاؤں مختلف رخ سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں قید کر دیا جائے۔ یہ اُن کے لیے دنیا کی ذلت ہے اور اُن کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے)۔ اور اس کلام الٰہی سے "الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطٰن من المس۔ ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا۔ و احل اللہ البیع وحرم الربوا۔ فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف۔ و امرہ الی اللہ۔ ومن عاد فاولئک اصحب النار۔ ھم فیھا خالدون۔" (جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت میں وہ اسی طرح بدحواس کھڑے ہوں گے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر بدحواس کر دے۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا ہے کہ بیع بھی تو مثل سود ہی کے ہے۔ حالاں کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ پھر جس کے پاس اُس کے رب کی نصیحت پہنچ گئی اور وہ باز آ گیا تو گزشتہ سود جو وہ لے چکا اُسی کا ہے۔ اور اُس کا معاملہ خدا کے حوالے ہے۔ اور جو پھر لے گا تو یہ دوزخی لوگ ہیں جو اُس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

انھوں نے چند احادیث بیان کی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں کہ شراب خوار اور بلی کے قاتل اور اُس شخص کے بارے میں ہیں جو اپنے آپ کو زہر سے یا ہتھیار سے قتل کرے یا پہاڑ سے گرے تو اُس کے ساتھ جہنم میں ہمیشہ یہی کیا جاتا رہے گا۔ جو خودکشی کرے گا اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنت حرام کر دی ہے اور اُس کے لیے دوزخ واجب کر دی ہے۔

ان لوگوں نے بیان کیا ہے کہ گناہ کبیرہ اسم ایمان کو زائل کر دیتا ہے۔ ان میں سے

بعض نے کبیرہ کو شرک کہا اور بعض نے کفران نعمت کہا اور بعض نے نفاق کہا اور بعض نے فسق کہا ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ جب وہ مومن نہیں ہے تو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اس لیے کہ جنت میں صرف مومنین ہی داخل ہوں گے۔ کل یہی ہے جس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے، امور مذکورۂ بالا کے سوا ہمیں ان کی کسی اور دلیل کا علم نہیں ہے۔

جن لوگوں نے قاتل کو دوامی دوزخ کے لیے مخصوص کیا ہے تو انھوں نے اس کلام الٰہی سے استدلال کیا ہے "ومن یقتل مومنا متعمداً" (جو عمداً کسی مومن کو قتل کرے گا اس کی سزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہے گا)۔ جو لوگ ہر مسلم سے وعید کو ساقط کرتے ہیں انھوں نے اس کلام الٰہی سے استدلال کیا ہے "لا یصلیھا الا الاشقی الذی کذب و تولی" (دوزخ میں وہی بدنصیب گرے گا جو تکذیب کرے اور منہ پھیرے)۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ یہ آیت اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قتل یا زنا یا سود یا اور کسی چیز پر جن لوگوں کو وعید عذاب سنائی ہے تو یہ صرف کفار مراد ہیں نہ کہ اور لوگ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ جو شخص خلوص قلب سے لا الٰہ الا اللہ کہے گا وہ جنت میں جائے گا اگرچہ وہ چوری کرے شراب پیے، چاہے ابوذر ناک بھی رگڑ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے "ان رحمت اللہ قریب من المحسنین" (بیشک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے)۔ جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے تو وہ محسن (نیکی کرنے والا) ہے۔ لہٰذا اللہ کی رحمت اُس کے قریب ہے۔ اور اللہ جس پر رحمت کرتا ہے اس پر عذاب نہیں کرتا جس طرح کفر ہر نیکی کو برباد کر دیتا ہے اسی طرح ایمان ہر بدی کا کفارہ ہے۔ رحمت وعفو اللہ تعالیٰ کے زیادہ لائق ہے۔

کُل یہی امور ہیں جن سے انھوں نے استدلال کیا ہے۔ ہمیں ان کے سوا اُن کی کسی اور دلیل کا علم نہیں۔ یا انھیں مذکورۂ بالا دلایل میں داخل ہے اور اس سے خارج نہیں ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بخش دے اور جس پر چاہے عذاب کرے۔

جس پر عذاب کیا جاتا ہے کبھی وہ اُس شخص سے کم گناہگار ہوتا ہے جس کی مغفرت کی جاتی ہے۔ ان لوگوں نے اس کلام الٰہی سے استدلال کیا ہے "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء" (اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہ کرے گا جو اُس کے ساتھ شرک کیا جائے گا اور اس کے سوا کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا)۔ اور اس کلام الٰہی کے عموم سے "یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء" (جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس پر چاہے گا عذاب کرے گا)۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے "اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازوں کو بندے پر فرض کیا ہے جو انھیں بجا لائے گا کہ اُن کے حدود سے کچھ کم نہ کرے گا تو اُس کے لیے اللہ کا عہد ہے کہ وہ اُسے جنت میں داخل کرے گا اور جو ان کو نہ بجالائے گا تو اللہ کے یہاں اُس کے لیے کوئی عہد نہیں۔ اگر چاہے گا اُس پر عذاب کرے گا اور چاہے گا تو اسے بخش دے گا" انھوں نے مذکورۂ بالا دونوں آیتوں کو اُن تمام آیات پر جن سے دوسرے فرقوں نے استدلال کیا ہے فیصلہ کن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حکم سب اللہ ہی کا ہے۔ اُس کے حکم کے بعد کوئی حکم دینے والا نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ سوائے مذکورۂ بالا دلیل کے ہمیں ان کی کسی اور دلیل کا علم نہیں۔

جن لوگوں نے اسی کے مثل کہا ہے سوائے اس کے کہ انھوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ان میں سے ایک پر عذاب کرے گا تو سب پر عذاب کرے گا اور اگر بخشے گا تو سب کو بخشے گا تو یہ لوگ قدریہ ہیں جو اس قول سے عدل کی طرف جھکے ہیں اور انھوں نے یہ سمجھا کہ ایک کی مغفرت اور دوسرے اسی کے سے گناہ والے پر عذاب جور (ظلم) و محاباۃ (ترجیح و تخصیص) ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔

۴۰

جو لوگ موازنے کے قایل ہیں تو انھوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ وہ آیات و احادیث وعید جن سے مذہب معتزلہ پر چلنے والوں اور خوارج نے استدلال کیا ہے تو یہ ناجایز ہے کہ استدلال کرنے میں اُنھیں مخصوص کیا جائے اور ان آیات و احادیث عفو کو ترک کر دیا جائے جن سے اُن لوگوں نے استدلال کیا ہے جنھوں نے وعید کو ساقط کر دیا ہے۔ حالاں کہ اُن آیات کو چھوڑ کر جن سے وعید ثابت کرنے والوں نے

استدلال کیا ہے صرف ان آیات وعید سے استدلال کرنا بھی جایز نہیں، بلکہ واجب یہی ہے کہ ان تمام آیات واحادیث کو جمع کیا جائے۔ یہ سب حق ہیں اور سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور یہ سب مجمل ہیں جن کی تفصیل آیات موازنہ اور اُن احادیث شفاعت سے ہوتی ہے کہ ان آیات و احادیث کے عموم کا بیان ہے اور یہ سب اللہ کی طرف سے ہیں۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" یا ویلتنا ما لھذا الکتب لایغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا ووجدوا ما عملوا حاضرا۔ ولا یظلم ربک احدا" (وائے برحال ما۔ کہ یہ عجیب کتاب ہے جو چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سی بڑی بات کو بغیر احاطہ کیے نہیں چھوڑتی۔ اور ان لوگوں نے جو اعمال کیے ہیں انھیں موجود پائیں گے۔ اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا)۔ اور فرمایا ہے "ونضع الموازین القسط لیوم القیمۃ فلا تظلم نفس شیئا۔ وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بھا وکفی بنا حاسبین" (اور ہم روز قیامت کے لیے انصاف کی ترازو میں رکھیں گے۔ پھر کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی چیز ہو تو ہم اُسے لائیں گے اور ہمارا حساب داں ہونا کافی ہے)۔ اور فرمایا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ" (جو ایک ذرے کے برابر بھی نیکی کرے گا اُسے دیکھے گا اور جو ایک ذرے کے برابر بھی بدی کرے گا اُسے دیکھے گا) اور فرمایا ہے "وما کان اللہ لیضیع ایمانکم" (اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تمھارے ایمان ضایع کردے)۔ اور فرمایا ہے "فاذا ھم جمیع لدینا محضرون۔ فالیوم لا تظلم نفس شیئا ولا تجزون الا ما کنتم تعملون" (پھر جب وہ سب ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے۔ تو آج کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور تمھیں اس کے سوا کوئی جزا نہ ملے گی جو تم کرتے ہو)۔ اور فرمایا ہے "لیجزی اللہ کل نفس ما کسبت ان اللہ سریع الحساب" (تاکہ اللہ ہر شخص کو اُس کی جزا دے جو اُس نے کیا ہے۔ بیشک اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے)۔ اور فرمایا ہے "وتوفی کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون" (اور ہر شخص کو جو اُس نے حاصل کیا ہے پورا دیا جائے گا اور اُن پر کوئی ظلم نہ ہوگا)۔ اور فرمایا ہے (لتجزی کل نفس بما تسعی" (تاکہ ہر ایک کو جو وہ کوشش کرتا ہے اُس کی جزا دی جائے)۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وان لیس للانسان الا ما سعی۔ وان سعیہ سوف یری۔ ثم یجزاہ الجزاء

الا وفی" (اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں سوائے اس کے کہ جو وہ خود سعی کرے، اور بیشک اس کی سعی اسے دکھائی جائے گی۔ پھر اسے پوری جزا دی جائے گی)۔ اور فرمایا ہے "وان للذین ظلموا عذابا دون ذلک" (اور بیشک ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا اس کے علاوہ بھی عذاب ہے)۔ اور فرمایا ہے "لیجزی الذین اساؤا بما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحسنی" (تاکہ وہ ان لوگوں کو سزا دے جنھوں نے بداعمالیاں کیں۔ اور ان لوگوں کو جزا دے جنھوں نے نیکوکاریاں کیں)۔ اور فرمایا ہے "ھنالک تبلو کل نفس ما اسلفت" (اس جگہ ہر ایک کو وہ بھگتنا پڑے گا جو اس نے پہلے بھیج دیا ہے)۔ اور فرمایا ہے "وان کلا لما لیوفینھم ربک اعمالھم انہ بما یعملون خبیر" (اور بیشک تمام سب کو آپ کا رب ان کے اعمال کی جزا ضرور دے گا۔ بیشک یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ اس سے باخبر ہے)۔ اور فرمایا ہے "وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ان اللہ بما تعملون بصیر" (اور تم لوگ جو نیکی اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے۔ بیشک تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے)۔ اور فرمایا ہے "لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتب من یعمل سوأ یجز بہ ولا یجد لہ من دون اللہ ولیا ولا نصیرا" (نہ تمھاری تمناؤں کے مطابق ہوگا نہ اہل کتاب کی تمناؤں کے مطابق۔ جو شخص کچھ بھی بدی کرے گا اسے اس کی جزا دی جائے گی۔ اور اللہ کے علاوہ وہ کسی کو اپنا دوست و مددگار نہ پائے گا)۔ اور فرمایا ہے "وما تفعلوا من خیر فلن تکفروہ" (اور تم جو نیکی کرو گے تو ہرگز اسے چھپایا نہ جائے گا)۔ اور فرمایا ہے "ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃ یضٰعفھا ویؤت من لدنہ اجرا عظیما" (بیشک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہ کرے گا اور اگر کوئی نیکی ہوگی تو وہ اسے بڑھا دے گا اور اپنے پاس سے ثواب عظیم عطا کرے گا)۔ اور فرمایا ہے "انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی" (میں تمھارے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہ کروں گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت)۔ اور فرمایا ہے "وجاءت کل نفس معھا سائق وشھید۔ لقد کنت فی غفلۃ من ھذا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید۔ وقال قرینہ ھذا مالدی عتید۔ القیا فی جھنم کل کفار عنید۔ مناع للخیر معتد مریب الذی جعل مع اللہ الھا اخر فالقیاہ فی العذاب الشدید۔

قال قرینه ربنا ما اطغیته ولکن کان فی ضلال بعید۔ قال لا تختصموا لدی وقد قدمت الیکم بالوعید۔ ما یبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید" (اور قیامت میں ہر شخص اس حال میں آئے گا کہ اس کے ہمراہ ہنکانے والا اور گواہ ہوگا۔ تو اس سے غفلت میں تھا چنانچہ ہم نے تیری آنکھ کا پردہ کھول دیا۔ آج تیری نگاہ خوب تیز ہے۔ اور اس کا ساتھی فرشتہ کہے گا کہ یہ وہ نامۂ اعمال ہے جو میرے پاس تیار ہے۔ تم دونوں فرشتے ہر کفر کرنے والے اور حق کی مخالفت کرنے والے کو جہنم میں ڈال دو۔ جو نیکی سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا۔ شک کرنے والا ہو۔ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بنا لیے تو اس شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس شخص کا ہمراہی شیطان کہے گا کہ اے ہمارے رب میں نے اس سے سرکشی نہیں کرائی۔ لیکن یہ خود ہی بڑی دور کی گمراہی میں تھا۔ حکم ہوگا کہ میرے سامنے جھگڑا مت کرو۔ اور میں تمھارے سامنے پہلے ہی وعید بھیج چکا تھا۔ میرے یہاں کہی ہوئی بات بدلی نہیں جاتی۔ اور نہ میں اپنے بندوں کے لیے ظالم ہوں)۔ اور فرمایا ہے "فاما من ثقلت موازینہ فامہ هاویہ۔ وما ادراک ماهیه نار حامیہ" (پھر جن کی ترازوئیں بھاری ہوں گی تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوں گے۔ اور جن کی ترازوئیں ہلکی ہوں گی تو ہاویہ (یعنی خاص جہنم) ان کا ٹھکانا ہوگا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ہاویہ کیا چیز ہے۔ یہ دہکتی ہوئی آگ ہے)۔ اور فرمایا ہے "ان الحسنٰت یذھبن السیئات" (بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں)۔ اور فرمایا ہے "ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالہم" (اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے پھر وہ اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہے۔ تو ان لوگوں کے اعمال رائیگاں ہیں)۔ اور فرمایا ہے "من جاء بالحسنة فله عشر امثالها۔ ومن جاء بالسیئة فلا یجزیٰ الا مثلها" (جو نیکی کرے گا تو اس کے لیے اس کا دس گونہ ثواب ہے اور جو بدی کرے گا تو اسے بدی کے مطابق ہی سزا دی جائے گی)۔ اور فرمایا ہے "الیوم تجزیٰ کل نفس بما کسبت لا ظلم الیوم" (آج ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کی جزا دی جائے گی۔ آج کوئی ظلم نہ ہوگا)۔ یہ روزِ قیامت کے متعلق اس کے کلام کی تصریح ہے۔ اور یہی ہر مجمل کا فیصلہ کرنے والی ہے۔

۱۴

ان لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ وہ انصاف کی ترازوئیں

قایم کرے گا۔ کسی پر کوئی ظلم نہ کرے گا، نہ ایک رائی کے دانے برابر نہ ایک ذرے کے برابر، نہ خیر میں نہ شر میں۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ بدی نیکی کو رایگاں نہ کرے گی۔ ایمان گناہ کبیرہ کو ساقط نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ ہر شخص کو اُس کی جزا دی جائے گی جو اُس نے حاصل کیا۔ اور جو عمل کیا اور جو سعی کی۔ کسی کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں۔ جو اُس نے سعی کی۔ اُسے اُس کے متعلق جزا دی جائے گی، جو اُس نے بد اعمال کیے اُن کی بھی، اور جو نیک اعمال کیے اُن کے بھی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کے اعمال کی پوری جزا دے گا۔ اس میں خیر و شر دونوں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر خیر اور ہر شر اور ہر عمل کی جزا دے گا۔ یہ سب اُن کے قول کو باطل کرتا ہے جو دوامی عذاب کے قایل ہیں۔ اور اُن کے قول کو بھی باطل کرتا ہے جو وعید کو ساقط کرتے ہیں۔ اس لیے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ ایمان ضایع و رایگاں ہو جاتا ہے اور یہ اس کلام الٰہی کے خلاف ہے کہ وہ ہمارے ایمان کو ضایع نہ کرے گا۔ اور نہ ہمارے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ خیر ایک بدی سے بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حسنات سیئات کو دور کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ سیئات حسنات کو دور کر دیتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ اعمال کو صرف شرک اور بحالت شرک مرجانا ہی رایگاں کرتا ہے۔ فرمایا ہے "من جاء بالسیئة فلا یجزیٰ الا مثلھا" (جو کوئی بدی کرے گا تو اُسے اُسی کے مطابق جزا دی جائے گی)۔ اگر ہر بدی یا کبیرہ گناہ دوامی جہنم کا سبب ہوتا اور اعمال حسنہ کو رایگاں کر دیتا تو ہر بدی اور ہر کبیرہ کفر ہوتا۔ اور تمام سیئات آپس میں مساوی ہیں۔ اور یہ نصوص کے خلاف ہیں۔ اور ہمیں مذکورۂ بالا نصوص سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے بارے میں یہ فرمایا کہ نہ انھیں قیامت میں کوئی خوف ہو گا اور نہ یہ پریشان ہوں گے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے حسنات اُن کے سیئات پر غالب ہیں۔ وہ بدی ساقط ہو جائے گی جو انھوں نے پہلے کی ہے۔ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "جو بدی کرے گا وہ اوندھے منھ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا" انھیں لوگوں کے بارے میں ہے جن کے کبائر ان کے حسنات پر غالب ہوں گے۔ وہ بدی جو دوامی دوزخ کا سبب ہے وہ کفر ہے۔ اس لیے کہ نصوص میں سیئات کی تقسیم بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان تجتنبوا

کبائرما تنهون عنه نکفر عنکم سیئاتکم" (اگر تم ان کبایر سے باز رہو جن سے تمھیں منع کیا جاتا ہے تو ہم تمھارے سیئات کا کفارہ کردیں گے)۔ یہ وہ سیئات ہیں جو کبایر سے پرہیز کرنے کی وجہ سے بخش دیے جائیں گے۔ فرمایا ہے" وجزاء سیئة سیئة مثلها" (اور بدی کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے)۔ اور فرمایا ہے" ومن یعمل مثقال ذرة شرا یرہ" (اور جو ایک ذرہ بھر بھی بدی کرے گا اُسے دیکھے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ جن سیئات کی جزا دی جائے گی وہ وہی ہیں جن کی مقدار ایک ذرہ ہوگی۔ اور ان میں وہ بھی ہوگا جو اس سے بڑا ہوگا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کفر سیئات میں سب سے بڑا ہے۔ اگر ہر سیئہ و بدی کی جزا خلود (یعنی دوامی دوزخ) ہو تو لامحالہ تمام سیئات کفر ہوں گے اور سب مساوی ہوں گے۔ حالاں کہ از روئے نص ایسا نہیں ہے۔

قاتل وغیرہ کے بارے میں جو خلود کی وعید ہے تو اگر نصوص میں صرف یہی بیان ہوتا تو اسی پر ٹھیرنا واجب ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ" لا یصلیها الا الاشقی الذی کذب و تولی" (جہنم میں صرف وہی داخل ہوگا جو تکذیب کرے اور منہ پھیرے)۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اختلاف و تناقض نہیں ہوتا۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نہ قاتل کافر ہے نہ زانی کافر ہے۔ ان گناہوں کے مرتکب جن پر وعید کی گئی ہے کافر نہیں ہیں اس لیے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان کے لیے مسلمان عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ انھیں نماز کا حکم دیا جائے گا، ان کے اموال کی زکوۃ لی جائے گی، انھیں قتل نہیں کیا جائیگا، اگر اس کے قتل کو معاف کر دیا جائے پھر اُسے کوئی مسلمان قتل کر دے تو اس مسلمان کو اس کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ وہ وارث بھی ہوگا اور اُس کے بھی وارث ہوں گے۔ اور اُس کا ذبیحہ کھایا جائے گا۔ چوں کہ یہ کافر نہیں ہے۔ لہٰذا ہم یقیناً جانتے ہیں کہ اس کا خلود یہی ہے کہ ایک خاص مدت تک جہنم میں قیام ہوگا۔ جس دخول جہنم کی اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے شخص سے نفی کی ہے جو تکذیب نہ کرے اور منہ نہ پھیرے تو وہ دوامی دخول جہنم ہے اس کے سوا نہیں ہو سکتا۔ اسی سے نصوص بھری پڑی ہیں اور متفق ہیں۔

ہمارے روزمرہ کی بول چال میں یہ داخل ہے کہ ایک شخص ایک شہر سے دوسرے

شہر کا قصد کرے اور پھر وہ اس میں کسی ایسے سبب سے قید کر دیا جائے جو ایک مدت تک اس کے قید رکھنے کو ضروری کر دے۔ تو یہ شخص اس شہر کے باشندوں میں سے نہ ہو گا جس میں یہ قید کیا گیا ہے جو شخص دوزخ میں داخل ہو گا پھر وہاں سے نکالا جائے گا تو اس سے اس کا دخول منقطع ہو جائے گا۔ وہ اس کے اہل اور باشندوں میں نہ ہو گا۔ اس کے اہل دوزخ و باشندۂ دوزخ علی الاطلاق اور بالکل اس کے اہل دخول صرف وہی کفار ہوں گے جو اس میں ہمیشہ رکھے جائیں گے۔ ایسا ہی حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائے گا پھر اس سے نکالا جائے گا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ وہ اہل دوزخ کہ وہی اس کے اہل ہیں یعنی کفار تو وہ ہمیشہ کے لیے اس میں رکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظلمین فیھا جثیا" (اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر سے (بذریعۂ پل صراط) گزرنے والا نہ ہو۔ یہ آپ کے پروردگار پر ایک فیصل شدہ امر کی حیثیت سے ضروری ہے۔ پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے اور ظالمین کو چھوڑ دیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل اس میں گر پڑیں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث صحیح میں اسی کو بیان فرمایا کہ جہنم کے درمیان راستہ (صراط) قائم کیا جائے گا۔ قرآن و حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ لوگوں کے میدان حشر سے جنت تک ان کی گزرگاہ وہی ہو گی جس میں وہ وسط جہنم میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اس کی گرمی سے نجات دے گا۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جن کا کوئی کبیرہ گناہ نہ ہو گا یا ہو گا تو اس سے انھوں نے توبہ کر لی ہو گی۔ ان کے کبایر ان کے حسنات غالب ہوں گے یا ان کے کبایر و سیئات ان کے حسنات کے مساوی ہوں گے، اللہ تعالیٰ اسے پاک کر دے گا جس کے کبایر و سیئات اس کے حسنات پر غالب ہوں گے۔ ایمان کی وجہ سے انھیں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرے گا اور اللہ تعالیٰ کفار کو ہمیشہ کے لیے جہنم میں رکھ کر انھیں برباد کرے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولیمحص اللہ الذین آمنوا ویمحق الکفرین" (اور تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو پاک کرے اور کفار کو برباد کرے)۔

ہر وہ آیت وعید وحدیث وعید جس سے اُن لوگوں نے استدلال کیا ہے، جو گناہگاروں کو ہمیشہ کے لیے جہنمی بتاتے ہیں تو یہی لوگ جو ان نصوص سے استدلال کرنے والے ہیں خود یہی اُن نصوص کے سب سے پہلے مخالف ہیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو ان کبایر کا ارتکاب کرے گا پھر توبہ کرلے گا تو اُس سے وعید ساقط ہو جائے گی۔ تو ان لوگوں نے ان نصوص کے ظاہر کو ترک کر دیا ہے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ ہم دوسری نصوص کی وجہ سے اس کے قایل ہوئے ہیں جنھوں نے اس کو ضروری ٹھیرایا ہے۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ اچھا۔ اور اسی طرح ہم نے بھی دوسری نصوص کی وجہ سے کیا ہے اور وہ آیات موازنہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی عمل کرنے والے کے عمل خیر یا شر کو ضایع نہ کرے گا۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔

جو آیات وعید کو بالکل ساقط کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کفار کے بارے میں ہیں۔ اُس سے کہا جائے گا کہ یہ باطل ہے اس لیے کہ قرآن نے جو لشکر سے بھاگنے والے پر وعید کی تصریح کی ہے وہ یقیناً نص آیت کے مطابق جو اس کلام الٰہی میں ہے مومن ہی پر ہے "ومن یولھم یومئذ دبرہ" (اور جو شخص جنگ کے روز کفار سے اپنی پشت پھیرے گا)۔ اور یہ قطعاً ناممکن ہے کہ یہ کافر کے بارے میں ہو۔ لہذا اس کا قول بھی ساقط ہو گیا جو تخلید (یعنی گناہگار مومن کے ہمیشہ کے لیے جہنم میں رکھے جائے گا)۔ قایل تھا۔ اور اس کا قول بھی ساقط ہو گیا جو وعید کے ساقط کرنے کا قایل تھا۔ اُسی کا قول باقی رہ گیا جس نے امکان مغفرت و امکان عذاب کو اکھٹا کر دیا۔

ہم نے اس قول کو مجمل پایا جس کی آیات موازنہ نے تفسیر کر دی۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد جس سے اُن لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ "ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء" (اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہ کرے گا جو اُس کے ساتھ شرک کیا جائے گا۔ اور اس کے علاوہ اور جسے چاہے گا بخش دے گا)۔ تو یہ حق ہے، اپنے ظاہر اور اپنے عموم پر ہے۔ ان کے اقرار کے مطابق دوسری آیات نے اس کی تفسیر کر دی ہے۔ اس لیے کہ اس میں اختلاف نہیں ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کرنے پر بھی اُس شخص کو بخش دے گا جو شرک سے توبہ کرلے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ہے کہ "ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء" (وہ اس کے سوا

جس کو چاہے گا بخش دے گا)۔ یہ سب حق ہے سوائے اس کے کہ اُس نے بیان کر دیا ہے کہ وہ کون لوگ ہوں گے کہ جن کی وہ مغفرت کرنا چاہے گا۔

اگر تم اللہ تعالیٰ کے بیان کی طرف رجوع کرو تو یہی حق ہے۔ اور اگر تم مجمل پر قایم رہنے پر اصرار کرو تو ہمیں ان آیات کے متعلق بتاؤ" یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا" (اے میرے وہ بندو جو خود اپنے اوپر حد سے بڑھ گئے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے)۔ اور یہ آیت "بل انتم بشر ممن خلق یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء" (بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک بشر ہو۔ وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے)۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ عموم جس کے تم قایل ہو تو کیا تم جایز رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کفر کو بھی بخش دے گا اس لیے کہ وہ بھی ایک گناہ ہے یا نہیں بخشے گا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق بتاؤ جو اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت میں فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے روز ان سے فرمائے گا "یا عیسیٰ بن مریم انت قلت للناس اتخذونی وامی الٰہین من دون اللہ۔ قال سبحانک ما یکون لی ان اقول مالیس لی بحق۔ ان کنت قلتہ فقد علمتہ۔ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک۔ انک انت علام الغیوب۔ ما قلت لہم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم۔ وکنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم وانت علیٰ کل شیئی شہید۔ ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم۔ قال اللہ ھذا یوم ینفع الصدقین صدقہم۔ لہم جنت تجری من تحتہا الانہر خالدین فیہا ابدا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ ذلک الفوز العظیم" (اے عیسیٰ ابن مریم۔ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لینا۔ وہ عرض کریں گے کہ سبحان اللہ۔ مجھے کیا بن پڑی تھی کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔ اگر میں کہتا تو آپ کو علم ہوتا۔ آپ تو میرے دل کی بات جانتے ہیں اور میں آپ کے علم میں جو کچھ ہو اُسے نہیں جانتا۔ بیشک آپ ہی تمام غیبی امور کے جاننے والے ہیں۔ میں نے تو اُن سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ تم لوگ

اسی اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے۔ اور میں جب تک ان میں رہا اُن کا نگران رہا اور پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا۔ آپ ہی اُن کے نگہبان رہے۔ اور آپ ہر شے کے خبردار ہیں۔ اگر آپ اُن پر عذاب کریں تو یہ آپ کے بندے ہیں۔ اور اگر آپ انھیں بخش دیں تو بیشک آپ بڑی قدرت وحکمت والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو اُن کی سچائی فایدہ پہنچائے گی۔ ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ سے خوش اور اللہ ان سے خوش۔ اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوگی۔

کیا وہ نصاریٰ جنھوں نے عیسیٰ اور اُن کی والدہ کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود بنالیا وہ بھی جواز مغفرت میں داخل ہیں؟ اس لیے کہ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول سچا ہے کہ اُسے اُن کی مغفرت وعذاب میں اختیار ہے۔

ہمیں اس آیت کے متعلق بھی بتاؤ" قال عذابی اصیب بہ من اشاء ورحمتی وسعت کل شیئی۔ فساکتبہا للذین یتقون ویؤتون الزکوۃ" (اللہ نے فرمایا کہ میں جس پر چاہوں گا اپنا عذاب کروں گا۔ اور میری رحمت ہر شے سے وسیع ہے۔ تو میں اُسے اُن لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو متقی ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں)۔ ان کا یہ کہنا کہ جو کفر کرے اور کافر ہی مرے اس کی مغفرت ہرگز نہ ہوگی اور یہ لوگ اس عموم اور اس کل سے خارج ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء" (اللہ تعالیٰ اُس کو معاف نہ کرے گا جو اُس کے ساتھ شرک کیا جائے گا اور اس کے علاوہ کو وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا)۔ اُن سے کہا جائے گا کہ تم نے اس نص سے اس کل کو کیوں خاص کر دیا۔ اور اس کو کہ وہ اس کے علاوہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا" ان آیات کی وجہ سے خاص نہیں کیا کہ" فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ۔ واما من خفت موازینہ فامہ ھاویہ۔ (لیکن جس کی ترازوئیں بھاری ہوں گی تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا۔ اور جس کی ترازوئیں ہلکی ہوں گی تو اُس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا)۔ اور اس سے" ھل تجزون الا ما کنتم تعلمون" (تمھیں صرف اُسی کی جزا ملے گی جو تم کیا کرتے تھے)۔ اور اس سے" الیوم تجزیٰ کل نفس بما کسبت" (آج ہر شخص کو اس کی

جزا دی جائے گی جو کچھ اُس نے کمایا ہے)۔ حالاں کہ یہ خبر ہے جس میں نسخ نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں۔ مگر اللہ جن کی مغفرت کرنا چاہے کرے گا۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے کہ وہ اُس کو نہیں چاہے گا اس لیے کہ اس نے بتا دیا ہے کہ آج ہر شخص کو اس کی جزا دی جائے گی جو اُس نے کمایا ہے۔ اور کوئی فرق نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آدمی قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اُس کا صدقہ و روزہ و نماز سب کچھ ہوگا مگر معلوم ہوگا کہ اس نے اس کا خون کیا تھا اور اُس کو گالی دی تھی تو اُس کے تمام حسنات لے لیے جائیں گے اور ان میں سے ان لوگوں کو قصاص میں دے دیے جائیں گے۔ جب اس کی کوئی نیکی نہ بچے گی تو ان لوگوں کی برائیاں اُن پر ڈال دی جائیں گی اور اُسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کے بارے میں خبر دی ہے جو دوزخ سے نکالے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ پاک و صاف اور آراستہ کر دیے جائیں گے تو جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واضح طور پر فرمایا ہے کہ دوزخ سے وہ بھی نکال لیا جائے گا جس کے قلب میں جو کے دانے برابر بھی نیکی ہے وہ بھی نکال لیا جائے گا جس کے قلب میں گیہوں کے دانے کے برابر بھی نیکی ہے پھر وہ بھی نکال لیا جائے گا جس کے قلب میں رائی کے دانے برابر بھی نیکی ہے پھر وہ بھی نکال لیا جائے گا جس کے قلب میں ذرے کے برابر بھی نیکی ہے۔ یہاں تک کہ اس سے کمتر اور کمتر سے بھی کمتر نکال لیا جائے گا۔ پھر وہ نکالا جائے گا جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی مگر صرف اسلام کی شہادت دیتا رہا۔ لہٰذا ان تمام نصوص پر رک جانا چاہیے جن نصوص کی تفسیر کر رہی ہیں۔

ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ ہمیں اس شخص کے متعلق بتاؤ جس نے سوائے صغیرہ کے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور جس نے گناہ کا قصد کیا مگر اُسے کیا نہیں۔ اہل حق کا یہ قول ہے کہ اس کی بالکل مغفرت کر دی جائے گی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" الا اللمم" (مگر صغیرہ گناہ تو آپ کا رب بڑی مغفرت والا ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے اُن خیالات سے درگزر فرمایا ہے جو اُن کے دل میں گزرتے رہتے ہیں تا وقتیکہ وہ اسے قول یا عمل میں ظاہر کریں۔

اس کی چند قسمیں ہیں:۔

اول: وہ شخص جو کسی بدی کا خواہ وہ کسی قسم کے سیئات میں سے ہو ارادہ کرے پھر وہ اسے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اختیار سے چھوڑ دے۔ تو اُس شخص کے لیے نیکی

لکھی جائیں گی۔ اگر وہ اُسے مغلوب ہو کے ترک کرے نہ کہ اختیار سے تو اُس کے لیے محض اللہ کے فضل سے نہ بدی لکھی جائے گی نہ نیکی۔ اگر وہ اُسے کرلے گا تو اس کے لیے ایک بدی لکھی جائے گی۔ اگر کسی نیکی کا قصد کیا اور اُسے نہیں کیا تو اُس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اگر اُسے کر دیا تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گے۔ ان سب صورتوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے۔

۴۴ میں نے بعض منکرین سے مناظرہ کیا ہے۔ وہ اس طرف گیا کہ بدی کا قصد کرنا بھی اس پر اصرار ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ غلط ہے۔ کیوں کہ اصرار تو صرف اسی فعل پر ہوتا ہے جس کو برابر کرتے رہنے کے بعد آدمی نے کیا ہے۔ جس نے ایسے فعل کا قصد کیا جسے اُس نے اب تک نہیں کیا تو وہ اصرار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولم یصروا علیٰ ما فعلوا وھم یعلمون" (اور اُنھوں نے اُس پر اصرار نہیں کیا جو انھوں نے کیا اور وہ جانتے ہیں)۔

اس کے بعد ہم اُس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جس نے سوائے کبائر کے بڑی تعداد میں گناہوں کا ارتکاب کیا اور کبھی کوئی کبیرہ نہیں کیا اور اسی حالت پر مرگیا تو کیا یہ لوگ یہ تجویز کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال سیئات کے سبب سے اُس پر عذاب کرے گا، یا یہ کہتے ہیں کہ اس کی مغفرت کردی جائے گی۔

اگر وہ یہ کہیں کہ اس کی مغفرت کردی جائے گی اور یہی کہیں گے تو انھوں نے سچ کہا اور گویا انھوں نے اس آیت کو خاص کردیا "ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء" (اس کے علاوہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا)۔ اور اس آیت کو اس کے عموم پر محمول کرنا ترک کردیا۔ پھر انھیں چاہیے کہ اس شخص پر بھی اعتراض نہ کریں جو اس آیت کو دوسری نص سے خاص کرے۔

اگر وہ یہ کہیں کہ بلکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ان لوگوں پر عذاب کرے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام میں اس کی تکذیب فرمائی ہے "ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم وندخلکم مدخلا کریما" (اگر تم ان کبائر سے بچو جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تم سے تمھارے گناہوں کا کفارہ کردیں گے اور تمھیں باعزت مقام میں داخل

کو مل گئے)۔ اور ہم اللہ کی تکذیب سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔

ہم اُن سے اس شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جس نے کبایر کا ارتکاب کیا اور اسی پر مر گیا۔ اُس نے حسنات بھی کیے جو موازنے کے وقت اُس کے کبایر سے زاید ہیں۔ آیا ان کبایر کے سبب سے جو اُس نے کیے جایز ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس پر عذاب کرے یا یہ کبایر اُس سے معاف و ساقط ہو جائیں گے؟ اگر یہ کہیں کہ وہ گناہ اُس سے معاف و ساقط ہو جائیں گے تو انھوں نے سچ کہا اور آیت " ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء" کے عموم کو خاص کر دیا اور ان لوگوں کو "لمن یشاء" میں داخل کر دیا۔ (یعنی جس کی مغفرت وہ چاہے گا کر دے گا)۔ اور ضرور رہا ہے کہ اُن کی مغفرت ہو جائے گی۔

اگر وہ یہ کہیں کہ بلکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن پر عذاب کرے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام میں اُن کی تکذیب کی ہے " فاما من ثقلت موازینہ فہو فی عیشۃ راضیۃ" (لیکن جن کی ترازوئیں بھاری ہوں گی تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوں گے)۔ ان الحسنات یذھبن السیئات" (بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں)۔

یہی قول اُس شخص کے بارے میں بھی ہے جس کے حسنات و کبایر مساوی ہوں۔ یہ لوگ اہل اعراف ہوں گے۔ ان پر بھی بالکل عذاب نہ ہوگا۔ ثابت ہو گیا کہ یہی چار طبقات ہیں کہ بلاشک اللہ تعالیٰ نے جن کی مغفرت کرنا چاہی اب وہ رہ گئے جن کی اللہ تعالیٰ نے مغفرت نہیں چاہی تھا۔ ان طبقات میں سے اس کے سوا کوئی نہ رہا کہ موازنے میں جس کے کبایر حسنات پر غالب ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو بقدر اُن کے گناہوں کے جزا دی جائے گی، پھر شفاعت اور اللہ کی رحمت سے یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے۔

ان لوگوں نے کہا ہے کہ ان میں وہ بھی ہوں گے جن کی اللہ تعالیٰ مغفرت کر دے گا اور وہ بھی ہوں گے جن پر عذاب کرے گا۔ ہم اُن سے کہیں گے کہ کیا اس بیان کے متعلق تمھارے پاس کوئی نص ہے۔ حالاں کہ وہ لوگ کبھی کوئی نص نہ پائیں گے۔ لہٰذا اُن کا بغیر کسی برہان کے فیصلہ کرنا ظاہر ہو گیا۔ اور اُن کی اُن تمام

آیات سے مخالفت بھی ظاہر ہوگئی جن سے اُنھوں نے استدلال کیا تھا۔ کیوں کہ یہ لوگ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ آیات اپنے عموم پر نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مخصوص ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء" اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو ایمان لے آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے شرک کو بخش دے گا، لہذا ثابت ہوگیا کہ یہ آیات مجمل ہیں، بقیہ آیات واحادیث اُن کی تفسیر کرتی ہیں۔ اسی طرح یہ حدیث عبادت بھی مجمل ہے کہ " اللہ تعالیٰ نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جو اُنھیں اس طرح ادا کرے گا کہ اُن کے حدود میں کچھ کمی نہ کرے تو اُس کے لیے اللہ کا عہد ہے کہ وہ اُسے جنت میں داخل کرے گا۔ اور جو نہ ادا کرے تو اُس کے لیے اللہ کے یہاں کوئی عہد نہیں۔ اگر وہ چاہے تو اُسے بخشے گا۔ اور اگر چاہے تو اُس پر عذاب کرے گا" یہ لوگ اس پر متفق ہیں کہ جس نے اُنھیں اس طرح ادا کیا کہ اُن کے حدود میں سے کچھ کم نہ کیا۔ مگر اُس نے قتل کیا اور زنا کیا اور چوری کی تو اُس پر عذاب کیا جائے گا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر وہ اُنھیں نہ ادا کرے تو اُس پر دائمی عذاب نہ ہوگا بلکہ اُس پر عذاب کیا جائے گا اور پھر اُسے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

یہ بھی اُن کا ظاہر حدیث کو ترک کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ان دونوں کلاموں میں کوئی فرق نہیں ہے (۱) فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیہ (۲) واما من خفت موازینہ فامہ ھاویہ" (۱) لیکن جن کی ترازوئیں بھاری ہوں گی تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا۔ (۲) اور جس کی ترازوئیں ہلکی ہوں گی تو اُس کا ٹھکانا ہاویہ (نام کی دوزخ ہے) یہ دونوں خبریں ہیں۔ اگر ان میں سے ایک کا ابطال جائز ہوگا تو دوسری کا ابطال بھی جائز ہوگا۔ اور اس قول سے اللہ کی پناہ۔ ۴۵

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی اس قول سے اپنے اس کلام میں منع کیا ہے " لا تختصموا لدی وقد قدمت الیکم بالوعید۔ مایبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید" (میرے سامنے جھگڑا نہ کرو۔ اور میں نے پہلے سے تمھیں وعید سنا دی تھی۔ میرے یہاں قول بدلا نہیں جاتا اور نہ میں اپنے بندوں کے لیے ظالم ہوں)۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے گا عذاب کرے گا اور جس پر چاہے گا رحمت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ شرک کے علاوہ جس کے لیے چاہے گا مغفرت کر دے گا۔ اور ہر ایک اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے۔ سوائے اس کے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے کہ وہ کس کی مغفرت کرے گا اور کس پر عذاب کرے گا۔ میزان حق ہے۔ موازنہ حق ہے۔ اور شفاعت حق ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ "وانا لموفوھم نصیبھم غیر منقوص" (اور بیشک ہم ان لوگوں کے حصے پورے پورے بغیر کسی کمی کے دیں گے)۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ خیر و شر میں سے جو اُن سے وعدہ کیا گیا ہے وہ اُنھیں پورا پورا ملے گا۔ اور یہی ہمارے قول کی نص ہے۔

ایک قوم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وعید کے خلاف کرنا عرب کے نزدیک بہتر ہے اور انھوں نے یہ شعر پڑھا ہے۔ ؎

وانی وان واعدتہ او وعدتہ ۔۔۔ لمخلف ایعادی ومنجز موعدی

(میں نے اگر اس سے وعدہ کیا یا اُسے وعید سنائی۔ تو بیشک میں اپنی وعید کے خلاف کروں گا اور اس سے اپنے وعدے کو پورا کروں گا)

یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اُس نے ایک احمق کافر لڑکے کے فخر کو اللہ تعالیٰ پر حجت قرار دیا ہے۔ حالاں کہ عرب تو ظلم پر بھی فخر کرتے ہیں۔ ایک رجز خواں کہتا ہے۔ ؎

احیا اباہ ہاشم بن حرملہ ۔۔۔ ترى الملوک حوله مغربله

یقتل ذا الذنب ۔۔۔ ومن لا ذنب لہ

(اُس کے باپ کو ہاشم بن حرملہ نے زندہ چھوڑ دیا۔ تو اس کے گرد بادشاہوں کو مقتول دیکھے گا۔ وہ گناہگار و بے گناہ سب کو قتل کر ڈالتا ہے)۔ حالاں کہ عرب نے وعید کے خلاف کرنے والے کو کاذب قرار دیا ہے۔ ابو عبیدہ معمر ابن المثنی شاعر نے کہا ہے۔ ؎

اتوعدنی وراء بنی رباح ۔۔۔ کذبت لتقصرن یداک دونی

(کیا تو مجھے بنی رباح کے پیچھے وعید سناتا ہے۔ تو جھوٹا ہے تو ضرور ضرور میرے درمیان اپنے ہاتھ کو کوتاہ رکھے گا)۔

اگر وہ یہ کہیں کہ انھوں نے وعید شرک کو آیت موازنہ سے خاص کر دیا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ ناجائز ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔ اس نے فرمایا ہے " ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم " (تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہوگیا پھر اسی حالت میں وہ مرا کہ وہ کافر ہے تو ان لوگوں کے اعمال رائیگاں ہیں)۔ لہذا جس کا عمل رائیگاں ہوگیا تو اس میں کوئی خیر نہیں۔

اہل دوزخ میں عذاب دوزخ کی کمی بیشی ہوگی۔ سب سے کم عذاب والے ابو طالب ہوں گے ۔ کہ دو چنگاریاں آگ کی اُن کے دونوں تلووں میں رکھ دی جائیں گی۔ یہاں تک کہ معاملہ اس کلام الٰہی تک پہنچے گا " ادخلوا آل فرعون اشد العذاب " (فرعون والوں کو سب سے زیادہ سخت عذاب میں داخل کرو)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے " ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار " (بیشک منافقین دوزخ کے سب سے نیچے والے طبقے میں ہوں گے)۔ جو اشد (یعنی سخت ترین) ہوگا وہ ادون (یعنی کمترین) ہی کے پہلو میں ہوگا۔ فرمایا ہے " ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر (اور ہم ضرور ضرور عذاب اکبر کے علاوہ انھیں نزدیک تر عذاب چکھائیں گے)۔

کفار پر کفر کے علاوہ وہ بھی وہ جو گناہ کریں گے اُن پر عذاب کیا جائے گا۔ برہان یہ آیت ہے " ما سلککم فی سقر۔ قالوا لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین وکنا نخوض مع الخائضین وکنا نکذب بیوم الدین حتی اتانا الیقین " (تمھیں دوزخ میں کیا چیز لائی۔ وہ کہیں گے کہ ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔ اور نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے ۔ اور ہم مشغلے والوں کے ساتھ مشغلے میں رہتے تھے ۔ اور قیامت کی تکذیب کیا کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ کفار کو ترک نماز پر اور مسکین کو کھانا نہ دینے پر عذاب ہوگا۔

کفار میں سے جو شخص غلام آزاد کرے گا یا صدقہ دے گا یا اور اسی قسم کا کوئی عمل خیر کرے گا تو اُس کا یہ سب عمل رائیگاں ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو کفر کی حالت میں مرے گا تو اُس کا عمل رائیگاں ہے اللہ تعالیٰ عذاب صرف اُسی عمل پر کرے گا جو کیا ہے نہ کہ اُس پر جو نہیں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ھل تجزون الا ما کنتم تعملون" (تمھیں صرف اسی کی جزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے)۔ جو کافر مسکین کو کھانا نہ کھلائے گا اس پر اسے مزید عذاب کیا جائے گا اور جس نے اپنے کفر کے باوجود مسکین کو کھانا کھلایا تو اس پر یہ مزید عذاب نہ ہوگا۔ اس کا عذاب کم ہوگا۔ اس لیے کہ اُس نے وہ عمل شر نہیں کیا جو اس سے زیادہ عذاب والے نے کیا بلکہ عمل خیر کیا۔

ہر کافر جس نے عمل خیر و شر کیا پھر وہ اسلام لایا۔ اُس نے جو عمل خیر کیا ہے یہ لکھ لیا گیا ہے جنت میں اُسے اس کی جزا دی جائے گی۔ جو عمل شر کیا پھر اُس نے کفر سے توبہ کے ساتھ ساتھ اس سے بھی توبہ کر لی تو یہ اس سے ساقط ہو گیا۔ اگر وہ اس پر قایم رہا تو اُس سے اُس عمل کا بھی مواخذہ کیا جائے گا جو اُس نے حالت کفر میں کیا اور اُس کا بھی جو اُس نے اپنے اسلام کے زمانے میں کیا۔ برہان حکیم بن حزام کی حدیث ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ یارسول اللہ چند چیزیں ایسی ہیں جو میں زمانۂ جاہلیت میں بھی کیا کرتا تھا۔ مثلاً غلام آزاد کرنا۔ صدقہ اور صلۂ رحم یعنی قرابتداروں کے ساتھ احسان۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ کیا تم اپنی گزشتہ نیکیوں پر رہتے ہوئے اسلام لائے (اگر ایسا ہے) تو آپ نے اُنھیں بتایا کہ یہ خیر ہے اور جب وہ اسلام لے آئے تو یہ اُن کے لیے مفید ہے۔

حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ نے ابن جدعان کی حالت پر غور فرمایا ہے۔ کیوں کہ وہ صلۂ رحم اور مہمان نوازی کیا کرتا تھا۔ تو کیا۔ اُسے مفید ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ اس لیے کہ اُس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ "رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین" (اے میرے رب روز جزا میں میرے گناہ بخش دینا)۔ آپ نے بتا دیا کہ اُسے اس سے نفع نہ پہنچے گا اس لیے کہ وہ اسلام نہیں لایا۔

تمام احادیث اس پر متفق ہیں کہ اگر کافر اسلام لاتا تو اسے یہ نیکیاں مفید ہوتیں لیکن اس کے اعمال پر اُس سے مواخذہ ہوتا تو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۷

اگر یہ لوگ وہ حدیث بیان کریں جو حضرت عمرو بن عاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اسلام اپنے ماقبل کو قطع کر دیتا ہے۔ توہم کہ چکے ہیں کہ اسلام تمام طاعات کا نام ہے جو شخص ایک معصیت پر اصرار کرے تو اُس کا یہ عمل معصیت جس پر اصرار کر رہا ہے اسلام نہیں ہے۔ اور نہ ایمان ہے۔ جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن" (زانی جس وقت زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا) ثابت ہوگیا کہ اسلام و ایمان تمام طاعات ہیں۔ جب وہ کفر سے اسلام لے آیا اور اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر لی تو یہی وہ اسلام ہے جو اپنے ماقبل کو قطع کر دیتا ہے۔ جب اُس نے اپنے معاصی سے توبہ نہیں کی تو اسلام شرا چھا نہیں ترک لہذا اُسے اگلے پچھلے گناہوں پر مواخذہ ہوگا جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اور اسی پر تمام احادیث متفق ہیں اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ "الہجرۃ تجب ما قبلھا" (ہجرت اپنے ماقبل کے اعمال کو قطع کر دیتی ہے) کیوں کہ آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ "المہاجر من ھجر ما نھا لا الله عنه" (مہاجر وہ ہے جو اُن امور سے ہجرت کرے جن سے اللہ نے اُسے منع کیا ہے) جو شخص اُن تمام معاصی سے توبہ کرے جو اُس سے پہلے ہو چکے ہیں تو اُس نے اُس سے ہجرت کی جس سے اللہ نے اُسے منع کیا ہے۔ یہی وہ ہجرت ہے جو اپنے ماقبل کے اعمال کو قطع کر دیتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "والحج یجب ما قبلہ" (اور حج اپنے ماقبل کے اعمال کو قطع کر دیتا ہے) تو حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ "ان العمرۃ الی العمرۃ کفارۃ لما بینھما والحج المبرور لیس له جزاء الا الجنۃ" (ایک عمرے سے دوسرے عمرے تک ان دونوں کے درمیان کے اعمال کا کفارہ ہے اور حج مقبول کی جزا تو سوائے جنت کے کچھ ہے ہی نہیں)۔ یہ اُس موازنے کے موافق ہوگا جس کے مراتب اور مقداروں کو ہمارا رب جانتا ہے۔ ہم تو وہیں ٹھہریں گے جہاں ہمیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیرایا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

۴۷

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو جو خودکشی کرنے والے کے بارے میں ہے کہ اس پر جنت حرام اور دوزخ واجب ہے۔ آپ کی اس حدیث کے ساتھ ملا دیا ہے کہ جو شخص اپنے قلب کے خلوص سے لا الٰہ الا اللہ کہے اُس پر دوزخ حرام اور جنت واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ“ (آپ اپنے دل سے کچھ نہیں فرماتے وہ وحی ہی ہوتی ہے جو آپ کے پاس بھیجی جاتی ہے) لہٰذا ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کلام وحی الٰہی ہے فرمایا ہے ”ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا (اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں کثیر اختلاف پاتے)۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی کسی چیز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور وہ سب متفق الیہ ہے چوں کہ یہ ایسا ہے۔ لہٰذا بعض احادیث کو بعض سے ملانا واجب ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد و قوت سے حق واضح ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے معنی جو خودکشی کرنے والے کے بارے میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنت حرام کر دی اور اُس پر دوزخ واجب کر دی“ یہ ہیں کہ یہ موازنے پر مبنی ہے۔ اگر خودکشی کرنے والے کے حسنات پر کبایر غالب ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے یہاں تک کہ بطور جزائے فعل اُس سے بذریعہ دوزخ انتقام لیا جائے گا جو اس پر واجب کر دی گئی ہے۔ برہان اُس شخص کی حدیث ہے جو اسلام لایا، اور اُس نے عمرو بن الطمیتہ الدوسی کے ساتھ ہجرت کی، پھر ایک زخم کی وجہ سے جو اُس کے لگ گیا تھا اور اُس سے اس کے درد تھا خودکشی کر لی، اپنے ہاتھ کی رگیں کاٹ ڈالیں، اتنا خون بہا کہ مر گیا۔ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے خواب میں دیکھا کہ وہ سوائے اپنے ہاتھ کے باقی سب اچھے حال میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ اس سے کہا جا رہا ہے کہ جس کو تو نے بگاڑ دیا وہ ہرگز درست نہیں ہوگا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ اس کے ہاتھوں کی مغفرت فرما دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے معنیٰ کہ " جو خلوص قلب سے لا الٰہ الا اللہ کہے گا اللہ تعالیٰ نے اُس پر دوزخ حرام کر دی اور جنت واجب کر دی " اس میں دو مسلمانوں کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ یہ حدیث جداگانہ حالت میں اپنے ظاہر پر نہیں ہے۔ اس میں کچھ اور بھی شامل ہے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور دین اسلام کے علاوہ تمام مذاہب سے علیٰحدگی ہے۔ اس وقت اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے لامحالہ اس کے لیے جنت واجب کر دی ہے۔ یا تو انتقام کے بعد اور یا بغیر انتقام کے جیسا کہ اسے موازنہ واجب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھا جائے اور اُس کے دائمی باشندوں میں سے ہو جیسا کہ ہم اس کے قبل اس کو اس آیت سے بیان کر چکے ہیں " انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ " (میں تمھارے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ضایع نہ کروں گا) " ومن یعمل سواء یجزیہ۔ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ وما تفعلوا من خیر فلن تکفروہ " (اور جو شخص بدی کرے گا اُسے اس کی جزا دی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ وہ تمھارے ایمان کو ضایع کر دے۔ اور تم جو خیر کرو گے تو تمھاری خیر کو ہرگز چھپایا نہ جائے گا) اور فرمایا ہے " یریدون ان یخرجوا من النار وماھم بخارجین منھا " (وہ چاہیں گے کہ دوزخ سے نکل جائیں۔ حالاں کہ وہ اس سے نکل نہ سکیں گے) نص آیت یہی ہے کہ یہ کفار کے بارے میں ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے۔

لیکن کفارہ۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " ان تجتنبوا کبایر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم وندخلکم مدخلا کریما " (اگر تم ان کبائر سے بچو جن سے تمھیں منع کیا جاتا ہے تو ہم تمھارے سیئات کا کفارہ کر دیں گے۔ اور تمام باعزت مقام میں داخل کریں گے)۔

یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی امر کو ہم پر حرام کرے اور اپنے احکام میں فرق کرے کہ بعض امر کو بعض سے بچنے کی وجہ سے معاف کر دے اور بعض امر پر اگر وہ دوسرے بعض سے پرہیز نہ کرے تو مواخذہ کرے۔ اس کے بعد ہم سے

وہ ہلاک کرنے والے امور نہ بیان کرے جو ان کے علاوہ ہیں۔ ہم نے اس میں غور کیا تو ایک ایسی قوم کو پایا جو کہتے ہیں کہ ہر گناہ کبیرہ ہی ہے۔

۴۸ حالاں کہ یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ جیسا کہ ہم نے کہا نص قرآن کبایر کے درمیان میں فرق وتقسیم کر رہی ہے اور ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ جب گناہ کو کبیرہ کہا جاتا ہے وہ اس سے چھوٹے گناہ کی طرف نسبت کر کے کہا جاتا ہے۔ اور کبایر بھی آپس میں کم وبیش ہوتے ہیں۔ شرک اپنے کمتر سے بڑا ہے اور قتل غیر قتل سے بڑا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "انہما یعذبان وما یعذبان فی کبیر" (یعنی آپ کا دو قبروں پر گزر ہوا) تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ اور عذاب بھی کسی بڑے گناہ پر نہیں ہو رہا ہے) "وانہ لکبیر" (اور بیشک وہ بڑا بھی ہے) "اما احدہما فکان لا یستبرئ من بولہ" (لیکن ان میں سے ایک شخص اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا)۔ "واما الآخر فیمشی بالنمیمۃ" (لیکن دوسرا شخص چغلخوری کیا کرتا تھا)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ یہ دونوں گناہ کبیر (بڑے) ہیں۔ حالاں کہ یہ کبیر (بڑے) نہیں ہیں۔ یہ نہایت واضح ہے اس لیے کہ یہ دونوں ان صغایر کی طرف نسبت کے اعتبار سے جو کبائر سے پرہیز کرنے کی وجہ سے بخشے جائیں گے کبیر یعنی بڑے ہیں۔ اور کفر، قتل کی طرف نسبت کے اعتبار سے کبیر نہیں ہیں۔

لہذا قول مذکور باطل ہو گیا ہم نے اس میں غور کیا تو دیکھا کہ گناہ کبیرہ کو غیر کبیرہ سے ممتاز کرنا اور پہچاننا بغیر اس نص کے نہیں ہو سکتا جو اس میں وارد ہوئی ہو۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام میں سے ہے جسے بغیر اس کے بتائے ہوئے نہیں جانا جا سکتا۔ ہم نے اس کو تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ گناہوں پر تو قرآن میں وعید کی تصریح فرمائی ہے اور کچھ گناہوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ہمیں کچھ ایسے گناہ بھی معلوم ہوئے جن پر کسی وعید کی تصریح نہیں فرمائی۔ ہم نے یقیناً جان لیا کہ جس گناہ پر اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کی وعید سنائی تو وہ

کبیرہ ہے اور جس گناہ کے بڑا سمجھنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے تو وہ بھی کبیرہ ہے، مثلاً آپ کا یہ فرمانا کہ سات ہلاک کرنے والے امور سے بچو۔ شرک، سحر، قتل، زنا وغیرہ۔ اور مثلاً آپ کا یہ فرمانا کہ والدین کی نافرمانی کبائر میں سے ہے کہ جس کے بڑا سمجھنے کے متعلق کوئی نص نہ ہوا اور اس پر کوئی دوزخ کی وعید نہ آئی ہو تو وہ کبیرہ نہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ تنہا کبایر پر دوزخ کی وعید ہو۔ اس لیے کہ یہ تو کبایر سے بچنے کی وجہ سے بخشے جائیں گے۔ لہذا وہی ثابت ہوگیا جو ہم نے کہا تھا وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

موافات

متکلمین میں ان معنیٰ میں اختلاف ہے جنہیں انھوں نے لفظ موافات سے تعبیر کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ ان لوگوں نے اس شخص کے بارے میں کہا ہے جو مومن صالح عبادت میں کوشش کرنے والا ہو پھر وہ مرتد وکافر ہوکے مر جائے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو کافر وسرکش یا فاسق ہے پھر وہ تائب ومسلمان ہوکر مر جائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے اس حالت پر منتقل ہونے سے پہلے جس پر وہ مرا ہے کیا حکم ہے۔

ہشام بن عمرو القوطی اور تمام اشعریہ کا مذہب یہ ہے کہ جو مسلمان اور تائب ہوکے مرا وہ ازل سے اس سے راضی ہے۔ اور جو کافر یا فاسق ہوکے مرا وہ ازل سے اس سے ناخوش ہے۔ اس امر میں انھوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر نہیں ہوتا جس سے وہ ناراض ہے اس سے راضی نہیں ہوتا اور جس سے راضی ہے اس سے ناراض نہیں ہوتا۔ اشعریہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں تغیر نہیں ہوتا۔ اس کی صفات ذاتہ

اس سوال سے برتر ہیں کہ "وہ کمال ہیں" اور "وہ اس لیے ہیں"۔

بقیہ مسلمین کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر و فاسق سے ناراض تھا پھر اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو گیا جب کہ کافر مسلمان ہو گیا اور فاسق نے توبہ کر لی۔ اللہ تعالیٰ مسلم سے اور صالح سے راضی ہے۔ جب مسلم کافر ہو گیا اور صالح فاسق تو وہ ان دونوں سے ناراض ہو گیا۔

اس مقام پر اشعریہ کا وہی استدلال ہے جو یہود و نصاریٰ کا ابطال نسخ میں ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے ہم توفیق الٰہی اُن کے استدلال و قول کا بطلان بیان کرتے ہیں۔

بتائید الٰہی ہم کہتے ہیں کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے علم کے متعلق یہ کہنا کہ وہ متغیر نہیں ہوتا تو یہ صحیح ہے لیکن اس کے معلومات میں تغیر ہوتا ہے۔ ہم نے نہیں کہا کہ اس کا علم متغیر ہوتا ہے۔ معاذ اللہ منہ۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازل سے ایک ہی ہے۔ وہ ہر شے کو اس کے تمام حالات میں تصرف و تغیر کے مطابق جانتا ہے۔ وہ ازل سے جانتا ہے کہ زید بچہ ہوگا، پھر جوان ہوگا، پھر ادھیڑ ہوگا، پھر بوڑھا ہوگا۔ پھر مر جائے گا، پھر دوبارہ زندہ کیا جائے گا، پھر جنت یا دوزخ میں جائے گا، اور ازل سے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ ایمان لائے گا۔ پھر کافر ہو جائے گا۔ یا وہ کافر ہوگا، پھر ایمان لائے گا۔ یا وہ کافر ہوگا اور ایمان نہ لائے گا، یا وہ ایمان لائے گا اور کافر نہ ہوگا۔ اسی طرح کا کلام فسق و صلاح (نیکی) میں بھی ہے۔ ان امور میں اللہ تعالیٰ کے معلومات متغیر و مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ جو اس کی مخالفت کرے تو اُس نے معائنہ و مشاہدہ کی مخالفت کی

یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہوتا ہے اُس سے ناراض نہیں ہوتا اور جس سے ناراض ہوتا ہے اُس سے راضی نہیں ہوتا، تو یہ باطل و کذب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کو ہفتے کے روز کی حفاظت کا اور چربیوں کے حرام سمجھنے کا حکم دیا ہے اور اُن سے اسی امر سے راضی ہے اور اس کے خلاف کرنے سے ناراض ہے۔ اسی طرح زمانۂ اسلام میں سے ایک قلیل زمانے کے لیے اس نے ہمارے لیے شراب حلال رکھی، ہمیں روزہ و نماز کا پابند نہیں کیا، ہماری میخواری پر اور رمضان کے دن میں کھانے پر اور نماز نہ پڑھنے پر راضی رہا۔ ان امور کے حرام سمجھنے سے بلاشک وہ ناراض رہا۔

۴۹

جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے "ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیہ" (اور آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کیجیے قبل اس کے کہ اس کی پوری وحی آپ پر نازل ہو چکے) اس کے بعد اس نے ہم پر نماز و روزہ فرض کر دیا اور شراب حرام کر دی۔ پھر وہ ہمارے ترک نماز و روزہ اور شراب خواری پر ناراض ہوا اور ان چیزوں کے خلاف کرنے سے راضی ہوا۔ یہ وہ امر ہے جس کا کوئی مسلمان منکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ازل سے اس کا علم ہے کہ وہ اتنی مدت تک ان امور کو حلال رکھے گا اور اس سے راضی رہے گا۔ اس کے بعد وہ اسے حرام کر دے گا اور اس سے ناراض ہوگا۔ اسے اس کا بھی ازل سے علم ہے کہ اس نے ان میں سے جو کچھ حرام کر دیا وہ اُسے ایک مدت تک حرام کرے گا اور اُس سے ناراض ہوگا۔ اس کے بعد وہ اسے حلال کر دے گا اور اس سے راضی ہوگا۔ جیسا کہ جس کو اُس نے زندہ کیا اُسے معلوم تھا کہ وہ اُسے اتنی مدت تک زندہ رکھے گا اور جس کو اُس نے عزت دی۔ اُسے علم تھا کہ وہ اتنی مدت تک اُسے باعزت رکھے گا اس کے بعد ذلیل کر دے گا۔ اسی طرح اس کی صنعت کے جتنے آثار اس عالم میں ہیں سب کا یہی حال ہے۔ جو کسی ادنیٰ سی حس رکھنے والے سے بھی پوشیدہ نہیں ہیں۔ اسی طرح جو مومن مرتد ہو کے مرے یا جو کافر مسلم ہو کے مرے تو اللہ تعالیٰ کو ازل سے علم ہے کہ جب تک وہ کافر ہے وہ اُس کے فعل کفر سے ناراض رہے گا۔ جب وہ اسلام لے آئے گا تو اس سے راضی ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے کہ وہ مسلم کے افعال سے اور افعال نیکوکار سے راضی ہوگا۔ اس کے بعد جب وہ مرتد یا فاسق ہو جائے گا تو وہ اس کے افعال سے ناراض ہو جائے گا۔ نص قرآن اسی کی شہادت دیتی ہے "ولا یرضی لعبادہ الکفر وان تشکروا یرضہ لکم" (اور وہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں۔ اور اگر تم شکر کرو تو وہ تمھارے اس فعل سے راضی ہوگا)۔ ثابت ہو گیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور جس کام میں شکر کرے وہ اس سے راضی ہے۔ جو شخص کفر کرے۔ جب کفر کرے۔ جس وقت کفر کرے، وہ کفر سے راضی نہیں ہے۔ خواہ یہ احوال ایک ہی انسان سے منتقل ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک

حبطت اعمالہم" (اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا پھر کافر ہونے کی ہی حالت میں مر جائے گا تو ان لوگوں کے اعمال رائیگاں ہو جائیں گے)۔ تو یقیناً ہر صاحب حس سلیم جانتا ہے کہ کسی عمل کا رائیگاں ہونا بغیر اس کے ناممکن ہے کہ وہ پہلے رائیگاں نہ تھا۔ یہ محال ہے کہ کوئی ایسا عمل رائیگاں ہو جائے جو کبھی محسوب نہ ہوا ہو۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اس مومن کا عمل جو مرتد ہو جائے پھر کافر ہونے کی حالت میں مر جائے تو وہ محسوب تھا۔ پھر جب وہ مرتد ہو گیا تو رائیگاں گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح فرمایا ہے "یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت۔ وعندہ ام الکتٰب" (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ اور اس کے پاس اصل کتاب ہے) ثابت ہو گیا کہ وہ اسی کو مٹاتا ہے جس کو اس نے لکھ دیا تھا۔ یہ محال ہے کہ وہ مٹایا جائے جو لکھا ہوا نہ ہو۔ یقیناً یہ اُن کے قول کا بطلان ہے۔ وللہ الحمد۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے "اولئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات" (یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے سیئات کو اللہ تعالیٰ حسنات سے بدل دے گا)۔ یہ ہمارے قول کی نص اور ان کے قول کا بطلان ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے گزشتہ افعال کو سیئات فرمایا۔ اور بلاشک سیئات اُس کے نزدیک مذموم ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اُس نے اُن سیئات کو پلٹ دیا اور انھیں پسندیدہ حسنات سے بدل دیا۔ جو اس کا انکار کرے وہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی تکذیب کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آدمؑ کو اس درخت میں سے کھانے سے اور یونسؑ کے غصہ ہو کے جانے سے ناراض ہوا۔ اس کے بعد اُس نے خبر دی کہ اُس نے ان دونوں کو معاف کر دیا اور یونسؑ کو ملامت کرنے کے بعد برگزیدہ بنا دیا۔ کسی صاحب عقل کو اس میں شک نہیں کہ ملامت اور چیز ہے اور برگزیدگی و اجتبا اور چیز۔

ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ آیا کافر میں جب کہ وہ کافر تھا ایمان لانے سے پہلے کفر تھا اور فاسق میں توبہ کرنے سے پہلے فسق تھا۔ اور مومن میں مرتد ہونے سے پہلے ایمان تھا یا نہ تھا۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں تھا تو انھوں نے مشاہدے کا انکار کیا اور بدل دیا۔ اور اگر کہیں کہ ہاں تھا تو ہم اُن سے کہیں گے کہ آیا اللہ تعالیٰ کفر و فسق سے ناراض ہو گا یا ان دونوں سے راضی ہو گا۔ اگر وہ کہیں کہ وہ ان دونوں سے

ناراض ہوگا، تو انھوں نے اپنا قول ترک کردیا۔ اگر وہ یہ کہیں کہ وہ کفر وفسق سے راضی ہوگا تو یہ کافر ہوجائیں گے۔ وحشی نے جو حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، ہم اس کے متعلق اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا اللہ تعالیٰ کی رضامندی تھی۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں تھی تو کافر ہوجائیں گے۔ اگر کہیں کہ نہیں، ناراضی ہی تھی تو ہم دریافت کریں گے کہ جب وحشی اسلام لے آئے تو آیا اب بھی اللہ تعالیٰ ان سے اس پر مواخذہ کرے گا۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں۔ اور اسی طرح ہر نیکی و بدی میں سوال ہوگا، تو ان کے قول کا فساد ظاہر ہوگیا و باللہ تعالیٰ التوفیق۔ وصلی اللہ علیٰ محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

جسے دعوت نہیں پہنچی

جس نے گناہ یا کفر سے توبہ کرلی اور پھر وہی کیا جس سے توبہ کی تھی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "لانذرکم بہ ومن بلغ" (بیشک اس نے قرآن کے ذریعے سے تمھیں ڈرایا اور اُسے کہ جس کو یہ پہنچا) اور فرمایا "وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا" (اور ہم عذاب نہیں کرتے تاوقتیکہ رسول نہ بھیج دیں) اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ نذارت یعنی ڈرانے سے اسی پر الزام آئے گا جس کے پاس تک وہ نذارت پہنچے نہ کہ اس پر جس کے پاس یہ نہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر عذاب نہیں کرتا تاوقتیکہ اس کی جانب سے اُس شخص کے پاس رسول نہ آجائے۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ جس کو کبھی اسلام نہ پہنچے تو اس پر کوئی عذاب

نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح نص آئی ہے کہ قیامت کے روز سٹھیائے ہوئے بوڑھے کو، گراں گوش بہرے کو، مجنون کو، اور اس کو جو زمانۂ فترت میں تھا (یعنی دو انبیا کے درمیانی زمانے میں تھا) لایا جائے گا۔ مجنون کہے گا یارب اسلام میرے پاس ایسی حالت میں آیا تھا کہ مجھے عقل نہ تھی۔ بوڑھا اور گونگا اور فترت کے زمانے والا بھی جو کچھ کہے گا اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ ان لوگوں کے لیے آگ سلگائی جائے گی اور انھیں حکم دیا جائے گا کہ اس میں داخل ہو۔ جو اس میں داخل ہوگا وہ اُسے سرد و سلام پائے گا۔

وہ شخص جسے واجبات دین کی تفصیل نہ پہنچے وہ بھی معذور ہے اُس پر کوئی ملامت نہیں۔ جعفرؓ بن ابی طالب وصحابہ رضی اللہ عنہم ملک حبشہ میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تھے۔ قرآن نازل ہوتا تھا اور احکام شریعت مقرر ہوتے تھے۔ مگر مدینے سے ملک حبشہ کا راستہ بالکل بند ہونے کی وجہ سے وہ جعفرؓ اور آپ کے اصحابؓ تک بالکل نہیں پہنچتے تھے۔ یہ لوگ چھ برس تک اسی حالت میں رہے مگر اس سے اُن کے دین کو ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا باوجودے کہ یہ حرام کے مرتکب اور فرض کے تارک رہے۔

میں نے ایک جماعت کو دیکھا ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ احکام شریعت جاہل کو اور جس کو نہ پہنچیں لازم نہیں ہیں۔

یہ باطل ہے بلکہ یہ جاہل کو بھی لازم ہیں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انس و جن کی طرف مرسل ہوئے اور اُس کی طرف بھی جو پیدا ہوا اور پیدا ہونے کے بعد بالغ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ یہ کہیں کہ "انی رسول اللہ الیکم جمیعا" (میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں)۔ یہ عام ہے اس میں سے کسی کو خاص کرنا جائز نہیں۔ اور فرمایا ہے "ایحسب الانسان ان یترک سدیً" (کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے بیکار و مہمل چھوڑ دیا جائے گا) اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے "سدیً" (مہمل و بیکار)

ہونے کو باطل کر دیا "سُدی" اس بیکار و مہمل کو کہا جاتا ہے جسے نہ کسی کام کا حکم دیا جائے نہ کسی بات سے منع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو باطل کر دیا۔ لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جاننے سے اور آپ کی معرفت سے دور ہونے کی وجہ سے معذور ہے جس شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پہنچ جائے خواہ وہ روئے زمین کے کیسے ہی دور دراز مقامات میں سے کہیں ہو تو اُس پر آپ کی جستجو فرض ہے جب اُسے آپ کی نذارت پہنچ جائے تو اس پر آپ کی تصدیق و اتباع فرض ہے۔ طلب دین لازم ہے۔ اپنے وطن سے نکلنا ضروری ہے۔ ورنہ وہ بنص قرآن کفر و دائمی دوزخ و عذاب کا مستحق ہوگا

۵۱

اس بیان سے خوارج کا یہ قول باطل ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں اس شخص پر بھی آپ پر ایمان لانا اور آپ کے احکام شریعت کو معلوم کرنا فرض ہے جو دور و دراز ملک میں ہو۔ اگر وہ اسی حال میں مریں گے تو کافر مریں گے اور دوزخ میں جائیں گے۔ اس کو یہ آیت بھی باطل کرتی ہے "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا لہا ما کسبت و علیہا ما اکتسبت" (اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اُس کی وسعت کے مطابق۔ اس کے لیے وہی ہے جو اُس نے حاصل کیا اور اُس کے ذمے بھی وہی ہے جو اُس نے حاصل کیا)۔ اور علم غیب کسی کی بھی وسعت میں نہیں۔

اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ یہ دلیل تو اُس گروہ کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ احکام شریعت کسی کو بھی لازم نہیں تا وقتیکہ وہ اُس تک نہ پہنچ جائیں۔ ہم کہیں گے کہ اس میں ان کی کوئی بھی حجت و دلیل نہیں ہے۔ اس لیے کہ انسانوں کو جس چیز کی تکلیف دی گئی وہ اس کی وسعت اور فطرت کی برداشت میں ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ لوگ اُن احکام کے اُن کے پاس سے غائب ہونے کی وجہ سے معذور رہیں۔ انھیں ان احکام کی ایسی تکلیف نہیں دی گئی ہے کہ یہ اگر اُس کو نہ کریں تو اس کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ صرف اتنی تکلیف دی گئی ہے کہ انھیں عذاب نہ ہوگا تا وقتیکہ وہ احکام پہنچ نہ جائیں۔

جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اجمالی طور پر اتنا معلوم ہو جائے کہ آپ کا کوئی حکم ہے اور اُسے اُس کی نص و تصریح نہ پہنچے تو اُس پر

اس حکم کی تلاش میں کوشش کرنا اور اپنے کو مشقت میں ڈالنا فرض ہے ورنہ وہ اللہ تعالی کا گناہگار رہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے "فاسألوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون" (اگر تم نہیں جانتے تو یاد رکھنے والوں سے پوچھو)۔ اور فرمایا ہے "فلولا نفر من كل فرقة منهم طايفة ليتفقهوا فی الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون" (پھر کیوں نہ ان کے ہر فرقے کا ایک گروہ روانہ ہوا تاکہ یہ لوگ دین میں فہم حاصل کرتے۔ اور جب اپنی قوم کی طرف پلٹتے تو انھیں ڈراتے۔ تاکہ یہ لوگ بھی خوف کرتے)۔

جس نے کسی گناہ یا کفر سے توبہ کرلی اور پھر اسی کی طرف رجوع کیا جس سے توبہ کرلی تھی تو اگر اس کی یہ توبہ اس حالت میں تھی کہ اس کا قصد دوبارہ کرنے کا تھا تو یہ شخص فعل عبث کرنے والا مسخر کرنے والا اور اللہ تعالی کو دھوکا دینے والا ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے "يخادعون الله والذين آمنوا۔ وما يخدعون الا انفسهم وما يشعرون۔ فی قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا۔ ولهم عذاب اليم۔ بما كانوا يكذبون" (منافق لوگ اللہ کو اور مومنین کو دھوکا دیتے ہیں۔ حالاں کہ یہ صرف اپنے آپ ہی کو دھوکا دیتے ہیں۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ پھر اللہ نے ان کے مرض کو بڑھا دیا۔ اور ان کے لیے نہایت تکلیف دہ عذاب ہے اس وجہ سے کہ یہ جھوٹ بولا کرتے ہیں)۔

جس کی توبہ سچی اور پختہ ہوا اور وہ اپنے اس قصد پر قائم ہو کہ دوبارہ نہ کرے گا تو یہ توبہ صحیح اور مقبول ہے اور از روئے نص بلاشک ان تمام گناہوں کی ساقط کرنے والی ہے جن سے اس نے توبہ کی ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے "وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحا" (اور بیشک میں اس کی مغفرت کرنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح کرے)۔

اگر اس کے بعد یہ اسی گناہ کی طرف رجوع کرے جس سے اس نے توبہ کی ہے تو وہ گناہ اس پر کبھی نہ پلٹے گا جس کو اللہ تعالی نے بخش دیا ہے۔ اگر یہ مرتد ہو جائے اور کافر ہو کر اسی کی حالت میں مرجائے تو اس کا عمل رائیگاں ہو جائے گا۔ توبہ بھی ایک عمل ہے لہذا وہ بھی رائیگاں ہو جائے گا۔ خاص اسی شخص پر اس کا وہ عمل پلٹے گا (جس سے اس نے توبہ کی ہے) لیکن

جس نے اسلام کی طرف رجوع کیا اور اسی پر مر گیا تو اس سے کفر وغیرہ ساقط ہو جائے گا۔
توبہ صرف ندامت۔ استغفار اور اس فعل کے دوبارہ کرنے اور نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنے سے اور اگر حقوق العباد سے توبہ کی ہے تو اس سے صاحب حق سے برأت حاصل کرنے سے ہوتی ہے، خواہ یہ برأت معاف کرنے سے ہو یا ادا کرنے سے۔

میں نے ابوبکر احمد بن علی بن لعجور کی ایک کتاب میں ایک قول دیکھا ہے کہ توبہ صرف ندامت ہے۔ اگرچہ وہ اس کے ساتھ دوبارہ اس کبیرہ کے ارتکاب کو ترک کرنے کی نیت نہ کرے۔ ابوبکر کا عرف ابن الاخشید ہے۔ یہ معتزلہ کے ارکان میں سے ہیں۔ ان کے والد ملوک فرغانہ کے جو ترک تھے، شہزادوں میں سے تھے اور سرحدوں کے والی اور گورنر تھے۔ یہ ابوبکر جوان کے بیٹے تھے مذہب شافعی کے فقیہ تھے۔

یہ تو مراجعت (یعنی دوبارہ گناہ کرنے) کے قایل ہونے سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ اس لیے کہ جو اسلام کا معتقد ہے بلاشک ہم جانتے ہیں کہ وہ جو گناہ کرتا ہے اس پر نادم ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ برا کر رہا ہے اور اس سے اسے نفرت ہوتی ہے جو اس صفت کے خلاف ہو اور اپنے فعل کو اچھا سمجھتا ہو اور اس پر نادم نہ ہو تو وہ مسلم نہیں ہے۔ مگر ابن الاخشید کے قول کے مطابق کسی صاحب کبیرہ سے مواخذہ نہ ہوگا اس لیے کہ وہ اس سے تائب ہے۔ حالاں کہ یہ وعید کے خلاف ہے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ تم لوگ تو مومن کے ایمان کے قبول ہونے کا یقین رکھتے ہو تو کیا تم تائب کی توبہ اور عمل خیر کرنے والے کے عمل کے متعلق بھی یہ یقین رکھتے ہو کہ وہ مقبول ہے اور کیا تم اس کا بھی یقین رکھتے ہو کہ جس کے سیئات بکثرت ہوں گے وہ دوزخ میں ہوگا۔

بتوفیق الٰہی ہم کہیں گے کہ اعمال کے لیے بھی شرطیں ہیں جو حق نیت ادا کرنا اور حق عمل ادا کرنا ہے۔ اگر ہمیں یقین ہو جائے کہ عمل اسی طرح کامل واقع ہوا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو ہم یقین کریں گے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے قبول کرے گا۔ تو یہ جب پختہ و خالص واقع ہو تو ہم اس کے قبول ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔

خیر ظاہر کرنے والے کے متعلق اس امر کا یقین کہ وہ جنت میں جائے گا، اور شر ظاہر کرنے والے کے متعلق اس امر کا یقین کہ وہ دوزخ میں جائے گا، یہ

غلط و خطا ہے۔ اس لیے کہ ہم نہیں جانتے کہ دلوں میں کیا ہے۔ ممکن ہے کہ خیر ظاہر کرنے والا کفر کو اپنے اندر پوشیدہ کیے ہوئے ہو یا ایسے کبایر کو پوشیدہ کیے ہوئے ہو جنھیں ہم نہ جانتے ہوں۔ لہذا واجب ہے کہ ہم ان امور کی وجہ سے اس پر کسی امر کا بھی یقین نہ کریں۔ اسی طرح جو کبایر کا ظاہر و علانیہ کرنے والا ہے ممکن ہے کہ وہ اپنے باطن میں کفر کو چھپائے ہوئے ہو، جب موت کے قریب ہو تو ایمان لے آئے اور مستحق جنت ہو جائے۔ یا ممکن ہے کہ اُس کے باطن میں کچھ ایسے حسنات ہوں جو اُس کے سیئات پر غالب آجائیں اور وہ جنتی بن جائے لہذا واجب ہے کہ ہم کسی معین شخص پر نہ جنت کا یقین کریں نہ دوزخ کا۔ بجز اُن صحابہ رضی اللہ عنہم کے۔ جن کے بارے میں نص آگئی ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کو اُن کے دلوں کی کیفیت کا علم ہوا تو اُس نے ان پر سکینہ (اطمینان و سکون) نازل کیا اور اہل بدر کے اور اہل سوابق کے (اہل سوابق وہ مہاجرین ہیں جو مکے میں اسلام لائے) ہم ان سب کے لیے جنت کا یقین کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اس کی خبر دے دی ہے۔ بجز اس شخص کے جو علانیہ کفر کرتے ہوئے مر گیا۔ کہ ہم اُس کے لیے دوزخ کا یقین کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور لوگوں کے بارے میں توقف کرتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ ہم صفات پر یقین رکھتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ جو علانیہ یا خفیہ کفر کی حالت میں مرے گا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور اس میں ہمیشہ رہے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کیفیت سے جائے گا کہ اس کے حسنات اُس کے سیئات و کبایر پر غالب ہوں گے یا دونوں مساوی ہوں گے تو وہ جنت میں جائے گا اس پر عذاب دوزخ نہ ہوگا۔ اور جو اس کیفیت سے اللہ تعالیٰ سے ملے گا کہ اُس کے کبایر حسنات پر غالب ہوں گے تو وہ دوزخ میں جائے گا اور بسبب شفاعت کے اُس سے نکل کر جنت میں جائے گا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

شاہد حال

میں نے اپنے بعض اصحاب کو ایک اور شے کی طرف جاتے دیکھا ہے جس کا نام انھوں نے "شاہد حال" رکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ

جو شخص عبادات میں سے کسی چیز کا ظاہر کرنے والا ہو اور اس میں اذیت کا برداشت کرنے والا ہو اور اس اذیت سے جو اسے لاحق ہو کسی حال کا طالب نہ ہو تو اس کے باطن و ظاہر پر یقین کیا جائے گا اور اس میں کوئی شک نہ ہوگا۔ مثلاً عمرؓ ابن عبدالعزیز و سعیدؒ بن المسیب و حسنؒ بصری و ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جو ان حضرات کی راہ پر چلنے والے ہوں خواہ ان کے قبل یا ان کے ساتھ یا ان کے بعد۔ کیوں کہ ان حضرات نے دنیا سے ایسا ترک تعلق کیا کہ اگر یہ اسے استعمال کرتے تو ان کی وجاہت سے کچھ بھی کم نہ ہوتا۔ وہ مصیبت برداشت کی کہ اگر اس میں تخفیف کر دیتے تو باعث عیب نہ ہوتا۔ ان کے اسلام و فضل و خیر کے اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کا یقین کیا جائے گا۔ اور اسی طرح یہ یقین کیا جائے گا کہ عمر بن عبید کا بلاشک باطن میں بھی ابطال قدر کا عقیدہ تھا۔ ابو حنیفہ و شافعی رضی اللہ عنہما اپنے باطن میں بھی قیاس کو دین الٰہی سمجھتے تھے۔ داؤد بن علی بلاشک اپنے باطن میں بھی ابطال قیاس کو دین الٰہی سمجھتے تھے۔ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ بلاشک اپنے باطن میں بھی حدیث کے مطابق دین اختیار کرنے کو اور قرآن کو غیر مخلوق سمجھنے کو دین الٰہی سمجھتے تھے۔ اسی طرح ہر وہ شخص ہے جس کے احوال کسی خاص عقیدے کے مددگار رہیں، اس میں اس کی کوشش ظاہر ہو۔ اس کے بارے میں چشم پوشی و درگور ترک کر دی ہو اور اس کی وجہ سے مصیبت و اذیت برداشت کرتا ہو۔

یہ قول صحیح ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ کیوں کہ فطرت طبائع میں یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کوئی شخص بغیر کسی موجودہ یا آئندہ فائدے کے اذیت و مشقت برداشت کرے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ ہر صاحب عقیدہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے عقیدے کا شاہد اس پر شہادت دے جس سے اس کا عقیدہ ظاہر ہو کہ اس سے کتنی مسامحت و کمزوری اس باب میں ہوئی اور کس قدر صبر و ثبات رہا۔ جو شخص بغیر اس صفت کے ہو تو ہم اس کے عقیدے پر یقین نہیں کرتے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

شفاعت و میزان و حوض و عذاب قبر و کاتبین کرام

(۱)

شفاعت اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ایک قوم نے اس کا انکار

کیا ہے اور وہ لوگ معتزلہ اور خوارج اور اُن کے پیرو ہیں کہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کوئی بھی اُس سے نہ نکلے گا۔

اہل سنت واشعریہ وکرامیہ وبعض روافض کا مذہب یہ ہے کہ شفاعت حق ہے۔

منکرین نے ان آیات سے استدلال کیا ہے "فما تنفعهم شفاعة الشافعين" (پھر انھیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت مفید نہ ہوگی) "یوم لا تملک نفس لنفس شیئا والامر یومئذ للہ" (جس روز کسی کا کسی کے لیے کچھ قابو نہ ہوگا اور اس روز پوری حکومت اللہ ہی کی ہوگی) "قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا" (آپ کہہ دیجیے کہ میں تمھارے ضرر یا ہدایت پر قادر نہیں ہوں) "واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منها شفاعة" (اور اس دن سے ڈرو جس میں کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا اور نہ اس کی شفاعت قبول کی جائے گی) "من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیه ولا خلة ولا شفاعة" (قبل اس کے کہ وہ دن آئے کہ جس میں نہ تو خرید وفروخت ہوگی نہ دلی دوستی نہ شفاعت)۔ "فما لنا من شافعین ولا صدیق حمیم" (ہمارا نہ تو کوئی شفاعت کرنے والا ہے اور نہ مخلص دوست)۔ "ولا یقبل منها عدل ولا تنفعها شفاعة ولا هم ینصرون" (اور کسی شخص سے نہ تو بدل قبول کیا جائے گا اور نہ اُسے کوئی شفاعت مفید ہوگی اور نہ ان لوگوں کی مدد کی جائے گی)۔

جو لوگ شفاعت پر ایمان رکھتے ہیں اُن کا کلام یہ ہے کہ بعض قرآن کو چھوڑ کر بعض قرآن پر رک جانا اور بعض حدیث کو چھوڑ کر بعض پر رک جانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کو چھوڑ کر قرآن پر رک جانا جائز نہیں حالاں کہ آپ سے آپ کے رب نے فرمایا ہے "لتبین للناس ما نزل الیهم" (تاکہ آپ لوگوں سے اس کو واضح کردیں جو اُن پر نازل کیا گیا ہے)۔ اللہ تعالی نے قرآن میں صحت شفاعت پر تصریح کی ہے۔ فرمایا ہے "لا یملکون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمن عهدا" (لوگوں کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا سوائے اس کے کہ جس نے رحمن سے اجازت لے لی ہو)۔ اللہ تعالی نے اُس شخص کے لیے

شفاعت کو ضروری کر دیا ہے جس نے اُس کے یہاں سے اجازت لے لی ہو۔ اس کے متعلق احادیث متواترہ ثابت ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں جن کو پوری پوری جماعتوں نے نقل کیا ہے۔

اور فرمایا ہے "یومئذ لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن لہ الرحمن ورضی لہ قولا"، (جس روز شفاعت مفید نہ ہوگی سوائے اُس شخص کی شفاعت کے کہ جسے رحمن نے اجازت دے دی ہو اور اس کے قول کو پسند کیا ہو)۔ اور فرمایا ہے "ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ" (اور اس کے یہاں شفاعت مفید نہ ہوگی مگر اُس شخص کی کہ جسے اُس نے اجازت دے دی ہو)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ قیامت کے روز اللہ کے یہاں شفاعت اُسی شخص کی مفید ہوگی جسے وہ شفاعت کی اجازت دے گا اور اُس کے قول سے راضی ہوگا۔ اور اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اولیٰ کوئی بھی نہیں اس لیے کہ آپ اولاد آدم علیہ السلام میں سب سے افضل ہیں۔ اور فرمایا ہے "من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ" (کون ہے جو اس کے یہاں بغیر اُس کی اجازت کے شفاعت کر سکے)۔ "وکم من ملک فی السمٰوات لا تغنی شفاعتہم شیئا الا من بعد ان یاذن اللہ لمن یشاء ویرضیٰ"۔ (اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں کہ جن کی شفاعت کچھ بھی کام نہ آئے گی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اور جس سے راضی ہو اُسے اجازت دے دے)۔ "ولا یملک الذین یدعون من دونہ الشفاعۃ الا من شہد بالحق وہم یعلمون" (اور ان لوگوں کو شفاعت کا اختیار نہ ہوگا جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ مگر اُسے ہوگا جو حق کی شہادت دے۔ اور یہ لوگ جانتے ہیں)۔ "ما من شفیع الا من بعد اذنہ" (کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا مگر اللہ کی اجازت کے بعد)۔

شفاعت اُس قرآن کی نص سے ثابت ہوگئی جس میں باطل کا گزر نہیں ہو سکتا نہ اُس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ وہ شفاعت جسے اللہ تعالیٰ نے باطل کیا ہے وہ اُس شفاعت کے علاوہ ہے

جسے ثابت کیا ہے۔ چوں کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لہٰذا وہ شفاعت جسے اللہ تعالیٰ نے باطل کیا ہے وہ اُن کفار کے لیے شفاعت ہے جو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولا یخفف عنہم من عذابہا ولا یقضی علیہم فیموتوا" (اس کے عذاب کو ان لوگوں سے کم نہ کیا جائے گا اور نہ اُن کے لیے یہ حکم دیا جائے گا کہ یہ مرجائیں)۔ نعوذ باللہ منہا۔ ثابت ہو گیا کہ وہ شفاعت جسے اللہ نے اس شخص کے لیے واجب کیا ہے جس کو وہ اجازت دے اور وہ شخص اُس کے یہاں سے اجازت لے لے اور وہ اُس کے قول سے راضی ہو تو وہ شفاعت وہی ہے جو اہل اسلام کے گناہگاروں کے لیے ہوگی۔ اور اسی طرح حدیث صحیح آئی ہے۔

دو شفاعتیں

مسلمانوں کے لیے شفاعتیں دو ہوں گی۔ ایک تو ٹھیرنے کے مقام میں۔ اور یہ وہی مقام محمود ہے جس کے متعلق قرآن کی اس آیت میں نص آئی ہے "عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا" (عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا)۔ اسی طرح نص و تصریح کے ساتھ حدیث صحیح آئی ہے۔

دوسری شفاعت وہ ہے جو اہل کبائر کے ایک ایک طبقے کے دوزخ سے نکالنے میں ہوگی جیسا کہ اسی حدیث میں ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ "قل لا املک لکم ضرا ولا رشدا" (آپ کہہ دیجیے کہ میں ضرر و ہدایت پر قادر نہیں ہوں)۔ "ولا تملک نفس لنفس شیئا" (کسی کو کسی کے لیے کچھ قابو نہ ہوگا)۔ تو ہم اس میں قطعاً ان لوگوں کے مخالف نہیں ہیں کہ یہ تو ذرا بھی شفاعت کے بارے میں نہیں ہے۔ آپ کسی کے نفع و ضرر اور رشد و ہدایت پر قادر نہیں ہیں۔ شفاعت تو صرف اللہ تعالیٰ سے خواہش اور عاجزی و زاری و دعا ہے۔

بعض منکرین شفاعت نے کہا ہے کہ شفاعت صرف نیکوکاروں کی ہوگی۔ انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "ولا یشفعون الا لمن ارتضی" (اور وہ صرف اسی کی شفاعت کریں گے جو پسندیدہ ہوگا)۔

حالاں کہ اس میں ان لوگوں کی کوئی بھی دلیل وحجت نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس کے دوزخ سے نکالنے کا حکم دے گا اور اُسے جنت میں داخل کرے گا اور شفاعت کرنے والے کو اس امر میں اس کی شفاعت کی اجازت دے گا تو اُس نے اُسے پسندیدہ بنا دیا۔ اور یہی حق ہے۔

اُس شخص پر اللہ کا فضل ہے جس کی وہ اُس سبب سے مغفرت کردے گا کہ اس کے حسنات اُس کے کبایر پر غالب ہوں گے یا اُس کا ایک بھی گناہ کبیرہ نہ ہوگا یا اُس نے اُس سے توبہ کرلی ہوگی۔ چنانچہ وہی اُسے ہر شفاعت کرنے والے کی شفاعت سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ یہ رحمت وکامیابی اُسے اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوئی ہے۔ اُس نے اُس کے جنت میں داخل کرنے کا حکم دے دیا ہے تو پھر کس بات میں اُس کی شفاعت کی جائے گی۔ محتاج شفاعت تو وہی شخص ہوگا جس کے کبایر اُس کے حسنات پر غالب ہوں اور وہ دوزخ میں داخل کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ بغیر شفاعت کے اُس کے دوزخ سے نکالنے کا حکم نہ دے گا۔ اسی طرح تمام مخلوق کھڑے ہونے کے مقام میں ہوگی۔ یہ لوگ بھی ایک بُرے مقام میں ہوں گے اور شفاعت کے بھی محتاج ہوں گے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ اور ہم تو اسی کے قایل ہیں، جو احادیث سے اس باب میں ثابت ہے۔

میزان ایک قوم نے میزان کا بھی انکار کیا ہے۔ انھوں نے جرأت وپیشقدمی سے کلام اللہ کی مخالفت کی ہے۔ دوسروں نے اس طرح کوتاہی کی ہے کہ وہ میزان سونے کے دو پلڑوں سے ہے۔ یہ ایک دوسری پیشقدمی ہے جو حلال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "تقولون بافواھکم مالیس لکم بہ علم و تحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم" (اور تم لوگ اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں۔ اور تم اسے ہلکا سمجھتے ہو حالاں کہ یہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری ہے۔

امور آخرت بغیر قرآن میں آئے اور بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئے نہیں معلوم ہوسکتے۔ صفت میزان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

کوئی ایسی روایت نہیں آئی ہے جو صحیح ہو۔ اگر اس کے بارے میں آپ سے کوئی بات ثابت ہوتی تو ہم ضرور اس کے قایل ہوتے۔ جب اس معاملے میں آپ سے کوئی چیز ثابت نہیں تو کسی کے لیے یہ جایز نہیں کہ وہ ایسی بات کہے جس کی اللہ نے ہمیں خبر نہیں دی۔ ہم وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃ فلا تظلم نفس شیئا۔ وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بھا۔ وکفی بنا حاسبین" (اور قیامت کے روز ہم انصاف کی ترازوئیں قایم کریں گے۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر رائی کے دانے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اُسے لائیں گے۔ اور ہمارا حساب داں ہونا کافی ہے) "والوزن یومئذ الحق" (اور اس روز وزن کا ہونا حق ہے)۔ "فاما من ثقلت موازینہ فی عیشۃ راضیۃ واما من خفت موازینہ فامہ ھاویہ" (جس کی ترازوئیں بھاری ہوں گی تو وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا اور جس کی ترازوئیں ہلکی ہوں گی تو اُس کا وہ جہنم ہے جس کا نام ہاویہ ہے)۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے روز بندوں کے اعمال کے وزن کے لیے ترازوئیں قایم کی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا ہے کہ "فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزنا" (قیامت کے روز ہم اُن کے لیے وزن نہیں قایم کریں گے)۔ یہ اس بنا پر نہیں ہے کہ ان کے اعمال وزن نہ کیے جائیں گے۔ بلکہ وزن کیے جائیں گے مگر اُن کے اعمال کا پایہ اُٹھ جائے گا اور اُن کی ترازوئیں ہلکی ہوں گی اِس پر اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کیوں کہ وہ فرماتا ہے "ومن خفت موازینہ فاولئک الذین خسروا انفسھم فی جھنم خالدون" (اور جن کی ترازوئیں ہلکی ہوں گی تو یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے) "تلفح وجوھھم النار وھم فیھا کالحون" (ان کے چہروں کو آگ جھلستی ہوگی اور یہ لوگ اس میں لسور تے ہوں گے)۔ "الم تکن ایاتی تتلی علیکم فکنتم بھا تکذبون" (کیا میری آیتیں تمھیں پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں پھر تم ان کی تکذیب کیا کرتے تھے)۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ یہ لوگ جو اُس کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں اُن کی ترازوئیں ہلکی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والے بلاتشک کفار ہیں

ہم اس کا یقین کرتے ہیں کہ یہ ترازوئیں وہ اشیا ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ذرہ برابر تک اعمال خیر و شر کی مقداریں ظاہر کرے گا۔ ذرے کی مقدار تو وہ مقدار ہے جس کا وزن ہماری ترازوؤں میں ہرگز محسوس نہیں ہو سکتا۔ ذرہ بھر بھی اور جو ذرے سے کم و بیش ہوگا وہ بھی۔

ہم ان ترازوؤں کی کیفیت نہیں جانتے، سوائے اس کے کہ ہم اتنا جانتے ہیں کہ وہ ترازوئیں ہماری دنیا کی ترازوؤں کے خلاف ہیں۔ اس شخص کی ترازو جو ایک دینار یا ایک موتی تصدق کرے وہ اس شخص سے بھاری ہوگا جو ایک حقیر چیز تصدق کرے۔ حالاں کہ یہ وزن نہیں ہے، ہم جانتے ہیں کہ قتل کرنے والے کا گناہ طمانچہ مارنے والے کے گناہ سے بڑا ہے۔ فرض نماز پڑھنے والے کی میزان نفل نماز پڑھنے والے کی میزان سے بڑی ہے۔ ۵۵

بعض فرائض بعض سے بڑے ہیں۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جو شخص صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے تو وہ اس شخص کے مثل ہے جو رات بھر نماز پڑھتا رہا۔ اور جس نے عشا کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا وہ نصف شب عبادت کرتا رہا۔ حالاں کہ دونوں نمازیں فرض ہیں۔ اسی طرح تمام اعمال ہیں۔ بندے کا عمل خیر شر سے وزن کیا جائے گا۔ اگر آپ خیر خواہ ہوتے تو وہ ضرور جانتے کہ یہ عین عدل ہے۔

جو ایسی چیز کا قایل ہوا ہے جس کو نہیں جانتا کہ یہ میزان دو پلڑے والی ہوگی تو وہ صرف دنیا کی ترازوؤں پر قیاس کر کے اس کا قایل ہوا ہے۔ اس نے اپنے قیاس میں غلطی کی ہے، کیوں کہ دنیا میں ایسی ترازوئیں بھی ہوتی ہیں جن میں پلڑا نہیں ہوتا۔ مثلاً قرسطون۔ ہم لوگوں نے اس بارے میں صرف ان نصوص کا اتباع کیا ہے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ ہم صرف اسی کے قایل ہیں جو قرآن میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں آیا ہے۔ اور صرف اسی کے منکر ہیں جو قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ اور صرف اسی کی تکذیب کرتے ہیں جس کا قرآن و حدیث میں ابطال ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

حوض اس کے بارے میں احادیث ثابت ہیں۔ اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

اور اُس پر جو امتی وارد ہوگا اُس کی کرامت ہے۔ ہمیں اس کے منکر کی کسی دلیل کا علم نہیں۔ اس میں یا کسی اور چیز میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اُس کی مخالفت جایز نہیں۔ وباللہ تعالی التوفیق۔

صراط

ہم اس کے قبل کے باب سے پہلے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ وہ ایسا ہی ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صراط جہنم کے درمیان میں رکھا جائے گا اور اس پر لوگ گزریں گے۔ بعض تو رگڑ دیے جائیں گے۔ بعض نجات پائیں گے۔ اور بعض مشکیں کس کے آتش دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔ بیشک لوگ بقدر اپنے اعمال کے اس پر سے اس طرح گزریں گے جس طرح پلک جھپکتی ہے اور اس سے بھی کم زمانے میں۔ یہاں تک کہ کوئی دوزخ میں گر پڑے گا یہ اہل جنت کا جنت تک راستہ ہے جو زمین محشر سے آسمان تک ہے۔ اس آیت کے یہی معنی ہیں "وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا۔ ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظلمین فیھا جثیا" (اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو اُس (صراط) پر وارد نہ ہو۔ یہ آپ کے رب کے نزدیک ضروری و طے شدہ ہے۔ پھر ہم اُن لوگوں کو نجات دیں گے جو متقی ہوں گے۔ اور ظالموں کو اُس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے)۔

کاتبین اعمال

ملائکہ کا ہمارے اعمال کا لکھنا بھی حق ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے "وان علیکم لحافظین کراما کاتبین" (بیشک تم پر حفاظت کرنے والے مقرر ہیں جو بزرگ لکھنے والے ہیں)۔ اور فرمایا ہے "انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون" (بیشک ہم لکھوا لیا کرتے تھے جو کچھ تم کیا کرتے تھے)۔ اور فرمایا ہے "وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ۔ ونخرج لہ یوم القیمۃ کتابا یلقاہ منشورا۔ اقرأ کتابک" (اور ہم نے انسان کے مقدر کو اُس کی گردن میں وابستہ کر دیا ہے۔ اور ہم قیامت کے روز اُس کے لیے ایک کتاب نکالیں گے جس کو وہ بکھرا ہوا پائے گا۔ اپنی کتاب کو پڑھ کر)۔ اور فرمایا ہے "اذ یتلقی المتلقیان عن الیمین وعن الشمال قعید۔ ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید" (جب کہ دو لینے والے داہنی اور بائیں جانب بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ کوئی بات بولتا نہیں کہ ایک نگہبان تیار ہے)۔

ان تمام امور میں بھی اُن لوگوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوا جو اسلام کی طرف منسوب ہیں۔ مگر اس لکھنے کی کیفیت کوئی نہیں جانتا۔

عذاب قبر معتزلہ کے ایک شیخ ضرار بن عمرو الغطفانی نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے جن خوارج سے ہم ملے ہیں اُن کا بھی یہی مذہب ہے۔ اہل سنت اور بشر بن المعتمر والجبائی اور بقیہ معتزلہ عذاب قبر کے قایل ہیں۔ ہم بھی اسی کے قایل ہیں، اس لیے کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث ثابت ہیں۔

جس نے اس کا انکار کیا ہے اُس نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین" (اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور تو نے ہمیں دو مرتبہ زندہ کیا)۔ اور اس آیت سے "کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم۔ ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون" (تم کس طرح اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو، حالاں کہ تم مردہ تھے۔ پھر اُس نے تمھیں زندہ کیا۔ اس کے بعد تمھیں موت دے گا پھر تمھیں زندہ کرے گا۔ پھر تمھیں اسی کے پاس واپس کیا جائے گا)

یہ حق ہے اور عذاب قبر کو رد نہیں کرتا۔ اس لیے کہ فتنہ و عذاب وسوال قبر تو صرف روح سے ہوگا جب وہ جسم سے جدا ہو جائے گی جو روح کے نکلنے کے بعد ہوگا خواہ اُسے قبر میں رکھا جائے یا نہ رکھا جائے۔ برہان یہ آیت ہے "ولوتری اذ الظلمون فی غمرات الموت والملئکۃ باسطوا ایدیہم۔ اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الہون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن آیاتہ تستکبرون" (اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوتے ہیں۔ کہ اپنی جانیں نکالو۔ آج تم کو ذلت کا عذاب ہوگا۔ اس سبب سے کہ تم اللہ پر ناحق باتیں بناتے تھے اور اُس کی آیات سے تکبر کرتے تھے)۔ بلاشک قبل قیامت و بعد موت ہوگا اور یہی عذاب قبر ہے۔ اور فرمایا ہے "انما توفون اجورکم یوم القیمۃ" (تمھارے پورے اجر و ثواب تو قیامت ہی کے روز دیے جائیں گے)۔ فرعون والوں کے متعلق فرمایا ہے "النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا۔ ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب" (اُن لوگوں کو صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اور جس روز قیامت قایم ہوگی (تو حکم دیا جائے گا کہ) فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں

داخل کرو)۔

یہ آگ پر پیش کرنا عذاب قبر ہے۔ اس کو عذاب قبر محض اس لیے کہا گیا اور قبر کی طرف منسوب کیا گیا کہ اکثر مردوں میں دستور یہی ہے کہ انھیں قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ ہم جانتے ہیں کہ ان مردوں میں وہ بھی ہوتے ہیں جنھیں درندے کھا جاتے ہیں۔ اور جو غرق ہو جاتے ہیں اور انھیں دریائی جانور کھا جاتے ہیں۔ اور جو جل جاتے ہیں اور جو سولی پر چڑھائے اور لٹکا دیے جاتے ہیں۔ اگر واقعہ اس شخص کے اندازے کے مطابق ہوتا جو یہ گمان کرتا ہے کہ عذاب اسی مقررہ ومعمولی قبر میں ہوتا ہے تو ان مردوں کے لیے نہ فتنہ ہوتا نہ عذاب قبر اور نہ سوال۔ نعوذ باللہ من ھذا۔ بلکہ ہر میت کے لیے فتنہ وامتحان سوال ضروری ہے اور اس کے بعد قیامت تک کے لیے سرور ہے یا تنگی۔ پھر قیامت کے روز اُن کو ان کے اجر دیے جائیں گے اور یہ لوگ جنت یا دوزخ میں منتقل ہوں گے۔

کسی نہ کسی دن ہر انسان کے جسم کا خاک میں پلٹنا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخریٰ" (اسی خاک سے ہم نے تمھیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمھیں واپس کر دیں گے اور اسی سے ہم تمھیں دوبارہ نکالیں گے) مذکورۂ بالا مردے جو سولی دیے گئے ہوں یا لٹکائے گئے ہوں یا درندے یا اور جانور کے کھائے ہوئے ہوں۔ یا جلے ہوئے ہوں تو وہ راکھ یا فضلہ بن کر یا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین کی طرف ضرور پلٹیں گے۔ روح بدن سے نکلنے کے بعد قیامت تک جس مقام میں مقیم ہوتی ہے وہی اُس کی قبر ہے۔

جو یہ گمان کرتا ہے کہ میت کو اُس کی قبر میں زندہ کیا جاتا ہے تو یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ مذکورۂ بالا آیات اس سے روکتی ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ہمیں اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ زندہ کیا اور تین مرتبہ موت دی۔ اور یہ باطل اور خلاف قرآن ہے۔

وہ اس سے مستثنیٰ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے معجزے کے طور پر زندہ کیا ہے "والذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاکم" (اور وہ لوگ جو موت کے خوف سے اپنے شہروں سے نکلے

اور وہ ہزاروں تھے پھر اللہ تعالی نے انھیں حکم دیا کہ مرجاؤ۔ اس کے بعد انھیں زندہ کردیا) "الذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ" (وہ شخص جس کا گزر ایک بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر اوندھی ہوئی تھی تو کہا کہ اللہ تعالی اُسے اس کی موت کے بعد کیوں کر زندہ کرے گا۔ پھر اللہ تعالی نے اُسے سو برس تک مردہ رکھا پھر اُسے اُٹھایا) اسی طرح یہ آیت ہے "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا۔ فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی" (اللہ ہی جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے۔ اور ان جانوں کو بھی اُن کے سونے کے وقت جن کو موت نہیں آئی۔ پھر جن کی موت کا حکم دیتا ہے انھیں روک لیتا ہے اور دوسری جانوں کو ایک مدت معینہ تک روک لیتا ہے)۔ نص قرآن سے ثابت ہو گیا کہ جو مرتا ہے اس کی روح سوائے ایک مقررہ مدت کے جو یوم قیامت ہے اُس کے جسد کی طرف نہیں پلٹتی۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ شب معراج میں آسمان دنیا کی قریب آپ نے آدم علیہ السلام کی داہنی طرف اہل سعادت کی ارواح اور بائیں طرف اہل شقاوت کی ارواح کو ملاحظہ فرمایا۔ غزوہ بدر کے روز جس وقت آپ نے مقتولین سے خطاب فرمایا اور قبل اس کے کہ ان کے لیے قبریں بنائی جائیں آپ نے خبر دی کہ اُن سے جو وعدہ کیا گیا تھا اس کو انھوں نے سچا پایا۔ مسلمانوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ اُن لوگوں سے گفتگو فرماتے ہیں جو گل سڑ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اُن سے زیادہ میرے کلام کو سننے والے نہیں ہو۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے اس قول کا انکار نہیں فرمایا کہ یہ "گل سڑ گئے" آپ نے انھیں یہ بتایا کہ یہ سنتے ہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ بیشک یہ صرف اُن کی ارواح کے لیے تھا۔ لیکن جسم کو کوئی حس نہیں ہوتی۔ ۵۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث میں یہ ہرگز نہیں آیا کہ مردوں کی ارواح سوال کے وقت ان کے اجسام میں واپس کردی جاتی ہیں۔ اگر یہ آپ سے ثابت ہوتا تو ہم ضرور اس کے قائل ہوتے۔ چوں کہ یہ ثابت نہیں لہذا کسی کو اس کا قائل ہونا جایز نہیں۔ اس اضافے کو کہ ارواح بدن کی طرف پلٹتی ہیں صرف

منہال ابن عمرو نے روایت کیا ہے جو قوی راوی نہیں ہے۔ اس کو شعبہ وغیرہ نے ترک کر دیا ہے۔ تمام صحیح احادیث اس کے خلاف ہیں۔ جو ہم نے کہا صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی ثابت ہے۔ اس کے خلاف کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں۔

صفیہ بنت شیبہ سے مروی ہے کہ ابن عمرؓ مسجد (حرام) میں داخل ہوئے اور انھوں نے سولی دیے جانے سے پہلے ابن زبیرؓ کو پڑا ہوا دیکھا۔ اُن سے کہا گیا کہ اسماءؓ بنت ابی بکر الصدیق یہ ہیں۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے، انھیں تسلی دی اور تعزیت کی۔ اور فرمایا کہ یہ جثہ اور دھڑ کوئی چیز نہیں۔ ارواح اللہ تعالیٰ کے یہاں ہیں۔ اسماءؓ نے کہا کہ مجھے کون روک سکتا ہے حالاں کہ یحییٰؑ بن زکریاؑ کا سر بنی اسرائیل کی ایک زانیہ کو بطور ہدیہ دیا گیا ہے۔

حضرت ابن مسعود سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ "ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین" (اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور تو نے ہمیں دو مرتبہ زندہ کیا)۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہی مضمون سورۂ بقرہ میں ہے۔ "وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم" (اور تم لوگ مردہ تھے۔ پھر اس نے تمھیں زندہ کیا پھر تمھیں موت دے گا پھر تمھیں زندہ کرے گا)۔ انھیں ابن مسعود و اسماء بنت ابی بکر الصدیق و ابن عمر رضی اللہ عنہم ہیں جن کا صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی مخالفت نہیں۔ اسماء و ابن عمرؓ نے فیصلہ کر دیا کہ ارواح اللہ کے یہاں ہیں اور دھڑ کوئی چیز نہیں ہیں۔ اور ابن مسعود فیصلہ کرتے ہیں کہ حیات و موت دو مرتبہ ہے اور یہی ہمارا قول ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے یہ بھی خبر دی کہ آپ نے انھیں چھٹے یا ساتویں آسمان میں دیکھا۔ کوئی شک نہیں کہ آپ نے محض ان کی روح دیکھی ان کا جسم بلاشک خاک میں پوشیدہ ہے۔ لہٰذا اس بناپر ہر روح کا مقام قبر کہلاتا ہے۔ وہیں اس پر عذاب کیا جاتا ہے اور وہیں سوال ہوتا ہے جہاں وہ ہوتی ہے۔ و باللہ تعالیٰ التوفیق۔

مستقر ارواح ارواح کے مستقر کے بارے میں بھی لوگوں کا اختلاف ہے۔ ہم اپنی

اسی کتاب کے شروع میں اصحاب تناسخ کے قول کا بطلان بیان کر چکے ہیں۔ والحمد لله رب العلمین۔

روافض کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ کفار کی روحیں برہوت میں رہتی ہیں جو حضرموت میں ایک کنواں ہے۔ مومنین کی ارواح ایک دوسرے مقام میں رہتی ہیں۔ جو میرے خیال میں جابیہ ہے۔ یہ قول فاسد ہے۔ اس لیے کہ اس پر قطعاً کوئی دلیل نہیں جس پر کوئی دلیل نہ ہو ساقط و غیر معتبر ہے۔ کوئی شخص بھی اس سے عاجز نہیں کہ وہ ارواح کے لیے کسی اور مقام کا دعویٰ کرے جو اس مقام کے علاوہ ہو جس کا ان لوگوں نے دعویٰ کیا ہے۔ جس کی یہ حالت ہو اس پر وہی شخص عقیدہ رکھتا ہے جو بدنصیب ویے توفیق ہو۔ و بالله تعالیٰ التوفیق۔

عام اصحاب حدیث کا مذہب یہ ہے کہ ارواح اپنے قبور کے میدانوں میں رہتی ہیں۔ اس قول کی بھی قطعاً کوئی حجت و دلیل نہیں ہے جو اس کی تصحیح کرے سوائے ایک ضعیف روایت کے کہ اس جیسی روایت سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ اس لیے کہ وہ بے حد گری ہوئی حالت میں ہے جس میں علمائے حدیث میں سے کوئی مشغول نہیں ہوتا اور جو روایت ایسی ہو وہ بھی ساقط و غیر معتبر ہے۔ ۵۸

ابوالہذیل العلاف واشعریہ کا مذہب یہ ہے کہ ارواح اعراض (وصفات) ہیں جو فنا ہو جاتی ہیں اور دو وقت باقی نہیں رہتیں۔ جب انسان مرتا ہے تو وہاں قطعاً کوئی روح نہیں رہتی۔

اس مقالۂ فاسدہ والوں کے عجائب میں سے اُن کا یہ کہنا ہے کہ انسان کی روح جواب ہے وہ اُس روح کے علاوہ ہے جو اس کے قبل تھی۔ برابر اُس کے لیے ایک روح پیدا ہوتی ہے پھر وہ فنا ہو جاتی ہے۔ پھر ایک روح پیدا ہوتی ہے پھر وہ فنا ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ ایک گھنٹے سے بھی کم زمانے میں انسان دس لاکھ روحوں سے بھی زیادہ بدل ڈالتا ہے۔ یہ تو اُس شخص کی بدحواسی کے مشابہ ہے جس کو مالیخولیا کا دورہ ہو۔

بعض نے اضافہ کیا ہے اگر عذاب ارواح کے بارے میں احادیث صحیح ہوں تو حیات جسم کے اُس کم از کم جزو کی طرف واپس کی جاتی ہے جس کا تجزیہ اور

حصے بکھرے نہ ہوسکیں۔ اور اسی حصے پر عذاب کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ یہ دوسری حماقت ہے اور یہ ایسے دعوے ہیں جو انتہائی فسادین ہیں۔

بعض کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ حیات سرین کے گوشت کے آخری حصے میں واپس کی جائے گی اور اسی پر عذاب یا انعام ہوگا۔ اس نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ہر ابن آدم کو مٹی کھا جاتی ہے سوائے اس کے دُمگزے کے گوشت کے آخری حصے کے کہ وہ اسی سے پیدا کیا گیا اور اسی میں اسے ترکیب دی جائے گی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ مگر اس میں ان لوگوں کی کوئی حجت نہیں اس لیے کہ اس میں یہ نہیں ہے کہ دُمگزے کے گوشت کے آخری حصے کو زندہ کیا جائے گا، نہ یہ ہے کہ اُس میں حیات کی ترکیب کی جائے گی اور نہ یہ ہے کہ اُس پر عذاب کیا جائے گا اور نہ یہ ہے کہ اس سے انتقام لیا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ان تمام امور سے خاموش ہے۔ حدیث میں صرف یہ ہے کہ دُمگزے کا آخری حصہ خاصکر ایسا ہے جس کو مٹی نہیں کھاتی اور وہ مٹی نہیں بنتا۔ اسی سے انسان کی آفرینش کی ابتدا ہوئی اور اسی سے اُس کی دوبارہ پیدائش کی ابتدا ہوگی۔ یہ بیان نہایت خوبی کے ساتھ ہے اور اپنے ظاہر پر ہے۔ بلاشبہ دُمگزے کے آخری حصے کے اجزا متفرق ہوتے ہیں۔ یہ وہ ہڈیاں ہیں جنھیں تم دیکھتے ہو یہ مٹی نہیں بنتیں۔ اللہ تعالیٰ پیدائش ثانی ان کے جمع کرنے سے کرے گا۔ اسی پر انسان کی پوری پیدائش کی ترکیب کرے گا اور یہی وہ چیز ہے جو جسم انسان میں سب سے پہلے پیدا کی گئی۔ پھر اسی پر اس کے بقیہ جسم کی ترکیب کی گئی۔ اگر نص اس کے متعلق نہ بھی آتی جب بھی یہ ممکن تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر تو سب خبروں سے زیادہ مستحق تصدیق ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جس نے فرمایا ہے ”ھو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض واذ انتم اجنۃ فی بطون امھاتکم“ (وہ تمھیں خوب جانتا ہے جب کہ اس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور جب کہ تم اپنی ماؤں کے پیٹوں کے اندر بچے تھے)۔ اور فرمایا ہے ”ما اشھدتم خلق السموات والارض ولا خلق انفسھم“ (تم نہ آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت موجود تھے

اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت۔
ابوبکر بن کیسان الاصم نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ روح کیا ہے جسد کے علاوہ کچھ ثابت نہ ہوا
انشاء اللہ تعالیٰ ہم اللہ کی مدد و قوت سے اپنی اسی کتاب کے اس باب میں جس میں
روح و نفس کے بارے میں کلام ہو گا ان دونوں فاسد مقالات کا فساد واضح کریں گے۔
مستقر ارواح کے بارے میں ہم وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُس سے تجاوز نہیں کرتے اور وہی
برہان واضح ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" واذ اخذ
ربک من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علی انفسھم
الست بربکم قالوا بلیٰ شھدنا ان تقولوا یوم القیٰمۃ انا کنا عن ھذا
غافلین" (اور جب کہ آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے اُن کی ذریت
کو نکالا۔ اور ان سے انھیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں۔
سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ ہم سب گواہ ہیں کہ تم لوگ قیامت کے روز یہ نہ
کہہ سکو کہ ہم اس سے (یعنی تیرے رب ہونے سے) بیخبر تھے)۔ اور فرمایا ہے لقد
خلقنکم ثم صورنکم ثم قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم فسجدوا" (اور بیشک
ہم نے تمھیں پیدا کیا اس کے بعد تمھاری صورت بنائی۔ اس کے بعد ہم نے ملائکہ
سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا) لہذا ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ
نے تمام ارواح کو پیدا کر دیا تھا اور یہی نفوس ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے بھی خبر دی ہے کہ ارواح ایک مجتمع لشکر ہیں پھر ان میں سے جن جن میں تعارف
ہو گیا باہم دوستی ہو گئی اور جن میں باہم بیگانگی رہی اختلاف ہو گیا۔

روح میں حس و عقل ہے

ارواح عقل و حس والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت
اس سے عہد و شہادت لی ہے جب کہ وہ پیدا ہو چکی
تھی، اُس کی صورت بن چکی تھی، عقل والی تھی۔ ملائکہ کو آدم کو سجدہ کرنے کے حکم سے
پہلے وہ پیدا ہو چکی تھی۔ اُسے اجسام میں داخل کرنے کا حکم دیا گیا۔ اجسام اُس زمانے
میں مٹی اور پانی تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہاں چاہا اُسے ٹھیرایا اس لیے کہ
اللہ تعالیٰ نے اُسے لفظ "ثم" سے ذکر فرمایا ہے جو تعقیب و مہلت کو واجب کرتا ہے۔

(یعنی یہ لفظ جس کلمے یا جملے پر داخل ہوتا ہے اُس کے متعلق یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کے پہلے والے کلمے یا جملے کے کچھ دیر بعد یہ ہوا ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے جہاں چاہا اسے ٹھیرایا اور وہ برزخ ہے جہاں موت کے بعد ارواح واپس کر دی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت کو ایک جماعت کے بعد بھیجا جاتا ہے پھر انھیں اُن اجسام میں پھونک دیا جاتا ہے جو اُس منی سے پیدا ہوتے ہیں کہ مردوں کی پشت سے عورتوں کے رحموں میں گر جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "الم یک نطفة من منی یمنی ثم کان علقة فخلق فسوی" (کیا انسان منی کے نطفے سے نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا، پھر اُسے پیدا کیا پھر درست کر دیا)۔ اور فرمایا ہے "ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ثم جعلناه نطفة فی قرار مکین۔ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما۔ ثم انشأنه خلقا آخر۔ فتبرک اللہ احسن الخالقین" (اور بیشک ہم نے انسان کو گارے کے خلاصے سے پیدا کیا ہے۔ پھر ہم نے اسے نطفے کی حالت میں ایک محفوظ مقام میں رکھا۔ پھر ہم نے نطفے کو خون کا لوتھڑا بنا دیا۔ پھر ہم نے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنا دیا پھر ہم نے اس ٹکڑے کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت پہنا دیا پھر ہم نے اس کو ایک اور خلق بنا کر پیدا کر دیا۔ تو اللہ کیسی برکت والا ہے جو تمام صناعوں سے بہتر و برتر ہے)۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ابن آدم کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک ہوتی رہتی ہے۔ پھر وہ اسی طرح خون کا لوتھڑا بنتا رہتا ہے پھر اسی طرح گوشت کا ٹکڑا بنتا رہتا ہے۔ پھر فرشتے کو بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے۔ الحمد للہ یہ ہمارے قول کی نص ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا دنیا میں جس طرح چاہتا ہے امتحان لیتا ہے پھر انھیں وفات دیتا ہے۔ پھر اُسے اسی برزخ کی طرف واپس کر دیا جاتا ہے جس میں آپ نے شب معراج میں آسمان دنیا کے پاس ارواح کو اس طرح دیکھا کہ اہل سعادت کی ارواح آدم علیہ السلام کی داہنی طرف اور اہل شقاوت کی ارواح اُن کے بائیں طرف تھیں۔ یہ عناصر سے سلسلہ منقطع ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ انبیا علیہم السلام اور شہدا کی ارواح فوراً جنت میں چلی جاتی ہیں۔ اسحاق بن راہویہ سے مروی ہے کہ جو کچھ ہم نے کہا بعینہ یہی

قول انھوں نے بھی بیان کیا۔ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

یہی قول تمام اہل اسلام کا ہے۔ یہاں تک کہ جس کا ہم نے ذکر کیا اس نے مخالفت کی ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا قول ہے فرمایا ہے" فاصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ واصحاب المشئمۃ ما اصحاب المشئمۃ۔ والسابقون السابقون اولئک المقربون فی جنت النعیم" (پھر جو داہنی جانب والے ہیں تو داہنی جانب والے کیسے اچھے ہیں۔ اور جو بائیں جانب والے ہیں تو بائیں جانب والے کیسے برے ہیں۔ اور جو اعلیٰ درجے والے ہیں وہ تو اعلیٰ درجے والے ہیں ہی۔ یہی لوگ مقرب ہیں آرام والے باغوں میں ہیں)۔ اور فرمایا ہے" فاما ان کان من اصحاب الیمین فسلام لک من اصحاب الیمین۔ واما ان کان من المکذبین الضالین فنزل من حمیم۔ وتصلیہ جحیم ان ھذا لھو حق الیقین" پھر اگر داہنی جانب والوں میں سے تھے تو اے داہنی جانب والے تیرے لیے سلام ہے۔ اور اگر تکذیب کرنے والے گمراہوں میں سے ہے تو کھولتے پانی سے اور جہنم میں داخل کرنے سے مہمانداری ہوگی یہ قطعی و ضروری طور پر حق و یقین ہے)۔

ارواح برابر وہاں رہیں گی یہاں تک کہ تمام ارواح کی تعداد ان کے جسموں میں پھونک دینے سے اور ان کے برزخ مذکور کی طرف واپس کرنے سے پوری ہو جائے گی تو قیامت قایم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ دوبارہ ارواح کو اجسام میں واپس کرے گا اور یہی حیات ثانیہ ہے۔ خلق کا حساب کیا جائے گا۔ پھر ایک فریق ہمیشہ کے لیے جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں۔

بعض اشعریہ کا یہ قول کہ جس عہد کے لیے جانے کا ذکر اس آیت میں ہے۔ "واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظہورھم ذریتھم واشھدھم علی انفسھم" اس میں "اذ" بمعنی "اذا" ہے۔ یہ قول پانچ وجوہ سے نہایت غیر معتبر و ساقط ہے۔

اول بلا کسی دلیل کے دعویٰ ہے۔

دوم "اذ" بمعنی "اذا" لغت میں معروف نہیں۔

سوم۔ اگر اس کی یہ تاویل فاسد صحیح ہوتی۔ حالاں کہ یہ صحیح نہیں ہے، تو یہ ایک ایسا کلام ہوتا جو نہ عقل میں آتا نہ فہم میں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے

اس کو ہم پر حجت کے طور پر وارد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ احتجاج واستدلال اسی سے کرتا ہے جو فہم میں آئے نہ کہ اس سے جو فہم میں نہ آئے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مشقت ودشواری کو ہم سے ساقط کر کے ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور اس سے زیادہ بڑی مشقت اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ہمیں ایسی چیز کے سمجھنے کی تکلیف دی جائے جس کا سمجھنا ہماری فطرت میں نہ ہو۔

چہارم۔ اگر ایسا ہوتا جیسا کہ اُس نے دعویٰ کیا ہے تو ضرور روئے زمین پر سوائے مومن کے کوئی نہ ہوتا۔ حالاں کہ مشاہدہ اس کو باطل کرتا ہے۔ اس لیے کہ ہم بکثرت ایسے لوگوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جو کفر پر پیدا ہوئے اور اسی پر ان کا نشوونما ہوا جنھوں نے کبھی یہ نہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ اور وہ کبھی اللہ کو رب نہیں کہتے جو کہتے ہیں کہ عالم ازلی ہے اور اس کا کوئی موجد نہیں ہے۔ یہ لوگ متقدمین ومتاخرین دونوں میں گزرے ہیں۔

پنجم۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے سے محض اُس کام کی خبر دی ہے جو اس نے کیا ہے اور اس کے ذریعے سے اُس نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ روح کے جسم سے جدا ہونے کے بعد اس واقعے کی یاد اُسی طرح واپس آجائے گی جس طرح روح کے بدن میں داخل ہونے سے پہلے تھی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے اس شاہد بنانے کے ذریعے سے ہم پر حجت قایم کی ہے اور اس کے ناپسند کرنے کی وجہ سے کہ ہم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دیں کہ ہم اس شاہد بنانے کے واقعے سے بیخبر تھے دلیل بنایا ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہ اشہاد (گواہ بنانا) اس مقام سے پہلے ہوا ہے جس میں ہم موجود ہیں اور جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس واقعے کے متعلق خبر دی ہے اور نیز قیامت سے پہلے ہوا ہے۔ لہٰذا اس سے بعض اشعریہ وغیرہ کا قول باطل ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ ہمارا ہی قول نصِ آیت ہے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

ان میں سے جو مخالفین ہیں وہ اس کے قریب پہنچ گئے کہ انھوں نے چند اقوال پر عقیدہ قایم کر لیا اس کے بعد اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو اس کی طرف پھیرنا چاہتے ہیں، حالاں کہ وہ باطل ہے جو حلال نہیں۔ الحمد للہ ہم لوگ تو صرف اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی طرف آئے اور اسی کے قایل

ہو گئے۔ اس بارے میں ہم نے جہالت و تکبر و نفسانیت سے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور نہ ہم نے کلام خدا اور رسول کو کسی کے قول کی طرف پھیرا۔ بلکہ تمام اقوال کو نصوص قرآن و احادیث پر پھیر دیا۔ والحمد للہ رب العلمین کثیراً۔ یہی وہ حق ہے جس سے تجاوز کرنا جایز نہیں۔

ارواح انبیا و شہدا

انبیا علیہم السلام کی ارواح کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ یہ مقرب ہیں، آرام والے باغوں میں ہیں اور اصحاب الیمین (یعنی داہنی جانب والوں) کے علاوہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح خبر دی ہے کہ آپ نے شب معراج میں ان کو ایک ایک آسمان میں دیکھا۔ اسی طرح شہدا بھی جنت میں ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم یرزقون" (جو لوگ راہ خدا میں قتل کیے گئے انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ اپنے رب کے پاس ہیں انھیں رزق دیا جاتا ہے)۔ یہ رزق بلاشک ارواح کے لیے ہے جو بجز جنت کے کہیں نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں جو روایت کی گئی ہے واضح کر دیا ہے کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے میووں میں لٹکتا ہے پھر اُن قندیلوں میں رہتا ہے جو عرش کے نیچے ہیں۔ یہ حدیث واضح ہم سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریق سے روایت کی گئی ہے۔ اور یہ شہدا ہیں اور اس سے احادیث و آیات بھری پڑی ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین

اگر کوئی معترض کہے کہ قیامت کے روز کھڑے ہونے کے مقام پر حاضری کے لیے انبیاء علیہم السلام کو اور شہدا کو کیسے نکالا جائے گا، تو بتوفیق الٰہی اُس سے کہا جائے گا کہ ہم قبل قیامت جنت میں داخل ہونے اور اس سے نکلنے کی شہادت قرآن و حدیث صحیح کا انکار نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسی میں آدمؑ و حواؑ کو پیدا کیا، پھر ان دونوں کو اُس سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا۔ ملائکہ بھی جنت میں ہیں اور اُس سے نکل کر دنیا میں اللہ تعالیٰ کے پیام انبیا و رسل کے پاس لاتے ہیں۔ جو چیز نص قرآن یا حدیث میں آ چکی ہے اس کا انکار تو صرف جاہل یا غافل یا بددین ہی کرے گا جس چیز کا انکار کیا جاتا ہے اور جو ناممکن ہے وہ کسی شخص کی روح کا جو جنت میں داخل ہو چکی نکل کر دوزخ میں جانا ہے۔ اس سے انکار پر تمام امت کا اجماع ہے اور یہ قطعی و یقینی ہے۔ اس طرح جو شخص قیامت کے روز بطور جزا کے اور اللہ کے فضل و کرم سے جنت میں داخل ہوگا تو نص کے مطابق

کبھی اس سے اس کا نکلنا نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ التوفیق۔

مسلمین ومشرکین کی نابالغ مرنے والی اولاد

مسلمین ومشرکین کے لڑکے اور لڑکیاں جو مرتے ہیں اُن کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ خوارج میں سے ازارقہ نے کہا ہے کہ مشرکین کے بچے دوزخ میں ہوں گے۔ ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ قیامت کے روز اُن کے لیے آگ روشن کی جائے گی اور اُن لوگوں کو اُس میں گھسنے کا حکم دیا جائے گا، جو اُس میں داخل ہوگا وہ جنت میں لجائے گا اور جو داخل نہ ہوگا وہ دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ دوسروں کا مذہب یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے گا۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ جنت میں ہوں گے اور اسی کے ہم بھی قائل ہیں۔

ازارقہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے جو اُس نے حضرت نوحؑ کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے کہ انھوں نے عرض کیا کہ وہ رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا۔ انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا (اے میرے رب روئے زمین پر کسی بھی کافر کو آباد نہ رکھ۔ بیشک تو اگر اُن کو چھوڑے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔ اور اُن کے یہاں بدکار اور کفر کرنے والے ہی پیدا ہوں گے)۔

ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے وہ بچے کہاں ہیں جو آپ سے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جنت میں۔ پھر کہا کہ اور میرے وہ بچے کہاں ہیں جو اور سے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دوزخ میں۔ خدیجہؓ نے دوبارہ آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمھیں اُن کا شور وغل سنا دوں۔

ایک دوسری حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں یہ ہے کہ "زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کی ہوئی دونوں دوزخ میں ہیں۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ اگر مشرکین کے بچے تمھارے نزدیک جنت میں ہیں تو یہ مومن ہوئے۔ اس لیے کہ جنت میں صرف مسلم روح ہی داخل ہوسکتی ہے۔ اگر وہ مومن ہیں تو تمھیں لازم ہے کہ تم مشرکین کے بچوں کو مسلمانوں کے ساتھ دفن کیا کرو۔ اور اُسے اس کا موقع نہ دو کہ وہ بالغ ہو کر اپنے باپ کا دین اختیار کرے اور یہ ردت اور اسلام سے خروج و کفر ہوجائے۔ تمھیں مناسب ہے کہ تم اُس کے وارث بنو۔ اور اُس کے مسلم اقارب کو اُسے وارث بناؤ۔

تمام امور جن سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے یہی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی اور کوئی دلیل معلوم نہ ہوسکی۔ ان میں ہرگز ان کی کوئی حجت نہیں۔ نوح علیہ السلام کا قول ایسے ہر کافر کے متعلق نہیں فرمایا تھا بلکہ خاص اپنی قوم کے کفار کے متعلق تھا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمادیا تھا کہ "انہ لن یومن من قومک الامن قد آمن" (تمھاری قوم میں سے اب ہرگز کوئی ایمان نہ لائے گا سوائے اُن کے کہ جو ایمان لا چکے)۔ نوح علیہ السلام نے اس وحی سے یہ یقین کرلیا تھا کہ ان لوگوں میں کبھی کوئی مومن پیدا نہ ہوگا۔ ہر وہ شخص جو اُن کے یہاں پیدا ہوگا کافر ہی ہوگا۔ یہی وہ مضمون ہے جو نص آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکایت بیان کی کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ "رب لاتذر علی الارض من الکفرین دیارا" اس سے اُن کی مراد صرف وہی کفار تھے جو اُس زمانے میں زمین پر آباد تھے۔

ازارقہ کو اگر ذرا سا بھی علم و فہم ہوتا تو وہ ضرور جانتے کہ نوح علیہ السلام کا یہ کلام ہر کافر کے متعلق نہیں ہے بلکہ خاص قوم نوحؑ کے متعلق ہے اس لیے کہ ابراہیم و محمد صلی اللہ علیہما وسلم کے والد کافر و مشرک تھے حالاں کہ اُن کے یہاں مومنین جن و انس میں سب سے بہتر اور ایمان میں سب سے کامل تر پیدا ہوئے۔ ازارقہ اعراب و جاہل تھے جو چوپایوں کے مثل بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ تھے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بطریق اسود بن سریع التمیمی ثابت ہے کہ آپ نے

فرمایا کہ کیا تمھارے بہترین اشخاص مشرکین کی اولاد نہیں ہیں۔
کیا وہ بزرگ ترین صحابہ رضی اللہ عنہم جن سے ازارقہ بھی محبت کرتے ہیں مثلاً ابن ابی قحافہ رضہ و عمر رضہ بن الخطاب وام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہم کفار کی اولاد نہ تھے۔ تو کیا یہ اپنے باپوں کے یہاں کافر پیدا ہوئے۔ اور کیا یہ صاحب ایمان صریح نہیں پیدا ہوئے۔ پھر ازارقہ کے باپ بھی۔ مثلاً نافع ابن الازرق اور اُن کے دوسرے مشایخ مشرکین کی اولاد نہ تھے لیکن اللہ جس کو گمراہ کرے اس کے لیے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔
حدیث خدیجہ رضہ ساقط غیر معتبر اور گری ہوئی ہے' اس کو ہرگز کسی ایسے شخص نے روایت نہیں کیا ہے جس میں خیر ہو۔
زندہ درگور کرنے والی کی حدیث اس طرح آئی ہے جس طرح ہم بیان کرتے ہیں۔ المعتمر بن سلیمان التمیمی سے اور داود بن ابی ہند سے اور عامر الشعبی سے اور علقمہ ابن قیس سے اور سلمہ بن یزید الجعفی سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں اور میرے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے پھر ہم نے آپ سے عرض کیا کہ ہماری ماں زمانۂ جاہلیت میں مرگئی اور وہ مہمانوں کی مدارات کیا کرتی تھی اور قرابتداروں کے ساتھ احسان کیا کرتی تھی تو آیا اس کے اس عمل میں سے اس کے لیے کچھ مفید ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ ہماری ماں نے زمانۂ جاہلیت میں ہماری ایک بہن کو جو بالغ نہیں ہوئی تھی زندہ درگور کردیا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زندہ درگور کی ہوئی اور زندہ درگور کرنے والی دوزخ میں ہے سوائے اس کے کہ زندہ درگور کرنے والی اسلام پائے اور اسلام لے آئے۔
یہ لفظ کہ "وہ بالغ نہیں ہوئی تھی" بلاشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے۔ یہ سلمہ بن یزید الجعفی اور اُن کے بھائی کا کلام ہے۔ کیوں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دے دی کہ وہ زندہ درگور ہونے والی دوزخ میں ہے تو یہ ان دونوں کے اس قول کا کہ وہ بالغ نہیں ہوئی تھی انکار و ابطال ہے اور اس کی تصحیح ہے اس لیے کہ وہ ان دونوں کے گمان کے خلاف بالغ تھی۔ اس قول کے سوا اور کوئی بات ممکن نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تناقض و اختلاف

نہیں ہوتا اور نہ آپ کا ایک کلام دوسرے کلام کی تکذیب کرتا ہے۔ اور نہ آپ کا کلام اپنے رب کے کلام کے خلاف ہوتا ہے۔ بلکہ آپ کا ایک کلام آپ کے دوسرے کلام کی تصدیق کرتا ہے اور اپنے رب کے اخبار کے موافق ہوتا ہے۔ اس کے سوا سے اللہ کی پناہ۔

اس امر کے متعلق آپ سے احادیث ثابت ہیں کہ اطفال مشرکین جنت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت" (اور جب کہ زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی) اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمادی کہ زندہ درگور لڑکی کا کوئی جرم نہ تھا۔ یہ واضح بیان و مبین ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خبر دینا کہ وہ زندہ درگور لڑکی دوزخ میں ہے اس کے متعلق یہ خبر دینا ہے کہ وہ اپنے دونوں بھائیوں کے گمان کے برخلاف بالغ تھی۔

یہ حدیث داؤد بن ابی ہند، محمد بن عدی سے روایت کی گئی ہے۔ یہ المعتمر کے علاوہ نہیں ہیں۔ انھوں نے اس میں یہ بیان نہیں کیا کہ وہ بالغ نہ تھی۔ نیز اس حدیث کو داؤد بن ابی ہند سے عبیدۃ بن حمید نے بھی روایت کیا ہے، مگر انھوں نے اس لفظ کو بیان نہیں کیا جس کو معتمر نے بیان کیا ہے۔

حدیث عبیدہ کو ہم سے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ عبیدۃ بن حمید نے داؤد بن ابی ہند سے شعبی سے علقمہ بن قیس سے سلمہ بن یزید سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں اور میرے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہماری ماں مہمان کی مدارات اور قرابتداروں کے ساتھ احسان کیا کرتی تھی کیا اس سے اُسے نفع پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اُس نے زمانۂ جاہلیت میں ہماری ایک بہن کو زندہ درگور کردیا تھا تو کیا اس سے ہماری بہن کو کچھ نفع پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کی ہوئی دونوں دوزخ میں ہیں سوائے اس کے کہ وہ اسلام کو پاتی پھر اللہ تعالیٰ اُسے معاف کردیتا۔

حدیث ابن عدی کو ہم سے اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ محمد بن عدی سے داؤد بن ابی ہند سے شعبی سے علقمہ سے سلمہ بن یزید الجعفی سے مروی ہے کہ میں

اور میرے بھائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ملیکہ قرابتداروں کے ساتھ سلوک کیا کرتی تھی اور مہمان کی مدارات کیا کرتی تھی اور یہ کرتی تھی اور وہ کرتی تھی۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں مر گئی تو کیا یہ اعمال اس کے لیے کچھ مفید ہوں گے آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اس نے زمانۂ جاہلیت میں اپنی ایک بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا تو کیا اس سے اس کی بہن کو کچھ نفع پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کی ہوئی دونوں دوزخ میں ہیں۔ سوائے اس کے کہ زندہ درگور کرنے والی اسلام کو پاتی تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف کر دیتا۔

ہم سے اسی طرح "اختالھا" ھا" کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اس بنا پر کہ وہ زندہ درگور کرنے والی کی بہن تھی۔

یہی حدیث ہم سے مختصراً بھی روایت کی گئی ہے جیسا کہ اسے عبداللہ ابن ربیع التمیمی نے روایت کیا ہے کہ عامر الشعبی سے مروی ہے کہ زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کی گئی دونوں دوزخ میں جائیں گی۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریق سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی روایت کیا گیا ہے۔ یہ مختصر ہے۔ اور یہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا یہی ہے کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی زندہ درگور لڑکی مراد لی ہے جو بالغ تھی۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

ان لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کہ "مشرکین کے اطفال اپنے باپ سے متعلق ہیں" تو آپ نے اسے حکم کے بارے میں فرمایا نہ کہ دین کے بارے میں۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنے بندوں کے احکام میں فرق کرے، وہ جو چاہے کرے۔ اس کے حکم کے بعد کوئی حکم دینے والا نہیں۔ نیز اس لفظ سے ان لوگوں کا ذرا سا بھی تعلق نہیں اس لیے کہ اس میں یہی تو ہے کہ "انھم من آبائھم" (یہ لوگ اپنے باپ سے ہیں)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اپنے باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ اپنے باپ کے دین پر ہیں۔

یہ کہنا کہ تمھیں مناسب ہے کہ تم اطفال مشرکین کی نماز جنازہ پڑھو انھیں وارث بناؤ، اُن کے وارث بنو، انھیں اپنے باپ کا دین نہ اختیار کرنے دو جب وہ بالغ ہو جائیں ۔کیوں کہ یہ ارتداد ہے ۔ توان لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ۔کیوں کہ ہمارا اُن کی نماز جنازہ ترک کرنا اس کا موجب نہیں ہے کہ وہ مومنین نہیں ہیں ۔کیوں کہ یہی شہدا جو مومنین کے بزرگ ترین لوگ ہیں اُن کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی ۔ ہمارے اور اُن کے درمیان میراث کا بند ہونا بھی اس کی دلیل نہیں ہے کہ وہ مومن نہیں ہیں اس لیے کہ غلام مومن فاضل وارث نہیں بنایا جاتا اور مسلم اپنے کافر غلام کا مال جب وہ مرجائے تو لے لیتا ہے ۔ اکثر فقہا کافر کو اپنے اُس غلام کا وارث بناتے ہیں جو اسلام لے آئے اور قبل اس کے کہ اُسے حالت اسلام میں فروخت کیا جائے مرجائے ۔ اکثر فقہا مسلم کو مرتد کے مال کا وارث بناتے ہیں جبکہ وہ کافر و مرتد ہونے کی حالت میں مرجائے یا ارتداد کی بنا پر قتل کر دیا جائے ۔ معاذ ابن جبل و معاویہ بن ابی سفیان و مسرق بن الاجدع رضی اللہ عنہم اور دوسرے آئمہ و مسلمین مسلمانوں کو ان کے کافر اقارب سے میراث دلاتے تھے جب کہ وہ مرجائیں ۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنے جن بندوں کے درمیان میں چاہے اپنے احکام میں فرق کرے ۔ ہم تو وہیں پر ٹھیرتے ہیں جہاں نص نے ہمیں ٹھیرا دیا ۔ اس سے زیادہ نہیں ۔ اسی طرح اپنے آبائی قبرستان میں اُن کا دفن ہونا بھی ہے ۔ اسی طرح بالغ ہونے کے بعد انھیں اپنے آبائی دین کی طرف نکل جانے دینا بھی ہے ۔کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر واجب کر دیا ہے کہ ہم انھیں اور اُس کو چھوڑ دیں ۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر ہم اعتراض نہیں کرتے ۔ اُس سے اُس کے فعل کی باز پرس نہیں ہو سکتی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے ۔ یہاں تک کہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کے والدین اُسے یہودی نصرانی و مجوسی و مشرک بنا دیتے ہیں ۔

امور مذکورۂ بالا سے ان لوگوں کا تعلق ہونا تو باطل ہو گیا ۔ یہ صرف ہٹ دھرمی ہے جس سے ان لوگوں نے فریب کاری کی ہے جو کچھ ہم نے بیان کیا یہ صرف خالص احکام ہیں ۔ ان استدلالات میں اس پر ذرا بھی نص نہیں کہ اطفال مشرکین کفار ہیں اور نہ اس پر کہ وہ غیر کفار ہیں ۔ یہی دو نکتے ہیں جن کا ہم نے اس کلام سے

قصد کیا تھا۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اطفال مشرکین کے بارے میں توقف کرنے والوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان بچوں کو دریافت کیا گیا جو مر جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو کچھ عمل کرنے والے تھے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے جو آپ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جب انصار کا ایک بچہ مر گیا تو ام المومنین نے کہا یہ جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ تمھیں کس نے بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق دوزخ کے لیے پیدا کی ہے اور وہ اپنے آبا کی پشتوں میں ہیں۔

ان دونوں حدیثوں میں ان لوگوں کی ذرا سی بھی حجت نہیں۔ ان دونوں حدیثوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل اس کے کہ آپ کے پاس یہ وحی بھیجی جائے کہ یہ لوگ جنت میں ہیں فرمایا تھا۔ اور قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ خبر دے کہ اس نے آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف کردی ہیں آپ کو یہ کہنے کا حکم دیا تھا کہ "مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا کہ مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا حالاں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپ نے اس کو اللہ تعالیٰ کے یہ خبر دینے سے پہلے فرمایا تھا کہ جو بدر میں موجود تھا وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی بات فرماتے تھے جو وحی میں آجاتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کہنے کا حکم دیا ہے کہ "ان اتبع الا ما یوحی الی" (میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو وحی مجھے بھیجی جاتی ہے)۔ لہذا ہر امر دین کا حکم یہی ہے کہ جس کے متعلق وحی نہ آئی ہو آدمی اس میں توقف کرے۔ جب بیان آجائے تو جو چیز نص میں آجائے اس کے قایل ہونے میں توقف جایز نہیں۔

اجماع سے ثابت ہے کہ بچے اپنے بلوغ سے پہلے جو افعال بھی کریں خواہ قتل یا زنا یا شراب خواری یا بہتان طرازی۔ یا ترک نماز و روزہ تاوقتیکہ وہ بالغ

نہ ہوں آخرت میں اُن میں سے کسی چیز پر بھی مواخذہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اس میں
بھی کوئی اختلاف نہیں ہے اللہ تعالیٰ کسی سے اُس عمل پر مواخذہ نہ کرے گا جو
اس نے نہیں کیا ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جو کسی
گناہ کا ارادہ کرے پھر اُسے نہ کرے تو وہ اُس پر نہیں لکھا جائے گا۔ لہذا یہ محال و منفی
ہے کہ اللہ تعالیٰ اطفال سے اُن اعمال پر مواخذہ کرے جو انھوں نے نہیں کیے
مگر اس کے بعد زندہ رہتے تو کرتے، حالاں کہ اُن سے اُن اعمال پر مواخذہ نہ ہوگا جو
انھوں نے کیے ہیں۔ اس میں دو شخصوں کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ جو انسان
بالغ ہوگیا ہے اگر وہ زندہ رہتا تو زنا کرتا، اس شخص سے اس زنا پر جو اُس نے نہیں کیا ہے مواخذہ
نہ ہوگا۔ جو یہ گمان کرے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول صادق سے اس کی تکذیب
کی ہے "الیوم تجزیٰ کل نفس ما عملت" (آج ہر ایک کو اُس کی جزا ملے گی
جو اس نے کیا ہے) اور اس قول سے "هل تجزون الا ما كنتم تعملون"
(تمھیں صرف اسی کی جزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے)۔ لہذا ثابت ہوگیا
کہ کسی کو اس کی جزا نہ دی جائے گی جو اُس نے نہیں کیا یا جس کا رواج اس
نے نہیں ڈالا۔ ثابت ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد
میں کہ "اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اطفال مشرکین کیا کرنے والے تھے" یہ نہیں ہے کہ
وہ کافر ہیں، نہ یہ ہے کہ وہ دوزخ میں ہوں گے۔ اور نہ یہ ہے کہ اُن سے اُس پر
مواخذہ کیا جائے گا کہ اگر وہ زندہ رہتے تو اُسے کرتے جو انھوں نے اب تک
نہیں کیا۔ اسی میں ہمارا بھی اختلاف ہے نہ کہ اس کے ماسوا میں۔ اس
میں صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے جو نہیں ہوا اور جو نہ ہوگا۔ اگر
ہوتا تو وہ کس طرح ہوتا۔ ہاں یہ حق ہے اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں۔
لہذا یہ باطل ہوگیا کہ توقف کرنے والوں کے لیے ان دونوں حدیثوں میں
کچھ بھی سند و حجت ہو۔ کیوں کہ اس مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے کوئی بیان ثابت نہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اُن پر بھی اپنے باپ کا عذاب کیا جائے گا، تو یہ
باطل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ولا تكسب كل نفس الا عليها

ولا تزر وازرۃ وزر اخری" (اور ہر شخص جو کچھ حاصل کرے گا اسی پر اس کا عذاب ہوگا اور کسی اُٹھانے والے کو دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھانا پڑے گا)۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے لیے آگ روشن کی جائے گی، تو یہ بھی باطل ہے۔ اس لیے کہ جس حدیث میں یہ قصہ ہے وہ صرف مجنونوں کے اور ان بالغ لوگوں کے بارے میں آئی ہے جن کو اسلام کا ذکر نہ پہنچے۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ اس کے بعد بیان کریں گے۔

جب یہ تمام اقوال باطل ہو گئے تو ان صحیح نصوص میں نظر کرنا واجب ہو گیا جو اس مسئلے کے حکم کے متعلق ہیں۔ ہم نے نظر کی اور غور کیا تو یہ پایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "فاقم وجھک للدین حنیفا۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ لا تبدیل لخلق اللہ۔ ذلک الدین القیم" (پس آپ اپنا رخ یکسوئی کے ساتھ دین کے لیے قایم کیجیے۔ جو اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کے پیدا کرنے کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہی سچا دین ہے۔ اور فرمایا ہے "قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمٰعیل واسحق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسی وعیسی وما اوتی النبیون من ربھم۔ لا نفرق بین احد منھم۔ ونحن لہ مسلمون" (تم لوگ کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب و اسباط یعنی اولاد یعقوب پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ و عیسیٰ اور انبیا کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم سب پر ایمان لاتے ہیں اور ہم ان انبیا میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں) "صبغۃ اللہ و من احسن من اللہ صبغۃ۔ ونحن لہ عابدون" (یہ اللہ کا رنگ ہے اور کس کا رنگ اللہ سے اچھا ہو سکتا ہے اور ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی کہ اس نے لوگوں کو ایمان کی فطرت پر بنایا اور ایمان ہی اللہ تعالیٰ کا رنگ ہے۔ فرمایا ہے "واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علی انفسھم الست بربکم قالوا بلی" (اور جب کہ آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی ذریت کو نکالا اور ان سے

اقرار کیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں تو ان لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں)۔

ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جن کو بھی آدم و جن و ملائکہ سے پیدا کیا وہ سب کے سب عقل کے اعتبار سے مومن اور تمیز کرنے والے ہیں۔ چوں کہ یہ ایسا ہے تو سب کے سب اپنے ایمان کی وجہ سے جنت کے مستحق ہیں سوائے ان کے جنھوں نے اس عہد و فطرت و رنگ کو بدل دیا اور اس سے نکل کر اس کے غیر کی طرف چلے گئے۔ اور اس تبدیل پر مر گئے۔

ہم یقیناً جانتے ہیں کہ بچوں نے اس میں سے کسی چیز کو نہیں بدلا اس لیے وہ اہل جنت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ملت پر پیدا کیا جاتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی و نصرانی و مجوسی و مشرک بنا لیتے ہیں جیسا کہ چوپائے کے یہاں چوپایہ پیدا ہوتا ہے اور کیا تم ان میں کوئی نکٹا جانور پاتے ہو تا وقتے کہ تمھیں انھیں نکٹا نہ کر دو۔ آیات مذکورہ کی تفسیر یہ ہے۔ حجاج بن منہال سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے حماد بن سلمہ سے اس حدیث کی تفسیر سنی کہ "ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے"، انھوں نے کہا کہ یہ ہمارے نزدیک اس وقت کا واقعہ ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کے آبا کی پشتوں میں یہ عہد لیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں تو ان لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق عیاض بن حمار المجاشعی ثابت ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا کہ اس نے فرمایا کہ میں نے اپنے سب بندوں کو یکسو و حنیف پیدا کیا۔ پھر شیطان نے انھیں ان کے دین سے پھیر دیا، لہٰذا یقیناً ثابت ہو گیا کہ جو شخص اس سے پہلے مر جائے کہ شیطان اسے اس کے دین سے گھمائے تو وہ حنیف و یکسو مرا۔ اور اس حدیث میں ملائکہ و جن و انس سب داخل ہیں اس لیے کہ یہ سب اس کے بندے اور مخلوق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے قول کی خبر دی ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ وہ لوگوں کو بہکائے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "ان عبادی لیس لک علیہم

سلطان الا من اتبعک من الغاوین" (بیشک میرے بندوں پر تیرا قابو نہ ہوگا۔ سوائے ان بھکنے والوں کے جو تیری پیروی کریں)۔ لہذا یقیناً ثابت ہوگیا کہ غوایت (یعنی بھکنا اور گمراہی) ایمان پر داخل ہوتی ہے اور ہر شخص کی اصل ایمان ہی ہے اور ہر مومن جنت میں جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ" فانذرتکم نارا تلظی لا یصلھا الا الاشقی الذی کذب وتولیٰ" (پھر میں نے تمہیں اس آگ سے ڈرا دیا جو بھڑکتی ہے۔ اس میں سوائے اس بدبخت کے کوئی نہ داخل ہوگا جو تکذیب کرے اور منہ پھیرے)۔ یہ بچوں کی صفت نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ وہ دوزخ میں داخل نہ ہوں گے۔ اور سوائے جنت یا دوزخ کے کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔ مگر جب وہ دوزخ میں داخل نہ ہوں گے تو بلاشک جنت میں داخل ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک بڑا خواب دیکھا جس میں ابراہیم علیہ السلام کو ایک سبز باغ میں دیکھا کہ وہ فخر کر رہے ہیں اور اس باغ میں ہر قسم کی خوبصورت سبزی اور نعمت ہے اور آنحضرتؑ کے اردگرد خوبصورت بچے ہیں اور بکثرت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچوں کو دریافت کیا تو حضرت ابراہیمؑ نے بتایا کہ یہ لوگوں کے وہ بچے ہیں جو بالغ ہونے سے پہلے مر گئے ہیں آپ سے کہا گیا کہ یا رسول اللہ کیا مشرکین کے بچے بھی تھے تو آپ نے فرمایا کہ مشرکین کے بچے بھی تھے۔

لہذا اشکال رفع ہوگیا اور ثابت وصحیح حدیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ مسلمین و مشرکین کے وہ تمام بچے جو بالغ نہیں ہوئے وہ سب جنت میں ہوں گے۔ کسی کو اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں جو قرآن و احادیث سے ثابت ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ جب تم یہ کہتے ہو کہ دوزخ مقام جزا ہے تو جنت بھی تو ایسی ہی ہے۔ اور بچوں کے لیے کوئی جزا نہیں ہے تو ہم بتوفیق الٰہی کہیں گے کہ ہم تو اسی کے پاس ٹھیرتے ہیں جس کو نصوص شریعت نے بیان کیا ہے۔ یہ نص آئی ہے کہ دوزخ مقام جزا ہے اور جنت مقام جزا و محل فضل و کرم ہے۔ وہ صاحب اعمال کے لیے بقدر ان کے اعمال کے مقام جزا ہے اور جس کا کوئی عمل نہیں ہے اس کے لیے

وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا مقام ہے۔

ایک قوم نے کہا ہے کہ بچے ہی اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر ولدان مخلدین (یعنی ہمیشہ رہنے والے بچوں) کا ذکر کیا ہے۔ یہی اہل جنت کے خدام ہیں۔ شاید یہی لوگ خدام ہوں۔ واللہ اعلم۔

وہ مجانین جو عقل نہیں رکھتے یہاں تک کہ مرجاتے ہیں، تو جیسا کہ ہم نے بیان کیا یہ لوگ ملت پر یکسو اور مومن پیدا کیے جاتے ہیں انھوں نے کوئی تغیر نہیں کیا اور نہ بدلا، یہ مومن ہونے ہی کی حالت میں مرگئے تو یہ لوگ جنت میں ہوں گے۔

اسود بن سریع التیمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ اس بہرے کو جو کچھ نہ سنتا ہو اور احمق کو اور بہت بوڑھے کو اور اس شخص کو جو دو انبیا کے درمیانی خالی زمانے میں مرگیا ہو، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو بہرا کہے گا یارب اسلام ایسی حالت میں آیا تھا کہ میں کچھ سن نہیں سکتا تھا۔ احمق کہے گا کہ اسلام ایسی حالت میں آیا کہ میں کسی چیز کی بھی عقل نہ رکھتا تھا۔ اور جو نبوت سے خالی زمانے میں مرگیا وہ کہے گا کہ ہمارے پاس تیرا کوئی رسول نہیں آیا۔ اس حدیث کے درمیانی راوی بزاز نے کہا ہے کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ چوتھا شخص کیا کہے گا۔ وہ ان کے عہد لے گا کہ کمزوریوں پر نکتہ چینی کرے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کہلا بھیجے گا کہ انھیں آگ میں داخل کردو۔ تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر یہ لوگ اس آگ میں داخل ہوجائیں تو یہ ان پر ٹھنڈک اور سلامت ہوجائے۔

قیامت اور تبدیل اجسام

تمام اہل قبلہ باوجود اپنے فرقوں کے مختلف ہونے کے قیامت میں دوبارہ زندگی کے عقیدے پر اور اس کے منکر کی تکفیر پر متفق ہیں۔ اس قول کے معنی یہ ہیں کہ اس دار ابتلا و امتحان میں جس کا نام دنیا ہے لوگوں کے ٹھہرنے کی اور ان کے توالد و تناسل کی ایک مدت و انتہا ہے جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے، جب وہ مدت ختم

ہو جائے گی تو روئے زمین پر جتنے لوگ ہیں سب مر جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو جو مر چکا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے جاندار کو پیدا کیا ہے مدت مذکورہ کے ختم ہونے تک سب کو زندہ کر دے گا اور اُن کی اُن ارواح کو واپس کر دے گا جو سب کی سب اور بعینہ ایک ہی مقام میں موجود ہیں۔ اُن کے تمام اعمال کا حساب لے گا اور انھیں ان کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ پھر جن و انس کا ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ دوزخ میں جائے گا۔ یہی مضمون قرآن و احادیث میں آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ومن یحیی العظام وھی رمیم۔ قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃ۔ وھو بکل خلق علیم" (ان ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب وہ گل سڑ چکیں گی۔ آپ کہہ دیجیے کہ وہی زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور وہ ہر مخلوق کا جاننے والا ہے) "وان اللہ یبعث من فی القبور" (اور بیشک اللہ تعالیٰ انھیں اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ انھوں نے عرض کی تھی کہ "رب ارنی کیف تحیی الموتی قال اولم تؤمن۔ قال بلی۔ ولکن لیطمئن قلبی۔ قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءً ثم ادعھن یاتینک سعیا۔ واعلم ان اللہ عزیز حکیم" (اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا۔ اس نے کہا کہ کیا تم ایمان نہیں لائے۔ انھوں نے عرض کی کہ کیوں نہیں۔ مگر اس لیے تاکہ میرے قلب کو تسلی ہو۔ فرمایا چار چڑیاں لے لو پھر انھیں اپنے سے سدھا لو۔ اس کے بعد ہر پہاڑ پر اُن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انھیں بلاؤ تو وہ تمھارے پاس دوڑتی چلی آئیں گی۔ اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے اور حکمت والا ہے) "الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم" (کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف خیال کیا جو موت سے بچنے کے لیے اپنے شہروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ تم مر جاؤ۔ اس کے بعد انھیں زندہ کر دیا)۔ "فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم

قال بل لبثت مائة عام - فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنه وانظر الی حمارک - ولنجعلک آیة للناس - وانظر الی العظام کیف ننشزها ثم نکسوها لحما - فلما تبین له - قال اعلم ان اللہ علی کل شیئ قدیر" (پھر اللہ تعالیٰ نے ان (عزیر) کو موت دے دی اور سو برس تک مردہ رکھا پھر انھیں زندہ کیا۔ اور کہا کہ تم کتنی مدت رہے۔ انھوں نے کہا کہ میں ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہا۔ فرمایا بلکہ تم سو برس رہے۔ اچھا اپنے کھانے پینے کو تو دیکھو کہ وہ سڑا نہیں۔ اور اپنے گدھے کو دیکھو، اور تاکہ ہم تمھیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں۔ اور گدھے کی ہڈیوں کو تو دیکھو کہ ہم کس طرح انھیں اٹھا کر جوڑتے ہیں اس کے بعد ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پھر جب اُن کے لیے واضح ہو گیا تو انھوں نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کی جانب سے فرمایا کہ انھوں نے کہا کہ "واحیی الموتی باذن اللہ" (میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں)۔

ان تمام آیات میں مردوں کا زندہ کرنا اس کے سوا قطعاً ناممکن ہے کہ روح کو جسد کی طرف لوٹایا جائے اور اس حس وحرکت ارادیہ کو واپس کیا جائے جو روح کے اس سے معدوم ہو جانے کے بعد نہ رہی تھی۔ مگر قاضی ابوالعاص حکم بن المنذر ابن سعید نے مجھے اسماعیل بن عبداللہ الرعینی کے متعلق خبر دی کہ وہ اجساد واجسام کے اٹھنے کا انکار کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ روح جسد سے جدا ہونے کے بعد اپنے لوٹنے کے مقام جنت یا دوزخ میں چلی جاتی ہے اور اسماعیل کے بعض شناساؤں کو اس قول سے آگاہ کیا تو ان میں سے چند ثقہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انھوں نے اسماعیل کو کہتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اجساد میں سے ان کا جزو حیات لے لے گا۔

یہ قول بنا لیا گیا ہے۔ حکم بن المنذر نے ان کے متعلق جو حکایت مجھ سے بیان کی اس میں انھوں نے اس کو ظاہر نہیں کیا۔ اس لیے کہ اجساد میں سوائے ایک روح کے کوئی جزو حیات نہیں ہے۔

اسماعیل الرعینی سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ باوجودے کہ میں نے ان کا زمانہ پایا ہے۔ حالاں کہ وہ میرے ساتھ اندلس کے ایک شہر بجایہ میں مدت تک

رہے۔ لیکن وہ اپنے کو چھپاتے تھے۔ بہت بڑے صاحب مجاہدہ و ریاضت و صاحب حج وعبادت و صاحب نماز و روزہ تھے۔ واللہ اعلم۔ حکم بن المنذر ثقہ اور اپنے قول میں کذب سے دور تھے۔ حکم بن المنذر اُن سے بیزار ہو گئے تھے حالاں کہ اس سے قبل یہ دونوں مسئلۂ قدر میں ابن مسرہ ہی کا مذہب رکھتے تھے۔ ابراہیم بن سہل الاریواتی نے بھی ان سے بیزاری ظاہر کی تھی۔ یہ المریہ کے رؤسا میں سے تھے۔ نیز ان کے خویش احمد طبیب اور المریہ کی ایک جماعت بھی جدا ہو گئی تھی۔ اگرچہ دوسری جماعت اُن سے موالات بھی رکھتی تھی۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے اس قول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے استدلال کیا کرتے تھے کہ جب آپ کسی میت کے پاس کھڑے ہوتے تھے تو فرماتے تھے کہ اس کی تو قیامت قایم ہو گئی۔ نیز اس حدیث سے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراب قیامت کو دریافت کرتے تھے تو آپ ان میں سب سے چھوٹے کی طرف نظر ڈالتے تھے اور انھیں بتاتے تھے کہ یہ اپنی عمر پوری کرے گا اور مرے گا یہاں تک کہ ان لوگوں کی قیامت قایم ہو جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے صرف قیام موت کو لیا ہے جو اس کے بعد حشر کے دن تک رہے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ثم انکم یوم القیمۃ تبعثون" (اس کے بعد تم لوگ قیامت کے روز اٹھائے جاؤ گے) اللہ تعالیٰ نے اس لفظ "ثم" سے جو مہلت کے لیے آتا ہے اس پر تصریح فرمائی کہ قیامت کے روز کا اُٹھنا موت کے بعد ہو گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ روز قیامت میں کہیں گے کہ "یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا ھذا"[۱] (وائے ہماری خرابی۔ ہمیں ہمارے اس مرقد سے کس نے اٹھا دیا)۔ وہ ایک ایسا دن ہو گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہو گی۔ وہ ہڈیوں کو زندہ کرے گا جو لوگ قبروں میں ہیں انھیں اٹھائے گا۔ یہ مضمون قرآن میں بہت جگہ آیا ہے۔

ایک برہان ضروری یہ ہے کہ جنت و دوزخ دونوں مقام و مکان ہیں۔ ہر مقام و مکان و مساحت (پیمائش) اپنی حدود میں محدود ہے۔ برہان وہی ہے جو ہم اجسام کے متناہی ہونے پر اور ہر عدد والی چیز کے متناہی ہونے پر پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جنۃ عرضھا السموات والارض" (جنت کی وسعت

زمین و آسمان کے برابر ہے)۔ اگر مخلوق کی ولادت کے لیے کوئی حد نہ ہوتی تو یہ بغیر آخر کے ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ جنت یا دوزخ میں جائیں گے۔ یہ محال و ممتنع و غیر ممکن ہے کہ محدود مکانات میں غیر محدود چیز سما سکے ضروری طور پر لازم آگیا کہ مخلوق کے لیے حد و تناہی ہے لہذا عالم توالد و تناسل کا متناہی ہونا لازم ہے۔

یہ کلام صرف اس شخص سے ہے جو قرآن و نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اور اسلام کا مدعی ہے۔ جو منکر اسلام ہے اس سے ہمارا کلام اس طور پر ہوگا جو ہم نے اپنے اسی دفتر میں مرتب کیا ہے جو اہل الحاد کا رد ہے یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے لائے ہوئے دین کی صحت ثابت کی جائے گی پھر ہم بتوفیق الٰہی تنازع کے بعد اس کی طرف رجوع کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس پر تصریح فرمائی ہے کہ وہ ہڈیوں کو دوبارہ پیدا کرے گا اور انہیں زندہ کرے گا جیسا کہ وہ پہلی مرتبہ تھیں۔ گوشت تو ایک لباس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين۔ ثم جعلناه نطفة فی قرار مکين۔ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظما فكسونا العظام لحما۔ ثم انشأناه خلقا آخر۔ فتبارك الله احسن الخالقين" (اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے بطور نطفے کے اسے ایک محفوظ مقام میں رکھا۔ پھر ہم نے نطفے کو جما ہوا خون بنایا پھر ہم نے جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم نے اس گوشت کے لوتھڑے کو ہڈیاں بنایا۔ پھر ہم نے ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا۔ پھر ہم نے اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنا کر پیدا کر دیا۔ چنانچہ اللہ بابرکت ہے اور سب صناعوں سے بہتر ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ انسان کا عنصر صرف وہ ہڈیاں ہیں جو مٹی کے خلاصے سے نطفے کی طرف، پھر جمے ہوئے خون کی طرف، پھر گوشت کے لوتھڑے کی طرف، اور پھر ہڈیوں کی طرف منتقل ہوئیں۔ گوشت ہڈیوں کا لباس ہے۔ یہ امر مشاہدے میں ہے۔ اس لیے کہ گوشت تو مرض کے سبب سے جاتا رہتا ہے یہاں تک کہ اتنا بھی نہیں رہتا جس کا اندازہ ہو سکے۔ اس کے بعد اس پر گوشت کی کثرت ہو جاتی ہے جب جسم کو کافی غذا ملتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ آخرت میں مخلوق کو بدل دے گا۔ اُس نے فرمایا ہے کہ "کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب" (جب ان کی کھالیں پک جائیں گی تو ہم انھیں دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں) صحیح احادیث میں ہے کہ کفار کی کھال اتنی موٹی ہو جائے گی کہ ستر گز سے زاید ہو جائے گی۔ دوزخ میں اس کی ڈاڑھ مثل کوہ احد کے ہو جائے گی۔ اسی طرح ہم اس کے گوشت کو پاتے ہیں جو انسان کے جسم میں ہوتا ہے جس کو دوسرا حیوان غذا بناتا ہے اور وہ اُس حیوان کا گوشت بن جاتا ہے اس لیے کہ وہ کیڑا بن جاتا ہے۔ لہذا نص قرآن سے ثابت ہو گیا کہ ہڈیاں ہی قیامت کے روز زندہ کی جائیں گی۔ جو کچھ قرآن میں آیا ہے اس کا جو شخص انکار کرے اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ ونعوذ باللہ من الخذلان۔

جنت و دوزخ کی پیدائش
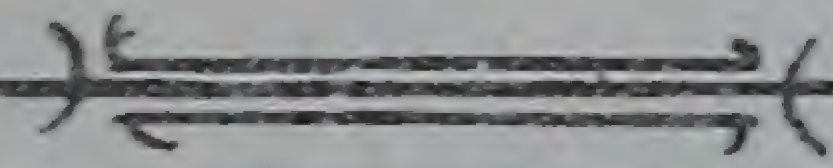
معتزلہ و خوارج کے ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ جنت و دوزخ ابھی پیدا نہیں ہوئیں جمہور مسلمین کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں پیدا ہو چکیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ اب تک پیدا نہیں ہوئیں ہمیں اس سے زیادہ ان کی کسی دلیل کا علم نہیں کہ ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے چند اعمال نیک کے تذکرے میں فرمایا کہ جو اس عمل کو کرے گا اس کے لیے جنت میں ایسا ایسا درخت بویا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا کہ "رب ابن لی عندک بیتا فی الجنۃ" (اے میرے رب اپنے پاس جنت میں میرے لیے ایک گھر بنا)۔ ان لوگوں نے کہا کہ اگر جنت پیدا ہو چکی ہوتی تو دعا میں جو از سر نو درخت لگانے اور عمارت بنانے کا ذکر ہے اس کے کوئی معنیٰ نہ ہوتے۔

ہم صرف اس کے قایل ہیں کہ یہ دونوں اجمالی طور پر پیدا ہو چکی ہیں جیسا کہ

زمین پیدا ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس میں جو تعمیر میں چاہتا ہے کرتا رہتا ہے۔

چھٹا آسمان ہی جنۃ الماویٰ ہے

یہ برہان کہ دونوں پیدا ہو چکی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بعد یہ ہے کہ آپ نے شب معراج میں جنت کو دیکھا۔ اور خبر دی کہ چھٹے آسمان میں سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے (پارہ ۲۷ سورۂ نجم میں) بتایا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنۃ الماویٰ ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ چھٹا آسمان ہی جنۃ الماویٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خبر دی ہے کہ یہی وہ جنت ہے جس میں قیامت کے روز مومنین داخل ہوں گے۔ فرمایا ہے "لهم جنت الماوی نزلا بما کانوا یعملون" (ان کے لیے جنات ماویٰ ہیں جو ان کے گزشتہ اعمال کا صلہ ہیں) لہٰذا کسی کو اس کے بعد یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ یہ جنت جنت خلد کے علاوہ ہے۔

آسمان ہی جنت ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ نے ایک ایک آسمان میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جنت میں ہیں۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ یہی آسمان جنتیں ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جنت کا اعلیٰ درجہ فردوس ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اسے اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔ اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے۔ عرش جنت کے بعد پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا جنت بھی پیدا ہو چکی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی تو اس نے اسے دو سانسوں کی اجازت دے دی اور وہ یہی شدید سرد و گرمی ہے جسے ہم محسوس کرتے ہیں۔

قاضی منذر بن سعید کا مذہب بھی یہی تھا کہ بہشت و دوزخ پیدا ہو چکی ہیں۔ مگر وہ یہ کہتے تھے کہ یہ وہ جنت نہیں ہے جس میں آدم علیہ السلام اور ان کی

69 بیوی تھیں۔ اس میں انھوں نے چند دلایل سے استدلال کیا ہے جس میں یہ ہے کہ اگر وہ جنت خلد ہوتی تو آدم علیہ السلام اس امید پر درخت میں سے نہ کھاتے کہ وہ ہمیشہ رہنے والوں میں ہو جائیں گے۔ اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ جنت خلد میں کذب (جھوٹ) نہ ہوگا۔ اس میں ابلیس جھوٹ بولا ہے۔ اور کہا ہے کہ جو جنت میں داخل ہوگا اس سے نکلے گا نہیں۔ اور آدم وحوا علیہما السلام اس سے نکل گئے۔

ان میں سے کسی میں بھی ان کے لیے دلیل نہیں۔

یہ کہنا کہ آدم علیہ السلام نے درخت سے اس امید پر کھایا تھا کہ وہ بھی ہمیشہ رہنے والوں میں ہو جائیں۔ تو ہمیں معلوم ہے کہ درخت سے کھانے میں اُن کا گمان صواب و صحیح نہ تھا اور نہ ان کا اس کا کھانا صواب و درست تھا۔ یہ محض اُن کا ایک گمان تھا جس کی یہ صفت ہے کہ اس میں کوئی دلیل و حجت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ جنت میں ہمیشہ کے لیے رکھے گئے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ انھیں اس سے نکال دے گا۔ انھوں نے اس درخت سے جس دوامی قیام کی امید سے کھایا نہ تو اس کی ذمہ داری کی گئی تھی اور نہ انھیں اپنے لیے اس کا یقین تھا۔

یہ کہنا کہ جنت میں کذب نہیں ہوتا اور جو اس میں داخل ہوتا ہے وہ اس سے نہیں نکلتا۔ ابلیس اس میں جھوٹ بولا اور آدم اور اُن کی بیوی اس سے نکلے۔ تو اس میں بھی ان کے لیے کوئی حجت نہیں ہے۔ ایسا صرف اسی وقت ہوگا جب کہ جنت اہل جنت کو لبطور جزا کے ملے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے "لا تسمع فیہا لاغیۃ" (جنت میں لغویات کوئی نہ سنے گا)۔ یہ خبر آیندہ کے لیے ہے نہ کہ گزشتہ کے لیے۔ ان کے پاس نہ تو اس دعوے پر کوئی نص ہے نہ اجماع۔

انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے بھی استدلال کیا ہے جو اُس نے آدم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ "ان لک لا تجوع فیہا ولا تعری" (تمھارے لیے یہ ہے کہ تم اس (جنت) میں نہ بھوکے ہوگے اور نہ برہنہ ہوگے) اور آدم علیہ السلام اس جنت میں برہنہ ہو گئے تھے۔

اس میں تو کوئی حجت نہیں بلکہ یہ تو اُن کے اوپر حجت ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس جنت میں آدم علیہ السلام کو ٹھیرایا تھا اس کی تعریف یہ کی کہ وہ ایسی تھی کہ نہ اس میں بھوک لگتی تھی اور نہ

اس میں برہنگی ہوتی تھی اور نہ پیاس لگتی تھی اور نہ دھوپ کی گرمی لگتی تھی اور بلاشک جنت کی یہی صفت ہے۔ آسمان کے سوا کوئی مکان ایسا نہیں جس کی صفت یہ ہو۔ بلکہ آسمان کے سوا ہر مقام میں بھوک لگنا، برہنگی ہونا، پیاس لگنا اور دھوپ کی گرمی لگنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ آدم علیہ السلام ایسے مکان میں ٹھیرے تھے جس کی صفت یہ تھی اور یہ مقام جنت کے سوا اور نہیں ہو سکتا۔ آدم علیہ السلام نے جس وقت درخت سے کھایا تو وہ محض بطور سزا کے برہنہ ہوگئے اور اُتار دیئے گئے۔

انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "لا یرون فیہا شمسا ولا زمھریرا" (لوگ جنت میں نہ تو سورج دیکھیں گے نہ شدت کی سردی)۔ اور آدم علیہ السلام کو خبر دی گئی تھی کہ وہ دھوپ کی گرمی نہ پائیں گے)۔

یہ ان کے خلاف سب سے بڑی حجت ہے۔ اس لیے کہ جس مقام میں وہ تھے اگر اس میں آفتاب ہوتا تو وہ ضرور دھوپ کی گرمی محسوس کرتے۔ لہذا ثابت ہوگیا کہ وہ جنت جس میں آدم علیہ السلام کو رکھا گیا ایسی تھی جس میں آفتاب نہ تھا تو وہ بلاشک جنت خلد ہی تھی۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "اسکن انت وزوجک الجنۃ" (اے آدم تم اور تمھاری زوجہ جنت میں رہو)۔ الف ولام سے اشارہ ہے اور الف ولام سے اشارہ صرف معہود و مقرر ہی کی طرف ہوتا ہے اور اس طور پر (یعنی مع الف و لام) جنت کا اطلاق جنت خلد ہی پر ہوتا ہے اور اس اسم (یعنی جنت) کا اطلاق غیر جنت خلد پر اضافت کے ساتھ ہوتا ہے۔

نیز اگر آدم علیہ السلام زمین کی کسی جنت میں ٹھیرائے جاتے تو اُس سے انھیں دوسری زمین کی طرف نکال دینے میں کوئی سزا نہ ہوتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح کر دیا ہے کہ وہ زمین میں نہ تھی "اھبطوا منہا جمیعا بعضکم لبعض عدو۔ ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین" (تم سب لوگ اس جنت سے اس طرح اُتر جاؤ کہ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور زمین میں ایک مدت تک تمھارا قیام و سامان ہوگا)۔ اس نص سے یقیناً ثابت

ہو گیا کہ وہ جنت سے زمین کی طرف اُتار دیے گئے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ جنت زمین میں ہرگز نہ تھی۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔

اہل جنت و دوزخ کے لیے بقائے دوام

امت کے تمام فرقے اس پر متفق ہیں کہ نہ جنت اور اس کی نعمتوں کو فنا ہے اور نہ دوزخ کو اور اس کے عذاب کو۔ بجز جہم بن صفوان و ابوالہذیل العلاف اور روافض کی ایک جماعت کے۔

جہم نے کہا ہے کہ جنت و دوزخ اور اُن کے اہل سب فنا ہو جائیں گے

ابوالہذیل نے کہا ہے کہ نہ تو جنت و دوزخ فنا ہوں گی اور نہ ان کے اہل فنا ہوں گے۔ بجز اس کے کہ ان کی حرکات فنا ہو جائیں گی اور یہ لوگ جماد کی طرح غیر متحرک ہو کر رہ جائیں گے۔ اسی حالت میں زندہ رہیں گے۔ لذت اٹھاتے ہوں گے یا عذاب۔

روافض کے گروہ نے کہا ہے کہ اہل جنت جنت سے اور اہل دوزخ دوزخ سے جہاں اللہ چاہے گا نکال دیے جائیں گے۔

یہ قول تو انتہائی ردی ہے اور ایسی چیز سے بھی خالی ہے جس سے ہٹ دھرمی اور فریب کاری کی جاتی ہے چہ جائے کہ وہ اقناع یا برہان ہو۔ جو قول ایسا ہو وہ ساقط ہے۔ ابوالہذیل کا قول بھی ایسا ہے جس کی کوئی حجت نہیں ہے سوائے اس کے کہ انھوں نے یہ کہا ہے کہ عدد جس چیز کا احاطہ کرے گا وہ متناہی ہوگی۔ اور حرکات بھی عدد والی ہیں لہذا وہ متناہی ہیں۔

ابوالہذیل نے علم کلام کی تعریفات اور طبائع موجودات نہ جاننے کی وجہ سے یہ گمان کر لیا ہے کہ جو چیز (قوت سے) فعل کی طرف نہیں نکلی اس پر عدد واقع ہوتا ہے۔ حالاں کہ یہ کھلی ہوئی غلطی ہے۔ اس لیے کہ جو چیز فعل کی طرف نہیں نکلی وہ شے ہی نہیں اور عدد کا سوائے شے کے اور کسی پر واقع ہونا

جایز نہیں۔ عدد اہل جنت و دوزخ کی صرف اُن حرکات پر واقع ہوتا ہے جو فعل کی طرف ظاہر ہوں گی اور جب تک وہ ظاہر ہوں گی محدود و متناہی ہوں گی اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا ہم اپنی اسی کتاب کے شروع میں موجودات کے متناہی ہونے اور حدوث عالم کے ضروری ہونے کے باب میں اسی مضمون کو بیان کر چکے ہیں جس نے ہمیں دوبارہ بیان کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ لہذا ابوالہذیل کی فریب کاری باطل ہو گئی۔ وللہ الحمد۔

ابوالہذیل کا یہ قول اجماع یقینی کے خلاف ہے۔ حرکات کے بارے میں وہ جس چیز سے بھاگے تھے وہی چیز ان لوگوں کے سکون ولذت وعذاب اٹھانے کی مدتوں میں ابوالہذیل کو لازم آئے گی۔ اس لیے کہ وہ اس کے مقر ہیں کہ یہ لوگ اس حالت میں باقی رہیں گے کہ یہ ساکن ہوں گے اور لذت یاب ہوں گے یا عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ہم ضروری طور پر جانتے ہیں کہ سکون وراحت وعذاب کی بھی مدتیں ہیں۔ جو اسی طرح شمار ہوں گی جس طرح حرکت اور اس کی مدتوں کا شمار ہوتا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

ابوالہذیل نے جو کچھ کہا اگر یہ صحیح ہوتا تو لامحالہ اہل جنت ایک دائمی عذاب میں ہوتے اور اس کیفیت میں ہوتے جو سن ہونے والے کی اور فالج والے کی اور اس کی ہوتی ہے جس کو کابوس (مرض بے حسی) ہو جائے اور جو بھنگ پی لے۔ یہ انتہائی فاسد اور شقاوت ہے۔ ونعوذ باللہ من ھذا الحال۔

جہم بن صفوان نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "واحصی کل شیئی عددا" (اور اللہ نے ہر شے کو عدد میں محصور کر دیا ہے)۔ اور اس آیت سے کہ کل شیئی ھالک الا وجھہ (سوائے اللہ کی ذات کے ہر شے ہلاک ہونے والی ہے)۔ اور کہا ہے کہ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ اللہ کے سوائے کوئی ایسی شے پائی جائے جو ازل سے ہو۔ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ اللہ کے سوا کوئی ایسی شے پائی جائے جو ہمیشہ رہے۔

ہمیں اس کے سوا اس کی کسی اور دلیل کا بالکل علم نہیں اور اس سب میں اس کے لیے کوئی حجت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ سوائے اللہ کی ذات کے

ہر شے ہلاک ہونے والی ہے" تو اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد صرف یہ ہے کہ ایک شے کا دوسری شے کی طرف اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف مستحیل و منتقل ہونا ہے۔ یہ سوائے اللہ کے تمام مخلوقات کے لیے عام ہے۔ اسی طرح جنت میں نعمتوں کی مدتیں اور دوزخ میں عذاب کی مدتیں ہیں کہ جب ایک مدت فنا ہو گی تو اللہ تعالیٰ دوسری مدت پیدا کر دے گا اور اسی طرح ہمیشہ بے حد و بے آخر ہوتا رہے گا۔ اس پر وہ دلایل دلالت کرتے ہیں جو جنت و دوزخ اور ان کے اہل کے ہمیشہ رہنے پر ہم بعد میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "اور اللہ نے ہر شے کو عدد میں محصور کر دیا ہے" تو اسم شے صرف موجود پر واقع ہوتا ہے اور احصا و حصر و احاطہ بھی جیسا کہ ہم نے بیان کیا اسی پر واقع ہوتا ہے جو فعل کی طرف نکلے۔ اور اس کے بعد موجود ہو اجب فعل کی طرف نہ نکلے تو وہ اب تک لا شے ہے اور لا شے کو شمار کرنا جایز نہیں جنت و دوزخ اور ان کے اہل کے بقا کی جو مدت فعل کی طرف نکلے گی تو لا محالہ وہ بلاشک محدود اور شمار میں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کے لیے دوسری مدتیں پیدا کر دے گا۔ اور ایسا ہی ہمیشہ بے حد و بلا آخر ہوتا رہے گا۔ ان لوگوں نے کہا ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ نے علم میں جنت و دوزخ کی تمام مدت کا احاطہ کر لیا ہے یا نہیں اگر تم یہ کہو کہ نہیں تو تم نے اللہ تعالیٰ کو جاہل بنایا۔ اور اگر کہو کہ ہاں۔ تو تم نے ان کی مدت کو محصور اور احاطے میں کر دیا۔ اور خود بھی متناہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام اشیا کو اسی طور پر جانتا ہے جس طور پر وہ ہیں۔ اس لیے کہ جو شخص شے کو اس کے خلاف طور پر جانے کہ جس طور پر وہ ہے تو وہ اس شے سے جاہل۔ اپنے اعتقاد میں غلطی کرنے والا اور باطل کا گمان رکھنے والا ہے۔ نہ یہ علم ہے نہ حق ہے اور نہ وہ اس شے کا عالم ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم حق و یقین ہے اور اسی طور پر ہے جس طور پر اس کی معلومات ہیں۔ جو چیز ذو نہایت و محدود ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی ذو نہایت و محدود ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز کی گنجایش نہیں۔ جنت و دوزخ کے لیے غیر متناہی مدتیں نہیں ہیں جن کا احاطہ نہ کیا گیا ہو۔ بے شک ان دونوں کے لیے مدتیں ہیں کہ ان میں سے جو مدت فعل کی طرف نکلے گی تو وہ عدد میں محصور اور احاطہ کی جائے گی۔ اور جو فعل کی طرف نہ نکلے گی تو وہ محصور اور احاطے میں نہ ہو گی

لیکن اللہ تعالیٰ کے علم نے اس کا احاطہ کرلیا ہے کہ ان دونوں کی نئی حد و نہایت نہیں ہے۔

یہ کہنا کہ جیسا کہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی شے پائی جائے جو بے نہایت ہو اور ازل سے ہو۔ تو یہ قضیہ فاسدہ و قیاس فاسد ہے جو صحیح نہیں ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ایسی عدد و الی اشیا جن کا کوئی اول نہ ہو اور وہ ازل سے ہوں تو ان کا وہم و شک میں آنا بھی غیر ممکن ہے۔ بلکہ اس کا وجود ہی محال ہے جیسا کہ ہم نے اس شخص کے رد میں بیان کیا ہے جس نے کہا ہے کہ عالم ازلی ہے۔ اس بیان نے ہمیں یہاں دوبارہ اس کے بیان کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ ہمارا یہ قول کہ جنت و دوزخ ہمیشہ رہیں گی۔ یہ قول ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایک شے کا ایک شے کے بعد ہمیشہ بغیر کسی حد و نہایت کے پیدا کرتے رہنا وہم و امکان میں ہے جس میں کوئی محال نہیں ہے۔ لہٰذا قائلین قیاس کے نزدیک بھی ممکن و متوہم کا قیاس ایسے ممتنع و محال پر جو وہم میں کبھی نہ آسکے باطل ہے تو بھلا جو قیاس کے قایل ہی نہیں وہ اسے کب مانیں گے۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ جس کا اول ہوتا ہے اس کا آخر بھی ہوتا ہے تو ہم اس سے کہیں گے کہ یہ قضیۂ فاسدہ اور صرف دعویٰ ہے۔ نہ تو یہ کسی قضیۂ عقلیہ سے لازم آتا ہے اور نہ کسی خبر سے۔ کیوں کہ موجودات کے لیے اوایل کا ہونا تو بداہت و ضرورت سے معلوم ہے۔ جو اب تک موجود ہے تو اسے اس کے زمانہ وجود کے عدد نے محصور کر لیا ہے اور جس کو عدد نے محصور کرلیا ہے تو اس عدد کے لیے اول ضرور ہے۔ یہی ہمارا ایک قول ہے اس کے بعد عدد ہمیشہ رہتا ہے اور بغیر کسی حد و نہایت کے زیادت اور اور موجود کا باقی رہنا ممکن ہوتا ہے۔ بخلاف مبدا کے (اس مقام کے جہاں سے ابتدا ہوئی ہے)۔ اس لیے کہ جب وہ ایک وقت تک باقی رہا تو ممکن ہے کہ وہ دو وقت تک باقی رہے اور اسی طرح ہمیشہ بغیر کسی حد و نہایت کے ہو سکتا ہے۔ ہر وہ شے جو تعالیٰ کی مدتوں سے حد فعل کی طرف نکل آئی تو وہ بلاشک ذو نہایت

محدود ہے۔ اسی طرح حد بھی۔ ہم جو اس کے قائل ہیں کہ اس دنیا میں لوگوں کی بقا کی حد و نہایت ہے تو وہ صرف نص کی وجہ سے قائل ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کے متعلق خبر دیتا تو ضرور ممکن و جایز تھا کہ دنیا بھی ہمیشہ بغیر کسی حد کے باقی رہتی۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا۔ لیکن نص کے خلاف جایز نہیں اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی خبریں نہ ہوتیں تو اس کا احترام حلال ہوتا۔ وباللہ التوفیق۔

جنت و دوزخ کے غیر محدود وقت تک باقی رہنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے " خالدین فیہا مادامت السموات والارض الا ما شاء ربک عطاء غیر مجذوذ" (جنت میں لوگ ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ آسمان و زمین رہیں گے۔ مگر جس کو آپ کا رب چاہے گا۔ یہ عطا منقطع ہونے والی نہ ہوگی) قرآن میں متعدد مقامات پر یہ ارشاد ہے " خالدین فیہا ابداً" (کہ جنت میں لوگ ہمیشہ رہیں گے)۔ اور یہ ارشاد ہے " لایذوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولی" (سوائے پہلی موت کے جنت میں موت کو نہ چکھیں گے)۔ ساتھ ہی اس کے متعلق اجماع بھی ثابت ہے۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق"۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے سچ سے روایت کی گئی ہے کہ اگر اہل دوزخ دوزخ میں اتنا قیام کریں گے جتنا کہ اللہ تعالیٰ ان کا رہنا چاہے گا تو اس پر ان کے لیے ضرور ایک ایسا دن ہوگا جس میں وہ اس سے نکلیں گے۔

یہ صرف ان اہل اسلام کے بارے میں ہوگا جو اپنے کبائر کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے۔ پھر شفاعت کے ذریعے سے اس سے نکلیں گے اور وہ مقام خالی رہ جائے گا کسی کو یہ جایز نہیں کہ وہ بزرگ صالحین کے بارے میں قرآن کے خلاف اس کا گمان کرے۔ وہ لوگ اس سے بری ہیں۔ وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ بحمد اللہ کتاب ایمان و وعید اور اس کے توابع تکمیل و تمام ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کی بہترین تائید و مدد پر اس کا شکر ہے۔ وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

تمت

تصحیحات

الملل والنحل (ابن حزم اندلسی)

جلد دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۱۸	حسن	حسین	۲۱	۹	تینون	تینوں
؍؍	۲۰	حسن	حسین	۲۴	۱۵	مشاہد ے	مشاہدے
۴	۲۳	کہ کہ	کہ	۲۵	۱۳	جفنتون	جفنتوں
؍؍	۲۵	مذکوہ	مذکورہ	۲۶	۲۵	میں	ہیں
۵	۹	نہبں	نہیں	۲۸	۲۲	مسایخ	مشایخ
؍؍	۱۶	ہین	ہیں	۲۹	۱۷	خالیٔ	خالی
۶	۲۴	الی	ابی	۳۰	۱۲	لوگون	لوگوں
۹	۱۰	عبداللہ بن سا	عبداللہ بن سبا	۳۰	۱۹	تاوقتیکہ	تاوقتیکہ
۱۱	۵	علمہ	علیہ	۳۳	۱۹	ناکہ	تاکہ
۱۲	۱۸	لہذ	لہذا	؍؍	۲۰	زآن	قرآن
۱۴	۱۱	موتا	ہوتا	۳۷	۴	لتتذکروا	لتذکروا
؍؍	۱۸	کا	گا	؍؍	۱۰	تبدلیغ	تبلیغ
؍؍	۲۵	برہاں	برہان	۳۹	۲۱	احاط	احاطہ
۱۶	۶	بیاں	بیان	۴۲	۷	انھیں	اس
۱۷	۱۷	صعات	صفات	۴۶	۶	مغایر	متغایر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۶	۲۲	نا	نہ	۸۰	۱۵	اکر	اگر
۵۲	۴	ملند	بلند	״	״	عص	نص
״	۱۷	امد	احد	״	״	نہونا	نہوتا
۵۶	۱۵	ہس	ہیں	״	۲۰	کرر ے	کردے
۵۸	۶	پید ا	پیدا	۸۳	۸	بہ	یہ
۶۰	۹	اپیے	اپنے	۹۰	۸	سوبنگھنے	سونگھنے
۶۱	۱۳	نہس	نہیں	۹۲	۴	شے	شئے
۶۳	۱۳	نعض	بعض	״	۶	جاہے	چاہے
״	۱۵	گہیں	کہیں	۹۷	۳	لے	لیے
۷۲	۱	نبیار	انبیاء	״	۵	میں	ہیں
״	۴	کو	کہ	״	۱۲	درمہان	درمیان
۷۳	۲	ھی	بھی	۹۸	۲۱	اقتدار ودولوں	اقتدار ودونوں
״	۳	لے	نے				
۷۴	۱۲	بجوخگلے	بھٹکنگے	۹۹	۶	بیں	ہیں
۷۵	۱۹	تعالیٰ	اللہ تعالیٰ	۱۰۱	۸	ائے گا	آئے گا
״	۲۱	کہیں کے	کہیں گے	۱۰۳	۲	شے خارج	شے سے خارج
۷۶	۸	موت وفات	موت و وفات	۱۰۴	۴	کرے کا	کرے گا
۷۷	۶	ہونٹھوں	ہونٹوں	״	۱۶	چاہتاں	چاہتا ہوں
״	۱۷	ہے	ہو	۱۱۴	۱۸	خوب ہیم ہے تو	خوب ہے ہم تم
״	۲۳	اگ	آگ	۱۱۵	۱۹	ائے کا	آئے گا
۷۸	۲۰	لیا	کیا	״	۲۳	بغیرااراده	بغیر اراده
۷۹	۱۰	جن	جس	۱۱۶	۱۲	۔ضروریہ	ضروریہ سے
۸۰	۱۱	ئے گا	جائے گا	۱۱۷	۲۲	ہیں	رہیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۹	۳	کریں کے	کریں گے	۱۶۶	۲۲	ہمشہ	ہمیشہ
؍؍	۲۵	گیا گیا	کیا گیا	؍؍	۲۳	نہیں	نہیں
۱۲۰	۲	والا	والے	۱۶۹	۲	ذلک	ذالک
۱۲۲	۱۴	ایسا	ایسی	۱۷۱	۱۱	آسماں	آسمان
۱۲۴	۱۵	اینتخذ	اتخذ	۱۷۲	۱۴	اول یاآخر	اول یاآخر
۱۲۵	۲۲	دں گے	دیں گے	۱۷۳	۲۲	اینا	اپنا
۱۲۶	۲۱	زیاد	زیادہ	۱۷۸	۹	علبہ	غلبہ
۱۲۹	۱۹	ازواح	ارواح	۱۸۵	۶	موجو	موجود
۱۳۰	۸	دد	دہ	۱۸۷	۲۵	ہوئی	ہوتی
؍؍	۲۰	نہس	نہیں	۱۹۰	۳	پنائے	نہ پائے
؍؍	۲۲	کہ کہ	کہ	۱۹۴	۱۲	اپاہج	اپاہج
۱۳۲	۱۹	ہیں	ہیں	؍؍	۲۲	؍؍	؍؍
۱۳۳	۸	بیخ	بیخ	۱۹۷	۴	حال نہیں	حال نہیں
۱۳۵	۲	ہم نے سے	ہم نے	۲۰۱	۲۴	جوارح وزنتفاع	جوارح وارتفاع
؍؍	۴	اُس اسے	اُس سے	۲۰۲	۳	فسکون	فیکون
۱۳۷	۱۸	مجال	محال	؍؍	۱۳	پناسے گا	نہ پائے گا
۱۴۴	۲	میرارب	میرا رب	؍؍	۲۵	؍؍	؍؍
۱۵۱	۱	قلیپ	قلب	۲۰۳	۱۴	فعتتد	فعلتہ
۱۵۸	۱۲	فآتہم	فآتہم	۲۱۵	۶	نہوتی ہے	ہوتی ہے
۱۶۰	۳	زکوٰۃ	زکوٰۃ	۲۱۶	۲۰	فاستجوا العمی	فاستحبوا العمی
۱۶۲	۱۷	واجب	واجب	۲۱۹	۱۰	دائے میرے	(اے میرے رب
۱۶۳	۲۲	اوربہت	اور یہ بہت	۲۲۰	۱۴	دنوں پر	دلوں پر
۱۶۶	۱۹	فرانا	فرماتا	۲۲۴	۱۳	معنی میں	معنی ہیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۲۴	۱۴	تقسیر	تفسیر	۳۰۷	۱	جائز	جابر
۲۲۵	۸	آئمۂ محدثین	ائمۂ محدثین	۳۱۹	۵	مجیبیح	قبیح
۲۲۸	۶	کسیرا	کبیرا	۳۲۰	۳	وسوئے	دعوے
〃	۱۹	کین	کیں	۳۲۱	۹	پورے طور	پورے طور پر
۲۳۳	۲۰	دوپھروں	دوپہروں	۳۳۱	۷	اللہ تعالیٰ	اللہ تعالیٰ نے
۲۳۴	۲۰	والدین	والذین	〃	۱۰	اللہ تعالیٰ کو	اللہ تعالیٰ
۲۳۶	۲۱	سے	ہے	〃	۲۵	کرنے لئے	کرنے کے لئے
۲۳۷	۱۷	گرڑھتے	گھڑتے	۳۳۷	۱۳	اہل دوزخ	اہل دوزخ
۲۳۸	۶	ہیں	ہیں نے	۳۴۱	۱۵	ہوتے ہیں	ہوتے ہیں
۲۳۹	۲۴	خوشئوں	خوشبوؤں	۳۴۲	۱۱	بکر بن اخت	بکر بن اخت
۲۴۰	۱۴	دہرین	دہریین	۳۵۲	۴	ارسطوطالیس	ارسطاطالیس
۲۴۵	۱۷	نالمزد	نامزد	۳۵۸	۲۰	دابۃ الارض	دابۃ فی الارض
۲۵۳	۲۱	تنایا	تبایا	۳۵۹	۲۵	واو	داؤ
۲۵۶	۱۹	گوئی	کوئی	۳۶۶	۱۱	اوائلک	اولئک
۲۶۵	۵	سوار	سور	۳۷۰	۱۶	بتوفتق	بتوفیق
۲۷۷	۲۰	الحمید	الحدید	۳۷۳	۲۱	وحتسرنا	وحشرنا
۲۸۸	۲۰	مباح ہے ہے	مباح ہے	〃	۲۴	کوال	کوان
۲۹۱	۲۳	عراض	اعراض	۳۷۶	۱۳	استنلال	استدلال
۲۹۲	۲۲	جس چیزیں	جس چیز میں	〃	۲۲	ال	ان
۲۹۶	۱	ہوۓ	ہوئے	〃	〃	الصم الیکم	الصم البکم
〃	۱۸	بوچھ	بوجھ	۳۸۰	۱۹	کرلے	کرتے
۳۰۳	۹	جاہے	چاہے	۳۸۲	۲۱	بدہتہ	بداہتہ
۳۰۶	۲۳	جائز	جابر	۳۸۳	۱۱	نامل	فاعل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۹۶	۱۶	ابغاتھم	انبعاتھم	۴۷۷	۵	شانہ روز	شبانہ روز
۴۰۳	۲۲	قریب کاری	فریب کاری	۴۹۲	۴	ول چیروں	دل چیروں۔
۴۰۷	۱۹	علیحدہ رہتے	علیحدہ رہیے	۵۱۶	۱۲	جن نے	جس نے
۴۱۱	۱	تیقین	تیقن	۵۲۵	۲۵	منع لیا کہ	منع کیا کہ
۴۱۵	۱۳	حس کے	جس کے	۵۳۴	۳	فاولٹک	فاولئک
۴۲۹	۱۴	ہمیسایے	ہمسایے	۵۳۶	۱۳	اقول	اقوال
"	۲۲	حسن وبیح	حسن وقبیح	۵۴۸	۵	اسی۔ اسے	اس سے
۴۳۴	۱۰	مصائب غطیمہ	مصائب عظیمہ	۵۵۴	۸	نامائز	ناجائز
"	۱	کر	کہ	۵۷۷	۶	رب	رب
۴۳۷	۳	ام کلثو	ام کلثوم	۵۷۹	۱۹	جاعل الملئکۃ	جاعل الملئکۃ
۴۳۸	۱۹	تفی	نفی	۵۹۶	۲	لوگو	لوگوں
۴۳۹	۱۳	کوئی سے	کوئی شے	۵۹۷	۶	نواب	ثواب
۴۴۱	۱۹	محاباۃ دجور	محاباہ وجور	۵۹۸	۴	آس	اس
۴۴۶	۱	گالی	گالی	۶۰۱	۷	السلام	علیہ السلام
۴۴۹	۱۸	کہائے جائے گا	کہا جائے گا	۶۰۵	۶	روایب	روایت
۴۵۶	۴	ضرورۃ	ضرور	"	۱۰	زلت	ذلت
۴۶۳	۲۳	ہداہتہ	بداہتہً	"	۱۱	سے	ہے
۴۶۵	۱۴	اُس پاس	اُس کے پاس	۶۰۶	۲	تعا	تعالیٰ
"	۱۵	معنیٰ ایں	معنیٰ ہیں	۶۰۷	۳	اللہ تعاکی	اللہ تعالیٰ
۴۷۵	۲	یہاں ننک	یہاں تک	"	۲۳	فریا	فرمایا
"	۲۵	تما اموال	تمام اموال	۶۱۱	۲۴	دعاد	دعا
"	"	محدود ہیں کے	محدود ہیں جس کے	۶۱۸	۳	لئے	سے
۴۷۶	۱۸	نغت	لغت	۶۳۸	۱۰	ضروریۃ	ضروریہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۳۰	۹	قریب	یا قریب	۶۶۵	۲۴	ہیں	میں
۶۴۲	۱۰	کہ دیگر کسی	کہ دو کسی	۶۶۶	۲۲	عفلت	غفلت
۶۴۳	۸	نیر	خبر	۶۶۷	۲۰	ہہیں	نہیں
۶۴۶	۲۴	ائمینا	انبیاؑ	۶۷۱	۲۲	پریشتان	پریشان
۶۵۸	۱۰	مشاہد	مشاہدہ	۶۸۱	۲۰	کبابر	کبایر
〃	۲۵	حبب	حبیب	۷۴۵	۴	نکمنحصا	گگنا
۶۶۰	〃	داو	داوا	۷۴۹	۷	رو	رو
۶۶۲	۲۵	کہا	کہنا	۷۵۰	پیشانی	نمل	نخل
۶۶۵	۱۱	ورت	فرتت				